بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مبلغِ اسلام

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا

مبلغ اسلام

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔کراچی۔پاکستان

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جلد دوم

مبلغِ اسلام

حضرت علامہ سیّد سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاھور ○ کراچی ○ پاکستان

آئینہ

سورۂ محمد ﷺ

سورۃ الحجرات

سورۃ الحشر

سورۃ الممتحنہ

سورۃ الصّف

سورۃ الجمعہ

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ التحریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''پیش کش''

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' کی جلد اول کی مقبولیت پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہمارے جن بھائی بہنوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا ان میں اکثریت نوجوان طبقہ کی ہے جنہوں نے کتاب کی اشاعت پر بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور دورِ حاضرہ کی ایک بہترین تصنیف قرار دیا۔ جس کا سبب بلاشبہ مصنف کی علمی کاوش کے ساتھ اس کی اشاعت میں پبلشر کی خصوصی توجہ اور کتاب کی بہترین تزئین و آرائش کے لئے زبردست کوشش بھی ہے جس کے لئے ہم ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے بے حد ممنون ہیں خصوصاً ہم ادارے کے منیجر جناب صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی ذاتی دلچسپی کے سبب کتاب کی اشاعت معیاری اور حسین و خوبصورت ہو سکی اور وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں جن کے مؤثر تبصروں نے کتاب کو مزید معیاری اور وقیع بنایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' کی جلد اول سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المآئدہ کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ جبکہ یہ دوسری اور آخری جلد سورۃ الانفال، سورۃ التوبہ، سورۃ الحج، سورۃ النور، سورۃ الاحزاب، سورۃ محمد، سورۃ الحجرات، سورۃ الحدید، سورۃ المجادلہ، سورۃ الحشر، سورۃ الممتحنہ، سورۃ الجمعہ، سورۃ المنافقون، سورۃ التغابن، سورۃ التحریم کے ۴۵ مقالات پر مشتمل ہے۔ یہ کل ۹۰ مقالات ہوئے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس جلد کے مطالعہ کے بعد آپ ہماری تائید کریں گے کہ ان مقالات پر مصنف نے کچھ زیادہ ہی محنت کی ہے اور انہیں خصوصی توجہ کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ بالخصوص سورۃ الاحزاب کا مقالہ نمبر ۶۵ تو نہایت ہی ایمان افروز اور مفید ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے ''درود شریف'' آقا ﷺ کے دربار میں درود شریف پڑھنے کی برکتوں اور فوائد کو جس عقیدت و محبت سے قلمبند کیا گیا ہے یہ مصنف ہی کا حق ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ہمہ وقت درود شریف پڑھنے کا عادی نہ ہو جائے۔ انڈیا کے ایک سہ ماہی رسالہ ''الکوثر'' میں یہ مضمون بااقساط شائع ہو چکا ہے اور بے حد پسند کیا گیا یہ درحقیقت ایک مستقل رسالہ ہے جسے مستقل کتابی شکل میں شائع ہونا چاہئے۔

اس کے علاوہ اس جلد میں نہایت ہی اہم معاشرتی و معاشی، سیاسی اور تاریخی عنوانات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ رسول کی پکار، نیکی میں دیر نہ کرو، جھگڑا نہ کرو، واقعہ ہجرت، عورت کا اظہار زیب و زینت، فضیلت نکاح، اسوۂ حسنہ، یہودی عورتوں پر کرم، ذکر الٰہی، خلع اور طلاق، میری مائیں، اپنوں کی ایذاء رسانی، جنت کی خوبیاں، جہنم کی ہولناکیاں، کفار سے صلح، اموال و اولاد فتنہ ہیں، صلۂ رحمی، غزوۂ حنین، ہمارے علماء و مشائخ کا حال، تین انعام، اتحاد کا تحفظ اور بقاء، عیب

جوئی، غیبت، جاسوسی کا جواز، رسول سے امتی کا تعلق، صلح حدیبیہ، تجارت کے بنیادی اصول، کیا مذہب باعث انتشار ہے، والدین پر اولاد کا حق، غرضیکہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پوری طرح اندازہ ہوگا کہ بحمد اللہ ہمارا دین کس قدر کامل و مکمل اور ادیان عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے اور اس پر عمل بھی نہایت آسان ہے۔

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، مصنف کو صحت و تندرستی اور عمر دراز عطا فرمائے تا کہ وہ اسی طرح اشاعت دین میں مصروف رہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے رہیں، آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

طالب دعا

صاحبزادہ سید عامر علی قادری

مقیم کینیڈا

''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' اور علامہ قادری

از، مفکر اسلام علامہ بدر القادری

مدیر اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۷۸ء میں ہالینڈ کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جس عالم سے ملاقات کی وہ ہیں مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم ان دنوں پورا ملک علماء سے خالی تھا۔ مقتدی تھے، اماموں کی ضرورت تھی، سامعین تھے مقررین وواعظین کی ضرورت تھی، سننے والے اور پڑھنے والے تھے سنانے اور پڑھانے والوں کی ضرورت تھی مگر اب صورت حال بدل چکی ہے علماء آئمہ، مقررین، واعظین اور ناصحین زیادہ ہو گئے، مخاطبین کم ہو گئے۔

فرصت کے لمحات کو بامقصد بناتے ہوئے مبلغ اسلام نے رفتار قلم کو تیز کیا لکھا اور خوب لکھا۔ نہایت اہم عنوانات پر متعدد کتابیں چند ہی سالوں میں دنیا بھر میں پھیل گئیں جن میں سے بعض کے انگلش، ڈچ اور فرانسیسی زبانوں میں بھی تراجم ہوئے۔ آپ کی شب وروز محنت ومشقت کا نتیجہ ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو ایک ضخیم، باوقار اور مفید ترین کتاب ہے۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۷۸۲ صفحات پر مشتمل پہلی جلد نہایت حسین وخوبصورت میرے سامنے موجود ہے جبکہ دوسری جلد طباعت کے لئے تیار ہے انشاءاللہ جلد ہی اس سے بھی استفادہ کا موقع ملے گا۔

حضرت سے میری ۲۲ سالہ رفاقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کے حالات زندگی اور آپ کی حاصل زندگی اس تصنیف پر میرا مفصل مقالہ پہلی جلد ہی میں شامل ہوتا لیکن افسوس کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ بہر حال تلافی مافات کے طور پر اب پیش کر رہا ہوں اگرچہ یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو لکھا جانا چاہئے تھا کیونکہ میں نے نہایت قریب سے حضرت علامہ کی زندگی کے نشیب وفراز کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے:

مجھ سے زیادہ تری پہچان بھلا کس کو ہو
آئینہ بن کے تیرا عکس لیا میں نے

یہ مختصر تحریر میری نیازمندی کا تقاضا بھی ہے اور احوال سلف جمع کرنے کے اشتیاق کی تسکین بھی:

ٹمٹمائے چراغوں کی خوابیدہ لو — کہہ رہی ہے صبا سے بآواز نور
قصۂ شب سراجا کے پروانوں کو — تو جو خود ہی سنائے تو کیا خوب ہو

تو لیجئے، پہلے ''یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کی خوبیوں پر چند سطور، پھر مصنف کی مختصر سوانح ملاحظہ ہو۔

ذوق تصنیف

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو تقریر کی طرح تحریر وتصنیف کا بھی ذوق عطا فرمایا ہے۔ دور طالب علمی میں آپ متعدد

مضمون نویسی میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں پر سبقت حاصل کرتے رہے۔ اسی زمانہ سے آپ نے اخبارات کو مضامین بھیجنا شروع کیے۔ کراچی کے روزنامہ ''انجام'' نے آپ کی بڑی ہمت افزائی کی کہ اپنے کالموں میں اکثر جگہ دی اور ایک مقابلہ مضمون نویسی میں آپ کو پہلے انعام کا حق دار قرار دیا۔ روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے خصوصی ایڈیشن میں کئی سال متواتر آپ کے مضامین شائع ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب سنی علماء کی توجہ اس طرف بہت کم تھی شاذونادر ہی کسی سنی عالم کا کوئی مضمون اخبار میں نظر آیا تا تھا۔

مضمون نویسی کے ساتھ ہی آپ نے تصنیف کا آغاز کیا۔ اور پہلی کتاب ''اسلامی عقائد'' علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سکول کے لئے لکھی جو سکول کے نصاب میں شامل ہوئی اور بار بار چھپی پھر آپ نے ایک کتابچہ بعنوان ''بشارات انجیل'' لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ کراچی قیام کے دوران آپ نے ماہنامہ ''ترجمان اہلسنت'' نکالا۔ مدیر ہونے کے ناطے آپ اس کا اداریہ بھی لکھتے تھے اور کوئی نہ کوئی مضمون بھی۔ اداریہ چونکہ اس وقت کے حالات سے متعلق ہوتا تھا لہٰذا بہت اہمیت پاتا تھا۔

۱۹۷۰ء کے بعد آپ کے قلم کی رفتار تیز ہوئی۔ سرینام قیام کے دوران آپ نے ''مرض سے موت تک''، ''اچھا برتاؤ'' جیسی اہم کتابیں لکھیں جو دراصل سرینام میں آپ کی ریڈیو اور ٹی وی کی تقریروں کا مجموعہ ہے اور اس کے بعد تو آپ کا قلم دوڑتے دوڑتے تصنیف کی اعلیٰ منزل تک پہنچا اور بحمد اللہ ''یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' ہمارے سامنے ہے۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی کی اہم ترین کتاب ہے۔ آپ خود اسے اپنی زندگی کا نچوڑ قرار دیتے ہیں اور راقم الحروف گواہ ہے کہ حضرت نے اس تصنیف میں جو محنت و مشقت کی اور جس خلوص سے اس عظیم کام کو انجام دیا یہ انہی کا حصہ ہے، اللہ جزائے خیر دے۔

اوسطاً دس گھنٹہ یومیہ لکھا اس کے لئے اکثر پروگراموں میں جانا چھوڑ دیا، باہر کے دورے مختصر کر دیئے، جب بھی کسی سے ملاقات ہوتی آپ یہی کہتے سنے گئے: ''دعا کیجئے اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا فرمادے کہ ''یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' مکمل کرلوں، اس جذبہ و خلوص کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ کتاب نہایت حسین اور مفید صورت میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ عوام نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مبصرین نے اس پر خوب تبصرے لکھے، قدردانوں نے خوب اظہار قدردانی کیا لیکن افسوس کہ حضرت کو اس عظیم کارنامہ پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہم اب تک کوئی اجتماعی اہتمام نہ کر سکے۔

''یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' دو جلدوں میں نوے مقالات پر مشتمل علمی خزانہ ہے۔ ہر مقالہ میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات، احادیث کے علاوہ اقوال صحابہ و تابعین، آئمہ و اسلاف اور علماء و صالحین کو یکجا کر دیا گیا۔ اس طرح کتاب، احکام شرع اور تاریخی واقعات کا گنجینہ بن گئی۔ ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشیات، معاشرت اور سیاست غرضیکہ زندگی سے متعلق تمام شعبوں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بالخصوص مصنف نے اپنے وسیع تجربات، مشاہدات اور ذاتی واقعات سے کتاب کو مزید دلچسپ اور مفید بنا دیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ پر دوران تحریر مختلف کیفیات طاری ہوتی رہیں، جب وہ احکام شرع لکھتے تو اسلام کی حقانیت اور اس کے کامل دین ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ایسے دین متین سے امت

مسلمہ کی بغاوت پر تیغ پا ہوتے ہیں اور نہایت ہی مؤثر مبلغانہ انداز میں قوم کو اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دیتے ہیں۔ جب وہ عقائد بیان کرتے ہیں تو ان کو مستحکم دلائل سے ثابت کرتے ہوئے بدعقیدہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے اور انہیں عقائد حقہ قبول کر لینے کی ہدایت کرتے ہیں اور جب وہ آقائے رحمت ﷺ کی اطاعت، محبت اور ان کے عقیدت پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کا قلم نہایت ہی تیز اور رواں دواں ہو جاتا ہے ان کی آنکھیں پرنم معلوم ہوتی ہیں، قلم عقیدت ومحبت کے موتی بکھیرتا نظر آتا ہے اور وہ اپنے قارئین کو پوری طرح عشق ومحبت سے سرشار کر دینے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جب وہ وادیٔ سیاست میں داخل ہوتے ہیں تو ایک نہایت تجربہ کار، کامیاب سیاست دان کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ موجودہ بے دین حکام پر زبردست تیراندازی کرتے ہیں انہیں ہی امت مسلمہ کی تباہی و بربادی کا مجرم قرار دیتے ہیں اور شعبہ سیاست میں اللہ کے احکام، معلم کامل ﷺ کی تعلیمات پر عمل، خلفائے راشدین اور اسلاف کے انداز حکومت کو کامیابی وکامرانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

مشکل مضامین

''يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنف نے بعض مشکل ترین مضامین کو نہایت آسان انداز پر بیان کر کے قارئین کو دشواری اور الجھن سے بچایا۔ دشوار ترین فقہی اور علمی مضامین کو قرآن کریم کی آیات اور ان کا ترجمہ لکھنے کے لئے آسان کر دینا اور سہل زبان میں پیش کرنا کوئی معمولی کام نہیں لیکن حضرت علامہ میں یہ قدرتی ملکہ پایا جاتا ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ اپنی تقاریر میں بھی کرتے ہیں اور تحریر میں بھی اس کا بخوبی لحاظ رکھتے ہیں۔ کتاب میں کئی مقام پر انہوں نے ایسے مسائل کو نہایت ہی آسان اور سہل انداز پر بیان کیا ہے جو مفسرین، فقہاء اور علماء کے نزدیک مسلمہ طور پر دقیق ہیں مثلاً سودے متعلق مسائل، وراثت، شہادت اور وصیت وغیرہ کے مسائل بطور مثال ہم کتاب کی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۸ سے متعلق یہ عبارت ہے جس میں وصیت پر گواہ مقرر کرنے اور شہادت کا طریقہ بیان کیا گیا۔ آیت کا ترجمہ پڑھا جائے تو اس سے مضمون کے دقیق اور دشوار ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن درج ذیل عبارت پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ مصنف نے کیسے ماہرانہ انداز میں ایک مشکل ترین عنوان کو سہل ترین بنادیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وصیت پر گواہ مقرر کرنا اور ان سے گواہی لینے کا طریقہ، ان آیات میں بیان کیا جارہا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ وصیت کرنے والا اگر اپنے اہل خانہ، اعزاء و اقارب سے کہیں دور نہیں ہے تو وہ اپنے خاندان کے لوگوں ہی سے دو آدمیوں کو اپنی وصیت پر گواہ بنائے لیکن اگر وہ حالت سفر میں ہے اور اچانک بیمار ہوا اسے خطرہ ہوا کہ یہ مرض موت کا سبب بن سکتا ہے تو وہ بجائے اپنوں کے [illegible] انصاف کرنے والے۔

گواہوں نے مرنے والے کے وارثوں کو وصیت پہنچا دی [illegible] قانون یا طریقہ [illegible] وصیت میں کوئی [illegible]

زیادتی کی ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ بتایا جارہا ہے کہ:

وارث ان گواہوں کی حکام سے شکایت کریں، حکام انہیں طلب کریں انہیں کسی نماز کے وقت تک روکے رکھیں (یہ وقت عصر کا ہو) بعد نماز انہیں نمازیوں کے سامنے کھڑا کیا جائے اور ان سے قسم لی جائے کہ انہوں نے مردے کی وصیت اس کے وارثوں کو بالکل صحیح، مردے کی مرضی کے مطابق پہنچائی ہے۔ گواہ اس طرح قسم کھائیں کہ ''اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں اس میں ہم نے دولت کے لالچ میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اگر ہمارا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا تب بھی ہم یہی گواہی دیتے نہ ہی ہم اللہ کی گواہی کو چھپانے کا جرم کررہے ہیں۔ گر ایسا کریں (تو ہم جانتے ہیں کہ) ہم گناہ گار ہوں گے۔''

جب گواہ یہ قسم کھالیں تو انہیں سچا تسلیم کرنا ہوگا، مقدمہ کا فیصلہ ان کے حق میں ہوگا انہیں باعزت بری کیا جائے گا اور ورثاء کو ان کی گواہی پر مطمئن ہونا ہوگا پھر وہ ان پر کوئی الزام لگانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

اب اسی مقدمہ کی ایک امکانی صورت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد کسی طرح وارثوں کو یہ پتہ چلا کہ گواہوں نے سزا سے بچنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ پس وہ حاکم سے شکایت کریں حاکم پھر ان دونوں گواہوں کو طلب کرے اور نماز کے بعد ان وارثوں میں سے دو کو کھڑا کرے جنہوں نے گواہوں کی سچائی کا انکار کیا ہے وہ اس طرح قسم کھائیں ''اللہ کی قسم ہم جو گواہی دے رہے ہیں وہ پہلے دو گواہوں سے زیادہ سچی ہے۔ ہم شرعی حد سے تجاوز کرتے ہوئے کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگا رہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے'' اس کے بعد وہ ثابت کریں کہ انہوں نے کس طرح وصیت کے گواہوں کی قسم کا انکار کیا ہے۔ اب فیصلہ وارثوں کے حق میں ہوگا۔

بظاہر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ قسم سے مقدمہ ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ وہی مقدمہ جاری کرنے اور پھر قسم سے فیصلہ دینے کی اجازت کیوں دی گئی تو اسی حکمت کو آخری آیت میں بیان کیا جارہا ہے کہ اس طرح وصیت کے گواہوں کو جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ بات ہماری قسم پر ختم نہیں ہو جائے گی۔ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھالی اور بعد میں کسی وقت بھی میت کے وارثوں کو ہمارے جھوٹ کا پتہ چل گیا تو انہیں بھی قسم کا حق حاصل ہوگا اور پھر ہم عامۃ المسلمین کے سامنے ذلیل وخوار ہوں گے، قانون ہمیں سزا دے گا اور اللہ کے دربار میں بھی ہم آثمین اور مجرمین کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے وصیت اور اس کے متعلق گواہی کا طریقہ کار، دقیق مسائل میں سے ایک ہے لیکن مصنف نے اس کو نہایت سادہ زبان میں ہمارے لئے بے حد آسان طریقہ پر بیان کردیا۔ اس کے بعد آپ نے آیت متعلقہ کے شان نزول سے متعلق واقعہ کو بیان کر کے مسئلہ کو مزید سہل کیا۔ ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

> وہ خاص واقعہ بھی ملاحظہ ہو جو احکام مذکورہ کے نزول کا سبب بنا۔ اس سے آیات کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔ تمیم بن اوس داری اور عدی بن زید اس وقت عیسائی تھے۔ ہر سال بسلسلہ تجارت شام جایا کرتے تھے حضرت بدیل بن مریم جو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار ہوگئے اور اتنے بیمار ہوئے کہ انہیں اپنی موت

کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان تم میرے گھر پہنچا دینا۔ فہرست کا کوئی ذکر نہ کیا۔ بدیل کا انتقال ہو گیا دونوں گواہوں نے ان کا سامان اپنے پاس رکھ لیا۔ ایک دن سامان میں ان کی نظر ایک قیمتی خوبصورت پیالے پر پڑی جو چاندی کا تھا، سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ بدیل یہ پیالہ شام کے بادشاہ کو فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن پہلے ہی وفات پا گئے۔ دونوں کی نیت خراب ہوئی سوچا کسی کو کیا پتہ چلے گا، چھپی ہوئی فہرست کا تو انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ بس پیالہ اڑا لیا۔ باقی سامان مدینہ پہنچ کر ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔ جب سامان کھولا گیا تو فہرست بھی نکلی، جس میں چاندی کے ایک پیالہ کا بھی اندراج تھا۔ جو سامان میں موجود نہ تھا، چند ورثاء تمیم وعدی کے پاس آئے اور پوچھا کیا بدیل نے اپنا کچھ سامان فروخت کیا تھا انہوں نے کہا نہیں۔ پوچھا کیا وہ بہت بیمار ہوئے تھے اور انہوں نے علاج کے لئے کوئی چیز فروخت کی تھی۔ جواب ملا نہیں۔ پوچھا کیا تم دونوں نے بدیل سے کوئی چیز خریدی تھی کہا نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ سوالات تم سے اس لئے کر رہے ہیں کہ بدیل کے سامان میں ایک فہرست نکلی ہے جس میں ایک چاندی کے پیالے کا بھی ذکر ہے جو اس میں موجود نہیں۔ آخر وہ کہاں گیا؟ ان دونوں نے بڑی صفائی سے کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے نہ ہمیں کسی فہرست کا علم اور نہ ہمیں یہ معلوم کہ کیا کیا سامان تھا۔ ہم نے تو بدیل کی وصیت کے مطابق اس کا سب سامان تمہارے سپرد کر دیا۔ ان ورثاء نے یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تمیم اور عدی کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قسم کھاؤ انہوں نے مجمع عام میں قسم کھالی اور بری ہو گئے۔ ورثاء کو فیصلہ قبول کرنا پڑا اور یہ مقدمہ یہاں ختم ہوا۔

اب دوسرا مقدمہ شروع ہوتا ہے کہ بدیل کے ورثاء میں سے کوئی مکہ معظمہ گیا انہوں نے وہاں ایک دولت مند شخص کے پاس بعینہٖ وہی چاندی کا پیالہ دیکھا جس کا فہرست میں ذکر تھا انہوں نے اس سے پوچھا کہ پیالہ بہت حسین ہے تم نے کہاں سے خریدا؟ اس شخص نے صاف بتا دیا کہ میں نے یہ پیالہ ایک ہزار درہم میں تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ بدیل کے ورثاء نے پھر سرکار ﷺ کے دربار میں مقدمہ دائر کر دیا اور صورت حال بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ یا تو ہمیں پیالہ دلایا جائے یا وہ رقم جو اس سے حاصل کی گئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمیم وعدی کو طلب فرمایا اور بدیل کے ورثاء میں سے دو کو حکم دیا کہ اب تم قسم کھاؤ کہ جو پیالہ تم نے دیکھا وہ بدیل کا ہے اور تمیم وعدی نے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ ان لوگوں نے قسم کھالی تمیم وعدی پر جرم ثابت ہوا انہیں پیالہ سے وصول شدہ رقم بدیل کے ورثاء کو دینی پڑی۔

اسے کہتے ہیں کمالِ تفہیم، جسے آپ نے مندرجہ بالا عبارت میں ملاحظہ فرمایا۔ علاوہ ازیں کتاب میں ایسے متعدد مقامات ہیں جہاں مصنف نے اپنے کمالِ تفہیم کا بخوبی ثبوت فراہم کیا ہے اور مشکل ترین امور کو بآسانی قارئین کے ذہنوں میں

اتارا ہے اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے کیونکہ ایک عالمی مبلغ کو طرح طرح کے ذہن و دماغ سے واسطہ پڑتا ہے اور اسے ہر ذہن کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی بات پیش کرنا ہوتی ہے مولا کریم نے مبلغ اسلام کو یہ خوبی خوب عطا فرمائی ہے، اللھم زد فزد۔

مبلغ اسلام نے ایشیاء کے اندر برصغیر ہندو پاک میں جنم لیا۔ امریکہ، افریقہ اور یورپ کی خاک چھانی اور تجربات و مشاہدات کے انمول موتی چنتے رہے۔ تلخیوں، آزمائشوں، امتحانوں اور ناقدریوں کے سیلاب سے گزرتے رہے۔ آج ایمان والوں کو وہ جس دولت سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ اس میں آپ کی مبلغانہ حیات کے جوہر بھی نمایاں ہیں۔ مختلف عنوانات پر قلم فرسائی کرتے ہوئے جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے اپنے مشن، اسلام، دین و دانش، عقائد اور صالحیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ پیغام ہدایت دیتا ہے جس سے ان میں دعوت دین کی ذمہ داری کے احساس کا پتہ چلتا ہے۔ اچھوں، نیکوں، پرہیزگاروں کو دیکھتے ہیں تو نیازمند ہو جاتے ہیں، باغیوں سرکشوں اور متمردوں کی بات آتی ہے تو ان کے خنجرِ قلم سے لہو ٹپکنے لگتا ہے۔ ذرا پڑھئے درج ذیل عبارت کو اور اندازہ لگایئے مصنف کا اندازِ تبلیغ اور احساسِ فرض:

(ایمان) اہل ایمان میں ہمت و جرأت کا ایسا جوہر پیدا کر دیتا ہے کہ ان کے لئے دین کی پابندی، دین کی خدمت میں کوئی عار نہیں رہتی۔ ''وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ'' اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ اپنی تہذیب اپنانے اور اپنا تمدن اختیار کرنے میں انہیں نہ تو شرم آتی ہے نہ وہ کسی کے طعنوں کی پرواہ کرتے ہیں کوئی انہیں قدامت پسند کہے یا رجعت پسند پرواہ نہیں۔ وہ جس راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس پر ہر طرح مطمئن ہیں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ کسی کی ملامت انہیں ان کی راہ سے برگشتہ نہیں کر پاتی۔ یہ کیفیت تو نہایت ہی ضعیف الایمان لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ ماحول اور معاشرے سے متاثر ہو کر اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ انہیں دین کے شعائر اختیار کرنے، دین کے احکام پر عمل کرنے میں شرم آنے لگتی ہے۔ اس کیفیت کا مطالعہ آپ ان مسلمانوں کی حالت میں کر سکتے ہیں جو غیر مسلم ممالک میں آباد ہیں یا مغربی تہذیب کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ انہیں اپنا لباس پہننے میں شرم آتی ہے، داڑھی مونچھ رکھنے میں شرم آتی ہے، عورتوں کو پردہ کرنے، شرعی لباس پہننے میں شرم آتی ہے، کسی عام مقام پر نماز پڑھنے میں شرم آتی ہے، روزہ رکھنے میں شرم آتی ہے، حج و عمرہ کو جائیں تو احرام باندھنے میں شرم آتی ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں شرم آتی ہے، حلال غذا تلاش کرنے میں شرم آتی ہے اور تو اور بھائیوں کو ٹوپی تک پہننے میں شرم آتی ہے۔ یہاں تک کہ نماز کے لئے بھی ٹوپی پہننا گوارا نہیں۔ ہاں شرم نہیں آتی تو کلبوں میں ڈانس کرنے، شراب پینے میں شرم نہیں آتی، ساحل پر ننگا ہونے میں شرم نہیں آتی، سچ پوچھئے تو یہ شرم نہیں بے شرمی، بے غیرتی ہے اللہ کے احکام سے بغاوت کرنا ہی سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ ان لوگوں نے غیر مذہب و معاشرے کو اپنا کر صرف اپنے آپ ہی کو ذلیل و خوار نہیں کیا [illegible] ذلت و خواری سے [illegible] سب مسلمانوں کو ان لوگوں نے بدنام کیا ہے کیا کیا

جائے ایسے لوگوں کا کہ نہ تو انہیں امت سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنایا جا سکتا ہے۔ بس ان ظالموں سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا چاہئے، پس

اے ایمان والو! تم پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہو، آپس میں محبت کرتے رہو، اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جاری رکھو، دشمن کے لئے سخت بنے رہو، اللہ کی راہ میں محنت و مشقت جاری رکھو، دین کے معاملہ میں کسی کے لعن وطعن اور ملامت کی پرواہ نہ کرو کہ یہی اہل ایمان کی وہ خوبیاں ہیں جن سے رحیم وکریم، علیم وخبیر رب نے انہیں اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے۔ پس تم ان خوبیوں کی ان نعمتوں کی قدر کرو، ان کی حفاظت کرو ان پر قائم رہو کسی حال میں ان سے محروم نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری محرومی تمہاری بربادی کا باعث بن جائے۔ اللہ تمہیں نیست ونابود کر کے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری تم سے بہتر لوگوں کو سونپ دے۔

خوش نصیبی

مصنف کی یہ بڑی ہی خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اس کی کتابوں کو خلوص سے شائع کرنے والا کوئی ادارہ میسر آ جائے۔ مبلغ اسلام اس سلسلہ میں بھی خوش نصیب ہیں کہ انہیں پاکستان کے سب سے بڑے اشاعتی ادارے ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' کا مکمل تعاون حاصل ہے۔ ادارے کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ کا تعلق ایک معروف علمی خانوادے سے ہے۔ اس لئے وہ علم اور اہل علم کی اچھی طرح قدر جانتے ہیں۔ دینی کتابوں کی اشاعت صرف تجارتی بنیاد پر نہیں بلکہ تبلیغی بنیاد پر نہایت خلوص سے کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کے والد گرامی ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ اور پھر خود ان سے مبلغ اسلام کے دیرینہ تعلقات چلے آ رہے ہیں ان کے باعث وہ حضرت علامہ کی کتابوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ہر اعتبار سے انہیں قارئین کے لئے پرکشش بنانے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں جس کا ثبوت آپ کی نظروں کے سامنے ہے کہ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' ہر اعتبار سے حسن و جمال کا پیکر ہے۔ مضامین بھی خوب اور ان کی طباعت بھی خوب گویا سونے پر سہاگہ۔ پس ہم مصنف اور پبلشر دونوں ہی کو اپنی اور قارئین کی طرف سے اس عظیم ومفید پیش کش پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں خدمت دین کے مزید مواقع فراہم کرے۔ آمین بجاہ رحمۃ للعلمین ﷺ۔

ولادت

مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالی ضلع علی گڑھ کی ایک ریاست حبیب گنج میں اپنے نانا کے گھر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ حبیب گنج، نواب یار جنگ حبیب الرحمن خان شیروانی کی ریاست اور ان کا مسکن ہونے کے سبب اس دور کا معروف قصبہ تھا اور نواب صاحب کے ذوق علم اور ان کے عظیم نایاب کتب خانہ کے سبب اہل علم کا مرکز تھا۔

پیدائش کے چند دن بعد ہی حضرت علامہ اپنی والدہ کے ہمراہ بدایوں منتقل ہو گئے جہاں آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ ''مدرسہ عالیہ قادریہ'' میں خدمت تدریس انجام دے رہے تھے چونکہ بدایوں ہی

حضرت کی تعلیم وتربیت کا مرکز ہے لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس شہر کے متعلق بھی چند باتیں عرض کردی جائیں۔

شہر بدایوں

شہر بدایوں، ہندوستان میں مسلمانوں کے دور عروج کا تاریخی شہر ہے جہاں ہمارے عظیم اسلاف کی بے شمار نشانیاں اور آثار موجود ہیں یہ شہر اور خطہ پانچویں صدی میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ اور سید عبداللہ میر سلیم شہید کی مساعی سے اسلام آباد قرار پایا اور اس دور سے لے کر عہد مغلیہ اور مابعد تک یہاں کثیر علماء، فقہاء، اولیاء اور شہداء کے قدم پہنچے۔ مغلوں کے زوال کے بعد برطانوی دور میں بھی اس سرزمین سے علم وفضل کے کئی اساطین اور روحانیت کے کئی تاجدار پیدا ہوئے۔ جن میں خانوادہ تاج الفحول کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ ہزارہا قلوب کو اس خانقاہ کے چراغوں نے منور کیا۔ حضرت مولانا سالم میاں صاحب آج بھی اپنے ان روشن جبیں اسلاف کے مسند نشین ہیں، اسی بدایوں کی سرزمین سے حضرت قائد اہلسنت علامہ شاہ محمد عبدالحامد بدایونی کا ظہور ہوا جنہوں نے اپنے انقلابی کارناموں کے سبب عالمی شہرت حاصل کی اور جن کے کارناموں سے اسلامی سیاست کے ایک نئے دور کا باب وا ہوا:

بڑا غیور ہے مدنی قلندروں کا مزاج
فلک نشیں، کوئی بوریہ نہیں رکھتے

بدایوں میں قیام

بدایوں کے روحانی تاجداروں حضرت تاج الفحول اور ان کے بزرگوں کا قائم کردہ قدیم "مدرسہ عالیہ قادریہ" مدتوں سے تاامروز شہر اور بیرون شہر علم کے انوار وبرکات پھیلا رہا ہے۔ اسی مدرسہ کی تدریسی خدمات کے لئے مبلغ اسلام کے والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کو ۱۹۴۴ء میں مقرر کیا گیا تھا اور آپ کا قیام حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمہ کے دومنزلہ مکان کی بالائی منزل میں تھا جبکہ خود صاحب مکان نچلی منزل میں قیام فرماتے تھے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ان دونوں حضرات کے تعلقات نہایت دوستانہ اور رفیقانہ تھے، یہ دونوں علمی اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے نہایت قریب تھے۔ لہٰذا ان کے گھر والے بھی نہایت میل محبت سے رہتے تھے۔ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادگان عابد قادری اور زاہد قادری ہی کی طرح سعادت قادری کو بھی چاہتے اور ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

مولانا بدایونی علیہ الرحمہ کے کراچی منتقل ہو جانے کے بعد بھی تعلقات جاری رہے اور مبلغ اسلام کو مولانا کی خدمت میں حاضر رہنے کا کافی موقع ملا اور آپ نے مولانا کی سیاسی بصیرت اور انداز کار کا خوب مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کرتے رہے۔ حقیقتاً سیاسی امور میں دلچسپی اور تنظیمی کاموں کا جذبہ آپ کو مولانا بدایونی علیہ الرحمہ ہی کی صحبت سے ملے اور خوب ملے۔ مبلغ اسلام نے مجھ سے خود کہا کہ سیاست میں میرے استاد مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ تھے اس فن میں جو کچھ مجھے آتا ہے یہ انہی کا فیض ہے۔

والدگرامی اور خاندان

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علامہ کے دادا جان حافظ سید احمد علی بن سید قاسم علی بن سید ہاشم علی (علیہم الرحمہ) علی گڑھ کی ایک ریاست ''بوڑھا گاؤں'' میں رہتے تھے۔ سادات کرام کا یہ خاندان وہاں کب سے آباد ہوا۔ یہ بات تشنۂ تحقیق ہے بہر حال بوڑھا گاؤں کے اس بزرگ خاندان کو ان کے وطن اور اطراف علی گڑھ میں دینی سیادت اور مذہبی قیادت حاصل تھی۔ بھیکم پور کی مشہور علم نواز ریاست کے نوابین میں نواب مزمل خاں کا نام بہت مشہور ہے۔ حضرت مولانا حافظ سید احمد علی علیہ الرحمہ کا نواب موصوف سے تعلق تھا اور انہوں نے حافظ صاحب کی اپنی مسجد گڑھی کا خطیب و امام مقرر کیا تھا۔ نواب صاحب بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور یہیں نواب صاحب کی قبر بھی ہے جو ایک نہایت خوبصورت مقبرے میں ہے، مسجد بھی نہایت حسین ہے۔ وہ زمانہ آج کی طرح علماء و آئمہ کو غلام سمجھنے کا نہ تھا بلکہ ان کی پوری قدردانی کا تھا چنانچہ مولانا حافظ سید احمد علی مرحوم نہ صرف مسجد کے امام تھے بلکہ نواب صاحب مرحوم کے معزز مصاحبین میں شمار کیے جاتے تھے اور ان کے دینی مشیر بھی تھے۔ نواب صاحب موصوف کے توسط سے مولانا کے روابط، گردونواح کے تمام نوابوں اور علماء و امراء سے بھی تھے۔ خصوصاً نواب یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شیروانی مرحوم سے بہت گہرا تعلق تھا۔ نواب یار جنگ چونکہ نہایت فاضل، علم نواز اور دریا دل تھے۔ ان کے پاس کتابوں کا ایک نایاب اور بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لئے بھی اہل علم ان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کتب خانہ نواب صاحب کی وصیت کے مطابق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی منتقل ہوگیا جو اب تک ''نواب یار جنگ لائبریری'' کے نام سے موجود ہے۔

نواب صاحب مرحوم کے مصاحبین میں سے حضرت علامہ کے خالو جناب محمد صدیق صاحب مرحوم کے والد بھی تھے جن کے توسط سے آپ کے والد کا رشتہ سادات رامپور میں ہوا۔ مبلغ اسلام کے نانا ماسٹر سید جعفر علی مرحوم رامپور کے باسی تھے اور نسلاً افغانی تھے۔ نوابوں کے اتالیق تھے۔ انہوں نے اپنے بچوں کو بھی دینی و دنیوی تعلیم سے خوب آراستہ کیا تھا۔ آپ کی والدہ سیدہ مہر النساء مرحومہ و مغفورہ نہایت متقیہ اور ذی علم تھیں۔ خصوصاً انہیں فارسی پر بہت عبور حاصل تھا۔ مثنوی مولانا روم کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خوب توجہ دی۔ حضرت علامہ کے بقول سب بھائی بہنوں کو والدہ ماجدہ ہی نے قرآن کریم پڑھایا اور ابتدائی دینی تعلیم دی۔ حضرت علامہ نے فرمایا: ''میں وہی نماز پڑھتا ہوں جو مجھے میری والدہ نے سکھائی تھی'' آپ کا وصال ۱۹۹۳ء میں کراچی ہی میں ہوا اور خاندانی قبرستان میں اپنے شوہر کے برابر دفن ہیں۔

مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ میں ہوئی، جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ صدیوں سے روحانیت کا بھی عظیم مرکز ہے اور جس خاندان نے عالم اسلام کو گزشتہ صدی کا مجدد عطا کیا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسہ لطیفیہ میں مولانا عبدالرحمٰن مرحوم سے عربی شروع کی۔ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ عربیہ

سعیدیہ دادوں میں داخل ہوئے۔ جہاں مولانا وجیہ الدین رامپوری، مولانا نعمانی اور قاری محی الدین وغیرہ سے حصول علم کیا۔ ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۱ء کا زمانہ مدرسہ عالیہ رامپور کے علماء سے اکتسابِ علم میں گزارا۔ اسی دوران علامہ فضل حق رامپوری اور علامہ افضال الحق رامپوری سے بھی شرف تلمذ پایا اور فراغت کے بعد تمام علوم متداولہ میں ماہر قرار پائے اور تدریسی عمل کا آغاز کیا۔

آپ نے ابتداءً مدرسہ نعمانیہ دہلی میں اس کے بعد مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں مبلغ اسلام کی پیدائش ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں اپنی مادر علمی میں مدرسہ ہو کر آ گئے۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی قادری خلیفہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ آپ کا تقرر ہوا تھا۔ یہاں تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔ ۱۹۵۰ء میں آپ منتقل ہو کر پاکستان آئے اور ملتان شریف پہنچے جہاں آپ کی بڑی ہمشیرہ پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ یہاں آپ نے مدرسہ انوار العلوم کی شہرت سنی اور غزالیِ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا چرچا سنا تو ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ نہایت مردم شناس اور علماء کے قدرداں تھے لہٰذا آپ نے مفتی صاحب کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اسی وقت انوار العلوم میں خدمت تدریس کی پیش کش کر دی جسے مفتی صاحب نے بخوشی قبول کیا۔ یہاں بھی آپ کے سپرد تدریس کے علاوہ افتاء اور انتظام کے شعبے کئے گئے جنہیں مفتی صاحب نے بخوبی نبھایا۔ اس وقت انوار العلوم کے طلباء کے لئے مدرسہ میں مطبخ تک نہ تھا آپ نے سب سے پہلے اس کا انتظام کیا اور طلباء کا کھانا مدرسہ ہی میں پکنے لگا۔ مدرسہ کی عمارت، مدرسہ کی آمدنی، مدرسہ کے سالانہ جلسوں اور دیگر شعبوں کو آپ کی مساعی سے چار چاند لگ گئے۔ علامہ کاظمی صاحب نے آپ کو نائب مہتمم کا عہدہ سپرد کر دیا اور آپ اپنے اس مخلص و باصلاحیت، باوقار رفیق پر ہمیشہ اعتماد کلی کرتے رہے صرف مدرسہ ہی کے معاملات نہیں بلکہ اپنے ذاتی امور میں بھی مفتی صاحب کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے۔ ملتان کے صرف دینی حلقوں ہی میں نہیں بلکہ سیاسی حلقوں میں بھی مفتی صاحب کو نہایت اہمیت حاصل تھی۔ شہر کے عوام ہی نہیں بلکہ حکام بھی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور دفاتر سے متعلق اکثر کام آپ فون پر ہی کرا لیتے تھے۔

۱۹۷۰ء میں مبلغ اسلام سرینام تشریف لے گئے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مفتی سید شجاعت علی قادری کراچی میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔ مفتی صاحب کی طبیعت بھی ناساز رہنے لگی۔ تمام اعزاء و اقارب بھی کراچی ہی میں مقیم تھے۔ لہٰذا آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری کی تحریک پر کراچی منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ اور ملتان کے عوام خصوصاً جامع مسجد بستی بچ سے متعلق لوگوں کو آپ کے ملتان چھوڑنے کا بے حد افسوس رہا۔ جامع مسجد بستی بچ میں آپ نے ملتان قیام کے دوران خطابت و امامت کی اور مسجد ہی کے مکان میں آپ کا قیام رہا۔ یہاں کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کی اہلیہ چونکہ عورتوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیا کرتی تھیں لہٰذا عورتوں مردوں سب ہی میں آپ کی روانگی کے وقت ایک کہرام مچا ہوا تھا۔

کراچی تشریف لانے کے بعد آپ جامع مسجد قصاباں صدر میں خطابت کرتے رہے جہاں مبلغ اسلام ۶۰ تا ۷۰ء خطیب رہے۔ چند ماہ بعد ہی دارالعلوم امجدیہ کی انتظامیہ نے آپ کو خدمت تدریس کی پیشکش کی جسے آپ نے قبول فرمایا اور یہ ادارہ آپ کی خدمات کا آخری ادارہ قرار پایا کہ ۵ محرم ۱۳۹۳ھ، ۹ فروری ۷۳ء کو جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھانے کے بعد نماز عصر کا وضو کرنے اور تیار ہونے کے بعد پانچ بج کر ۱۰ منٹ پر وصال ہو گیا۔

مبلغ اسلام کا عہد طفولیت

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کو خدمت تدریس کے لئے متعدد بار انتقال مکانی کرنا پڑا۔ یہ آپ کی خوش نصیبی رہی کہ جہاں بھی گئے اہل وعیال ہمراہ رہے۔ اس طرح مبلغ اسلام کو بچپن ہی سے نئے نئے مقامات، نئے نئے چہروں اور نئی نئی شخصیات سے سابقہ پڑتا رہا۔ گھر میں والدہ محترمہ کی تربیت سے بجتے اور سنورتے رہے۔ مدرسوں کے ماحول میں طلباء واساتذہ میں مخدوم زادے اور استاد زادے ہونے کی حیثیت سے عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ عمر کا ابتدائی حصہ جو بچہ کی ذہن سازی کا نہایت اہم دور ہوتا ہے یعنی ۶، ۷ سال سے ۱۷، ۱۸ برس کی عمر کا زمانہ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مبلغ اسلام کو اس دور میں ہی نہیں بلکہ اس سے بھی پہلے نوابوں، ان کے مصاحبین اور خوش حال علماء و مشائخ کی گودوں میں کھیلنے اور نواب زادوں کے ساتھ کھیلنے اور پڑھنے کا موقع ملا۔ میں بلا تکلف عرض کر سکتا ہوں کہ مبلغ اسلام کی زندگی میں نفاست کا عنصر اسی ماحول کی دین ہے۔ لباس میں نفاست، کھانے پینے میں نفاست، برتنے کی اشیاء میں نفاست، حتیٰ کہ لکھنے پڑھنے کے سامان کاغذ، قلم، میز، کرسی، مسودہ، مبیضہ غرضیکہ ہر شے میں نفاست اور خوش سلیقگی کا مزاج بلاوجہ نہیں یہ اچھی تربیت اور اچھے ماحول ہی کی پیداوار ہے۔

جب والد ماجد کے ہمراہ بدایوں سے دادوں منتقل ہوئے اس وقت حضرت علامہ کی عمر پانچ سال کی تھی۔ پاکستان روانگی تک یہیں قیام رہا۔ نواب مزمل اللہ خاں کے صاحبزادے نواب محمد حیات خان شیروانی سے آپ کی بہت دوستی رہی۔ گویا تقریباً ۱۴ برس کی عمر تک آپ نوابوں کے ماحول ہی میں رہے لیکن اس کے باوجود محنت ومشقت کے عادی رہے کہ والدین نے کبھی کوئی برا اثر آپ میں نہ آنے دیا۔ ہمیشہ آپ کی تعلیم وتربیت پر گہری نظر رکھی اور حصول علم کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا عادی بنایا۔

اساتذہ کرام

حضرت علامہ کی رسم بسم اللہ بھی دادوں ہی میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ اور والد گرامی اپنے اس شہزادے کو علم وعمل کی دولت لازوال سے مالا مال کرنے کا شروع ہی سے جتن کرتے رہے۔ پرائمری کورس اور ابتدائی دینی تعلیم کے بعد باقاعدہ مدرسہ سعیدیہ دادوں میں عربی تعلیم کا آغاز کیا اور مدرسہ کے مدرسین سے اکتساب علم کرنے لگے۔ دادوں کے زمانہ میں آپ نے جن اساتذۂ کرام سے اکتسابِ علم کیا ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یونس صاحب

بدایونی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حافظ غلام ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ایک بار آپ کے ممتحن حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رہے انہوں نے شرح تہذیب کا امتحان لیا تھا۔

۵۱ء سے آپ نے مدرسہ انوار العلوم میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور تمام کتب متداولہ کی تکمیل یہیں ہوئیں اس زمانہ میں آپ کو متعدد اجلہ علماء سے استفادہ کا موقع ملا ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

والد گرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ، غزالی دوراں حضرت علامہ شاہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی امید علی خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی عبدالحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا غلام رسول ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی عبدالحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے خصوصی طور پر فن تقریر میں کمال حاصل کیا۔ حضرت مفتی صاحب اکثر آپ کو اپنے ہمراہ جلسوں میں لے جاتے تھے اور اپنی تقریر سے پہلے حضرت علامہ کو کھڑا کر دیتے اور بعد میں اصلاح کرتے تھے۔ اس طرح آپ انہی کے زمانہ میں خاصے اچھے مقرر بن چکے تھے۔

فراغت

دادوں میں قیام ہی کے دوران آپ نے الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان دیا پھر مدرسہ انوار العلوم ملتان میں قیام کے دوران آپ نے عالم و فاضل کے امتحانات کی تیاری شروع کی لیکن مزید توجہ سے تیاری کرنے کے لئے والد گرامی نے آپ کو گھر سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا اور جامعہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور میں داخل کرا دیا۔ یہاں حضرت علامہ نے تقریباً ایک سال قیام فرمایا اس دوران مفتی حسین نعیمی، مفتی اعجاز ولی خاں اور مولانا عبدالنبی کوکب رحمہم اللہ سے اکتساب علم کیا اور پھر کراچی یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان دیا اور یہیں سے ایم اے اسلامیات کیا۔

مدرسہ انوار العلوم سے آپ کی فراغت ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ انوار العلوم کا سالانہ جلسہ دستار بندی اس لحاظ سے نہایت مشہور و معروف تھا کہ اس میں ہندو پاک کے مشہور علماء و مشائخ شرکت فرماتے تھے۔ آٹھ نشستوں پر مشتمل یہ جلسہ تین دن جاری رہا کرتا تھا۔ مبلغ اسلام کی دستار بندی، اساتذۂ کرام کے علاوہ جن اکابر علماء و مشائخ نے کی ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مفتی محمد امین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عارف اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ۔

شادی خانہ آبادی

مبلغ اسلام کا عقد نکاح ان کے تایا جان کی نواسی سید امتیاز علی قادری کی صاحبزادی سے ہوا جو اپنے وقت کے اچھے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت سیدھے سادھے، پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ کراچی سے شائع ہونے والے مشہور اخبار ''روزنامہ انجام'' کے ہیڈ کاتب تھے۔ روزنامہ ''انجام'' بند ہو جانے کے بعد ''روزنامہ جنگ'' کے قدر دانوں نے اپنے اخبار

کے لئے چنا اور آپ وہاں روز نامہ ''جنگ'' کی سرخیاں لکھنے پر مامور ہو گئے۔ فن کتابت میں مظاہرۂ مہارت اور حصول برکت کے لئے آپ نے مکمل قرآن کریم کی بھی کتابت کی جو آپ کے عہد میں ہی ڈھاکہ سے طبع ہوا۔

آپ صاحبِ سلسلہ بزرگان دین اور مشائخ سے وابستہ، اوراد و وظائف کے پابند تھے، مرشدین بریلی شریف میں سے حضرت شرافت میاں علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پاکستان میں مریدوں کی ایک بڑی جماعت کے سربراہ تھے۔ آپ نے نہایت سادگی سے بے نمود و ریا زندگی گزاری۔ ۸۶ء میں وصال ہوا اور مبلغ اسلام کے خاندانی قبرستان میں حضرت مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہی دفن ہیں۔ آپ ہی کی دوسری صاحبزادی سے مبلغ اسلام کے چھوٹے بھائی حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ہوا۔

مبلغ اسلام کی اہلیہ نہایت متقیہ خاتون ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ رکھتی ہیں جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مبلغ اسلام کے اکثر باہر رہنے کے باوجود بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ماشاء اللہ چاروں بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ، صوم و صلوٰۃ کے پابند اور نیک ہیں۔ واقعی محترمہ نے بچوں کی ایسی ہی تربیت کی جیسی ایک مؤمنہ کو کرنا چاہئے۔ مبلغ اسلام اکثر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ میں اپنی بیرونی مصروفیات کے سبب کبھی بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دے سکا۔ یہ ان کی ماں ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ وہ صحیح مسلمان اور اچھے انسان ہیں محترمہ بہترین میلاد خواں ہیں اور کراچی میں حلقہ خواتین میں متعارف ہیں کئی مرتبہ خواتین سیرت کانفرنس اسلام آباد میں بھی آپ شریک ہو چکی ہیں۔

بیعت و ارادت

حضرت علامہ کو شرف بیعت حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے جو نہایت متقی، پرہیزگار اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ بلرام ضلع علی گڑھ کے باشندے تھے بعد ہجرت کراچی میں قیام پذیر تھے۔ حضرت کے دادا جان سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مبلغ اسلام اپنے بزرگوں سے حضرت صوفی صاحب کی نیکیوں اور کرامات کا حال سنتے رہتے تھے اسی لئے آپ کو حضرت سے قلبی لگاؤ تھا جبکہ بالمشافہ ملاقات بہت بعد میں ہوئی۔

حضرت علامہ کے فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد والد گرامی نے کئی مرتبہ تحریک کی کہ حضرت کسی بزرگ سے بیعت ہو جائیں لیکن حضرت اپنے فطری تنقیدی مزاج کے سبب کسی بزرگ سے مطمئن نہ ہو سکے۔ کراچی قیام کے دوران آپ کی ملاقات حضرت صوفی صاحب سے ہوئی تو آپ ان سے مل کر بے حد متاثر ہوئے اور ذہنی طور پر ان سے بیعت ہونے کا فیصلہ کر لیا ایک عرصہ گزر گیا لیکن عمل نہ کر سکے جبکہ آمد و رفت کا سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ ایک دن حضرت صوفی صاحب نے از خود فرمایا کہ:

''سید صاحب آپ ایک روز پچھتائیں گے''

حضرت سمجھ گئے اور اسی روز اپنے برادر خورد مفتی سید شجاعت علی قادری کے مکان پر پہنچے اور اپنا فیصلہ سنایا تو مفتی صاحب نے بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا اور الحمد للہ دونوں بھائی صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے جبکہ اہلیہ اور خاندان کے بعض

دیگر افراد پہلے ہی مرید ہو چکے تھے۔

حضرت علامہ سرینام روانہ ہونے سے قبل اپنے مرشد سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو انہوں نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے از خود خلافت بھی عطا فرمائی۔ جس پر حضرت نے حیرت زدہ ہو کر عرض کیا: "حضور میں تو اس کا اہل نہیں ہوں"۔ پیر صاحب نے فرمایا: "آپ اہل بھی ہیں اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہوگی"۔ کچھ عرصہ بعد ہی سرینام میں مرشد کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی جب لوگوں نے مبلغ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کے لئے اصرار کیا۔

حضرت صوفی صاحب اپنے اس باصلاحیت مرید پر فخر کیا کرتے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے حتیٰ کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو پیر صاحب حضرت ہی سے امامت کراتے اور خود ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پیر صاحب نے وقتاً فوقتاً آپ کی روحانی تربیت بھی کی اور اوراد و وظائف بھی تعلیم فرمائے۔ ایک رات حضرت علامہ کو کچھ دیر تک اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ بعد نماز عشاء حضرت نے اپنے مرید کو حکم دیا کہ آپ باہر جائیں میں پھر بلاؤں گا۔ مبلغ اسلام باہر چلے گئے۔ اتفاق سے یہ رات سخت سردی کی تھی، ساری رات ایک شیروانی میں آپ ٹھٹھرتے اور ٹہلتے رہے۔ علامہ بتاتے ہیں کہ میں امتحان کی اس شب بڑا ہی بے چین رہا۔ اللہ کا کرم ہوا کہ ثابت قدم رہا، تہجد کا وقت ہوا۔ حضرت باہر تشریف لائے وضو فرمایا اور واپس چلے گئے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ فجر کی اذان ہوئی تو حضرت کی آواز آئی "سید صاحب آیئے" اضطراب کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے گلے لگایا ایک وظیفہ عنایت فرمایا اور نماز فجر پڑھانے کا حکم دیا (اس موقع پر غور فرمایئے کیا آج کا کوئی مرید پیر کے حکم کی اس طرح تعمیل کر سکتا ہے اور چونکہ اب یہ جذبہ اطاعت نہ رہا لہٰذا بزرگوں سے کچھ نصیب بھی نہیں ہو پاتا۔)

صوفی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ۲۲ر جمادی الثانی غالباً ۱۳۱۲ھ، ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ آپ کی رہائش کراچی کے ایک علاقہ پیر الٰہی بخش کالونی میں تھی۔ یہیں آپ جامع مسجد قادری کے قریب دفن ہیں۔ یہ مسجد اور مزار کی جگہ حضرت صوفی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں حاصل کر لی تھی اور اپنی نگرانی میں مسجد تعمیر کرائی تھی۔ آپ نے پاکستان بالخصوص کراچی میں مریدوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے۔ حضرت علامہ کے علاوہ آپ نے مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ اور اپنے ایک مرید خاص جناب سید زبیر احمد شاہ کو خلافت دی۔

مبلغ اسلام اپنے مرشد کی کرامتوں میں سے ایک کا ذکر بڑی اہمت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ میرے ایک پھوپھی زاد بھائی، سید مظہر حسین وزارت خارجہ میں افسر اعلیٰ تھے۔ حضرت کی دعاؤں سے ان کا تبادلہ جدہ ہو گیا۔ حضرت نے مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: "ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے"۔ یہ عجیب سی بات تھی کیونکہ قانوناً یہ بہت مشکل تھا۔ بہر حال ضروری کاغذات جمع کئے گئے اور ویزا کی درخواست دے دی گئی اور چند ہی دن میں ویزا حاصل بھی ہو گیا۔ صوفی صاحب قبلہ کو خبر دی گئی تو آپ نے شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: "جب آقا، غلام کو طلب فرمالیں تو کون روک سکتا ہے"۔ بحری جہاز سے سفر کرنا تھا۔ مقررہ تاریخ آگئی، جہاز کی روانگی ساڑھے بارہ بجے صبح تھی۔ میں دیگر اہل خانہ اور مریدوں کی بڑی تعداد حضرت کو

رخصت کرنے کے لئے حاضر تھے لیکن گیارہ بجے تک حضرت تشریف نہ لائے۔ سب لوگ پریشان تھے مجھے منتخب کیا گیا کہ فون کرکے حضرت سے صورتِ حال معلوم کروں فون کیا تو بڑے ہی اطمینان سے جواب ملا" انشاء اللہ میں بروقت پہنچ جاؤں گا۔" ادھر اعلان ہوا کہ جہاز تین گھنٹے تاخیر سے روانہ ہوگا، حضرت صاحب دو بجے تک تشریف نہ لائے پھر اعلان ہوا کہ جہاز سات بجے روانہ ہوگا اور اب حضرت صاحب پانچ بجے تشریف فرما ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم وقت پر پہنچ گئے۔

حضرت صاحب کے ہمراہ دل، چاولوں (کھچڑی) سے بھری بوریوں کا ایک ٹرک تھا جسے روک لیا گیا۔ جب حضرت صاحب کو خبر دی گئی تو بغیر کسی پریشانی کے آپ نے فرمایا:" وہ تو آقا کے دربار کے لئے غلام کا تحفہ ہے کیسے روکا جاسکتا ہے" تھوڑی دیر بعد ہی سب نے دیکھا کہ بوریاں جہاز پر لادی جارہی ہیں۔

میدان عمل میں

مبلغ اسلام طبعًا تدریسی زندگی کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔ شاہانہ مزاج تھا مگر گھر کا ماحول مولویانہ اور درویشانہ تھا جس میں حسبِ منشاء زندگی گزارنا آسان نہ تھا۔ لہٰذا آپ کی عملی زندگی کا آغاز تدریس سے ہی ہوا۔ ملتان ہی میں" علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" کے زیر اہتمام قائم ایک اسکول میں ملازمت اختیار کی اور نہایت کامیاب اسلامیات کے معلم رہے۔ بچوں کے لئے خود ہی اسلامیات کا نصاب تیار کیا اور" اسلامی عقائد" نامی ایک کتاب لکھی جو اسکول انتظامیہ نے منظور کی یہ آپ کی پہلی تصنیف تھی۔ اسی دوران آپ کی شادی ہوگئی اور کچھ عرصہ بعد والد صاحب کی اجازت سے بہتر مستقبل کی تلاش میں کراچی منتقل ہوگئے۔ یہاں بھی ایک اعلیٰ اسکول" میری کلاسو" میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ اسی زمانہ میں حضرت مفتی عبد الحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ سے جناح مسجد میں آپ کی ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب نہایت شفقت اور محبت سے پیش آئے اور چند ہی دن میں آپ اُن سے بہت ہی قریب ہوگئے۔ مفتی صاحب کی تحریک پر آپ نے" دارالعلوم مظہریہ آرام باغ" میں تدریس کی خدمت انجام دینا شروع کردی۔ کچھ دن بعد آپ کو ملتان منتقل ہونے کا خیال آیا لیکن مفتی صاحب سے علیحدگی اب آپ کے لئے بہت دشوار تھی، لہٰذا آپ نے مفتی صاحب سے گزارش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لئے مدرسہ انوار العلوم میں تقرری کی کوشش کروں۔ مفتی صاحب کی اجازت سے آپ نے والد صاحب کو لکھا اور علامہ کاظمی صاحب اور والد صاحب نے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کو ملتان کے لئے دعوت دے دی۔ مبلغ اسلام کو اپنی اس کامیابی پر بے حد خوشی ہوئی اور مفتی صاحب کے ہمراہ ملتان منتقل ہوگئے لیکن دو سال بعد ہی مفتی صاحب کا وصال ہوگیا اور مبلغ اسلام دل برداشتہ ہوکر دوبارہ کراچی منتقل ہوگئے۔ قیام ملتان کے دوران آپ مدرسہ انوار العلوم میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

دوبارہ کراچی آکر آپ نے پھر میری کلاسو اور دہلی کالج کی ملازمت اختیار کی۔ اس کے ساتھ آپ مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں تنظیمی امور بھی انجام دیتے رہے اور جمعیت علماء پاکستان کے ناظم نشر و اشاعت مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے دیگر علماء کے ہمراہ" جماعت اہلسنت پاکستان" قائم کی۔ جس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جماعت کی مصروفیات بڑھتی گئیں اور آپ کو ملازمت سے مستعفی ہونا پڑا۔ مسجد قصاباں صدر میں خطابت کی خدمت جاری رہی

وہ صرف اس لئے کہ یہی مسجد اس وقت جماعت اہلسنت کا مرکز تھی۔ سرینام روانگی تک آپ کا قیام اسی مسجد کے مکان میں رہا اور تنظیمی وسیاسی مصروفیات میں گھرے رہے۔

۱۹۷۰ء میں ملکی انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان نے ملکی تاریخ میں پہلی بار حصہ لیا۔ اس وقت حضرت جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کے ناظم تھے۔ ۶۹ء اور ۷۰ء دو سال آپ کی بھرپور تنظیمی اور سیاسی جدوجہد کے ہیں۔ جماعت کے دفاتر کا انتظام، سنی کانفرنسوں کا اہتمام، انتخابی جلوسوں اور جلسوں میں خطاب، دیگر سیاسی جماعتوں سے مذاکرات اور ان کی میٹنگوں میں شرکت اور نہ جانے کیا کیا آپ کی مصروفیات رہیں۔ نتیجتاً جمعیت کو انتخابات میں جو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی اس نے اپنوں، غیروں سب ہی کو حیرت میں ڈال دیا اور سب کو حضرت علامہ کی تنظیمی صلاحیتوں اور محنت ومشقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

اواخر ۷۰ء میں حضرت کی ملک سے باہر روانگی کا فیصلہ کیا جا چکا تھا لیکن بات دبی رہی۔ انتخابات کے بعد جب آپ کی روانگی کا اعلان کیا گیا تو جمعیت کے کارکنوں میں ایک کہرام مچ گیا، طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ کسی نے اس اقدام کو حضرت کے خلاف سازش قرار دیا تو کسی نے حضرت کی بیرون ملک روانگی کو جمعیت کی بربادی قرار دیا۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں اخبارات تک میں طرح طرح کی خبریں آنے لگیں۔ سیاسی رہنماؤں کے بیانات شائع ہونے لگے اور ہر طرح حضرت کو روکنے کی کوششیں کی جانے لگیں لیکن حضرت نے اپنے امن پسند مزاج کے مطابق اپنے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''اب میں سیاسی اور تنظیمی زندگی چھوڑ کر خالص دینی اور مذہبی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے میرا ملک سے باہر جانا ناگزیر ہے، غرضیکہ لوگ احتجاج کرتے رہے اور حضرت جنوری ۱۹۷۱ء کو سرینام کے لئے روانہ ہو گئے۔

سرینام میں قیام

سرینام، سمندر پار جنوبی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو ۱۹۷۴ء تک ڈچ کالونی رہا۔ تقریباً سوا سو سال پہلے نیپال، کلکتہ، بہار وغیرہ سے یہاں کھیتی باڑی اور مزدوری کے لئے لوگوں کو لایا گیا۔ ان میں ہندو، مسلمان سب ہی شامل تھے۔ ابتداءً یہ لوگ چند سال کے معاہدے پر آئے تھے ان کی محنت ومشقت دیکھ کر اس وقت کی برطانوی حکومت نے انہیں یہیں مستقل کر دیا۔ یہ تقریباً سب ہی ان پڑھ تھے لیکن ان میں اپنے مذہب کا جذبہ بہرحال موجود تھا، بحمد اللہ مسلمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اپنے دین سے اس کا تعلق رہتا ہے۔

مبلغ عشق ومحبت حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صاحب پہلے عالم دین تھے جن کے قدموں سے سرینام مشرف ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کے دل میں ایمان کی اس شمع کو بھڑکا دیا جو مدھم پڑ چکی تھی۔ آپ کی تقریروں سے ان میں دین کی اشاعت اور علم دین کے حصول کا جذبہ بیدار ہوا اور یہ لوگ علماء کو مدعو کرنے لگے۔ حضرت علامہ سید سعادت علی قادری بھی جنوری ۷۱ء میں یہاں پہنچے۔ آپ نے یہاں تین سال متواتر کام کیا۔ سرینام مسلم ایسوسی ایشن نے آپ کو مدعو کیا تھا۔ جامع مسجد سرینام بے حد خستہ حال تھی۔ آپ نے کثیر رقم جمع کرائی اور مسجد کی تعمیر وتزئین کرائی۔ سرینام کے دیگر دیہاتوں کی مساجد کو بھی آراستہ کیا گیا۔ ان دیہاتوں میں تعلیم قرآن کے مدارس قائم کئے، قاعدوں اور قرآنی سیپاروں کی طباعت کا بھی انتظام کیا۔ مدرسین کا

تقرر کیا، سالانہ جلسوں بالخصوص یوم حسین رضی اللہ عنہ اور عید میلا دالنبی کا اہتمام کیا۔ عید میلا دالنبی کا جلوس بڑے ہی اہتمام کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ اس سے قبل سرینام کے مسلمان اس جلوس سے ناواقف تھے۔ جلسے اور جلوس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے سیاسی و مذہبی راہنما اور عوام بھی بکثرت شرکت کرتے تھے۔ بحمد اللہ مبلغ اسلام کے یہ کام اب تک جاری ہیں۔

آپ کے قیام کا دور سرینام کے مسلمانوں کے لئے مذہبی بیداری کا دور تھا انہوں نے ہر طرح حضرت کا تعاون کیا اور ان سے خوب استفادہ کیا۔ وہ حضرت کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ آج تک وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں حضرت کی یاد تازہ ہے اور بڑی عقیدت سے یہ لوگ آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت نے سرینام کے مسلمانوں میں خدمت دین کا جو جذبہ بیدار کیا اور جس طرح ان کی تنظیمی تربیت کی اسی کا نتیجہ ہے کہ سرینام ہی کے مسلمان ہالینڈ میں بھی سب سے زیادہ مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مبلغ اسلام کا ایک اہم کارنامہ یہ قرار پایا کہ آپ نے سرینام کے مسلمانوں میں وہی علَم جھنڈا متعارف کرایا جو پاکستان میں ''نبی کا جھنڈا'' کہلاتا ہے۔ نبی کا یہ جھنڈا وہاں آج بھی مسلمانوں کے گھروں پر لہرا رہا ہے۔ اس کے اسٹیکر گاڑیوں اور گھروں کے دروازوں پر لگے ہوئے ہیں۔ اسے گلاسوں پر پرنٹ کرایا گیا جو مسلمانوں کے گھروں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور جہاں بھی حضرت گئے وہاں یہ جھنڈا متعارف ہوا اور سنی مسلمانوں کا علَم اور نشان قرار پایا۔ بالخصوص مکانوں اور گاڑیوں پر لگے یہ اسٹیکر بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت علامہ کا قیام سرینام میں ۷۱ء تا ۷۳ء تین سال رہا۔

دین کے ہر خادم کو اس راہ میں دشواریوں اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علامہ کو بھی اسلاف کی اس سنت پر عمل کا موقع میسر آیا کہ آپ کے کام کی رفتار جس تیزی سے بڑھتی گئی اتنی ہی تیزی سے مخالفین کی یلغار بھی زیادہ ہوتی گئی، گاڑی اور گھر پر پتھراؤ، دھمکیاں، حملے، مقدمات غرضیکہ وہ سب کچھ ہوتا رہا جو ہمیشہ سے حاسدین اور مخالفین اہل علم کے ساتھ کرتے آئے ہیں لیکن چونکہ حضرت پہلے ہی سے تجربہ کار تھے۔ سیاسی سوج بوجھ اور تدبیر و تدبر کی آپ میں کمی نہ تھی، لہٰذا آپ نے حالات کو خوب قابو میں رکھا اور لڑائی جھگڑوں اور قتل و غارت سے لوگوں کو روکنے میں کامیاب رہے۔ تین سال کی مدت پوری کر لینے کے بعد آپ نے از خود ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا جبکہ عوام سراپا احتجاج بنے رہے اور سرینام کے مسلم و غیر مسلم سیاسی لیڈر اور حکام مکمل تعاون کا یقین دلاتے رہے۔

ہالینڈ تشریف آوری

۷۵ء میں سرینام کو ہالینڈ سے آزادی ملی۔ اس موقع پر سرینام کے لاکھوں افراد ہالینڈ منتقل ہو گئے جن میں حضرت علامہ کے مریدین، معتقدین اور مخلصین کی بھی بڑی تعداد تھی۔ آپ کے ایک نہایت ہی مخلص مرید نے یہاں پہنچتے ہی آپ کو ہالینڈ آنے کی دعوت دی جو بلاشبہ ان کا بڑا کارنامہ تھا۔ حاجی احمد علی سَنگھئی کی دعوت پر حضرت ہالینڈ تشریف لائے۔ یہ ۷۶ء کی بات ہے آپ نے چند دن یہاں قیام فرمایا، لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے، متعدد جلسے ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو دینی کام کرنے

جماعت بنانے پر آمادہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دین ہاگ کے احباب نے تنظیم بنام "انجمن عقائد الاسلام" قائم کی اور آپ کو مدعو کیا۔ آپ دوبارہ تشریف لائے اور باقاعدہ کام کا آغاز ہو گیا۔ ربیع الاول شریف آیا تو آپ نے عید میلاد النبی کے جلسہ کا اہتمام کیا۔ دین ہاگ کا سب سے بڑا ہال کرایہ پر حاصل کیا گیا اور اس کانگریس ہال میں نہایت ہی تزک و احتشام سے جلسہ منعقد ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرینام کے مسلمانوں کے علاوہ اس میں ترکی اور ڈچ بھی شریک ہوئے۔ ترکی علماء اور انتظامیہ سے متعلق ڈچ حکام کی بھی تقاریر ہوئیں کئی سال تک اسی ہال میں یہ جلسہ ہوتا رہا۔ جس سے مسلمانوں میں خدمت دین کے جذبات بیدار ہوئے۔ انہوں نے تنظیمیں قائم کیں، علماء کو مدعو کرنا شروع کیا ہر ماہ حضرت کا تبلیغی جلسہ ہوتا تھا۔ حضرت کی عدم موجودگی میں اس جلسہ میں راقم الحروف شریک ہوتا رہا۔

چند سال بعد ہی "انجمن عقائد الاسلام" کا نام تبدیل کر کے "جماعت اہلسنت" رکھا گیا اور اس کا اپنا مکان خرید لیا گیا پھر چند سال بعد غالباً ۸۰ء میں ایک پرانی فیکٹری کی وسیع و عریض جگہ خریدی گئیں جو "القادری اسلامک سینٹر" کے نام سے بحمد اللہ موجود ہے۔ اس کا اپنا وسیع ہال ہے، مدرسہ ہے اور خوبصورت مسجد بھی اب عید میلاد النبی اور دیگر جلسے اس سینٹر میں منعقد ہوتے ہیں۔ حضرت کی دیگر مصروفیات کے باعث اب "القادری اسلامک سینٹر" کی رونق پہلی جیسی تو نہیں تاہم کام ہو رہا ہے۔ اب اگر حضرت ہالینڈ میں ہوتے ہیں تو جلسوں میں شرکت فرماتے ہیں۔

جنوبی افریقہ کا دورہ

۱۹۸۲ء میں حضرت پہلی مرتبہ جنوبی افریقہ تشریف لے گئے اور تا ایں دم یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے اگرچہ وہاں زیادہ مدت کبھی قیام نہیں فرمایا لیکن تقاریر کے علاوہ تنظیمی اور تعمیری کام خوب کئے۔ ڈربن کے قریب ہی ایک وسیع و عریض زمین حاصل کر کے "القادری اسلامک سینٹر" کی عمارت تعمیر کرائی جو مسجد، مدرسہ، ہسپتال، لائبریری اور ایک وسیع ہال پر مشتمل ہے۔ اچھا برتاؤ، تیس راتیں، مرض سے موت تک، یوم الفرقان، حضرت کی معروف تصانیف ہیں۔ انگلش میں انہیں ساؤتھ افریقہ ہی کے مریدین نے چھاپا اور پوری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کی گئیں۔ حضرت اپنے قیام کے دوران جامع مسجد ڈربن میں مستقل خطابت فرماتے ہیں جو بڑا اعزاز ہے۔ جنوبی افریقہ میں قیام کے دوران آپ نے دیگر افریقی ممالک کا بھی کئی مرتبہ دورہ کیا۔ جہاں آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

دیگر ممالک

سرینام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ کے علاوہ یورپ کے دیگر ممالک کینیڈا، امریکہ کی متعدد ریاستوں کا بھی مبلغ اسلام کئی مرتبہ دورہ کر چکے ہیں اور عمر کے اس حصے میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو بصحت و سلامتی عمر دراز عطا فرمائے تاکہ آپ اپنی جہد مسلسل سے امت مسلمہ کو فیض پہنچاتے رہیں۔ آمین۔

ذوق خطابت

مبلغ اسلام نے مجھے خود بتایا کہ میں بچپن میں اپنی والدہ ماجدہ کا دوپٹہ سر پر باندھ لیتا، چھڑی ہاتھ میں لیتا اور ان

میں کئی مرتبہ تقریر کرتا رہتا۔ گویا آپ کو فطری طور پر تقریر کا شوق تھا جو بڑے ہونے کے بعد ابھرا اور خوب ابھرا۔ بارہ سال کی عمر سے ہی آپ نے جمعہ سے قبل اپنے والد گرامی کی مسجد میں تقریر کا آغاز کیا اور تا ایں دم آپ نے جمعہ کی خطابت کبھی نہ چھوڑی۔ نہ جانے کتنی کانفرنسوں میں آپ کو تقریر کرنے اور مقالات پڑھنے کا موقع ملا۔ بالخصوص میلاد النبی کی اسلام آباد میں کانفرنسوں میں آپ نے خوب اپنے جوہر دکھائے اور تقریریں کیں۔ سنی کانفرنسوں میں آپ نے اپنی سیاسی تقریروں میں ایک انقلاب برپا کیا۔ سرنیام، ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ کی تقریروں سے جو مذہبی جذبات بیدار ہوئے وہ مدتوں باقی رہیں گے۔ دنیا نے آپ کو پہلے مقرر اور پھر مصنف کی حیثیت سے پہچانا۔ دنیا کے تمام ممالک میں آپ کی تقریروں کے کیسٹس پھیلے ہوئے ہیں جن سے لوگ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

تقریر میں آپ کا ایک اچھوتا انداز ہے۔ بنیادی طور پر خطابت کا کمال یہ ہے کہ مضمون میں ایک ترتیب ہو اور تسلسل ہو۔ نیز جو بیان کیا جائے اس کو آسان دلائل سے ثابت کیا جائے۔ انتخابِ مضامین میں مبلغ اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ جس عنوان پر انہیں تقریر کرنا ہوتی ہے سب سے پہلے اس سے متعلق آیات قرآنیہ کا انتخاب کرتے ہیں پھر ان سے متعلق احادیث لیتے ہیں اس کے بعد ماحول اور ضرورت کے لحاظ سے گفتگو کرتے ہیں۔ بالخصوص حالات حاضرہ کی گفتگو آپ کی تقریر کی روح ہوتی ہے۔ جس سے تقریر مزید مفید اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔ میں نے انہیں جب سے جانا ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ تقریر بڑے ہی اہتمام اور محنت سے تیار کرتے ہیں۔ نئے نئے عنوانات پر گفتگو آپ کی خصوصیت ہے۔ نیز موضوع سے متعلق آیات واحادیث کو یاد کر لینا بھی آپ کا خاص کمال ہے۔ دوران تقریر اصلاح کی نیت سے آپ جو تنقید کرتے ہیں اس کی زد میں آنے والا کوئی بھی ہو آپ اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ کھلم کھلا احکام بیان کرنا ہی اپنی دیانت اور ذمہ داری سمجھتے ہیں چونکہ آپ کی تقریر کے مخاطب ہر طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں لہٰذا آپ زبان کی سادگی کا خاص خیال رکھتے ہیں مگر اس سادہ بیانی میں بھی علمی نکات اور نادر مضامین خوب بیان کر جاتے ہیں۔

غرضیکہ علامہ سید سعادت علی قادری ایک بہترین مقرر و خطیب اور مصنف ہیں، ایک مؤثر مبلغ ہیں، عمر کے ساٹھ برس سے زیادہ گزار چکے ہیں اور بحمد اللہ اب بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے اور انہیں پورا کرنے کے لئے کسی بھی محنت و مشقت سے گریز نہیں کرتے۔ اب بھی نہ زورِ خطابت میں کمی ہے اور نہ رفتارِ قلم میں سستی، اللہ انہیں صحت وطمانیت عطا فرمائے کہ امتِ مسلمہ تا دیر ان سے استفادہ کرتی رہے، آمین یارب العلمین بجاہ رحمۃ العلمین۔

نیاز مند

بدر القادری

اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

۲۱، شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ، ۹، نومبر ۲۰۰۱ء

تبصرہ از قلم

فقیہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب

مصنف ''آب کوثر''، ''البرہان''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم وعلٰی الہٖ واصحابہٖ اجمعین

امابعد!

اعمال کے لئے ایمان شرط ہے۔ قرآن مجید میں ہے: عربی (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۲)

''اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا۔''

نیز فرمایا گیا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (نحل: ۹۷)

''جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی۔''

ان دونوں آیات میں واؤ شرطیہ ہے اسی لئے بعض مترجمین نے اس طرح ترجمہ کیا ہے: ''جو کوئی نیک کام کرے شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو''۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان کے بغیر کسی عمل کسی نیکی کا وجود ہی نہیں کہ ''اذا فات الشَّرطُ فات المشرُوطُ'' جب شرط نہ ہو مشروط نہیں رہتا۔ پس ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ آقا ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''قُمْ یا بلالُ فاذّن لا یدْخل الْجنّةَ الّا مُؤمنٌ'' (بخاری، مشکوٰۃ ص ۵۳۴) اے بلال اٹھ اور اعلان کر کہ جنت میں صرف وہی جا سکے گا جس کے پاس ایمان ہوگا۔

اور یہ بھی مسلّم ہے کہ ایمان کی جان، ایمان کی روح، ایمان کا رکن رکین، حب مصطفیٰ ﷺ ہی ہے،

روح ایمان مغز قرآن جان دیں ہست حُبِّ رحمة للعلمین (ﷺ)

مطالعُ المسرات میں ہے: ''فمنْ لّا مُحبَّة لهٗ لا ایمان لهٗ فحُبُّهٗ صلّی اللّٰهُ علیْهِ وسلّمَ رُکْنُ الْایمان لا یثْبُتُ ایمانُ عبْد ولا یُقْبلُ الّا بمُحبّته صلّی اللّٰه علیه وسلّم'' جو محبت نہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں ہو سکتا پس حب رسول ﷺ ایمان کا رکن ہے، بغیر محبت رسول ﷺ کے نہ تو کسی کا ایمان ثابت ہو سکتا ہے اور نہ یہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ مطالعُ المسرات میں یہ بھی ہے: ''فاصْلُ الایمان مشْرُوْطٌ باصْل الْحُبّ وکمال الْایمان مشْرُوْطٌ بکمال الْحُبّ'' ایمان کی اصل محبت ہے اور ایمان کا کمال محبت کے کمال سے مشروط ہے۔

کچھ بدنصیب اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہے تو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔ اس باطل اور بیہودہ خیال کو رد کرنے کے لئے حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فمحبّةُ اللّٰه مشْرُوطةٌ

بِمَحَبَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' اللہ کی محبت رسول ﷺ کی محبت کے بغیر ممکن نہیں۔

اس ساری تمہید کا ماحصل یہ ہے کہ محبت مصطفیٰ ﷺ ہی سب کچھ ہے اور اس دولت عظمیٰ کے بغیر سب بربریت اور سراب ہے۔ فقیر راقم الحروف نے سید وسندی فخر سادات مبلغ اسلام حضرت علاّم مولانا سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف لطیف ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ، حب رسول ﷺ کا چھلکتا ہوا جام ہے اور پھر سلاست تحریر اور بلاغت لسان، بلندی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ مطالعہ کنندہ اگر خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور محبت مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب کو شرف قبولیت عطا کرے اور مصنف ذی احتشام کو مزید دینی و ملی خدمات کی توفیق انیق سے نوازے، آمین۔

بِجَاهِ مَنِ اتَّخَذَهُ اللّٰهُ حَبِيْباً فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

محتاج دعاء
فقیر ابو سعید محمد امین غفرلہ
فیصل آباد

تبصرہ برکاتی

از محامد العلماء ابوحماد علامہ مفتی احمد میاں برکاتی

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات
شاہراہ مفتی محمد خلیل خان حیدرآباد (پاکستان)

باسمہٖ تبارک وتعالٰی وبالصلوٰۃ والسلام علی حبیبہٖ ورسولہٖ ونبیہٖ بلاء الاعلٰی

مبلغ اسلام و مسلمین، حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری زید مجدہم ایک اچھے ومنفرد منتظم ہونے کے ساتھ بلندی عزم، جواں ہمت اور مسلک حقہ اہلسنت کے لئے شانِ سخا کے حامل ہیں۔

وہ نہ صرف ایک کامیاب مبلغ ہیں بلکہ جودِ طبع کے لحاظ سے ایک عمدہ مصنف بھی ہیں۔ علامہ موصوف حامل ''وراثت انبیاء'' ہونے کے ساتھ ہر صفت کے لوگوں سے ''اچھا برتاؤ'' کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور مومن کے حلم ووقار کا تقاضا بھی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی حیات وصحت میں بلکہ ''مرض سے موت تک'' بلکہ بعد الموت بھی اپنوں اور بیگانوں کے لئے ایک مثال ونمونہ ہو تاکہ تحفہ الٰہی ''فَلَنُحْيِيَنَّهٗ، حَيٰوةً طَيِّبَةً'' کا حقدار ہو سکے۔ علامہ سعادت علی قادری کی زندگی کا ہر پہلو روشن ''تبلیغی کتاب'' کی طرح ہے جس سے اہل حق روشنی پا رہے ہیں۔

علامہ موصوف اپنی کتابوں، تصانیف اور تقاریر میں قارئین اور سامعین کو یہ جذبہ دیتے نظر آتے ہیں کہ مومن ''یوم الفرقان'' کے اصحاب کی طرح اپنے ہر ماہ کی ''تیس راتیں'' صبر، حلم اور اطاعت رسول میں گزارے۔ حضرت مولانا قادری ''نام نہاد اسلامی انقلاب'' کی بجائے مومن کے روح وجسم پر حقیقی اسلام چھا جانے کے شدت سے خواہش مند ہیں۔ ان کے یہ جذبات ''مقالات قادری'' سے خوب عیاں اور واضح ہیں اور جب وہ مثال دے کر سمجھانے کے لئے امہات المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہن اجمعین کی سیرت ''میری مائیں'' کہہ کر بیان کرتے ہیں تو یہ احساس نہایت شدت سے نکھر جاتا ہے کہ اولاد کو اپنی ماں کے حق میں کیا ہونا چاہئے اور ماں کہ جس کے قدموں میں جنت ہے۔ اگر صرف اسی کو راضی کر لیا جائے تو کل جہاں اور خالق جہاں راضی ہے۔

پیش نظر کتاب ''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ''عطر مجموعہ تفاسیر'' ہے۔ اور یہ وہ خواب تھا کہ جو خلیل العلماء، علامہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی (راقم کے والد ماجد) نور اللہ نے تقریباً پچاس سال قبل دیکھا اور سترہ پاروں کی تفسیر ''خلاصۃ التفاسیر'' کے نام سے لکھی جس کے سات پارے طبع ہوئے اور باقی حالات کی نذر ہو گئے پھر عرصہ سولہ سال قبل ''چادر چار دیواری'' (تفسیر سورۂ نور) کی شکل میں اس کی جزوی تعبیر سامنے آئی اور اب علامہ سید سعادت علی قادری نے اسی خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور دو ضخیم جلدوں میں ''يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' میں وہ علمی جواہرات جمع فرما دیئے جن کی چمک دمک

اہل دانش کی بصر کو رونق دے گی۔

علامہ قادری کو فقیر اس وقت سے جانتا ہے جب استاذی المکرّم علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ نے فقیر کے آخری تعلیمی سال ۱۹۷۳ء میں حکم فرمایا کہ "ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی" کو سنبھالو اور اس کو چلاؤ کچھ ہی دنوں کے بعد علامہ قادری پورے پاکستان کے اہلسنت کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد جب جماعت اہلسنت کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے تو انہوں نے ترجمان اہلسنت میں نئی جان ڈالی اور اس کی اشاعت میں تسلسل پیدا کیا۔ علامہ کے دورِ نظامت میں "ترجمان اہلسنت" نکالنے پر کوئی دقت پیش نہ آئی اور یوں اس علم دوست ہستی نے قارئین کا ایک نہایت شاندار اور جاندار حلقہ قائم کیا جو آج بھی اس دور کے ترجمان کو یاد کرتا ہے۔ علامہ قادری کی یہ نئی تصنیف "خوب سے خوب تر" کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ جس کا ہر عنوان ایک روشن چراغ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "مقالات قادری" کی طرح اس تصنیف سے بھی عوام و خواص کو مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

فقیر قادری کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے علامہ قادری کی تصنیف "مقالات قادری" کی تین جلدیں بیک وقت برکاتی پبلشرز اور مکتبہ..... حیدرآباد کی طرف سے شائع کی ہیں، خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ذرۂ فقیر قادری احمد میاں برکاتی غفرلہ
خادم الحدیث الشریف، دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ، ۹؍اکتوبر ۲۰۰۰ء

تبصرہ از قلم

حضرت علامہ محمد شعیب قادری صاحب

خطیب جامع گلفشاں، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصنف کتاب ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری مدظلہ العالیٰ کا شمار اس وقت اکابرین اہلسنت و جماعت میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر میں آپ کو ملکۂ خاص عطا کیا ہے بہت کم لوگ ہیں جو اچھے مقرر بھی ہیں اور اچھے محرر بھی۔

علامہ موصوف کتب کثیرہ کے مصنف ہیں آپ کی ہر تصنیف تحقیقی اور دلچسپ ہے۔ تحریر میں سادگی، مضمون میں تسلسل کا معیار بلند ہے۔

زیر نظر کتاب ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' آپ کی تصانیف میں شاہکار تصنیف ہے اور اپنی نوعیت میں قرآن کریم کی منفرد تفسیر ہے۔ رب کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی امت اجابت کے لئے قرآن کریم میں خوبصورت اور دل میں اترنے والا خطاب ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' استعمال فرمایا ہے۔ اس خطاب کے پس منظر میں بارگاہِ نبوت کا ادب، احکام خداوندی پر عمل، مَنہیات سے اجتناب، ابتلا و آزمائش کا بار، قرب الٰہی کی منازل طے کرنے کا سلیقہ، ایثار و قربانی کا خوگر اور رضاء الٰہی کا طالب بننے کا درس دیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ خطاب حاصل انسانیت ہے، اسی خطاب سے انسانیت کی تکریم ہے۔ رب کریم نے اپنے ولی کی پہچان ہی یہ بتائی ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ'' قرآن میں اس پہچان کا آغاز جس آیت مبارکہ سے ہوا تو اس میں خالق کائنات نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کا ادب فرض کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے ولی کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ بارگاہ مصطفوی کا مکمل ادب کرنے والا ہو۔

ایمان والوں کا طرۂ امتیاز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی کا ادب و احترام کرنا بتایا گیا۔ علامہ صاحب نے انتہائی بالعزیز خطاب پر قلم اٹھایا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ پر بھی اچھی طرح آشکارا ہو جائے گا۔

علامہ صاحب نے خود فرمایا: ''یہ کتاب میری زندگی کے تحریری میدان میں سب سے خوبصورت سعی ہے'' دعا ہے رب کریم اس تفسیر کو نافع خلائق بنائے اور مصنف کے لئے صدقہ جاریہ کرے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیه التحية والسلام۔

(دستخط)

تبصرہ از قلم

جناب ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری زید مجدہ العالی

لیکچرار گورنمنٹ کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس، خطیب وسجادہ نشین قادری مسجد و خانقاہ قادریہ سولجر بازار، کراچی

صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَاعَدْنَانِ یَا مُصْطَفٰی یَا صَفْوَۃَ الرَّحْمٰنِ

فاضل جلیل مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم القدسیہ کی شخصیت، پاکستان و بیرون ممالک میں بسنے والے خواتین وحضرات کے لئے محتاج تعارف نہیں اور علماء کرام ومشائخ عظام میں تو آپ کی شخصیت ہر دلعزیز ہے۔ آپ متعدد تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔

اگرچہ راقم الحروف کسی علمی مقام کا حامل نہیں لیکن یہ آپ کی شفقت ومحبت ہے کہ اپنی تازہ تصنیف ''یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ'' کا مسودہ اظہار خیال کے لئے روانہ فرمایا بطور تعمیل حکم چند سطور ہدیہ قارئین ہیں۔

مذکورہ تصنیف دراصل ''۸۹'' آیات مقدسہ پر مشتمل ایسے مقالات کا مجموعہ ہے جن میں قرآنی آیات کی روشنی میں علامہ نے احکام الٰہیہ کی تشریح فرمائی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے خواتین وحضرات تو بے شمار ہوں گے لیکن قرآنی پیغام اور احکام کا علم رکھنے والے کم ہی لوگ ہیں ایسے میں علامہ موصوف کی یہ سعی لوگوں میں قرآن کے فہم وادراک کے فروغ کا باعث ہوگی۔

آپ نے قرآن کے علاوہ احادیث کی روشنی میں بھی قرآنی احکام کی بڑی مدلل تشریح فرمائی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن احکام کی وضاحت کے لئے کئی قرآنی تفاسیر درکار ہوں، حضرت علامہ نے ایک ہی کتاب میں تمام قرآنی تشریحات کو یکجا فرمادیا ہے۔

''یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ'' کا مطالعہ کرنے والا اس کتاب کو پڑھ لے اور سمجھ لے تو پھر اسے دیگر تفاسیر کے مطالعہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے احکام تو ملتے ہیں لیکن ان کے مسائل اور تشریحات قرآن کریم بیان نہیں کرتا۔ اس لحاظ سے حضرت علامہ سید سعادت علی قادری دامت برکاتہم کی یہ تصنیف، عقائد اسلام اور فقہ اسلام کے مسائل اور ان کی تشریح کے لئے ایک بہترین اور منفرد کتاب ہے۔ جس کے مطالعہ سے اور اس میں غور وفکر کرنے سے انسان گھر بیٹھے عالم بن سکتا ہے۔

''یَآیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ'' اپنے قاری کے ذہن اور علم کو کتنا وسیع کرے گی اس کا اندازہ تو اس سے استفادہ کرنے والوں ہی کو ہوسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت علامہ کی یہ تصنیف بھی آپ کی دیگر تصانیف کی طرح علماء وعوام اہلسنت میں

نہایت مقبول ہوگی اور اہل ذوق اس سے خوب خوب مستفیض ہوں گے۔ اللہ حضرت علامہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔
میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ حضرت علامہ کو مسلک حق و دین اسلام کی تادیر خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

''اللھم زد فزد''

محتاج دعا
ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری
۳؍ستمبر ۲۰۰۱ء
کراچی

تبصرہ از قلم

گرامی قدر حضرت علامہ محمد اسماعیل صاحب ضیائی (میمن)

شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلّی علٰی رسولہ رحمۃ للعلمین وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین

مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی صاحب قادری دامت برکاتہم، میرے استاد محترم حضرت علامہ مولانا سید شجاعت علی قادری (ر) جج، علیہ الرحمۃ والرضوان کے برادر بزرگ اور حضرت علامہ مولانا مفتی سید مسعود علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحبزادے ہیں۔ اس لحاظ سے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔

آپ کے والد ماجد، مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت مفتی و شیخ الحدیث اور نائب مہتمم کے فرائض انجام دیتے رہے وہ تقریباً دس سال ان مناصب پر بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ غالباً اواخر ۱۹۷۱ء میں کراچی تشریف لائے اور دارالعلوم امجدیہ میں مفتی کی حیثیت سے خدمت کرتے رہے۔ افتاء کے علاوہ درسِ نظامی کی منتہی کتب کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ مسجد قصاباں صدر میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے مگر اہلیان کراچی زیادہ عرصہ آپ سے مستفیض نہ ہوسکے کہ ۱۹۷۳ء کے اوائل میں آپ اس دنیائے فانی سے دارِ بقاء کی طرف رخصت ہوگئے۔

حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار نہایت فاضل اور قابل ترین اساتذہ میں ہوتا ہے غالباً آپ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان سے فارغ التحصیل ہوکر کراچی تشریف لائے اور پہلے کچھ عرصہ دارالعلوم مظہریہ آرام باغ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعدہٗ دارالعلوم امجدیہ میں بحیثیت مفتی و مدرس خدمت انجام دیتے رہے پھر دارالعلوم نعیمیہ کی بنیاد رکھی اور اسے اپنے خون سے سینچ کر پروان چڑھایا اور دوسروں کو سونپ کر چل دیئے۔

آپ نے سینکڑوں فضلاء تیار کئے، افتاء کے علاوہ درس نظامی کی منتہی کتب کی تدریس کرتے رہے السنۂ شرقیہ کے امتحانات، فاضل عربی اور ادیب عربی وغیرہ کی بھی تیاری کراتے رہے۔ آپ ہر فن مولا شخصیت تھے، نہایت خوش پوش، خوش اخلاق اور انتہائی شریف النفس انسان تھے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور وفاقی شرعی عدالت، اسلام آباد کے جج بھی رہے غرضیکہ حضرت مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ میرے استاد ہیں انہی سے میں نے غالباً ۱۹۶۰ء میں حضرت علامہ سید سعادت علی قادری کا اسم گرامی سنا آپ نے نہایت ہی ادب واحترام اور خلوص کے ساتھ مجھ سے آپ کا غائبانہ تعارف کرایا۔ جس سے میں بے حد متاثر ہوا اور شوق بڑھا اور پھر بار بار شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا کبھی جلسوں میں تو کبھی جماعت اہلسنت پاکستان کے دفتر میں۔

حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری چونکہ میرے استاد کے بڑے بھائی ہیں لہٰذا آپ سے میرا تعلق نہایت ہی

قریبی ہے۔آپ کی تعریف اور آپ کی قابلیت کے تعارف کے لئے یہ کتاب ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' کافی ہے تاہم آپ نہایت فاضل بلکہ فاضل ابن فاضل ہیں اور ایک اعلیٰ علمی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔آپ تحریر وتقریر دونوں کے دھنی ہیں۔کراچی میں ایک عرصہ مسجد قصاباں صدر میں امامت وخطابت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔آپ خطابت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔مجمع پر حاوی آنے والے خطیب ہیں۔ میں نے آپ کے بے شمار مواعظ سے استفادہ کیا ہے۔تبلیغی اعتبار سے آپ کا ثانی نہیں۔ جماعت اہلسنت نے آپ کی زیر سرپرستی جو ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی جو آپ کے بہترین منتظم اور قائد ہونے کا ثبوت ہے آپ بہترین مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے صاحبِ قلم بھی ہیں۔آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔اس پر تبصرہ لکھنے کے لئے حضرت علاَّم نے مجھے حکم دیا۔مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کا اس کتاب پر تبصرہ لکھنا درحقیقت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے تاہم تعمیلاً للحکم چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں چونکہ کتاب خاصی ضخیم ہے اس لئے اسے بالاستعیاب پڑھنے کے لئے خاصا وقت درکار ہے۔میں نے اسے جونہی پڑھنا شروع کیا میرے چند دوست اساتذہ نے دیکھ لیا اور میرے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور بے حد پسند کیا۔ میں نے کتاب کے کئی اقتباسات پڑھے تو کتاب کو نہایت مفید اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پایا۔میرے خیال میں کتاب جدید دور کے لحاظ سے نہایت مفید ہے۔حضرت موصوف نے تحریر کتاب میں بے حد عرق ریزی کی ہے۔ پورے کلام پاک میں مختلف مقامات پر ''یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' سے اہل ایمان کو ۸۹ بار خصوصی خطاب فرمایا گیا ہے۔آپ نے انہی آیات کی تشریح و وضاحت کی۔گویا یہ کتاب ۸۹ آیات کی مفصل و مدلل تفسیر ہے۔کتاب نہایت سلیس زبان میں ہے اور عام فہم ہے۔ہر شخص کے لئے یکساں مفید ہے۔آیات کی تشریح کو احادیث مبارکہ اور دیگر دلائل سے آراستہ ومزین کیا گیا ہے۔کتاب مسلم معاشرے کی اصلاح کے لئے نہایت مفید ہے اور مرد وعورت کے لئے یکساں کارآمد ہے۔مصنف موصوف کے مضامین اگر مسلم خواتین پڑھیں گی تو یقیناً سلیم الطبع عورت فرنگی طرزِ زندگی سے متنفر ہو جائے گی اور جو خواتین مردوں کے برابر حقوق حاصل کرنے پر مصر ہیں وہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی غلطی پر نادم وشرمندہ ہو کر تائب ہوں گی۔

هٰذا كلامُ الساداتِ، وساداتُ الكلامِ لا يستطيعُ العبدُ الضعيفُ على احصاءِ حسنِهٖ والمصنِّفُ يعلم حسنَ تحريرِهٖ، كما يقالُ، صاحبُ البيتِ اَدرىٰ مما في بَهجتِهٖ.

میری دعا ہے کہ اس کتاب کو رب ذوالجلال قبول فرمائے اور حضرت علامہ کی کاوش کو مقبول عام کرے کہ یہ ہر گھر کی زینت بنے اور امت مسلمہ کا بچہ بچہ اس سے استفادہ کرے۔آمین،بطفیل سید الانام علیہ التحیہ والتسلیم

فقط

محمد اسماعیل ضیائی خادم دار العلوم امجدیہ کراچی

۲۷ رستمبر ۲۰۰۱ء

تبصرہ از قلم

گرامی قدر حضرت علامہ آصف بن مختار انصاری صاحب زید مجدہ

استاد دار العلوم امجدیہ، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً وّمصلّیاً وّمسلّماً

حضرت قبلہ علامہ مولانا سید سعادت علی قادری مجدہ وعلمہ کی گرانقدر اور مایہ ناز تحریر ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' زیب نظر ہے۔

حضرت موصوف کثیر الجہات شخصیت اور گوناگوں صفات کے حامل ہیں۔ نیز دین حق کے تقاضے بھی بطریقہ احسن پورے کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن باطن سے بھی خوب نوازا ہے۔

حضرت علامہ نسباً سادات سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی شخصیت وعبقری کارناموں کے حوالے سے یہ نسبت ان پر زیب وزینت کا باعث ہے۔ گویا وہ اس نسبت سادات کے تقاضوں کو اپنے علم وعمل سے خوب نبھاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ احسن الخالقین نے مولانا کو صورت وسیرت ہر لحاظ سے قابل رشک بنایا ہے وہ راہوارِ قلم کے شہسوار ہوں تو سبک، سلیس اور عام فہم نیز معنویت سے لبریز تحریر ان کا تعارف بنتی ہے اور میدانِ خطابت میں ان کی شعلہ بیانی اور جوشِ خطابت، سامعین کے دلوں کو ان کے حسن انداز کا اسیر کرلیتی ہے۔ وہ تمام سامعین کو اپنی طرف متوجہ اور ہمہ تن گوش کرکے اپنی سحر بیانی کا لوہا منوا لیتے ہیں ان کا خطاب اس خصوصیت کا ترجمان ہوتا ہے جو سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ کے ارشاد سے مطلوب ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''کَلِّمُوا النَّاسَ بِقَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' (لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرو۔)

قدرت نے شکل وصورت اور علم وفضل کے ساتھ موصوف کو خوش اخلاقی کی جہت سے بھی متصف کیا ہے جو ان کے منصب کے لئے ایک لازمی جز ہے کہ انہوں نے اپنی عمر لطیف کا ایک حصہ علم دین کی خدمت کے ساتھ تبلیغ دین میں گزارا۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی سطح پر وہ جتنا پاکستان سے باہر جانے جاتے ہیں اتنا شاید پاکستان والے ان سے واقف نہ ہوں۔

پیر طریقت ورہبر شریعت کی اصطلاح بھی موصوف پر خوب جچتی ہے کہ حضرت دین وشریعت اور تصوف وطریقت دونوں مسندوں پر جلوہ آراء ہیں اور ان دونوں مناصب کی ذمہ داریوں سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

حضرت علامہ کی تصانیف اگر چہ بکثرت ہیں لیکن معنویت اور افادیت سے لبریز ہیں ہر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد، علمی لحاظ سے جامع اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے انتہائی اہم نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنوانات خود ان کے سامنے دست بستہ منتظر توجہ ہیں۔ رمضان المبارک کی مقدس راتوں کے حوالہ سے عوام کی افادیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''تیس راتیں'' لکھ کر انہوں نے اپنی مسلمہ حیثیت اور معاشرے کی ضروریات پر بھرپور نظر کا ثبوت دیا ہے۔ ''میری

مائیں'' کے منفرد نام سے ''امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن'' کی سیرت سے لوگوں کو مستفید کیا۔ غرضیکہ ہر کتاس اسی طرح عہدِ حاضر کی ضروریات کو پورا کرتی ہوئی لوگوں کا مطالعہ وسیع کرنے اور بہترین معلومات فراہم کرنے کا سبب بنتی ہے۔

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا'' (اے ایمان والو) حضرت والا مرتبت کی وہ گرانقدر تصنیف ہے جس کے بارے میں کئی نامور اہل علم حضرات نے اپنی آراء پیش کی ہیں اور فاضل مصنف کو بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے جو ان کا حق ہے۔

احقر، راقم الحروف نے حضرت کی یہ تصنیف لطیف حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل صاحب ضیائی مدظلہ، شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ کے لطف وکرم سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی اور اس جلیل القدر تحریر پر اپنے تاثرات رقم کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

اس کتاب پر اعلام علاّم کے تبصرے، علامہ کی تحریر کے اقتباسات اور ایک وقیع وطویل فہرست کا مطالعہ کیا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت موصوف نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے کہ بطور عنوان ان ۸۹ آیات کی تشریح کی ہے لیکن درحقیقت قرآن وحدیث اور سیرت مبارکہ کے قابل قدر مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔

علامہ موصوف کی یہ کتاب ہر مسلمان کی انفرادی واجتماعی زندگی میں تمام دینی ودنیاوی امور کے لئے رہنما ثابت ہو گئی بشرطیکہ وہ اسلامی احکام سے رہنمائی کا طالب ہو۔ معاملات شرعی ہوں یا تصوف سے متعلق ہوں، اصلاح ظاہر مطلوب ہو یا تزکیہ وصفائے باطن یہ کتاب بہر حال فردِ مسلم کی رہنمائی کا بہترین فریضہ انجام دے گی۔

یوں تو بظاہر کتاب ۸۹ آیات کی تفسیر وتشریح ہے لیکن تفسیر، حدیث، تاریخ وسیرت، ادب وانشاء پردازی کا بہترین مرقع ہے۔ جستجوئے ہدایت میں اس کتاب سے تمسک کیا جائے یا وقت کے بہترین صرف کے لئے اس کتاب کو ہاتھوں میں لیا جائے راہ ہدایت کے متلاشی کو ہدایت اور احسن طور پر وقت گزاری کرنے والے کو علم وحکمت سے سیراب کرے گی۔ سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو، اسلاف کی حیات کو مشعل راہ بنانے کا مقصد ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کتاب سے ایسی نورانیت نصیب ہوتی ہے کہ اسلاف کی زندگیاں ہمارے سامنے اس طرح آتی ہیں کہ ان پر رشک آنے لگتا ہے۔ غرضیکہ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے کہ ہر مسلم فرد اور مسلم گھرانے دونوں ہی کے لئے انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کے طفیل اسے قبول فرمائے اور مقبول عام بنائے۔ عامۃ المسلمین کے لئے نفع بخش ہو اور مصنف موصوف، ناشرین اور قارئین کو جزائے دارین عطا فرمائے، آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

یکے از وابستگان دامن سادات

ابن مختار انصاری

دار العلوم امجدیہ کراچی

۲۸ رجمادی الثانی ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۹ رستمبر ۲۰۰۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سورۃ الانفال“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
45	15 تا 19
46	20 تا 23
47	24 تا 26
48	27 تا 28
49	29
50	45 تا 47

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۵

الانفال: ۱۵ تا ۱۹

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال: ۱۵ تا ۱۹)

اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف اپنی پیٹھیں اور جو پھیرے گا اس روز اپنی پیٹھ، بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے، یا پلٹ کر آنے

والا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہوگا، اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے، پس تم نے نہیں قتل کیا انہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انہیں اور (اے محبوب ﷺ) نہیں پھینکی آپ نے جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مؤمنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان بیشک اللہ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے، یہ تو ہوا، اور بیشک اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکروفریب کو (اے کفار) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو آگیا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم پھر شرارت کروگے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی، چاہے اس کی تعداد بہت ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔

مؤمن اللہ کا سپاہی ہے، جسے قرآن کریم نے مجاہد کا نام دیا اور اس کی عظمت وفضیلت کا اعلان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًاۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴿۹۶﴾

(النساء:۹۵۔۹۶)

نہیں برابر ہوسکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے مسلمان سوائے معذوروں کے اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، بزرگی دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب (مجاہدین) سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا، اور فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے، (ان کے لئے) بلند درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور رحمت ہے اور اللہ سارے گناہ بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

انہی مجاہدین کو" حزب اللہ" اللہ کا لشکر کہا گیا اور ان کے غالب وفاتح ہونے کا مژدہ دیا گیا" هُمُ الْغٰلِبُوْنَ" یہ مجاہد ہیں، محارب یعنی جنگ کرنے والے نہیں، جنگ تو وہ کرتے ہیں جن کا مقصد اپنی جان، اپنے مال ودولت کی حفاظت کرنا ہوتا ہے یا جن کے پیش نظر اپنے اقتدار یا حدود مملکت کا تحفظ ہوتا ہے، ایسے لوگ صرف اپنی برتری کے لئے لڑتے ہیں، چاہے انہیں اپنوں سے جنگ کرنا پڑے یا غیروں سے، لیکن مجاہد اللہ کا سپاہی ہے، فی سبیل اللہ، اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کی طرف سے اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے، اللہ کے کلمہ کو بلند رکھے اور جس خطۂ ارض پر اللہ کا قانون نافذ ہو اس پر کسی کو بری نظر تک نہ اٹھانے دے، پس اللہ کا یہ سپاہی اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ہمہ وقت

اپنی جان اپنے مال ہر چیز کو قربان کر دینے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن سے مقابلہ کے لئے میدان کارزار میں پہنچتا ہے تو اس کی طاقت وقوت، اس کا ایمان ہوتا ہے اس کا توکل، بھروسہ صرف اور صرف اللہ پر ہوتا ہے، اللہ اپنے اس سپاہی کا مددگار بنتا ہے اس کو ندا آتی رہتی ہے، کمزور نہ پڑنا، فکر نہ کرنا، آگے بڑھتے رہنا، فتح دینا ہمارا ذمہ ہے ''اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' تم ہی بلند رہو گے اگر یہ مجاہد جان کی بازی لگا کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اسے حیات جاودانی کا انعام دیا جاتا ہے، شہادت کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے، اس کو مردہ کہنے یا سمجھنے پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے اور اگر یہ میدان کارزار سے زندہ سلامت واپس آ جاتا ہے تو غازی کہلاتا ہے، مسلم معاشرے میں اس کو خصوصی عزت بخشی جاتی ہے، حکومت اسلامیہ میں اس کا مقام بلند ہوتا ہے، مال غنیمت سے اس کو مالا مال کر دیا جاتا ہے پوری امت مسلمہ اس پر ناز کرتی ہے، پس

اے ایمان والو! جب تم اعدائے دین کے لشکر جرار کے مقابلہ پر پہنچو تو پھر انہیں اپنی پیٹھ نہ دکھانا یا تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں اور یا تم سینہ تانے ان کا مقابلہ کرتے رہو، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، جان چلی جائے کہ تم بڑی ہی عظمت والے آقا کے سپاہی ہو، تمہارے لئے میدان سے بھاگنا، پیٹھ پھیرنا تمہیں ہرگز زیب نہیں دیتا، تمہارا ایمان قرآن پر ہے اور قرآن تمہارے لئے اعلان فرما رہا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ۭ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲ (فصلت: ۳۰۔۳۲)

بیشک وہ جنہوں نے کہا ''ہمارا پروردگار اللہ ہے'' پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے، اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو، تمہیں بشارت ہو، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں، دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے، ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے۔

اے ایمان والو! ان عظیم نوازشات کے باوجود بھی اگر تم اعدائے دین سے خوفزدہ ہو گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے تو یہ اس اللہ سے بغاوت ہوگی جس سے تم اپنی جان و مال کا سودا کر کے جنت کا وعدہ لے چکے ہو اور اس نافرمانی کی تمہیں عبرتناک سزا دی جائے گی کہ تمہارا اعزاز چھین لیا جائے گا، تم اللہ کے غضب کے مستحق قرار پاؤ گے، تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

ہاں صرف دو صورتیں ہیں، جن میں تمہیں پشت پھیرنے کی اجازت ہے، یا تو تم ''متحرف'' ہو اور یا ''متحیز'' ہو۔

مُتَحَرِّف

یعنی کوئی ایسی جنگی چال اختیار کرنے والا، جس سے دشمن کو اپنی کامیابی کا دھوکا ہو، مثلاً مجاہد، لڑتے لڑتے ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگا اور دشمن نے دور تک اس کا پیچھا کیا، مجاہد نے موقع ملتے ہی پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور مار ڈالا، یہ پیٹھ پھیرنا نہ تھا بلکہ دشمن کو دھوکا دینا تھا اور جنگ میں دھوکا دینا جائز ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ''اَلْحَرْبُ خِدْعَةٌ'' جنگ دھوکا ہے۔

مُتَحَيِّز

یعنی مجاہد دوران جنگ یہ محسوس کرے کہ دشمن کی قوت بڑھ چکی ہے، اب مقابلہ کی صورت میں کسی بڑے نقصان کا امکان ہے، پس وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے اور اعلیٰ قیادت کو صورت حال سے آگاہ کرے، اب یہ حکام بالا کی حکمت عملی پر موقوف ہے کہ وہ مناسب جانیں تو اسی وقت اپنی قوت میں اضافہ کر کے حملہ آور ہوں یا مناسب وقت کا انتظار کریں۔

بہرحال پیٹھ پھیرنے کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، دشمن سے مرعوب ہو کر، موت سے ڈر کر، اہل خانہ و خاندان کی محبت کے باعث، یا کسی اور دنیاوی وجہ کی بناء پر پیٹھ پھیرنا، بھاگ جانا، گناہ کبیرہ ہے، جس کی سزا اللہ کا غضب اور جہنم کی آگ ہے۔

اے ایمان والو! جب تم جہاد میں فتح، کامیابی و کامرانی حاصل کر لو تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ تم نے بڑا کمال کیا اپنے مادی و ظاہری وسائل اور اپنی قوت کے باعث دشمن کو شکست دیدی، ایسا ہرگز نہیں ''فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ'' تم نے انہیں تھوڑا ہی قتل کیا ہے یہ تو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ تھی، حقیقت میں اللہ ہی نے انہیں قتل کیا ہے، غزوہ بدر کے اوراق پلٹو، دیکھو تمہاری تعداد کیا تھی، تمہارے پاس اسلحہ کتنا تھا، سواریاں کتنی تھیں، دشمن ہر اعتبار سے تم پر بھاری تھا پھر بھی تم ہی کامیاب ہوئے، کیسے کیسے بہادروں کو اللہ نے تم سے قتل کرا دیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے محبوب ﷺ نے ہمارے حکم سے ایک مٹھی خاک دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی، جس سے کافروں کی آنکھیں بند ہو گئیں اور پھر چند گھنٹوں ہی میں مجاہدین نے ستر کافروں کو ڈھیر کر دیا، ستر کو گرفتار کر لیا، ''وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى'' یہ دست قدرت ہی کا کمال تھا، جس کا وسیلہ اس ذات کو بنایا گیا جسے مصائب و آلام کے وقت وسیلہ بنانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے۔

بہرحال فتح و کامرانی تو اللہ ہی کی نصرت و مدد سے نصیب ہوتی ہے، اہل ایمان کو تو صرف اس کا ظاہری ذریعہ بنایا جاتا ہے، وہ بھی انہی کے فائدے کے لئے کہ اللہ اس کے عوض ان کے مراتب کو بلند کر دے، جو زندہ ہوں وہ باعزت اور بارعب زندگی بسر کریں اور جو دنیا سے چلے جائیں وہ شہید کہلائیں، انہیں حیات جاودانی نصیب ہو، بعد میں آنے والے ان کی شجاعت و بسالت کے واقعات پڑھیں اور ان کے نقش قدم پر چل کر عزت و عظمت حاصل کریں۔

اے ایمان والو! تم دشمن کے مقابلے پر آنے سے نہ گریز کرو اور نہ گھبراؤ کیونکہ اللہ نے دشمن کو کمزور، مغلوب کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہوں گے، ان کے متعلق فیصلۂ الٰہی ہو چکا ہے کہ اگر وہ اسلام کے خلاف سازشوں سے باز آ جائیں تو ان کے لئے بہتر ہو گا کہ وہ اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے، اللہ کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتے

رہیں گے لیکن اگر ان کی سازشیں جاری رہیں تو ہمارے مجاہد انہیں روندتے رہیں گے اور ان کی افرادی قوت یا سامان جنگ کی کثرت سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اللہ کی مدد تو مسلمانوں کے ساتھ ہے، جس کی مدد اللہ قادر مطلق کرے، اس پر کون غالب آسکتا ہے۔

ایک بمقابلہ دو

اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ وہ ''ڈٹ کر مقابلہ کریں اور ہرگز پیٹھ دکھا کر نہ بھاگیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا'' یہ ایک شرعی قانون ہے، جس کی پابندی ہر مؤمن پر لازم ہے لیکن اس قانون کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ ایک مسلمان کتنے دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہے، کیا اس صورت میں بھی اسی قانون پر عمل کیا جائے گا جبکہ اللہ کے سپاہی دو، چار ہوں اور دشمن سینکڑوں ہوں، بیشک اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے دو، چار مجاہدین ہی کو سینکڑوں پر غالب کردے لیکن یہ صورت ظاہری اور مادی وسائل کے خلاف ہوگی، جن کو اللہ ہی نے نظام عالم کی بقاء کے لئے لازمی قرار دیا ہے، نیز اللہ ہی کا قانون ہے ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' کہ وہ رحیم وکریم رب کسی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا اور اسی رب کا قانون ہے کہ ''يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ'' کہ اللہ تمہارے لئے، یسر، آسانی کو پسند فرماتا ہے، تمہیں دشواری میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، پس قانون بالا کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یہ قانون بھی بتایا جائے کہ ایک مجاہد پر کتنے ظالموں کا مقابلہ لازمی ہے، پس بواسطہ صاحب شریعت ﷺ اس قانون کا بھی اعلان کرایا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (انفال:۶۵-۶۶)

اے نبی! (ﷺ) برانگیختہ کیجئے مؤمنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، (اے مسلمانو!) اب تخفیف کردی ہے اللہ نے تم پر اور وہ جانتا ہے تم میں کمزوری ہے تو اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی، صبر کرنے والے، تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر، اور اگر ہوئے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیت مذکورہ میں دو قانون بیان کئے گئے، پہلا یہ کہ بیس (۲۰) مجاہد دو سو (۲۰۰) پر غالب ہوں گے، سو (۱۰۰)

ہزار پر غالب ہوں گے یعنی ایک مجاہد کے مقابلہ پر دس کافر ہوں تو اُن کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے لیکن چند دن بعد ہی یہ قانون منسوخ قرار دے دیا گیا، اور دوسرا قدرے ہلکا قانون بیان کیا گیا کہ سو(۱۰۰) مجاہدین، دوسو(۲۰۰) کفار کے مقابلہ پر اور ہزار دو ہزر کے مقابلے پر غالب رہیں گے، یعنی ایک مجاہد کے مقابلے پر جب تک دو کافر ہوں تو اُس کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے، یہ بھی بتایا گیا کہ یہ مجاہد صابر ہوں، میدان جہاد کی اذیت و تکالیف کا احساس کئے بغیر استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں، تو وعدۂ الٰہی ہے کہ یہ ضرور کامیاب و کامران ہوں گے کیونکہ نصرتِ الٰہی صابرین ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

اس تخفیف کی وجہ ''ضُعْف''، یعنی کمزوری قرار دی گئی، جس کا آغاز مجاہدین اولین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی ہو چکا تھا کہ جب صحابہ کی تعداد زیادہ ہوئی، مختلف قوموں کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو فطرتاً ان کے خیالات، جنگ سے متعلق ان کے اندازوں میں بھی اختلاف پیدا ہوا، کبھی انہیں اپنی کثرت وسائل کا بھی احساس ہونے لگا، جس کے باعث انہیں گاہے بگاہے وقتی طور پر غیر متوقع نقصان بھی برداشت کرنا پڑا اور انہیں ''ایک بمقابلہ دس'' کا قانون بار معلوم ہونے لگا، پس اللہ نے کرم فرمایا اور اس قانون میں تخفیف فرما کر، ہمیشہ کے لئے ''ایک بمقابلہ دو'' کا قانون عطا فرما دیا، لیکن صحابہ کرام کے ایمان و عقائد، اطاعت رسول ﷺ، محبت رسول ﷺ میں کبھی ذرہ برابر ضعف پیدا نہ ہونے پایا، اسی لئے ان کے نقصان کی تلافی فوراً ہی ہوتی رہی، جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ ضعف بڑھتا گیا، اتنا بڑھا کہ کینسر بن گیا، اس نے ایمان کو بھی کمزور کر ڈالا، عقائد کو بھی کمزور کر دیا، اطاعت کی جگہ بغاوت نے لے لی اور عشق و محبت رسول ﷺ کا تو نام و نشان نہ رہا، حتیٰ کہ نصرت الٰہی پر بھی اعتماد نہ رہا، مادی اور ظاہری وسائل ہوتے ہوئے بھی اتنے کمزور اور ذلیل وخوار ہو گئے کہ ایک دشمن سے بچنے کے لئے دوسرے دشمن کا سہارا لینے لگے، نتیجۃً آزاد ہوتے ہوئے بھی غلام بن گئے اور جو نقصان ہوا اس کی تلافی نہ ہو سکی ہے، نہ ہو سکتی ہے، نقصان ہی نقصان ہوتا چلا جا رہا ہے، اب تو ایک بمقابلہ دو کیا، ایک، ایک کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتا۔

اس کینسر کا علاج نہ کسی حکیم کے پاس ہے، نہ کسی ڈاکٹر کے پاس، یہ قرآنی قوانین سے روگردانی کے سبب پیدا ہوا ہے اور اسی وقت ختم ہو سکتا ہے جب قرآن کی طرف رجوع کیا جائے، قوانین قرآن و سنت کو اپنایا جائے، اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کی جائے، حب رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ کا جذبہ بیدار کیا جائے، اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بہر حال مسلمان اور کافر کے مقاصد جنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے:

جنگِ کافر فتنہ و غارت گری است
جنگِ مؤمن سنت پیغمبری است

مؤمن کو اعدائے اسلام پر غلبہ حاصل ہوتا رہا ہے، آج بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصول جہاد کو اپنا کر، میدان جہاد میں قدم رکھے، ڈٹ کر لڑے، فرار اختیار نہ کرے، تمام وسائل اور افرادی قوت ہونے

کے باوجود یہ یقین رکھے کہ فتح وکامرانی کا ذریعہ صرف اور صرف اللہ کی مدد ہے:

کافر ہے تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اے دولت ایمان سے نوازنے والے رب کریم، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں بھی حفاظت ایمان کا جذبہ عطا فرمادے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۶

الانفال: ۲۰ تا ۲۳

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَھُمْ لَتَوَلَّوْا وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (انفال: ۲۰ ـ ۲۳)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے، بیشک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی خوبی تو انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر انہیں سنا دیتا تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے۔

اطاعت

اطاعت جملہ شرعی احکام کی اصل جز، بنیاد، یا روح ہے اگر اعمال کی ادائیگی ہو، لیکن ان میں اطاعت نہ ہو تو وہ ضائع اور برباد ہیں مثلاً نماز پڑھی جائے لیکن اوقات کی پابندی نہ کی جائے یا بے وضو پڑھی جائے، روزہ رکھا جائے لیکن دن میں نہیں رات میں رکھا جائے، اسی طرح تمام اعمال پر غور کیجئے جب ان میں اطاعت نہ ہوگی وہ عبادت نہیں دیوانگی اور پاگل پن ہوگا۔ نیز اطاعت صرف اللہ کی نہیں ہوتی بلکہ رسول ﷺ کی اطاعت بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی اللہ کی کہ رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر، اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں، قرآن کریم میں آپ کو ایسی آیات ملیں گے، جن میں رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اللہ کی اطاعت کا ذکر نہیں ہاں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں صرف اللہ کی اطاعت کا حکم ہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود نہ ہو، اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہر جگہ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے کیونکہ قرآن کریم یہ اصول دیتا ہے کہ ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اس بنیادی حکم کی وجہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کا مقصد بعثت ہی یہ ہے کہ امت کا ہر فرد اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، جس نے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل نہ کی اور وہ صرف اللہ کی اطاعت کا دم بھرتا رہا، وہ نہ صرف گمراہ ہے بلکہ اس نے بعثت نبی ﷺ کے مقصد ہی کو نہ سمجھا۔ فرمایا گیا: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے'' یعنی اطاعت رسول ﷺ، حکم الٰہی ہے، اگر اس حکم سے روگردانی کی گئی تو دیگر احکام میں اطاعت، چہ معنیٰ دارد، اسی لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی امت کو اپنی اطاعت کی دعوت دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو دعوت حق دیتے ہوئے فرمایا:

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ (آل عمران:۵۰)

اور لایا ہوں میں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے، پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ (الشعراء:۱۱۰)

پس ڈرو، اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔

اسی سورۂ شعراء میں حضرت ھود، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت حق اسی جملہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ان حضرات نے اللہ کی اجازت اور اس کے عطا کردہ اختیار سے اپنی اطاعت کا حکم دیا کہ بعثت نبی ﷺ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، پس میرے آقا ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کیوں قرار نہ پائے جبکہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء والمرسلین ہیں، اور آپ ﷺ کا مقام محبوب رب العالمین ہے، لہٰذا متعدد مقامات

پر صرف آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور اسے ذریعہ فلاح و بہبود قرار دیا گیا، ارشاد ہوا:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ (النور:۵۶)

اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز کو اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کے رحم و کرم کے حصول کا ذریعہ ہے، جو رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں ان کی دنیا و آخرت سدھر جاتی ہے، دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں، اللہ ان سے محبت فرماتا ہے:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ (النور:۵۴)

اگر تم اطاعت کرو گے (رسول ﷺ) کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔

رسول ﷺ ہی کی اطاعت ذریعۂ ہدایت ہے جو اپنے زُعم باطل میں صرف اللہ کی اطاعت کا باطل دعویٰ کرتے ہیں وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔

مقصدِ اطاعت

اطاعت کبھی خوف اور ڈر کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے کہ مطاع، جس کی اطاعت کی جا رہی ہے، وہ اس قدر ظالم و جابر ہے کہ اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں، ورنہ جان و مال، عزت و آبرو سب ہی کو خطرہ لاحق ہو گا جیسا کہ ہمارے دور کے اکثر حکام ہیں کہ لوگ ان کے مطیع نہیں ہوتے بلکہ ان کے ظلم و ستم اور جبر و اکراہ سے مجبور ہو کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، یہ صورتِ اطاعت نہایت ناپائیدار ہوتی ہے، اُس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک ظالم کا پھندا عوام کو جکڑے رکھتا ہے جونہی یہ ظلم کا پھندا ڈھیلا ہوتا ہے، بغاوت ہو جاتی ہے، قتل و غارت کی نوبت آ جاتی ہے اور اکثر ایسے حکام کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے، کبھی یہ اطاعت طمع اور لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے کہ مطاع اتنا با وسائل ہوتا ہے کہ لوگ اس کے وسائل سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس کی ہر بات تسلیم کرتے رہتے ہیں کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں سخت معاشی بدحالی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یہ صورت بھی اس وقت تک ہی باقی رہتی ہے جب تک طمع باقی رہتی ہے، جونہی لوگوں کی ضرورت پوری ہوئی، یا مطاع کے وسائل ختم ہوئے اطاعت بھی ختم ہوتی ہے۔

اہلِ ایمان سے جو اطاعت مطلوب ہے وہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں کہ یہ عارضی صورتیں ہیں، جن سے اطاعت کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، نیز لفظ اطاعت اپنے معنیٰ کے اعتبار سے ان میں سے کسی صورت پر پوری طرح صادق نہیں آتا کہ اطاعت کا مادہ ''طَوْعٌ'' ہے، جس کے معنیٰ خوشی، مرضی یا مسرت کے ہیں، اس کے مقابل ''كَرْهٌ'' ہے جس کے معنیٰ مجبوری کے ہیں، قرآن کریم میں ''طَوْعًا وَّ كَرْهًا'' کا جملہ موجود ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ (آل عمران:۸۳)

کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش کرتے ہیں حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے

جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے، اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

سورۂ توبہ کی آیت (۵۳)، سورۂ رعد کی آیت (۱۵)، سورۂ فصلت کی آیت (۱۱) میں بھی یہ دونوں لفظ موجود ہیں، بہر حال ''طَوْعٌ'' کے معنی خوشی کے ہیں، گویا اطاعت اسی فرمانبرداری کو کہا جائے گا جو دلی مسرت وخوشی کے ساتھ کی جائے، جبر وطمع دونوں صورتوں میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی، مطیع کو اطاعت میں مسرت وخوشی جب ہی حاصل ہوتی ہے، جب وہ مطاع سے محبت کرتا ہے، گویا اطاعت بالمحبت ہی اطاعت کاملہ ہے، جیسے بچہ اپنے والدین سے یا والدین اپنے بچہ سے محبت کرتے ہیں، یہی وہ فطری اطاعت ہے جو جانوروں تک میں پائی جاتی ہے اور یہی اطاعت بالمحبت مطلوب قرآن ہے۔

اللہ کا خوف، کہ اگر ہم نے اللہ کے احکام کی تعمیل نہ کی تو ہمارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، یا اللہ سے طمع، کہ اگر ہم احکام الٰہی کی پابندی کریں گے تو اللہ ہمیں دنیا وآخرت کی نعمتوں سے نوازے گا، یہ خوف وطمع، وجہ اطاعت بن سکتا ہے اور ان کا فائدہ بھی ہوگا لیکن یہ اطاعت کا نہایت ہی نچلا درجہ ہے جو کمزور ایمان والوں کی منزل ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت کی بنیاد صرف ان سے عشق ومحبت ہی ہوسکتی ہے، یہاں کوئی خوف ہے تو رسول ﷺ کی ناراضگی کا اور کوئی طمع ہے تو رسول ﷺ کی رضا کی، ہاں جو لوگ مسلمانوں کے ڈر سے یا ان سے فوائد حاصل کرنے کی طمع میں رسول ﷺ کی اطاعت کا دعویٰ کریں کہ اس پر ان کے دل مطمئن نہ ہوں، وہ منافق کہلاتے ہیں، پس

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، بغیر کسی خوف یا طمع کے، صرف ان کی رضا کے لئے، احکام قرآن وسنت اور کلمہ حق سننے کے بعد، کسی حال میں بھی اطاعت سے روگردانی نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ جو سننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں سنتے نہیں ہیں۔

سننے کے باوجود نہ سننا

احکام الٰہیہ کو حقیقت میں سننے والا وہ کہلاتا ہے جو سنتا بھی اور سمجھتا بھی ہے، پھر اس پر ایمان لاتا اور اس کے حق ہونے، مفید ہونے پر کلیتاً مطمئن ہو کر یقین رکھتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے، یہ کامل ایمان والوں کا سننا ہے، سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا بھی اور حق ہونے پر یقین بھی کیا لیکن عمل پر توجہ تک نہ کی، پس سنا تو لیکن پوری طرح نہ سنا، یہ سننا، فاسق و فاجر اور گناہ گار مسلمانوں کا ہے، جیسا کہ آج کل جلسے ہوتے ہیں، محافل میلاد ہوتی ہیں، بکثرت مسلمان شریک ہوتے ہیں، علماء کی تقاریر سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، اپنے عقائد کو بھی درست کرتے ہیں لیکن بہت کم ایسے ہیں جو اپنے اعمال کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں، وہ سنتے ہیں کہ قصداً نماز چھوڑنا کافروں جیسا عمل ہے، اس پر وہ یقین بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی پابندی سے نماز نہیں پڑھتے، وہ سنتے ہیں کہ سود کھانا، شراب پینا، جواء کھیلنا، رشوت لینا یا دینا، زنا کرنا، غیبت کرنا، تکبر وغرور کرنا، غصہ کرنا، معاشرے میں بدامنی پھیلانا، قتل وغارت گری کرنا، کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا، یہ تمام اعمال حرام ہیں، وہ ان بدعملیوں کو حرام مانتے اور یقین کرتے ہیں لیکن اس میں مبتلا رہتے ہیں، سننے اور ماننے کے باوجود بھی اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو اگرچہ شرعاً کافر نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ صورت نہایت خطرناک ہے، ایسی دلدل ہے جس میں یہ لوگ دھنسے چلے جا

رہے ہیں اوران کی جان ہر لحہ خطرے میں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اتنے دھنس جائیں کہ کوئی نکالنے والا پھر انہیں نہ نکال سکے، بدعملی پر اصرار اور استمرار سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اللہ محفوظ رکھے۔ ایک مقام ایسا آ جاتا ہے، جہاں توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، ایسا سننے والا ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں ''سَمِعْنَا'' ہم نے سنا لیکن اللہ فرماتا ہے، ''وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ'' وہ نہیں سنتے۔

سننے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ سنا، سمجھا، لیکن حق کو حق نہ مانا، اس پر یقین نہ کیا، یا صرف سنا لیکن نہ سمجھا، نہ یقین کیا، یہ سننا اہل ایمان کا نہیں، منافقین اور کفار کا ہے، قرآن نے اس سننے کو نہ سننا قرار دیا اور فرمایا ''وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ'' اور وہ نہیں سنتے، ان کے نہ سننے کا انجام نہایت ہی خطرناک ہوا، کہ ان سے انسانیت کا تاج شرافت چھین لیا گیا، کان ہوتے ہوئے انہیں بہرا اور زبان ہوتے ہوئے انہیں گونگا قرار دیا گیا، دعویٰ عقل کے باوجود انہیں بے عقل کہا گیا، ''اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ'' بیشک اللہ کے نزدیک سب جانوروں سے بدتر وہ بہرے گونگے انسان ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، انہیں دلائل کے ساتھ حق کی دعوت دی جاتی ہے پھر بھی وہ اسے قبول نہیں کرتے اب تو وہ دلدل میں ایسے پھنس چکے ہیں کہ ان کی واپسی کا امکان تک نہیں رہا۔

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (اعراف:۱۰۰)

اور مہر لگا دیں گے ہم ان کے دلوں پر تا کہ وہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

ان کے نہ سننے کا انجام کتنا بھیانک ہوا کہ وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے، ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اور اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سننے سے محروم ہو گئے، انہیں لوگوں کی عبرتناک حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (اعراف:۱۷۹)

ان کے دل تو ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (بدتر)، یہی لوگ تو غافل (وبے خبر ہیں)۔

یہ دنیا کے عیش وعشرت میں مست ہو کر اپنے مقصدِ حیات سے ایسے غافل و بے خبر ہوئے کہ انہوں نے حصول دنیا اور اس میں عیاشی کو ہی اپنی منزل سمجھ لیا پس یہ اپنی نظروں میں کتنے ہی باعزت اور اہلِ عقل ہوں، کتنے بلند و بانگ دعویٰ کرتے رہیں، ان کے کمالات کی حیثیت شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں، ان کا مقام انسانیت میں کچھ نہیں، یہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئے، ان میں کوئی خوبی باقی نہ رہی، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے، انہیں سننے کی توفیق عطا فرما سکتا تھا۔

اے ایمان والو! تم کسی لحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ نہ موڑنا کہ تم بڑی عزت والے ہو، ہم نے تمہیں تاج شرافت سے نوازا ہے، اشرف الانبیاء ﷺ کی غلامی کا منصب عطا فرما کر تمہیں خیر الامم، بہترین امت بنایا ہے، بنی نوع انسان کی قیادت تمہارا منصب ہے، انسانیت کی رہبری ورہنمائی تمہاری ذمہ داری ہے، انسانی اقدار کے تم امین،

محافظ اور مبلغ ہو، تمہاری قوتِ ایمان کے سامنے تمام مادی قوتیں اور باطل طاقتیں سرنگوں کر دی گئی ہیں، ہر حال میں ہماری حمایت و نصرت تمہیں حاصل ہے، ہماری زمین کے تم ہی وارث ہو، ہماری جنت کے تم ہی مکین ہو، بس اطاعت کی راہ اختیار کرتے رہو کہ ہمارے تمام انعامات کے حصول کا وسیلہ اطاعت ہے، اطاعت شعاروں ہی پر ہماری رحمتیں برستی ہیں، کامیابی و کامرانی انہی کا مقدر بنتی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (احزاب:۷۱)

جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، وہی بڑی کامیابی پاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

مقالہ ۴۷

الانفال: ۲۴ تا ۲۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ (انفال: ۲۴-۲۶)

اے ایمان والو! حاضر ہو جاؤ اللہ اور (اس کے) رسول ﷺ کی پکار پر جب وہ رسول ﷺ تمہیں بلائے، اس امر کی طرف جو تمہیں زندہ کرتا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان، بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا ہے تم میں سے، اور خوب جان لو

کہ بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے ملک میں، (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں، تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر لبیک کہتے رہو، ان کی تعمیل کرتے رہو، اس طرح کہ جب ہمارے رسول ﷺ تمہیں پکاریں تو تم جو کام بھی کر رہے ہو، چاہے وہ خالصتاً دینی ہو یا دنیوی اسے چھوڑ دو اور آقا کے دربار میں حاضر ہو جاؤ کہ رسول ﷺ کی پکار، رسول ﷺ کی دعوت درحقیقت ہماری ہی پکار اور ہماری ہی دعوت ہے، ہم نے تمہیں وہ قوت و صلاحیت نہیں بخشی جس سے تم بلاواسطہ ہماری پکار سن سکو، یہ مقام صرف ہمارے رسولوں کو نصیب ہے کہ ہم جیسے چاہتے ہیں ان سے کلام فرماتے ہیں اور انہیں اپنے بندوں کے لئے احکام عطا فرما دیتے ہیں، پس وہ جب بھی تمہیں پکارتے ہیں، ہماری مرضی سے ہی پکارتے ہیں، اور ایسے کاموں کے لئے پکارتے ہیں جو تمہاری حقیقی زندگی، روحانی تازگی اور جسمانی بالیدگی کا سبب ہوتے ہیں، لہٰذا تم ان کی دعوت پر فوراً لبیک کہو اور ان کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری بات سنو، دیکھو تاخیر نہ ہونے پائے، کیونکہ جو لوگ ٹال مٹول کے عادی ہوتے ہیں وہ اطاعت کے شرف سے محروم ہو جاتے ہیں کہ ہم ان کے اور ان کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتے ہیں، کبھی اس طرح کہ ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے، وہ مر جاتے ہیں اور اطاعت نہیں کر پاتے، کبھی اس طرح کہ اطاعت سے روگردانی اور مسلسل ٹال مٹول کے سبب ان کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل کی ان میں صلاحیت ہی نہیں رہتی، لہٰذا اطاعت میں تاخیر نہ کرو، ہماری اس ہدایت کے باوجود تم اطاعت شعار بنو یا نہ بنو بہرحال ایک دن تمہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

رسول ﷺ کی پکار

نبی معظم ﷺ کی دعوت اور پکار کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے کسی غلام کو اپنی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں کسی وقت بھی پکاریں تو غلاموں پر فرض ہے کہ وہ وجہ جانے بغیر دوڑے آئیں اور حکم کی تعمیل کریں، ظاہر ہے یہ صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مقدسہ سے وابستہ تھی اور اس کا شرف صرف خوش نصیب صحابہ کو حاصل ہوا، آپ ﷺ کے بظاہر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ صورت اور اس سے متعلق احکام ختم ہو گئے، اس صورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پکارنے پر صحابہ کے لئے فوری حاضری لازمی تھی چاہے نماز جیسی عبادت میں مصروف ہوں، یا اپنے کاروبار وغیرہ میں، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہوتا ہے، جس کو سعید بن معلّٰی نے بیان کیا، یہ ان کا اپنا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

> ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پکارا، میں نے جواب نہ دیا اور نماز پوری کرنے کے بعد آپ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے جواب نہ دینے اور تاخیر سے حاضر ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو میں نے عرض کر دیا کہ میں نماز میں مصروف تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا، ''اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ''

اسی قسم کا واقعہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی احادیث میں موجود ہے، گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرما دیا کہ نماز ہمارے واسطہ اور وسیلہ سے تمہیں نصیب ہوئی تو نماز کی حالت میں بھی تمہیں ہم سے غافل نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا جب رسول ﷺ پکاریں تو کعبہ سے منہ پھیر کر کعبہ کے کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منہ کرو، ان کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، ان کے حکم کی تعمیل کرو، یہ شرعی مسئلہ ہے کہ اس صورت میں نماز ٹوٹے گی نہیں، جب تک غلام آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہے، نماز ہی میں ہے، یہاں سے اجازت ملے تو واپس ہو کر بقیہ نماز ادا کر لے، جیسے فقہی مسئلہ ہے کہ اگر بحالت نماز وضو ٹوٹ جائے، تو کسی سے بات کئے بغیر وضو کر کے باقی نماز پوری کر لی جائے، اللہ اکبر، جب وضو کے لئے کعبہ سے منہ پھیرا اور نماز کا ادا شدہ حصہ ضائع نہ ہوا تو کعبہ کی طرف منہ پھیرنے والے آقا ﷺ کی طرف منہ کرنے، ان کی بات سننے، ان سے بات کرنے، ان کے حکم کی تعمیل کرنے سے نماز کا ادا شدہ حصہ کس طرح ضائع ہو سکتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ نماز اتنی عظیم ہوگئی جس پر لاکھوں نمازیں قربان، یہ نمازی اتنا بلند مرتبہ ہو گیا جس پر لاکھوں جانیں قربان، ذرا غور تو فرمائیے کہ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس گنا زیادہ ہو جاتا ہے، تو بحالت نماز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضری پر نماز کا ثواب کتنا زیادہ ہو جائے گا، اس حقیقت کو صرف اہل محبت و عشق ہی سمجھ سکتے ہیں، بہر حال یہ مقدر تھا صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کا، جو بلا شبہ امت میں سب سے اعلیٰ و افضل اور بلند مرتبہ ہیں، ان سے محبت، ان کا احترام ہمارے لئے ذریعۂ نجات ہے۔

دوسری صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و پکار کی آج تک موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گی، یعنی آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات، آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ، جس کے داعی آپ ﷺ کے نائبین حضرات علماء کرام ہیں، پس اس آیت مبارکہ میں عام مؤمنین کو اسی صورت پر عمل کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ دنیا سے بظاہر پردہ فرما جانے کے باوجود بھی تم سے بے خبر نہیں ہیں، نہ ان کی دعوت کا سلسلہ منقطع ہوا ہے، وہ بواسطہ نائبین تمہیں پکارتے ہیں، تم ان پکارنے والوں کی بات سنو، ان سے احکام رسول ﷺ سیکھو اور ان پر عمل کرتے رہو، اس ہدایت پر عمل ہی کے لئے علم دین کے حصول کو ہر مؤمن مرد و عورت کے لئے فرض قرار دیا گیا، امت پر علمائے دین کی فضیلت اور برتری کو بیان کیا گیا، نیز ان لمحات کو بڑا ہی قابل قدر قرار دیا گیا جن میں علم دین سیکھا اور سکھایا جاتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا

رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا، سکھانا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، ایک عابد، دوسرا عالم، آپ ﷺ نے فرمایا، ''عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ پر میری فضیلت''، پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں کو دعوت حق دینے والوں پر، اللہ اپنی رحمتیں برساتا ہے، اور اس کے فرشتے، نیز زمین و آسمان کی

مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں، اور مچھلیاں پانی میں، ان (علماء) کے لئے دعا خیر کرتے ہیں" (تفصیلات کے لئے ہماری کتاب "وراثتِ انبیاء" کا مطالعہ کیجئے)

غرضیکہ رسول ﷺ کی پکار کو بلند کرنے اور دعوت رسول ﷺ کی تبلیغ کے لئے ایک ایسا نظام موجود ہے جس میں کسی دور میں نہ کوئی خلل واقع ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، امت کو یہ پکار آج تک مسجد کے میناروں، محرابوں، منبروں، مدارس و خانقاہوں کی مسندوں سے سنائی دے رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اس پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی بھی کسی دور میں کمی نہ رہی، ہمارا دور اگر چہ مادہ پرستی کا دور ہے، برائیوں اور بدکاریوں نے ہمارا ماحول مکدّر کر رکھا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی نے اگر چہ ہمارے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا ہے، مغربی تہذیب کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، اس سب کے باوجود بحمد اللہ دعوتِ رسول ﷺ کی صدائیں، مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں گونج رہی ہیں، اللہ کی زمین کا کوئی چپہ، اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچانے والوں سے خالی نہیں اور نہ ہی ہدایت بالا پر عمل کرنے والوں کی کوئی کمی ہے، دین باقی رہنے ہی کے لئے آیا ہے، سو باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ

دعوتِ رسول ﷺ پر لبیک کہنے کی ہدایت تمہیں اس لئے کی جا رہی ہے کہ رسول ﷺ کے احکام، رسول ﷺ کے بتائے ہوئے زندگی کے طریقے ہی حقیقت میں حیات بخش اور جانفزا ہیں، وہ تمہیں اصلاح اعمال کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہیں معاشی و معاشرتی امن وسکون نصیب ہوتا ہے، وہ تمہیں جہاد کی دعوت دیتے ہیں، جس سے تمہارا قومی وقار بلند ہوتا ہے، وہ تمہیں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لئے بلاتے ہیں تو تمہیں حیاتِ جاودانی ملتی ہے، وہ تمہارے لئے طیّبات کو حلال کرتے اور خبائث کو حرام کرتے ہیں تو تمہیں روحانی فرحت اور جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے، وہ تمہیں باہمی محبت و شفقت کی دعوت دیتے ہیں، باہمی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتے ہیں تو تمہیں خانگی، خاندانی اور قومی سکون میسر آتا ہے، وہ تمہیں قرآن پر عمل کی دعوت دیتے ہیں جو تمہارے لئے اتنا ہی جانفزا ہے جتنی جسم کے لئے روح جیسا کہ فرمایا گیا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ　(شوریٰ:۵۲)

اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا، آپ ﷺ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔

غرضیکہ رسول ﷺ کی ہر بات، ہر ادا حیات بخش ہے، پس اگر تم حقیقی زندگی کے طلب گار ہو تو ہمارے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کئے رہو۔

اس حقیقت کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو حیات و موت کی حقیقت کو جانتے ہوں، جن کے نزدیک چلنے پھرنے، کھانے پینے، دنیا کے عیش وعشرت کا نام حیات ہے، اور مر جانے کے بعد مٹی ہو جانے کو وہ موت سمجھتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر کیسی حیات نصیب ہوتی ہے، دوستو! انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کی حیات نہ جانوروں جیسی حیات ہے اور اس کی موت نہ جانوروں جیسی موت ہے، اس کے منصب و مقام کے مناسب اسے حیات و موت، نبی ﷺ

ہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر چل کر نصیب ہوتی ہے، اطاعت گزاروں اور باغیوں کی زندگی وموت میں بڑا فرق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (جاثیہ:۲۱)

کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم کر دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ایک جیسا ہو جائے (ان دونوں کا) جینا اور مرنا، بڑا ہی غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

مؤمن وکافر، صالح وفاسق، نیکوکار اور بدکار کی زندگی وموت کو ایک جیسا خیال کرنا بڑی ہی غلطی ہے، مؤمن، صالح اور نیکوکار مر کر بھی زندہ رہتا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا نام لیا جاتا اور اچھائی کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اپنے خالق ومالک کے احکام کے مطابق زندگی کے شب وروز بسر کرتا ہے، جبکہ کافر، فاسق اور بدکار جانوروں جیسی زندگی گزار کر مر جاتا ہے، اولاً تو کوئی اس کا نام لیوا نہیں ہوتا اور اگر اس کا ذکر آ بھی جاتا ہے تو اس کی برائیوں، بدکاریوں اور بغاوت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا ہے، زندگی میں بھی لوگ اس سے تنگ رہتے اور اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور مرنے کے بعد اس سے نفرت کرتے ہیں، یا اللہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ"، آمین بجاہ رحمۃ العالمین۔

نیکی میں دیر نہ کرو

"وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" کا ارشاد اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ انسان کے عزم وارادے پر ہمیشہ قضائے الٰہی غالب رہتی ہے، لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ہمارے رسول ﷺ کی دعوت قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں، ٹال مٹول نہ کریں، انہیں کیا پتہ کہ کس لمحہ ان کا سانس منقطع ہو جائے، انہیں موت آ دبوچے اور وہ اطاعت رسول ﷺ کے شرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں یا وہ ٹال مٹول کرتے کرتے برائیوں اور بدکاریوں کی ایسی دلدل میں پھنس جائیں جس سے چھٹکارا پانا ممکن نہ رہے، اسی لئے قرآن کریم نیک کام میں تیز روی اور جلدی کرنے کا حکم دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران:۱۳۳)

اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور دوڑو جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

اپنے گناہوں سے توبہ کرنے، معاصی کو ترک کرنے میں تاخیر نہ کرو، اعمال صالحہ، اطاعت وفرمانبرداری کو اتنی

جلدی اختیار کرو کہ ایسا محسوس ہو کہ تم ان کی طرف دوڑ رہے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قضائے الٰہی تمہارے عزم پر غالب آ جائے اور تم محرومی کا شکار ہو جاؤ۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ (آل عمران:۱۱۴)

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں۔

صالحیت یہی ہے کہ ایمان کے ساتھ مقتضائے ایمان کی تکمیل میں جلدی کی جائے، ایک لمحہ تاخیر نہ ہونے پائے۔ نیک کاموں میں جلدی کرنا، ان کی طرف لپکنا، دوڑنا حکم الٰہی ہے، جس کی تعمیل کمال ایمان، کمال تقویٰ کی علامت ونشانی ہے، سورۃ المومنون میں ایسے لوگوں کی پانچ خوبیاں بیان فرمائی گئیں، وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں بناتے، وہ اللہ کی راہ میں اپنی دولت خرچ کرتے ہیں، پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضری کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں (کہ نہ جانے ہمارے یہ اعمال قبول ہوں گے بھی یا نہیں) ان خوبیوں کے بیان کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۝ (مومنون:۶۱)

یہی لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیاں کرنے میں اور وہ نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہم تک پہنچایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ''بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ'' کہ نیک کام کرنے میں جلدی کرو کیونکہ ایک ایسا وقت جلد ہی آنے والا ہے جب تاریک رات کے حصوں کے مانند فتنے ہوں گے، (اور حالت یہ ہو جائے گی کہ) ایک شخص، صبح مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور ایک شخص شام کو مومن ہوگا اور صبح کافر ہو جائے گا، دنیا کے مال ومنال کے عوض دین کو فروخت کر دے گا۔

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے، میرے آقا ﷺ کا منشاء یہی واضح فرمانا ہے کہ نیکی میں تاخیر نہ کرو، جو کرنا ہے جلدی کرو، کہیں فتنہ وفساد اور بدعملی کا ماحول تم پر اثر انداز نہ ہو جائے اور تم ہمیشہ کے لئے نیک کام سے محروم ہو جاؤ، مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمائیے اور پھر اپنے ماحول کا جائزہ لیجئے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج برائیاں ایک طوفان کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جس کا مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ آپ کا یہی ارشاد ہے کہ جس نیکی کا موقع نصیب ہوا سے جلد کر ڈالو، اس طرح تم نیکیوں میں مصروف ہو جاؤ گے اور برائیوں اور بروں کے ماحول سے محفوظ رہ سکو گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ، کونسا صدقہ زیادہ ثواب کا باعث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، وہ صدقہ جو اس حال میں کیا جائے کہ صدقہ کرنے والا تندرست ہو، بخیل نہ ہو، محتاجی سے ڈرتا رہتا ہو، دولت مندی کی خواہش میں مبتلا ہو، پھر صدقہ

کرے تو زیادہ ثواب ملے گا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور صدقہ کرنے میں سستی نہ کرو کہ کہیں تمہارا وہ وقت نہ آ جائے کہ سانس حلق میں اٹکا ہوا ور تم وصیت کر رہے ہو کہ میری دولت سے اتنا فلاں کو اتنا فلاں کو دیدینا، (اس حال میں صدقہ کا کوئی فائدہ نہیں کہ) مال تو خود بخو دفلاں، فلاں، یعنی دوسروں کا ہو چکا ہے۔

یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے، جس میں اگر چہ صدقہ کا ذکر ہے لیکن اسی سے یہ واضح ہوتا ہے کسی بھی عبادت یا نیکی کرنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے، کیا پتہ کس وقت سانس حلق میں اٹک جائے اور توبہ کا وقت بھی گزر چکا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا" تیزی سے نیک کام کرلو، سات چیزوں کے ظہور سے قبل، ایسی فقر و محتاجی سے پہلے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے، ایسی دولت مندی سے قبل جو سرکش و باغی بنا دے، ایسی بیماری سے پہلے، جس سے مزاج میں فساد پیدا ہو جائے، ایسے بڑھاپے سے قبل جس سے عقل مفلوج ہو جائے، ایسی موت سے پہلے جو اچانک آ جائے ظہورِ دجال سے قبل جو ایک پوشیدہ فتنہ ہے، قیامت آنے سے پہلے جو سخت خوفناک اور سخت کڑوی ہے۔

یہ ترمذی شریف کی حدیث ہے، غور فرمائیے، ان ساتوں میں سے کسی کا وقت سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کوئی نہیں جانتا، پھر کوئی جوان کیسے کہہ سکتا ہے کہ ابھی تو میں جوان ہوں، ذرا عیش کرلوں، بہت وقت پڑا ہے، آخر عمر میں توبہ بھی کرلوں گا اور نیکیاں بھی خوب کروں گا، واللہ، اس سے زیادہ احمقانہ بات کوئی نہیں ہوسکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ایک دن ضرور اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، جہاں "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ" ذرہ برابر نیکی کرنے والا، اپنی نیکی کی جزاء پائے گا اور ذرہ برابر برائی کرنے والا اپنی برائی کی سزا پائے گا، یہ دن بڑا ہی سخت ہوگا، پس تم اس دن کے آنے سے پہلے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ، دیکھو جب نماز کا وقت آ جائے، زکوٰۃ فرض ہو، رمضان کا چاند دیکھ لو، حج فرض ہو جائے تو ان فرائض کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرو، جب خلیفۃ المسلمین جہاد کے لئے پکارے تو سستی نہ کرو، جب صدقہ و خیرات کا یا دیگر نیک کاموں کا موقع ملے تو شوق و ذوق اور تیزی کے ساتھ ان کی طرف لپکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت کی صورت میں، مرض، فتنہ و فساد، بدعملی اور بدکرداری کی صورت میں قضائے الٰہی آ جائے اور تم بدعملوں میں شامل ہو جاؤ، یہ بڑی بدنصیبی ہوگی۔

ناکردہ گناہ کے عذاب سے بچو

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان گناہوں سے بالخصوص بچاتے رہیں، جن کا دنیاوی وبال اور عذاب صرف مجرموں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ نہ کرنے والوں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، خوب جان لو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

ہر گناہ کی دنیاوی و اُخروی سزا مقرر ہے، جو صرف گناہ گار ہی کو بھگتنا ہوگی کہ اللہ کا قانون ہے، "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہر ایک کو اس کے جرائم کی سزا دی جائے گی لیکن جب گناہ و جرائم معاشرے میں عام

ہو جاتے ہیں تو ان سے پورے معاشرے کا سکون برباد ہو جاتا ہے، مثلاً جب معاشرے میں زنا عام ہو جاتا ہے، سود کا لین دین تجارتی بنیاد بن جاتا ہے تو اس معاشرے کا ہر فرد معاشی تنگی، مالی بدحالی کی صورت میں ان جرائم کے دنیاوی وبال میں جکڑ جاتا ہے، شراب، جواء، رشوت کا لین دین، جب عام ہوتا ہے تو پورے معاشرے کی عزت وآبرو، جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور مجرم و غیر مجرم سب ہی کا دم گھٹنے لگتا ہے، سب ایک خوف کا شکار رہتے ہیں کہ نہ جانے کس وقت، کس پر مصیبت آ جائے، بہر حال گناہ و جرائم جب عام ہوتے تو اللہ کی طرف سے دنیاوی عذاب بھی عام ہوتا ہے اور سب ہی اس کی سختی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُخروی عذاب مجرموں کے لئے تو ان کے جرائم کے مطابق ہوگا ہی لیکن غیر مجرم بھی سزا سے بچ نہ سکیں گے کیونکہ جرم کو روکنا، اس کے خلاف آواز اٹھانا، یا کم از کم اسے دل سے برا جاننا، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کو اگر بروقت پورا کیا جائے تو ایک کو دیکھ دوسرا اور دوسرے کو دیکھ کر تیسرا گناہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، مثلاً پہلی چوری پر ہی اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو معاشرے میں چوری ہرگز عام نہیں ہوسکتی، پس اللہ کا عذاب چور پر تو ہوگا ہی لیکن وہ بھی نہ بچ سکے گا جسے اللہ نے اپنے احکام نافذ کرنے کی قوت عطا فرمائی تھی، مسلمانوں کا امیر و حاکم بنایا تھا، قانونی ادارے اس کے فرمانروائے قلم تھے لیکن اس نے حکمتوں اور مصلحتوں سے کام لیا اور اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کیا، اسی طرح عوام میں معزز لوگ، علماء، قائدین، اگر برائیوں کے دینی و دنیاوی نقصانات سے عوام کو بروقت آگاہ و باخبر کریں تو معاشرہ برائیوں کے طوفان کی زد میں آنے سے محفوظ رہتا ہے، پس یہ لوگ بھی عذابِ الٰہی سے محفوظ نہیں رہ سکتے کہ انہوں نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے تو جب چاہا عوام کو اکٹھا کیا، ان کی حمایت حاصل کی اور انہیں اپنے لئے استعمال کیا لیکن اصل ذمہ داری پوری کرنے میں مصلحتیں اور حکمتیں آڑے رہیں، اسی طرح لوگ اگر برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا چند افراد سے نفرت کریں، ذاتی طور پر ان کا بائیکاٹ کریں، انہیں حقیر جانیں تو بھی برائیوں کا سیلاب روکا جا سکتا ہے لیکن وہ اس کے برعکس ظالموں، شرابیوں، راشیوں، سود خوروں کی عزت افزائی کرتے رہے، محض ان کے خوف سے یا اپنی ذاتی اغراض کے حصول کے لئے تو یہ لوگ بھی عذابِ الٰہی سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، پس

اے ایمان والو! اپنے آپ کو ایسے فتنوں سے بچاؤ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو، یہ فتنے تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایک ایسی قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی طوفان نہیں کر سکتا، یا وہ ایک ایسا نور ہے جو ہر قسم کی تاریکی کو چھانٹ دیتا ہے، یہ اطاعت اگرچہ بعض حالات میں بظاہر دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن اگر مؤمن کے دل و دماغ میں یہ حقیقت جگہ کرلے کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے، تو وہ ہر دشواری پر قابو پالیتا ہے اور اطاعت گزار بن جاتا ہے۔

کمزوری کے باوجود اطاعت

مؤمن کا کمال یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، چاہے وہ بظاہر مادی وسائل نہ رکھتا ہو اور لوگوں کی نظروں میں کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو کیونکہ درحقیقت مؤمن کمزور کبھی نہیں ہوتا، لوگ جسے کمزور

سمجھتے ہیں وہ مؤمن کا امتحان ہوتا ہے اور جب وہ امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو نصرت الٰہیہ اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور ہر میدان میں کامیابی وکامرانی اس کا مقدر بن جاتی ہے، ایسا بارہا ہوتا رہا ہے، ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

اے ایمان والو! اپنے ماضی کے اوراق پلٹو اور اس وقت کا باب کھولو جب مکہ میں اہل ایمان اس قدر کمزور نظر آتے تھے کہ انہیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں کوئی ظالم شکاری انہیں اپنا لقمہ نہ بنالے، انہیں کھلے عام مارا جاتا تھا، پیٹا جاتا تھا، حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت یاسر کی تاریخ پڑھو، کتنے ظلم ہوئے ان پر، سال دو سال نہیں، پندرہ سال تک یہ مظالم سہے جاتے رہے اور جب اہل اطاعت امتحان میں کامیاب قرار پائے تو اللہ کی نصرت کا دروازہ کھلا، ان کے لئے مدینہ کی سرزمین کو پناہ گاہ بنادیا گیا جو آج تک اہل ایمان کا ملجاء وماویٰ ہے، انہیں کافروں کے پہلے ہی مقابلہ غزوۂ بدر میں شاندار فتح ونصرت عطا فرمائی گئی، جس سے دنیا والوں کے دلوں میں ان کا رُعب ودبدبہ بیٹھ گیا، یہاں انہیں امن وسکون کی زندگی کے شب وروز میسر آئے، ان کے لئے رزق کے دروازے کھلے، مال غنیمت دیا گیا، روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے، حتیٰ کہ کھجوروں پر گزارہ کرنے والوں کے پاس دولت کے ڈھیر نظر آنے لگے، جس مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے کوڑی، کوڑی جمع کرنا مشکل ہوا تھا، اسی کا صحن قیصر وکسریٰ کے خزانوں سے بھرا نظر آیا، اللہ نے یہ فضل وکرم صرف اس لئے فرمایا کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو، اس طرح کہ کسی دور میں بھی اپنی ظاہری کمزوری کو خیال میں نہ لاؤ اور دامنِ رسول چھوڑنے کی غلطی نہ کرو کہ تمہاری عزت وعظمت، قوت وطاقت رسول ﷺ ہی کی اطاعت سے وابستہ ہے، اگر تم نے اطاعت سے منہ پھیرلیا، مصلحتوں اور حکمتوں پر اعتماد کرنے لگے تو غلام تو بن سکتے ہو بھکاری تو ہو سکتے ہو، لیکن وہ مؤمن نہیں بن سکتے جو اللہ کا سپاہی ہوتا ہے، جس کا سر ہمیشہ سربلند رہتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کا بندہ وغلام نہیں ہوتا، اس کا ایمان قرآن پر ہوتا ہے، وہ قرآنی وعدہ پر یقین رکھتا ہے، اعتماد کرتا ہے، پس قرآن تم سے وعدہ فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

(آل عمران: ۱۳)

اور اللہ مدد فرماتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے۔

ماضی میں اطاعت شعار مؤمنین کی کامیابی وکامرانی ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم بھی اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہیں اور حالات وماحول سے متاثر ہوئے بغیر اللہ پر اعتماد کے ساتھ اطاعت کو اپنا شعار بنائیں تو یقیناً ہمیں نصرتِ الٰہی کی تائید نصیب ہوگی، اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۸

الانفال: ۲۷، ۲۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۝

(الانفال: ۲۷۔۲۸)

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول ﷺ سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں، اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے اور بیشک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔

خیانت

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خیانت نہ کرنے کی ہدایت دی جارہی ہے، چاہے وہ خیانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو، یا اللہ کے بندوں سے۔ یہ ہدایت اس لئے جاری فرمائی گئی کہ خیانت ایک ایسا بدترین عمل ہے جو خائن کو اللہ اور

اس کے رسول ﷺ سے دور کر دیتا اور سوسائٹی میں ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور اگر یہ عمل پوری قوم میں عام اور مشہور ہو جائے تو ایسی قوم، اقوام عالم کی نظروں میں نہایت کمزور قرار پاتی ہے، جسے بآسانی خریدا جا سکتا ہے، غلام بنایا جا سکتا ہے۔

خیانت درحقیقت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں لاپرواہی، تساہل اور کوتاہی برتنے کا نام ہے جو انسان کو اللہ، اس کے رسول ﷺ یا کسی فرد یا کسی قوم کی طرف سے سونپی گئی ہوں، یہ عمل کس قدر رذیل و معیوب ہے، اس کا اندازہ قرآن کریم کی آیات مقدسہ سے کیجئے۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا (النساء:۱۰۵)

اور نہ بنئے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم دیا گیا کہ جن لوگوں کا خائن و بددیانت ہونا ثابت ہو جائے، ان کی حمایت و طرفداری ہرگز نہ کرو، چاہے وہ تمہارے ہوں یا غیر، مسلم ہوں یا غیر مسلم، عزیز ہوں یا دوست، امیر ہوں یا غریب، بااثر ہوں یا عام شہری کہ ان کی حمایت وطرفداری ایک تو عدل وانصاف کے خلاف ہے، دوسرے اس طرح معاشرے میں یہ مرض بڑھے گا اور پوری قوم کا کردار داغدار ہو جائے گا، اس ارشاد کے فوراً بعد ہی دوبارہ ہدایت کی گئی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء:۱۰۷)

اور مت جھگڑا کریں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔

اس ہدایت کی سب سے اہم وجہ قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (النساء:۱۰۷)

بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت (اور) بدکار ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ
(انفال:۵۸)

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر، بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو۔

اللہ نہ اپنے خیانت کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور نہ باغیوں کی خیانت کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا اگر کسی غیر مسلم قوم سے تمہارا کوئی معاہدہ ہوا ہو اور وہ اس میں خیانت کی مرتکب ہو تو اس کی قوت وطاقت یا دولت کی پرواکئے بغیر اس کا معاہدہ منہ پر مار دیا جائے، اسلام جو سب سے زیادہ ایفائے عہد ومعاہدہ کا داعی ہے، صرف خیانت کی وجہ سے معاہدہ ختم کر دینے کا حکم دے رہا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ آپ کو شاہِ مصر نے طلب کیا ہے تا کہ وہ آپ کو حکومت کا اہم عہدہ

سونپے تو آپ نے اس اعزاز کو قبول فرمانے اور جیل سے نکلنے سے پہلے فرمایا کہ پہلے معاملہ کی تحقیق کرائی جائے، عزیز کی بیوی اور مصر کی دیگر عورتوں سے پوچھا جائے کہ کیا واقعی میں نے ان سے برائی کا ارادہ کیا تھا یا انہوں نے مجھے ورغلانے کی ناکام کوشش کی تھی اور جب بعد تحقیق معاملہ صاف ہو گیا، آپ کی پاکدامنی ثابت ہوگئی تو آپ نے فرمایا کہ اس حقیقت کو سامنے لانا میں نے اس لئے ضروری سمجھا کہ:

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۝

(یوسف:۵۲)

یہ میں نے اس لئے کیا تا کہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی اور یقیناً اللہ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو۔

اللہ کے نبی نے پسند نہ فرمایا کہ ان کا دامن خیانت سے داغدار رہے اور انہیں قومی خدمت کے لئے اعلیٰ عہدہ سونپا جائے کیونکہ خائن کامیاب نہیں ہوسکتا، لوگوں کی نظروں میں کبھی اس کی عزت نہیں ہوسکتی، عوام کبھی اس کی بات کو سچ تسلیم نہیں کرتے، پس کس طرح ایک خائن کو حاکم بنایا جاسکتا۔

بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں ایک یہ کہ ''وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ'' جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ کے دوران فرمایا ''لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ'' اس کا ایمان کامل نہیں جس میں امانت نہیں اور جو شخص عہد کا پابند نہیں اس کا بھی ایمان کامل نہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر روٹی اور گوشت کی صورت میں آسمان سے مائدہ نازل فرمایا اور انہیں حکم دیا ''اَنْ لَّا يَخُوْنُوْا وَلَا يَدَّخِرُوْا لِلْغَد'' کہ وہ خیانت نہ کریں اور آنے والے دن کے لئے جمع نہ کریں۔ ''فَخَانُوْا وَادَّخَرُوْا وَرَفَعُوْا لِلْغَد'' لیکن انہوں نے خیانت کی جمع بھی کیا اور آنے والے دن کے لئے بچا کر رکھا، پس انہیں بڑی ہی عبرتناک سزا دی گئی اور وہ یہ کہ ''فَمُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ'' اللہ نے انہیں بندر اور سور بنا دیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ کا یہ عذاب صرف خیانت کے باعث واقع ہوا، اللہ محفوظ رکھے۔

عام طور پر خائن اسے کہا جاتا ہے جو کسی کی رکھوائی ہوئی چیز میں اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر تصرف کرے یا اس میں کمی اور زیادتی کرے جبکہ خیانت صرف یہی نہیں اس کا مفہوم بڑا ہی وسیع ہے، اس کو مختصراً یوں سمجھا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی بھی حکم کو نہ ماننا یا اس میں سستی و کوتاہی کرنا خیانت ہے، ان احکام کا تعلق چاہے حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری شریعت اپنے بندوں کو بطور امانت سونپی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (احزاب:۷۲)

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسانوں نے بیشک یہ ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی۔

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے احکام بطور امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کئے تو انہوں نے بلا چون و چرا ان کی تعمیل کا عہد کر لیا، جسے وہ آج تک پورا کر رہے ہیں، وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ کی سپرد کردہ امانت میں خیانت نہ ہو جائے اور وہ عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیے جائیں لیکن انسان بڑا ہی ظالم اور نادان ہے، وہ اس امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال جملہ احکام شرع اللہ کی امانت ہیں پس نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوۃ نہ دینے والے، حج نہ کرنے والے خیانت کے مرتکب ہیں، اسی طرح دیگر احکام شرع کو چھوڑنے والے خائن کہلائیں گے نیز والدین کی حق تلفی، شوہر، یا بیوی کی حق تلفی، اعزاء و اقارب، احباب اور پڑوسیوں کی حق تلفی خیانت ہی ہے، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال بھی خیانت ہے، دولت کا غلط استعمال، صحت کا غلط استعمال، اعضاء کا غلط استعمال سب یہ خیانت میں شامل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ فَرَائِضِهٖ وَالرَّسُوْلَ بِتَرْكِ سُنَّتِهٖ'' اللہ کے ساتھ اس کے فرائض ترک کر کے خیانت نہ کرو اور رسول ﷺ کے ساتھ آپ کی سنتیں چھوڑ کر خیانت نہ کرو اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اِعْلَمُوْا اَنَّ دِيْنَ اللّٰهِ اَمَانَةٌ'' خوب جان لو کہ اللہ کا دین امانت ہے۔ ''فَادُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَا ائْتَمَنَكُمْ عَلَيْهِ مِنْ فَرَائِضِهٖ وَحُدُوْدِهٖ'' اس نے فرائض اور حدود کا تمہیں امین بنایا گیا ہے، پس تم اس کی امانت کو ادا کرتے رہو۔

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ بھی پڑھتے چلئے، جسے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے ہم تک پہنچایا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا، جب اس معاہدے کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر روم کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے تا کہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مہلت دیے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے، ایک سوار نے دیکھا تو وہ صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور پکارنے لگا ''اللّٰهُ اَكْبَرُ، اللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ'' اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے، معاہدہ پورا کیا جائے، دھوکہ اور خیانت نہ کی جائے، لوگوں نے پہچانا تو وہ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پاس بلا کر پوچھا تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو، انہوں نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا کہ ''جس کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے جب تک وقت مقررہ نہ آ جائے یا کسی وجہ سے معاہدہ منسوخ نہ کر دیا جائے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد سنتے ہی حضرت امیر معاویہ نے ارادہ ملتوی کر دیا اور لشکر کو واپس خیموں میں چلے جانے کا حکم دیا۔

یہ واقعہ قابل غور ہے حکم رسول ﷺ کی تعمیل میں مصلحتوں اور حکمتوں کو دخل نہیں ہوتا، مومن ہر حال میں اپنے آقا

ﷺ کے احکام کا پابند ہوتا ہے، اسی میں اس کی عزت ہے، اسی میں اس کی کامیابی وکامرانی کا راز پوشیدہ ہے، آج کے حکام سوچیں وہ کس طرح حالات کے تقاضوں کا بہانہ کر کے احکام رسول ﷺ میں خیانت کرتے ہیں، جس کا خمیازہ بصورت ذلت وخواری صرف انہیں ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام میں خیانت کرو اور نہ ہی باہمی معاملات میں، حالات کتنے ہی ناموافق ہوں، کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے لیکن اس ہدایت پر عمل ترک نہ ہونے پائے، ورنہ خائن کہلاؤ گے، اور خائن ہونا مؤمن کو زیب نہیں دیتا، اللہ خیانت کرنے والے کو نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ہی کامیاب وکامران ہونے دیتا ہے، نیز خیانت منافق کی نشانی ہے، جس کا ٹھکانہ ''دَرکِ اسفل'' جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے، اور خوب اچھی طرح جان لو کہ اموال واولاد، جس کی وجہ سے تم اکثر خیانت کے مرتکب ہوتے ہو، آزمائش ہیں، اگر تم اس آزمائش میں کامیاب ہوگئے، جو اموال واولاد کی وجہ سے تم پر آتی ہے، تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا اجر ہے، تم اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے، جتنا ایثار کرتے ہو، اللہ اس سے کہیں زیادہ تمہیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائے گا۔

اموال واولاد فتنہ ہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اموال انسان کی ضرورت، اس کی جسمانی راحت اور ظاہری عزت وشہرت کا ذریعہ ہیں، چاہے وہ ساز وسامان کی صورت میں ہوں، یا زمین وجائیداد کی صورت میں ہوں، مویشیوں کی صورت میں ہوں، یا سکہ رائج الوقت کی صورت میں ہوں، بہر حال انفرادی واجتماعی، ہر اعتبار سے ان کی اہمیت ہے، امیر ودولت مند کو ہر کوئی عزت کی نظر سے دیکھتا ہے، جس قوم کے پاس دولت کی فراوانی اور معاشی خوشحالی ہوتی ہے اسے طاقتور سمجھا جاتا ہے، دینی ودنیوی امور کا جاری رہنا، مال ودولت پر ہی موقوف ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے کسب دولت کو جائز قرار دیا اور اسے اپنی ذات پر، نیز دوسروں کے لئے خرچ کرنا، زکوٰۃ دینا، صدقہ وخیرات کرنا حصول تقویٰ کا ایک ذریعہ بنایا گیا، عبادت قرار دیا گیا، اسی طرح اولاد انسان کی امیدوں کا مرکز، اس کے دل کا سرور اور نظر کا نور ہے، جس کی پرورش، تعلیم وتربیت کو انسان کی ذمہ داری قرار دیا گیا، اس پر اجر وجزاء کا وعدہ کیا گیا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ کی یہ نعمتیں ہماری آزمائش وامتحان کا ذریعہ بھی ہیں کہ اللہ نے انسان کے لئے حصول دولت کے بیشمار ذرائع پیدا فرمائے، جن میں بعض کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا تاکہ وہ اپنے بندوں کا امتحان لے کہ کون حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر صرف دولت کے حصول میں اندھا ہو جاتا ہے اور کون ہے جو صرف حلال کی طرف بڑھتا اور حرام سے منہ موڑ لیتا ہے، کامیاب وہ ہوگا جو حکم الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے صرف حلال پر اکتفاء کرتا ہے، اسی طرح اللہ دولت دے کر اسے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ بندوں کی آزمائش کی جائے کہ وہ دولت ملنے کے بعد اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں یا نہیں، پس وہ ناکام قرار پاتے ہیں جو دولت کی محبت میں پھنس کر اسے خرچ نہیں کرتے اور وہ کامیاب ہوتے ہیں جو دولت کی محبت سے بچ کر اسے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے لئے، اپنے اہل خانہ، اعزاء، اقرباء اور دیگر ضرورت مندوں کے لئے صرف کرتے ہیں، اس سے اپنے اہل وعیال کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں،

زکوۃ، صدقہ، خیرات کی صورت میں وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں، دینی اداروں اور تحریکوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ انسان کو اولاد کی نعمت سے بھی اسی لئے نوازتا ہے کہ وہ اولاد والوں کا امتحان لے، پس جو اولاد کی محبت میں ایسا گرفتار ہو گیا کہ اس نے اولاد کے عیش و آرام کے لئے حلال و حرام کا امتیاز کئے بغیر دولت کے ڈھیر جمع کر لئے، اولاد کو خوب کھلایا، اچھا پہنایا، امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلائی لیکن مسلمان نہ بنایا، حرام کھلا کر، ان کی عادات و اطوار کو بگاڑ دیا، دین کے علم اور دینی تربیت سے اسے بے بہرہ رکھا، انہیں نہ اللہ کے حقوق کا علم اور نہ بندوں کے حقوق کا پتہ، وہ دین کے دیگر احکام کی پابندی تو درکنار، اللہ کے دربار میں سر جھکانے تک کے لائق نہ ہو سکے، ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ تک میں شریک نہ ہو سکے، غرضیکہ وہ والدین بڑے ہی خسارے میں رہے جنہوں نے اولاد کو انسانیت کے سوا سب کچھ دیا لیکن جن والدین نے اولاد کی نعمت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عطا کردہ اصولوں کے مطابق ان کی تربیت کی، حلال کا رزق کھلایا، حلال کمانا سکھایا، وہ امتحان میں کامیاب رہے کہ ان کی اولاد دنیا میں بھی ان کے کام آتی ہے، ان کی مطیع و فرمانبردار رہتی ہے، خدمت گزار ہوتی ہے اور ایسی اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے، جس کا فائدہ ماں باپ کو مرنے کے بعد ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

اموال و اولاد، اس اعتبار سے بھی فتنہ ہیں کہ بسا اوقات انسان دولت کی ہوس اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر ظالم بن جاتا ہے کہ لوگوں کی حق تلفی کرنے لگتا ہے، انہیں ستا کر، پریشان کر کے اپنی ہوس پوری کرتا ہے، راشی اور سود خور بن جاتا ہے، دولت کی یہ ہوس ہی اسے قمار خانوں میں پہنچاتی ہے، جہاں وہ حرام کے حصول میں اپنی حرام کی کمائی پانی کی طرح بہاتا ہے، اور اکثر ذلیل و خوار ہوتا ہے، مار کھاتا ہے اور اپنے اہل خانہ و خاندان کے لئے ننگِ عار بن جاتا ہے۔

یہی اموال و اولاد، انسان کو متکبر و مغرور بھی بنا دیتے ہیں، وہ غریبوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اس کی نظروں میں اپنے غریب والدین تک کی کوئی عزت نہیں رہتی، غریبوں سے نفرت اس کی شان بن جاتی ہے، اعزاء و اقارب تک کو اس کے در پر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، حتیٰ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بھی دور ہو جاتا ہے، اس کا عقیدہ و ایمان تک متزلزل ہو جاتا ہے کہ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے، میری محنت اور میری تدابیر کا نتیجہ ہے لہٰذا یہ صرف میرا ہے، میرے لئے ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اس کی آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں وہ اپنے ماضی کو بھول جاتا ہے، گرد و پیش کے حالات سے بھی اسے سبق حاصل نہیں ہوتا، اموال و اولاد کے اس فتنہ میں مبتلا ہو جانے والوں ہی کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے:

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الزمر:۴۹)

پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (میرے) علم (وفضل) کے باعث، بلکہ یہ آزمائش

ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نعمتوں کے ملنے کے بعد یہ انسان اندھا ہو جاتا اور اپنے ماضی کو فراموش کر بیٹھتا ہے، اسے اتنا تک یاد نہیں رہتا کہ وہ کل تک کس طرح گریہ وزاری کرتا اور روتا تھا، جب اسے اللہ نے نعمتیں عطا فرما دیں تو وہ انہیں اپنے علم وفضل اور تدابیر کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، ایسا شخص نہایت ہی غافل اور بیوقوف ہے، ہم نے تو اس کو یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ ہم اس کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ اب بھی گریہ وزاری کرتا ہے یا نہیں، وہ ہمارا شکر گزار ہوتا ہے یا باغی بن جاتا ہے، تکبر وغرور میں مبتلا ہو کر اپنے ماضی کو بھول جانے والا اور گردوپیش میں لوگوں کا انجام دیکھتے ہوئے بھی اپنے انجام سے غافل رہنے والا، بڑا ہی خسارے اور نقصان میں رہتا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''اگر دو بھوکے بھیڑیئے، بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں، تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے، جتنا نقصان دین کو مال وجاہ کے حریص سے ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نواسے (حضرت حسن یا حسین) کو گود میں لئے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے، ''اِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُوْنَ وَ تُجَبِّنُوْنَ وَتُجَهِّلُوْنَ وَاِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانُ اللّٰهِ'' کہ تم (بچے) ہی آدمی کو بخیل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو بزدل بناتے ہو، تم ہی آدمی کو جہالت پر آمادہ کرتے ہو، حالانکہ تم باغ الٰہی کے پھول ہو۔ (ترمذی شریف)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ'' دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

ان ارشادات نبوی ﷺ پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ اموال واولاد، اللہ کی نعمت ہونے کے باوجود کس طرح مؤمن کے لئے فتنہ وآزمائش ہیں اس سلسلہ میں ایک صحابی رسول ﷺ، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو، جو انصاری تھے، ان کا اصل نام ہارون بن منذر تھا، قبیلہ بنی عوف بن مالک سے تھے، واقعہ سے متعلق یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ ان کے اہل وعیال، یہود مدینہ بنی قریظہ کے محلّہ میں رہائش پذیر تھے۔

غزوۂ خندق کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی قریظہ کے محلّہ کا محاصرہ کیا جو اکیس دن تک جاری رہا، جب یہودی اس محاصرے سے تنگ آ گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے صلح کی درخواست کی جو آپ ﷺ نے مسترد فرما دی اور فرمایا کہ ہم سعد بن معاذ کو تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، یہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاملات طے کریں گے، یہودیوں نے گزارش کی کہ سعد کی بجائے ہمارے پاس ابولبابہ کو بھیج دیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا، یہودیوں نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم حضور ﷺ کی اطاعت قبول نہ کریں تو وہ ہمارے متعلق کیا فیصلہ کریں گے چونکہ ابولبابہ کو اپنے اہل وعیال، گھربار وغیرہ کی حفاظت کا خیال تھا لہٰذا آپ نے یہودیوں کے ساتھ تھوڑی سی ہمدردی کی اور انہیں

اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارۃً بتایا کہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا، اس کے بعد آپ کو فوراً ہی خیال آیا کہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، میں نے اموال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے کہ ایک راز فاش کر دیا، جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، احساس غلطی میں ایک دوسری غلطی یہ کر بیٹھے کہ خود ہی اپنے لئے سزا بھی تجویز کر لی، دوڑے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ میں اس بندش سے اس وقت تک آزاد نہ ہوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے معاف کر دیا، یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے معافی کی دعا کر دیتا، وہ تو براہ راست رب کے پاس حاضر ہو گئے، لہٰذا اب وہاں کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہئے، ابولبابہ نے سرکار کی پناہ میں نہ آنے کی غلطی کر کے بڑی تکلیف اٹھائی، سات دن تک ستون سے بندھے رہے، صرف نماز اور حوائج ضروریہ کے لئے کھولے جاتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اس کا بہت صدمہ تھا، بہر حال سات دن بعد اللہ نے ان پر کرم فرمایا اور سورۂ مائدہ کی زیر گفتگو آیات کے ذریعہ ان کی معافی کا اعلان کیا گیا، لوگوں نے انہیں خوشخبری سنائی اور چاہا کہ کھول دیں لیکن انہوں نے منع کر دیا اور کہنے لگے، جب تک میرے آقا ﷺ مجھے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے میں اسی طرح بندھا رہوں گا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لائے، معافی پر ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے کھولا، جس ستون سے حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا وہ آج تک مسجد نبوی شریف میں، استوانہ توبہ یا استوانہ ابولبابہ کے نام سے موجود ہے، جہاں خصوصی طور پر قبولیت توبہ کے لئے نفل ادا کئے جائیں اور توبہ کی جائے تو امید ہے کہ اللہ رب العزت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے صدقے میں ہم گناہ گاروں کو بھی بخش دے، اللہ سب کو حاضری نصیب فرمائے آمین۔

اے ایمان والو! تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، اللہ کی امانت ہے، جس کے استعمال میں تم پر اللہ کے احکام کی پابندی لازم ہے، بالخصوص اموال و اولاد کے معاملے میں بے حد محتاط رہو کہ ان میں کوئی خیانت نہ ہونے پائے کہ اللہ کی یہ نعمتیں تمہاری ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہیں اگر تم نے ان کی ہوس اور محبت میں گرفتار ہو کر خیانت کی تو تم دینی و دنیوی خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اگر تم نے انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق استعمال کیا تو اللہ تمہیں دنیا و آخرت میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا، اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

مقالہ ۴۹

الانفال: ۲۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝ (انفال:۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں امتیاز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور نہایت محتاط ہو کر ان کے احکام کی تعمیل کرو، جس کے صلہ میں اللہ تمہیں تین نعمتوں سے نوازے گا۔

فرقان عطا فرمائے گا، سیئات کو مٹا دے گا، مغفرت فرمائے گا۔

اور اللہ تو بڑے فضل والا ہے، جو اس کی بات مانتا ہے اس کو صرف اجر و ثواب سے ہی نہیں بلکہ بے شمار انعامات سے نوازتا ہے۔

فرقان

مفسرین کرام فرقان کے متعدد معنیٰ بیان فرماتے ہیں، نصرتِ الٰہی، حفاظت، حق و باطل میں امتیاز کی بصیرت وصلاحیت، ان معنیٰ کے اعتبار سے فرقان اللہ کی عظیم نعمت ہے، جو اہل تقویٰ کا مقدر ہے، جب مؤمن متقی ہو جاتا ہے تو اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے کہ اس کی دنیاوی زندگی پرسکون ہو جاتی ہے اور آخرت سدھر جاتی ہے، اسی انعام کو بیان فرمانے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا ''لا خوف علیھم ولاھم یحزنون'' کہ انہیں اللہ کے فضل سے مستقبل کے حوادثات کی کوئی فکر نہیں رہتی، ان کا کوئی ڈر نہیں رہتا، اور ماضی کے صدمات کا کوئی غم نہیں ہوتا، نیز فرمایا گیا، ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ'' بیشک اللہ کی مدد، اس کا خصوصی فضل وکرم متقین کے لئے ہے، نیز ارشاد ہوا:

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝　(اعراف:۳۵)

جس نے تقویٰ اختیار کر لیا اور اپنی اصلاح کی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝　(مریم:۶۳)

یہ وہ جنت ہے، جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے صرف اسے جو متقی ہوگا۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

(اعراف:۱۲۸)

بیشک زمین اللہ ہی کی ہے، وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے مخصوص ہے۔

یہ ہیں اہل تقویٰ، جنہیں فرقان نصیب ہوا بایں معنیٰ کہ اللہ انہیں اپنے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، خوف وغم سے آزاد فرماتا ہے، اللہ کی مدد ہر وقت ان کے شامل حال رہتی ہے، یہی خوش نصیب اللہ کی جنت اور اللہ کی زمین کے وارث بنائے جاتے ہیں۔

فرقان بمعنیٰ حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بھی اللہ کا بڑا انعام ہے کہ جس خوش بخت کو یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے، اس کے لئے اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی تعمیل نہایت ہی سہل و آسان ہو جاتی ہے کہ وہ بآسانی خداداد بصیرت سے حلال وحرام میں امتیاز کر لیتا ہے، حق و باطل کو پہچان لینا، نیک و بد میں فرق کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا، نیز اس کی نظروں سے حجابات دور کر دیئے جاتے ہیں، اب وہ صرف اشیاء کو نہیں دیکھتا بلکہ حقائق اشیاء پر اس کی نظر ہوتی ہے، قرب و بعد کا فرق اس کے لئے ختم ہو جاتا ہے، جونہی وہ توجہ کرتا ہے، ہر چیز اس کے سامنے ہوتی ہے، چاہے وہ قریب ہو، یا کتنی ہی دور ہو، اسی کیفیت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''فراست'' سے تعبیر فرمایا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِن فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه'' مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فراست

فراست یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور قوت فہم سے کسی کے بتائے بغیر وہ جان لے جو عام طور پر لوگ بسیار کوشش کے بعد بھی نہیں جان پاتے، گویا جسے فراست نصیب ہوگئی کوئی چیز اس سے حجاب میں نہیں رہتی، نبی مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق فراست مؤمن کامل کا خاصہ ہے، صاحب فراست مؤمن جس چیز پر نظر ڈالتا ہے، اس پر اس چیز کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے کیونکہ اس کی نظر عام لوگوں جیسی نہیں رہتی، بلکہ وہ تو اللہ کے عطا کردہ مخصوص نور سے دیکھنے لگتا ہے، یہ نور اسی متقی کی نظر کا حصہ بنتا ہے، جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ جب اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کے سبب اللہ کا نور نصیب ہو جاتا ہے اور ان کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی، حتیٰ کہ وہ ہزاروں برس بعد پیش آنے والے واقعات و حالات سے بھی باخبر ہو جاتے ہیں تو پھر اس آقا ﷺ کی نظر کی کیفیت کیا ہوگی، یا ان کی فراست کی قوت کا کیا حال ہوگا جو خود اللہ کا نور ہیں، اس کائنات کی کونسی چیز ان سے چھپی رہ سکتی ہے، ہمارا یہی عقیدہ ہے، یہی ایمان ہے جو بے شمار واقعات سے ثابت اور واضح ہے اور یہی عقیدہ، تقویٰ کی بنیاد ہے، اس کے منکر کو صاحب فراست ہونا تو درکنار، صاحب ایمان تسلیم کرنا بھی دشوار ہوگا۔

یہ فراست جملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی نسبت سے حاصل تھی جس نسبت سے انہیں صحابیت کا عظیم مرتبہ ومقام نصیب ہوا، ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اس نعمت کے وارث رہے، پھر یہ ہر اس مؤمن کو حاصل ہوئی جس نے تقویٰ اختیار کیا، جس کا جتنا تقویٰ بڑھتا رہا، اسے اتنی ہی زیادہ فراست ملتی رہی، سید الاولیاء حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ اسی فراست یا نور الٰہی سے ساری کائنات کو اپنی ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح ملاحظہ فرماتے تھے، آپ کا ارشاد ہے: "نظرت الی بلاد اللہ جمعا کخردلة علی حکم التصال" یہ وہ نظر تھی جس میں اللہ کا نور شامل تھا، دیگر اولیاء کرام کے واقعات بھی اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ اہل ایمان کو ان کے تقویٰ کا نتیجہ بصورت فراست نصیب ہوتا ہے۔ بطور تبرک چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ایک مرتبہ انہیں خواب میں شیطان ننگا نظر آیا، آپ نے فرمایا، بے حیا! تجھے انسانوں سے شرم نہیں آتی، بولا کیا یہ لوگ آپ کے نزدیک انسان ہیں، آپ نے فرمایا بیشک یہ انسان ہی تو ہیں، شیطان لعین کہنے لگا اگر یہ لوگ انسان ہوتے تو میں ان سے اس طرح نہ کھیل پاتا، جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں، انسان تو حقیقتاً وہ لوگ ہیں جو شونزیہ (بغداد شریف کا ایک محلہ) کی مسجد میں معتکف ہیں، جن کی عبادت و ریاضت سے میں گھلا جا رہا ہوں، میں جب بھی انہیں ورغلانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ رب تعالیٰ کا اشارہ کرتے ہیں اور میں جلنے لگتا ہوں، خواب سے بیدار ہوکر حضرت جنید رضی اللہ عنہ جامع شونزیہ گئے، وہاں آپ نے تین آدمیوں کو دیکھا جو اپنی گدڑی میں چھپے بیٹھے ہیں، آپ کے آنے کی آہٹ سن کر ان میں سے ایک نے گدڑی سے اپنا سر نکالا اور بولا" اے ابو القاسم شیطان لعین کی بات سے دھوکا نہ کھائیے"، (یہ اس مؤمن کی فراست تھی کہ اسے معلوم ہوگیا کہ حضرت جنید نے آج شب کیا خواب دیکھا ہے۔) (ریاض الصالحین)

شیخ ابراہیم خواص علیہ الرحمتہ، ایک پہاڑ لکام پر پہنچے جہاں انار کا باغ تھا، درختوں میں سرخ انار لٹک رہے تھے، آپ سے نہ رہا گیا، ایک انار توڑ کر کھانے لگے جو نہایت ترش تھا، چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، تھوڑی دور چل کر ایک شخص نظر آیا، جس کے جسم پر بھڑیں لپٹی ہوئی تھیں، آپ نے اسے سلام کیا، جواب ملا، وعلیکم السلام یا ابراہیم! آپ کو حیرت ہوئی پوچھا تم میرا نام کیسے جانتے ہو، وہ شخص کہنے لگا، جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، اس سے کچھ چھپا نہیں رہتا، آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے آپ کو اللہ کا قرب نصیب ہے، اگر آپ اللہ سے اپنے لئے دعا کرتے تو وہ ضرور آپ کو انار کی خواہش سے بچا لیتا کیونکہ انار کی لذت کی سزا تو آخرت میں بھگتنا ہوگی اور ان بھڑوں کی تکلیف تو عارضی ہے یہیں تک ہے اور یہیں ختم ہو جائے گی، (یہ فراست مؤمن ہے، کہ اس شخص نے شیخ ابراہیم کا نام بھی جان لیا اور اسے یہ بھی پتہ ہوگیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو انار کی خواہش ہوئی اور آپ نے مالک کی اجازت کے بغیر انار توڑا اور کھایا) (ریاض الصالحین)

یہ واقعہ بھی شیخ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ نے ایک خوبصورت ہوشیار نوجوان کو دیکھا، آپ نے حاضرین سے کہا کہ یہ نوجوان تو مجھے یہودی لگتا ہے، لوگوں کو آپ کی بات پسند نہ آئی، جب آپ محفل سے تشریف لے گئے تو نوجوان نے لوگوں سے پوچھا، ان بزرگ نے میرے متعلق کیا کہا، لوگوں نے اس کے اصرار پر بتایا کہ وہ تمہیں یہودی کہہ رہے تھے، نوجوان یہ سنتے ہی دوڑا اور شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا، مشرف باسلام ہوگیا اور بولا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق کی فراست غلط نہیں ہوتی، میں نے چاہا کہ میں مسلمان فقراء میں شامل ہو کر اس بات کا پتہ چلاؤں، مجھے یہ لوگ نظر آئے اور میں ان کے ساتھ ہو لیا، اور منتظر تھا کہ ان میں کوئی مجھے پہچانتا ہے یا نہیں، آپ نے مجھے پہچان لیا اور میں نے بھی آپ کو پہچان لیا، (یہ ہے مؤمن کی فراست، جس سے لوگوں کی قلبی کیفیات تک کا پتہ چل جاتا ہے)۔ (ریاض الصالحین)

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت شیخ سری سقطی، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم وعظ کیا کرو لیکن میں لوگوں کے سامنے تقریر کرنے سے ہچکچاتا تھا، ایک جمعہ کی شب مجھے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا تم لوگوں کو نصیحت کرو، میں بیدار ہوا اور صبح کا انتظار کئے بغیر شیخ سری سقطی کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی، آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا "جب تک تم سے خود سرکار نے نہ فرمایا تم نے میری بات نہ مانی" (یہ فراست مؤمن تھی) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے اسی دن سے وعظ شروع کر دیا، ایک مرتبہ وعظ کے دوران ایک عیسائی جوان بھیس بدل کر آیا اور اس نے سوال کیا، اے شیخ بتایئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "اِتَّقُوْا فِرَاسَتَہ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ" کا کیا مطلب ہے، آپ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کر فرمایا، "تو نصرانی ہے اور اب تیرے اسلام قبول کرنے کا وقت آگیا ہے، مسلمان ہو جا، وہ جوان اسی وقت مسلمان ہوگیا"، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب آپ نے عملی طور پر بتا دیا کہ مؤمن کو ایسی فراست حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتا ہے)۔ (ریاض الصالحین)

الحمد للہ، امت مسلمہ میں ایسے افراد کی کمی نہیں جن کو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے طفیل فراست کی نعمت عطا فرمائی، مزید برآں یہ کہ ان کے واقعات محفوظ ہیں، جن کو پڑھ کر، سن کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ان میں جذبہ تقویٰ بیدار ہوتا ہے، غرضیکہ فراست ایک بڑی نعمت ہے جو فرقان ہے کہ اس سے حق و باطل، اچھے، برے میں بسہولت امتیاز کر لیا جاتا ہے۔ اہل تقویٰ کو تو یہ صلاحیت پورے کمال کے ساتھ نصیب ہوتی ہی ہے، لیکن عام مؤمنین بھی اس سے محروم نہیں رہتے کہ ایمان ایک نور ہے جس سے مؤمن کا قلب اور نظر ضرور روشن و منور ہو جاتے ہیں اور اس سے دوسروں کے مکر و فریب سے بچنے کی ایک صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا احساس اسے خود بھی نہیں ہوتا، لیکن بہر حال ایمان کا فائدہ اسے حاصل رہتا ہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی بدعملی اور فسق و فجور سے اپنی تمام صلاحیتوں کو اتنا زنگ آلود اور سیاہ نہ کرے کہ نور ایمان بھی مدھم ہو جائے، اللہ ایسی حالت سے ہر مؤمن کو محفوظ رکھے۔

یوں تو تمام عبادات کی پابندی اور احکام شرع کی تعمیل فراست کے حصول کا ذریعہ ہے، لیکن صوفیاء کرام نے بعض عبادات کو خصوصی طور پر اس نعمت کے حصول کا سبب بتایا ہے، اس طرح کہ مومن اولاً محرّ ماتِ شرعیہ سے بچے، یعنی کوئی حرام کام نہ کرے، اس کی روزی حلال کی ہو، اس میں سود، شراب، رشوت، جوئے سے حاصل کردہ دولت شامل نہ ہو، پھر پنجگانہ نماز کی پابندی کرے، ہو سکے تو روزانہ کچھ نوافل بھی پڑھے، بعد فجر، قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کرے، درود شریف بکثرت پڑھتا رہے، بکثرت استغفار کرتا رہے، رمضان کے علاوہ بکثرت نفل روزہ رکھے، نیز کسی متقی پرہیزگار کے دامن سے وابستہ ہو، یعنی مرید ہو جائے اور اپنے شیخ کے عطا کردہ اوراد وظائف کی پابندی کرے، تو اللہ کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا اور اسے ایسی فراست سے نوازا جائے گا جس سے اس کی دنیاوی الجھنیں ختم ہوں گی اور اُخروی مراتب بلند ہوں گے، اسی لئے اہل ایمان کو عام دعوت دی گئی ہے کہ

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو تا کہ اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے، تمہارے دلوں سے گناہوں کی سیاہی دھو دے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اے اللہ ہمیں ان مؤمنین کاملین میں سے کر دے جن کو تو نے فراست کی نعمت سے نوازا، آمین یا رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مقالہ ۵۰

الانفال: ۴۵ تا ۴۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (انفال: ۴۵-۴۷)

اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا، اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ بن جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اسے گھیرے ہوئے ہے۔

جہاد، مؤمن کے لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح عبادت کا درجہ رکھتا ہے، جو نہ تو سیاسی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی معاشی مقصد ہوتا ہے بلکہ یہ دین کی حفاظت و بقاء اور اعلائے کلمۃ الحق کا اہم ترین ذریعہ ہے، اسی لئے قرآن کریم نے دیگر عبادات کی طرح اس سے متعلق احکامات بیان فرمائے اور ہدایات دیں، جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، آیات مذکورہ میں جو ہدایات دی جارہی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ثبات، (۲) ذکر اللہ، (۳) اطاعت، (۴) باہمی نزاع سے بچنا، (۵) صبر، (۶) اخلاص۔

یہ چھ ہدایات ہیں، جن کا تفصیلی بیان ضروری ہے۔

ثبات

یعنی جمار ہنا، ڈٹا رہنا، تقریباً اسی کا ہم معنی استقلال و استقامت ہے، کسی بھی کام کا ارادہ اور عزم کر لینے کے بعد اس میں کامیابی حاصل کرنا، منزل کو پالینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قلب اور قدم دونوں کا ثبات حاصل نہ ہو، جو شخص اپنے مقصد کے حصول کے لئے قلب و قدم کے ثبات کی ہمت نہیں رکھتا وہ کبھی کامیاب و کامران نہیں ہوسکتا، نیز جس کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو، اس کے قدم و اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے، اسی لئے ہر قوم کے لوگ اپنے اپنے طریقہ یا اپنی پسند کے موافق ثباتِ قلب و قدم کا اہتمام کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ سخت کام کرتے وقت گانا اور میوزک سنتے جاتے ہیں، جس سے انہیں تھکن کا احساس کم ہوتا ہے اور وہ بڑے سے بڑا کام کر گزرتے ہیں، جن مسلمانوں کو قرآن کریم، نعت رسول ﷺ یا علماء کی تقاریر سے شغف ہوتا اور دلچسپی ہوتی ہے، وہ کیسٹیں بجاتے رہتے اور اپنا کام کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ سفر کے دوران گاڑی چلاتے ہوئے ایسا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح ان کا کام آسان ہو جاتا اور طویل سفر جلد ختم ہو جاتا ہے، یہ سب ثبات قلب و قدم کے ذرائع ہیں جنہیں اختیار کیا جاتا ہے۔

تمام کاموں میں سب سے دشوار کام دین پر عمل اور دین کی اشاعت و حفاظت کا کام ہے، جس میں کامیاب ہونا بغیر ثبات کے ممکن نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ (الاسراء: ۷۴)

اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ نہ کچھ۔

بواسطۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا اہل ایمان پر یہ خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے انہیں راہِ راست پر ثباتِ قلب و قدم کی دولت سے نوازا ہے، ورنہ اس راہ پر قائم رہنا بہت دشوار تھا، مزید وضاحت سے فرمایا گیا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷)

ثابت قدم رکھتا ہے اللہ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دینوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بھٹکا دیتا ہے اللہ زیادتی کرنے والوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔

یہ کلمۂ طیبہ کی برکت ہے کہ اس سے ثباتِ قدم نصیب ہوتا ہے کہ ہر حال اور ہر مقام پر اپنے مقصد مقدس کی تکمیل کے لئے جم جانا، مؤمن کی شان ہے اور اللہ اپنے فضل و کرم سے بعد موت بھی مؤمن کو یہ نعمت عطا فرماتا ہے جو اس کی اُخروی نجات کا ذریعہ بنتی ہے، جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا، ''قبر میں ایک مسلمان سے اس کے رب، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں کہتا ہے، ''اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله'' اور یہی اللہ کا ارشاد ہے، ''يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہوتے اور فرماتے ''اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْلَهُ التَّثَبُّتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ'' اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثبات کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

حضرت سہل بن عمار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہئے، اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا، انہوں نے بتایا کہ قبر میں میرے پاس دو بڑے خوفناک فرشتے آئے اور مجھ سے سوال کیا، ''مَادِيْنُكَ وَمَنْ رَّبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ''، تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے، تیرا نبی کون ہے، میں نے اپنی داڑھی کو پکڑتے ہوئے حیرت کے ساتھ کہا، ''اَمِثْلِيْ يُقَالُ هٰذَا، وَقَدْ عَلَّمْتُ النَّاسَ جَوَابَكُمَا ثَمَانِيْنَ سَنَةً'' کیا مجھ جیسے آدمی سے تم یہ سوال کر رہے ہو جبکہ میں انہی سوالات کے جوابات اسی (۸۰) سال تک لوگوں کو سکھاتا اور پڑھاتا رہا ہوں۔

غرضیکہ اللہ مؤمنین کاملین کو قبر و حشر کے تمام مراحل میں ثبات کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اور قبر ان کے لئے دنیا سے بہتر آرام گاہ بن جاتی ہے، اللهم اجعلنا منهم۔

بہر حال ثباتِ قدم و قلب ایک بڑی نعمت ہے اور دنیوی و دینی مقاصد کی تکمیل کے لئے نہایت اہم، جہاد ایک بڑا ہی مقدس عمل ہے۔ جبکہ نہایت خطرناک بھی ہے، مجاہد اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں آتا ہے، جس کا مقصد ہر حال میں کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے، چاہے کامیابی اس صورت میں ہو کہ دشمن مغلوب ہو جائے، اللہ کا کلمہ بلند رہے، مجاہد غازی بن کر فاتح و کامران ہو کر واپس لوٹے یا یہ کامیابی بایں صورت ہو کہ مجاہد اللہ کے دین کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر شہید ہو جائے اور حیاتِ جاودانی حاصل کر لے، یہ عظیم مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اللہ کا سپاہی پہاڑ کی طرح دشمن کے مقابلے پر نہ جما رہے، دشمن کی تعداد اور مادی وسائل کی کثرت کا اس کو کوئی خوف نہ ہو، پسماندگان کا کوئی غم نہ ہو، وہ ڈٹا رہے، حتیٰ کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے، لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے۔

اے ایمان والو! جب تمہیں دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ہی پڑ جائے تو جم جاؤ، ڈٹ جاؤ حتیٰ کہ تلوار کا فیصلہ تمہارے حق میں ہو جائے، یہی تمہاری شان ہے، اسی میں تمہاری دنیوی عزت اور اُخروی نجات ہے۔

ذکر اللہ

قرآن کریم متعدد بار ذکر اللہ کا حکم دیتا ہے اور ہر بار ''ذِکراً کثیراً'' فرماتا ہے کہ اللہ کا بکثرت ذکر کرو جبکہ نماز جیسی اہم عبادت کا اگرچہ بار بار حکم دیا گیا لیکن کہیں ''صلوۃً کثیرۃً'' نہ فرمایا گیا، روزوں کا حکم دیا گیا لیکن ''صیاماً کثیراً'' کہیں نہیں فرمایا گیا، مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، اسی طرح تم اس کا اتنا ذکر کرتے رہو کہ اس کا شمار نہ ہو سکے، اس کی گنتی نہ ہو سکے، اسی لئے ذکر کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا گیا، بندے سے ذکر مطلوب ہے، چاہے وہ کیسے ہی الفاظ سے کرے، کسی حال میں کرے کہ اس کے لئے نہ وقت کا تعین ہے، نہ حالت کا، نہ وضو کی شرط ہے، نہ کسی مخصوص لباس کی، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اللہ کو یاد کرو کہ جب وہ ہر حال میں تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو تمہیں بھی ہر حال اس کو یاد کرتے رہنا چاہئے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ سب سے زیادہ آسان اور سہل عمل اور عبادت ہے کہ بندہ صرف زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے ہر عمل سے اپنے رب کو یاد کر سکتا ہے، صرف احساس ہونا چاہئے، یہ احساسِ ذکر بھی ذکر بن جاتا ہے، مؤمن کے تمام اعضاء، حتی کہ ذہن اور قلب تک ذکر رب میں مشغول رہتا ہے، اس نے کوئی بھی کام کرنے کا ارادہ کیا اور یہ خیال آیا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں اللہ کی توفیق اور اس کے فضل سے کر رہا ہوں، یہ خیال بھی ذکر ہے، پس اگر غور کیا جائے تو جملہ عبادات، اعمالِ صالحہ، اطاعت اور احساسِ اطاعت سب ہی ذکر ہے، پس کوئی مؤمن ذکر الٰہی سے محروم نہیں ہو سکتا، اگر اسے اپنے مؤمن ہونے کا خیال واحساس ہو۔

یہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ کسی کام کو سہل و آسان بنانے کے لئے اپنے ذوق کے مطابق کوئی عمل کرنا، انسان کی فطرت ہے بعض لوگ کام کرتے ہوئے گنگناتے ہیں، بعض سیٹی بجاتے ہیں، بعض گانا سنتے ہیں، بعض میوزک سنتے ہیں، اس کو دل بہلانے اور تقویت حاصل کرنے کا نام دیا جاتا ہے لیکن جو مؤمن ہے اس کا دل تو صرف ذکر الٰہی سے ہی بہلتا ہے، اسی سے تقویت حاصل کرتا ہے، اسی سے اسے طمانیت نصیب ہوتی ہے، جب مؤمن کا دل گھبراتا ہے، تو وہ نماز کی طرف دوڑتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے دل کو سکون میسر آجاتا ہے، وہ اپنے کاموں کو سہل و آسان کرنے کے لئے قرآن سنتا ہے، نعتیں سنتا ہے، علماء کی تقاریر سنتا ہے، وہ گنگناتا ہے تو آیات قرآنی پڑھتا ہے، اشعار نعت وسلام پڑھتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے، قوت و جذبات کا اظہار کرتا ہے تو نعرۂ تکبیر، نعرۂ رسالت، نعرۂ حیدری، نعرۂ غوثیہ بلند کرتا ہے یوں اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے نیک بندوں کو یاد کرتا ہے، اس ذکر میں مگن ہو کر وہ بڑے بڑے کام کر گزرتا ہے، نہ اسے وقت کا پتہ چلتا ہے، نہ تکان کا احساس ہوتا ہے کہ اسے قلبی سکون، طمانیت اور تقویت ملتی رہتی ہے، یہی مفہوم ہے اللہ کے ارشاد کا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

(الرعد:۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے دھیان سے سنو، اللہ کی یاد سے

ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اس ذکر ہی سے مؤمنین کاملین کے قلوب کانپ اٹھتے اور وہ مزید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف مائل ہوجاتے ہیں، فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال: ۲)

صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔

اس ذکر ہی کی برکت سے بندۂ مؤمن کو یہ عظیم مقام نصیب ہوتا ہے کہ اس کا مالک و خالق رب اللہ جل مجدہ بھی اس پر نظر کرم فرماتا ہے، اسے یاد کرتا ہے، اس طرح کہ اس پر اپنے فضل وکرم اور رحمتوں کی بارش مزید برساتا ہے۔ ''فاذکرونی اذکرکم'' ''پس مجھے یاد کیا کرو، میں تمہیں یاد کیا کروں گا'' اور یہی لوگ دنیا و آخرت کے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ''قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی'' بیشک وہی کامیاب ہوا، جس نے اپنے آپ کو پاک کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا اور نماز پڑھتا رہا۔

غرضیکہ ذکر الٰہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، اللہ کی اطاعت کی طرف مزید مائل ہوتے ہیں، اسی سے اللہ کا فضل و کرم نصیب ہوتا ہے اور یہی ذکر کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے اور اسی سے ثبات قلب و قدم نصیب ہوتا ہے جو حالت جہاد کے لئے نہایت اہم اور ضروری ہے، لہٰذا فرمایا گیا:

اے ایمان والو! ثابت قدم رہو اور تلواروں کے سایہ، تیروں کی بوچھاڑ کی حالت میں بھی رب کو نہ بھولو بلکہ اللہ کا خوب ذکر کرتے رہو، جس سے تمہاری ڈھارس بندھی رہے گی، طمانیت حاصل ہوگی، دل مزید اللہ کی اطاعت کی طرف مائل ہوں گے، جس سے تمہاری تلواروں میں تیزی آجائے گی، ہماری مدد تمہیں حاصل ہوتی رہے گی اور تم کامیابی و کامرانی کا نئیں مژدہ سنتے رہو گے۔

اطاعت

یوں تو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت مؤمن کا شیوہ ہونا چاہئے لیکن میدان جہاد میں اس کا خصوصی لحاظ رکھنے کی ہدایت کی جارہی ہے کہ یہ جان کی بازی لگانے کا وقت ہے، یہاں ذراسی غلطی، تھوڑی سی حکم عدولی بھی ساری محنت اکارت کردینے کا سبب بن سکتی ہے، جو قدم تمہارا آگے بڑھے، یہ سوچنے کے بعد بڑھے کہ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں، ذاتی دشمنی کا جذبہ پیدا نہ ہونے پائے، دشمن سے کسی پرانے انتقام کا خیال نہ آنے پائے، غصہ کا غلبہ نہ ہونے پائے، ظلم وستم کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے، دشمن کے ساتھ کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو انسانیت کے خلاف ہو، اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کو مثلہ کرنے، یعنی اس کے ناک، کان وغیرہ کاٹنے سے منع فرمایا، اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قتل

اَلنِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ'' حضور علیہ السلام نے (دشمن کے) بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی، (کہ یہ ظلم ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی) (بخاری ومسلم)

قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ جنگ کے دوران شور کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، (کیونکہ اس سے ذکر الٰہی میں فرق آتا اور افراتفری پیدا ہوتی ہے) (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ''اِنْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' چلو اللہ کا نام لے کر، اللہ پر بھروسہ کر کے اور رسول ﷺ کے طریقے پر، ''لَا تَقْتُلُوْا شَيْخاً فَانِياً وَطِفْلًا صَغِيْراً وَلَا امْرَاَةً وَتَغِلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَاَصْلِحُوْا وَاَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ'' بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو، نہ چھوٹے بچے کو قتل کرو اور نہ عورت کو اور خیانت نہ کرنا اور اپنا مال غنیمت جمع کرو، اصلاح کرو اور نیکی کرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، (حالت جنگ میں، اصلحوا اور احسنوا کا حکم نہایت قابل غور ہے)۔ (ابوداؤد)

جہاد، عبادت ہے لہٰذا دیگر عبادات کی طرح اس کے لئے بھی شرعی احکام و اصول بیان کئے گئے، جن کی پابندی ہی کے لئے ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' کی ہدایت جاری فرمائی گئی، نیز حالت جنگ میں بھی عام شرعی احکام کی پابندی کرانا مقصود ہے، مثلاً اوقات نماز میں نماز نہ چھوٹے، فرصت کے اوقات میں دل بہلانے کے بہانے غیر شرعی لہو ولعب مثلاً تاش، جواء، بلاضرورت شکار وغیرہ سے بچا جائے، موسمی اثرات سے محفوظ رہنے اور صحت کی بحالی وتقویت کے لئے، شراب، خنزیر کے گوشت وغیرہ کو حلال نہ سمجھا جائے، گالی گلوچ اور بدگوئی سے باز رہا جائے، وہ چیزیں مثلاً سامان جنگ وغیرہ جو حکومت کی ملکیت ہیں، ان میں بددیانتی نہ کی جائے، غرضیکہ اصلحو اور احسنوا کا ارشاد جملہ شرعی امور کی پابندی کی ہدایت کر رہا ہے، جو جہاد کے تقدس کو برقرار رکھنے کی لئے نہایت ہی اہم ہے۔

اے ایمان والو! حالت جنگ میں بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کا خیال رکھو کہ تم ''حزب اللہ'' اللہ کا لشکر ہو، لہٰذا تمہیں اس کی مرضی کے مطابق ہی ہر عمل اختیار کرنا چاہئے کہ اسی میں تمہاری کامیابی وکامرانی ہے، جیسا کہ تم سے وعدہ فرمایا گیا ہے، ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' اور نہ کمزور ہو اور نہ غم زدہ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن کامل ہو۔

جھگڑا نہ کرو

دینی و دنیوی امور میں اہل ایمان کا آپس میں جھگڑنا اور فتنہ وفساد بپا کرنا عام حالات میں بھی معیوب اور برا ہے، جس کی قرآن کریم اور ارشادات رسول ﷺ میں واضح ممانعت کی گئی ہے، حالت جنگ میں تو عام حالات کی بہ نسبت اتحاد و اتفاق اور نظم وضبط کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے دشمن پر رعب ودبدبہ رہتا ہے اور جنگی امور کی انجام دہی سہل و آسان ہوتی ہے، لہٰذا اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ خصوصاً حالت جنگ میں کسی بات پر اختلاف رائے اس انداز پر نہ

ہونے پائے کہ جھگڑے کی صورت اختیار کر لے، جب تم آپس میں جھگڑ بیٹھو گے تو دشمن کا مقابلہ کیا کر سکو گے،'' فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ''دشمن کی نظروں میں تم کمزور پڑ جاؤ گے، تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس باہمی اختلاف و نزاع سے امت مسلمہ کو ایک مرتبہ شدید نقصان پہنچ چکا ہے، یہ غزوۂ احد کی بات ہے، جس کو امام بخاری نے بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکین سے ہمارا مقابلہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیر اندازوں کا ایک دستہ، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی امارت میں پہاڑی پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ چاہے فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں یہ جگہ نہ چھوڑنا، جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ہم نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں، انہوں نے پائنچے اوپر چڑھائے ہوئے ہیں، ان کی پنڈلیاں اور پازیبیں نظر آ رہی ہیں، جنگ کی یہ حالت دیکھتے ہی مسلمانوں نے غنیمت، غنیمت کا نعرہ لگانا شروع کر دیا، تیر اندازوں کے دستہ نے بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے والوں میں شامل ہونا چاہا، عبداللہ بن جبیر نے ان سے کہا، ٹھہرو، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، لیکن وہ آپس میں جھگڑنے لگے اور اکثر اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے، دشمن کو ایک اچھا موقع ہاتھ آیا اور کفار نے پہاڑی کے پیچھے سے اوپر آ کر حملہ کر دیا، مسلمانوں کے ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے، حضرت براء فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر پوچھا، کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دینے سے منع فرما دیا، اس نے یہ سوال تین بار دہرایا، پھر اس نے تین بار پوچھا، کیا تم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر) ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب بھی جواب دینے سے روک دیا، پھر وہ تین بار چلایا کیا تم میں عمر ہیں اب بھی جواب کی اجازت نہ ملی، اب ابوسفیان خوشی سے کہنے لگا، یہ تینوں تو قتل ہو گئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا، انہوں نے بآواز بلند فرمایا، او اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے تجھے ذلیل و خوار کرنے کے لئے یہ تینوں زندہ سلامت ہیں، پھر ابوسفیان نے نعرہ لگایا، اعل ھبل۔ ھبل کی جے ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب میں کہو، الله اعلىٰ و اجل، اللہ ہی بلند اور بزرگ ہے، پھر ابوسفیان نے از راہِ تکبر و غرور کہا'' لنا عزى ولا عزى لكم ''، ہمارے ساتھ عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم جواب دو،'' الله مولانا ولا مولىٰ لكم ''، اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

غرضیکہ محض اختلاف کے سبب امت مسلمہ کو اتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ ستر (۷۰) صحابہ کرام شہید ہوئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوا، قرآن کریم نے برائے عبرت و احتیاط، اس واقعہ کو ہم تک پہنچایا ہے، ان آیات مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> اور بیشک سچ کر دکھایا اللہ نے تم سے اپنا وعدہ (فتح و نصرت کا) جب تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول ﷺ کے) حکم کے بارے میں اور (رسول ﷺ کی) تم نے نافرمانی کی، اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے

(دشمن پر غلبہ و فتح) بعض تم میں سے طلب گار ہوئے دنیا کے اور بعض تم میں سے طلب گار ہوئے آخرت کے پھر (اس نزاع کے سبب) پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تا کہ اللہ تمہیں آزمائے اور بیشک اس نے معاف فرما دیا تمہیں، (تا کہ کوئی میرے رسول ﷺ کے صحابہ کو اس جرم میں ملوث قرار نہ دے) اور اللہ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مؤمنوں پر، یاد کرو (اس افسوسناک وقت کو) جب تم (میدان جنگ سے) دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے، کسی کو اور رسول مکرم ﷺ تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، پس اللہ نے تمہیں (اپنے محبوب کو غمزدہ کرنے کی سزا کے طور پر ناکامی کا) غم پہنچایا تا کہ (آئندہ تم محتاط رہو اور) غمزدہ نہ ہو، اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو تمہیں پہنچی ہے اور اللہ خبر دار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ (آل عمران: ۱۵۲، ۱۵۳)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حالت جنگ میں باہمی اختلاف و نزاع کا انجام، جب صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا تو بعد والوں کی کیا حیثیت ہے، جبکہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل صحابہ کی معافی کا اعلان کر کے، ان کے دامن کو اس غلطی کے داغ سے پاک وصاف فرما دیا، اب اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ شہید ہونے کے باوجود بھی اس جرم کا مرتکب قرار دیا جاتا رہے گا کہ اس کی غلطی کے باعث امتِ مسلمہ کو نقصان اٹھانا پڑا، شہادت کا خون بھی اس کے دامن سے اس داغ کو نہ مٹا سکے گا، پس

اے ایمان والو! تم ایسی غلطی نہ کرنا کہ کسی بات پر میدان جنگ میں ہی جھگڑنے لگو، اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری قوت وطاقت ملیامیٹ ہو جائے گی، تم کمزور ہو جاؤ گے، دشمن کے دل سے تمہارا رعب ودبدبہ ختم ہو جائے گا اور متوقع کامیابی وکامرانی، ناکامی ونامرادی میں تبدیل ہو جائے گی۔

صبر کرو

صبر، حقیقتاً ایک دفاعی قوت کا نام ہے، جس سے صابر بڑے بڑے مصائب وآلام کا بآسانی مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے، کیونکہ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' صابرین پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے، صبر کے ذریعہ وہ اللہ کی حمایت ونصرت کے مستحق قرار پاتے ہیں، یہ دفاعی قوت حالتِ جنگ میں تمام دفاعی وسائل سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، بالخصوص باہمی نزاع واختلاف کی صورت میں کہ جب تک جھگڑا کرنے والے دو گروہوں میں سے کوئی ایک صبر سے کام نہ لے اور اپنے مخالف کی بات پر خاموشی اختیار نہ کرے، اس وقت تک کوئی جھگڑا کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا، یہی صورت حال عام حالات میں ہے۔

ہمیں اور آپ کو بہت سے لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور جھگڑوں سے نہایت ہی بددل ہیں اور وہ ہر وقت یہی نعرہ لگاتے رہتے ہیں کہ آپس کے جھگڑے ختم ہونا چاہئیں، یہ حقیقت ہے جو ہر شخص کو تسلیم کرنا چاہئے کہ آپس کے جھگڑے ہماری بربادی کا باعث ہیں، ان کو ختم ہونا چاہئے لیکن اس کے ساتھ ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جھگڑا کیسے ختم ہو، کون اپنے مؤقف سے ہٹے یا اسے چھوڑے، جبکہ ہر کسی کے پاس اپنے مؤقف کی حقانیت کے دلائل

موجود ہیں، جھگڑا ختم کرنے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ قرآنی ارشاد ''واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا'' کی رٹ لگائی جائے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور افتراق پیدا نہ کرو، جبکہ ہر موقف والے کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کا موقف یا مسلک اللہ کی رسی ہے اور وہ اسے بالکل مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ ہرگز افتراق کا ذمہ دار نہیں تو صرف اس قرآنی ارشاد کے سنانے اور اس کی تبلیغ سے مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اس کا کوئی دوسرا حل تلاش کیجئے، جس سے اتحاد امت کی دولت میسر آئے، پس اگر غور کیا جائے تو حالت جنگ میں نزاع کی ممانعت کے بعد صبر کی ہدایت پر عمل ہی اس کا حل ہے کہ ہر نزاع اس وقت ہی ختم ہوسکتا ہے جب جانبین کے اندر جذبہ صبر ہو ان میں سے ہر ایک کے پاس یہ قوت وفاع وافر مقدار میں موجود ہو اور دونوں ہی اس کو استعمال کرنے کے لئے مضطرب و بے چین ہوں، اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ہر گروہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے نزاع سے نجات پالے گا کہ نزاع اپنے مسلک پر قائم رہنے سے نہیں بلکہ اپنا مسلک دوسروں سے منوانے کی کوشش کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اگر صبر سے کام لیا جائے اور ہر گروہ کو اپنا مسلک بیان کرنے، اس کی تبلیغ کرنے کا حق تسلیم کر لیا جائے، جس کا انداز مثبت ہو، منفی نہ ہو، دوسروں کے امور میں مداخلت نہ ہو، صرف اپنے امور کی اشاعت و تبلیغ ہو تو فرقہ بندی تو باقی رہے گی، جو صورت نزاع نہیں ہاں فرقہ واریت کا خاتمہ ہو سکے گا جو افتراق و انتشار اور نزاع کا دوسرا نام ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ ملت و قوم کا درد رکھنے والے، اسے افتراق و انتشار کے مہلک مرض سے نجات دلانے کی کوششیں کرنے والے، ہماری اس تحریر پر خصوصی توجہ دیں گے، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اب ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو'' کی تبلیغ کرنے کی بجائے خود اپنے اندر صبر کا جذبہ پیدا کریں گے اور دوسروں کو صبر کی تلقین کریں گے۔ اس طرح وہ ایک اہم مرحلہ بھی طے کر سکیں گے اور ''وتواصوا بالصبر'' کے قرآنی ارشاد پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کے خسارے اور نقصان سے محفوظ رہیں گے، اللہ عمل کی توفیق دے۔

اے ایمان والو! تم حالت جہاد میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا کہ اس سے ایک طرف تو تم دشمن کو ڈھکیلنے اور شکست دینے کی قوت حاصل کرسکو گے اور دوسری طرف اس سے تمہارے باہمی اختلاف اور نزاع کا خاتمہ ہوگا جو تمہارے اندر اتحاد و اتفاق کی بقاء اور حفاظت کے لئے ضروری ہے۔

اخلاص:۔ اخلاص، ایمان کی زینت اور اہل ایمان کا زیور ہے، جس کا مطلب بلا خوف و بلا طمع صرف اللہ کی رضا کے لئے اطاعت کرنا اور احکام کی تعمیل کرنا ہے، اس سلسلے کی چند آیات مبارکہ پر غور کیجئے، ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ (الزمر:۲۔۳)

ہم نے اتاری ہے (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اطاعت کو، خبردار صرف اللہ ہی کے لئے ہے خالص اطاعت۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں اخلاص عبادت کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ طاعت

وعبادت کا مستحق صرف اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ، ہم شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں اس کا اجر ملے گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں، پھر اس شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے، کیا اس طرح مال خرچ کرنے پر ہمیں اجر ملے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اَنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ اِلَّا مَنْ اَخْلَصَ لَهٗ'' اللہ صرف اس کے عمل کو قبول فرماتا ہے جو صرف اس کی رضا کے لئے کرے، پھر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ (الزمر:١١)

فرمادیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔

بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مؤمن کو یہی اعلان کرنے کا حکم دیا جارہا ہے کہ ''میں صرف اور صرف اللہ ہی کی رضا کے لئے عبادت کرتا ہوں'' پھر ارشاد ہوا:

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ (الزمر:١٤)

فرمادیجئے اللہ ہی کی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس ہی کے لئے اپنی اطاعت کو۔

منافقین کا مقام ''درکِ اسفل'' دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا لیکن

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء:١٤٦)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا (اللہ کا دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ عطا فرمائے گا مؤمنین کو اجر عظیم۔

یہ اہل ایمان کی صفات ہیں جو انہیں اجر عظیم ملنے کا ذریعہ ہیں، سب سے آخر میں اخلاص کا ذکر ہے یعنی توبہ، اصلاح اور اعتصام اخلاص کے ساتھ ہو تو یقیناً اجر عظیم کا باعث ہیں ورنہ نفاق ہے اور منافقین کا ٹھکانہ ''درکِ اسفل'' ہے۔

بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نہایت ہی مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ پھر آپ نے اس کی وضاحت بھی فرمائی کہ جس شخص کی ہجرت (ترکِ وطن) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے ہو تو اسے ضرور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی نصیب ہوگی، (اور اگر اس اہم اور دشوار عبادت میں دنیاوی غرض وغایت شامل ہو تو یہ عبادت، عبادت نہ رہے گی بلکہ دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوگی فرمایا گیا) جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہو تو اس کی

ہجرت اسی کے لئے ہے جس کی نیت سے اس نے ہجرت کی۔

بہر حال اخلاص اعمال پر اثر انداز ہوتا ہے کہ اس سے وہ کام جو بظاہر دنیوی ہوتے ہیں، عبادت بن جاتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو وہ کام جو بظاہر عبادت ہوتے ہیں، دنیا کے حصول کا ذریعہ بن کر رہ جاتے ہیں، وہ نماز جو صرف اس لئے پڑھی جائے کہ اس کی وجہ سے لوگ متقی اور پرہیزگار سمجھیں اور اس پر اعتبار کریں، وہ زکوٰۃ جو صرف اپنی سخاوت کے اظہار اور دولت مندی کی نمود کے لئے ادا کی جائے، وہ حج جو صرف حاجی کہلانے اور معاشرے میں عزت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، ڈھکوسلا اور فریب تو ہو سکتے ہیں لیکن عبادت نہیں جبکہ خلوص کے ساتھ ایک کتے یا بلی کو پانی پلا دینا بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا باعث اور نجات کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

جہاد ایک عظیم عبادت ہے، اگر اس کا مقصد انتقام ہو، مال غنیمت کا حصول ہو، حدودِ سلطنت کی توسیع ہو، قوت وطاقت کا مظاہرہ ہو تو اس سے یہ فوائد تو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن میدان جہاد میں کام آ جانے والے سپاہی نہ تو شہادت کا بلند مرتبہ پا سکتے ہیں اور نہ زندہ واپس آنے والے غازی اور مجاہد کا بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے وہ برکات وہ عظمت وعزت نصیب ہو سکتی ہے جو جہاد خالص کا دینی ودنیوی ثمرہ ہے، لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! جب تم جہاد کے میدان کی طرف بڑھو تو کفار کی طرح اتراتے، قوت وطاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ بڑھو بلکہ تمہاری حالت یہ ہونا چاہئے کہ تمہارے دل ایمان کی حرارت سے دھڑک رہے ہوں، تمہاری گردنیں جھکی ہوئی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اعلان کر رہی ہوں، تمہاری زبانیں حمد وثناء میں مصروف ہوں، اس طرح بڑھو گے تو اللہ کے فرشتے بھی تم پر ناز کریں گے اور اللہ کی رحمت، اس کا فضل وکرم تمہارے اردگرد ہوگا، غیب کا منادی تمہاری فتح ونصرت کا مژدہ سنا رہا ہوگا، آج کے بعد تم میں سے جو گردنیں کٹا کر دنیا سے رخصت ہوں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہوں گے، اب انہیں کبھی موت نہ آئے گی، وہ بلا حساب جنت کے اعلیٰ مقام کے مستحق قرار پائیں گے اور جو زندہ لوٹیں گے وہ معاشرے میں باعزت ہوں گے، حکومت اسلامیہ ان کی کفیل ہوگی، فاتحین اور صالحین میں ان کا شمار ہوگا۔

ربط وتعلق

ثبات، ذکر اللہ، اطاعت، باہمی نزاع سے بچنا، صبر، اخلاص یہ ہیں وہ امور جن کے اختیار کرنے کی مجاہدین کو ہدایت کی گئی، آپ نے ان کی تفصیل پڑھی، اگر آپ غور فرمائیں تو بآسانی یہ نکتہ سمجھ میں آ سکے گا کہ یہ امور علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ان میں ایک ربط ہے، تعلق ہے کہ دوسری کے بغیر پہلی خوبی اور تیسری کے بغیر دوسری خوبی حاصل نہیں ہو سکتی کہ ثبات اسی وقت نصیب ہوگا جب مجاہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر میں مست ہوگا کہ وہ جس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اتنا اہم اقدام کر رہا ہے، اگر وہی اسے یاد نہیں تو اسے کس طرح قلب وقدم کا ثبات نصیب ہو سکتا ہے اور ذکر اللہ، اللہ کی یاد جب ہی ہو گی جب بندے کے ذہن وقلب میں اطاعت کا جذبہ ہو اور وہ یہ یقین کرتا ہو کہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے اپنی مرضی سے آگے نہیں بڑھ رہا بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے، اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے جو مجھے اس طرف لے جا رہا ہے لہٰذا میں اللہ اور

رسول ﷺ پر ہی بھروسہ کر کے آگے بڑھتا ہوں، اطاعت وفرمانبرداری کا یہ جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اللہ کے ان سپاہیوں میں باہمی نزاع، انتشار، افتراق اور منافرت نہ ہو کہ جو ان مہلک امراض کا شکار ہوں وہ میدان جہاد کی طرف بڑھنا تو درکنار کسی بھی موقع پر اطاعت وفرمانبرداری نہیں کر سکتے، نہ صرف اتنا کہ وہ بندوں کی حق تلفی کر کے اللہ سے بغاوت کرتے ہیں بلکہ ان کی تو نمازیں، روزے تک ایک تماشہ بن جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ نزاع سے نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اہل ایمان صبر کے عادی نہ ہوں، صبر کرنے والے ہی بآسانی اپنے جھگڑوں اور اختلافات کو دور کر سکتے اور اپنی صفوں کو متحد ومنظم رکھ سکتے ہیں، یہ صبر انہی کو نصیب ہوگا جو اخلاص کی دولت سے مالا مال ہوں گے کہ جو شخص اپنی ذاتی عزت وشہرت، سیاسی یا معاشی فائدے کے لئے اللہ کے لشکر میں شامل ہوا ہے، اسے تو صرف اپنے مقصد کے حصول کی فکر ہوتی ہے، وہ کیوں مسلمانوں کے لئے ایثار وقربانی کا بکرا بننے لگے گا، اسے کیا پروا کہ امت متحد ہونے سے باعزت وباوقار ہوتی ہے، یا افتراق میں مبتلا ہو کر ذلیل وخوار، وہ تو پوری امت کو بھی قربان کر کے اپنا مقصد پورا کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا امور اور صفات اہل ایمان کا شعار ہیں، ان کا زیور ہیں، جن سے ان کی زینت ہے، عزت ہے، عظمت ہے، بالخصوص حالت جہاد اور میدان جہاد میں مجاہد کی یہ خوبیاں ہی اس پر اللہ کی رحمتوں کے نزول کا سبب اور اس کی حمایت ونصرت کے وصول کا ذریعہ ہیں، ایسے ہی مجاہدین کے لئے فتح وکامرانی کا وعدہ کیا گیا۔

جنگ یرموک کے موقع پر حضرت خالد سیف اللہ کا ایک انداز ملاحظہ ہو، ''کسی مجاہد نے رومیوں کے لشکر پر نظر ڈالتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ ارے رومی تو بہت ہیں اور مسلمانوں کی تعداد کم ہے، حضرت سیف اللہ بولے نہیں، رومی کم ہیں اور مسلمان بہت زیادہ ہیں، پھر آپ فرماتے ہیں یاد رکھو فوجیں اللہ کی مدد سے زیادہ ہوتی ہیں اور بزدلی کی وجہ سے کم ہوتی ہیں، فتح وشکست کا دارومدار آدمیوں کی کثرت وقلت پر نہیں، اللہ کی حمایت ونصرت پر ہے، پھر فرمایا کاش آج میرے گھوڑے اشقر کا پاؤں ٹھیک ہوتا تو تم دیکھتے کہ کون زیادہ اور کون کم ہے۔

ایک اور موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں'' آج کا دن اللہ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے، آج کسی کے لئے فخر ومباہات اور خود رائی وخود ستائی مناسب نہیں، جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے ہر عمل کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔''

محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی فوج سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کیا تو پہلے اپنے لشکر کو خطبہ دیا اور کہا، ''اے اللہ اور رسول ﷺ کے سپاہیو! آج تمہاری شجاعت، تمہارے ایثار اور تمہارے ایمان کے امتحان کا دن ہے، دیکھو دشمن کی تعداد سے نہ گھبرانا، تاریخ شاہد ہے کہ کفر واسلام کے تمام گزشتہ معرکوں میں باطل کے علمبردار، حق پرستوں کے مقابلے زیادہ تھے اور حق پرستوں نے ہمیشہ یہ ثابت کیا کہ فوج کی طاقت کا راز، افراد کی تعداد میں نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور ان کے مقاصد کی بلندی میں ہے، ہماری جنگ کسی قوم کے خلاف نہیں، کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ دنیا کے ان تمام سرکش انسانوں کے خلاف ہے جو اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں، ہم روئے زمین پر اپنی حکومت نہیں بلکہ اللہ کی حکومت چاہتے ہیں، ہم اپنی سلامتی اور اپنے ساتھ دنیا کے تمام انسانوں کی سلامتی کے خواہاں ہیں، اللہ کی زمین پر سلامتی کا ذریعہ صرف اسلام ہے، یہ وہ

دین ہے جو دنیا سے آقا اور غلام، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کا فرق مٹاتا ہے، ہمارا مقصد صرف اس دین کی بقاء اور فتح ہے اور اس مقصد کے لئے جینا اور مرنا، دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے، ہمارے آباؤ واجداد اس مقصد کے لئے لڑے، اللہ نے مٹھی بھر جماعت کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے جابر اور ظالم شہنشاہوں کی گردنیں خم کر دیں۔ تمہیں اپنے مقدر پر فخر کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنے دین کی اشاعت وحفاظت کے لئے تمہیں منتخب کرلیا ہے، وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے اپنے تین سو تیرہ بے سروسامان بندوں کو بہترین ہتھیاروں سے لیس لشکر پر فتح دی، قادسیہ، یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں حق کی ایک تلوار کے مقابلے میں باطل کی دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ تلواریں بے نیام ہوئیں، لیکن اللہ نے ہمیشہ حق پرستوں کو فتح دی، اللہ آج بھی تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن یاد رکھو قدرت کے فیصلے اٹل ہیں، قدرت صرف ان کی مدد کرتی ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں، ہم اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہوئے بغیر اللہ کے انعامات کے مستحق نہیں ہوسکتے، قدرت کا دست شفقت صرف ان کی طرف بڑھتا ہے جو تیروں کی بارش میں سینہ سپر ہوتے ہیں، جو خندقوں کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیتے ہیں، یاد رکھو بنی اسرائیل بھی اللہ کے لاڈلے تھے۔ لیکن جب وہ راہ حق میں جہاد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے پیغمبر کو سونپ کر آرام کی نیند سو گئے تو اللہ نے انہیں ذلیل وخوار کر دیا اور آج اس زمین پر کہیں ان کے لئے پناہ نہیں، جس پر کسی زمانہ میں ان کے اقبال کے پرچم لہرایا کرتے تھے۔ اللہ وہ دن نہ لائے کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنی کتاب زندگی سے جہاد کا باب خارج کر دو، دوستو! تم جانتے ہو کہ اس دنیا میں کسی کو اتنا نہ ستایا گیا جتنا کفار مکہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ستایا، ظلم کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہ تھا جس سے ان کے جسم مبارک کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو، کیا رحمتہ العالمین ﷺ کی آنکھوں کے سامنے، ان کے جان نثاروں کے سینوں پر تپتے ہوئے پتھر نہ رکھے گئے اور جب آپ ﷺ نے ہجرت کی تو بھی ظالموں نے آپ ﷺ کا پیچھا نہ چھوڑا اور مدینہ کے غزوات میں آپ ﷺ کے کتنے ساتھی شہید ہوئے لیکن فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ جو سلوک نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے کیا اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن آپ ﷺ کے بہترین ساتھی بن گئے۔

اس تقریر کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھ اللہ کے دربار میں دعا کے لئے اٹھتے ہیں اور وہ آہ وزاری کرتے ہوئے عرض کرتا ہے اے سزا اور جزا کے مالک! ہم تیرے دین کی فتح چاہتے ہیں، ہمیں اسلاف کا جذبہ عطا کر۔ رب العالمین! حشر کے دن ہماری ماؤں کو شرمسار نہ کرنا، ہمیں غازیوں کی زندگی اور شہیدوں کی موت عطا کر۔　　(ماخوذ از محمد بن قاسم، نسیم حجازی)

اس تقریر کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے تو آپ ایک مجاہد اسلام میں وہ تمام خوبیاں پائیں گے جن کی اہل ایمان و ہدایت کی گئی تاریخ گواہ ہے کہ جن مجاہدین اسلام نے ان خوبیوں کو اپنایا کامیابی وکامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، دین محفوظ رہا اور ہمیں اس کا وارث وامین ہونے کا شرف حاصل ہوا، یہ انہی مجاہدین کا صدقہ ہے کہ آج تک امت مسلمہ کا سر بلند ہے، اس کے سامنے کفر لرزہ براندام ہے لیکن آہ، ماضی کے اس ورثہ کو ہمارے کردار کے باعث دن بدن گھن کھائے جا رہا ہے، ہم میں نہ وہ ایمان کی قوت رہی، نہ ثبات قلب وقدم رہا، نہ ہماری زبانوں پر اللہ کا ذکر رہا، نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا

جذبہ رہا، نہ ہم باہمی نزاع وانتشار سے محفوظ رہے، نہ صبر کی جرأت رہی اور نہ ہی ہمارے اعمال میں اخلاص کی مہک باقی رہی، نتیجہ ظاہر ہے کہ اب ہم سے کوئی نہیں لرزتا، ہم ہی سب سے ڈرتے ہیں، اب ہماری کوئی عزت نہیں کرتا، ہم ہی سب کو اپنے سر پر بٹھاتے ہیں، اب ہم سے کوئی مرعوب نہیں، ہم ہی سب سے خوف زدہ ہیں، کس سے شکوہ کریں، کس کو حال زار سنائیں، بس، ''اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ'' اپنی مصیبت اور دکھوں کا شکوہ اللہ ہی کی بارگاہ میں کرتے ہیں اور اسی سے دست بدعا ہیں کہ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما، واجعلنا من المؤمنين الكاملين المخلصين۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سورۃ التوبہ“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
51	23 تا 27
52	28 تا 29
53	34 تا 37
54	38 تا 41
55	119
56	123

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۱

التوبہ: ۲۳ تا ۲۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ

رَّحِيْمٌ۝ (توبہ: ۲۳ تا ۲۷)

اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو ولی دوست، اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو دوست بناتا ہے انہیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (اے حبیب ﷺ) آپ فرما دیجئے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے، بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے، پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے، پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین، اپنے رسول ﷺ پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی، پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

قرآن کریم اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات و احکام سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام سے زیادہ دنیا کے کسی دین نے والدین اور اعزاء و اقارب سے تعلق رکھنے، ان کی خدمت کرنے، ان کے حقوق ادا کرنے کی تاکید نہیں کی۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ مؤمن کا رشتہ کسی سے صرف خون کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اس کی اصل بنیاد اسلام ہے۔ ماں، باپ، بہن بھائی، دیگر اعزاء و اقارب سب اپنے ہیں اگر وہ رشتہ اسلام سے جڑے ہوئے ہیں اور سب غیر ہیں اگر وہ اسلام سے منقطع اور دور ہیں لہٰذا ہدایت کی جاتی ہے کہ

اے ایمان والو! تمہارے رشتوں کی بنیاد چونکہ اسلام ہے لہٰذا تم میں سے کسی کا باپ یا بھائی جو باعتبار رشتہ قریب ترین ہے اگر کافر ہو تو اسے بھی چھوڑ دو، اس کو ولی اور دوست نہ بناؤ۔ اگر تم نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور کافر باپ بھائی کو اپنا ولی بنائے رہے، تو تم ظالم قرار پاؤ گے، جس کا انجام دنیا میں ذلت و خواری ہوگا اور آخرت میں اللہ کا عذاب۔

صلہ رحمی

صلہ رحمی یعنی رشتوں کا قائم رکھنا اس طرح کہ رشتہ داروں سے میل جل رکھا جائے، ان کے حقوق ادا کئے جائیں بالخصوص والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ، ان کا احترام ان کی خدمت، یہ وہ امور ہیں جن کی اسلام بے حد تاکید کرتا ہے، اس سلسلے میں قرآنی آیات اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات موجود ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' لیکن شرک و کفر ایسا عظیم ظلم ہے جو سارے رشتوں کو منقطع کر دیتا ہے اور بہت سے باہمی حقوق سے محروم کر دیتا ہے، اسی

لئے کفار والدین، بھائیوں اور دیگر اعزاء سے "ولایت" کی قرآن کریم ممانعت کرتا ہے، یعنی ایسی حالت میں ان سے قطع تعلق کرلیا جائے گا، جب وہ اپنے کفر کو مؤمن کے ایمان پر ترجیح دیتے ہوں اور یہ چاہتے ہوں کہ مؤمن ان سے تعلقات کے باعث اپنے ایمانی تقاضوں کو چھوڑ دے، یا ان ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے جو بحیثیت مؤمن اس پر عائد ہو چکی ہیں، مثلاً وہ نماز، روزہ، جہاد، ہجرت وغیرہ سے روکنے کی کوشش کریں، ایسی صورت میں تو اہل ایمان پر ان اعزاء سے تعلقات منقطع کرلینا قطعاً واجب ہے۔ ہاں اگر والدین اور دیگر اعزاء نے اپنے کفر کے باوجود مؤمن کی حیثیت کو تسلیم کرلیا ہو، وہ اس کے ایمان لے آنے کے باوجود بھی اس سے رشتہ منقطع نہ کرنا چاہتے ہوں اور نہ اس کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرتے ہوں تو اس صورت میں ان سے تعلق باقی رکھنے اور ان کے دنیاوی حقوق ادا کرنے کی اجازت ہے، یعنی ان سے اچھے اخلاق کے ساتھ ملا جائے، بالخصوص والدین کی خدمت اور ان کا احترام کیا جائے لیکن پھر بھی انہیں اپنا نہ سمجھا جائے، بایں معنیٰ کہ ان پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اپنے رازوں سے آگاہ کردیا جائے، اپنے دنیوی معاملات کا انہیں مختار کل بنا دیا جائے کہ کفر ایک ایسا فریب ہے جو کافر کو مؤمن کے ساتھ کسی وقت بھی فریب پر آمادہ کردیتا ہے، لہٰذا کافر چاہے باپ، بھائی ہی کیوں نہ ہو، قابل اعتبار نہیں، پس ان سے ضروری تعلقات رکھے جائیں، ان پر اعتبار واعتماد نہ کیا جائے، انہیں اپنا مشیر نہ بنایا جائے۔

یہ ایک نہایت ہی احتیاطی حکم ہے جو اللہ اہل ایمان کو کفار کے مکر وفریب سے محفوظ رہنے کے لئے دیتا ہے، یہ مؤمنین پر اس کا کرم ہے کہ اس نے کسی نقصان میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں سبب نقصان اور وجہ نقصان سے آگاہ کردیا اور اس سے بچنے کی ہدایت فرمائی، تاکہ نقصان میں مبتلا ہونے کے بعد پچھتانا نہ پڑے۔

ایمان پر کفر کو پسند کرنا

ایمان پر کفر کو پسند کرنے کی ایک صورت تو واضح ہے کہ پسند کرنے والا کافر ہو۔ ظاہر ہے کہ کافر بھی نہ مؤمن کو پسند کرے گا اور نہ اس کے ایمان کو۔ لیکن خطرناک ترین صورت یہ ہے کہ دعویٰ ایمان کے ساتھ العیاذ باللہ کوئی شخص کفر کو پسند کرے، چاہے وہ کفریہ عقائد کو پسند کرے، یا کافروں کے اعمال کو پسند کرے، زبانی طور پر پسند کرے کہ ان کی تعریفیں کرتا رہے یا عملی طور پر پسند کرے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، رہنا، سہنا، پسند کرتا ہو، حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر کفار کی طرح وہ کھاتا پیتا ہو، انہی کے لباس اور انہی کی تہذیب کو اپنائے ہوئے ہو، یا وہ علی الاعلان اسلامی احکام اور مسلمانوں کی تہذیب وتمدن کا مذاق اڑاتا ہو، اگر ایسا شخص اپنے کسی عقیدہ یا عمل سے کفر کی حد تک پہنچ چکا ہے تب تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا جس کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے۔ لیکن اگر اسے علماء دین نے مرتد قرار نہیں دیا اور وہ صرف فاسق وفاجر، بدعمل، بدکردار، بدعقیدہ قرار دیا گیا ہے، تب بھی شریعت مطہرہ اس سے علیحدہ رہنے کا حکم دیتی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے شخص کی اولاً تو اصلاح کی کوشش کریں اور اگر اس کی اصلاح کی توقع نہ ہو تو اس کا مکمل بائیکاٹ کریں تاکہ اس کے گندے جراثیم مزید نہ پھیلنے پائیں اور دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا

تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ (النساء: ۱۴۰)

اور تحقیق اتارا ہے اللہ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جارہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جارہا ہے ان کا تو مت بیٹھو (ایسی مجلس میں) حتیٰ کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی دوسری بات میں، ورنہ تم بھی انہی کی طرح ہو گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (انعام: ۶۸)

اور جب دیکھو تم انہیں کہ وہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لو ان سے، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر بھلا دے تمہیں شیطان تو مت بیٹھو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ہود: ۱۱۳)

اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ اور (اس وقت) نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گی۔

ان آیات میں واضح ہدایت موجود ہے کہ بدعمل اور بدعقیدہ لوگوں اور ان کی محافل ومجالس سے دور رہو اگر تم اس ہدایت پر عمل نہیں کرو گے تو ''اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ'' تم بھی انہی کی طرح ہو جاؤ گے۔ یہ جملہ نہایت اہم ہے، دلدل میں پھنسنے سے پہلے دلدل کا پتہ بتایا جارہا ہے، گمراہی سے بچانے کے لئے گمراہی کی طرف جانے سے روکا جارہا ہے۔ گویا بدعقیدہ وگستاخ لوگوں کی محفلوں سے اس لئے روکا جارہا ہے کہ کہیں تم بدعقیدہ اور گستاخ نہ ہو جاؤ، ماڈرن سوسائٹی سے دور رہنے کی اس لئے ہدایت کی جارہی ہے کہ کہیں تم بھی اپنی اسلامی تہذیب سے نفرت نہ کرنے لگو، ناچ گانوں کی محافل میں شرکت، کلبوں، قمار خانوں، شراب خانوں میں جانے سے اس لئے روکا جارہا ہے کہ کہیں تم بھی ان بدعملیوں کا شکار نہ ہو جاؤ کہ بدعقیدگی و بدعملی کی بیماری اثر کرلگتی ہے، ایسے مریضوں کے قریب جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یہ سب جہنمی ہیں، ان کے ساتھ رہو گے تو ''فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ'' تم بھی جہنمی بن جاؤ گے، مزید وضاحت کے لئے درج ذیل احادیث پر غور فرمائیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں (جو ہمارا زمانہ ہے) دجال اور کذاب (بدعقیدہ لوگ) ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو (اس سے پہلے) تم نے نہ سنی ہوں گی، نہ تمہارے باپ دادا نے ''فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ'' تو تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر سکیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔ (مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تقدیر الٰہی کا انکار کرنے والے اس امت کے مجوس ہیں، ''اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ وَاِنْ لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ'' اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شریک نہ ہو، اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

جو آقا ﷺ سارے جہان کے لئے رحمت ہیں، جن کی تعلیمات و عمل سے دعوت محبت و الفت ملتی ہے، بدعقیدہ لوگوں کے لئے ان کے ارشاد کے انداز اور ان کی ہدایت پر غور کیجئے۔ کس قدر سختی ہے، صرف اس لئے کہ آپ ﷺ ہرگز پسند نہیں فرماتے کہ کوئی غلام بدعقیدگی کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو، یہ کرم ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں پر کہ آپ ﷺ نے بدعقیدگی کے فتنہ سے ہمیں آگاہ فرمایا اور بدعقیدہ لوگوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔ ان تمام لوگوں کا بھی یہی حکم ہے جو قرآن و سنت کے خلاف عقائد باطلہ رکھتے ہیں اور ہمارے دَور کی پیداوار ہیں، ان سے دور رہئے، ان کی محافل کے قریب بھی نہ جایئے، ورنہ خوف ہے ان کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے، اس کے راوی بھی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ'' جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (ترمذی)

موجودہ اصطلاح کے مطابق اس ارشاد کو یوں سمجھ لیجئے کہ ان دکانوں، ان کلبوں میں جانے اور ان محافل میں شریک ہونے کی ممانعت کی جا رہی ہے جہاں شراب کے جام چھلکتے ہیں، اس واضح ہدایت کے بعد یہ کہنا کس قدر حماقت ہے کہ ہم کلب میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں چائے پیتے ہیں، ہم محافل میں جاتے ہیں لیکن شراب نہیں دیگر مشروبات پیتے ہیں، بات پینے کی نہیں ہو رہی، بات شرابیوں سے دور رہنے، ان کی صحبت تک سے بچنے کی ہو رہی ہے، پینا تو ہے ہی حرام، یہاں صحبت سے بچنے کی ہدایت کی جا رہی ہے تاکہ اس مؤمن تک حرام کی مہک بھی نہ پہنچ سکے، جس کا دل و دماغ ایمان کی مہک سے معطر ہے، جو ہدایت شراب کے متعلق دی گئی ہے وہی دیگر بدعملیوں کے متعلق ہے، مثلاً ان مقامات اور محافل سے بچو، جہاں بدکاری یا بدکاری کے دواعی ہوں، یعنی ایسی حرکتیں ہوں جو بدکاری پر مائل کریں، مثلاً ناچ گانے وغیرہ کی محافل۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی روشنی میں، اسلاف علماء دین کے ارشادات اور عمل ملاحظہ فرمایئے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ شخص بدعتی (گمراہ) ہو گیا ہے اگر واقعی وہ بدعتی ہو گیا ہے تو تم اسے میرا سلام نہ کہنا۔

حضرت حسن بصری اور ابن سیرین فرماتے ہیں ''لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْهَوَاءِ وَلَا تُجَادِلُوْهُمْ وَلَا تَسْمَعُوْا مِنْهُمْ'' بدمذہب لوگوں کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو اور نہ ان سے احادیث (یا ان کی باتیں) سنو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو شراب پیتے ہوئے پکڑا، ان میں سے ایک شخص کے متعلق

آپ کو بتایا گیا کہ وہ روزے دار ہے (لہٰذا اس پر شراب پینے کا جرم عائد نہیں کیا جا سکتا، وہ صرف وہاں بیٹھا ہوا تھا) آپ نے یہ آیت پڑھی، ''اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ'' اور فرمایا، اللہ کے اس ارشاد کے مطابق گناہ پر راضی ہونا بھی گناہ ہے لہٰذا مجرم اور جو اس کے جرم پر راضی ہو، دونوں کو سزا دی جائے گی۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں جو شخص کسی بدعتی (بدعقیدہ) سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اعمال ضائع کر دیتا ہے اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور جس شخص نے کسی بدعتی سے اپنی لڑکی کی شادی کی، اس نے قطع رحم کیا، یعنی بیٹی سے رشتہ منقطع کر لیا۔

حضرت امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے ''اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور جو شخص کسی برائی کو دیکھ کر راضی ہو اور برائی کرنے والے کے ساتھ مل جل کر رہے تو وہ بھی برائی کرنے والے کے گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، چاہے اس نے برائی نہ کی ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ حتیٰ کہ تمہارے آباء و اخوان، ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتے ہیں، وہ کافر ہوں یا مؤمن ہوتے ہوئے وہ اس مرض میں مبتلا ہوں، یہ پسندیدگی ان کی عقیدۃً ہو یا عملاً ہو، بہر حال تم انہیں اپنا ولی نہ بناؤ، ان کا قرب اختیار نہ کرو، ان پر اعتماد نہ کرو، صرف دنیوی ضروریات کے مطابق ان سے تعلق رکھو، ان کی بدعقیدگی اور بدعملی میں ان کا ساتھ نہ دو، ان کی محافل میں شریک ہو کر ان کی بیہودہ باتیں نہ سنو، ان کی بدعملی اور بدکرداری کا تماشہ نہ دیکھو کہ مرض ایک ہی ہے، اس کے جراثیم مہلک ہیں، چاہے وہ کافروں میں ہوں یا ایمان کا دعویٰ رکھنے والوں میں، لہٰذا ان سے دور رہ کر اپنے کو ہلاکت سے بچاؤ، اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

سب سے زیادہ محبت

اہل ایمان کی شان یہ ہے، مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مؤمن سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کرے، اسے احکام شرع کی تعمیل حتیٰ کہ جہاد جو تعمیل احکام کی انتہائی صورت اور ثبوت محبت ہے، دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، اسی حقیقت کا اعلان بزبان رسالت یوں کرایا جا رہا ہے کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آباء، اپنی اولاد، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں، اپنے خاندان، اپنے جمع کردہ اموال، اپنی تجارت، اپنے پسندیدہ مکانات سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے محبت کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر انہیں عذاب الٰہی کا انتظار کرنا ہوگا، جو دنیا و آخرت کی ذلت و خواری کی صورت میں کسی وقت بھی ان پر آ سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ اللہ کے نافرمان ہیں اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، وہ ہر قسم کی کامیابی و کامرانی سے محروم ہی رہتے ہیں، قرآن کریم شاہد ہے کہ دنیا کی محبت اور اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی ہی کے سبب، قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط، قوم بنی اسرائیل اور ماضی کی بہت سی اقوام کو ہلاک و برباد کیا گیا، پس تم نافرمان بن کر اپنی ہلاکت کو دعوت نہ دو کہ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے اسباب کو پسند کرنے لگتے ہیں وہ بڑی ہی گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ارشاد

ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ یَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ (ابراہیم: ۳)

جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت پر اور دوسروں کو (بھی) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور وہ اسے ٹیڑھا بنانا چاہتے ہیں، یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔

جو شخص ایمان کے بعد کفر میں مبتلا ہو گیا، اس کے لئے غضب الٰہی اور دردناک عذاب کا اعلان کرتے ہوئے اس کی بدنصیبی کا سبب اس طرح بیان کیا گیا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (نحل: ۱۰۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔

ان کی اس حب دنیا کے سبب، اللہ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی کہ یہ بدنصیب اب اس قدر محروم ہو گئے کہ نہ تو ان کے دل میں کوئی حق بات آتی ہے نہ ان کے کان حق سن سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی آنکھیں حق کی واضح دلیلوں کو دیکھ سکتی ہیں، اب یہ اپنے انجام سے غافل ہو چکے ہیں جبکہ آخرت میں ان کا بہت ہی برا انجام ہونے والا ہے، پس، اللہ رحیم و کریم پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب نبی کے محبوب غلام حب دنیا میں مبتلا ہو کر اس انجام کو پہنچیں۔

مشہور حدیث ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس کے ماں، باپ اور سب لوگوں سے۔ (بخاری و مسلم)

نبی مکرم ﷺ اپنی محبت کا ذکر فرماتے ہیں کہ حقیقت میں آپ ﷺ سے محبت اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہی محبت ہے، جیسے آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے، پس جس نے آپ ﷺ سے محبت کی گویا اس نے اللہ ہی سے محبت کی، پس کمال ایمان کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ آپ ﷺ کی محبت لازمی ہے۔

بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حب دنیا کو ہر برائی کی جڑ اور سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ'' اگر اس ارشاد پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے، وہ کسی قسم کی برائی سے محفوظ نہیں رہتا، چونکہ اس کا مقصد دنیا کا مال ومتاع، عزت وشہرت حاصل کرنا ہی بن جاتا ہے، پس وہ اس کے لئے حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر ہمہ وقت دولت سمیٹنے میں لگا رہتا ہے، نہ اسے نمازوں

کی پروا رہتی ہے اور نہ ہی دیگر احکام الٰہی کی پابندی کا خیال آتا ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا، نیز وہ ایک اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ بخیل و کنجوس ہو جاتا ہے، اس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، حج فرض ہوتا ہے لیکن دولت کی محبت مانع آتی ہے اور وہ ان فرائض کی ادائیگی سے محروم رہتا ہے، مزید برآں یہ کہ یہ بدنصیب اس دولت سے نہ خود فائدہ حاصل کرتا ہے، نہ ہی اپنے اہل وعیال اور دیگر اہل حقوق کو فائدہ پہنچاتا ہے، بس جتنا دولت کا ڈھیر بڑھتا ہے، اتنا ہی اس کا خون بڑھتا رہتا ہے، مکرو فریب، ظلم وستم، جھوٹ اور بددیانتی غرضیکہ تمام اخلاقی برائیوں کا یہ پلندہ دن رات دولت کی دھن میں مارا مارا پھرتا ہے، دنیا میں اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہوتی ہے، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پھٹکار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، "لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ" کہ درہم و دینار کے غلام پر لعنت کی گئی ہے، دنیا کی یہ محبت انسان کو اس زندگی ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ذلیل وخوار کر دیتی ہے، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے" (ایسی محبت جو اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے زیادہ ہو) تو وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے (کہ اسے صرف حلال روزی پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے اور جو اس کے پاس ہے اس کا بھی کچھ حصہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے) پس اے مسلمانو! فنا ہونے والی چیز (یعنی دنیا کے مقابلے پر) تم باقی رہنے والی (یعنی آخرت کی کامیابی کو) اختیار کرو، (کہ بظاہر دنیاوی خسارے کی پروا کئے بغیر آخرت کی منفعت پر نظر رکھو کہ یہی تمہاری منزل ہے۔)

اے ایمان والو! دنیا کے تمام رشتوں اور پسندیدہ ترین چیزوں سے زیادہ تم اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کو پسند کرو کہ یہی وہ سبب اور ذریعہ ہے جس سے تمہیں ہر حال میں اللہ کی مدد نصیب ہوتی ہے اور تم دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہو، اپنے ماضی کی تاریخ کے اوراق پلٹو اور دیکھو جب بھی تم اللہ اور رسول ﷺ کے سچے غلام بنے، تمہاری غیبی مدد ہوئی اور کامیابی و کامرانی تمہارے حصہ میں آئی۔ لیکن جب تم نے دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو پسند کیا، ان پر اعتماد کیا تو تمہیں اس کی سزا بھگتنی پڑی، آؤ ہم تمہیں ماضی کی ایک جھلک دکھاتے ہیں تاکہ اس سے تم اپنا مستقبل سدھار سکو۔

دیکھو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس وقت متعدد مواقع پر مدد فرمائی جب تم باعتبار تعداد اور ظاہری و مادی وسائل کے کمزور نظر آتے تھے، اسی لئے دشمنان اسلام تمہیں تنگ کرتے رہتے تھے، وہ تمہیں بآسانی نگل جانے اور ختم کر دینے کے خواب دیکھا کرتے تھے لیکن تم ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن میں پناہ گزیں تھے، ان کے مطیع فرمانبردار اور غلام تھے، ہر چیز سے زیادہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کیا کرتے تھے، جس کے باعث تمہارے نزدیک نہ تو مال و دولت کی کوئی حیثیت تھی، نہ تم ترک وطن کی پروا کرتے تھے، نہ تمہیں میدان جہاد میں دشمن کی تعداد، قوت وطاقت کا کوئی خوف ہوتا تھا، ایمان کا وہ کمال تم میں موجود تھا جو ہمیں مطلوب اور پسند ہے، پس ہم نے اپنے وعدہ کے مطابق تمہاری مدد کی، غزوۂ بدر کا حال پڑھو کہ تم کیسے بے سروسامان تھے، تعداد میں صرف ۳۱۳ تھے، دشمن اپنی بڑی تعداد اور پوری قوت کے ساتھ تم

پر غالب آجانے کا یقین رکھتا تھا۔لیکن ہماری مدد نے تمہیں جو شاندار فتح و کامرانی عطا فرمائی آج تک دنیا اس پر حیرت زدہ ہے، پڑھو غزوہ بنی نضیر کا حال، غزوۂ بنی قریظہ کا حال، دیکھو میدان حدیبیہ، خیبر، تبوک اور پھر فتح مکہ میں ہم نے کس طرح تمہاری حفاظت فرمائی اور علم اسلام کو بلند رکھا، انہیں جنگوں میں نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی اکثر جنگوں (تقریباً اسی ۸۰) میں ہماری فتح ونصرت سے ہی تم کامیاب و کامران رہے، بالخصوص غزوۂ حنین کا حال پڑھو، جہاں تم تعداد، مادی وظاہری وسائل کے اعتبار سے خاصے طاقتور تھے اور تھوڑی ہی دیر کے لئے تمہیں اپنی طاقت پر ناز ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں متنبہ کرنے کے لئے ایسا تتر بتر کر دیا، تمہاری صفوں میں ایسی بھگدڑ مچی کہ اللہ کی وسیع زمین تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے اور تمہاری قوت وطاقت، جس نے تمہیں خود فہمی میں مبتلا کر دیا تھا، کچھ کام نہ آئی، جب کام آئی تو اللہ کی مدد ہی کام آئی۔

چونکہ اس موقع پر غزوۂ حنین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اسے تفصیل کے ساتھ بیان کریں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس موقع پر کس طرح اہل ایمان کی مدد فرمائی۔

غزوۂ حنین

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، رمضان آٹھ ہجری، مکہ مکرمہ فتح ہوا، قریش مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے، قرآن کے ارشاد کے مطابق ''وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا'' کے دور کا آغاز ہوا، اہل مکہ ہی نہیں بلکہ گردو نواح اور دور دراز کے لوگ مشرف باسلام ہونے لگے اور اللہ کی زمین اللہ کے ذکر سے گونجنے گی، لیکن کچھ کانٹے ایسے بھی تھے جو اب تک تروتازہ تھے اور کسی باغبان کے منتظر تھے جو انہیں تراشے، انہی میں سے ایک قبیلہ ہوازن تھا، جس کی شاخیں مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں، طائف کا مشہور قبیلہ بنو ثقیف بھی انہی کی ایک شاخ تھا، یہ لوگ نہایت بہادر، جنگجو اور دولت مند تھے اور انہیں اپنی ان خوبیوں پر خاصا گھمنڈ بھی تھا، فتح مکہ کی اطلاع ہوتے ہی ان میں تہلکہ مچ گیا، تکبر وغرور کے ان متوالوں نے اپنے انجام سے بے خبر ہو کر مسلمانوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کے لیڈر مالک بن عوف (جو بعد میں مسلمان ہوئے) بڑے ہی جوش کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، چند دن میں ہی انہوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا جو جنگی سامان سے لیس تھا، انہوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ دانشمندانہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی ہم خود ان پر حملہ کریں گے، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے اپنے لیڈر کی رائے سے اتفاق کیا، صرف دو چھوٹی شاخیں بنو کعب اور بنو کلاب، اس فیصلہ سے متفق نہ تھے۔ اللہ نے انہیں کچھ بصیرت دی تھی۔ پس انہوں نے برملا کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع ہو جائے تو ان پر غالب نہیں آ سکتی، وہ اللہ کی قوت بن کر ابھرے ہیں اور ہم خدائی طاقت سے جنگ نہیں کر سکتے، لیکن ان کی حق بات کسی نے نہ سنی اور اکثریت نے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مالک بن عوف نے اپنی قوم کو اس فیصلہ پر قائم رکھنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ تمام سپاہیوں کے ہمراہ ان کے اہل وعیال اور مال واسباب سب کچھ ہوگا تاکہ اگر کوئی فرار کی راہ اختیار کرنا چاہئے تو وہ اپنے ساز وسامان کے سبب مجبور ہو جائے۔ اس

عظیم لشکر کی تعداد چوبیس (۲۴) ہزار سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے، جو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا، تمام لوازمات زندگی ان کے ساتھ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی مکہ ہی میں قیام پذیر تھے اور نہایت مصروف تھے کہ فتح کے بعد وفود کی آمد، ان سے ملاقات، مکہ کا از سرِ نو نظم و نسق، سیاسی و معاشی امور وغیرہ درپیش تھے، انہیں حالات میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر چکا ہے، آپ ﷺ نے بلا پس و پیش مکہ سے باہر نکل کر ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، اعلان جہاد کر دیا گیا، لشکر اسلام جس میں مہاجر بھی تھے اور انصار بھی تھے جو بڑی آرزوؤں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے، مہاجر اپنے وطن کے گلی کوچوں میں ابھی اچھی طرح گھوم بھی نہ پائے تھے، انصار اللہ کے گھر کے دیدار سے ابھی اپنی نظروں کو بخوبی سیراب بھی نہ کر پائے تھے، اللہ کے سپاہیوں نے ابھی سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ جہاد کی ندا سنی، مؤمن کامل تھے، اطاعت شعار تھے، اپنے آقا کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حرم کعبہ میں جمع ہو گئے، ان میں وہ اہل مکہ بھی شامل ہو گئے جو ابھی مشرف باسلام ہوئے تھے اور وہ اس موقع کو اپنی ماضی کی غلطیوں کے کفارے کے لئے غنیمت جان رہے تھے، جنہیں شرعی اصطلاح میں ''طُلَقَاء'' آزاد شدہ کہا جاتا ہے، ان میں غزوۂ بدر کے ہیرو، حضرت ابوسفیان بھی مشرف باسلام ہونے کے بعد شامل تھے، یہ پہلا موقع تھا کہ چودہ ہزار کا عظیم لشکر اللہ کے رسول ﷺ کے گرد جمع تھا، آپ ﷺ نے جنگی ساز و سامان کا جائزہ لیا جو کچھ کم تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے قریش سے کہا کہ وہ کچھ سامان عاریۃً دیں جو انہیں واپس کر دیا جائے گا، قریش نے آپ ﷺ کے کہنے پر آپ ﷺ کے سامنے ہتھیاروں کا ڈھیر لگا دیا، صرف صفوان بن امیہ نے سو زرہیں اور تین ہزار نیزے پیش کئے۔

غرضیکہ اہل ایمان کا یہ عظیم لشکر چھ شوال بروز ہفتہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، مقام حنین پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، یہاں حضرت سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ خبر لے کر حاضر ہوئے کہ ایک گھوڑ سوار ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ قبیلہ ہوازن مع اپنے تمام ساز و سامان کے مقابلہ کے لئے آ گیا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا، فکر نہ کرو، یہ سارا ساز و سامان مسلمانوں کے لئے غنیمت بن جائے گا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حدرد کو حکم دیا کہ جاسوس بن کر دشمن کے پاس جاؤ اور حالات کا پتہ چلاؤ، وہ دو دن نہایت تدبیر اور احتیاط سے قبیلہ ہوازن میں رہے، ان کے حالات دیکھتے اور سنتے رہے، انہوں نے سنا کہ مالک بن عوف اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر اور تجربہ کار قوم سے واسطہ نہیں پڑا ہے، مکہ کے بھولے بھالے قریش سے مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا ہے اب انہیں پتہ چلے گا کہ ہم کون ہیں، اس نے کہا کہ صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کی جائے کہ ہر سپاہی کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور سب سامان ہو، اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ دو اور سب مل کر ایک ساتھ مسلمانوں پر ہلہ بول دو، اسی کے ساتھ اس نے فوج کے چند دستوں کو گھاٹیوں میں چھپ جانے کا حکم دیا تا کہ بوقت ضرورت وہ ہر طرف سے نکل کر حملہ کر دیں۔

ادھر لشکر اسلام اللہ کی عبادت، اپنے آقا ﷺ کی اطاعت اور ذکر الٰہی کی کثرت میں مشغول تھا جو اہل ایمان کی

شان اوران کی فتح وکامرانی کا راز ہے، وہ پیکر انتظار تھے اپنے آقا ﷺ کے حکم کے۔ آغاز جنگ ہوتے ہی ایمان کی عظمت وشوکت کا مظاہرہ ہونے لگا، دشمن پر بارش کی طرح تلواریں اور نیزے برسنے لگے، اسی دوران چند نو مسلم جو ابھی ایمان کی کامیابی کے راز سے ابھی طرح واقف نہ تھے اپنی قوت وطاقت پر نازاں ہونے لگے اور آپس میں کہنے لگے آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے کہ ہماری جمعیت بھاری ہے، ہمارے پاس جنگی ساز وسامان کی کمی نہیں، اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی یہ خودفہمی پسند نہ آئی اور جنگ کا رخ پلٹ گیا، قبیلہ ہوازن کی گھاٹیوں میں چھپے جتھوں نے ہر طرف سے حملہ کر دیا، گرد وغبار نے دن کو رات میں تبدیل کر دیا، "فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا" کثرت تعداد کام نہ آئی، "وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ" اللہ کی زمین باوجود وسعت کے تنگ نظر آنے لگی کہ کہاں جائیں، کہاں بھاگیں، "ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ" بس سب ہی پیٹھ پھیرے دوڑے جارہے تھے، صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ہمراہ تین سو صحابہ کو ثبات حاصل تھا، جوڈٹے رہے، جمے رہے، آگے بڑھتے رہے، اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: "ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر "سکینہ" نازل فرمادی تھی کہ وہ اپنے مقام سے نہ ہٹے، "وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" اور ایسا لشکر آیا، جس کو کوئی نہ دیکھ پایا۔

افراتفری کی یہ حالت جب اللہ کے نبی ﷺ نے ملاحظہ فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ غلاموں کو پکارو کہ اللہ کی مدد آ پہنچی ہے، نہ گھبراؤ، تم ہی کامیاب وسربلند ہوگے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے، کہا جاتا ہے ان کی آواز آٹھ میل تک پہنچ جاتی تھی، پس انہوں نے آواز دی، وہ لوگ کہاں ہیں؟ جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، وہ کہاں ہیں جنہیں سورۂ بقرہ دی گئی، وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا ہوا ہے، سب لوگ واپس آئیں، دیکھو اللہ کے رسول ﷺ یہاں ہیں، حضرت عباس کی یہ آواز میدان کارزار میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی، جوسنتا وہ پلٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دوڑتا، تھوڑی ہی دیر میں اللہ کے سپاہی یکجا ہوگئے اور دشمن سے مقابلہ کرنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ستر سردار اور بہت سے سپاہی مارے گئے اور بقیہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب سامان کو چھوڑ کر بھاگا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، دوسروں کا بھی یہی حال تھا، جسے جدھر راستہ نظر آتا بھاگتا، پوری قوم بھاگ رہی تھی، نہ کسی کو اپنے بیوی بچوں کا خیال تھا، نہ مال ودولت کا ہوش، چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی اور دیگر بے شمار سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، فتح وکامرانی قدم بوس ہوئی اور کفار کو وہ ملا جو ان کا مقدر ہے۔ "وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ" شکست وہزیمت اور ذلت وخواری کی صورت میں انہیں عذاب ملا کہ ان کا انجام یہی ہونا تھا اور جن لوگوں سے بھاگنے کی غلطی سرزد ہوگئی تھی، وہ محبوب کے غلام ہی تو تھے، "ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ" وہ اپنی غلطی پر نادم وشرمندہ تھے، اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے انہیں معاف فرمادیا، فتح وکامرانی کی سرخروئی میں وہ بھی حصہ دار تھے، مال غنیمت سے ان کو بھی حصہ ملا، کوئی انہیں محروم نہ جانے، رب غفور ورحیم، نادم وشرمندہ ہونے والوں کو محروم نہیں رکھتا۔

اے ایمان والو! دیکھا کس طرح اللہ قادر و قدیر اپنے ان بندوں پر مہربان ہوتا ہے، جو ہمہ وقت اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار رہتے اور اپنی ہر چیز سے زیادہ اللہ سے، اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ بڑے ہی خسارے اور نقصان میں رہتے ہیں جو ایمان پر کفر کو اور اللہ و رسول ﷺ کے احکام پر حکمتوں اور مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں، جو حب مال و جاہ میں مبتلا ہو کر، دین کے لئے ترکِ وطن اور جہاد سے گریز کرتے ہیں، بہانے بناتے اور اس سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں، انہیں اللہ و رسول ﷺ سے اتنی محبت نہیں ہے، جتنی اپنے آباء و اولاد سے، اپنے بھائیوں، اپنے جوڑوں اور اپنے رشتہ داروں سے ہے۔ یہ تو مال و دولت، تجارت اپنے شاندار مکانات پر شیفتہ و فریفتہ ہیں تو پھر ان کا انجام یہی ہے کہ ”فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ“ انہیں عذابِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے جو کسی وقت بھی ان پر نازل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ گناہ کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہدایت و رہنمائی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ ”وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ“

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۲

التوبہ: ۲۸ تا ۲۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (توبہ:۲۸۔۲۹)

اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں، سو وہ قریب نہ ہونے پائیں، مسجد حرام کے اس سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا بیشک، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے اسے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور نہ قبول

کرتے ہیں سچے دین کو، ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں۔

دنیا بھر کے مشرکین کے متعلق ہدایت کی جا رہی ہے کہ انہیں اس سال یعنی دس ہجری کے بعد سے ہمیشہ کے لئے مسجد حرام کے قریب بھی نہ جانے دیا جائے کہ اب اسلام غالب ہو چکا ہے۔ للہٰذا احکامِ دین کا پوری طرح نفاذ ضروری ہے، کعبۂ مقدسہ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ حدودِ حرم، نہایت ہی مقدس اور پاکیزہ ہیں، اسلام یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ اس مقدس مقام پر مشرک پوجا پاٹ کریں، مرکز توحید ہی میں وہ مشرکانہ عقائد کا مظاہرہ کریں اور جاہلانہ انداز پر سیٹیاں اور تالیاں بجا کر برہنہ طواف کریں اور اسی قسم کی دوسری رسمیں ادا کریں۔ یہ خود بھی نجس و ناپاک ہیں اور ان کے رسم ورواج، ان کی حرکات بھی احمقانہ، نجس اور ناپاک ہیں للہٰذا حدودِ حرم میں ہمیشہ کے لئے ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس حکم کو نافذ کریں کہ صاحب اقتدار مؤمن احکامِ دین کے نفاذ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

مشرکین نجس ہیں

''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ'' فرما کر قرآن کریم اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ انسان باوجودیکہ اشرف المخلوقات ہے اور احسن تقویم ہے لیکن اس کا یہ منصب و مقام، اس کے عقائد وخیالات سے متاثر ہوتا ہے کہ جب اس کے عقائد وخیالات باطل اور گندے ہوتے ہیں تو وہ بھی نجس قرار پاتا ہے اور اپنے ظاہری حسن و جمال کے باوجود اس لائق بھی نہیں رہتا کہ وہ اپنے مالک وخالق اللہ رب العزت کے گھر کے قریب تک آسکے۔

نجس بمعنیٰ نجاست ہے یعنی ہر گندگی، جس سے انسان طبعاً نفرت کرتا ہے، کبھی وہ اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتا، آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کبھی اپنی ناک بند کر کے اپنے آپ کو اس کی بو سے بچاتا ہے، بہرحال اس سے نفرت کرتا ہے، جو انسان رب وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، اس سے زیادہ گندا، بدبودار اور کون ہو سکتا ہے، وہ اپنی گندگی اور اس کی بو کو چھپانے کے کتنے ہی جتن کر لے، کتنا ہی اچھا لباس پہن لے، کتنی ہی پرفیوم اور خوشبوئیں استعمال کر لے، لیکن نہ اس کی غلاظت چھپتی ہے اور نہ اس کی بو ختم ہوتی ہے کہ شرک کی گندگی چھپائے نہیں چھپتی، پس مؤمن، جو معطر ہے، پاکیزہ ہے، مجبور ہے کہ مشرک کی طرف سے منہ پھیر لے، اس سے آنکھیں بند کر لے، ناک بند کر لے اور اللہ کے ذکر وعبادت کے مقدس مقام کو جہاں ہر وقت اہل ایمان کے ساتھ غیبی مخلوق، ملائکہ و جنات کا بھی ہجوم رہتا ہے، اس نجس قوم سے بچائے، للہٰذا ''فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ'' یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

نجاست کی تین قسمیں ہیں، ایک وہ گندی چیزیں جنہیں دیکھا جا سکتا، چھوا جا سکتا، سونگھا جا سکتا ہے، جیسے عام گندی اشیاء، دوسری نجاست و ناپاکی کی حالت جسے علم وعقل کے ذریعہ جانا پہچانا جا سکتا ہے اور اس کے متعلق احکام شرع بتائے جا سکتے ہیں، جیسے وضو یا غسل واجب ہونے کی حالت، اس کی پہچان صرف علم وعقل ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کا ثبوت صرف صاحب

حال ہی کے بیان پر موقوف ہے، تیسری وہ باطنی نجاست جس کا تعلق انسان کے باطن سے اور قلب سے ہے، جیسے عقائد فاسدہ، اخلاق رذیلہ کی گندگی، اس کا پتہ انسان کے عمل، اس کی گفتگو، اس کے عادات واطوار سے چلتا ہے جیسے کسی کو منافق کہا جا سکتا ہے۔ جب اس میں نفاق کی وہ علامات پائی جائیں۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائیں یا کسی کے مرتد ہونے کا شرعی حکم اسی وقت دیا جا سکے گا جب اس میں ارتداد کی علامتوں کا پتہ چلے، جو اس کے عمل، قول، تحریر وغیرہ سے معلوم ہو سکتا ہے، جیسے اگر کسی کا منکر ختم نبوت ہونا، گستاخ رسول ﷺ ہونا، منکر زکوٰۃ، نماز، روزہ، حج، کسی واضح حکم قرآن، مثلاً وضو، تیمم، وغیرہ ہونا ثابت ہو جائے تو اسے مرتد قرار دیا جائے گا، جس کی سزا حکومت اسلامیہ میں قتل ہے، بصورت دیگر مسلمان اس کا مکمل بائیکاٹ کریں گے۔

شرک اس قدر گندا اور بدبودار عقیدہ ہے جو مشرک کو تینوں اعتبار سے گندا کر دیتا ہے کہ عام طور پر مشرکین پیشاب، شراب وغیرہ جیسی ظاہری گندی چیزوں میں لت پت ہوتے ہیں، اسی طرح ان کے یہاں حالت جنابت، حیض ونفاس وغیرہ سے ناپاک ہونے کا کوئی تصور نہیں، نہ ہی ان حالتوں کے ختم ہونے کے بعد ان سے پاک ہونے کے لئے غسل وغیرہ کے احکام موجود ہیں اور عقائد فاسدہ کی گندگی تو ان میں ان دونوں قسم کی ناپاکیوں سے بھی زیادہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا ہر ایک کے سامنے ان کا سر جھکا نظر آتا ہے، سانپ، بندر، گائے، ہاتھی، چوہوں کی پوجا کرنے والوں کا شرک کس طرح چھپا رہ سکتا ہے، پس ان تینوں قسم کی گندیوں نے اس ظالم انسان کو ایک گندا لوتھڑا بنا ڈالا ہے، جو اب اس قابل نہ رہا کہ اسے اللہ کے گھر کے قریب بھی آنے کی اجازت دی جائے ''فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔''

مسجد حرام سے مراد یہاں حدود حرم ہے یعنی مشرکین کا داخلہ ان حدود حرم میں ممنوع ہے جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ ہیں کیونکہ یہ پورا حرم ہے جو بعض احکام شرع کے اعتبار سے مسجد حرام ہی کی طرح مقدس ہے، اس حکم شرعی میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں صرف اختلاف اس امر میں پایا جاتا ہے کہ کیا مشرکین کا داخلہ دیگر مساجد میں بھی مسجد حرم ہی کی طرح ممنوع ہے پس حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا حکم یہ ہے کہ چونکہ مشرکین ہر اعتبار سے نجس ہیں لہٰذا یہ حکم تمام مشرکین اور تمام مساجد کے لئے عام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ'' کسی حائضہ عورت یا جنبی شخص کے لئے مسجد میں داخل ہونا میں حلال نہیں کرتا، جب اہل ایمان کا ایک وقتی اور عارضی نجاست کے باعث مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے تو نجاست شرک میں ملوث لوگوں کو کس طرح اللہ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جا سکتی ہے، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب، سب کے لئے عام ہے لیکن مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے ثابت ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے سے پہلے گرفتار ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مسجد نبوی شریف کے ایک ستون سے باندھا، نیز قبیلہ بنو ثقیف کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد ہی میں ٹھہرایا۔ حالانکہ یہ لوگ ابھی تک کافر تھے۔ جب بعض صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، یہ تو نجس قوم کے لوگ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا''، لیکن اس مسئلہ میں ہمارے امام، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک نہایت

ہی واضح ہے، آپ نے فرمایا مشرکین کے نجس ہونے کا سبب ان کے کفر وشرک کی نجاست ہے۔ یہاں دیگر نجاستوں سے کوئی سروکار نہیں، لہٰذا ''فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ'' کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اب مشرکانہ انداز پر حج وطواف کی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حج کے دنوں میں جو اعلان برأت کیا تھا، اس میں بھی یہی حکم تھا، ''لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ'' کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کوئی مشرک مسجد کے قریب نہ جائے، سوائے اس کے جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا کنیز ہو تو وہ بضرورت مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، پس امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بربنائے ضرورت، حاکم وقت کی اجازت سے مشرک مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتا ہے لیکن بہرحال عام طور پر انہیں مساجد میں آنے جانے کی اجازت نہیں کہ اس سے مسلمانوں کی عبادت میں بھی خلل واقع ہو سکتا اور مسجد کے تقدس کو بھی خطرہ لاحق رہے گا کہ کسی وقت بھی موقع پا کر مشرکین اللہ کے گھر کا تقدس پامال کر سکتے ہیں۔

خطرۂ عیل

بھوک کا خطرہ، تنگدستی کا خطرہ، معاشی بدحالی کا خطرہ، کفار سے قطع تعلق اور ان پر حرم کی حدود میں ہمیشہ کے لئے پابندی سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا سارا کاروبار بند ہو جائے گا، اشیاء ضرورت نایاب اور اس قدر گراں ہو جائیں گی کہ فاقوں کی نوبت آ جائے گی، معاشی حالت تباہ و برباد ہو جائے گی کیونکہ اہل عرب بالخصوص اہل مکہ کی تجارت کا تعلق انہی کفار سے تھا جو حج کے موقع پر یا عمرہ کے لئے مکہ آتے رہتے تھے، مکہ کے قرب وجوار میں بڑی بڑی منڈیاں لگا کرتی تھیں، یہی میلے اہل مکہ کی معاشی ضروریات بھی پوری کرتے تھے اور انہی میں ان کی ثقافتی محفلیں بھی جما کرتی تھیں، ان میں عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کے میلے نہایت مشہور تھے، تقریباً تین ماہ تک ان کا سلسلہ جاری رہتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ابتداءً تبلیغ اسلام کے لئے انہی کو استعمال فرمایا۔ ظاہر ہے کفار کے حدودِ حرم میں داخلہ پر پابندی سے ان پر نہ صرف اثر پڑا بلکہ تقریباً ان کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا یہ اہل مکہ کی تجارت کا خاتمہ اور ان کی معاشی حالت کی تباہی تھی، پس قرآن حکیم نے واضح طور پر فرمایا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرمایا کہ اہل ایمان کو یہ یقین کامل رکھنا چاہئے کہ ان کی روزی کا ذریعہ کفار سے تعلقات نہیں بلکہ روزی دینے والا صرف اور صرف اللہ ہے۔

''وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ'' نہایت ہی اہم ارشاد ہے جو مؤمن کو ایک طرف تو غیر مسلموں کی محتاجی کے تصور سے آزاد کرتا ہے تو دوسری طرف یہ تصور بھی ختم کرتا ہے کہ معاشی خوشحالی، حرام ذرائع معاش اختیار کئے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، مؤمن کو اس حقیقت پر یقین کامل ہونا چاہئے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کا محتاج نہیں نیز رزق کے دروازے اہل ایمان پر تب ہی وا ہوتے ہیں جب وہ ان تک پہنچنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا، دکھایا ہوا راستہ اختیار کریں، پس معاشی ترقی کے لئے نہ تو، غیر مسلموں کے چنگل میں پھنسا رہنا ضروری ہے اور نہ سودی کاروبار، شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت میں ملوث ہونا، مؤمن کی شان یہ ہے کہ اگر کفار اپنی تجارت کے ذریعہ اس کے

سیاسی، ملکی اور مذہبی امور پر اثر انداز ہونے اور ان امور میں مداخلت کی کوشش کرنے لگیں تو ان سے مکمل تجارتی بائیکاٹ کرلیا جائے اور اللہ پر بھروسہ کر کے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے، اللہ کا وعدہ ہے کہ "فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ" اگر تم نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ اللہ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تو رب کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، وہ تمہیں خوب دے گا، غنی فرمادے گا کہ وہی خیر الرازقین ہے۔

اسی طرح مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دولت کے لالچ میں ایسا مبتلا ہو جائے کہ اسے حلال و حرام تک کا خیال نہ رہے حتیٰ کہ اس کے ذہن و تخیل میں یہ بات سما جائے یا یوں کہئے کہ اس کا یہ عقیدہ بن جائے " کہ سود کے بغیر تجارت میں ترقی ممکن ہی نہیں" یا " بالخصوص غیر مسلم ممالک میں شراب اور دیگر حرام چیزوں کے کاروبار کے بغیر تجارت کی ہی نہیں جا سکتی" یا " شراب خانوں اور قمار خانوں کی سوسائٹی اختیار کرنا، کاروباری ترقی کے لئے لازمی ہے" العیاذ باللہ، غور فرمائیے اگر یہ باتیں مؤمن کے اعتقاد میں شامل ہو جائیں اور ہو جاتی ہیں، دوستو! ہوگئی ہیں کہ اس قسم کے تصورات نے انہیں سود میں اتنا جکڑ دیا ہے، شراب اور جوئے میں وہ اتنے پھنس چکے ہیں کہ اب وہ ان کو حرام سمجھنا تو درکنار، ان کے حرام ہونے کا ذکر تک سننا گوارا نہیں کرتے، ان سے علیحدگی کو وہ اپنی تباہی و بربادی یقین کرنے لگے ہیں، پس جو لوگ حرام کو حلال سمجھنے لگیں اور اسی کو اپنی زندگی کا دارومدار بنالیں کس طرح انہیں مؤمن کہا اور سمجھا جا سکتا ہے، اللہ دولت کی ایسی ہوس سے محفوظ رکھے۔

انسان اگر اپنی یہ غلط فہمی دور کرلے کہ رزق، کسی سے تعلقات کی بنیاد پر ملتا ہے، یا حصولِ رزق کا ذریعہ انسان کی اپنی صلاحیت اور تدابیر ہیں تو یقین جانئے، حلال روزی نصیب ہوگی اور بسہولت نصیب ہوگی، اس موضوع پر قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے صرف چند پر غور کرتے چلیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الروم: ۳۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں۔

کیسا ایمان افروز ارشاد ہے، اللہ جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے اس پر دولت کی برسات برسا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے پیسہ پیسہ کا محتاج کر دیتا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہم بآسانی اپنے گرد و پیش میں دیکھ سکتے ہیں، حرام ذریعوں سے کمانے والے بھی سب کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اکثر ناکام رہتے ہیں اور حلال روزی حاصل کرنے والے بھی سب ناکام نہیں رہتے بلکہ اکثر کامیاب رہتے ہیں، پس مان لینا چاہئے کہ رزق کی کشادگی یا تنگی اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہے، اس حقیقت کا اعتراف صرف اور صرف اہل ایمان ہی کر سکتے اور جو اس حقیقت کو دعویٰ ایمان کے باوجود تسلیم نہیں کرتے وہ کیا ہیں؟ ظاہر ہے ایمان والے نہیں، اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ (الملک: ۲۱)

کیا کوئی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کرے، لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

غور فرمایئے، رزق کے اگر دروازے بند ہو جائیں تو نہ حرام ذرائع کام آتے ہیں نہ تدبیریں کام آتی ہیں، بڑے بڑے مستحکم کاروبار کرنے والے دولت مندوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ پیسہ پیسہ کو محتاج ہو گئے، کوئی در ایسا نہیں ملتا جہاں ان کی پذیرائی ہو سکے، حتیٰ کہ ان کے اپنے بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہیں اور وہ کبھی تو جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے نظر آتے ہیں اور کبھی گلی، کوچوں، بازاروں میں بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ اکثر یہ حال انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنے معاش کی بنیاد حرام ذرائع کو بنائے ہوتے ہیں اور اس کے بغیر وہ حصول دولت ممکن ہی نہیں سمجھتے۔

اے ایمان والو! تم خطرۂ عیلہ میں کیوں کر مبتلا ہوتے ہو، اس خطرے میں تو وہ پڑے جس نے اپنے رزق کی ذمہ داری خود سنبھالی ہے، اللہ کے رزاق ہونے کا اسے خیال ہی نہیں رہا، مؤمن تو رزاق حقیقی اللہ کو مانتا اور جانتا ہے، پس وہ محنت و مشقت کر کے اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور جو کچھ اسے اللہ دیتا ہے، وہ اسی کو بادشاہِ حقیقی کی طرف سے اپنی تنخواہ، اپنا حصہ یقین کرتا ہے اور اسی پر قناعت کرتا ہے وہ سود، رشوت، جوئے کے ذریعہ دولت مند بن کر اپنے مالک کا مجرم نہیں بننا چاہتا کہ وہ جانتا ہے جب مالک کی طرف سے پکڑ ہوگی اور ضرور ہوگی دنیا میں نہیں تو آخرت میں ہوگی اور ایسی پکڑ ہوگی کہ اس کی جکڑ سے کوئی نجات نہ دلا پائے گا'' اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ۔ ''

اے ایمان والو! تم معاشی ترقی یا بدحالی کی فکر میں مبتلا نہ ہو، ہم تمہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیں گے، '' نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ '' رزق دینا ہماری ذمہ داری ہے تم ہمارے سپاہی ہو، فوجی ہو، اپنا کام کرو، اس کی اُجرت تمہیں ضرور ملے گی اور تمہارا کام ہماری اطاعت و فرمانبرداری، ہمارے احکام کی تعمیل، ہماری رضا کے لئے زندگی کے شب و روز بسر کرنا ہے، حتیٰ کہ ہمارے باغی، جو نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن کو مانتے ہیں اور نہ ہی وہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کر دیا ہے، جب ان کے سامنے دعوت حق پیش کی جائے تو وہ فرار اختیار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں، یہ باغی چاہے کفار و مشرکین ہوں یا اہل کتاب، اگر یہ تمہارے دینی و مذہبی امور میں مداخلت کریں، تمہیں اعلاءِ کلمۃُ الحق سے روکنے کے لئے سیاسی و معاشی ذرائع استعمال کریں تو تم حکمت و مصلحت کا خیال کئے بغیر، ان کی قوت و طاقت کو خیال میں لائے بغیر ان سے جہاد کرو اگر وہ جزیہ دے کر تمہارے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم ان سے جزیہ قبول کرلو اور اس کے بدلے میں تم ان کی جان، عزت و آبرو اور مال و دولت کی قانونی حفاظت کرو، ان کو سیاسی و مذہبی حقوق دو لیکن اگر وہ تمہارے خلاف، تمہارے دین کے خلاف سازشیں کریں، تمہاری صفوں میں انتشار پیدا کریں، تمہیں لڑانے کی کوشش کریں تو تم تلوار سے ان کا مقابلہ کرو اور ہرگز عیلہ کا خطرہ نہ کرنا کہ سب سے بڑی دولت ایمان ہے، دین ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو ہر طرح اللہ تمہارا معاون و مددگار ہوگا۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۳

التوبہ: ۳۴ تا ۳۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا
يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا
فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ
يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ

اَعْمَالِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ: ۳۴۔۳۷)

اے ایمان والو! بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے، اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی، جس دن تپایا جائے گا (یہ سونا، چاندی) جہنم کی آگ میں، پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انہیں بتایا جائے گا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے لئے تو (اب) چکھو (سزا اس کی) جو تم جمع کیا کرتے تھے، بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ماہ ہے، کتابِ الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، ان (مہینوں) میں سے چار عزت والے ہیں، یہی دین قیم ہے، پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں تم اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے، جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں، گمراہ کئے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال۔ تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے، آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کرتی ہے۔

اکثر پادری اور راہب لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں، عیسائی پادریوں اور راہبوں کے متعلق دو باتیں بتائی گئیں، ان کی تفصیل سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ ان دونوں باتوں کا تعلق ہم سے اہل ایمان سے نہیں کہ عیسائی کیا کرتے ہیں، ہمیں کیا واسطہ؟ لیکن اہل ایمان کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو عیسائی پادریوں اور راہبوں کا کیا حال ہے، مقصود یہ ہے کہ تم ایمان کی دولت سے مالا مال ہو، تم سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو، تم خیر الامم ہو، ہم تمہیں عیسائیوں کی اس بدعملی سے آگاہ کر رہے ہیں تاکہ تم محتاط رہو، اس بدعملی میں مبتلا نہ ہونے پاؤ، اگر تم خود علم و فضل کے بلند مقام پر فائز ہو تب بھی بچنا اور اگر تمہارے علماء و مشائخ ایسا کریں تو انہیں بھی روکنا، اس بدعملی میں ان کا ساتھ نہ دینا، ان کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرنا۔

پادریوں اور راہبوں کا حال

قرآن کریم عیسائی پادریوں اور راہبوں کا حال بیان کرتے ہوئے ان کے دو عیب ہمیں بتا رہا ہے ایک یہ کہ وہ اپنی قوم کا مال ناجائز طریقہ سے کھسوٹتے ہیں اور ہڑپ کر جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، نزول قرآن کے دور میں بھی ان لوگوں کا یہی حال تھا اور آج اس سے بھی بدتر حال ہے، مثلاً یہ لوگ اپنے عوام کو یہ یقین دلاتے رہتے تھے کہ انہیں اللہ اور یسوع مسیح کے دربار میں خصوصی قرب حاصل ہے جس کے نتیجے میں انہیں جنت کا ٹھیکیدار بنا دیا گیا ہے، اب ان کی

اجازت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جب ان کا کوئی معتقد مر جاتا تھا تو اس کے ورثاء کو پہلے کسی پادری یا راہب سے پروانۂ جنت (جنت کا ٹکٹ) حاصل کرنا ہوتا تھا جو مردے کے کفن میں رکھ دیا جاتا اور یہ یقین کرلیا جاتا کہ اب اسے جنت میں داخل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس پروانہ کے لئے ورثاء کو ان کی منہ مانگی فیس ادا کرنا ہوتی تھی، نیز ان لوگوں کا اس دور میں امور حکومت میں عمل دخل تھا، لہٰذا یہ متعلقہ حکام سے ان کے غلط سلط کام کراتے اور بھاری رقوم بطور رشوت وصول کرتے تھے، اسی طرح جب ان کی شریعت کا کوئی حکم کسی امیر یا شہزادے کو مجرم قرار دیتا تو یہ اس سے منہ مانگی فیس لے کر اس حکم ہی کو بدل ڈالتے اور یوں مجرم سزا سے بچ جاتا تھا، کبھی یہ دولت مندوں سے پیسے وصول کر کے حرام کو ان کے لئے حلال قرار دے دیتے تھے، اس طرح یہ اپنی قوم میں دولت مندترین طبقہ تھا، اسی دولت سے وہ عوام کی امداد کا ڈھونگ رچا کر انہیں قرضے دیتے اور ان سے بھاری سود وصول کر کے ان کا خون چوستے تھے، انہوں نے اپنی سادہ لوح اور جاہل قوم کو اتنا دبایا ہوا تھا کہ وہ ان کی ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور تھے قرآن کریم نے اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

(توبہ: ۳۱)

انہوں نے بنالیا اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو (اپنا) رب اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بن مریم کو بھی۔

یعنی مسیح بن مریم نے بھی انہیں یہ حکم نہ دیا تھا کہ وہ پادریوں اور راہبوں کی پوجا کرنے لگیں اور انہیں راضی کرنے کے لئے ان کی ہر بات کو شریعت جانیں اور اس پر عمل کریں۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ پہلے عیسائی تھے، جو مشرف باسلام ہوئے، قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ کے متعلق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم تو اپنے پادریوں اور راہبوں کو ہرگز رب نہیں مانتے، پس اللہ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال کرتے ہیں تو کیا تم ان کی اس بات کو نہیں مانتے تھے، عدی نے عرض کی، جی، یارسول اللہ ﷺ، ایسا تو ہم کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہی تو ہے ان کو رب ٹھہرانا (کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانا، قانون سازی اور شریعت سازی ہے، جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کو حق نہیں)

ان احبار و رہبان کا دوسرا عیب یہ بتایا گیا ''يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' یہ ظالم قوم کے رہبر و رہنما ہیں ان کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ یہ قوم کو ضلالت و گمراہی سے روکیں، اپنے دین کی صحیح تعلیم انہیں دیں۔ لیکن یہ اپنی ذمہ داری کے بالکل برعکس قوم کو مزید اندھیرے میں دھکیلتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ جاہل ہی رہیں تاکہ یہ اپنی من مانی کرتے رہیں ان کے مکرو فریب پر پردہ پڑا رہے اور یہ لوگوں کو اسی طرح بے وقوف بنا کر ہمیشہ ان کی دولت سمیٹتے رہیں، ان کا خون چوستے رہیں۔

یہی کیفیت عیسائیوں کی آج بھی ہے، پوری قوم کو ان کے عالموں نے ہی دنیا اور دولت کا ایسا رسیا بنا دیا ہے کہ وہ اپنے عیش و عشرت میں مست رہتے ہیں، دین سے بالکل بے بہرہ ہیں، چرچ اور دنیوی امور بالکل علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے

ہیں پادری اور راہب ان کے ارباب بنے بیٹھے ہیں، چرچ کی شاندار بلڈنگوں پر ان کا قبضہ ہے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں، قوم کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ چرچ میں کیا ہو رہا ہے، بس جب کوئی مرتا ہے، پیدا ہوتا ہے، کسی کی شادی ہوتی ہے، تو وہ چرچ کا رخ کرتا ہے اور پادری کو اس کی منہ مانگی فیس دے کر اپنا کام کرا کے چلا آتا ہے، تحقیق تو نہیں لیکن سنا ہے کہ آج بھی پروانۂ جنت کا رواج موجود ہے۔

اے ایمان والو! تم ان احبار و رہبان کا حال دیکھو، ان کی حرکتوں نے ان کے دین کا کیسا حلیہ بگاڑا ہے، تم ایسے نہ ہو جانا، دین کا شعور اپنے اندر پیدا کرو تا کہ کوئی مکار تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر سکے، اپنے علماء و مشائخ کا ضرور احترام کرو۔ لیکن انہیں ارباب نہ سمجھ بیٹھو کہ وہ جو چاہئیں کرتے رہیں کہ یہ بڑی گمراہی ہے، اللہ اس کو پسند نہیں فرماتا۔

ہمارے علماء و مشائخ کا حال

یہ بھی ایک ثبوت ہے، اس دین متین کی حقانیت کا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو سب ہی بحر علم و فضل تھے ہی، جن کے علم کا مقابلہ و موازنہ ممکن ہی نہیں کہ ان خوش نصیب حضرات نے بلا واسطہ معلم کامل ﷺ سے علم وافر پایا، لہٰذا یہ جدھر گئے علم کے چشمے بہاتے گئے، ان سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں علم کی شمع روشن ہوئی اور نتیجتاً اس امت کو اس کثرت سے علماء دین نصیب ہوئے کہ جن کو شمار کرنا ممکن نہیں ہاں دعویٰ کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیگر مذاہب ماننے والی اقوام میں علماء کی اتنی کثرت تو کجا اس کا عشر عشیر بھی نہیں، ان علماء میں محدثین بھی ہیں، مفسرین بھی، مجدد بھی ہوئے اور فقہاء بھی، اولیاء بھی ہوئے اور اصفیاء بھی، حکماء بھی ہوئے اور فلاسفہ بھی اور ادباء، شعراء و مؤرخین بھی ہوئے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سب نے اپنے اپنے دور میں حفاظت و اشاعت دین کے سوا کچھ نہ کیا۔ کسی کی مجال نہ ہوئی کہ اس نے امراء و حکام سے منصب و مراتب حاصل کرنے یا ان سے خوفزدہ ہو کر یا ان کی دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر شریعت کے کسی حکم میں تبدیلی و تحریف کا ارتکاب کیا ہو، اس کے برعکس وہ ہمیشہ حق گوئی کی سزا پاتے رہے، جیلوں کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، اپنے جسم پر کوڑوں تک کی اذیت جھیلتے رہے، لیکن دین فروشی کے بدترین جرم میں ملوث نہ ہوئے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں قوم کو جنت کی خوشخبری ضرور دیتے رہے، دوزخ سے ضرور ڈراتے رہے، لیکن اللہ شاہد ہے کہ کبھی کسی نے جنت کا ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ نہ کیا، ہاں انہوں لوگوں کو وہ راستہ دکھایا جو جنت کی طرف لے جاتا ہے اور اس راستہ سے ہٹایا جو دوزخ کو جاتا ہے، امت پر بطفیل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کا یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے رہبری و رہنمائی کے لئے ہر دور میں علماء کو پیدا فرمایا، بحمد اللہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہ حضرات ہر دور میں نہایت ہی استقلال و استقامت کے ساتھ، دین کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا مقابلہ کرتے رہے اور اپنی صلاحیت اور اللہ کی نصرت و حمایت سے حفاظت دین کے مشن میں کامیاب رہے، انہوں نے ہمیشہ یہی درس دیا کہ دین مکمل ہو چکا، لہٰذا اس میں کسی مصلحت و حکمت یا تقاضائے وقت کی بناء پر ذرہ برابر بھی کمی زیادتی کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کا کسی کو اختیار ہے، یہی وجہ ہے کہ دین آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، جبکہ دیگر مذاہب ہر دور میں حکمتوں اور مصلحتوں کا

شکار ہوتے رہتے ہیں، بدلتے رہتے ہیں، اتنے بدلے کہ ان کی اصلیت ختم ہوگئی، شکل وصورت بگڑ گئی، بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ان مذاہب کے لالچی یا بزدل علماء نے خود ہی اپنے دین کو مُثلہ کر ڈالا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح اور شرعی احکام ومسائل کی توضیح وتنقیح سے متعلق لٹریچر کا جو عظیم خزانہ بحمد اللہ، علماء اسلام نے اپنی قوم کو دیا، وہ احبار ورہبان یا کسی مذہب کے علماء اپنے ماننے والوں کو مہیا نہ کر سکے، یہی حال تاریخ کا ہے کہ مؤرخین اسلام نے اس موقع پر جس بسط وکشادے کے ساتھ کام کیا اور جو عظیم ذخیرہ فراہم کر دیا اس کی نظیر بھی کہیں نہیں ملتی، یورپ کی کسی لائبریری کا تذکرہ آیا، ہمیں بتایا گیا کہ وہاں اسلام سے متعلق نہایت نایاب ذخیرہ موجود ہے، ہمیں اشتیاق ہوا، وہاں پہنچے تو سچ جانئے اتنی کتابیں بھی نہ تھیں جو تقریباً ہمارے ہر دینی مدرسہ میں ہوتی ہیں، نہ صرف مدارس میں بلکہ انفرادی طور پر ہمارے علماء کے پاس ہوتی ہیں، بحمد اللہ ہمارا لٹریچر، دنیا کی ہر زبان میں بکثرت موجود ہے اور اس میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے، ہالینڈ کی ڈچ زبان میں چند برس پہلے تلاش بسیار کے باوجود بھی ہماری کوئی کتاب میسر نہ آتی تھی، اب بحمد اللہ کافی کتابیں اس زبان میں بھی شائع ہو چکیں اور مزید شائع ہونے والی ہیں، بہر حال یہ ہمارے علماء ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ ہم علم کی دولت سے مالا مال ہیں اور ہمارا دین محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا، ہم اس سلسلہ میں مطمئن ہیں کہ یہ دین کامل عطا فرمانے والے رب قدیر کا وعدہ ہے کہ ''نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ'' کہ ہم نے تمہیں یہ دین عطا فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے، یہی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ ہر دور میں اہل علم کا ایک عظیم لشکر پیدا فرما دیتا ہے جو کما حقہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے علماء ومشائخ پر، خدمت دین کا یہ عظیم منصب انہیں مبارک رہے، اللہ نہ کرے کہ وہ احبار ورہبان کی طرح دین فروش بنیں اور اس کی تباہی وبربادی کا باعث ہو جائیں کہ جس قوم کے علماء ومشائخ بد دیانت، عیش پرست، بدکردار اور دین کے باغی ہو جاتے ہیں وہ تباہ وبرباد اور نیست ونابود ہو جاتی ہے، اللہ اس عذاب سے محفوظ رکھے۔

اے ایمان والو! ان احبار ورہبان کی طرح دولت کے لالچ میں مبتلا ہو کر تم دین فروشی کی راہ اختیار نہ کر لینا کہ دولت کا یہ ڈھیر تو حرام ذریعہ سے جمع کردہ ہے جبکہ وہ دولت جو حلال ذرائع سے حاصل کی جائے اس میں سے بھی اگر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے تو عذاب الٰہی کا سبب بن جاتی ہے، جس کی قیامت میں ایک صورت یہ ہوگی کہ تمہارا جمع کردہ سونا چاندی تختیوں اور مہروں کی صورت میں ڈھالا جائے گا، پھر اسی سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور تمہیں جتانے اور بتانے کے لئے عذاب کا فرشتہ کہتا جائے گا ''هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ'' یہ ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ''فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ'' پس جو تم جمع کرتے رہے، آج اس کا مزا چکھو۔

مسئلہ کنز اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

یہ تو کرم ہے نبی رحمت کا کہ آپ ﷺ نے حلال ذرائع سے دولت کمانے کی اجازت مرحمت فرمائی، جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تاہم زکوٰۃ ادا کرنے، اہل حقوق کا حق ادا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی دیا گیا، قرآن کریم جس دولت کو

''کنز'' خزانہ فرماتا ہے، یہ وہ دولت ہے جس سے زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہی دولت عذابِ الٰہی کا باعث ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام اور امت کا ہر دور میں اس امر پر اجماع رہا ہے کہ جس دولت سے زکوٰۃ ادا کی گئی ہو وہ کنز اصطلاحی نہیں۔ تاہم ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں جو جلیل القدر صحابی ہیں، ذی علم ہیں، جن کے تقویٰ اور پرہیزگاری میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔ لیکن بہر حال اسے ان کا زہد کہئے یا اجتہاد کہ وہ کھانے پینے اور دیگر نہایت ہی اہم لوازمات زندگی کے علاوہ جمع کردہ ہر دولت کو کنز ہی میں شمار کیا کرتے تھے اور نہ صرف یہ فتویٰ دیتے تھے بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے تھے، دمشق میں قیام کے دوران امراء کو بڑی ملامت کرتے رہے، حاکم وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت کوشش کی، بہت سمجھایا کہ وہ ایسا نہ کریں یہاں تک اعلان کرادیا کہ ابوذر کی محفلوں میں کوئی نہ بیٹھے، متقی اتنے تھے کہ اس اعلان پر ناراض نہ ہوئے بلکہ اطاعت امیر کے شرعی مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو خود روکا کرتے تھے کہ میری محفل میں نہ آیا کرو، امیر کے حکم کی تعمیل کرو، جو فرض ہے، بالآخر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجبوراً خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عرضی روانہ کی کہ ابوذر سے دمشق میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے، بڑی ہی مہربانی ہوگی کہ آپ انہیں اپنے پاس مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ بلالیا، یہاں بھی انہوں نے اپنا کام شروع کردیا، مدینہ کے گلی کوچوں میں مسئلہ کنز پر لڑائی جھگڑے، بحث مباحثے ہونے لگے، حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے تو دوران بحث یہاں تک نوبت آپہنچی کہ حضرت ابوذر نے جذب کی حالت میں انہیں یہودی کہہ دیا اور اپنا ڈنڈا تان کر انہیں مارنے دوڑ پڑے، پورے شہر نے دیکھا کہ ایک جلیل القدر صحابی، کعب الاحبار بھاگ رہے ہیں اور دوسرے جلیل القدر صحابی، حضرت ابوذر غفاری ڈنڈا لئے ان کا پیچھا کر رہے ہیں حتیٰ کہ یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی ابوذر نے ان کے ایک ڈنڈا رسید کر ہی دیا۔ جس کا اثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پر بھی ہوا، خیر یہ تو ان حضرات کا دین سے شغف تھا جو نہ اس وقت قابل مذمت تھا اور نہ آج اس کی مذمت کی جا سکتی ہے۔

بہر حال یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا جس میں وہ تنہا ہی رہے اور ایسے تنہا ہوئے کہ بالآخر انہوں نے مدینہ چھوڑنے اور کسی سنسان جگہ جا کر زندگی کے بقیہ ایام گزارنے کا فیصلہ کرلیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بے حد اصرار پر وہ رَبَذَہ میں قیام کرنے پر راضی ہوئے، وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے، وقت وصال آپ کے پاس صرف آپ کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی تھیں، اس جلیل القدر صحابی کو نہ کوئی کفن دینے والا تھا، نہ دفن کا انتظام کرنے والا تھا، بمشکل تمام آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور ربذہ کے چند لوگوں نے آپ کا جنازہ شارع عام پر لا کر رکھ دیا، یہ اتفاق تھا کہ کوفہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ہمراہ عمرہ کے لئے اس راہ سے گزرے، لوگوں نے قافلہ دیکھ کر کہا، یہ ابوذر صحابی رسول اللہ ﷺ کا جنازہ ہے، ان کی تدفین میں ہماری مدد کرو، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آواز سنتے ہی کانپ گئے، سواری سے اترے، جنازہ پڑھایا اور حضرت ابوذر کو دفن کیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا، ''اے ابوذر! تمہیں مبارک ہو کہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہارے متعلق فرمایا تھا کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھے گا۔"

بہرحال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مختصر حال درمیان میں آ گیا، دلچسپ ہے، سبق آموز ہے، اس لئے ہم نے لکھ دیا، عرض یہ کر رہے تھے کہ کنز، وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ تک ادا نہ کی گئی ہو، یہ عذاب الٰہی کا سبب ہے، قرآن کریم اہل ایمان کو ایسی دولت جمع نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ پر ہم پیچھے کافی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، ضرورت ہو تو دوبارہ ان اوراق پر نظر ڈال لیجئے۔

مہینوں کی تعداد

قرآن حکیم، ایک نظامِ حیات ہے لہٰذا وہ ہمارے لئے دیگر لوازماتِ زندگی کی طرح ایام و اوقات اور مہینوں کا بھی بیان فرماتا ہے۔ بتایا گیا کہ قمری مہینوں کی تعداد بارہ ہے جو کسی مؤرخ یا منجم کی مقرر کردہ نہیں بلکہ اللہ خالق ماہ و ایام نے خود اسی دن مقرر فرما دی تھی اور لوح محفوظ میں اس کو برائے حفاظت لکھ دیا تھا۔ جس دن اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تمام شرعی احکام میں انہیں مہینوں کا اعتبار ہے، جیسے ایام عدت، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ کیونکہ یہ مہینے کسی خاص موسم کے ساتھ منجمد نہیں ہیں، سال کے ہر موسم میں واقع ہوتے رہتے ہیں، ان سے عبادت میں تنوع پیدا ہوتا ہے کہ کبھی گرمی کے طویل ایام کے روزوں کا لطف آتا ہے تو کبھی سردی کی طویل راتوں کی عبادت کا مزا ملتا ہے، کبھی موسم گرما میں حج کی مشقت کا ثواب ہوتا ہے تو کبھی موسم سرما و بہار میں حج کی لذت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تعمیل کے لئے انہیں مہینوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دنیوی امور کے حساب و کتاب کے لئے شمسی مہینوں کا اعتبار بھی جائز ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝

(اسراء: ۱۲)

اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ (دن کے اجالے میں) تم تلاش کرو رزق اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب اور ہر چیز کو ہم نے بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔

تاہم قمری مہینوں کا حساب رکھنے کے لئے پابندی سے ہر ماہ چاند دیکھنا اور اس کی تاریخ یاد رکھنا فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی بستی کے سب مسلمانوں نے قمری تاریخوں کو بھلا دیا تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر سب نے مل کر ایک مخصوص کمیٹی رویت ہلال کمیٹی تشکیل دے دی تو سب اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے، چاند کے سلسلے میں رؤیت کا اعتبار ہے صرف حساب، یا آلاتِ جدیدہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، فیکس وغیرہ کی خبر کا اعتبار نہیں۔

بہرحال سال کے بارہ مہینے، اللہ رب العزت جل مجدہ کے مقرر کردہ ہیں جن میں سے چار نہایت ہی محترم، بڑے برکت والے ہیں، ان کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان مہینوں کے شب و روز میں عبادت و اعمال صالحہ کا ثواب بھی زیادہ ہوتا

ہے اور ان میں ہر قسم کا قتل وقتال، جنگ وجدال، فتنہ وفساد حرام قرار دیا گیا ہے جس کی پابندی تمام سابقہ شریعتوں میں بڑی ہی شدت کے ساتھ کی جاتی تھی، ہماری شریعت میں بھی ان کی حرمت باقی ہے لیکن جہاد نہ کرنے کا حکم اسی آیت کے اگلے جملے سے منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ دشمن اسلام نہایت ہی مکار وفریبی ہے، وہ اہل اسلام کو نقصان پہچانے میں کسی ضابطہ وقانون کا لحاظ نہیں رکھتا ممکن تھا کہ مسلمان ان چار مہینوں کی حرمت سے مجبور ہو کر دشمن کے مقابلہ سے گریز کرتے اور وہ انہیں نقصان پہنچا کر اپنا مقصد پورا کر لیتا، پس قرآن کریم نے حفاظت دین وملت کے لئے اہل ایمان کو ان ماہ میں بھی دشمن سے چوکنا رہنے، جہاد کے لئے تیار رہنے اور اگر ضرورت پیش آئے تو دشمن کی سرکوبی کرنے کی اجازت دیدی، حرمت والے یہ چار مہینے جنہیں اشہر حرم کہا جاتا ہے، یہ ہیں، تین مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ اور بارہ مہینوں کے نام یہ ہیں، جن حضرات کو یاد نہ ہوں، وہ یاد کر لیں، بچوں کو بھی یاد کرانا چاہئیں کہ ان مہینوں سے ہی ہمارے دینی امور کا حساب ہوتا ہے لہٰذا انہیں یاد رکھنا چاہئے۔

قمری مہینے اور وجہ تسمیہ

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔

صاحب روح البیان نے ان مہینوں کو فارسی کے ایک شعر میں جمع کر دیا ہے، ملاحظہ ہو:

چوں محرم بگذرد آید بز تو صفر
پس بیعین و جمادین و رجب آید ببر
باز شعبانست و ماہ صوم وعید ذی القعد
بعد ازاں ذی الحجہ نام ماھہا آید بسر

ان کے ناموں کی وجہ (وجہ تسمیہ) بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں، محرم کو محرم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اہل عرب اس کا بہت احترام کرتے تھے، اس میں قتل وقتال کو حرام جانتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی سامنے آ جاتا تو بیٹا اس سے کچھ نہ کہتا، بس منہ پھیر کر چلا جاتا، صفر کے معنیٰ ہیں خالی، چونکہ اس ماہ تک اہل عرب کی سال بھر کی کمائی ختم ہو جاتی تھی، ان کی جیب پیسوں سے اور ان کے گھر ساز وسامان سے خالی ہو جاتے تھے، لہٰذا انہوں نے اس ماہ کا نام ہی صفر رکھا ہوا تھا، ہمارے یہاں بھی عورتوں کی اصطلاح میں اس مہینے کو خالی کا مہینہ ہی کہا جاتا ہے اور وہم یہ کیا جاتا ہے کہ یہ مہینہ رحمت وبرکت سے خالی ہوتا ہے، یہ سب بکواس ہے، مؤمن کا کوئی لمحہ اللہ کی رحمت اور برکت سے خالی نہیں ہوتا، ربیع کے معنیٰ بہار کے ہیں، عرب میں تقریباً ساٹھ دن موسم بہار کے صفر کے بعد آتے تھے لہٰذا وہ ان ایام کو ربیع الاول اور ربیع الثانی کہا کرتے، جماد کے معنیٰ ہیں جم جانے کے، موسم بہار کے بعد موسم سرما شروع ہو جاتا ہے اور بعض جگہ اتنا سخت ہوتا تھا کہ پانی تک جم جاتا تھا، لہٰذا اہل عرب نے ان دنوں کو جمادی الاول اور جمادی الثانی کا نام دیدیا، رجب کے معنیٰ عظمت واحترام کے ہیں، اہل عرب ان دنوں کا بہت احترام کرتے حتیٰ کہ اس میں بھی قتل وقتال کو حرام جانتے تھے، لہٰذا ان ایام کو وہ رجب کہتے تھے بالخصوص عرب کے ایک

بڑے مشہور قبیلے میں اس کا بہت ہی احترام ہوتا تھا، صدقہ و خیرات اور خصوصی عبادات اسی مہینہ میں زیادہ کرتے تھے، یہ قبیلہ مضر تھا، اسی لئے اس ماہ کی ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور اسے رجب مضر کہا جاتا ہے جیسا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر فرمایا، ''رَجَبُ مُضرِ الَّذِیْ بَیْنَ جَمادِیْ وَ شَعْبَانَ'' رجب مضر وہ مہینہ ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے، شعبان کے معنیٰ منتشر ہو جانے، پھیل جانے کے ہیں، عام طور پر ان دنوں میں اہل عرب بغرض تجارت سفر کرتے اور مختلف شہروں میں پھیل جاتے تھے، لہٰذا وہ ان ایام کو شعبان کہا کرتے تھے، رمضان کے معنیٰ جلا دینے والی گرمی کے ہیں، جس وقت اس مہینہ کو یہ نام دیا گیا چونکہ ان دنوں سخت گرمی تھی، لہٰذا اسے رمضان کہا گیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو نزول قرآن کے لئے منتخب فرمایا تو یہ گناہوں کو جلا دینے والا، رحمت و مغفرت والا مہینہ ہو گیا اور اللہ نے اس کو اپنے عظیم کلام قرآن کریم اور دیگر سابقہ کتابوں اور صحیفوں کے نزول کے لئے اس لئے پسند فرمایا کہ رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے کہ ارشاد ہوا، ''لَا تَقُوْلُوْا جَآءَ رَمَضَانُ وَذَھَبَ رَمَضَانُ وَلٰکِنْ قُوْلُوْا جَآءَ شَھْرُ رَمَضَانُ فَاِنَّ رَمَضَانَ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی''، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور رمضان گیا بلکہ کہا کرو کہ رمضان کا مہینہ آیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، شوال کے معنیٰ کسی چیز کے اٹھ جانے کے ہیں، اہل عرب کہا کرتے تھے کہ یہ مہینہ گناہوں کے اٹھ جانے کا ہے، رمضان کے مقدس ایام اور اس کی عبادت نے نفس امارہ کی قوت و شہوت کو ختم کر دیا ہے، ذیقعدہ، یعنی بیٹھنے کے دن۔ اہل عرب عموماً ان دنوں میں اپنے گھروں پر آ جاتے تھے اور حج کا انتظار کیا کرتے تھے، لہٰذا اس مہینے کو وہ بیٹھنے یا انتظار کرنے کا مہینہ کہتے تھے، ذی الحجہ، اس کے معنیٰ ظاہر ہیں، حج والا مہینہ،

واللہ و رسولہ اعلم

یہ کچھ دلچسپ معلومات درمیان میں آ گئیں جو ہم نے لکھ دیں، اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مہینے اللہ کے مقرر کردہ ہیں، جن میں چار اشہر حرم ہیں، اہل عرب شریعت ابراہیمی کی اتباع کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چار مہینے محترم و معزز تھے لہٰذا وہ بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے، وہ جس دین کی بھی اتباع و پیروی کے دعویدار تھے وہ اس کے احکام کو جس طرح چاہتے اپنی سہولت و ضرورت کے مطابق تبدیل کر لینے کے عادی تھے، اشہر حرم کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا، کبھی جنگ و جدل کرتے، کوئی محترم مہینہ آ گیا تو فیصلہ کر لیا کہ یہ محرم نہیں صفر ہے، محرم اس کے بعد والا مہینہ ہو گا، کبھی رجب کو شعبان قرار دے لیا تو کبھی ذی الحجہ کو صفر کر دیا، غرضیکہ اپنی ضرورت کے مطابق جو چاہتے کرتے رہتے ہیں، ''یُحِلُّوْنَهٗ عَاماً وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا'' حلال قرار دے لیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام بنا لیتے ہیں اسی کو دوسرے سال ''لِّیُوَاطِؤُا عِدَّةَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ'' تاکہ بس پوری کر لیں ان مہینوں کی تعداد جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے، اسلام ان لغویات کو کیسے برداشت کر سکتا ہے، شریعت کے احکام میں تغیر و تبدل کا حق سوائے اللہ اور رسول ﷺ کے، کسی کو نہیں، اگر اس طرح سب ہی اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کرنے لگیں تو دین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا، پس اللہ جل مجدہ ہدایت فرماتا ہے کہ

اے ایمان والو! تم کفار جیسی حرکتیں نہ کرنا، اللہ کا فیصلہ اٹل جانو، دیگر احکام کی طرح اشہر حرم بھی اٹل ہیں، انہیں ادھر ادھر کرنے کا تمہیں کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی تم ان کی بے حرمتی کے مجاز ہو،''فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ'' ان کی بے حرمتی کرنا، خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے، لہٰذا تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا، ان مہینوں میں دیگر مہینوں کی بہ نسبت اللہ کو زیادہ یاد کرنا، اس کی عبادت زیادہ کرنا، صدقہ وخیرات اور دیگر اعمالِ صالحہ بکثرت کرنا، ہاں ہم نے سابقہ شریعتوں کی طرح پہلے تمہیں بھی حکم دیا تھا کہ اشہر حرم میں جہاد نہ کرنا لیکن اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں اور تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ اگر کفار تم سے برسر پیکار ہوں تو تم بھی پوری قوت کے ساتھ ان سے قتال کرنا کہ دین کی حفاظت دیگر احکام کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو دین کس طرح باقی رہ سکتا ہے اور دیکھو دشمن کی قوت وطاقت سے ہرگز خوفزدہ نہ ہونا اور نہ ہی کسی مصلحت وحکمت کی بناء پر اس سے دین کا سودا کرنا کیونکہ ہماری حمایت ونصرت تمہیں حاصل ہے،''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ'' اللہ کی مدد پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

بہرحال اس ہدایت مبارکہ کا منشاء قمری مہینوں کی تعداد کا تعین کرنا اور ان میں کسی ردوبدل سے روکنا ہے، کیونکہ بیشتر عبادات کا دارومدار ان مہینوں کی تاریخوں پر ہی ہے، اگر ان میں تبدیلی کی جاتی رہی یا ان کا لحاظ ہی نہ کیا گیا تو عبادات بے اثر اور بے وقعت ہو کر رہ جائیں گی، گویا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک شرعی، آفاقی، تقویم، جنتری عطا فرمادی ہے، جس سے وہ اپنے ماہ وسال کا تعین کر سکتے ہیں، اس نقشہ کی پابندی ان کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے، یہ تقویم بھی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، ذرا ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے اور ایمان تازہ کیجئے، فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝

(یونس:۵۔۶)

(اللہ) وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نورا ور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تا کہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی نشانیاں) ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، بیشک گردش لیل ونہار میں اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (اس کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں۔

سال کا تعین

تقویم آفاقی نے سال کے لئے بارہ مہینوں کا تعین کیا، ان مہینوں کے نام اہل عرب نے اپنی سہولت کے مطابق خود رکھے، لیکن ان مہینوں کے مجموعہ یعنی سال کا تعین اہل عرب نہ کر سکے، بس کسی اہم واقعہ کے ساتھ سال کی نسبت کر کے اسے

یادرکھا جاتا تھا، مثلاً ایک مدت تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا حساب لگایا جاتا رہا، پھر کعبہ پر اصحابِ فیل کے حملے کا واقعہ پیش آگیا، تو اس سال کو عامُ الفیل کہا جانے لگا، ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو وہ سال عامُ الحزن قرار دے دیا گیا غرضیکہ سال کے تعین اور اس کے شمار کا کوئی مخصوص طریقہ نہ تھا، جس سے تاریخوں کی حفاظت میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ معلوم نہ ہوسکتا تھا کہ جو واقعہ شعبان میں پیش آیا، وہ کس سال کے شعبان میں پیش آیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آپ نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے، اپنے دورِ خلافت میں دینی امور کے ساتھ دنیوی معاملات میں بھی نظم و نسق پیدا فرمایا، جوں جوں واقعات پیش آتے آپ ان کے مطابق اپنی مجلس شوریٰ کے مشورہ سے قواعد و ضوابط مرتب فرمادیتے تھے، ایک مرتبہ آپ کو ایک اہم خط وصول ہوا، جس پر تاریخ و دن کے ساتھ، ماہ شعبان، درج تھا بس آپ کو خیال آیا کہ یہ خط اس شعبان کا ہے یا گزشتہ شعبان کا۔ آپ نے مجلس شوریٰ کو اس واقعہ سے آگاہ فرمایا اور سال کے تعین کی ضرورت کو بیان فرمایا، لہٰذا طے پایا کہ کسی اہم اسلامی واقعہ کی نسبت سے اسلامی سال کا تعین کرلیا جائے، ان تاریخی واقعات میں سب سے اہم واقعہ ہجرت کو قرار دیا گیا جو واقعی اپنے ماضی اور مستقبل دونوں کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ اور اللہ کی زمین پر پہلی اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق یہ طے پایا کہ سال کی ابتداء اسی واقعہ سے کی جائے اور اسے سن ہجری کہا جائے لیکن ایک دشواری یہ پیش آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت ربیع الاول میں فرمائی تھی جبکہ اہل عرب کے حساب سے سال کا آغاز محرم سے ہوتا تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق محرم ہی کو سال کا پہلا مہینہ رکھا گیا اور سن ہجری کا دو ماہ اور آٹھ دن پیچھے سے شمار کیا گیا، اس طرح ۲۰ جمادی الثانی ۱۷ھ مطابق ۹ / ۱۲ جولائی ۶۳۸ء سے باقاعدہ ہجری سال کا آغاز ہوگیا، جواب ۱۴۲۱ھ، ۱۵؍جمادی الاولی، مطابق، ۱۶؍اگست ۲۰۰۰ء، بدھ کا دن، بعد نماز فجر ہے، والحمد للہ رب العالمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۴

التوبہ: ۳۸ تا ۴۱

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْــٴًـا ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ؕ وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاھِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ (توبہ: ۳۸۔۴۱)

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو، کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں، تو نہیں ہے ساز وسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر (بہت ہی) قلیل۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو اللہ عذاب دے گا تمہیں دردناک عذاب اور بدل کر لے آئے گا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر تم مدد نہ کرو گے رسول ﷺ کی (تو کیا ہوا) ان کی تو مدد فرمائی ہے اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے (مکہ سے)، صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق (ابوبکر) سے کہ مت غمگین ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین اُن پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ بلند ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے (جہاد کے لئے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔

جہاد، مسلسل جہاد مؤمن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کا سپاہی، فوجی ہے، دین کی سرحدوں کا محافظ ہے، دنیا کی ساری نعمتیں، اسے اسی صلہ میں دی جاتی ہیں اور آخرت کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کئے ہوئے وعدوں کا ایفاء اسی پر موقوف ہے، یہ جہاد چاہے دشمن سے ہو یا نفس سے، بالسیف ہو یا بالعمل ہو بہر حال جہاد ہونا چاہئے، مؤمن کی شان و آن کی بقاء اس کے رعب و دبدبہ کا ذریعہ یہ جہاد ہی ہے، یہی تقویٰ ہے، یہی عبادت ہے، اسی سے ریاضت ہے، اس میں کوتاہی ہو گی تو باز پرس ہو گی کہ

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا تمہارے پیر کیوں بھاری پڑ گئے، اللہ کے حکم پر، اس کی راہ میں کیوں نہیں نکلتے، کیا آخرت کے مقابلہ پر، حب دنیا تم پر غالب آ گئی ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ متاعِ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں، کیا تمہارے آقا ﷺ نے تمہیں ہمارا یہ پیغام نہیں سنایا کہ ''اَلدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ'' دنیا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس کی محبت ہی جرائم پر مجبور کرتی ہے، اسی کی محبت ذلت وخواری کے گڑھے میں دھکیلتی ہے، اسی سے آزادی غلامی میں بدل جاتی ہے، یہی دین سے محرومی کا سبب بنتی ہے، یہی بزدل اور کمزور بناتی ہے، یہی دردر کا بھکاری بنا دیتی ہے، پس بچو اس کے انجام بد سے اور جہاد کے لئے آمادہ ہو جاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو بڑے ذلیل وخوار ہو گے، اولاً اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا، دنیا میں بھی اس طرح کہ تمہاری ساری شان وشوکت ملیامیٹ ہو جائے گی، قومی تشخص پامال ہو جائے گا اور آخرت میں بھی کہ جو جنت تمہاری منتظر ہے، اس کے دروازے تم پر بند ہو جائیں گے، جہنم تمہارا ٹھکانہ بنا دیا جائے گا، ثانیاً اس طرح کہ تمہیں ہمارے نبی سید الانبیاء ﷺ کی غلامی کا جو شرف حاصل ہے، جس کے باعث تم خیر الامم ہونے پر فخر کرتے ہو، یہ شرف بھی تم سے چھین کر کسی اور کو دیدیا جائے گا کہ اللہ قادرِ مطلق ہے، اس نے اپنے دین کی حفاظت کا فیصلہ کیا ہوا ہے، اگر تم نے یہ ذمہ

داری پوری نہ کی تو وہ تمہیں تباہ کر کے کسی اور قوم کو یہ تاج عظمت پہنا دے گا اور پھر زمانہ میں تمہارا نام ونشان تک نہ ہوگا اور تمہارے محروم کر دینے سے خدا کی خدائی پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

یہاں ضیاء القرآن سے ماخوذ، حضرت ضیاء الامت رحمتہ اللہ علیہ کی چند سطور بھی ملاحظہ فرماتے چلئے، آپ لکھتے ہیں:

اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والی امت! سن رہے ہو، اس رب ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ، اگر اس نے اپنی بارگاہِ رضا وقرب سے نکال دیا، اگر اس نے اسلام کی زرتار قبا اتار لی، اگر فراق کی منحوس رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے۔

ہجر کی رات کاٹنے والو!
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی؟

اے اہلسنت و جماعت کے رہنماؤ! ہمارا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا شمع توحید ورسالت ﷺ کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے، اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعتماد کی قوت جو تمہیں میسر ہے، وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی دلوں کے اداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، مصطفیٰ کریم ﷺ کی خوشنودی کے لئے اسلام کی سربلندی کے لئے سب ایک ہو جاؤ اپنی ذات اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو، اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو، جو آپ ﷺ کے خواجگان طریقت علیہم الرضوان کا اسوہ تھا۔ (کسی تشریح یا تبصرے کی ضرورت نہیں بس جزاہ اللہ خیر الجزاء)

اے ایمان والو! اگر تم نے ہمارے رسول ﷺ کی مدد کا شرف حاصل نہ کیا، ان کی اتباع وپیروی نہ کی، ان کے عطا کردہ دین کی حفاظت نہ کی، ان کے ناموس کے محافظ نہ بنے تو کیا ہوگا ہم تو اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کا فیصلہ کر چکے ہیں اور متعدد مواقع پر ان کی مدد فرماتے رہے ہیں، ان میں سے ایک موقع تو خطرناک ترین تھا کہ جب دس سال مسلسل اہل مکہ کے مظالم سہنے کے بعد ہمارے رسول ﷺ کو ہماری اجازت سے، اپنا وطن عزیز اور ہمارا مقدس گھر چھوڑنا پڑا، اس سفر کے ابتدائی مرحلہ میں انہوں نے ایک غار میں پناہ لی، بس وہ دو تھے، ایک محبوب اور ایک محبوب کا محبوب، کوئی بظاہر یار ومددگار نہ تھا، سب خون کے پیاسے تھے، ان کی تلاش میں سرگرداں جب یہ ظالم غار کے منہ پر آ پہنچے تو غلام اپنے آقا کی جان خطرے میں دیکھ کر کانپنے لگا لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، ہم نے اپنے پیارے کو ایسے خطرناک موقع پر سکون واطمینان کی نعمت سے نوازا تھا، جو بڑی ہی نعمت ہے، پھر دوران سفر ہم ہی اپنے محبوب ﷺ کی ایک ایسے لشکر سے حفاظت اور مدد کرتے رہے جس کو کوئی نہ دیکھ پایا، حتیٰ کہ کافر

نا کام ونا مراد رہے، وہ ہمارے رسول ﷺ تک نہ پہنچ سکے اور اللہ کا فیصلہ غالب رہا کہ ہم نے اپنے محبوب ﷺ کو اہل مکہ کے مظالم سے بچا کر سکون واطمینان کی سرزمین، مدینہ منورہ میں پہنچا دیا، یہاں ہمارے نبی ﷺ کو پناہ مل گئی اور ان کے دامن میں چھپنے والے غلاموں کو پناہ مل گئی اور اس سرزمین کو ہم نے قیامت تک کے لئے پناہ تلاش کرنے والوں کے لئے پناہ گاہ بنادیا، سکون واطمینان کے متلاشیوں کے لئے دارالسکون بنادیا" وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" عام دعوت دی جاتی ہے جو غلام بھی اپنے اوپر ظلم کر کے بے چین ومضطرب ہو، وہ اس دربار عالی میں آکر پناہ لے، سکون کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا، پس

اے ایمان والو! اگر تم تھوڑا بہت بھی علم رکھتے ہو، تمہارے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے تو سنو، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں، ہر وقت، اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرو، چاہے تم تروتازہ ہو یا کتنے ہی تھکے ہوئے ہو، وہ جب بھی تمہیں جہاد کا حکم دیں، تیار ہو جاؤ، چل پڑو، نہ شدید گرمی کی پروا کرو، نہ تیار لہلہاتی فصلوں کے لالچ اور محبت میں مبتلا ہو، اللہ کی راہ میں اپنے اموال بھی قربان کرو، اپنی جانیں بھی پیش کرو، یہی ایمانی جذبہ ہے، یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی تمہاری ذمہ داری ہے۔

غزوۂ تبوک

آیات مذکورہ کا نزول غزوۂ تبوک سے متعلق ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے جنہوں نے اس غزوے میں شریک ہونے میں سستی اور کوتاہی کی تھی، انہیں ہدایت کی گئی کہ جہاد میں سستی کرنے کا انجام نہایت ہی برا ہوتا ہے، لہٰذا تم ہر حال میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہو، اگرچہ اس کا تعلق خصوصی طور پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے، لیکن یہ ہدایت عام مؤمنین کے لئے ہے۔ یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ بعض مواقع پر صحابہ سے اجتہادی غلطیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں بروقت ان کی غلطیوں پر متنبہ بھی فرمایا اور ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا تاکہ قیامت تک کوئی ان پر انگشت نمائی نہ کر سکے اور محبوب کے محبوب غلاموں کو کوئی کسی جرم میں ملوث نہ کر پائے، ان آیات مبارکہ کی مناسبت سے ضروری ہے کہ مختصراً غزوۂ تبوک کا ذکر کر دیا جائے۔

تبوک ایک مقام کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اب یہ سعودی عرب کا ایک حسین و جمیل، سرسبز و شاداب شہر ہے، آٹھ سال سے مسلسل غزوات اور کفار سے مقابلوں اور مکہ وطائف کی فتح کے بعد لشکر اسلام کے ذہنوں میں فطرتاً یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جنگوں کا سلسلہ کچھ مدت کے لئے ختم ہو چکا ہے، ہمیں سانس لینے، اپنا دنیاوی کاروبار کرنے کا کچھ موقع ملے گا، لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متواتر خبریں ملنے لگیں کہ رومیوں نے تبوک میں اپنی فوج جمع کرنا شروع کر دی ہے، فوجیوں کو خوش کرنے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہیں بھی دیدی گئی ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ مسلمان تھکے ہوئے ہیں، انہیں آرام کی ضرورت ہے، اب ان میں کسی بڑے حملہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، لہٰذا یہی اچھا موقع ہے کہ مدینہ پر حملہ کر کے ہمیشہ کے لئے (العیاذ باللہ) اسلام کی شمع کو گل کر دیا جائے، ان اطلاعات پر نبی

مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ رومیوں کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا اور طے کیا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے، قبل اس کے کہ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر اپنے عزائم کی تکمیل کر کے سرزمین مدینہ کو اپنے پیروں سے ناپاک کرے، بہتر ہے کہ تبوک پہنچ کر ہی خبر لی جائے (جنگ کے اصولوں میں سے یہ ایک اہم اصول ہے کہ دشمن کا مقابلہ اپنے حدود و سلطنت سے باہر نکل کر کیا جائے، تاکہ املاک و عمارات محفوظ رہیں اور عورتوں، بچوں، معذوروں پر جنگ کے اثرات نہ ہونے پائیں، اسی لئے ہمیشہ حدودِ مدینہ منورہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان جنگ بننے سے محفوظ رکھا، یہ سرزمین ہمیشہ پر امن رہی اور آج تک پر امن ہے، جس کی فضاؤں میں مضطرب و بے چین لوگوں کو امن و سکون نصیب ہوتا ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کرا دیا کہ اللہ کے سپاہی، اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائیں، ہمیں تبوک پر حملہ آور ہونا اور دشمن کو ان کے ناپاک عزائم سے روکنا ہے، چونکہ سفر طویل ہے، لہٰذا دیگر ضروری سامان کے علاوہ اچھی سواریوں کا انتظام بھی کر لیا جائے[1]۔

یہ اعلان بعض صحابہ پر گراں گزرا لیکن فوراً ہی وہ متنبہ ہو گئے اور پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غزوہ کے لئے صحابہ سے خصوصی تعاون کی اپیل فرمائی، جس کی تعمیل میں صحابہ نے ہر قسم کے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا، سواریاں، تلواریں، نیزے، کھانے پینے کا سامان وغیرہ خوب جمع کیا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سب ہی پر بازی لے گئے کہ آپ نے ایک ہزار دینار، ایک سو گھوڑے اور نو سو اونٹ پیش کئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو گھر کا صفایا ہی کر ڈالا کہ سب کچھ لا کر آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا، "ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہیں" جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش خدمت کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غرضیکہ تمام صحابہ نے دل کھول کر چندہ پیش کیا چونکہ یہ سفر طویل تھا اور مدینہ میں ازواجِ مطہرات اور دیگر اہل مدینہ کی دیکھ بھال کا مسئلہ نہایت اہم تھا، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، آپ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی افسردگی کو دور کرنے کے لئے فرمایا، "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہو جائے جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی۔"

ان تیاریوں کے باوجود بھی چند صحابہ مجبور تھے کہ وہ نہ سواری کا انتظام کر سکے اور نہ ہی دیگر سامان مہیا کر سکے، یہ لوگ نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کرب و اضطراب سے روئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر بیحد رحم آیا اور آپ بھی بہت افسردہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غمزدہ صحابہ کی افسردگی ختم کرنے کے لئے قرآن کریم میں ان کے حال کا ذکر فرمایا، ارشاد ہوا:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ (توبہ: ۹۲)

اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوئے آپ ﷺ کے پاس کہ آپ ﷺ سوار کریں انہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہار ہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس، نہیں ہے ان کے پاس جو وہ خرچ کریں۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ میں اس غزوہ کے لئے کتنا جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا، بہر حال چونکہ بیت المال میں کثیر چندہ آنے کے باوجود، ان حضرات کو مسلح کرنے کی گنجائش نہ تھی لہٰذا یہ لشکر اسلام میں شامل نہ کئے جا سکے۔

ضروری تیاری کے بعد اللہ کے رسول ﷺ تیس ہزار، سپاہیوں پر مشتمل لشکر اسلام لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جس میں دس ہزار گھوڑے بھی شامل تھے، راستہ میں وہ عبرتناک مقامات بھی آئے جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ ان میں قومِ ثمود کے مکانات بھی تھے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے تھے، اللہ نے اس قوم پر عذاب نازل فرمایا اور یہ نیست و نابود کر دیئے گئے، یہاں سے گزرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ چونکہ یہ عذاب الٰہی کے نزول کا مقام ہے، لہٰذا یہاں نہ کوئی ٹھہرے اور نہ ہی یہاں کا پانی استعمال کرے۔

جب لشکرِ اسلام تبوک کے قریب پہنچا اور پڑاؤ کیا تو پانی کی اشد ضرورت پیش آئی کہ لوگ بھی پیاسے تھے، جانور بھی پیاسے تھے، وضو اور غسل وغیرہ کی ضرورت بھی درپیش تھی، پانی کا دور دور پتہ نہ تھا، بمشکل ایک کنواں نظر آیا جس میں اتنا کم پانی تھا کہ نکالنا دشوار تھا، نبی حاجت روا ﷺ کو خبر دی گئی، آپ ﷺ کنوئیں کے قریب تشریف لائے اور اس میں کلی فرمائی، کنواں اُبلنے لگا اوپر تک پانی آ گیا۔ ضروریات پوری کی گئیں، پانی ذخیرہ کر لیا گیا۔ یہ تھی اللہ کی نصرت و حمایت جس سے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکثر و بیشتر نوازتا رہا۔

بہر حال لشکر اسلام نے یہاں بیس روز قیام کیا، رومیوں کی ہمت نہ ہو سکی کہ مقابلہ کے لئے سامنے آتے، ان میں سے بعض سردار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جزیہ ادا کرنا قبول کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واپسی کا اعلان فرمایا اور جب اہل مدینہ کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو مدینہ کے گھر اور اس کے گلی کوچے مسرت و شادمانی کے نغمے گانے لگے، ایک مرتبہ پھر وہی منظر دیکھنے میں آیا جو پہلی مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت دیکھا جا چکا تھا، آج پھر ہر گھر سے اسی نغمہ کی آواز سنی جا رہی تھی جو اس وقت گایا گیا تھا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع

جب تک اللہ کو پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر اللہ کا شکر فرض ہے۔

واقعۂ ہجرت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت ہی کے ساتھ، کفار کی آپ ﷺ سے عداوت اور آپ ﷺ پر ظلم

وستم کا آغاز ہو گیا تھا، ابتداءً کئی برس تو لوگوں کو اللہ کا پیغام چھپ چھپ کر پہنچایا جاتا رہا، اللہ کی عبادت، قرآن کریم کی تعلیم وتلاوت بھی بند دروازوں میں ہوتی رہی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر چالیس کا عدد مکمل ہوا تو اگرچہ مکہ کے گلی کوچوں میں صدائے اسلام سنی جانے لگی، گھروں سے باہر تلاوت قرآن کی آوازیں آنے لگیں لیکن ساتھ ہی دشمن کا پارہ بھی تیز سے تیز تر ہوتا رہا، اس طرح کئی سال بیت جانے کے باوجود، اسلام کی نشوونما، ترقی وتعلیم کی رفتار اس قدر سست رہی کہ اللہ کے نبی ﷺ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ان مظالم کی آندھی اور طوفان میں کب تک وقت ضائع ہوگا اور اسلام کی سربلندی کا وہ وقت کب دیکھنے میں آئے گا جس کے لئے اللہ جل مجدہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔

آپ ﷺ کی اس فکر اور صحابہ کرام کی مظلومیت پر اللہ کریم کو رحم آیا اور نورِ اسلام کی شعاعیں مکہ سے باہر نکلنا شروع ہوئیں، جس کی پہلی جھلک اہل یثرب پر پڑی، جس نے انہیں چند دن بعد ہی انصار بنا دیا، میزبان رسول ﷺ بنا دیا، اسلام نے ان کے بخت کو ایسا چمکایا کہ دنیا وآخرت کی ساری عزت وعظمت ان کا مقدر بن گئی۔ یہ اہل یثرب سے اہل مدینہ ہو گئے، مظلوموں کو سہارا دینا ان کا شیوہ بن گیا، مہاجرین کے لئے ایثار وقربانی ان کا ذوق بن گیا، غرضیکہ مدینہ نے اسلام کے لئے اپنی جھولی پھیلائی اور اللہ نے اس کی گود بھری، خوب بھری، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھری، ایسی بھری کہ وہاں سے خالی جھولیاں بھری جانے لگیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت حبشہ کے بعد مدینہ منورہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور سلسلہ ہجرت کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے مدینہ کی راہ اختیار کرنے کا شرف حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، ان کی ہجرت کا پتہ جب ان کی اہلیہ امِ سلمہ کے خاندان کو ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو نہ جانے دیا، ابوسلمہ نے بیوی اور بچے کی پروا کئے بغیر اپنے سفر کا آغاز کیا اور مدینہ منورہ پہنچے اور ان کے بعد یہ مقدس سلسلہ جاری ہو گیا، سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سب نے ہی اہل مکہ، اپنے خاندان، حتیٰ کہ بعض نے اپنے اہل خانہ سے چھپ چھپا کر ہجرت کی اور یوں ایک وقت آگیا کہ مکہ میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے یا چند عورتیں، بچے، بوڑھے اور وہ معذور تھے جو کسی عذر کی بناء پر مکہ نہ چھوڑنے پر مجبور تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کئی مرتبہ ہجرت کا ارادہ کیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو یہ فرما کر روکے رکھا کہ میرے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کرو، انہیں اس اشارۂ نبوی ﷺ سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق سفر بننے کا شرف حاصل ہوگا جو بلاشبہ ایک بڑا اعزاز تھا، پس آپ نے ہجرت کی تیاری جاری رکھی اور اس سلسلہ میں دو اونٹنیاں خریدیں، ایک اپنے آقا ﷺ کے لئے اور ایک اپنے لئے، آپ نے اپنا کاروبار بھی سمیٹنا شروع کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ دولت اپنے ہمراہ لے جا سکیں۔

دوسری طرف کفار کو بھی یقین تھا کہ اب محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور باقی مسلمان بھی مکہ چھوڑیں گے، وہ اس واقعہ سے خوش نہیں بلکہ خوفزدہ تھے کہ ایک دن یہی مفلوک الحال، بے گھر لوگ، بڑی قوت بن کر ہم پر غالب آ جائیں گے، وہ بہت

چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو مدینہ نہ جانے دیں لیکن جانے والے نکل جاتے تھے اور یہ ہاتھ ملتے، دانت مسمساتے رہ جاتے تھے، بالآخر انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ کچھ بھی ہو، عبدالمطلب کے پوتے کو مکہ سے نہیں نکلنے دیا جائے گا، اپنے اس ناپاک عزم کی تکمیل کے لئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک مشاورتی اجلاس طلب کیا جس میں ایک اجنبی شخص، شیطان بصورت انسان بھی موجود تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مجلس میں جو فیصلہ بھی کیا جاتا یہ لعین اپنی چرب زبانی سے اس کو غیر مؤثر قرار دے دیتا اور بالآخر اس نے خود تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو (العیاذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور سب کو اس نے اس تجویز کے ماننے پر آمادہ کرلیا اور طے پایا کہ رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواب گاہ کا محاصرہ کیا جائے گا اور جب صبح وہ برآمد ہوں گے تو ان پر تلواریں برسیں گی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن کفر کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والے عقل و دل کے ان اندھوں کو اللہ کے ارشاد ''وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' کی حقیقت کا کیا پتہ تھا۔ اگر ان کا بس چلتا تو آج سے نہ جانے کتنے پہلے ہی یہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کر چکے ہوتے لیکن اللہ قادر وقدیر جل مجدہ نے ہر موقع پر اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت فرمائی تاکہ ہمیشہ کے لئے اسلام کی شمع روشن ہو کر رہے۔

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۝ (انفال:۳۰)

اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ ﷺ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں یا آپ ﷺ کو جلاوطن کر دیں اور وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔

آیۂ مبارکہ میں کفار کی انہی خفیہ تدابیر کا ذکر فرمایا گیا جو وہ دارُالندوہ میں جمع ہو کر، کر رہے تھے اور بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دینے پر متفق ہوئے تھے۔ ادھر اللہ ربُّ العزت جل مجدہ نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی جس کا آغاز تو بہت پہلے ہو چکا تھا کہ مدینہ میں اسلام پہنچ چکا تھا اور وہاں کا بچہ بچہ، آنکھیں بچھائے اپنے آقائے رحمت ﷺ کی تشریف آوری کا منتظر تھا، اب وقت آگیا تھا کہ اس تدبیر کی تکمیل کی جائے، لہٰذا بالکل اس وقت جب کفار آپ ﷺ کا محاصرہ کر چکے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں اور باہر کا حال بتاتے ہوئے پیغامِ الٰہی دیتے ہیں کہ آج ہی آپ ﷺ کو ہجرت فرمانا ہے نیز کفار کے نرغے سے بخیر و عافیت نکلنے کی الٰہی تدبیر بھی بتاتے ہیں جس کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات تلاوت فرما کر دشمنوں کی طرف پھونکا جس سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، نیند غالب آگئی اور اللہ کا نبی ﷺ، اللہ کی حفظ و امان میں نکل کر اپنے رفیقِ سفر، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا، چلتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بخشا کہ کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لئے انہیں اپنا نائب بنایا اور اپنے مقدس بستر پر سونے کی اجازت دی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ شاید حضرت علی کو باہر کا حال معلوم نہ ہو گا ورنہ خوف و ہراس کی اس حالت میں وہ اتنی بڑی

ذمہ داری قبول نہ کرتے، نہیں ایسا نہیں، حضرت علی یا کسی بھی صحابی کو اپنے جیسا نہ سمجھئے، خطرات سے کھیلنا ان حضرات کا کام تھا، آقا ﷺ کے اشارے پر جان کی بازی لگا دینا، ان حضرات کا شیوہ تھا اور یہی ان کی کامیابی و کامرانی کا راز تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم جس انداز سے دیا اس سے انہوں نے بخوبی ان خطرات کو بھانپ لیا تھا جو باہر موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا، ''اِتَّشِحْ بِبُرْدِیْ ھٰذَا الْحَضْرمِی اَلْاَخْضَرِ فَنَمْ فِیْہِ فَاِنَّہٗ لَن یَّخْلِصَ اِلَیْکَ شَیْءٌ تَکْرَھُہٗ مِنْھُمْ'' علی! میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور آرام سے سو جاؤ، تمہارے قریب کوئی ایسی چیز نہ آ سکے گی جو تمہیں پسند نہ ہو، ایمان سے بتائیے کہ اگر آپ کو آقا ﷺ کی مقدس چادر اوڑھنے کا موقع ہاتھ آ جائے تو کیا کوئی خطرہ یا خوف باقی رہے گا، یا جان و مال اور کسی دوسری عزیز ترین چیز کی فکر باقی رہے گی، قسم بخدا نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن آہ، ہم بدنصیبوں کے ایسے مقدر کہاں، حضرت علی بڑے ہی مقدر والے ہیں، انہیں نور کی چادر نصیب ہوئی، اوڑھ کر جو سوئے تو صبح ہی کی خبر لی، ایسے آرام کی نیند نہ اس سے پہلے نصیب ہوئی نہ کبھی بعد میں، وہ آقائے رحمت ﷺ کی چادر اوڑھے سو رہے تھے اور رحمت باری تعالیٰ ان کو گھیرے ہوئے تھی، گویا باہر دشمن کا محاصرہ تھا اور اندر اللہ کی رحمت کا محاصرہ۔ ظاہر ہے اللہ ہی غالب حکمت والا ہے، کسی کی تدبیر اس کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پس حضرت علی اپنے وقت پر تر و تازہ اٹھے، دروازہ کھولا تو کفار انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے، پوچھنے لگے، ''اَیْنَ مُحَمَّدِ بِنْ عَبْدِاللّٰہِ'' محمد (ﷺ) کہاں ہیں، حضرت علی نے کوئی جواب دیئے بغیر اپنا کام پورا کیا، سب کی امانتیں ان کے سپرد کیں اور چند دن بعد خود بھی ہجرت فرمائی۔

ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، اپنا پروگرام بتایا اور مژدۂ رفاقت سنایا۔ یہ ابوبکر کے لئے صرف ایک خوشخبری نہ تھی بلکہ ایک عظیم منصب تھا، ایک بڑی ذمہ داری تھی، ایک اعلیٰ اعزاز تھا جو غلام کو آقا کے آقا کی طرف سے دیا گیا تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم سناتے ہوئے ہی یہ بھی بتایا تھا کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کا رفیق سفر آپ ﷺ کے محبوب غلام ابوبکر کو مقرر فرمایا ہے، حضرت ابوبکر نے دونوں اونٹنیاں خدمت اقدس میں پیش کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آج کے لئے ہی ان دونوں کو باندھا ہوا تھا، ایک آپ ﷺ پسند فرمالیں، آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک اونٹنی قیمتاً خریدتا ہوں، ابوبکر کے بے حد اصرار کے باوجود آپ ﷺ نے اونٹنی کی قیمت ادا فرمائی اور اس کا نام قصویٰ رکھا، اسی پر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اسی پر آپ ﷺ اکثر سفر فرماتے تھے اور حجۃ الوداع کے مشہور خطبے کے لئے بھی آپ ﷺ نے اسی کو استعمال فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا وصال ہوا، جس کا آپ کو اور دیگر صحابہ کو بے حد افسوس ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت اسماء کو ضروری سامان تیار کرنے کا حکم دیا اور آقا و غلام، حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں نکل پڑے، حدودِ مکہ سے باہر نکلنے کے بعد راہِ مدینہ اختیار کرنے سے پہلے غار ثور میں قیام کا فیصلہ کیا گیا، یہ دشمن سے محفوظ رہنے کی ایک تدبیر تھی کہ لوگ تلاش کر کے تھک جائیں اور اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں تو کھلے میدان میں سفر کیا جائے، حدودِ مکہ سے باہر آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ٹیلہ پر جلوہ افروز ہوئے، ایک بار

آپ ﷺ نے کعبہ پر نظر ڈالی اور نہایت ہی دردناک انداز میں آپ ﷺ نے ان الفاظ سے اللہ کے گھر اور اپنے وطن عزیز کو الوداع کہا:

وَاللّٰهُ اِنَّکَ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَیَّ وَاِنَّکَ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَی اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنَّ اَهْلَکَ اَخْرَجُوْنِیْ، مَا خَرَجْتُ مِنْکَ۞

بخدا، اے مکہ کی سرزمین، تو مجھے اللہ کی ساری زمین سے محبوب تر ہے اور بے شک تو اللہ کو بھی اللہ کی ساری زمین سے زیادہ پیاری ہے، اگر تیرے باشندوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔ (ترمذی شریف)

غارِ ثور میں قیام

غارِ ثور، موجودہ راستہ سے، شاہراہ یمن کی طرف مکہ سے پانچ میل دور ہے، اسے غارِ ثور اس لئے کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں یہ غار واقع ہے، اس پر ایک مدت پہلے ایک شخص ثور بن عبدمنات نے قیام کیا تھا، لہٰذا اس پہاڑ کو جبلِ ثور کہا جانے لگا جبکہ اس کا اصل نام اطحل تھا اس غار کا منہ اتنا چھوٹا تھا کہ آدمی اس میں لیٹ کر ہی داخل ہو سکتا تھا اور اندر سکڑ کر ہی بیٹھ سکتا تھا، سفرِ ہجرت کی یہ پہلی منزل بحمد اللہ آج تک موجود ہے، زائرین اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقدر پر رشک کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلۂ جلیلہ سے اپنی خوش بختی کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

شب تاریک میں اللہ کا نور، ﷺ اس غار کی طرف روانہ ہوا، صدیق اکبر نہایت مضطربانہ حال میں کبھی آقا ﷺ کے دائیں، کبھی بائیں اور کبھی آگے پیچھے چل رہے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا صدیق! یہ چلنے کا کونسا طریقہ ہے، عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! ڈر رہا ہوں کہ کسی طرف سے دشمن حملہ آور نہ ہو جائے اور اللہ نہ کرے اگر ایسا ہو تو اس کا پہلا وار مجھ پر ہو اور آپ ﷺ کو کوئی زک نہ پہنچنے پائے، غار کے منہ پر پہنچے، تقاضۂ ادب تو یہی تھا کہ اس میں پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام داخل ہوں لیکن تقاضۂ خدمت یہ تھا کہ پہلے خادم اندر جائے، پس حضرت ابوبکر آگے بڑھے اور عرض کی یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ پہلے میں اندر جا کر غار کی صفائی کر دوں، پھر سرکار رونق افروز ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوبکر کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اجازت دی، حضرت ابوبکر نے ایک درخت کی شاخ سے غار میں جھاڑو دی، اپنی چادر پھاڑ کر دھجیوں سے غار کے سوراخوں کو بند کیا، کپڑا ختم ہو گیا، ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا، جس پر آپ نے اپنی ایڑی لگائی اور پیچھے کی دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ ایسی شکل اختیار کر لی جیسے قرآن کریم رکھنے کی رحل ہوتی ہے، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اندر رونق افروز ہونے کی درخواست کی، آپ ﷺ اندر داخل ہو کر کچھ اس طرح لیٹ سے گئے کہ آپ ﷺ کا مقدس سر ابوبکر کے زانو پر تھا اور پائے مبارک سامنے کی دیوار سے لگے ہوئے تھے، گویا ابوبکر قرآن کے لئے نہیں بلکہ صاحب قرآن کے لئے رحل بنے ہوئے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو آرام ملا، آپ ﷺ نے آنکھیں بند فرما لیں، عاشق کو موقع ملا، اپنی آنکھیں محبوب کے نورانی چہرے میں گڑا لیں، دیکھ رہے تھے اور اپنے مقدر پر ناز کر رہے تھے، اس مقام پر ذرا رکئے اور غور

کیجئے کہ جس خوش نصیب کو قرب رسول ﷺ کا یہ موقع ملا ہے کیا کوئی امتی اس کی عظمت و رفعت کو چھو سکتا ہے اور کیا کسی کو ...... ایمان و تقویٰ، اس کے کمال ایمان و تقویٰ کا اعتراف کئے بغیر نصیب ہو سکتا ہے۔ عشق و محبت کی اس وارفتگی کے دوران ہی سوراخ سے ایک سانپ نے آپ کی ایڑی پر ڈسنا شروع کیا، وہ اپنا کام کرتا رہا لیکن عاشق اپنی کیفیت میں مست رہا، زہر کا اثر پورے جسم میں سرایت کر گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن کیا مجال کہ پائے ثبات میں حرکت آ جاتی، یہ ثبات کا وہ اعلیٰ مقام ہے جو سوائے ابوبکر کے کسی کو نصیب نہ ہو سکا، ہاں جو رسول ﷺ کے عشق میں متوالے ہوتے ہیں انہیں ابوبکر کے صدقہ اس کا کچھ حصہ نصیب ہو جاتا ہے، آج کی شب ابوبکر کو جو ثبات نصیب ہوا وہ دم آخریں تک ان کے عمل و کردار میں کارفرما رہا کہ دشوار سے دشوار ترین مرحلہ میں بھی وہ پیکر ثبات و استقامت نظر آتے ہیں، یاد کیجئے اس نازک موقع کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے ظاہری پردہ فرمایا اور یاد کیجئے اس اہم فیصلہ کو جو حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ کے لئے کیا۔

حضرت ابوبکر نے جن کے لئے یہ ایثار کیا وہ بھی کوئی معمولی ہم جیسا انسان نہ تھا بلکہ وہ اللہ کے باختیار نبی ﷺ ہیں، جنہیں اللہ نے اپنی قدرت کا مظہر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا، جن کے پاس صرف زہر کا ہی تریاق نہیں بلکہ ہر مرض کا علاج موجود ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا روحانی، وہ طب القلوب بھی ہیں، عافیۃ الابدان بھی اور نور الابصار بھی ہیں۔ پس جب آنکھ کھولی یارِ غار کا حال دیکھا تو پوچھا کیا ہوا، عرض کی حضور! کوئی کیڑا ڈس رہا ہے، فرمایا دکھاؤ کہاں، آپ نے اپنی ایڑی دکھائی، سرکار نے اپنا لعابِ مبارک نکالا اور لگا دیا، لعاب کا لگنا تھا کہ زہر کا اثر کافور ہوا، سانپ نے سوراخ سے جھانک کر اپنے آقا ﷺ کی زیارت کی اور دوبارہ سوراخ کے اندر چلا گیا۔ یہ تھا اثر شافی الامراض، آقا ﷺ کے لعابِ مبارک کا، اسی لعاب سے حضرت قتادہ کی آنکھ کو شفا ملی، یہی لعاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیدائشی آشوبِ چشم کے لئے ذریعۂ شفا بنا، اسی لعاب سے کھاری پانی، میٹھا ہوا، اسی لعاب سے خشک کنوؤں کے سوتے جاری ہوئے، گویا ہزار بیماریوں کا ایک علاج، میرے آقا ﷺ کا مقدس لعاب، پس سچ فرمایا حضرت امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ نے:

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِيْ مَنْ اَلُوْذُبِهٖ   سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے بہترینِ خلائق ﷺ! میں مصائب و آلام کے وقت آپ ﷺ کے سوا اور کس کی پناہ لوں یعنی مصیبت زدوں کی جائے پناہ، صرف آپ ﷺ ہی کی تو ذات مبارک ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا، حضرت صدیق اکبر کے پروگرام کے مطابق روزانہ اسماء بنت ابی بکر کھانا وغیرہ لے کر آتی تھیں، ابوبکر کے غلام مالک بن فہیرہ، روزانہ بکریاں چراتے یہاں آ جایا کرتے اور دونوں کو تازہ دودھ پلا کر واپس ہو جاتے، صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اہل مکہ کے حالات بتانے اور ضروری خبریں دینے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے، گویا پورا خاندان آقا ﷺ کی خدمت پر لگا ہوا تھا، قابل توجہ ہے یہ بات کہ ان میں سے مسلمان نہ ہونے کے باوجود کسی نے کفار کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پتہ نہ دیا، حضرت اسماء کو تو مارا بھی گیا، آپ کا کان پھٹ گیا، کان سے بالی گر پڑی، پھر بھی کوئی ماں کا لال آپ کو مخبری کرنے پر مجبور نہ کر سکا، حتیٰ کہ غلام بھی ایسا وفادار جو کفار کی طرف

سے اعلان کردہ دولت کے لالچ میں بھی مبتلا نہ ہوا اور کسی کو اس نے بھنک تک نہ پڑنے دی کہ حقیقت میں یہ سب وہ لوگ تھے جن کے قلوب پر ایمان کی جھلک پڑ چکی تھی اگرچہ اب تک زبان سے کلمہ نہیں پڑھا تھا، بالآخر ایک دن یہ سب مشرف با سلام ہوئے۔

ثانی اثنین کا اعزاز

عشق و محبت کے ساتھ خدمت رسول ﷺ کا جو صلہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا، اس میں سب سے بڑا اعزاز آپ کے لئے ثانی اثنین کا خطاب ہے، جو آقا ﷺ نے عطا فرمایا اور اللہ نے اس پر مہر تصدیق فرمائی، ''ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ'' کے قرآنی اعلان کا اب کون انکار کرسکتا ہے، یعنی پہلے رسول ﷺ، پھر دوسرے اور امت میں سب سے پہلے ابوبکر کہ اس کے بعد آپ ہر جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد دوسرے نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ امامت پہلے حضور کا حق ہے تو آپ ﷺ نے اپنی موجودگی ہی میں یہ حق ابوبکر کو سونپا اور اسی بناء پر حضور ﷺ کے بعد صحابہ نے آپ ہی کو خلیفہ تسلیم کیا، آپ ہی حضور ﷺ کے بعد دوسرے قرار پائے جو حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں حضور ﷺ کے پہلو میں آرام فرما ہیں، یوم حشر اٹھنے والوں میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، حوض کوثر پر آپ ہی دوسرے ہوں گے، دخول جنت میں آپ ہی دوسرے ہوں گے، غرضیکہ ثانی اثنین کا اعزاز آپ کے تمام اعزازت کی بنیاد ہے جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ گویا آپ کی فضیلت و عظمت پر قرآن ناطق و شاہد ہے، جس کا انکار ضلالت و گمراہی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

ثانی اثنین کے اعزاز کی بناء یہ واقعہ بنا کہ کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرتے کرتے، غار کے منہ پر آ پہنچے لیکن خیر الماکرین کی تدبیر دیکھئے کہ پہلے ہی غار کے منہ پر مکڑی کو جالا تان دینے کا حکم دیدیا گیا، ایک خادار جھاڑی اگا دی گئی، جس پر کبوتر کے ایک جوڑے نے بحکم الٰہی اپنا گھونسلہ بنایا، انڈے دیئے اور کبوتری انڈے سینے بیٹھ گئی، یہ حال دیکھ کر کفار کو وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ غار کے اندر کوئی چھپا ہوگا، شیطان نے علقمہ ابن کرز کے دل میں بات ڈالی، وہ بولا ہمیں غار کے اندر دیکھنا چاہئے، فوراً ہی خیر الماکرین نے امیہ بن خلف سے کہلا دیا کہ اے علقمہ تو بھی عجیب بات کہتا ہے، یہ جھاڑی نہیں دیکھتا، کبوتر کا گھونسلہ تجھے نظر نہیں آرہا اور یہ دیکھ مکڑی کا یہ جال تو محمد ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا نظر آتا ہے، اب بھی تو کہہ رہا ہے کہ غار کے اندر دیکھو، کوئی اندر جاتا تو یہ سب کچھ کیسے باقی رہتا، بڑا ہی عقل کا اندھا ہے تو اسی دوران اپنی جان سے زیادہ عزیز جاننے والے عاشق کو بے چینی ہوئی، جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احساس فرماتے ہوئے پوچھا، کیا ہوا اے ابوبکر! عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ ﷺ! دشمن غار کے منہ پر ایسا کھڑا ہے کہ اگر وہ اپنے پیر پر نظر ڈالے تو ہمیں دیکھ لے گا، پھر تو بڑی ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، نبی ﷺ کا قلب مبارک نہایت پرسکون تھا، اللہ انہیں پہلے ہی تسکین و طمانیت کی نعمت سے نواز چکا تھا، ''فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ'' کا ارشاد اس حقیقت ہی کو بیان فرمارہا ہے، پس اللہ کے نبی ﷺ نے بڑے ہی اطمینان سے جو کچھ فرمایا اس کو قرآنی الفاظ میں ہم تک اس طرح پہنچایا گیا، ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس سے پہلے کے الفاظ ہیں، ''اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ'' یہ بات انہوں نے اپنے صاحب سے

فرمائی، یعنی ابوبکر وہ صاحب رسول ﷺ ہیں جن کی صحابیت کا قرآن اعلان فرمارہا ہے، پس ان کی صحابیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی، اب ان کی صحابیت کا انکار، قرآن کا انکار قرار پائے گا۔

اس ارشاد کے بعد ابوبکر کو بھی بوسیلہ نبی ﷺ سکون حاصل ہو گیا جو ہمیشہ ہر موقع پر ان پر غالب رہا، انہوں نے سفر ہجرت کی منزلوں کو نہایت سکون سے طے کیا، وہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی ہر موقع پر، پرسکون نظر آتے ہیں، چاہے وہ مدینہ میں قیام کا مسئلہ ہو یا مہاجرین کی رہائش اور ان کے کاروبار کے مسائل ہوں، سیاسی امور ہوں یا تجارتی معاملات، منافقوں کی سازشوں اور کفار کی ریشہ دوانیوں کا مقابلہ ہو، میدان جہاد ہو یا زمانۂ امن، غزوۂ بدر کی فتح و کامرانی کا وقت ہو یا غزوۂ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی ایذاء رسانی کا پرآشوب مرحلہ ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ میں حالات کا مقابلہ ہو یا آپ ﷺ کے بعد بحیثیت خلیفہ قیادت کی عظیم ذمہ داری پوری کرنے کا دور ہو، بہر حال واقعات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکر ہر مرحلہ پر صحابۂ کرام کی نسبت سب سے زیادہ پرسکون رہے اور ہر معاملہ کو نہایت ہی اطمینان سے طے کرتے رہے اور کیوں نہ ہو کہ جب اللہ نے غار ثور میں اپنے نبی ﷺ کو سکینہ کی دولت سے مالا مال کیا تو اس وقت بلاواسطہ اس کا فیض حاصل کرنے والا، وہاں سوائے ابوبکر کے اور کون تھا۔

اس مرحلہ پر ایک نکتہ اور قابل توجہ ہے کہ واقعاتِ ہجرت میں آپ کو متعدد واقعات ملیں گے جو نہایت اہم بھی ہیں اور عجیب بھی مثلاً سراقہ بن مالک کا واقعہ، ام معبد کا واقعہ اور دیگر واقعات لیکن سوائے ایک واقعۂ ثور کے قرآن کریم نے کسی واقعہ کی طرف اشارہ تک نہ فرمایا، حتیٰ کہ اس اعزاز کا بھی ذکر نہ کیا گیا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حضرمی چادر، اپنا مقدس بستر دیکر عطا فرمایا، سوچیے اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ان تمام خدمات اور قربانیوں کا صلہ تھا جو اب تک آپ اسلام کے لئے کر چکے تھے اور جو آئندہ کرنے والے تھے، جن سے ہمیشہ کے لئے دین کی جڑیں مضبوط و مستحکم ہوئیں، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے ''ثَانِيَ اثْنَيْنِ'' کے خطاب سے انہیں نواز کر قیامت تک کے لئے ان کے منصب رفیع کو محفوظ فرمادیا، نیز یہ واضح کر دیا کہ صدیق اکبر کی یہ قربانی ایک نہایت ہی نازک وقت پر تھی، جس میں وہ تنہا ہیں، کوئی ان کا شریک نہ بن سکا، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> کاش میری ساری نیکیاں حضرت ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن کی نیکیوں کے برابر ہو جاتیں، رات، ہجرت کی رات اور دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا دن، جب آپ نے اسلام کی ڈوبتی کشتی کو بچایا اور مسئلہ خلافت طے فرما کر مسلمانوں کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھا۔ (تفسیر خازن)

غرضیکہ تین دن غار ثور میں قیام کے بعد سفر ہجرت کا آغاز ہوا، حضرت ابوبکر کی پروردہ اونٹنیوں پر سوار ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے، پہاڑوں، گھاٹیوں، وادیوں کا پر خطر راستہ ہے، جس کا آج تصور بھی ناممکن ہے، صرف دو مسافر ہیں، کھانے پینے کا سامان بھی پورا ساتھ نہیں، کبھی دور دور پانی نظر نہ آتا تھا، مزید برآں دشمن کے تعاقب کا خطرہ، کفار مکہ اعلان کر چکے تھے کہ جو بھی ان دونوں کو پکڑ کر لائے گا، اسے انعام و اکرام

سے نوازا جائے گا، اسی لالچ میں سراقہ بن مالک پیچھا کر رہا تھا غرضیکہ صعوبتیں ہی صعوبتیں تھیں لیکن جن پر اللہ پہلے ہی اپنی سکینہ نازل فرما چکا تھا، وہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی طرح رواں دواں تھے، تیز رفتار اونٹنیاں دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر رہی تھیں، اللہ کی نصرت وحمایت ہر حال میں ان دونوں کے ساتھ تھی،'' وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا'' ایک ایسا لشکر ساتھ تھا جسے کسی نے نہ دیکھا، سراقہ قریب ہونے لگا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنسنے لگا جو گرفتار کرنے آیا تھا وہ خود گرفتارِ عذاب تھا، امن کی بھیک مانگنے لگا، پیغمبر امن ﷺ نے معاف کیا اور ہمیشہ کے لئے امان کا وعدہ فرمایا، وہ انعام کا لالچی تھا، پس اسے انعام سے بھی نوازا کہ خوشخبری سنائی، اے سراقہ!'' كَيْفَ بِكَ اِذْ لُبِسْتَ سُوَارَیْ كِسْرٰی'' تیری خوشی کا اس وقت کیا حال ہوگا جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے، آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین کے بعد سراقہ مشرف باسلام ہوئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ ہرمز کے سامان سے مسجد نبوی ﷺ شریف کا صحن بھر گیا، اس میں خلیفۃ المؤمنین نے کسریٰ کے قیمتی کنگن دیکھے، آپ نے اٹھائے اور بآواز بلند فرمایا، اَيْنَ سُرَاقَةُ، سراقہ دوڑے بھاگتے حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوش ہو کر اللہ کا شکر کرتے ہوئے، مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہنا دیتے ہیں، اس واقعہ کو نصرتِ الٰہی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، اس سخت سفر میں اور متعدد واقعات ایسے پیش آئے جو یہ حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ اللہ خیر الماکرین کی تدبیر غالب رہی اور کفار کی تمام تدابیر ملیا میٹ ہو گئیں، وہ ناکام ہوئے، نامراد ہوئے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہا اور اگر مؤمن اللہ پر بھروسہ کر کے اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے تو ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا،'' وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى'' کفار کے عزائم وتدابیر کو نیچا کر کے دکھا دیا، ان کی قوت و طاقت کو پامال کر کے دکھا دیا تاکہ قیامت تک ہر دور کے اہل ایمان یہ یقین رکھیں کہ چاہے کچھ ہو جائے '' كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا'' یہ اٹل فیصلہ الٰہی ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہے، ہمیشہ بلند رہے گا کہ یہ دین دبنے کے لئے نہیں، سربلند ہونے ہی کے لئے آیا ہے، یہ سربلند رہے گا، اگر ہم اس کی سربلندی کی خدمت انجام دیں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہے کہ ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سربلند ہو جائیں گے، ورنہ اللہ قادر مطلق ہے ہمیں نیست ونابود کر کے اپنے دین کی سربلندی کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنا دے گا جو ہر اعتبار سے ہم سے بہتر ہوں گے۔ اسلام تو نورِ الٰہی ہے، آج تک کوئی چاند، تاروں اور سورج کا نور نہ چھین سکا، تو کس کے بس میں ہے کہ وہ نورِ الٰہی سے اللہ کی زمین کو محروم کر دے اور اشرف المخلوقات انسان ضلالت وگمراہی کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ (توبہ: ۳۲)

(کفار) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور اللہ انکار (فیصلہ) فرماتا ہے مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے گا اپنے نور کو اگر چہ ناپسند کریں اس کو کافر۔

کس قدر واضح اعلان ہے، اسی قسم کا ارشاد سورۂ الصف (۸) میں موجود ہے، نہایت سازگار حالات کے باوجود مجمد

اللہ،نورالٰہی اپنے کمال کو پہنچا اور اعلان کیا گیا ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ''، ہر چیز پر کمال کے بعد زوال ہے، سوائے نورِ الٰہی کے نیز اس نور سے مقدر والوں ہی کے قلوب چمکتے ہیں، ''يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'' فیصلہ الٰہی ہے کہ جسے چاہتا ہے، اللہ اپنے نور کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ غرضیکہ نورالٰہی جب طلوع کے ابتدائی مرحلے میں تھا تو اس دور کی کوئی ''سپر پاور'' (قصر و کسریٰ) اس کو نقصان نہ پہنچا سکی تو آج جبکہ یہ نور ساری کائنات میں چمک رہا ہے، نقطہ کمال پر پہنچ چکا جو اس کی ابدی منزل ہے، تو کونسی ''سپر پاور'' ایسی ہے جو اس کی شعاعوں کو مدھم کر سکے، اے اللہ! کرم فرما، ہمارے قلوب کو اپنے نور سے منور فرما دے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جنہیں تو نے اپنے کلمہ حق کی خدمت و بلندی کے کام کے لئے منتخب فرما لیا ہے، یہی تیرے نیک بندے ہیں، ''ربنا واجعلنا منهم واحشرنا معهم''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۵

التوبہ:۱۱۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

آیت مذکورہ میں اہل ایمان کے لئے دو ہدایات جاری فرمائی گئیں، ''اِتَّقُوا اللّٰهَ'' اللہ سے ڈرتے رہو،'' وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' اور سچوں کے ساتھ رہو، آیئے ان پر غور کریں اور ہدایت دینے والے سے دعا کریں کہ وہ ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے کہ حقیقتاً وہی ہدایت دینے والا ہے۔

یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾ (البقرہ:۱۴۲)

(اللہ ہی) ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾ (البقرہ:۲۱۳)

اور اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔

لیکن یہ ہدایت بغیر تقویٰ کے نصیب نہیں ہوتی، جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے، وہ فاسق ہیں اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۠ (المائدہ:۱۰۸)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا حکم سنو اور اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو۔

اور جسے اپنے فضل وکرم سے اللہ نے ہدایت دے دی کوئی نہیں جو اسے گمراہ کر سکے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ (الزمر:۳۷)

اور جسے اللہ ہدایت بخش دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا نہیں ہے اللہ زبردست انتقام لینے والا؟

پس اے اللہ! ہادی برحق ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے:-

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستے کی طرف ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ سے ڈرتے رہو، اس طرح کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بسر کرو کہ یہی تقویٰ ہے اور تقویٰ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا ذریعہ ہے، یہی ایمان کا مقتضا اور مؤمن کی پہچان ہے، اسی کا نام ایمانی قوت ہے، یہ مؤمن کا حسن ہے کہ اس سے مؤمن کا چہرہ پرنور، پرکشش، بارعب ہو جاتا ہے کہ اپنے اس کی عزت کرتے ہیں اور غیر اس سے خوفزدہ ہوتے ہیں، تقویٰ ہی بر (نیکی) ہے، متقی قیامت کے دن اللہ کی رحمت کا سایہ پائیں گے، انہی کے لئے اللہ کے پاس بہترین ٹھکانہ ہے، متقی کو اس کے اعمال پر اجر عظیم دیا جاتا ہے، جو تقویٰ اختیار کر لیتا ہے، وہ ہر قسم کے خوف وغم سے آزاد ہو جاتا، پریشانیوں سے نجات پاتا ہے، اس کے لئے رزق کے غیبی ذرائع مہیا کر دیئے جاتے ہیں، اس کے کاموں کو سہل وآسان کر دیا جاتا ہے، اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اللہ اس کا کوئی عمل ضائع نہیں فرماتا، تقویٰ ہی آخرت کا بہترین توشہ ہے، ہر میدان میں کامیابی وکامرانی متقین ہی کا مقدر ہے، "هُمُ الْفَآئِزُوْنَ" تقویٰ، مؤمن میں فرقان کی صلاحیت پیدا کرتا ہے یعنی اس کے لئے حق وباطل، اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ صلاحیت اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، متقین ہی کے لئے قرآن بھی ذریعہ ہدایت ہے، متقین ہی سیدُ الاتقیاء ﷺ کے دریائے رحمت سے سیراب ہوتے ہیں، تقویٰ، انبیاء علیہم السلام کا شعار ہے اور اسی کی تعلیم وتربیت کے لئے انہیں مبعوث فرمایا گیا۔

یہ عنوان گزشتہ صفحات پر کئی جگہ آچکا ہے اسی لئے یہاں ہم اس کو مزید تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھ رہے، مندرجہ بالا سطور میں ہم نے قرآنی آیات کی روشنی میں، تقویٰ کے کچھ فوائد عرض کئے ہیں جن سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، آخر میں اس سے متعلق سیدُ الاتقیاء ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

درج ذیل ارشاد، خطبہ حجۃ الوداع کا ایک حصہ ہے، اس خطبہ میں اہل ایمان کو نہایت اہم ہدایات دی گئیں بلکہ یہ

امت کے لئے ایک نظام عمل ہے جو قائدامت ﷺ نے قیامت تک پیدا ہونے والے غلاموں کے لئے عطا فرمایا، راوی ہیں، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں خطبہ حجۃ الوداع میں میں نے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَدُّوْ زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَاَطِيْعُوْا اُمَرَآءَ كُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ ۞

(اے لوگو) اللہ سے ڈرتے رہو، پانچوں نمازوں کی پابندی کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اپنے حکام کی فرمانبرداری اختیار کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ''اِکْرَمُ النَّاسِ''، کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَتْقَاهُمْ'' جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہو، (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، ''اِنَّ اِکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ'' اللہ کے نزدیک اکرم الناس وہ ہے جو متقی سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہو)۔ (بخاری شریف)

یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص سب سے زیادہ طاقتور بننے کی آرزو رکھتا ہے، ''فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ'' اسے اللہ پر توکل کرنا چاہئے اور جو سب سے زیادہ غنی، دولت مند بننا چاہتا ہے، ''فَلْيَكُنْ بِمَا فِيْ يَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ بِمَا فِيْ يَدِهٖ'' اسے چاہئے کہ وہ اپنے قبضہ میں موجود دولت سے زیادہ اُس دولت پر یقین رکھے جو اللہ کے قبضہ میں ہے اور جو سب سے زیادہ مکرم و معظم (باعزت وباوقار) بننا چاہتا ہے، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ، اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرا کرے، (متقی بن جائے) (ابن کثیر)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا ملاحظہ ہو، ہو سکے تو یاد کر لیجئے، راوی ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غناء کا۔ (مسلم شریف)

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

تقویٰ، بڑی محنت و مشقت سے حاصل ہوتا ہے اور جسے یہ نصیب ہو گیا اسے بڑی ہی عظیم دولت مل گئی، جس کی حفاظت دنیا کی ہر دولت سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس پر ڈاکہ بہت جلدی پڑتا ہے اور ڈاکو کوئی کمزور انسان نہیں بلکہ وہ مکار وفریبی شیطان ہے جسے اللہ نے انسان کا عدو مبین بنا کر انسان کو باخبر فرما دیا ہے کہ بس یہی تمہارا بڑا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا، اس ظالم نے تو آدم وحوا علیہما السلام کو بھی نہ چھوڑا، وہ بھی اس دنیا میں نہیں بلکہ جنت کے محفوظ حصار میں۔ یہ کبھی انسان کی صورت میں ہمدرد بن کر آتا ہے اور کبھی جنات کے روپ میں۔ جو کام یہ کرانا چاہتا ہے، ان کاموں کو بڑا ہی پرکشش، نفع بخش بنا کر پیش کرتا ہے اور جو اس کا شکار بن جاتا ہے اسے بے یار و مددگار کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلت وخواری کے گڑھے

میں ڈھکیل دیتا ہے اور خود اپنی کامیابی پر خوشی سے اچھلتا، کودتا ہے، پس جس کا یہ ساتھی بنا، ''فَسَآءَ قَرِيْنًا'' اسے بہت ہی برا ساتھی ملا، اب خسران، ذلت وخواری اس کا مقدر بن جائے گی۔

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ (النساء:۱۱۹)

اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالے تو اس نے نقصان اٹھایا، کھلا نقصان۔

غرضیکہ اس مکار ڈاکو سے دولت تقویٰ کو بچانا نہایت اہم ہے، جو تنہا کسی کے بس کی بات نہیں کہ تنہائی تو خود ایک کمزوری ہے۔ اس حالت میں تو عام دولت کی حفاظت عام چور اور ڈاکو سے ممکن نہیں تو دولت تقویٰ کو شیطان جیسے ڈاکو سے کیسے بچایا جاسکتا ہے، اس کے لئے تو محافظین کی ایک بڑی جماعت، ایک بڑا جری اور بہادر لشکر چاہئے، اسی جماعت اور لشکر کا نام ''اَلصَّادِقِيْنَ'' ہے، یہ جماعت ہے ان مقربین بارگاہِ الٰہی کی جو تقویٰ کے ایسے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں کہ اب اللہ اپنے خصوصی فضل وکرم سے خود ان کی دولت تقویٰ کا محافظ بن گیا ہے، ان پر ڈاکہ ڈالنا تو درکنار اب تو ڈاکو ان کے سایہ سے بھاگنے لگا ہے، پس جو ان کے حصار میں آ گیا، ان سے وابستہ ہوگیا، ان کے دامن میں پناہ گزیں ہوگیا اس نے اپنی دولت کو محفوظ کرلیا۔ اب اسے چاہئے کہ جو جمع کر چکا ہے اس کی فکر نہ کرے، مزید آگے بڑھے، مزید کمائے جن کے ساتھ ہے ان کی تعلیم وتربیت پر عمل پیرا ہو کر اس دولت سے مالا مال ہوتا جائے حتیٰ کہ وہ ایک دن انہی جیسا ہو جائے گا، انہی میں اس کا شمار ہونے لگے گا کہ یہ جن کا غلام بنا ہے ان کا شیوہ کسی کو غلام بنائے رکھنا نہیں بلکہ غلاموں کو آقا بنا دینا ہے، دیکھئے سیدُ الصادقین ﷺ نے اپنے غلاموں کو کس مرتبہ ومقام پر پہنچا دیا کہ بکریاں چرانے والے بھی آقا بن گئے، صہیب وبلال (رضی اللہ عنہما) جیسے بھی ہمارے سر کا تاج بن گئے، ان کا احترام، ان سے محبت ہمارے تقویٰ کا ذریعہ ہے، ان کی عظمت کا اعتراف، ہمارے ایمان کی بقاء ہے، ان کے دامن سے وابستگی ہماری نجات کی ضمانت ہوگئی۔

امت مسلمہ پر اللہ کا یہ بڑا ہی کرم ہے کہ اس میں صادقین کا سلسلہ جاری ہے، جو متقین امتیوں کے تقویٰ کے محافظ ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہوا کہ ہر صادق اپنے غلام کو صادق بناتا رہا، یہ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، صابریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ وغیرہ کیا ہیں ان صادقین کے غلاموں کی ایک زنجیر ہے جو اپنے آقاؤں سے وابستہ ہو کر صادق بنے اور جو ان سے وابستہ ہوا اسے صادق بناتے رہے، انہی حضرات کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (لقمان:۱۵)

اس کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف مائل ہوا۔

اللہ کی طرف تو وہی مائل ہوا ہے جو اپنے میلانِ طبع اور خواہشاتِ نفس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا بلکہ اس کے شب وروز، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل میں بسر ہوتے ہیں، اس کا ہر عمل رسول ﷺ کی سنت کے مطابق اور حکم رب کا مظہر ہوتا ہے، وہ اطاعت وپیروی کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ اس کی طبیعت کا میلان شرعی احکام کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں ہو پاتا حتیٰ کہ اس کی سوچ اور فکر کا انداز بھی بدل جاتا ہے، یہی مؤمنین کاملین ہیں، جن کے دامن سے وابستہ

ہونے اور ان کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، یہی اللہ کے وہ انعام یافتہ بندے ہیں جن کی راہ کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا اور'' اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ '' جیسی عظیم دعا کرنے کی تعلیم دی گئی۔

صادقین کی چند خوبیاں:۔ اللہ نے صادقین سے اپنی محبت کا اعلان کرتے ہوئے انہیں ان کے مراتب کے مطابق متعدد ناموں سے یاد فرمایا، وہ متقین ہیں اس اعتبار سے کہ تقویٰ و پرہیز گاری ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، وہ محسنین ہیں کیونکہ نیکی اور حسن سلوک ان کا وطیرہ ہے، وہ توابین ہیں کہ اپنے تقویٰ پر انہیں ناز اور گھمنڈ نہیں بلکہ اظہارِ عجز و نیاز کرتے ہوئے وہ اللہ کے حضور روتے اور گڑگڑاتے ہی رہتے ہیں، جس سے ان کے مراتب مزید بلند ہوتے ہیں، وہ متطہرین ہیں کہ روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی نجاستوں سے وہ بچتے رہتے ہیں اور کمال تزکیہ و تطہیر کے لئے کوشاں رہتے ہیں، پس انہیں ایسی ردائے تطہیر نصیب ہوتی ہے کہ ان کے ساتھ جو بھی اس میں پناہ لیتا ہے، نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ حضرات متوکلین ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات پر انہیں ایسا غیر متزلزل اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عمل، اپنی محنت و مشقت کے ہر انجام کو خیر اور بھلا ہی سمجھتے اور اس پر راضی برضائے مولا رہتے ہیں، اللہ پر ان کا توکل و اعتماد، وہ ان میں ارادہ و عزم کی تکمیل اور حصول منزل کے لئے اقدام کا ایسا حوصلہ پیدا کرتا ہے کہ انہیں اپنی کامیابی و کامرانی میں کوئی تذبذب یا شک و شبہ نہیں ہوتا؛ چاہے حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں، ظاہری و مادی وسائل اجازت دیتے ہوں یا نہ دیتے ہوں، وہ توکل کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ'' وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ '' اور اس یقین کامل کے ساتھ جب وہ اپنی منزل کی طرف قدم اٹھاتے ہیں تو کامیابی و کامرانی ان کے قدم بوس ہوتی ہے، یہی حضرات مقسطین کہلاتے ہیں کہ عدل و انصاف ان کا شیوہ ہوتا ہے یہ اپنی ذات کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے نفس کے ساتھ بھی عدل کرتے ہیں کہ وہ اسے صرف اور صرف شرعی خواہشات کا عادی بنا لیتے اور ان ہی کو پورا کرتے ہیں، وہ اپنے معاشرے کے ساتھ بھی انصاف کرتے ہیں کہ ہر کسی کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں، یہی شاکرین ہیں کہ ہر حال میں شکر الٰہی ان کی عادت ہے، نہ تو مسرت و خوشی کے لمحات انہیں اعراض و روگردانی میں مبتلا کرتے ہیں اور نہ رنج و غم، مصائب و آلام کی آندھیاں انہیں مایوسی و ناامیدی یا شکوہ سنجی کے خرمن میں دھکیل پاتی ہیں بلکہ جب وہ خوش ہوتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور'' وَلَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ '' کے وعدہ الٰہی پر یقین کرتے ہوئے مزید انعاماتِ الٰہیہ کے طلب گار ہوتے ہیں اور جب رنجیدہ و غمزدہ ہوتے ہیں تو عرض گزار ہوتے ہیں کہ اے رب کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اس سے زیادہ رنج و غم سے محفوظ رکھا کہ ہم ہی میں بہت سے ہم سے بھی زیادہ مصائب و تکالیف میں مبتلا ہیں، نیز'' وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ '' پر یقین کرتے ہیں، رب ہی سے التجا کرتے ہیں کہ مولیٰ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ السلام کے وسیلۂ جلیلہ سے اس مصیبت سے نجات عطا فرما، یہی لوگ صابرین ہیں کہ ہر حال میں صبر کر کے یہ نصرت و رحمت الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں، زندگی کے کسی موڑ پر یہ تنہا نہیں رہتے، اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے، زندگی کا ہر سفر ان کے لئے سہل و آسان ہو جاتا ہے، جسم کو چھلنی کر دینے والے کانٹے بھی ان کے لئے مہکتے پھول بن جاتے ہیں، ہر حال میں'' اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ '' کا وردِ منزل کی

طرف ان کی رہبری و رہنمائی کرتا ہے، یہی صادقین ہیں جنہیں ولایت کا اعلیٰ منصب نصیب ہوتا ہے، جس کو پانے کے بعد یہ مستقبل کے خوف اور ماضی کے حزن سے آزاد ہو جاتے ہیں، استقلال و استقامت کا پہاڑ بن کر اللہ کے ایسے مقرب و محبوب بن جاتے ہیں کہ دنیا ہی میں فرشتے خوف و حزن سے آزادی کی خبر دیتے اور جنتی ہونے کا مژدہ سناتے ہیں جہاں یہ اللہ کے مہمان ہوں گے اور ان کی ہر خواہش پوری کر کے ان کی میزبانی کی جائے گی۔

اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہی ہے دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، تقویٰ اختیار کرو یہ تقویٰ تمہاری زندگی کو سہل و آسان بنا دے گا تمہارے ظاہر و باطن کو حسین و جمیل کر دے گا کہ مؤمن کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا زیور نہیں ہوسکتا، نیز اپنے تقویٰ کی بقاء کے لئے، اس کے تحفظ کے لئے، اس کی نشوونما کے لئے، اس میں اضافہ کے لئے، صادقین کا ہاتھ پکڑ لو، ان کے مرید بن جاؤ کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب بن چکے ہیں، اللہ ان کے تقویٰ کا محافظ ہو گیا ہے، اللہ ہی کے فضل و کرم سے ان کے مراتب دن بدن بلند ہو رہے ہیں۔ ان کے دامن سے وابستگی، ان کی ارادت اور ان سے عقیدت، تمہاری دنیا و آخرت میں ترقی، عزت و عظمت کی ضمانت بنے گی، ان کے غلام بن کر تم آقا بن جاؤ گے، اگر تم انہیں قائد مان لو گے تو دنیا والوں کے قائد بن جاؤ گے۔

ہماری حالت

مندرجہ بالا سطور کے مطالعہ کے بعد ہم آپ کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ سوچئے ہم کس حد تک ان ہدایاتِ ربانی پر عمل پیرا ہیں، تقویٰ کی کتنی دولت ہم نے جمع کی ہے، اس کی حفاظت کے لئے ہم نے کسی صادق کا ہاتھ تھاما ہے یا نہیں، دوستو! اگر دیانت سے غور کیا جائے۔ تو ان سوالات کا جواب نفی ہی میں ملے گا ہمارے پاس تقویٰ کتنا ہے، اس کا جواب خود ہمارے اعمال اور ہمارے حالات دے رہے ہیں کہ اگر تم متقی ہوتے تو انفرادی و اجتماعی طور پر غم و اندوہ کی تاریکی میں غرق نہ ہوتے، ذلت و خواری کی دلدل میں پھنسے نہ ہوتے، قتل و غارت اور انتشار و افتراق کا شکار نہ ہوتے، امن و سکون کے لمحات کے لئے نہ ترستے، رہا دوسری ہدایت سے متعلق سوال کا جواب تو وہ بھی ہمارا حال دے رہا ہے۔ یہ گمراہ کن تصور عام ہے کہ پیری مریدی مذہب کے نام پر ایک دھبہ ہے، یہ ڈھونگ ہے، علماء و مشائخ کی صحبت وقت کا ضیاع ہے، ان کی صحبت کا وقت گیا جن کی محفلوں میں اللہ، رسول ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دی جاتی ہے، احکامِ شرع پر عمل کی ترغیب دی جاتی ہے، یہ کوئی سوسائٹی نہیں، سوسائٹی تو کلبوں، ہوٹلوں، قمار خانوں میں ملتی ہے، جہاں ناچ ہو، جام ہو، شیطانی حسن ہو، عریانیت ہو، فحاشی ہو، اللہ ان بیہودہ خیالات سے محفوظ رکھے۔

دوستو! ان تصورات اور ان کی عملی صورت نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یہ تو آپ خود فیصلہ کیجئے۔ بس ہم اتنا عرض کر دیں کہ تقویٰ مؤمن کا زیور ہے، صادقین اس کے محافظ ہیں، ہم محافظین سے دور ہوئے تو ہمارا زیور لٹ گیا، اور بے زیور، نہ حسن رہتا ہے، نہ جمال، نہ کشش اور نہ ہی وقعت۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۶

التوبہ: ۱۲۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبہ: ۱۲۳)

اے ایمان والو! جنگ کرو ان کفار سے جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

قرآن کریم اہل ایمان کو کفار سے جہاد کی بار بار ہدایت فرماتا ہے "وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً" آیت مذکورہ میں جہاد کی ترتیب بیان کی جارہی ہے کہ پہلے ان سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہوں۔ چونکہ جہاد ظلم وستم کو ختم کرنے کا دوسرا نام ہے، اس اعتبار سے ظالموں، کافروں کے لئے رحمت اور ان کی اصلاح کا ذریعہ ہے، لہٰذا جو قریب ہیں وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں ظلم وستم سے باز رکھا جائے، ان کی اصلاح کی جائے نیز ان کے شر سے محفوظ ومطمئن ہو جانے کے بعد دور والوں کی طرف رخ کیا جائے تاکہ وہ کوئی فتنہ وفساد پیدا نہ کرسکیں، قریب والوں پر فتح وکامیابی حاصل کر لینے کے بعد

آگے بڑھا جائے تا کہ وہ مرعوب ہوکر بآسانی مغلوب ہوسکیں، قرب چاہے رشتہ وتعلق کا ہو یا مکان کا ہو، پیغامِ الٰہی پہنچانے میں بھی اسی قرب کا لحاظ رکھا گیا، ''جیسا کہ نبی مکرم الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا''، ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ'' آپ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہلے اپنے خاندان کو دعوت حق دی، اہل مکہ کو دعوت حق دی، پھر آپ ﷺ نے عام اعلانِ حق فرمایا، جہاد میں بھی آپ ﷺ نے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا کہ پہلے حجاز اور عرب کے کفار سے جہاد کیا گیا پھر آپ ﷺ نے روم وشام کا رخ فرمایا غرضیکہ یہ اسلام کا نظامِ تبلیغ ہے جو فطری اور اصولی ہے۔ جس طرح بلندی پر پہنچنے کی ابتداء پہلی سیڑھی سے کرنا ہی عقلمندی ہے اور کامیابی کا یقینی ذریعہ ہے، اسی طرح تبلیغ اسلام اور دعوتِ حق کی ابتداء میں قرب کا لحاظ ایک محفوظ اور کامیاب طریقہ ہے۔ جس سے یقیناً منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ پر ہمیشہ بارعب اور باوقار رہیں، بالخصوص جہاد کے موقع پر اظہار ''غِلْظَةً'' نہایت ہی اہم ہے کہ کفار مجاہدین اسلام کی چال، ان کے انداز گفتگو سے ان کی قوت وطاقت کا اندازہ کرسکیں اور انہیں اہل ایمان کے مقابلہ کے لئے سامنے آنے پر بار بار غور کرنا پڑے، وہ ایسے مرعوب ہوں کہ جب آمنا سامنا ہو تو پہلے ہی ان کی ہمت ساتھ چھوڑ چکی ہو، یہ دشمن پر غالب آنے کے لئے ایک نہایت ہی اہم ہتھیار ہے جو تمام ہتھیاروں سے زیادہ مؤثر اور ذریعہ کامیابی ہے۔ لیکن یہ نہ تو کسی فیکٹری میں ڈھلتا ہے اور نہ ہی کسی بازار میں بکتا ہے، یہ صرف مؤمن کو اس کے ایمان کے کمال سے نصیب ہوتا ہے، جس کا اثر مجاہدین کے چہروں پر ایک نور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو کفار کی آنکھیں خیرہ کر دیتا ہے، اور ان میں اہل ایمان سے نظر ملانے کی ہمت باقی نہیں رہتی، اب ان کے ہاتھوں میں ان کی تلواریں بھاری ہو جاتی ہیں، ان کے تیروں کا نشانہ غلط ہو جاتا ہے، ان کے قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے کی طرف پڑنے لگتے ہیں، کفر انہیں آگ کی طرف ڈھکیلتا ہے تو آگ کا خوف انہیں پیچھے ہٹنے، جان بچانے اور بھاگنے پر مجبور کرتا ہے، انجام کار وہ بہت جلد ذلیل وخوار ہوکر مغلوب ہو جاتے ہیں۔

حکم جہاد اور ہدایت ''غِلْظَةً'' کے ساتھ ہی یہ مژدہ بھی دیا جا رہا ہے کہ متقین کے ساتھ اللہ کی حمایت ونصرت ہے، یعنی ضروری ہے کہ تم بالخصوص جب اللہ کے دشمن کے مقابلہ کا ارادہ کر رہے ہو تو اللہ کا خوف تمہارے اوپر غالب ہو کہ اس مقابلہ کا سبب حدودِ سلطنت کی توسیع نہ ہو، حصولِ دولت مقصود نہ ہو، ذاتی انتقام کا خیال تک نہ ہو، صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل ہو، اشاعتِ دین کے لئے، ظلم وستم کے خاتمہ کے لئے، کفر کی تاریکی کو اسلام کے نور سے چھانٹنے کے لئے ہو، نیز مجاہد کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو، اس کے قلب ودماغ پر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ طاری ہو، پھر وہ ثباتِ قلب وقدم اور استقامت واستقلال کی صورت میں اللہ کی مدد پاتا ہے نیز اس کی مدد کی جاتی ہے، ''بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا'' ایسے لشکروں سے جن کو ظاہر بین نگاہیں دیکھ بھی نہیں پاتیں۔

جس طرح یہ ہدایت ان کفار کے ساتھ جہاد کے لئے ہے جو بظاہر تمہارے قریب ہوں اسی طرح اس نفس امارہ سے جہاد کے لئے بھی ہے جو بڑا ہی کافر اور ظالم ہے، جس کا شر وفساد سب سے زیادہ ہے کہ وہ ایسی خاردار جھاڑی ہے، جس میں

مومن کا دامن تقویٰ پھنس کر تار تار ہو جاتا ہے، جو مومن کو آرام پسند اور عیش پرست بنا دیتا ہے، برائیوں پر آمادہ کرتا ہے، صالحیت سے متنفر کر دیتا ہے، مجاہد کو میدان جہاد سے گریز پر مجبور کر دیتا ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے اس سے جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا، ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ '' یہی قریب ترین دشمن ہے پہلے اس سے جہاد کر لو، اس میں ایمان کا نور پیدا کرو، اس کا تزکیہ کرو، تب اس پر تمہارے رب کی تجلی ہوگی، کفار سے جہاد کی ہمت پیدا ہوگی، اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہوگا اور تم متقی قرار پاؤ گے اور متقی ہی کو اللہ کی حمایت ونصرت نصیب ہوتی ہے، پس

اے ایمان والو! علم جہاد بلند کرو، اس حال میں کہ تمہارا قلب نور ایمان سے چمک رہا ہو، اس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہو رہا ہو، کفار تم سے مرعوب ہو رہے ہوں، اسلام کے نور سے پہلے ان کے قلوب کو منور کرو جو تمہارے قریب ہوں، پھر اسی شمع کو چار دانگ عالم میں ایسا روشن کر دو کہ اللہ کی زمین کا کوئی گوشہ اللہ کے نور سے محروم نہ رہے، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سورۃ الحج“

آیات نمبر	مقالہ نمبر
77 تا 78	57

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۷

الحج ۷۷ تا ۷۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (الحج: ۷۷،۷۸)

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ، اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں اور نہیں کی اس نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی، پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی، اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تاکہ ہو جائے رسول ﷺ گواہ تم پر

اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین کے علمبردارو!) صحیح صحیح نماز ادا کیا کرو اور دیا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ (کے دامن رحمت) کو وہی تمہارا کارساز ہے، پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مددفرمانے والا ہے۔

سورۂ حج میں یہ ایک ہی مقام ہے جہاں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا ہے۔ ان آیات میں جو ہدایات جاری کی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں رکوع کرو، سجدہ کرو، رب کریم کی عبادت کرتے رہو، ہمیشہ مفید و نیک کام کیا کرو، دین کی سربلندی و سرفرازی کے لئے ہر قسم کا جہاد کرتے رہا کرو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ پابندی سے ادا کیا کرو، اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔

رکوع وسجود

رکوع وسجود کا حکم دے کر درحقیقت نماز کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رکوع وسجود، نماز کے دو ایسے اہم رکن ہیں کہ صرف انہی سے نمازی کا نماز میں ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز یہ عاجزی وانکساری اور بندگی کے اظہار کی واضح ترین صورتیں ہیں کہ نمازی اللہ کی کبریائی کے اعتراف، حمد وثناء اور تلاوتِ قرآن کے بعد اللہ کے حضور جھک جاتا ہے، گویا اب وہ اپنی کمزوری و ناتوانی کا اعتراف کرتا ہے، پھر وہ اپنا سر تک زمین پر رکھ کر انتہائی ذلت وخواری کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اللہ مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کی قدرت، قوت، رفعت و بلندی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے رحم وکرم کی بھیک مانگتا ہے، اسی لئے رکوع وسجود کی حالت میں اللہ کے کلامِ رفیع کی تلاوت ممنوع قرار دی گئی، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نَهَانِیۡ حَبِیۡبِیۡ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ اَقۡرَأَ رَکِعاً وَّسَاجِداً'' میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے رکوع وسجود کی حالت میں تلاوت کرنے سے منع فرمایا اور بندہ جب رکوع اور سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے تو اس وقت اس پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے، لہٰذا اسے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی زبان سے ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمِ'' اور ''سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی'' کہے نیز رکوع وسجود پر خصوصی توجہ اور اس میں اعتدال کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''لَا تَجۡزِیۡ صَلٰوۃَ الرَّجُلِ حَتّٰی یَقِیۡمَ ظَهۡرَهٗ فِی الرُّکُوۡعِ وَالسُّجُوۡدِ'' اس شخص کی نماز قبول نہیں جو رکوع اور سجدہ میں کمر سیدھی نہ کرے، یہ اعتدال اگرچہ احناف کے یہاں واجب نہیں، تاہم بعض آئمہ کرام نے اسے واجب قرار دیا ہے لیکن بہرحال اعتدال کا خیال نہ کرنا نماز میں کراہت کا باعث ضرور ہے، اسی لئے اسے نماز میں چوری قرار دیا گیا، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، سب سے بدتر شخص وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! نماز میں چوری کیسے ممکن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''لَا یُتِمَّ رُکُوۡعَهَا وَلَا سُجُوۡدَهَا'' کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کیا جائے۔ (یہ چوری ہے)

بالخصوص سجدہ نماز کا اہم ترین حصہ ہے، جس پر قرآنی آیت ''وَاسۡجُدۡوَا قۡتَرِبۡ'' سجدہ کرو اور قرب الٰہی حاصل کرو، شاہد ہے اور سید الساجدین ﷺ کا ارشاد ہے، ''اَقۡرَبُ وَاَنۡ یَّکُوۡنُ الۡعَبۡدُ مِنۡ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَکۡثِرُوۡا

الدُّعَآءَ''، بندہ بحالت سجدہ سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، پس اس حالت میں دعا کیا کرو، گویا نماز کے علاوہ دعا کے لئے اللہ کا شکرادا کرنے کے لئے بھی بکثرت سجدے کرنا چاہئیں کہ جب بندہ عجز و انکساری کی اس انتہائی حالت میں رب کے قریب ہو کر روتا ہے تو رحیم و کریم مولیٰ اس پر نظر رحم و کرم فرماتا ہے، اسی لئے شیطان لعین کو سب سے زیادہ تکلیف ہمارے سجدوں سے ہی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کوحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ بارگاہ رب میں سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے، ''یٰوَیْلَتیٰ اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ'' ہائے افسوس انسان کو سجدے کا حکم دیا گیا، پس اس نے سجدہ کیا اور جنتی ہو گیا اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا، میں نے انکار کیا تو میں جہنمی ہو گیا، سجدے کے عنوان پر ہم گزشتہ اوراق پر خاصی تفصیل سے لکھ آئے ہیں، لہٰذا یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اللھم اجعلنا من الساجدین المخلصین۔

اللہ کی عبادت

نماز کے حکم کے بعد عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے تا کہ یہ غلط فہمی ختم کر دی جائے کہ صرف نماز ہی اللہ کی عبادت ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عبادت کے مخصوص اور ظاہری طریقے ہیں، جن سے مؤمن کو اصل عبادت کی تربیت ملتی ہے کہ اصل عبادت ہر جگہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے وجود کا احساس اور ہر حال میں اللہ کی اطاعت اور اتباع رسول ﷺ کا خیال ہے، رکوع و سجود میں اظہار بندگی کرنے والا مؤمن اس عظیم ذمہ داری کا حامل ہے کہ وہ اپنے ان تمام کاموں کو دین بنا لے جو دنیا والے صرف اپنے فطری تقاضوں اور نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے انجام دیتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب مؤمن کا کوئی عمل اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو بلکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کا خیال ہو، یہی تقاضائے بندگی ہے، یہی کمال عبدیت ہے، اسی صورت میں قرآنی ارشاد پر عمل ہو سکتا ہے، ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' میں نے جن وانس کو صرف عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے، مؤمن کے لئے دنیا، دین کے سوا کچھ نہیں، دین و دنیا کی علیحدگی کا تصور بھی بڑی ضلالت و گمراہی ہے، جو عیش و عشرت پرستوں اور دنیا پسندوں کا پیدا کردہ ہے، اللہ اس سے محفوظ رکھے کہ یہ ایسے مفاسد کی بنیاد ہے جو دولت ایمان سے محرومی تک کا باعث ہو سکتے ہیں۔

نیک کام کیا کرو

خیر یعنی بھلائی ہر وہ عمل ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کیا جائے، ظاہر ہے یہ وہی تمام اعمال ہیں جن کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا اور انہیں خیر قرار دیا، اس کے برعکس شر ہے، یعنی ایسے اعمال جن کو شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا، یا عمل کرنے والے نے خود ہی اسے شر بنا لیا کہ کام تو درحقیقت بھلا اچھا اور جائز ہے لیکن اس میں ریا و نمود، خود غرضی، لالچ وغیرہ کے جراثیم شامل کر دیئے گئے، ایک شخص بڑا نمازی ہے لیکن صرف اس لئے کہ لوگ اسے متقی جانیں اس پر اعتماد کریں، کوئی حج کرتا ہے کہ لوگ اسے حاجی کہیں، زکوٰۃ و صدقہ دیتا ہے کہ لوگ اسے دولت مند کہیں یا اس کی چاپلوسی کرتے رہیں، روزہ رکھتا ہے صرف جسمانی صحت اور تندرستی کی غرض سے، غرضیکہ اس شخص نے خیر کو شر، صالحات کو سیئات بنا لیا، انسان

جو بھی خیر یا شر کرتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا انجام ضرور پا لیتا ہے، ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' جس نے رتی برابر بھی کوئی بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے رتی برابر بھی کوئی برائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔

خیر و شر، دونوں کا خالق بلاشبہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہی ہے۔ یہ دونوں راہیں یا دونوں قسم کے اعمال انسان کے لئے ذریعہ امتحان و آزمائش ہیں، ''وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً'' اور ہم تمہیں خوب آزماتے ہیں شر و خیر میں مبتلا کر کے۔ لیکن اللہ ہی نے انسان پر یہ کرم بھی فرمایا کہ خیر و شر کی دعوت و وضاحت کے لئے اس نے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں نازل کیں تا کہ انسان تاریکی میں نہ بھٹکتا رہے، وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے بھلائی اختیار کرے اور برائی سے بچے، پس جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت پر توجہ تک نہ کی وہ کفر کے سمندر میں غرق ہیں، ان سے خیر کی توقع کیا کی جا سکتی ہے اور اگر انہوں نے فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر کوئی بھلائی کر بھی لی تو وہ ذخیرۂ آخرت کیسے ہو سکتی ہے کہ انہوں نے یہ عمل خیر، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تو نہیں کیا، نہ ہی اس سے ان کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے بلکہ اس سے مقصود صرف دنیاوی فائدہ ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز کر کے خیر کو اختیار کرے اور شر کی راہ سے دور رہے، اسی لئے ''وَافْعَلُوا الْخَيْرَ'' کی ہدایت خاص طور پر اہل ایمان کو کی جا رہی ہے کہ

اے ایمان والو! تم خیر کے ذمہ دار ہو، نیکی اور بھلائی تمہیں ہی زیب دیتی ہے، پس تم ہر حال میں، ہر وقت، نیک کام کرتے رہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کے لئے کرتے رہو، اعمال میں خلوص لازمی ہے، اگر تمہارے اعمال سے خلوص کی چاشنی نکل گئی تو خیر، خیر نہ رہا۔ تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا کہ خود ہی خیر کو شر بنا لیا۔

آدمی عمل خیر کبھی اپنے لئے کرتا ہے مثلاً تمام عبادات جن کا مقصد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور آخرت کی نجات ہوتا ہے، مثلاً سچائی اختیار کرنا، جس سے مؤمن کو دنیا میں بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ لوگ اس کو عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، اس پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں، مشکل وقت میں اس کے کام آتے ہیں اور کبھی وہ خیر کی راہ دوسروں کے لئے اختیار کرتا ہے کہ ایسی بھلائیاں کرتا ہے جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کر دینا، یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کو سہارا دینا، ان کی مدد کرنا، اہل علم یا طالبین علم کی خدمت کرنا، اسی قسم کے اور بہت سے کام ہیں، جن سے اگرچہ دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے لیکن ان سے مقصود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہوتا، ایسے ہی کام کرنے والے مؤمن کے لئے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ''خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ'' لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا'' تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اخلاق و عادات کے اعتبار سے اچھے ہیں، غرضیکہ خیر کسی بھی نوعیت کی ہو، بہر حال اللہ کو مطلوب ہے، محبوب ہے، اہل خیر دنیا و آخرت میں عزت پاتے ہیں، اعمال خیر دنیا و آخرت میں بے شمار برکتوں اور اجر عظیم کا ذریعہ ہیں، ''لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ'' کا مژدہ، راہِ خیر اختیار کرنے کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے کافی ہے، اللہ توفیق دے۔

جہاد فی سبیل اللہ

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل ایمان کو بڑی تاکید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور دیگر عبادات کی طرح اسے بھی ایک فریضہ قرار دیا گیا ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت اور اشاعت ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے ''رَبُّنَا اللّٰهُ'' کہنے والوں کا بلاخوف لَوْمَةَ لَائِمٍ، ہر میدان میں ڈٹے رہنا حق جہاد ہے، میدانِ کارزار، گرم ہو تو اعدائے دین کے مقابلہ پر مؤمن سینہ سپر نظر آئے، حصول مقصد کے لئے جان جائے تو جائے لیکن پیٹھ نہ پھیرے، یہ حق جہاد ہے، ظالم و جابر دشمن برسر اقتدار ہو، اپنے ظلم و جبر سے دین چھڑانا اور چھیننا چاہے تو چاہے آگ کے انگاروں پر لوٹنا پڑے لیکن احد احد کی صدا دھیمی نہ پڑنے پائے، یہ حق جہاد ہے، جتنا ظلم بڑھتا رہے، اتنی ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی رہے، حتیٰ کہ عاشق جان و مال، اہل و عیال کی پروا کئے بغیر وطن عزیز کو بھی قربان کر دے، یہ ہے حق جہاد، باطنی دشمن نفس امارہ کی خواہشات پامال کرنے کے لئے تڑپنا پڑے یا پھڑکنا پڑے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل میں سرمُو فرق نہ آنے پائے، یہ حق جہاد ہے، گرمی، سردی، یا سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، نیند قربان کرنا پڑے یا آرام میں خلل واقع ہو لیکن فرائض کی ادائیگی میں تساہل نہ ہونے پائے، یہ حق جہاد ہے، سود، رشوت، جوئے یا دیگر حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت بآسانی میسر آئے لیکن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھنے پائے، یہ ہے حق جہاد، غربت و تنگدستی کے شب و روز بسر ہوں لیکن حرام کمانے یا کھانے کا خیال تک نہ آئے، یہ ہے حق جہاد، شراب نوشی، اس کے کاروبار، اس کی محفلوں، بروں کی صحبت سے دور رہا جائے، چاہے کوئی کتنی ہی ملامت کرے، یہ ہے حق جہاد، اہل خانہ و خاندان پر دین کی پابندی عائد کی جائے چاہے ان سے علیحدگی اختیار کرنا پڑے لیکن کسی کی محبت دین پر عمل سے نہ روک سکے یہ ہے حق جہاد، حصول علم، خدمت علم و علماء کے لئے چاہے کتنی ہی دولت اور کتنا ہی قیمتی وقت صرف کرنا پڑے لیکن اس فریضہ میں کوتاہی نہ کی جائے، یہ ہے حق جہاد، رجعت پسندی، دہشت گردی جیسے گھناؤنے الزامات ہی کیوں نہ لگائے جائیں لیکن مُدَاهَنَتْ فِي الدِّيْنِ کے جرم کا ارتکاب نہ ہونے پائے، یہ ہے حق جہاد، غرضیکہ حق جہاد یہ ہے کہ دین کی ظاہری و باطنی سرحدوں کی، استقلال و استقامت اور ثبات قلب و قدم کے ساتھ حفاظت کی جائے، چاہے کسی قسم کی بھی قربانی دینا پڑے۔

مؤمن کے لئے اس ذمہ داری کو پورا کرنا کوئی دشوار نہیں کیونکہ اس کی نظر رب کریم کے ارشاد ''هو اجتبٰكم'' پر ہے کہ رب نے تو اسے اس عظیم ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے منتخب فرما لیا ہے، اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ ساری کائنات میں رب کریم کی نظر انتخاب مؤمن پر پڑی، وہ منتخب قرار پایا اسے مالک نے اپنا سپاہی بنا لیا، اپنی فوج میں شامل کر لیا، دین کے محافظین کی فہرست میں اس کا نام آ گیا، اب اسے کسی سے کیا لینا اسے مالک حقیقی کی چاکری کرنی ہے، وہ اس کی جملہ ضروریات کا کفیل بنے گا، مؤمن کو اس مژدہ نے ایسا سرمست و سرشار کر رکھا کہ بس وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے، اسے ڈرایا جاتا ہے دھمکایا جاتا ہے کہ دنیا کی ساری قومیں حتیٰ کہ ''سپر پاورز'' بھی تمہارے خلاف ہو گئی ہیں، تمہارا معاشی، معاشرتی

اور سیاسی بائیکاٹ کردیا جائے گا تم اس دنیا میں تنہا رہ جاؤ گے لیکن مؤمن کا حال اللہ اکبر کیا ہوتا ہے۔ کاش ہم قرآن پڑھیں اور عمل کی نیت سے پڑھیں تو پتہ چلے کہ ہمارا کیا حال ہونا چاہئے، غور کیجئے اس آیت مبارکہ پر۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْہُمْ فَزَادَہُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران: ۱۷۳)

یہ (مؤمن) وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے انہیں بتایا کہ کفار نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان جنگ اور لشکر) پس تم ان سے ڈرو تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

دیکھا آپ نے مؤمن کا حال کیا ہوتا ہے، دھمکیاں، سپر پاورز کے سپر لشکروں کے منڈلانے کی خبریں، مؤمن کو راہ حق سے بھٹکاتی نہیں ہیں، بزدل اور خوف زدہ نہیں کرتی ہیں بلکہ یہ حالات اس کی ایمانی قوت میں اضافہ کردیتے ہیں اور اس کا رونگٹا رونگٹا پکارتا ہے، "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ" ہمیں کسی کی پرواہ نہیں، جس نے ہمیں منتخب کرلیا ہے وہ ہماری قوت وطاقت کا اصل سرچشمہ ہے، اللہ ہمیں کافی ہے وہ دشمن کی ظاہری و پوشیدہ کارستانیوں کو خوب جانتا اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بہترین کارساز ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اہل ایمان کو کامیابی و کامرانی، امن وسکون اور شادمانی کا دور نصیب ہوا ہے، اسی حقیقت کا تصور ہتھیار اور ذریعہ بنا ہے اور آج کی طرح جب بھی مؤمن اس تصور سے محروم ہوا ہے، ذلت وخواری، ناکامی و نامرادی، اس کا مقدر بنی ہے۔ کاش ہم اس حقیقت پر غور کریں اور پھر "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" کے ارشاد کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں، تو یقین جانئے، ہمارے دن پلٹ سکتے ہیں، ہمارا حال بدل سکتا ہے، پرسکون و پرامن اور باعزت زندگی کی بہاریں ہمیں نصیب ہوسکتی ہیں، "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ"۔

حرج

بعض اوقات فرائض کی ادائیگی، احکام شرع کی پابندی، جہاد فی سبیل اللہ میں تنگی ودشواری کا احساس ہونے لگتا ہے اور اسی لئے تساہل پیدا ہوتا ہے جب بھی یہ کیفیت ہو تو یقین کر لیجئے کہ یہ وسوسۂ شیطان ہے کہ جب دنیا کا کوئی منصف ورحم دل حاکم اپنے ملازمین کو کسی دشواری اور تنگی میں مبتلا کرنا پسند نہیں فرماتا تو احکم الحاکمین جو بلاشبہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ہے، کس طرح گوارا فرماسکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری یا تنگی میں مبتلا کرے، پس یقین رکھو، کہ "مَاجَعَلَ فِیْ الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" اس نے تمہیں کوئی ایسا قانون نہیں دیا جس سے تم تنگی میں مبتلا ہو، "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" وہ تو تمہارے لئے سہولت وآسانی کے دروازے وا فرماتا ہے، تنگی وعسرت کے نہیں، وہ اپنے فضل وکرم سے بار بار تمہیں یقین دلاتا ہے کہ ہم تمہیں حرج میں مبتلا نہیں کررہے دیکھو وضو اور غسل فرض کیا گیا لیکن پانی میسر نہ آنے کی صورت میں تمہیں مٹی سے پاکی حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، کیوں صرف اس لئے کہ "مَایُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ" کہ اللہ

تمہیں کسی تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا ہے، یہی اصول ہر اس مقام پر موجود ہے جہاں واقعی کوئی دشواری اور تنگی پیش آنا ممکن ہو، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے حکام چاہے کتنے ہی منصف اور اپنی قوم کے ہمدرد ہوں لیکن ان کے احکام میں حرج آ ہی جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کی وسعت اور قوت برداشت کو نہیں جانتے جب کہ خالق انسان اللہ بخوبی انسان کی صلاحیتوں، اس کی قوت برداشت کو جانتا ہے، لہٰذا اس کے حکم میں حرج کا ہونا ممکن ہی نہیں ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔''

اے ایمان والو! احکام شرع میں اگر تمہیں کس حرج، تنگی یا دشواری کا احساس ہو تو سمجھ لو یہ شر شیطان ہے، شر نفس ہے اور اس میں مبتلا ہونا ایسا مہلک مرض ہے جس سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے، پس جب بھی تمہیں حرج کا احساس ہو تو تم تساہل وسستی میں مبتلا ہونے کے بجائے مزید چاق و چوبند ہو جاؤ اور مزید محنت ومشقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پابندی کرو۔

ملت ابراہیم علیہ السلام

اہل ایمان کو جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بھی نبی کی توہین مؤمن کو ایمان سے اسی طرح خارج کر دیتی ہے جس طرح حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے، حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باپ ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم نے خصوصی طور پر ان سے امت مسلمہ کا تعلق ظاہر فرمایا اور اس امت کو ملت ابراہیم قرار دیا، حتیٰ کہ یہ بھی بتایا گیا کہ تمہیں جس نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہے، ان کی بعثت دعائے ابراہیمی ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کرتے ہوئے دعا فرمائی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ
يُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ (البقرہ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول ﷺ انہی میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں، بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

پس اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اہل ایمان پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہیں بالکل ایسا ہی نبی عطا فرمادیا جیسا حضرت ابراہیم نے مانگا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرماتے ہیں، ''اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْم'' میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام امت مسلمہ کے محسن ہیں جنہیں یاد رکھنا اس امت کی ذمہ داری ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کو ہمارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا، فرمایا گیا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ (الممتحنہ: ۴)

بے شک تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں (کی زندگی) میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ (الممتحنہ:٦)

بیشک تمہارے لئے ان (حضرت ابراہیم اوراُن کے ساتھیوں کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے اس سے، تو بلا شبہ اللہ ہی بے نیاز ہے، سب خوبیوں والا۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اداؤں اور بعض سنتوں پر عمل کرنے کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا تا کہ قیامت تک آپ کی یاد تازہ ہوتی رہے اور نبی آخر الزماں ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ہمیشہ ہمیشہ آپ کا ذکر جاری رہے، اہل ایمان کعبہ کا طواف کرتے ہوئے، سعی کرتے ہوئے، آب زمزم پیتے ہوئے، منیٰ کے قیام کے دوران، ہرلحہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں، پھر دنیا بھر میں دس، گیارہ، بارہ (١٠، ١١، ١٢) ذی الحجہ کے تین دن تو خصوصی طور پر آپ کی یاد کے دن ہو جاتے ہیں کہ اہل اسلام ان ایام میں قربانی کرتے اور آپ کے ایثار وقربانی کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں میں سے اہم سنت ہے جیسا کہ میرے آقا ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''سُنَّتُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ '' یہ قربانی تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اس کے علاوہ ناخن تراشنا اور ختنہ کرانا بھی آپ ہی کی سنت ہیں، ان سنتوں پر عمل اور دین ابراہیم کی پیروی کی تاکید کرتے ہوئے ہی فرمایا گیا:

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (البقرہ:١٣٠)

اور کون روگردانی کرسکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنالیا ہوا پنے آپ کو اور بیشک ہم نے چن لیا ابراہیم کو دنیا میں اور بلا شبہ وہ قیامت کے دن نیکوں میں ہوں گے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (البقرہ:١٣٥)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرمادیجئے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا، حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(آل عمران:٩٥)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرمادیجئے سچ فرمایا ہے اللہ نے پس پیروی کرو تم دین ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور نہ تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ (النساء:۱۲۵)

اورکون ہے بہتر دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہوا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو اور اس نے پیروی کی دین ابراہیم کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے ہو اور بنالیا ہے اللہ نے ابراہیم کو خلیل۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (انعام:۱۶۱)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے بیشک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے سیدھی راہ تک (جو) دین ابراہیم ہے، جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے اور نہیں تھے وہ مشرکوں میں سے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (النحل:۱۲۳)

پھر ہم نے وحی فرمائی (اے حبیب ﷺ) آپ کی طرف کہ پیروی کرو دین ابراہیم کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

ملت ابراہیم کی اتباع و پیروی کی بار بار تاکید کی جارہی ہے ملت، سنت اور طریقہ کو کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ، ان کے احکام دین، فطری اور طبعی تھے جو ہر سلیم الطبع شخص کے لئے قابل قبول ہیں، بالخصوص ان کی اطاعت شعاری، ''اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کے عہد بندگی کو نبھانا، ایثار و قربانی، استقلال و استقامت، حلم و بردباری، خوش اخلاقی، خوش طبعی ان کی وہ عظیم خوبیاں تھیں جن کے باعث وہ اور ان کے ساتھی اس امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پائے۔ ہر دین کے دعویداروں نے انہی کی راہ اختیار کرنے کا دعویٰ کیا لیکن اس دین حنیف وقیم کے صحیح پیروکار نبی آخرالزماں ﷺ اور ان کے متبعین ہیں۔ اب جو بھی اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا متبع قرار دیتا ہے، اس کے لئے نبی آخرالزماں ﷺ کی غلامی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انہی کی اتباع سے اتباع ابراہیمی کا دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے، وہ خود مسلم ہوئے انہوں نے اسلام کو اپنایا، اپنے ماننے والوں کو مسلم قرار دیا، پس جو یہودی ہوا، جو نصرانی ہوا، وہ متبع ابراہیم علیہ السلام کیسے ہوسکتا ہے، قرآن سے پہلی کتابوں نے بھی یہی تعلیم دی اور قرآن بھی یہی اعلان کرتا ہے، پس

اے ایمان والو! اس رسول برحق ﷺ کی زندگی کے اوراق کو پلٹو اور ان کی اداؤں کو اپنا کر تم اپنے آپ کو اس قابل بنالو کہ تمہارا سراپا، تمہاری حقانیت پر گواہ بن جائے'' وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ''تمہیں دیکھنے، پڑھنے والوں کے لئے اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، تمہارا ہر عمل حق کی دعوت ہو،

تمہارا جذبہ ایثار وقربانی، تمہاری بسالت وشجاعت کا انداز، تمہاری خوش اخلاقی اور تمہارا اجرأ تمندانہ انداز گفتگو، تمہاری آنکھوں سے چمکتا نورِ ایمان، تمہاری زبانوں پر جاری پیغام حق، جاہ پسندوں، عیش پرستوں، دولت و طاقتوں کے متوالوں، بڑے بڑے ظالموں، جابروں اور متکبروں کو، تمہارے آقا ﷺ کا غلام بننے پر مجبور کردے، یہ ہے تمہاری شان، یہ ہے تمہارا مقام لیکن یہ عظمت تمہیں اسی وقت نصیب ہوسکتی ہے جب تم واقعی اپنے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو، ان کی اداؤں کے مطابق، احکام دین وشرع کی پابندی کرتے رہو، بالخصوص نمازوں کے پابند ہو، اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بالخصوص پابندی سے زکوٰۃ ادا کرنا تمہارے لئے بار نہ ہو نیز ایک اللہ کے بندے، ایک رسول ﷺ کے غلام، ایک قرآن کے امتی بن کر اللہ کے دین سے وابستہ ہو اور اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود تمہیں نہ تو اپنی قوت پر ناز ہو، نہ تقویٰ و پرہیزگاری پر بھروسہ ہو، نہ اپنی تدبیروں پر یقین ہو بلکہ تمہارا یقین کامل ہو کہ ''هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' صرف اور صرف اللہ ہی ہے جو بہترین کارساز ہے، نہ تو بگڑے کاموں کو بنا دینا اس کے لئے دشوار ہے اور نہ ہی کمزور کو قوت بخش دینا اس کے لئے مشکل ہے۔ وہ بڑی ہی قدرت والا ہے، پس وہی سب سے بہترین کارساز اور بہترین مدد فرمانے والا ہوسکتا ہے، اور ہے۔

هُوَ مَوْلٰكُمْ

''هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرِ'' قرآن کریم کا یہ ارشاد اہل ایمان کے لئے ہر حال میں بڑا ہی معاون و مددگار ہے، جس نے اس جملہ کو سمجھ لیا اور اس بات پر یقین کرلیا کہ میں تو اس رب حقیقی کا بندہ ہوں جو بڑی ہی قوت و طاقت والا ہے، ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' جس کی شان ہے، جو ''اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ'' بھی ہے، اور ''خَيْرُ النَّاصِرِيْنَ'' بھی، پس ایسے شخص کو قلبی سکون میسر آتا ہے، اسے ایسی قوت نصیب ہوتی ہے جو مادی وسائل سے حاصل نہیں کی جاسکتی ہے، یہی وہ اعتقاد اور یقین ہے جو مؤمن کو ایسا بارعب اور باوقار بنا دیتا ہے کہ دشمن اپنی بے پناہ قوت کے باوجود اس سے خوفزدہ ہونے لگتے ہیں، وہ ایک طرف تو اہل ایمان پر ظلم وستم کرتے ہیں اور دوسری طرف ان سے بچنے کے لئے اپنے گرد محافظین کا حصار بناتے ہیں، ماضی کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اور آج کے حالات بھی شاہد ہیں۔

یہ اتفاق ہے کہ آج (۲۱/اگست ۱۹۹۸ء) اس تحریر کے دوران خبر ملی کہ امریکہ نے افغانستان اور سوڈان پر اچانک حملہ کردیا ہے جس کا مقصد بقول ان کے دہشت گردوں کو تہس نہس کرنا ہے، امریکہ کی اس جارحانہ، ظالمانہ، اور نہایت ہی رکیک وذلیل حرکت نے دنیا بھر کے عام مسلمانوں میں ایک اضطراب پیدا کردیا، ان میں جذبۂ ایمان بیدار کردیا، ان کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ''، ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' کی صدائیں گونجنے لگیں، کسی جلاوطن مجاہد نے جسے سب سے بڑا دہشت گرد کہا جاتا ہے، حملہ کرنے والے کو اسی ایقان واعتماد کے ساتھ للکارتے ہوئے کہا کہ اب کفر سے جنگ کا آغاز ہوا ہے اور انشاء اللہ وہ وقت آئے گا دنیا دیکھ لے گی کہ میں ہی صدر امریکہ کو قتل کروں گا، وہ شخص جس کے پاس نہ لاؤ لشکر ہے، نہ حکومت وطاقت، اتنی بڑی بات کہتا ہے تو سپر پاور، ہونے کا دعویٰ رکھنے والوں کو اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے، اسے دیوانہ و پاگل سمجھ لینا چاہئے لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس صدر امریکہ کو یہ پرفریب اعلان کرنا

پڑا کہ ہماری جنگ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردوں سے ہے تا کہ اس اعلان سے اہل ایمان کا جذبہ سرد پڑ جائے، نیز حکومت امریکہ کو اپنے صدر اور دیگر حکام کی حفاظت کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا پڑیں جن کی دنیا کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی، نہ جانے کتنی دولت یومیہ ان انتظامات پر صرف ہو رہی ہے، واشنگٹن ایئرپورٹ سے وائٹ ہاؤس تک ایک حصار ہے۔ جس میں داخل ہونے والا ہر شخص اپنے آپ کو قیدی محسوس کرتا ہے، اس سخت حفاظتی انتظام کے باوجود بھی نیندیں حرام ہیں، سِٹِّی غائب ہے، اب سوچ رہے ہیں کہ کس مصیبت میں پڑ گئے، بھڑوں کے کس چھتے میں ہاتھ ڈال دیا، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

سوچئے، یہ سب کیا ہے اس اعتقاد اور یقین کا اثر ہے جو ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ''، ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' پر ایمان رکھنے والے مؤمن کو بارعب بنا دیتا ہے اور اسلام کے دشمن اس سے کانپنے لگتے ہیں اور یہ جو کچھ ہوا صرف افغانستان، سوڈان، پاکستان کے عوام کی صدائے احتجاج کے نتیجہ میں ہوا ہے، کاش دیگر ممالک کے مسلمان بھی اسی طرح بیدار ہو جاتے، وہ بے شرم بادشاہ اور حکام جو ان حالات کے باوجود بھی اپنی عیاشی میں مست ہیں یا مصلحتوں اور حکمتوں کا شکار ہیں، کاش ان میں بھی ایمانی غیرت وحمیت پیدا ہو جائے، وہ بھی اپنے دشمن کو دشمن سمجھنے لگیں، ''حَسْبُنَا اللّٰهُ'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے وہ بھی اپنے محلوں سے باہر نکل آئیں، پھر سپر پاور ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو گھٹنے ٹیکتے دیر نہیں لگے گی اور دنیا کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ سپر پاور صرف اور صرف اللہ ہی ہے، جو ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' ہے لیکن یقین کیجئے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اپنے غداروں کی حمایت واعانت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ ''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ'' ان کے لئے اللہ کافی ہوتا ہے کہ اس سے بہتر کارساز اور مددگار کوئی نہیں، پس ہم دعا کر رہے ہیں کہ اے رب کریم! ہماری بدعملی سے درگزر فرما اور اپنے دین کی بقاء کے لئے ان مجاہدین کی مدد فرما، جنہوں نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود، صرف اور صرف تجھ پر بھروسہ کر کے دشمن کو للکارا ہے کہ تو ہی ''نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ'' ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ النور''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
58	21 تا 22
59	27 تا 34
60	58 تا 61

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

مقالہ ۵۸

النور: ۲۱ـ۲۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(النور: ۲۱، ۲۲)

اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے بے حیائی اور برے کاموں کا، اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہاں اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور قسم نہ کھائیں جو برگزیدہ

ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

ازلی دشمن

بلاشبہ شیطان، انسان کا ازلی دشمن ہے، جس نے اپنی دشمنی کا اعلان انسان کی پیدائش کے روزِ اول، اس زمین پر آنے سے قبل ہی کر دیا تھا، خالق انسان اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس کے چیلنج کو قبول فرماتے ہوئے اسے مردودِ بارگاہ کیا اور اسے اپنا کام کرنے کے لئے وقتِ معلوم تک کی مہلت دی، شیطان نے گمراہی کے جال میں انسان کو پھنسانے کا دعویٰ کرتے ہوئے خود ہی اپنی محدود قوت کا اعتراف بھی کیا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٨٣﴾

(ص: ۸۲، ۸۳)

کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔

اللہ رب العزت نے شیطان کے داؤں میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جانے والوں کے انجام کا اعلان فرمایا:

قَالَ فَالْحَقُّ ۖ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿٨٤﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٥﴾

(ص: ۸۴، ۸۵)

فرمایا میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔

اللہ قادر مطلق ہے اگر چاہتا تو انسان کے اس ازلی دشمن کو روزِ اول ہی کچل دیتا لیکن پھر انسان اس کمال کو کیسے پاتا جو اسے صرف اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ وہ شیطان کی پرکشش دعوت بغاوت کو مسترد کر کے اللہ کی اطاعت قبول کرتا ہے اور اس کی رضا کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے، اللہ کا اپنی محبوب واشرف مخلوق پر یہ کیا کم کرم ہے کہ اس نے شیطان کی عداوت سے باخبر کرنے کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، ان کی عملی تشریح و تفسیر اور تعلیم کے لئے سلسلۂ انبیاء قائم کیا اور سلسلہ نبوت و رسالت ﷺ ختم فرمانے کے بعد ایسے نفوس قدسیہ کا سلسلہ جاری کیا جو قیامت تک نبی آخر الزماں ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں امت کو اس ازلی دشمن کے مکر و فریب سے باخبر کرتے رہتے ہیں بچنے کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا" فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ "ایک عالمِ دین شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

یہ عدو مبین، کھلا دشمن انسان کو جس کام پر بھی اکساتا ہے وہ اسے" فَحْشَاءٌ وَمُنْكَرٌ "ہی میں مبتلا کر دینے کے لئے

ہوتا ہے۔کفر وشرک میں مبتلا، بدنصیب لوگ تو فحشاء ومنکر کا مجسمہ ہیں ہی۔اسی لئے قرآن کریم نے انہیں مجسمہ نجاست قرار دیا، ''اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ'' شیطان کو ان کی فکر نہیں کہ وہ تو اسی کے ہو چکے ہیں، وہ شیطان بن چکے ہیں، ان کے پاس کونسی دولت ہے، جس پہ شیطان ڈاکہ ڈالے، پس وہ اپنے مکر وفریب کا جال اہل ایمان پر پھیلاتا ہے، ان کی دولت ایمان کو لوٹنا چاہتا ہے، بھیس بدل بدل کر ان کو بہکاتا ہے، ''یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ'' کبھی جن کی صورت میں خفیہ طور پر وار کرتا ہے تو کبھی انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنی ہمدردی ومحبت کا ڈھونگ رچاتا ہے، دولت کی طمع میں مبتلا کرتا ہے، حسن وجمال کی زلفیں بکھیرتا ہے، عیش وعشرت کی چادر بچھاتا ہے، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ'' بیشک شیطان انسان کی رگ وپے میں خون کی طرح سرایت کئے رہتا ہے، وسوسہ شیطان سے میرے آقا ﷺ کی احتیاط ملاحظہ ہو، اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی نے ہم تک پہنچایا، بتایا کہ ایک تاریک شب اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے کہ کوئی صحابی قریب سے گزرے۔آپ ﷺ نے انہیں روکا اور فرمایا دیکھو یہ عورت میری فلاں بیوی ہے، اس صحابی نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! جب میں کسی اور کے ساتھ بدگمانی نہیں کرتا تو کیا معاذ اللہ میں آپ ﷺ پر بدگمانی کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ'' بیشک شیطان انسان کے رگ وپے میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، کہ یہ ظالم دشمن کسی کو نہیں چھوڑتا، ہمارا شمار تو کیا، یہ تو غلاموں کو آقا ﷺ سے بھی بدگمانی میں مبتلا کر دیتا اور اس طرح انہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، بعض مسلمانوں کا انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بدعقیدگی میں مبتلا ہونا، مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا جیسا انسان جاننا، آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بولنا، یا آپ ﷺ کے ارشادات واعمال پر شکوک وشبہات کرنا، کیا ہے؟ شیطانی وسوسہ کا انجام ہی تو ہے جو جہالت وکم علمی کے سبب پیدا ہوا اور گمراہی کا باعث بن گیا۔

بدعقیدہ لوگوں کا تقویٰ

یاد رکھئے، شیطان اعمال سے زیادہ عقائد پر حملہ کرتا ہے کہ جب عقیدہ ہی برباد ہو گیا تو اعمال خود بخود برباد ہو جاتے ہیں، جو العیاذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی میں مبتلا ہو گیا، اب اس کی عبادتوں کا ٹھکانہ کہاں رہا، جب رسول ﷺ کی عظمت ہی نہ رہی، تو لمبے لمبے سجدے کس کام کے رہے، نیز بدعقیدہ لوگوں کا ظاہری تقویٰ، شیطان کے مکر وفریب کا ایک جال ہوتا ہے، جس میں لوگ بآسانی پھنس جاتے ہیں، اسی لئے آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر بدعقیدہ لوگ شکل وصورت، لباس، انداز گفتگو سے بڑے ہی متقی نظر آتے ہیں، سر پر پگڑی، جیب میں مسواک، لمبا کرتا، اونچا پائجامہ، ان کا لباس ہوتا ہے، زبان ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہتے تھکتی نہیں، سنت رسول ﷺ پر عمل کے اظہار کے طور پر ایک عطر کی شیشی ہوتی ہے جس سے سب کو معطر کیا جاتا ہے لیکن وہ کبھی ختم نہیں ہوتی، کوئی بیمار ہو تو ایسے لوگ سب سے پہلے موجود ہوتے ہیں، کوئی مر جائے تو یہ لوگ آگے آگے نظر آتے ہیں، غرضیکہ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری پر کسی طرح شک وشبہ نہیں ہو پاتا لیکن اللہ بچائے۔ ان کے قریب

پہنچئے تو ان کے پاس، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گستاخی، صحابۂ کرام پر تنقید، اولیاءِ عظام کی توہین کے علاوہ کچھ نہ ملے گا، واضح احکامِ شرع کا انکار، ہر جائز و مستحب عمل پر حرمت کا فتویٰ، ان کی تبلیغ اور خدمت دین ہے، وسیلہ ناجائز، عقیدۂ شفاعت ضلالت، صلوٰۃ وسلام ناجائز، مزارات پر حاضری، چادر چڑھانا، منت ماننا، عرس کرنا، گیارہویں شریف کرنا، فاتحہ کرنا غرضیکہ یہ تمام مستحبات شرک ہیں، العیاذ باللہ، جبکہ امت کے یہی اعمال حصولِ تقویٰ، اشاعتِ دین کا ذریعہ ہیں، اسی لئے ہمارے علماء عوام کو ایسے لوگوں سے دور رہنے، ان کی محفلوں میں شریک نہ ہونے حتیٰ کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں کہ ان کا یہ ظاہری تقویٰ ہی شیطانی جال ہے، جس سے ایک سادہ لوح مسلمان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے۔

بدعقیدہ لوگوں کی آزادی

کچھ بدعقیدہ لوگ وہ ہیں جو دین سے دور اور بالکل آزاد ہیں، ان میں بدعملی اور بدکرداری عام ہے، ان کی تہذیب، ان کا تمدن بالکل یہودیوں یا عیسائیوں جیسا ہے، ان کی شکل وصورت، ان کا لباس، انہی جیسا ہے، مرد وعورت کے اختلاط پر ان کے یہاں کوئی پابندی نہیں۔ محفلوں میں عورتوں کی شرکت بلکہ مردوں کی خدمت ان کے یہاں کا رواج ہے، مساجد میں مردوں کی طرح عورتوں کی آمد ورفت ان کے یہاں عام ہے، جلوس جنازہ میں ان کے یہاں عورتیں پیش پیش نظر آتی ہیں، مذہبی تہواروں، شادی بیاہ کے مواقع پر رقص، ناچ گانا ہوتا ہے، ایسے لوگ ترقی یافتہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہی لوگ مسلم دشمن قوموں کا آلۂ کار ہیں، یہ گروہ درحقیقت عیش پرست اور عیاش مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کے لئے شیطان کا جال ہے، جس میں پھنسنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ درحقیقت قرآن وحدیث کی بنیادی احکام کے منکر ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا انکار، احادیث کا انکار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار، ان کو آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار، دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کا انکار، ان کے بنیادی عقائد ہیں، جن کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ ان کی آزادی، دین سے دوری، بدعملی اور بدکرداری ہے، جس کو عیاش قسم کے مسلمان پسند کرتے اور ان کے جال میں پھنس کر شیطان کا شکار بن جاتے ہیں، اللہ بدعقیدہ متقیوں سے بھی محفوظ رکھے اور بدعقیدہ، بدعمل و بدکردار لوگوں سے بھی بچائے۔

بہر حال شیطان خون کی طرح انسان کی رگوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور انسانوں ہی کے ذریعہ اس نے مختلف ناموں سے اپنے جال پھیلائے ہوئے ہیں جن سے وہ اہل ایمان کی دولت ایمان کو لوٹتا ہے اور انہیں تباہ وبرباد کر دیتا ہے، یہ اللہ کریم کا کرم ہے کہ اس نے اس ازلی دشمن کے مکر وفریب کا پردہ چاک کیا، اسے ''عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ'' کھلا دشمن بتا کر اس کے فریب سے بچنے کی تاکید فرمائی، ملاحظہ ہوں وہ آیات، جن میں شیطان لعین کی اتباع وپیروی سے منع کیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرہ:۱۶۸)

اے انسانو! کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے حلال، پاکیزہ (چیزیں) اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ

رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ:۲۰۸)

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

(انعام:۱۴۲)

کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اے ایمان والو! کس قدر وضاحت اور تاکید کے ساتھ تمہیں شیطان کی اتباع و پیروی سے منع کیا جا رہا ہے اور تم ہو کہ پھر بھی باز نہیں آتے۔ تم اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہو کہ شیطان کے کچے دھاگے میں جکڑے جاتے ہو، دیکھو بدعقیدہ لوگوں کی محفلوں میں شریک نہ ہو، ان کے قریب بھی نہ جاؤ، اگر وہ تمہیں عطر بھی دیں تو اس کی مہک تک سے بچو، ماڈرن بدعقیدہ تنظیموں سے بھی دور رہو، یہ تقویٰ کا فریب اور ماڈرن ازم کا سحر، شیطان کا جال ہے، شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، جس کے پاس تمہارے لئے سوائے فحشاء و منکر کے کچھ نہیں، یہ تمہیں ذلیل و خوار کر دیتا ہے، در در کا بھکاری بنا دیتا ہے، تمہاری اس حالت پر خوش ہوتا ہے، اچھلتا کودتا ہے، "فَسَآءَ قَرِيْنًا" یہ بہت ہی برا ساتھی ہے، اس سے بچو، جب یہ قریب آئے تو پڑھو۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ"

شیطان لعین کے فریب سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ کے سوا کوئی سہارا نہیں، اگر اس کا فضل نہ ہو، اس کی رحمت شامل حال نہ ہو تو "مَازَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا" کبھی کوئی اس ازلی دشمن کے وار سے نہ بچ سکے، "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ" یہ اللہ ہی ہے جو تزکیہ قلوب فرماتا ہے، دلوں کو ایمان کے نور سے منور و روشن کرتا اور شیطان کے وسوسوں سے بچاتا ہے، اگر اس کا فضل نہ ہو تو نہ کسی کا علم کام آ سکتا ہے اور نہ کسی کا تقویٰ، پس عجز و انکساری کے ساتھ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھ کر اللہ کی پناہ مانگو وہ تمہاری درخواست پناہ کو سنتا اور تمہاری قلبی کیفیت کو جانتا ہے پس وہ تم پر فضل فرمائے گا اور تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔

کسی کی امداد بند نہ کرو

بوسیلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جملہ اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تم کسی ضرورت مند کی امداد صرف رضائے الٰہی کے لئے اپنے ذمہ لے لو، وہ ضرورت مند چاہے تمہارا عزیز ہو یا کوئی بھی غریب یا اللہ کی راہ کا مہاجر ہو، بہرحال اپنی ذمہ داری کو نبھاؤ جب تک اللہ نے تمہیں وسعت دی ہے، اس کی امداد بند نہ کرو، محض اس لئے امداد بند کر دینے کا کوئی جواز نہیں کہ جس کی تم مدد کر رہے اس نے کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف کیا، یا تمہاری کسی حق بات کی اس

نے حمایت نہ کی، اس بناء پر تمہارا اس سے ناراض ہو جانا اور اس کی مدد نہ کرنا تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم اس کی مدد اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اپنی خوشی کے لئے اور اس کو اپنا تابعدار بنائے رکھنے کے لئے کرتے تھے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ تو تم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے تمہیں مدد لینے والا نہ بنایا بلکہ اس قابل بنایا کہ تم دوسروں کے کام آؤ، پس اللہ ہی کی رضا کے لئے تمہیں ضرورت مند کی مدد کرتے رہنا چاہئے، چاہے وہ تمہارا احسان مند ہو یا نہ ہو، تمہیں اس پر مزید احسان یہ کرنا چاہئے کہ تم اس کی ایسی غلطیوں کو معاف کرتے رہو اور ایسی باتوں سے درگزر کرتے رہو جو تمہیں پسند نہیں ہیں، اسی صورت میں تم اجر اور اللہ کے فضل کے مستحق ہو گے، جو بخشش و مغفرت کی صورت میں تمہیں ملے گا، دیکھو اللہ کیسا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، وہ تمہیں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، جبکہ تم صبح سے شام تک نہ جانے کتنے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہو، اللہ چاہتا ہے کہ ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' اس کے بندے اس کی صفات کا مظہر اور آئینہ بنیں، باہمی امداد، ہمدردی، محبت اور خوش خلقی، ایثار و قربانی کا ایسا پیکر بنیں، اپنے اعمال میں ایسے مخلص ہوں کہ خود غرضی اور ذاتی مفادات کا شائبہ تک نہ ہونے پائے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے سوا کوئی مقصد نہ ہو، جیسا کہ معلم اخلاق ﷺ کا ارشاد ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ''لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ، وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رِحْمَهٗ وَصَلَهَا'' صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے (اصل میں تو) صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کی طرف سے قطع رحم کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

یعنی اخلاق کا کمال یہ نہیں کہ رشتہ داروں یا کسی سے بھی اس وقت تعلق قائم کیا جائے جب وہ تعلق قائم کریں، یہ تو بدلہ کہلائے گا، کمال اخلاق تو یہ ہے کہ لوگ تعلقات نہ رکھیں پھر بھی ان سے تعلق قائم کیا جائے، ان کی مدد کی جائے، ان سے ہمدردی کا اظہار کیا جائے، یہ صورت صرف اور صرف خلوص پر مبنی ہوگی، اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی ہوگا جو دنیا میں حصول برکات کا اور آخرت میں اجر و مغفرت کا یقینی ذریعہ ہے۔

سبب نزولِ آیت

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عزیز کی امداد بند کردینے کا فیصلہ کیا، ہوا یہ کہ چھ ہجری غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر، جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک جماعت نے الزام لگایا، جسے واقعہ افک کہا جاتا ہے تو اس الزام سے نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید صدمہ پہنچا، لیکن منافقین کے ہاتھ ایک موقع آیا اور انہوں نے اس جھوٹی کہانی کو خوب اچھالا، گھر گھر پہنچایا، گلی کوچوں میں چرچا کیا، حتیٰ کہ بعض جلیل القدر صحابہ بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، اور اس الزام کو سچ سمجھ بیٹھے، انہیں میں جلیل القدر صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو بدری یعنی مجاہدین غزوۂ بدر میں سے ایک تھے، یہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے، نہایت غریب تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان کی امداد کیا کرتے تھے، یہ حضرت بھی منافقین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے، جب حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا تو آپ کو

بہت صدمہ ہوا، اس وقت تو آپ خاموش رہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کی برأت و پاکی کا اعلان فرمایا، قرآن کریم کی سورۃ النور کی دس آیات، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ اور امت کی ماں رضی اللہ عنہا کی صفائی اور پاکیزگی بیان فرمانے کے لئے نازل فرمائیں اور اس واقعہ کو کھلم کھلا بہتان قرار دیا تو منافقین کے منہ کالے ہوئے اور اہل ایمان کے چہرے کھل اٹھے، شرعی حکم کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن صحابہ پر حدِ قذف جاری فرمائی ان میں حضرت مسطح بھی شامل تھے یعنی ان پر پروپیگنڈے میں شامل ہونے کا الزام ثابت ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بے حد صدمہ ہوا کہ مسطح میرے دستِ نگر ہیں، میں ان کی ہمیشہ مدد کرتا ہوں اور وہ بھی اس جرم میں شامل ہوئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا، لہٰذا آپ نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مسطح کی مدد نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے ان کے محبوب صحابی ابوبکر کو نہایت ہی محبوبانہ انداز سے متنبہ فرمایا کہ تم تو اولوالفضل ہو، صاحبِ حیثیت ہو، تمہیں زیب نہیں دیتا کہ کسی غریب کی امداد بند کرو، تمہیں تو چاہئے کہ اس غریب پر مزید احسان کرو، اسے معاف کر دو، اس کی غلطی سے درگزر کرو، کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے، جونہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وحی الٰہی سنی، عرض کرنے لگے، ''بَلٰی وَاللّٰہِ یا رَبَّنَا اَنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرلَنَا''، اے اللہ! مجھے تیری قسم، ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے اور آپ نے پہلے سے بھی زیادہ حضرت مسطح کی امداد کرنا اور دلداری کرنا شروع کر دی۔

قابل غور

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی گناہ نہ کیا تھا کہ کسی کی مدد کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، صرف ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اگر اسے ترک کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اللہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل گوارا نہ ہوا کیونکہ آپ ایک عام مسلمان نہ تھے، بلکہ امت کے مقتدیٰ اور امت کے لئے اسوۂ رسول ﷺ کا نمونہ تھے، جن کے نقش قدم پر چلنا امت کے لئے فلاح و کامرانی کی ضمانت ہے، نیز آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس قدر قریب تھے کہ آپ نے بخوبی دیکھا کہ آقا ﷺ کس طرح اپنوں اور غیروں سب کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، ضرورت مندوں کی امداد فرماتے ہیں، ابوبکر کا مقام تو یہ ہے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے اخلاق و کردار کا پیکر بن کر امت کے سامنے آئیں، پس اللہ نے ان کے اس بلند مقام کی حفاظت فرمائی اور انہیں بروقت متنبہ کیا کہ اے ابوبکر! تمہیں یہ عامیانہ حرکت زیب نہیں دیتی، نیز ان کی وساطت سے جملہ اہل ایمان کو بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے اخلاق کا ایسا اعلیٰ معیار زیب دیتا ہے کہ دنیا تم سے متاثر ہو اور تمہارے کردار کو اپنی عزت و عظمت کے لئے اپنائے، پس

اے ایمان والو! قرآن کریم کے اس ارشاد کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لو اور اُس کی اصلاح کرو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن

بسم الله الرحمن الرحيم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۵۹

النور: ۲۷ تا ۳۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۷) فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (۲۸) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ (۲۹) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۳۰) وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ڰ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

(النور: ۲۷۔۳۴)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا، جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو اپنے گھروں میں رہنے والوں پر، یہی بہتر ہے تمہارے لئے شاید تم (اس میں) غور و فکر کرو، پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں یہاں تک کہ اجازت دے دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہ (طریقہ) بہت ہی پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور اللہ جانتا ہے، جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو، (اے حبیب ﷺ) آپ ﷺ حکم دیجئے اہلِ ایمان کو کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لئے، بیشک اللہ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں اور آپ ﷺ حکم دیجئے ایمان دار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالیں رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر، اور نہ ظاہر ہونے دیں، اپنی آرائش کو مگر اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے، یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے، یا اپنے بیٹوں کے لئے، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لئے، یا اپنے بھائیوں کے لئے، یا اپنے بھتیجوں کے لئے یا اپنے بھانجوں کے لئے، یا اپنی ہم مذہب عورتوں کے لئے، یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کے) خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی

تک) آگاہ نہیں، عورتوں کی شرم والی چیزوں پر، اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تا کہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور نکاح کر دیا کرو، جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگدست ہوں، غنی کر دے گا اللہ انہیں اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے اور چاہئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے، شادی کرنے کی قدرت، یہاں تک کہ غنی کر دے اللہ انہیں اپنے فضل سے اور جو مکاتب بننا چاہتے ہیں تمہارے غلاموں میں سے تو مکاتب بنالو انہیں اگر تم جانو ان میں کوئی بھلائی اور مدد کرو ان کی اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی باندیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامن رہنا چاہئیں تا کہ تم حاصل کرو (ان کی بدکاری سے) کچھ حصہ دنیاوی زندگی کا اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں تو بیشک اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے بعد بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف آیتیں روشن، نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے، نیز (اتاری ہے) نصیحت پرہیزگاروں کے لئے۔

معاشرت کی اہمیت

معاشرت یعنی رہنے سہنے کے انداز کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ معاشرت کا اثر انسان کی زندگی کے ہر شعبے پر ہوتا ہے، جن لوگوں کی معاشرت کی بنیاد صالحیت، نیک اعمال پر ہوتی ہے، ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں دیانت، امانت، صداقت جیسی خوبیاں نمایاں نظر آتی ہیں، ان کا پورا معاشرہ پرسکون ہوتا ہے، اس میں ہمدردی، محبت، ایثار و قربانی اور باہمی تعاون کے رنگ برنگے پھول کھلے نظر آتے ہیں، ان کی معیشت ان کے لئے سہل و آسان ہوتی ہے، جسکا سبب ان کا باہمی اعتماد ہوتا ہے، وہ لوگ دن بدن خوشحال ہوتے اور جلد ہی معاشی ترقی کی بلندیوں کو پا لیتے ہیں، غرضیکہ صرف معاشرت کی صالحیت ان لوگوں کو خوشحالی، سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیتی ہے اور دنیا میں ان کو نہ صرف عزت و وقار حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کے رعب کے سبب ان کے حاسدین کی گردنیں بھی ان کے سامنے جھک جاتی ہیں لیکن اگر معاشرت کی بنیاد بد عملی اور بدکرداری پر ہو تو پوری قوم ہر اعتبار سے ذلیل و خوار ہو جاتی ہے کہ عیش و عشرت اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگ صرف اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کے لئے انہیں صرف اور صرف اپنے مفاد کی فکر ہوتی ہے، پس ان کا پورا معاشرہ لٹیروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور ظالموں کا معاشرہ ہو جاتا ہے، جس میں نہ کسی کی عزت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، نہ دولت کو نہ عورتوں کی عصمت محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی حلال و حرام کا امتیاز باقی رہتا ہے، نفس کی خواہشات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو بغیر کسی امتیاز کے ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لئے جاتا ہے، ظاہر ہے ایسے معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کی معیشت میں بھی کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں، بددیانتی، مکر و فریب، جھوٹ جیسے قبائح کے ذریعے یہ لوگ دولت کماتے ہیں، ان کا کوئی

کاروبار، سود، رشوت اور قرضوں کے بغیر نہیں چلتا، نتیجۃً سب ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، ان میں بدامنی اور غارت گری کی ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی اپنے معاشرے میں حالت تباہ ہو جاتی ہے وہ دنیا کی نظروں میں بھی گر جاتے ہیں، دوسری قومیں یا تو انہیں اپنا نوالہ بنالینا چاہتی ہیں یا الگ تھلگ ہو کر ان کا تماشہ دیکھتی اور ان پر ہنستی ہیں، اگر آپ حالات پر غور کریں تو آج ہماری دنیا میں بہت سے ایسے ممالک نظر آئیں گے جنہیں ان کے انداز زندگی، معاشرت نے تباہ و برباد کر دیا، وہ اپنی تعداد وسائل کی کثرت کے باوجود بے یار و مددگار ہیں، غارت گری اور بدامنی کا شکار ہیں، خود انہی کے لوگ بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینے اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

بہر حال معاشرت کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اس سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے، قرآن کریم جو تعمیر انسانیت کا بلاشبہ داعی اور ضامن ہے معاشرت کے ایسے اصول عطا فرماتا ہے جن کو اپنا لینا کامیاب، باوقار اور پرامن زندگی کی ضمانت ہے، دنیا کی کوئی کتاب ایسے اصولِ زندگی کی تعلیم نہیں دیتی جو بظاہر نہایت معمولی ہیں لیکن قرآن کریم انہی کی تعلیم کو اہمیت دیتا ہے کہ معمولی اور چھوٹے کاموں پر عمل ہی انسان کو غیر معمولی اور بڑے کاموں کا عادی بناتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے جو شخص دس کلو وزن اٹھانے کا عادی نہ ہو وہ پچیس، تیس کلو وزن ہرگز نہیں اٹھا سکتا، یا جو شخص ایک وقت کا کھانا نہ چھوڑ سکے وہ بوقت ضرورت پورے دن کا فاقہ کیسے کر سکتا ہے، شریعت مطہرہ کے احکام میں بھی محنت و مشقت، ایثار و قربانی موجود ہے، صرف اسی لئے کہ ان احکام کی پابندی مؤمن کو اس جہاد کے لئے تیار کر دے جو اصل عبادت اور مؤمن کی زندگی کا مقصد ہے۔

معاشرت کی اہمیت پر یہ چند سطور ہم نے اس لئے قلمبند کیں کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں انداز معاشرت ہی کی تعلیم دی جا رہی ہے اور چند ایسے اصول بتائے جا رہے ہیں جن پر مؤمن کی معاشرت کی بنیاد ہونی چاہئے، نیز ان سطور سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے ان چھوٹی اور معمولی باتوں کو نہایت اہمیت کے ساتھ اس لئے بیان فرمایا کہ ان کی پابندی ہی سے معاشرے کی تعمیر ہو سکتی اور ایک پرسکون و باوقار معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے، آیئے اب ان ہدایاتِ ربانی پر غور کریں جو مذکورہ بالا آیات کے ذریعہ ہمیں دی جا رہی ہیں اور جن کو ہمارے لئے خیر قرار دیتے ہوئے ان پر ہمیں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ فرمایا گیا، ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو۔

استیذان

استیذان یعنی اجازت مانگنا، اہل ایمان کو نہایت ہی کریمانہ انداز پر ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ کسی کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک اجازت نہ لے لیں، جس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ آنے والا اپنی آمد کی اطلاع کے لئے سلام کرے (اور اگر سلام کی آواز گھر والوں تک نہ پہنچ سکے تو کوئی بھی مروجہ طریقہ اختیار کرے، دروازہ کھٹکھٹائے یا بیل بجائے، بہر حال اطلاع دے) اور اس وقت تک انتظار کرے جب تک داخل ہونے کی اجازت نہ مل جائے اور اگر گھر والے اجازت نہ دیں بلکہ واپس ہونے کے لئے کہیں تو کسی قسم کی ناراضگی یا بدگمانی کے بغیر ''فَارْجِعُوْا'' واپس ہو جاؤ، (یا کوئی جواب نہ

ملے، تب بھی بدگمانی نہ کی جائے، بلکہ یہ سوچ لیا جائے کہ گھر میں کوئی خاتون تنہا ہوگی، جس نے دروازہ کھولنا مناسب نہ سمجھا، یا گھر والا تنہا کسی ایسے کام میں مصروف ہوگا جس کے سبب جواب نہ دے سکا مثلاً غسل کر رہا ہوگا، نماز پڑھ رہا ہوگا، وغیرہ وغیرہ) ''هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ'' یہی تمہارے لئے ذریعۂ پاکیزگی ہے، ہاں جو گھر ایسے ہوں جن میں عام داخلہ کی اجازت ہوتی ہے، جیسے سرائے، ہوٹل وغیرہ تو ان میں اجازت کے بغیر داخل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے کمرے جن میں لوگ رہتے ہیں ان کا حکم بھی گھروں جیسا ہی ہے، جو اوپر بیان کیا گیا۔

یہ حکم قرآن ہے، اللہ رب العزت جل مجدہ کی ہدایت ہے جس پر عمل کرنا ہر مؤمن کے لئے واجب ہے، اس سے لاپرواہی گناہ ہے اور اس کو چھوٹی اور معمولی بات سمجھ کر قصداً ترک کرنا بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، انکارِ آیت کے مترادف ہے، جو کفر ہے، اللہ محفوظ رکھے، خود نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دیکھئے کہ ایک دن آپ ﷺ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر طلب اجازت کے لئے فرمایا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے سنا اور آہستہ سے جواباً عرض کیا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آواز نہ سنی اور دوبارہ سلام فرمایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ سے جواب دیا، جو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، تیسری بار پھر آپ ﷺ نے سلام دہرایا، حضرت سعد نے پھر آہستہ جواب دیا، اس مرتبہ بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ سنا، آپ ﷺ تھوڑی دیر انتظار کے بعد واپس ہونے لگے تو حضرت سعد یارسول اللہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ! کہتے دوڑے، آپ ﷺ نے فرمایا سعد! ہم نے تین مرتبہ اجازت طلب کی لیکن تم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا اس لئے ہم واپس جا رہے تھے، سعد مؤدبانہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ! میں نے آپ ﷺ کا سلام سنا اور تینوں بار جواب دیا لیکن آہستہ تا کہ میرے آقا بار بار مجھے سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو، (سبحان اللہ، ان عاشقوں کا بھی کیا ایمان تھا کہ آقا ﷺ سے حصول برکت کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے، اس قسم کے متعدد واقعات احادیث مبارکہ میں پائے جاتے ہیں)

نبی مکرم ﷺ کی تعلیم کے مطابق استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے، اپنا نام بتائے اور داخل ہونے کی اجازت چاہے، اس سے قبل گھر والوں کی توجہ کے لئے دروازہ کھٹکھٹایا جائے یا بیل بجائی جائے اور اگر دروازہ کھلا ہو یا اس پر پردہ پڑا ہو تو دروازے کے دائیں، بائیں اس طرح کھڑا ہو کہ اندر نظر نہ پڑنے پائے، اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو ''لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَآءِ وَجْهِهٖ'' دروازے کے سامنے نہ کھڑے ہوتے تھے بلکہ'' وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ''، دائیں یا بائیں دروازے سے ہٹ کر کھڑے ہوتے تھے (کیونکہ اس وقت اکثر دروازوں پر نہ کواڑ ہوتے تھے اور نہ پردہ وغیرہ ہوتا تھا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے آستانہ مبارکہ پر حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "مَنْ" کون ہے "قُلْتُ اَنَا" میں نے عرض کیا، میں ہوں، یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا، "اَنَا، اَنَا" میں تو میں بھی ہوں (یعنی طلب اجازت کے لئے نام بتانا چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ کون آنا چاہتا ہے، میں میں نہیں کرنا چاہئے، اس لفظ سے شخصیت کا پتہ کیسے چل سکتا ہے)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ جب میں حضور کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو طلب اجازت کے لئے عرض کرتا تھا، "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَدْ خُلُ عُمَرُ"، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پر سلام ہو، کیا عمر حاضر ہوسکتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے پر حاضر ہوا اور کہنے لگا، "أَ اَدْخُلُ" کیا میں آ جاؤں حضور علیہ السلام نے اپنی باندی روضہ کو حکم دیا، جاؤ اسے اجازت لینے کا طریقہ بتاؤ کہ اسے کہنا چاہئے، "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَ اَدْخُلُ"۔

قرآن کریم نے دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کی ہدایت فرمائی لیکن احتیاط یہ ہے کہ جب کوئی اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو سلام وغیرہ سے اپنے آنے کی اطلاع کردے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جب میں اپنی ماں کے پاس جاؤں تو کیا اس سے بھی اندر داخل ہونے کی اجازت لوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اس نے عرض کیا میں اس کے ساتھ اسی مکان میں رہتا ہوں (یعنی وہ گھر میرا ہی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، "اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا" اس سے اجازت طلب کرو، پھر اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، میں تو اپنی ماں کا خادم ہوں، (یعنی بار بار آتا جاتا رہتا ہوں، پھر اجازت کی کیا ضرورت ہے) پس اللہ کے رسول ﷺ نے وضاحت سے فرمایا، "اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا، اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاھَا عُرْیَانَۃً، قَالَ لَا قَالَ اِسْتَاذِنْ عَلَیْھَا" اس سے اجازت مانگو کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنی ماں کو ننگا دیکھو، عرض کیا نہیں، فرمایا پھر اجازت لے کر اندر داخل ہو۔

یعنی ممکن ہے کہ عورت ایسی حالت میں ہو کہ وہ اپنے قریب ترین مرد کے سامنے بھی اس حالت میں آنا گوارا نہ کرتی ہو، لہٰذا داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو ٹھیک کرلے، یہی حکم بھائیوں اور دیگر رشتے داروں کے لئے بھی ہے، حتیٰ کہ شوہر کو بھی اپنے گھر میں اجازت واطلاع کے بغیر داخل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اگرچہ بیوی کا تو کوئی حال شوہر سے پوشیدہ نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ بیوی اس وقت اپنی کسی حالت کو شوہر پر ظاہر کرنا پسند نہ کرتی ہو، یا اس کے پاس کوئی دوسری عورت، رشتہ دار یا محلّہ وغیرہ کی آئی ہوئی ہو، خلاصہ یہ کہ ہر مرد یا ہر عورت کو، دوسرے کے یا اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا چاہئے یا آمد کی اطلاع کردینا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میرے شوہر جب کبھی باہر سے آتے تھے، تو کھنکارا

کرتے تھے، یعنی اپنی آمد کی اطلاع کرتے تھے۔

حضرت ام ایاس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں، جب وہ اجازت دیتیں تو اندر جاتی تھیں، اندازہ لگائیے کہ اُس دور میں عورتوں کو بھی شریعت کی پابندی کا کس قدر خیال رہتا تھا، جبکہ آج کی عورتیں تو نہایت اہم مسائل سے بھی واقف نہیں، شاید وہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت ہمارے لئے نہیں صرف مردوں کے لئے ہے، نمازوں تک کے متعلق شاید یہی خیال ہے کہ صرف مردوں ہی کو پابندی کرنا چاہئے، اللہ ہدایت دے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ استیذان کی ابتداء سلام سے کرنی چاہئے، پھر نام بتایا جائے، پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کی جائے کہ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَّمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ'' جو شخص پہلے سلام نہ کرے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو کہ سلام ایک دعا ہے، اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ آنے والا دوست ہے، خیر خواہ ہے، ہمارے لئے دعا کرتا ہوا آیا ہے، نیز ہمارا مسلمان بھائی ہے، اس کا اسی طرح استقبال کیا جائے، جس طرح ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کا استقبال کرنا چاہئے، سلام کے بعد آنے والا اپنا نام بتائے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس طرح اجازت طلب کی، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ھٰذَا اَبُوْ مُوْسیٰ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ھٰذَا الْاَشْعَرِیُّ'' یعنی اپنا نام بھی بتایا اور ابو موسیٰ کے بعد اشعری کہہ کر اپنی شخصیت کی مزید وضاحت کر دی۔

استیذان قرآنی ہدایت ہے اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں بلا ناراضگی، ناگواری اور بدگمانی کے واپس لوٹ جانا بھی قرآنی حکم ہے۔ لہٰذا اجازت مانگنے پر بھی ثواب ملے گا اور اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس لوٹ جانا بھی ذریعہ ثواب ہوگا ناگواری اور بدگمانی کر کے اس ثواب کو ضائع کر دینا عقلمندی نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کے متعلق یہ خواہش منقول ہے کہ وہ اجازت طلب کریں اور اندر سے انہیں واپس ہو جانے کے لئے کہا جائے، کیونکہ اس سے نفس کا امتحان ہوتا ہے کہ یہ بات نفس پر اگر گراں گزرتی ہے اور وہ اس کو اپنی توہین و بے عزتی سمجھتا ہے تو اس کی مزید اصلاح کی ضرورت ہے اور اگر وہ اسے اللہ کا حکم سمجھ کر بلا چون و چرا قبول کر لیتا ہے تو اس پر مؤمن کو اللہ کے شکر کا موقع ملتا ہے۔

استیذان کی حکمتیں

مؤمن احکام شرعیہ پر ایمان رکھتا ہے صرف اس لئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام ہیں اور ان پر عمل کرتا ہے، صرف اس لئے کہ ان کی تعمیل اور اس کے رسول ﷺ کی رضاء کا ذریعہ ہے اسے ایمان و عمل کے لئے احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں اطمینان قلب کے لئے شریعت اجازت دیتی ہے کہ احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں تلاش کی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر وہ حکمتیں اور مصلحتیں عقل میں آ جائیں تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اگر نہ

آئیں تو اسے اپنی عقل کا قصور سمجھا جائے اور نہ ایمان میں خلل واقع ہو اور نہ ہی عمل میں کوئی کوتاہی ہو، پس استیذان بھی ایک شرعی حکم ہے، جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، اگر سمجھ میں آجائیں تو سبحان اللہ ورنہ عمل میں کوئی کمی واقع نہ ہونی چاہئے، چند حکمتیں ملاحظہ ہوں۔

ہر کسی کا گھر، اس کے راحت وسکون کی جگہ ہوتی ہے، جہاں وہ ان تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر آرام کرنا چاہتا ہے جن میں وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے جکڑا ہوتا ہے، ''وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا'' اور اللہ نے تمہارے گھروں کو آرام وسکون کی جگہ بنادیا ہے، پس ان گھروں میں کسی کا بلا اجازت اچانک داخل ہونا، گھر والوں کے آرام وسکون میں خلل واقع کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا نہیں تو اور کیا ہوگا، نیز انسان اپنے گھر کی چہار دیواری میں بسا اوقات ایسے کام کرتا ہے جن سے وہ دوسروں کو باخبر نہیں کرنا چاہتا، یا ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ شرعاً اس حالت میں دوسروں کے سامنے آنا جائز نہیں، مثلاً عورتوں کو گھر میں جس طرح آزادی سے رہنے کی اجازت ہے، اس طرح دوسرے کے سامنے آنے کی اجازت نہیں، آپ غور فرمائیں اگر گھر میں کسی وقت بھی اچانک کسی کے آجانے کا امکان ہو تو نہ کوئی اپنا خفیہ کام کرسکتا ہے اور نہ ہی آزادی سے ایک لمحہ کے لئے بھی بیٹھ سکتا ہے، علاوہ ازیں گھروں میں بلا اجازت آمدورفت ہی سے بے حیائی، بے شرمی اور ناجائز تعلقات کا دروازہ کھلتا ہے، جس پر آپ خود غور کرسکتے ہیں آج کل کے حالات وواقعات پر نظر ڈالئے تو بآسانی یہ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، ''لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطٰنُ'' کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ضرور ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے، یہ شیطان لعین ان دونوں میں برائی کے جذبات ابھارتا ہے، پس بلا اجازت گھروں میں آمدورفت، بے تکلفی پیدا کرتی ہے، مرد وعورت کی ملاقاتوں کا اس سے بار بار موقع فراہم ہوتا ہے جو گناہ اور برائی کی راہ پر لے جاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں برائیوں نے جس کثرت سے جنم لیا ہے اس کا سبب وہ مواقع ہیں جو اجنبی مرد وعورت کو ملاقاتوں کے لئے بآسانی میسر ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے شریعت مطہرہ کے اس حکم پر عمل ترک کردیا اور ہمارے گھروں کے دروازے ہر وقت ہر کسی کے لئے کھلے پڑے ہیں، کوئی بھائی بن کر آرہا ہے تو کوئی دوست، کوئی پڑوسی ہے تو کوئی کاروباری، غرضیکہ مختلف غیر شرعی رشتے جوڑے ہوئے ہیں جن سے غیر شرعی جوڑ نے وجود میں آتے ہیں اور جب ان کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو ہم نے بہت سوں کو سر پیٹتے اور روتے دیکھا ہے، یہی بے تکلفانہ آمدورفت گھروں میں چوریوں اور ڈکیتیوں کا ذریعہ بھی بنتی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے محتاط لوگ اپنے ملازمین کو بھی گھروں میں آنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ بہت سے لوگ تو عورتوں کو اپنے گھر میں ملازم بھی نہیں رکھتے اور بہت اچھا کرتے ہیں، صحیح کرتے ہیں، غرضیکہ ہمارے لئے شریعت مطہرہ کا سکون بخش سایہ موجود ہے، جس کی پناہ میں ہم پرسکون اور محفوظ زندگی بسر کرسکتے ہیں، یہاں ہماری جان ومال، عزت وآبرو اور ہر چیز کو تحفظ حاصل ہوسکتا ہے، لیکن کیا علاج ہے اس بے احتیاطی اور بیوقوفی کا کہ ہم خود ہی اپنا سب کچھ ڈاکوؤں اور لٹیروں کے سامنے پیش کردیتے ہیں اور پھر روتے ہیں اپنی حماقت پر اور اسے نام دیتے ہیں بدنصیبی کا،

خود کردہ راچہ علاج، دوستو یہ بدنصیبی نہیں، حماقت ہے، جسے ہم نے عقل وخرد کے دعویٰ کے باوجود جان بوجھ کر اختیار کیا ہوا ہے، یادر کھئے صرف وہی مسلمان پچھتاتا اور اپنے کئے ہوئے پر روتا ہے جو شریعتِ مطہرہ سے فرار اختیار کرتا ہے، احکام شرع کی پابندی میں پچھتاوا نام کی کوئی چیز نہیں، وہاں تو صرف اور صرف تحفظ ملتا ہے، سکون ملتا ہے، اطمینان حاصل ہوتا ہے، تہذیب صرف وہ ہے جس کا حکم اللہ دیتا ہے اور جس کی تعلیم معلم اخلاق ﷺ نے دی ہے، اسی پر عمل کرنے والے مہذب ہیں، اہل خیر و اہل عقل ہیں، پس

اے ایمان والو! ماڈرن نہ بنو، غیر مہذب نہ بنو، غیر محفوظ طرزِ زندگی اختیار نہ کرو، احکامِ شرع پر عمل پیرا ہو جاؤ جن میں سے ایک استیذان ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو اور اگر اجازت طلب کرنے پر کوئی جواب نہ ملے یا واپس ہونے کو کہا جائے تو ناگواری اور بدگمانی کے بغیر واپس ہو جاؤ، دیکھو اللہ رب العزت اسی طریقہ کو خیر، بھلا بہترین، ازکی، پاکیزہ، مہذب قرار دیتا ہے، دیکھو کتنی وضاحت سے تمہیں سمجھایا گیا، کتنے پیارے انداز سے تمہیں ہدایت کی گئی، اب بھی اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گے تو جان لو کہ ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ'' تمہارے اعمال کو اللہ رب العزت جل مجدہ خوب اچھی طرح جانتا ہے، اس سے تمہارا کوئی حال، کوئی عمل پوشیدہ نہیں، ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ'' جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو، اللہ خوب جانتا ہے۔

گناہ کا سدباب

گناہ کا سدباب اور گناہ سے بچنا، اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسباب گناہ سے بچنے اور مواقع گناہ سے دور رہنے کو اتنا ہی برا نہ جانا جائے جتنا گناہ کرنے کو معیوب اور برا جانا جاتا ہے کہ انسان طبعاً گناہ اور بدکاری کی طرف نیکی کی بہ نسبت زیادہ جلد مائل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کام میں شیطان اس کا معاون و مددگار ہوتا ہے، ایک بچہ اسی چیز کی طرف جلد لپکتا ہے جو اس کے لئے مہلک یا تکلیف دہ ہوتی ہے مثلاً اس کے سامنے اگر آگ کا انگارہ آ جائے تو وہ اپنے سب کھلونے چھوڑ کر اسی کو لے لینا چاہتا ہے، یہی حال انسان کا ہے کہ وہ اسی چیز کو، انہی کاموں کو پسند کرتا ہے جو اس کے لئے ہر اعتبار سے مضر اور مہلک ہوتے ہیں، پس عقلمندی یہی ہے کہ اس کو ان اسباب اور دواعی سے بھی بچایا جائے جو مہلک چیزوں پر اسے مائل اور آمادہ کرتے ہیں، یہ کوئی عقلمندی نہیں کہ کلبوں کے سامنے ہی کھڑے ہو کر گاڑیاں چیک کی جائیں کہ کوئی شراب پی کر تو گاڑی نہیں چلا رہا ہے، جیسا کہ یورپ وغیرہ میں ہوتا ہے ذرا سوچئے کس قدر احمق ہے وہ شخص جو کسی پر پانی ڈال کر پھر اس سے پوچھے کہ تمہارے کپڑے کیوں گیلے ہیں: ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

کسی کو بہتے ہوئے دریا میں ڈھکیل دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ خبردار اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا، بہت بڑی زیادتی ہے، غرضیکہ ایسے عوامل ومحرکات پر پابندی عائد نہ کرنا جو انسان کی طبیعت میں ہیجان پیدا کریں اور پھر

یہ خیال کرنا کہ ہم جرائم کو اپنے قانون کی قوت سے روک دیں گے، بڑی ہی حماقت ہے۔ دنیا کا جو نظام بھی ان عوامل و محرکات کا قلع قمع نہیں کرتا وہ جرائم کا سدباب کرنے اور اپنے عوام کو برائیوں سے بچانے میں نہ تو مخلص ہے اور نہ ہی جرائم کو روکنے میں کامیاب ہوسکتا ہے، یہی وجہ کہ جن ممالک میں رقص و سرود، کلبوں اور ایسے دیگر عوامل پر پابندی نہیں وہاں بدکاریاں اور جرائم اتنے عام ہو چکے کہ ہر شخص انہیں اپنا حق سمجھنے لگا ہے، اپنی تہذیب کا حصہ جاننے لگا ہے اور حکومتیں اس بدحالی پر سینہ کوبی کے علاوہ کچھ نہیں کر پاتیں۔

اسلام بلاشبہ ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسان کے فطری تقاضوں کا احترام بھی کرتا ہے اور ان کی تکمیل کا اہتمام بھی کرتا ہے لیکن اس طرح کہ انسان کا دامن اس چمن کے کانٹوں سے تار تار نہ ہونے پائے، انسانیت کی تذلیل نہ ہونے پائے، انسان جانوروں جیسی زندگی اختیار نہ کرنے پائے، اسی لئے اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام قرار دیا جو انسان کے لئے مہلک، مضر اور تکلیف دہ ہیں، اسلام عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیتا بلکہ اس عیش و آرام میں جو کانٹے ہیں ان کے قریب جانے سے روکتا ہے شراب، جوا، سود، رشوت، زنا وغیرہ انسان کا عیش و آرام نہیں بلکہ عیش و آرام کے کانٹے ہیں جو انسان کے جسم کو ایسا چھلنی کر دیتے ہیں کہ وہ زخموں کی اذیت سے تڑپ تڑپ کر ذلت و خواری کی موت مر جاتا ہے، ان مہلک امراض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دواعی سے بچایا جائے۔ جس طرح جسمانی امراض سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ صفائی کا اہتمام کیا جائے، صاف ستھری غذائیں استعمال کی جائیں تاکہ بیماری کے جراثیم پیدا نہ ہونے پائیں، اسی طرح برائیوں کے جراثیم کی پیدائش روکنے کے لئے لازمی ہے کہ برائی سے پہلے ہی جرثومہ کا خاتمہ کر دیا جائے، یعنی ایسے عوامل ہی کو ممنوع قرار دے دیا جائے جو انسان سے برائیوں کا تعارف کراتے اور ان کی طرف مائل کرتے ہیں، ان کی دعوت دیتے ہیں، دیکھئے اسلام شراب کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی خرید و فروخت پر بھی پابندی عائد کرتا ہے سود، رشوت، جواء اور دیگر غیر قانونی ذرائع آمدنی حرام قرار دیئے گئے تو فضول خرچی، عیاشی وغیرہ کی راہوں پر جانے کو بھی ممنوع قرار دیا کہ یہی راستے انسان کو حرام کی دولت حاصل کرنے کی طرف لے جاتے ہیں، اسلام زنا کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کے دواعی مثلاً عریانیت، غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط، ان کا آپس میں بے تکلفی سے ملنا جلنا بھی ممنوع قرار دیتا ہے، غرضیکہ اسلام کے احکام نہایت ہی مکمل اور مؤثر ہیں، انسان کے خود ساختہ قوانین کی طرح مضحکہ خیز نہیں، مثلاً غور کیجئے کہ کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ سگریٹ نوشی کو ایک مہلک مرض کینسر کا سبب قرار دیا جاتا ہے، جس سے روکنے کے لئے اشتہارات پر پابندی ہے، ڈیوٹی کے دوران پینے پر پابندی ہے، اب ہوائی جہاز میں بھی سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے لیکن کیا خوب کوشش ہے کہ اس کے بنانے پر پابندی نہیں، خرید و فروخت پر پابندی نہیں، ان غیر مؤثر پابندیوں کا انجام یہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں نوے فیصد لوگ سگریٹ پیتے ہیں، جن میں دس سالہ بچوں اور بالخصوص عورتوں کی اکثریت ہوتی ہے، جبکہ کہا جاتا ہے کہ سگریٹ عورت کے لئے زیادہ مضر ہے کہ اسی سے بہت جلد عورت چھاتی میں کینسر کا شکار ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ حاملہ ہونے کی صورت میں بچے پر بھی اس بری عادت کا اثر ہوتا ہے، غرضیکہ اسلام کے قوانین نہ تو نامکمل ہیں اور نہ مضحکہ خیز۔

نظر بازی اور عریانیت

نظر بازی اور عریانیت ان بنیادی عوامل میں سے ہیں جو ایک اچھے خاصے معقول و شریف آدمی تک کو زنا جیسی بدکاری میں مبتلا کر دیتے ہیں، دنیا کی ہر قوم زنا کے مہلک اثرات کو تسلیم کرتی ہے اور جواب تک نہیں مانتے تھے ایڈز کی بیماری عام ہونے کے بعد وہ بھی مانتے ہیں، لیکن کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات کہ اس سے روکنے کے لئے اس کے دواعی پر پابندی تو درکنار، زنا پر بھی پابندی نہیں بلکہ اسے انسان کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق تسلیم کیا جاتا ہے اسے برائی تو سمجھا جاتا ہے لیکن ایڈز جیسی مہلک بیماری پیدا ہونے کے باوجود بھی اس پر پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ یہ تشہیر کی گئی کہ اس بدعملی کے لئے کنڈم استعمال کئے جائیں تاکہ یہ بیماری پیدا نہ ہونے پائے، لوگوں کو کنڈم کا عادی بنانے کے لئے اس کی تشہیر کی گئی، مفت تقسیم کئے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زنا کرو لیکن بیماری سے بچنے کی تدبیر کے ساتھ، اسی طرح دنیا کے ان قوانین میں زنا کی کوئی سزا نہیں آپ کو معلوم ہے کہ اسی سال ۱۹۹۸ء اگست میں دنیا کے مشہور ترین شخص، صدر امریکہ نے اپنے زانی ہونے کا اعتراف کیا لیکن اس کے لئے کوئی سزا نہیں، ہمیں تعجب ہے کہ جب کسی عمل کی سزا نہیں تو اسے یہ احمق جرم کیوں قرار دیتے ہیں، برا کیوں جانتے ہیں، اسی لئے صدر امریکہ نے اعتراف زنا کے ساتھ یہ بھی کہا کہ نہ جانے میری گرفت کیوں کی جارہی ہے جبکہ میرے ملک میں تو یہ عمل عام ہے یعنی ہر مرد و عورت زانی ہے اور شاید اسی لئے اس کی بیوی نے اس کی کوئی گرفت نہ کی۔

بہر حال، اسلام بازیچۂ اطفال نہیں، اس میں مضحکہ خیزی نہیں، اس نے اہل ایمان کو زنا کے مہلک اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اسے حرام قرار دیا، جرم قرار دیا تو اس کی سخت سزا بھی مقرر فرمائی اور اس کے دواعی پر بھی پابندی عائد کی اور اس طرح پابندی عائد کی کہ بواسطۂ صاحبِ قرآن ﷺ، مومنین و مومنات کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کیا گیا تاکہ مرد و عورت دونوں اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں، ہاں عورتوں پر مردوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ پابندیاں عائد کی گئی ہیں کیونکہ ہر عقل سلیم بلا پس و پیش اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ عورت اپنے حسن و جمال، اپنے جسم کے خصوصی نشیب و فراز اور اپنی نزاکت کے باعث مرد سے زیادہ بدکاری کا داعیہ ہے، یا یوں کہئے کہ عورت مرد کی کمزوری ہے کہ وہ نہایت آسانی سے قوی سے قوی مرد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ مرد اپنی ساری ذمہ داریوں اور پابندیوں کو فراموش کر کے بآسانی عورت کے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر مردوں سے غیر قانونی کام لینے کے لئے عورت کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

نظر بازی ہی زنا و بدکاری کا پہلا باب ہے، جس طرح انسان کسی ہیبت ناک چیز کو دیکھ کر ڈرتا اور اس سے بھاگتا ہے، اسی طرح وہ کسی اچھی اور خوبصورت چیز کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے، مائل ہوتا ہے اور اس کو جائز و ناجائز طریقہ سے حاصل کر لینا چاہتا ہے، نظر کا اثر انسان کے جسم و قلب دونوں پر ہوتا ہے، کسی چیز کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوتا ہے اور کانپنے لگتا ہے تو کسی چیز سے اسے سرور و شادمانی کا احساس ہوتا ہے، ''اَلْبَصَرُ ھُوَ الْبَابُ الْاَکْبَرُ اِلَی الْقَلْبِ''، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ دلوں کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ نظر ہے، نیز بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ کا ارشاد ہے، ''اَلنَّظَرُ سَھْمٌ مِّنْ سِھَامِ اِبْلِیْسَ مَسْمُوْمٌ'' نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، ''مَنْ تَرَکَھَا

مَخَافَتِیْ اَبْدَلْتُهٗ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ''، جو میرے خوف کے باعث اسے (غیر محرم) سے پھیر لے تو میں اسے ایسا پختہ ایمان دونگا، جس کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا، گویا نظر بازی ضعفِ ایمان کا سبب بنتی ہے اور غض بصر، نظر کو جھکا لینا غیر محرم پر پڑنے سے بچانا، ایمان کی تقویت کا ذریعہ ہے، ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو کیا کیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نظر اس طرف سے پھیر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے، دوسری گناہ ہے، یعنی پہلی نظر اچانک اور بلا ارادہ ہوگی، لہٰذا معاف ہے لیکن دوسری نظر یقیناً قصداً ہوگی، لہٰذا گناہ ہے، اس سے بچنا لازمی ہے اور اگر پہلی نظر بھی بالقصد ہو تو وہ بھی گناہ ہے۔

جس طرح مرد کے لئے غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی غیر محرم مرد کو دیکھنا حرام ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ہدایت کی جا رہی ہے، ''قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ'' مسلمان مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور ''قُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ''، عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں کیونکہ مرد و عورت کے جذبات، خواہشات ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، جس طرح نظر مرد کے جذبات کو متاثر کرتی ہے، اسی طرح اس کا اثر عورت کے جذبات پر بھی ہوتا ہے، پس دونوں ہی کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، یہ واقعہ ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ! یہ تو نابینا ہیں، ہمیں دیکھ نہیں سکتے، ان سے پردے کی کیا ضرورت ہے، سرکار ﷺ نے فرمایا، تم تو نابینا نہیں ہو، انہیں دیکھ رہی ہو۔

غرضیکہ نظر بازی ہی جملہ مفاسد کی ابتداء اور جڑ ہے، یہ ہم عرض کر چکے کہ اسلام صرف کانٹوں سے بچنے ہی کا حکم نہیں دیتا بلکہ ان جھاڑیوں ہی کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کا حکم دیتا ہے جن کے کانٹوں سے مؤمن کا دامن تقویٰ تار تار ہونے کا امکان ہو۔

دوسری ہدایت حفاظتِ فروج کے متعلق ہے، یہ بھی مرد و عورت کے لئے ہے، ''وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ'' اور وہ (مرد) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، ''وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ'' اور وہ (عورتیں) حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی، سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں اہل ایمان کی ان خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہیں، انہی میں ایک خوبی یہ بتائی گئی، ''وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ'' اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس ارشاد میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں، انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ المعارج میں حفاظت فروج اہل ایمان کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

حفاظت فروج کا مفہوم آپ اس مثال سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ سے اگر کہا جائے کہ اپنی دولت کی حفاظت کرو تو اس کا منشاء کیا ہوگا، یہی نا کہ اپنی دولت کو بے جا خرچ نہ کرو، اس کے صحیح مصارف کو پہچانو اور صحیح مصرف میں خرچ کرو، نیز

سب سے اہم بات یہ کہ دولت کو چھپا کر رکھو کہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے، ورنہ وہ تمہیں اس سے محروم کر دیں گے اور تم پچھتاتے رہ جاؤ گے۔ بس یہی مفہوم حفاظت فروج کا ہے کہ اپنی شرمگاہ کا غلط استعمال نہ کرو، زنا اور بدکاری نہ کرو، نیز عریانیت اور ننگا پن اختیار نہ کرو تاکہ کوئی تمہاری شرمگاہ پر بری نظر نہ ڈال سکے اور تمہاری عزت وعصمت لوٹنے پر آمادہ نہ ہونے پائے، اسی لئے لباس کو انسان کی عزت اور اس کے حسن و جمال کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، کیا خوب فرمایا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے: ''اَلنَّاسُ بِالّلِبَاسِ'' لوگوں کی عزت ووقار کا ذریعہ لباس ہے، اچھے لباس میں مرد ہو یا عورت، سب اس کو اچھی اور عزت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، ننگا مرد ہو یا عورت سوسائٹی میں اس کی کوئی عزت نہیں کرتا، جو دیکھتا ہے بری نظر سے دیکھتا ہے، ہوس کی نظر سے دیکھتا ہے، تماشہ بناتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہی کے ساتھ بطور احسان لباس کا بھی ذکر فرمایا کہ یہ اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، ''یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا'' اے اولاد آدم! بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے، تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے، لباس سے شرمگاہ کی حفاظت بھی ہوتی ہے، اور جسم کے حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ابومطر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا، اسے زیب تن فرمایا اور کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ، ثُمَّ قَالَ، هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ''، یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں، جس نے مجھے زینت کا لباس عطا فرمایا، جس سے میں لوگوں کے درمیان خوبصورتی حاصل کرتا ہوں اور اپنے ستر کو چھپاتا ہوں، پھر فرمایا اسی طرح میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہتے سنا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس ارشاد کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، وہ بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نیا کپڑا پہنا تو کہا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پہنایا ''مَاۤ اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ'' وہ جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں ''وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ'' اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا، جب آپ نیا کپڑا، زیب تن فرماتے، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَاۤ اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ پہنایا، جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں زینت حاصل کرتا ہوں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا پرانا کپڑا اتار کر خیرات کر دے تو وہ زندگی اور موت کے اندر اللہ کی پناہ، اللہ کی حفاظت اور اللہ کے پردے میں رہے گا۔

(ترمذی شریف)

بہر حال لباس ستر چھپانے کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے زینت اور حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوتا ہے لیکن احکام الٰہیہ سے بغاوت کرنے والا انسان بالکل ہی عقل سے پیدل اور عقل کا اندھا ہوتا ہے وہ کیا جانے کہ حسن و جمال کسے کہتے ہیں اور زیب وزینت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے، اسی لئے اس احمق نے بجائے لباس کے عریانیت، ننگے پن کو اپنایا، اور اسی کو حسن و

جمال سمجھ بیٹھا، مغربی تہذیب نے عریانیت کو عروج بخش کر انسان کی جو توہین و تذلیل کی ہے، بس الامان والحفیظ، نظر پڑ جائے تو دیکھ کر گھن آتی ہے اور ان کی بدنصیبی پر ماتم بھی کرنے کو دل چاہتا ہے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بچارے کپڑوں سے محروم ہیں، موسم گرم ہو تو بالکل ننگے، ٹھنڈا ہو تو بھی چست اور تنگ کپڑے، جن کپڑوں کے لئے ۵ ر ۶ میٹر کپڑا درکار ہوتا ہے، شاید وہ دو میٹر ہی میں بنا لئے جاتے ہیں، خیر یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو قرآنی ارشاد کے مطابق جانوروں سے بدتر ہیں، وہ جانوروں ہی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، ہمیں تو افسوس اپنی قوم پر ہے جنہیں اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کے دعویٰ کے باوجود اپنی حالت کا احساس نہ رہا، عورتوں کا پردہ ہی ختم نہ ہوا، برقعہ ہی نہ گیا، سر سے دوپٹہ بھی اڑ گیا، ہاتھ ننگے، ٹانگیں ننگی نظر آنے لگیں، ساڑھی باندھنے والی بوڑھی جوان سب ہی کا پیٹ لٹکتا نظر آتا ہے، اس پر طرہ یہ کہ اسی حال میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے، یہ دین کا مذاق، احکام الٰہیہ کی توہین نہیں تو اور کیا ہے، یہی حال مردوں کا ہے، پینٹ اتنی تنگ کہ آپ یہ سوچتے ہی رہ جائیں کہ یہ بندہ اس میں گھسا کیسے ہے، ایک اور مسخرا پن ہے کہ مرد و عورت کے لباس کا فرق ختم ہو گیا، جوتا کپڑے سب کے ایک جیسے ہو گئے ہیں، اللہ ہی رحم فرمائے، نہ جانے انسان کو کیا ہو گیا ہے، یہ ذلت و خواری کی کتنی اور گہری کھائی تک جانا چاہتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں کتنی سہولت ہے کہ لباس کے معاملہ میں کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی گئی، جس میں پسند و ناپسند کا سوال پیدا ہو، نہ کوئی خاص رنگ متعین کیا گیا، نہ کوئی خاص ڈیزائن، نہ ہی کوئی یونیفارم مقرر کیا گیا، بس یہ بتا دیا گیا کہ لباس جسم ڈھکنے کے لئے ہے، لہٰذا ایسے کپڑے پہنو جس سے واقعی جسم ڈھکے، اگر کھینچ تان کر کپڑے چڑھا لئے اور جسم کا نشیب و فراز نظر آتا رہا تو لباس کا کیا فائدہ رہا، اسی طرح لباس زینت اور حسن و جمال کا ذریعہ ہے، پس ایسے کپڑے پہنو، جس سے تمہاری زینت میں اضافہ ہو، ایسے رنگ پہنو جن سے تمہارے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو، ایسے ڈیزائن پہنو جن سے تم مزید باوقار اور بارعب معلوم ہو، پھر مرد و عورت کا فرق ملحوظ رکھو کہ مردوں کی زینت اور عورتوں کی زینت میں فرق ہے، مثلاً عورتوں کی زینت چوڑیاں اور دیگر لوازمات ہیں، جو مردوں کی زینت نہیں، جنہیں مرد و عورت کی زینت کے فرق کا احساس نہیں، ان مردوں کو چاہئے کہ عورتوں جیسے لباس کے ساتھ وہ عورتوں کی طرح چوڑیاں بھی پہنا کریں، بہر حال مردوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ، ایسے ڈیزائن پہنیں جن سے ان کے وقار، رعب اور شخصیت میں اضافہ ہو اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ ایسے رنگ اور ڈیزائن پہنیں جن سے ان کی نزاکت، حسن و جمال اور کشش میں اضافہ ہو کہ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو لباس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

یہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اگر تم مجھ سے ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

(۱) جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

(۲) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔

(۳) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔

(۴) وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو۔

(۵) وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ، اوراپنے ہاتھوں کوروکے رکھو۔

(۶) وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ اوراپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

معلم اخلاق ﷺ ان اہم بنیادی امور کی تعلیم دے رہے ہیں جن پر معاشرے کا امن وسکون موقوف ہے اور جن کی پابندی اہل ایمان کے لئے ہر قسم کے انتشار وافتراق سے حفاظت کی ضمانت ہے، اگر آپ غور کریں تو اس حقیقت کو تسلیم کرنا دشوار نہ ہوگا کہ آج مسلمانوں میں تعلیمات نبوی ﷺ کے برعکس جھوٹ، بددیانتی، وعدہ خلافی، نظربازی، ظلم وستم اور بے حیائی وبے شرمی کے امراض عام ہیں، اسی لئے مسلم معاشرہ، مسلم ممالک امن وسکون کی زندگی سے محروم اور انتشار وافتراق کا شکار ہیں، ایک بدترین معاشرے میں جو مفاسد ہوتے ہیں وہ تمام ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔

ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آقائے کائنات ﷺ کا، آپ ﷺ فرماتے ہیں''مَنْ يَكْفُلُ لِيْ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَبَيْنَ رِجْلَيْهِ اَكْفُلُ لَهُ الْجَنَّةَ'' جو مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے جبڑوں کے درمیان یعنی زبان اور جو اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، یعنی جو مؤمن اپنی زبان کی حفاظت کرے اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے، مالک جنت ﷺ اس کے لئے جنت کے ضامن ہیں اور آپ کی ضمانت غیر مشکوک اور یقینی ہے۔

ستر پوشی

مرد کا ستر جس کی حفاظت اور جس کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، ناف سے گھٹنوں تک ہے، جسم کے اس حصہ کو چھپانا فرض ہے، تنہائی میں بھی یہ حصہ برہنہ نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ غسل کے وقت بھی اس کو ڈھانپنا افضل ہے، سوائے بوقت صحبت اپنی بیوی کے سامنے برہنہ ہونے کے اگر کسی کا یہ حصہ کھلا ہو تو اسے دیکھنا بھی حرام ہے، اس مسئلہ کو وہ لوگ ذہن نشین کریں جو اپنے گھر میں گھٹنوں سے اونچا نیکر یا انڈرویر وغیرہ پہنے رہتے ہیں، نبی مکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا''اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ''، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوا اپنی بیوی یا باندی کے، صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ!''اَفَرَأَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِياً''، اگر انسان تنہا ہو تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا''فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحِيَ مِنْهُ''، اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے، یعنی اگر کوئی دوسرا نہیں دیکھ رہا تو اللہ تو دیکھ رہا ہے اور اللہ سے زیادہ شرم وحیا کرنی چاہئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ران سے کپڑا سرک گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر پڑی، آپ ﷺ نے فرمایا''غَطِّ فَخِذَكَ فَاِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ'' اے حذیفہ! اپنی ران ڈھکو، کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔

ایک موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا''لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ'' اپنی ران ظاہر نہ کرو اور کسی زندہ یا مردے کی ران کی طرف نہ دیکھو۔

عورت کا ستر، اس کا پورا جسم ہے، اسی لئے اسے عورت یعنی چھپنے والی کہا جاتا ہے، وہ عورت ہی نہیں جو اپنے آپ کو غیروں کی نظروں سے نہ چھپاتی ہو، ہاتھوں سے ٹخنوں تک اسے چھپا ہونا چاہئے، چہرہ بھی ڈھانپا ہونا چاہئے صرف آنکھیں

اتنی کھلی ہوں کہ دیکھ سکے، وہ بھی نیچی نظروں کے ساتھ، اسی لئے عورت کے لئے ایسا لباس پہننے کی اجازت نہیں، جس سے اس کا پوری طرح ستر نہ ہو سکے، تفصیل آگے آتی ہے، انشاء اللہ، بہر حال

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جارہی ہے کہ تم اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، یہ ہدایت مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، یہی تمہارے لئے ''ازکی'' ہے، اس ہدایت پر عمل ہی سے تمہیں پرسکون، پاکیزہ معاشرہ نصیب ہو سکتا ہے۔

عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات

اب عورتوں کے لئے خصوصی ہدایات کا آغاز ہوتا ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں، سوائے اس کے جس کے ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں۔

۲۔ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینے کو ڈھانپ لیا کریں۔

۳۔ زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی پوشیدہ زینت وآرائش ظاہر ہو۔

ان تینوں امور کی پابندی ہی کا نام پردہ ہے کہ عورت باہر نکلتے وقت ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے جس سے اس کے جسم کا نشیب وفراز چھپ جائے، بالخصوص سینہ جو عورت کے حسن کا مرکز ہے اور جو مرد کی نظر کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسے اس طرح ڈھکنا چاہئے کہ اس کا ابھار ظاہر نہ ہو، نیز اس کی چال ایسی ہو کہ اس کے زیورات کی آواز سنائی نہ دے اور نہ ہی جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہونے پائے، ورنہ برقعہ اور پردہ کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا، اسی لئے شریعت مطہرہ نے کامدار، کڑھے ہوئے خوبصورت برقعے پہننا ممنوع قرار دیئے، نیز صرف ایک چادر اس طرح لپیٹ لینے کی بھی ممانعت کی گئی جس میں جسم کے حصے نظر آئیں اور جسم کی حرکت تک نظر آئے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا، ''وَاَنْ یَّشْتَمِلَ الصَّمَآءَ'' اور یہ کہ ایک ہی کپڑے میں پوٹ بن جائے، یعنی صرف ایک چست چادر لپیٹ لی جائے، یا نہایت چست اور تنگ لباس پہنا جائے نیز آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَوْیَحْتَبِیُ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ کَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ'' یا ایک ہی کپڑے کو اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ شرمگاہ کھلی رہے، بہر حال برقعہ ہو یا چادر، اتنا ڈھیلا ہونا چاہئے کہ اس میں چلنا آسان ہو اور اس کے جسم کے خفیہ اعضا، نشیب وفراز ظاہر نہ ہوں، اسی طرح تنگ وچست اور باریک لباس مسلم خواتین کے لئے جائز نہیں، ایک مرتبہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بنوتمیم کی چند عورتیں حاضر ہوئیں، جن کا لباس باریک کپڑے کا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اِنْ کُنْتُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَیْسَ هٰذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ وَاِنْ کُنْتُنَّ غَیْرِ مُؤْمِنَاتٍ فتمتعن'' اگر تم مسلمان عورتیں ہو تو یہ مسلمان عورتوں کا لباس نہیں اور اگر تم غیر مؤمنات ہو تو جو چاہو کرو، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''نِسَآءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ وَاْئِلَاتٌ مُمِیْلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ مِثْلُ اَسْمِنَةِ الْبُخْتِ لَایَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یجدن ریحها'' کچھ عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوتی ہیں، وہ ناز وادا سے جھکتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، ان کے سر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بختی نسل کے اونٹوں کے کوہان، یہ عورتیں جنت میں نہ جائیں گی، بلکہ انہیں جنت

کی ہوا تک نہ لگے گی۔

بغور بار بار پڑھئے میرے آقا مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد کو اور نظر ڈالئے اپنے گردوپیش پر، کیا آپ کو تنگ و چست اور مہین کپڑوں میں ایسی عورتیں نظر آ رہی ہیں جو لباس کے باوجود ننگی ہیں، کیا آپ کو کوئی محترمہ نظر آ رہی ہیں جن کا پیٹ کھلا ہوا ہے حالانکہ وہ سات میٹر کی لمبی چوڑی، قیمتی ساڑھی لپیٹے ہوئے ہیں، دیکھئے ان حسیناؤں کو جنھوں نے اپنے سروں پر بڑے بڑے جوڑے رکھے ہوئے ہیں، بالکل جیسے اونٹ کا کوہان، سنا دیجئے ان عورتوں کو میرے آقا ﷺ کا ارشاد کہ تمہارے لئے جنت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، تمہیں جنت کی ہوا تک نہ لگے گی، اے اپنے اوپر ظلم کرنے والی خواتین، کیا فائدہ تمہارے کلمہ پڑھنے کا، کچھ تو شرم کرو، جس کا کلمہ پڑھتی ہو، کچھ تو اس کی لاج رکھو، آؤ ابھی وقت ہے، توبہ کرلو، اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

پردہ

ہر مسلمان عورت کے لئے پردہ اسی طرح فرض ہے، جس طرح نماز، روزہ وغیرہ، سورۂ احزاب کی یہ واضح آیت مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں پردہ کو مسلم خواتین کی پہچان بتایا جا رہا ہے اور اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

(احزاب: ۵۹)

اے نبی مکرم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ ﷺ فرما دیجئے، اپنی ازواج مطہرات اور اپنی صاحبزادیوں اور جملہ اہل ایمان کی عورتوں سے کہ (جب وہ باہر نکلیں) تو ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو، اس طرح وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی، پھر انہیں ستایا نہ جائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مؤمنات کے لئے یہ اعزاز قابل غور اور لائق فخر ہے کہ انہیں ازواج نبی ﷺ اور بنات نبی ﷺ کے ساتھ خطاب کرتے ہوئے وہی حکم دیا جا رہا ہے جو مقدس ماؤں کو دیا گیا ہے کہ بیٹیوں کو ماؤں ہی کی طرح ہونا چاہئے، نیز یہ انداز حکم پردہ کی اہمیت جاننے کے لئے کافی ہے کہ وہ مائیں جو بلا شبہ ہر قسم کے برے خیالات اور بدنیتی سے پاک تھیں اور اس زمانہ میں تھیں جو آج سے بدرجہا بہتر تھا، پردہ کی مکلف قرار دی گئیں، تمام عام عورتوں کے لئے اس حکم شرعی کی پابندی کس قدر اہم اور لازمی ہے، کہ ان کا برے خیالات اور بدنیتی میں مبتلا ہونا ایک عام بات ہے، نیز ان کا زمانہ بھی نہایت ہی فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، پردہ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ مؤمنات کی علامت اور پہچان بن جاتا ہے، جس کی نظر اٹھتی ہے وہ اپنا ہو یا غیر، برقعہ پوش کو دیکھ کر نظریں جھکا لیتا ہے، جس کے دل میں برا خیال آتا ہے، وہ علامت ایمان کو دیکھ کر اپنے خیال پر نادم وشرمندہ ہوتا ہے، اپنوں کی یہ کیفیت اس لئے ہوتی ہے کہ انہیں برقعہ میں صرف اور صرف اپنی ماں، بہن، یا بیٹی نظر آتی ہے، پس ان کی بری نظریں

پھر جاتی ہیں، برا خیال نکل جاتا ہے، نظریں احترام سے جھک جاتی ہیں اور دل تقدس سے بھر جاتا ہے اور غیروں پر برقعہ کا یہ اثر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس سے جان لیتے ہیں کہ مسلم خواتین کسی غیر مرد کی طرف کسی طرح مائل نہیں ہوسکتیں کہ اس مذہب میں بدکاری ایک خطرناک قابل سزا جرم ہے، وہ یہ جرم تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں کرسکتیں نیز وہ جان لیتے ہیں کہ یہ خاتون اس قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کے مذہب میں عورت کو نہایت ہی بلند مقام حاصل ہے، اس معاشرے میں عورت کا بے حد احترام کیا جاتا ہے، وہ لوگ ہر غیر عورت کو اپنی ماں، بہن اور بیٹی کی ہی نظر سے دیکھتے ہیں اور کسی بھی طرح وہ عورت کی بے حرمتی برداشت نہیں کرسکتے، وہ عورت کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے جان کی بازی تک لگانے سے دریغ نہیں کرتے، پس اگر ہم نے اس برقعہ پوش کو بری نظر سے دیکھا تو ہماری آنکھیں نکال لی جائیں گی، گویا صرف برقعہ ہی غیر مسلموں کے دلوں میں مؤمنات کا خوف پیدا کردیتا ہے، اور وہ کسی ممکنہ بدعملی کی سزا کے ڈر سے کانپنے لگتے ہیں، گویا اپنوں اور غیروں کے لئے برقعہ، برقعہ پوش عورت کے ایمان کی پہچان بن جاتا ہے، "اَنْ يُّعْرَفْنَ" اور وہ بآسانی پہچان لی جاتی ہیں اور جب ان کی پہچان ہوجاتی ہے تو وہ اوباش، لفنگوں اور عیاش طبع لوگوں کے پتھروں اور تیروں سے محفوظ ہوجاتی ہیں، "فَلَا يُؤْذَيْنَ" اب انہیں کوئی نہیں ستاتا، اور نہیں ستا سکتا، بلا خوف وخطر وہ اپنی ضروریات کے لئے اپنے گھروں سے باہر آسکتی ہیں۔

اے ایمان والو! پردہ تمہارے لئے قید وبند نہیں، یہ تمہاری ترقی میں حائل نہیں، یہ تو تمہارے رب کا تم پر خصوصی کرم ہے کہ اس نے تمہیں پردہ کا حکم دیا جو اپنوں اور غیروں کی نظروں میں تمہیں باعزت بناتا ہے، جو ان کے دلوں میں تمہارا خوف اور رعب پیدا کرتا ہے، یہ تمہارا لباس عزت ہے، یہ تمہاری عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اس سے تمہارے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے، دیکھو قیمتی چیز ہمیشہ چھپائی جاتی ہے کہ کوئی لٹیرا اسے نہ لے اڑے، اس پر مٹی، پانی، ہوا کا اثر نہ ہونے پائے، تم رب کے نزدیک بہت قیمتی ہو، بڑی قدر والی ہو، وہ پردہ کے ذریعہ تمہیں چھپانا چاہتا ہے کہ کوئی ڈاکو تمہیں نہ لے سکے، مٹی، پانی اور ہوا کے اثرات سے تمہارا حسن وجمال داغدار نہ ہونے پائے، یہ مردوں کی للچائی ہوئی بری نظریں وہ تیر ہیں، جو تمہارے ایمان تک کو گھائل کردیتی ہیں، یہ تمہارے چہروں پر پڑتی ہیں تو تمہارے حسن کے نور کو زائل کردیتی ہیں، ان سے چہرہ پھٹکار زدہ ہوجاتا ہے، یہ میک اپ کا سارا ساز وسامان ان مردوں ہی کی ایجاد ہے جن کی نظروں کی پھٹکار نے پہلے تمہارے چہروں کو مسخ کردیا اور اب میک اپ کے ذریعہ مصنوعی حسن دے کر بھی تمہیں اپنا کھلونا بنانا چاہتے ہیں، ایک مؤمنہ کو ملمع سازی کی کیا ضرورت ہے، اس کے چہرے پر تو پانچ وقت کے وضوئی چمک ہی کافی ہے، اس کے حسن کے لئے ایمان کا نور کیا کم ہے، اسے جتنا چھپایا جاتا ہے، اتنی ہی اس کی شعاعیں تیز ہوتی ہیں اور حسن بڑھتا ہے، پردہ ہی مؤمنہ کے تقویٰ کا ذریعہ ہے کہ تقویٰ جملہ احکام شرع کی پابندی کا نام ہے، پردہ کے واضح حکم سے بغاوت کرکے کوئی عورت کتنی ہی عبادت کرے، متقیہ نہیں ہوسکتی، اس طرح وہ ہمیشہ اسلام کے عطا کردہ ایک عظیم منصب سے محروم رہتی ہے۔

تاریخ کی شہادت

تاریخ شاہد ہے کہ جن مذاہب، جن اقوام یا جن ادوار میں عورت کی عزت وناموس کا احساس کیا گیا اور اسے کوئی

وقعت، کوئی حیثیت دی گئی اس کے مرتبہ و مقام کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی تو اس پر پردہ ہی کی پابندی عائد کی گئی، فریدی وجدی آفندی کی مشہور تصنیف، المراۃ المسلمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں، ''رومن حکومت اپنے ابتدائی دور میں ایک چھوٹی سی کمزور حکومت تھی، پھر کئی صدیوں تک رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی تمدن و تہذیب کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی، اس حکومت میں بھی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں'' مصنف انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں:

''رومانیہ کی عورتیں بھی اس طرح کام کاج پسند کرتی تھیں، جس طرح مرد پسند کرتے ہیں، وہ اپنے گھروں میں کام کرتی رہتی تھیں، ان کے شوہر اور باپ بھائی صرف میدان جنگ میں سرفروشی کرتے رہتے تھے، خانہ داری کے کاموں سے فراغت پانے کے بعد عورتوں کا اہم کام یہ تھا کہ وہ سوت کاتیں، اسے صاف کریں اور کپڑے بنائیں، رومانی عورتیں نہایت سخت پردہ کیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ وہ جو دایہ گیری کا کام کرتی تھیں، وہ بھی اپنے گھروں سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتیں اور اس کے اوپر ایک موٹی لمبی چادر اوڑھ لیتی تھیں، جو ایڑی تک لٹکتی رہتی تھی، پھر اس چادر پر ایک عبا (برقعہ) اور اوڑھا جاتا تھا، جس کے بعد ان کی شکل نظر آنا تو کیا، ان کے جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل ہوتا تھا۔''

مصنف کہتے ہیں کہ ''اس زمانہ میں جب رومانیوں کی عورتیں پردہ میں رہا کرتی تھیں، اس قوم نے ہر فن اور جملہ کمالات میں بے نظیر ترقیاں کیں، مثلاً بت تراشی، عمارت سازی، فتوحات ملکی، سلطنت و حکومت، عزت و عظمت اور علم و ہنر میں ساری قومیں رومانیوں کے مقابل ہیچ ہوگئیں، لیکن ترقی کی اس منزل پر پہنچنے کے بعد رومانیوں میں عیش پرستی اور کھیل و تفریح کا شوق پیدا ہوا، جس کے لئے انہوں نے اپنی عورتوں کو پردہ سے متنفر کیا اور اس کی قید سے آزادی بخشی تاکہ وہ ان کے ساتھ لہو و لعب اور سیر و تفریح کی مجلسوں، دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوں۔ عورتیں پردہ سے نکلیں، اس طرح جیسے پہلو سے دل نکل جاتا ہے، پھر کیا تھا، اس حملہ آور عنصر (مرد) نے موقع پایا کہ محض اپنے حظ نفس کے لئے ان کے اخلاق خراب کرکے ان کے پاکیزہ دامن کو داغدار کر دیا اور ان کی شرم و حیاء کو توڑ ڈالا، یہاں تک کہ پھر وہی عورتیں جو سات پردوں میں رہا کرتی تھیں، تھیٹروں میں جانے لگیں، بار اور رقص کی محفلوں میں عورتوں کے ناچنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا۔ آخر عورتوں کی حکومت اس قدر مضبوط ہوئی کہ جو نامور تدبیر ملک اور انتظام سلطنت کے لئے پارلیمنٹ یا سینٹ کی مجلس کے لئے ممبر منتخب ہوا کرتے تھے، وہ بھی عورتوں کے ووٹ حاصل کرکے ہی منتخب ہونے لگے اور انہی کے معمولی اشاروں پر اپنے عہدوں سے معزول کر دیئے جاتے تھے، پس یہ حالت ہوتے ہی رومانی حکومت کی بربادی شروع ہوگئی اور اس پر ایسی تباہی آئی کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ دیکھ کر یا سن کر مبہوت اور حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ رومانی حکومت کے اس شاندار قصر اور مستحکم عمارت کی انہی عورتوں کے نازک ہاتھوں نے کس طرح ایک ایک اینٹ اکھیڑ کر رکھ دی اور اس کی ساری عظمت و متانت خاک میں ملا دی، کیا یہ بات عورتوں نے اپنی بدنیتی اور بداخلاقی سے کی؟ نہیں، اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا، مگر ہوا یہ کہ انہیں

بے پردہ بنادیا گیا تو باقتضائے فطرت مرد، ان پر مائل ہونے لگے اور اس کے لئے انہوں نے آپس میں کٹنا اور مرنا شروع کر دیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کے تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

آگے چل کر مصنف رقمطراز ہیں، آخر کوئی بتائے کہ رومانی قوم، جس کو عظمت و بزرگی کی محبت نے ترقی وتمدن کے اعلیٰ زینہ پر پہنچادیا تھا، اپنے بزرگوں کے کارنامے دل سے بھلا کر تنزل اور ادبار کے غار میں کیوں کرگئی؟ اسے اتنی ترقی اور عظمت حاصل کر لینے کے بعد تباہی اور ذلت کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کیوں شرم نہ آئی؟ یہ تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے کہ ایک ایسی قوم جو اپنے عروج وعظمت کے عہد میں عورتوں کو سخت پردہ کی پابند رکھتی تھی، آخر اسی بات پر راضی ہوگئی کہ اس کی وہی خانہ نشیں عورتیں، بادشاہوں اور وزیروں کو جس وقت چاہیں معزول کرادیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ حیرت انگیز انقلاب کیونکر رونما ہوا، یقیناً یہ حال تدریجی رفتار سے ظہور میں آیا، بے شک یہ حالت رفتہ رفتہ نشوونما پاتی رہی اور ناموس طبیعی کی بنیاد پر اس کا اٹھان تدریجی رفتار سے بڑھتا گیا، پہلے اس معاملہ کو کچھ وقعت نہیں دی گئی، پھر جب یہ آگ اندر ہی اندر سلگ کر شعلہ زن ہوئی، تو مہلک بیماری کی مانند یکبارگی جسم وجان کو جلا کر سیاہ بنا گئی۔

رومانیوں اور ان کی سلطنت کا یہ حشر تو بہت پرانی بات ہے، آپ ماضی قریب کی تاریخ پر ہی نظر ڈالئے، ترکی ایک مستحکم ومضبوط ملک تھا، عورتیں پردہ کی پابند تھیں، چار دیواری میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی تھیں، گھروں ہی میں رہ کر مردوں کی مالی مدد کرتی تھیں، مرد بے فکر، متحد و منظم ہو کر اپنے ملک کی ترقی وتعمیر کے لئے دن رات محنت ومشقت کرتے تھے اور اس کا پھل پاتے تھے، نہ صرف انہیں دیگر مسلم اقوام پر برتری حاصل تھی بلکہ غیر مسلم قومیں بھی ان کے نام سے لرزتی تھیں۔

اسی دور میں چند عیاش طبع مرد ابھرے، انہوں نے اپنی ہوا وہوس کی تکمیل کے لئے عورت کو آزادی کا سبز باغ دکھایا، ان میں عیاشی کے جراثیم چھوڑے، ایک منظم سازش کے ذریعہ وہ عورت کو گھر سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر اپنے مکر وفریب میں کامیاب ہوئے، عورتوں نے سر سے چادر اتار دی، شرم وحیا کا لباس اتار پھینکا، مرد کے دوش بدوش آ کھڑی ہوئیں اور گھر کی باعزت مالکہ بار وکلب میں ناچنے لگی، شمع محفل بن بیٹھی، نتیجۃً مرد اپنی منزل چھوڑ کر عورتوں کے گرد جمع ہونے لگے ،ان کے لئے اپنے قریبی رشتے توڑ بیٹھے، اب ان کا کام صرف عورت کا حصول ہوگیا، جس کے لئے لڑنا جھگڑنا ان کا وطیرہ بن گیا، اور وہ صلاحتیں جو ملک کی ترقی وتعمیر کے لئے صرف ہوتی تھیں وہ عیاشی کی نظر ہوگئیں، اور ترکی آج کا ترکی بن گیا، بھکاریوں، چوروں اور ڈاکوؤں کا ملک، اب جو بھی وہاں اسلام کا نام لیتا ہے اسے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑتی ہیں، ملک کے محافظ، فوج کے اعلیٰ افسران برملا کہتے ہیں کہ یہ ملک سیکولر (لادینی) ملک ہے، یہاں اسلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

مصر، عراق، لیبیا، انڈونیشیا کی تاریخ بھی کچھ ایسی ہی ہے، پاکستان جس کی بنیاد اسلام پر ہی رکھی گئی تھی، بھی بیگمات اور بے پردہ خواتین کی نظر ہوگیا اور آج تک اسلامی نظام کی برکتوں سے محروم ہے، ان تمام ممالک کے لوگ جس کرب و اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہی اس کا درد جانتے ہیں، نہ ان کی دولت محفوظ ہے اور نہ عزت وآبرو، نہ اپنوں کی نظروں میں کوئی حیثیت ہے، اور نہ غیر انہیں عزت سے دیکھتے اور کوئی وقعت دیتے ہیں۔

غرضیکہ تاریخ اس حقیقت کو ثابت اور واضح کرتی ہے کہ پردہ نہ صرف عورت کے لئے سکون وطمانیت اور عزت و عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ پوری قوم پر اس کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ترقی کرتی ہے، عروج پاتی ہے، عزت پاتی ہے اور جب عورت بے پردہ ہو کر شمع محفل بن جاتی ہے، تو وہ خود بھی ذلیل وخوار ہو جاتی ہے، اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت بھی نہیں کر پاتی اور پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے کہ عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر وہ اپنے گھروں ہی کے امن و سکون سے محروم نہیں ہوتے، بلکہ اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے قابل بھی نہیں رہتے، جو چاہتا ہے ان کی عزت لوٹ کر چل دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ان کا ملک چھین لیتا ہے، وہ بے ہوش، ذلت وخواری کے شب وروز بسر کرتے رہتے ہیں۔

ایک سوال کا جواب

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر پردہ میں ایسی کیا تاثیر ہے کہ عورت کا باپردہ یا بے پردہ ہونا پوری قوم پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے عروج یا زوال کا باعث بن جاتا ہے، اگر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے عورت پر جو ایک ذمہ داری عائد کی ہے وہ مرد کی تمام ذمہ داریوں سے بڑی اور اہم ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مرد اپنی تمام ذمہ داریوں کو بطریقۂ احسن اسی صورت میں نبھا سکتا ہے جب عورت اپنی ذمہ داری پوری کرے، عورت کی اس بڑی ذمہ داری کو آپ مردم سازی کا نام دے سکتے ہیں، یعنی بچے پیدا کرنا اور ان کی صحیح تربیت کرنا کہ وہ معاشرے کا بہترین فرد بنیں، دیانتدار سچے مؤمن ہوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ان کا کامل یقین واعتماد ہو، ان کے اخلاق واطوار اچھے ہوں، شکر، صبر، توکل، استقامت واستقلال اور قناعت جیسی اہم خوبیوں سے آراستہ ومزین ہوں، محنت ومشقت کے عادی ہوں، قوت برداشت میں پہاڑ جیسے مضبوط ہوں، ایسا مرد ہر میدان کا مجاہد ہوتا ہے اور کامیابی و کامرانی اس کی ہمیشہ قدم بوس رہتی ہے، ان تمام خوبیوں کا خزانہ ماں کی چھاتی ہے، جس سے بچہ غذا کی صورت میں ان خوبیوں کو حاصل کرتا ہے اور ماں کی پرسکون گود میں ان کو پروان چڑھاتا ہے، یہ عورت ہی باپ، بھائی اور شوہر کے کردار کی بھی تعمیر کرتی اور اسے سکون واطمینان فراہم کرتی ہے کہ باپ کے لئے بیٹی اور بھائی کے لئے بہن کی نظروں میں ایک عجب پرسکون تاثیر ہے اور شوہر کے لئے اپنی بیوی کے حسن وجمال اور اس کی اداؤں میں ایک کشش ہے، بیٹی، باپ کی بہن، بھائی کی بیوی شوہر کی خدمت کرتی ہے، ان کی ضروریات پوری کرتی ہے، ان کے گھر، مال ودولت، عزت وآبرو کی حفاظت کرتی ہے، اولاد کی تربیت کرتی ہے، پس مرد اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سکون واطمینان کے ساتھ بالکل بے فکر ہو کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرے، یہ ہے عورت کی بڑی ذمہ داری، جس کو پورا کرنے کے لئے پردہ کا تحفظ اور گھر کی چاردیواری کا پرسکون ماحول ناگزیر ہے کہ بے پردہ، گلی، کوچوں، بازاروں میں پھرنے والی، دوکانوں اور دفتروں میں سارا دن غیر مردوں کے ساتھ کام کرنے والی عورتیں اس اہم ذمہ داری کو کس طرح پورا کر سکتی جن کا تقویٰ لوگوں کی نظروں کے تیروں سے مجروح اور ردائے تطہیر تار تار ہے، ان میں مردم سازی کی صلاحیت تو کیا خود سازی کی صلاحیت بھی نہیں رہتی، انہیں تو اپنی چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں رہتا ہے، وہی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی قوم کو ہیرے موتی فراہم کرتی ہے، جو خود تقویٰ وپرہیزگاری کے زیور

سے آراستہ وپیراستہ ہو، اے اللہ ہماری عورتوں کو اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما،

اے ایمان والو! اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد سنو، اسے یاد رکھو، اور اس پر عمل کی کوشش کرو۔ راوی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں:۔

اَلْمَرْاَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ۔

عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ (بے پردہ) باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان گھورتا ہے۔

(ترمذی شریف)

نیز فرمایا، میرے آقا ﷺ نے

وَاَقْرَبَ مَا تَکُوْنُ مِنْ وَجْہِ رَبِّھَا وَھِیَ فِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا۔

اور عورت اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں ہو۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

لَیْسَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ فِی الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّۃً۔

عورتوں کو باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں مگر صرف اشد ضرورت کے وقت۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت ہے کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال فرمایا، ''اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِلْمَرْاَۃِ'' عورت کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے، صحابہ خاموش رہے (جواب کے منتظر تھے لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا) حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں گھر آیا تو میں نے یہی سوال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا، انہوں نے بتایا، ''لَایَرَیْنَ الرِّجَالَ وَلَا یَرَوْنَھُنَّ'' کہ عورتیں مردوں کو نہ دیکھیں اور مرد عورتوں کو نہ دیکھیں، میں نے واپس ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت فاطمہ کا جواب سنایا، آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''صَدَقَتْ اِنَّھَا بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ''، فاطمہ نے سچ بتایا، آخر وہ میری جز ہیں۔

واقعہ افک کا تو سبب ہی یہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا گیا اور پتہ ہی نہ چل سکا کہ آپ اس میں تشریف نہیں رکھتیں کہ آپ طبعی ضرورت کے سبب لوگوں کی نظروں سے دور تشریف لے گئی تھیں، آپ اتنی دبلی پتلی تھیں کہ اٹھانے والوں کو یہ احساس ہی نہ ہو سکا کہ ہودج خالی ہے اور اس میں سخت پردے کے باعث کوئی جھانک نہیں سکتا تھا کہ اس زمانہ میں پردے کے حکم کی تعمیل حالت سفر میں بھی اس قدر سختی سے کی جاتی تھی کہ عورتوں کے لئے اونٹ پر ہودج (چھوٹا سا کمرہ) رکھا جاتا تھا، جو بالکل بند ہوتا تھا، کہ کسی کی نظر تک اندر نہ جا سکتی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی کوشش کر سکتا تھا کہ باپردہ خاتون کو قصداً دیکھتا، جو بہر حال حرام ہے۔

غرضیکہ قرآنی ہدایت واضح ہے کہ ''یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ جَلَا بِیْبِھِنَّ'' اور سورۂ نور کی آیات میں آپ نے پڑھا کہ

''وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ''، دونوں کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے کہ جب عورت اپنے گھر سے بخت ضرورت کے سبب باہر نکلے تو اسے اپنے آپ کو لپیٹ لینا چاہئے جس کپڑے سے لپیٹا جائے اسے جلباب، لمبی چادر، خمر، اوڑھنی یا برقعہ کہا جاتا ہے، شرعاً یہ ایسا ہونا چاہئے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آئے بلکہ اس قدر ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جسم کا نشیب وفراز بھی معلوم نہ ہو سکے، اس پردے کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا جائے کہ خوشبو وغیرہ نہ لگائی جائے، آواز والا زیور نہ پہنا جائے، لوگوں کے ہجوم سے بچتے ہوئے سڑک کے کنارے کنارے نہایت حیا وشرم کے ساتھ چلا جائے۔ گویا کوئی ایسا سبب پیدا نہ ہونے پائے، کہ مرد کی نظر اٹھے، اسے عورت کی موجودگی کا احساس ہو۔

زیب وزینت کا اظہار

انسان فطری طور پر زیب وزینت اور آرائش کو پسند کرتا ہے، جبکہ اسلام انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اصول کی تعلیم دیتا اور انہیں پورا کرنے کے طریقے متعین کرتا ہے، زیب وزینت کی اسلام نہ صرف تعلیم دیتا ہے بلکہ تاکید بھی کرتا ہے، غور فرمایئے جسم کی زیبائش ہی کے لئے وضو وغسل کا طریقہ بتایا گیا، جسے فرض قرار دیا گیا اور عمل رسول ﷺ نے اسے سنت بنایا، عبادت بنایا، پھر جسم کی صفائی کا اہتمام تو ملاحظہ ہو کہ بال بنوانے، سنوارنے، دانت صاف رکھنے، آنکھوں میں سرمہ لگانے، ناخن تراشنے، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنے کا حکم زیب وزینت ہی کا حصہ ہے، نیز کپڑے صاف رکھنے کا حکم دیا گیا، میسر ہو تو خوشبو لگانا سنت ہے، غرضیکہ اسلام زیب وزینت کا جو اہتمام کرتا ہے، اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، ہمارا تو رب بھی ایسے ہی بندوں کو پسند فرماتا ہے، جو صاف ستھرے، مزین وآراستہ رہتے ہیں، ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ''، بیشک اللہ پاکیزہ رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے نیز وہ خود حسین وجمیل ہے اور حسن وجمال کو پسند فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ''، بیشک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے، اس نے تو جانوروں تک کو نعمت جمال سے سرفراز فرمایا، ''وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ''، اور تمہارے لئے ان (جانوروں) میں زیب وزینت ہے جب تم شام کو (چرا کر) انہیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح انہیں چرانے لے جاتے ہو، اور انسان تو خالق کے حسن وجمال کا مظہر ہے کہ اسے حسن صورت عطا فرما کر خود ارشاد فرمایا، ''وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ'' اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا، بہرحال چونکہ اللہ رب العزت جل مجدہ، حسن وجمال اور زیب وزینت کو پسند فرماتا ہے، اسی لئے انسان بھی فطرتاً اس کو پسند کرتا ہے اور اسلام نے اس پسندیدگی کو پسند فرمایا اور اس کو اختیار کرنے کی تعلیم دی اور طریقے سکھائے لیکن اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے ہر عمل کے لئے ایک حد کا تعین کرتا ہے اور حلال وحرام کا امتیاز باقی رکھتا ہے، پس اجازت ہے، کہ زیب وزینت حاصل کی جائے لیکن اس کی بھی ایک حد ہے، اس میں بھی حلال وحرام کا امتیاز کرنا ہوگا، اللہ کے عطا کردہ حسن وجمال کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھال کر بگاڑ لینا، زیب وزینت نہیں بلکہ خالق حقیقی کی صنعت میں مداخلت کی کوشش ہے، جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، مثلاً کالے یا گورے رنگ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرنا (مزے کی بات یہ ہے، سورج کی گرمی یا مصنوعی حرارت یا مختلف قسم کے تیل یا کریموں سے

بھی قدرتی رنگ کو بدل لینا ممکن نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق اس قسم کی کوشش سے جلد ہی کینسر اور دیگر جلدی امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور صحیح بات بھی ہے کہ قدرتی عمل میں مداخلت اور اس کو بدلنا، انسان کے بس کی بات کہاں) اسی طرح پلاسٹک سرجری کے ذریعہ چہرے کا نقشہ تبدیل کرنے کی کوشش یا بوڑھوں کو جوان بننے کی ہوس کرنا، مردوں کے لئے داڑھی مونچھ صاف کر کے چہرہ چکنا کرنا، عورتوں جیسا بنانا، ناک کان چھدوانا، ان میں یا گلے وغیرہ میں کسی بھی دھات کے زیورات پہننا، ایک سے زیادہ چاندی کی انگوٹھی پہننا، عورتوں جیسے کپڑے، ڈیزائن یا رنگ کا لباس پہننا، عورتوں کے انداز پر گفتگو کرنا یا عورتوں کی طرح چلنا، اسی طرح عورتوں کے لئے مردوں جیسے بال کٹوانا، یا اپنے بال لمبے اور زیادہ کرنے کے لئے کوئی دوسرے بال لگانا، یا وگ استعمال کرنا، سر کے اوپر اونٹ کے کوہان جیسا جوڑا باندھنا، مردوں جیسے جوتے پہننا، پینٹ یا دیگر کپڑے مردوں کی طرح استعمال کرنا، اسی قسم کی زیب و زینت کے اور بہت سے طریقے جو آج کل رائج اور عام ہیں، زیب و زینت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام اور مرضی کے خلاف اپنی صورتوں کو بگاڑنا ہے، ایسے طریقوں سے چہرے مسخ تو ہو جاتے ہیں، حسن و جمال میں اضافہ نہیں ہوتا، ان طریقوں سے بچئے، اللہ کی دی ہوئی شکل و صورت پر صبر و شکر کیجئے، چہروں پر تقویٰ و پرہیزگاری کا نور پیدا کیجئے، جسے قرآن کریم نے "صِبْغَةَ اللّٰهِ" فرمایا اور اعلان کیا، "وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً"، اور کس کا رنگ خوبصورت ہے، اللہ کے رنگ سے۔

عورت کا اظہار زیب و زینت

عورت کو زیب و زینت اور اپنا حسن و جمال چھپانے کے لئے پردے کا حکم دیا گیا اور حالت پردہ میں بھی ایسی چال سے منع کیا گیا، جس سے اس کی زینت ظاہر ہو، جسم کا نشیب و فراز ظاہر ہو، زیورات کی آواز سنائی دے، عطریات و خوشبو کی مہک مردوں تک پہنچے جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ لیکن انسان بالخصوص عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال، اچھے لباس وغیرہ کو جب تک دوسروں کو نہ دکھا لے اسے تسکین قلب میسر نہیں آتی، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام انسان کی فطرت کو کچلتا اور پامال نہیں کرتا، بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل کے طریقے متعین کرتا ہے، اصول مقرر کرتا ہے، عورت فطرتاً چاہتی ہے کہ اس کا اچھا لباس، قیمتی زیورات کوئی دیکھے، ان کی تعریف کرے، اگر عورت کو اس نمائش کی عام اجازت دیدی جاتی تو یہ نہ صرف ایک غیر فطری عمل ہوتا بلکہ اس سے بے شمار خرابیوں اور فسادات کا دروازہ کھل جاتا کہ غیر مردوں سے نہ تو حسن و جمال کی تعریف کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ قیمتی زیورات دیکھ کر داد تحسین کی امید ہو سکتی ہے کہ ہر معاشرے میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں، لٹیرے، چور، ڈاکو ہوتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو سڑکوں اور راستوں پر پھیلی ہوئی دولت اچھے لوگوں کی بھی نیت خراب کر دیتی اور انہیں مجرم بنا دیتی ہے، یہ انسان کی فطرتِ خبیثہ ہے، جو خباثت کو دیکھ کر ابھرے بغیر اور غالب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، سڑکوں، گلی کوچوں، دوکانوں، دفاتر میں عورتوں کے حسن و جمال اور قیمتی زیورات کی نمائش کا انجام سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ عورتوں کی عزت و آبرو پامال ہو، کبھی ان کی مرضی سے اور اکثر جبر و اکراہ سے ان کے زیورات کو لوٹا جائے، ان کو حاصل کرنے کے لئے گھروں میں ڈاکے ڈالے جائیں، ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی ہو رہا ہے آج

تمام جرائم کی اصل اور بنیاد یہ عام نمائش ہی ہے لیکن عورت کے فطری تقاضہ کی تکمیل بھی ناگزیر ہے کہ اگر اسے اس سے بالکل روکا جاتا تو وہ مجبوراً قیدو بند کا تالا توڑتی اور غیر مناسب راہ اختیار کرتی، پس اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق اس کا اہتمام کیا اور قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا، جن کے سامنے عورت آسکتی ہے، اپنے حسن و جمال، زیورات اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ظاہر کرسکتی ہے کہ یہ لوگ ایسے رشتوں میں منسلک ہیں، جن کے باعث یہ یقیناً امین ہیں، ان سے نہ تو عورت کی عزت وآبرو کو کوئی خطرہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی ان کے زیورات اور دولت چھیننے کا ڈر ہوسکتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں، جن سے حرمت نکاح عارضی نہیں، کسی رشتے کی بناء پر نہیں، بلکہ دائمی ہے، خونی تعلق کی بناء پر ہے، اسی لئے فطری طور پر، اس رشتہ میں منسلک مرد و عورت کتنے ہی قریب ہوں لیکن ان کے ذہن میں جنسی تصور بھی پیدا نہیں ہوتا، مثلاً ماں، بیٹا، بہن بھائی، خالہ، بھانجا، پھوپھی، بھتیجا کا اس قسم کے خیال میں مبتلا ہونا ممکن ہی نہیں، پس ان قابل اعتماد محارم سے پردہ کرنے کا کوئی مقصد نہ تھا، لہٰذا شریعت مطہرہ ان کے سامنے عورتوں کو بے پردہ رہنے اور ان سے ضروری آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو کرنے، ہنسی مذاق کرنے کی اجازت دیتی ہے، قرآن کریم نے ان محارم کا نہایت وضاحت سے ذکر فرمایا، ہم ان کو علیحدہ علیحدہ بعض ضروری مسائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

لِبُعُوْلَتِهِنَّ، عورتیں اپنے شوہروں کے سامنے اپنی زیب و زینت، حسن و جمال کی پوری آزادی کے ساتھ نمائش کرسکتی ہیں۔ ظاہر ہے شوہر ہی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حسن و جمال کو دیکھے، اس کی دل لبھانے والی اداؤں سے سکون حاصل کرے اور اس سے اتنا مطمئن ہو کہ غلطی سے بھی اس کی نظر کسی غیر عورت پر نہ پڑے، اسی لئے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں سے صرف اچھا برتاؤ ہی نہ کریں صرف ان کی خدمت ہی انجام نہ دیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شوہر کے پسندیدہ کپڑے، اس کے پسندیدہ زیورات وغیرہ کا استعمال کریں اور ہر طرح اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی رہیں، بہر حال شوہر سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں، ہاں، شوہر کے لئے بیوی کے مخصوص حصۂ جسم پر اور بیوی کے لئے شوہر کے مخصوص حصۂ جسم پر بلا ضرورت نظر ڈالنا، موزوں اور مناسب نہیں، کیونکہ یہ شہوانی جنسی کھیل ہے، جو شیطانی عمل ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے، جس کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور نہایت ہی کامل اسوہ ہے، ان کا عمل ملاحظہ فرمائیے، ہماری ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے، ''مَارَاٰی مِنِّیْ وَلَارَاَیْتُ مِنْهُ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی میرے مخصوص حصۂ جسم کو نہ دیکھا اور نہ کبھی میں نے آپ ﷺ کے عضو مخصوص کو دیکھا، یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس قدر خفیہ بات کیسے بیان فرمادی، جس کا اظہار حیا و شرم کے منافی ہے، نہیں ایسا ہرگز نہیں، بات یہ ہے کہ بحمد اللہ ہمارا دین نہایت مکمل ہے، خفیہ ترین امور کے لئے بھی شریعت مطہرہ کے مسائل موجود ہیں، اگر ان کی تعلیم نہ دی جاتی تو ہم ان شرعی احکام پر عمل سے محروم رہتے، لاعلمی کی وجہ سے ثواب سے محروم رہتے یا گناہ کرتے رہتے، اللہ جزاء دے امہات المومنین کو، صحابہ کرام اور پھر فقہاء و علماء و کرام کو جنہوں نے وہ تمام مسائل نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیئے، جن کا تعلق ہمارے خفیہ امور سے ہے، یاد رکھئے، حصول علم میں حیاء و شرم نہیں، شرعی امور کی

پابندی نہ کرنا، بے حیائی و بے شرمی ہے۔

دیگر محارم، جن کے سامنے عورتیں بلا پردہ آزادی سے، آسکتی اور زیب و زینت انہیں دیکھا سکتی ہیں، یہ ''اٰبَآئِهِنَّ'' باپ، دادا، پردادا، ''اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ'' شوہر کے باپ، دادا، پردادا، (واضح رہے ان محارم میں صرف شوہر کے آباء شامل ہیں، بھائی وغیرہ نہیں کہ ان سے پردہ فرض ہے) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر محرم عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے منع فرمایا، تو کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! دیور کے متعلق کیا حکم ہے، (یعنی کیا دیور اپنی بھاوج کے ساتھ تنہائی میں رہ سکتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا، ''اَلحَمْوُ اَلْمَوْتُ'' دیور تو موت ہے، یعنی دیور کا رشتہ نہایت خطرناک ہے، اس کے ساتھ بہک جانے اور گناہ میں ملوث ہونے کا امکان زیادہ ہے، لہٰذا اس سے پردہ کرنا چاہئے)، ''اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ'' اپنے بیٹے، بیٹوں کے بیٹے، ''اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ'' شوہر کے بیٹے، جو دوسری بیوی سے ہوں، ''اِخْوَانِهِنَّ'' بھائی، اس میں علاتی، باپ شریک، اخیافی، ماں شریک، بھائی بھی شامل ہیں لیکن ماموں زاد، چچازاد، خالہ زاد، تایا زاد، پھوپی زاد اور دیگر رشتے کے بھائیوں کا وہی حکم ہے، جو غیر مردوں کا ہے کہ یہ سب غیر محارم ہی ہیں، ''بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ'' بھائیوں کے بیٹے، ''بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ''، بہنوں کے بیٹے، یہ آٹھ محارم ہیں جو حکم پردہ سے مستثنیٰ ہیں، ان کے علاوہ چند دیگر لوگ ہیں، جن کے سامنے عورتیں بے پردہ آسکتی ہیں، جو یہ ہیں، ''نِسَآءِ هِنَّ''، اپنی عورتیں، یعنی مسلمان عورتوں کے لئے، مسلمان عورتوں سے پردہ نہیں، رہا معاملہ، غیر مسلم عورتوں کا، تو مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ نہ کرنا جائز ہے تاہم ان سے میل جول اور رازدارانہ دوستی بہر حال جائز نہیں اسی طرح بدکردار، فاحشہ، فیشن ایبل عورتوں کی صحبت سے بھی مسلم خواتین کو بچنے کی ہی کوشش کرنا چاہئے کہ ان کی بری صحبت، برے راستہ پر ڈال سکتی ہے، ''مَا مَلَكَتْ اَيْمَانِهِنَّ'' زرخرید باندیاں اور کنیزیں، غلاموں سے پردہ فرض ہے، ''اَلتَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ''، ایسے معذور خدمتگار، جو ہوش و حواس سے محروم ہوں، انہیں عورتوں کے حسن و جمال کا کوئی احساس نہ ہو، نہ ہی ان کی طرف میلان طبع ہو، (جیسے بڑے خاندانوں میں ایسے بدحواس مفلوک الحال لوگ رکھ لئے جاتے ہیں، جو خدمت کرتے رہتے ہیں اور ان کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں) ''اَلطِّفْلُ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَآءِ''، ایسے نابالغ بچے، جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور وہ عورتوں کے مخصوص حالات یا جنسی امور سے واقف نہیں، نہ ہی ان میں عورتوں کی طرف کوئی میلان ہے، ان لڑکوں سے پردہ فرض ہے، جو قریب البلوغ ہوں، جنہیں شرعی اصطلاح میں ''مُرَاهِق'' کہا جاتا ہے کہ ان میں جنسی میلان کا آغاز ہونے لگتا ہے، عام طور پر اس کیفیت کی ابتداء دس سال کی عمر سے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے، راوی حضرت عمرو بن شعیب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعَ سِنِيْنَ'' بچوں کی عمر سات برس کی ہو جائے، تو انہیں نماز کا حکم دو، ''وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ''، جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو، ''وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ'' اور ان کے بستر علیحدہ کر دو، یعنی بہن، بھائی اگر ایک بستر پر سوتے تھے تو اب ان کے بستر، بلکہ اگر ایک کمرے میں سوتے تھے تو کمرے بھی

علیحدہ کردیئے جائیں کیونکہ اب ان میں احساس جنس اور میلانِ جنس پیدا ہورہا ہے۔

اے ایمان والیو! غور کرو، للہ انصاف کرو اور بتاؤ کہ کیا پردہ اب بھی تمہیں قید و بند معلوم ہوتا ہے کیا اتنے مردوں کے سامنے آزادی کے ساتھ رہنے کے بعد بھی تمہارے فطری تقاضے کی تکمیل نہیں ہوتی ہے پردہ قید نہیں، تمہاری آزادی کے حق کو سلب کرنے کا ذریعہ نہیں، اس کا مقصد تمہارے فطری تقاضوں کو پامال کرنا نہیں، بلکہ یہ پابندی تم پر، صرف اور صرف تمہاری عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کے لئے ہے، پس تم پردے کی پابندی کر کے باعزت زندگی، پرسکون زندگی بسر کرو، اور اگر اس حکم الٰہی کی پابندی میں تم سے اب تک کوئی کوتاہی یا لاپرواہی ہوئی ہے تو تمہیں دعوت دی جاتی ہے، ''تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ''، اللہ سے توبہ کرو، احکام شرع کی پابندی اختیار کرو، کہ یہی ذریعہ کامیابی وکامرانی ہے، اللہ توفیق دے۔

حکمِ نکاح

استیذان اور عورتوں کے لئے پردے کی ہدایات کے بعد اہل ایمان کو ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ جن بے نکاح مرد وعورت کے ولی ہیں وہ ان کا نکاح کرادیں۔

مرد وعورت کے جنسی اختلاط کا شرعی طریقہ نکاح ہے، جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور نسل انسانی کی افزائش کے لئے ناگزیر ہے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ لیکن اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ، جنسی تقاضوں کی تکمیل اور جنسی خواہش کی تسکین، انسان کی فطرت کا ایسا اہم تقاضا ہے، جس کے بغیر زندگی بسر کرنا، ناممکن ہے، خالق انسان اللہ نے اس اشد ضرورت کی تکمیل کے لئے شرعی ضابطۂ نکاح عطا فرمایا، جس کے ذریعہ مرد وعورت ساری زندگی کے لئے ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جنسی تسکین حاصل کر کے نہ صرف پرسکون زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نسل انسانی کی افزائش میں حصہ لے کر، قدرتی نظام کا آلۂ کار بننے کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں، نیز ایک دوسرے کے کفیل بن کر زندگی کے پرخطر طوفان کا بآسانی مقابلہ کرتے ہیں، جو تنہا مرد کے لئے یا تنہا عورت کے لئے ممکن نہیں، یہ جوڑا معاشی ومعاشرتی امور میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار بن جاتا ہے، معاشرے کو افرادی قوت فراہم کرتا ہے، اسی سے خاندانی نظام کا سلسلہ جاری ہوتا ہے، جو ایک اچھے معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کہ جس معاشرے میں خاندانی نظام نہ ہو، اس کے افراد بے چرواہے کی بھیڑ، بکریوں کی طرح منتشر ہوتے ہیں، جو کسی وقت بھی کسی بھڑیئے کا بآسانی شکار بن جاتے ہیں، اسی لئے قرآن کریم اس جوڑے کو لباس سے تعبیر کرتا ہے، ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ''، عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو، نکاح شدہ مرد وعورت معاشرے میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، تنہا مرد یا تنہا عورت، عیاش وبدمعاش مردوں یا عورتوں کی بدنیتی کا مرکز بنے رہتے ہیں اور ان کے لئے معاشرے سے سوائے گندی نظروں کے اور کسی چیز کا حصہ نہیں ہوتا۔

غرضیکہ نکاح اہل ایمان کے لئے عطیۂ الٰہی ہے، بالخصوص عورت کے لئے جو شرم وحیاء کی پتلی ہے، کہ اس کے لئے

اپنی جنسی تسکین کی کوئی راہ نہ نکلتی، اگر نکاح کے ذریعہ اسے اختلاط کا موقع نہ دیا جاتا، نیز عورت خلقی اور جبلی طور پر صنف نازک ہے، نازک اندام ہے، مزید برآں اس کے خالق نے اس پر پردہ کی پابندی عائد کر کے اس کے دائرۂ عمل کو گھر کی چار دیواری میں محدود کر دیا ہے، جس کے بعد وہ نہ تو اپنے معاش کے حصول کے لائق رہی اور نہ ہی زندگی کے پر خطر طوفان سے مقابلہ کرنا اس کے بس میں رہا، یہ اپنی نازک اندامی اور پردے کی پابندی کے باعث محتاج ہوگئی کسی سہارے کی، پس اس کو نازک بنانے والے اور پردے کا حکم دینے والے، رب کریم نے اس پر کرم فرمایا اور ایسا نعم البدل عطا فرمایا جو اس کے لئے ''قَوَّامُ'' قرار دیا گیا، ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ''، اے گھر کی چار دیواری میں محدود کر دی جانے والی نازک مخلوق! مرد تیرے لئے مضبوط و مستحکم سہارا ہیں، جو اپنی قوت بازو، اپنی صلاحیت، اپنی آزادی کے باعث تیری عزت و آبرو کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کرے گا، جو ''عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''، کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی رفیقۂ حیات کی بحسن وخوبی کفالت کرے گا۔ اس کی ناز برداری کر کے، اس کا وہ حق ادا کرے گا جو اسے اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے، اس کے آغوش میں آجانے کے بعد عورت کو عزت، سکون اور بے خوفی کی زندگی میسر آئے گی، یہ مرد عورت کے سر کا تاج بن کر، اسے اپنی راج دھانی کی ملکہ بنا دیتا ہے، اس کی ردائے تطہیر کا محافظ بن جاتا ہے، ہر قسم کے داغ، دھبوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے، پس نکاح بالخصوص عورت کے لئے رحمت و برکت، سکون و طمانیت کا عظیم و اہم ذریعہ ہے۔

انہی فوائد و مقاصد کے باعث، قانونِ نکاح ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، ہر دور کے لوگ اپنے اپنے طریقہ سے اس کی پابندی کرتے آئے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں نکاح کے خود ساختہ قوانین کے باعث وہ فوائد و مقاصد حاصل نہیں ہو پاتے، جو اہل ایمان کو حکم الٰہی کی پابندی اور تعمیل سے حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ انسان کے لئے اس کا اپنا وضع کردہ قانون نہ تو مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی مفید و مؤثر ہوتا ہے، بلکہ اکثر یہ قانون مزید الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن جاتے ہیں کیونکہ ماہرین جو قانون بھی وضع کرتے ہیں، اس میں ان کے اپنے مزاج کا دخل بھی ہوتا ہے اور اپنے فوائد کا تحفظ بھی، جبکہ اللہ خالق انسان، انسان کے مزاج اور اس کی ضروریات کا علم رکھنے والا ہے، پس اسی کے عطا کردہ احکام مکمل بھی ہوتے ہیں اور مفید و مؤثر بھی، بہر حال لوگوں کو جیسا بھی قانونِ نکاح ملا وہ اسے اپنائے رہے، اور بغیر نکاح انہوں نے جنسی اختلاط کو ہمیشہ جرم جانا، لیکن آج کی مغربی تہذیب کا دور تاریخ انسانیت کا بدترین دور ہے کہ گناہوں اور جرائم سے بھری اس تہذیب میں نکاح کی کوئی اہمیت نہ رہی کہ نہ تو نکاح مرد و عورت کے ملاپ کا ذریعہ رہا کہ زنا اس قدر عام ہوگیا کہ اس کو معیوب سمجھا جانا تو درکنار، معاشرے کا حصہ، تہذیب کا حصہ سمجھا جانے لگا، کھلم کھلا بدکاری کا عمل جاری ہے، اخبارات و جرائد کے ذریعہ اس کی تشہیر کی جاتی ہے، ٹیلی ویژن پر اس کی نمائش ہوتی ہے، دعوت دی جاتی ہے، تربیت دی جاتی ہے، حتیٰ کہ سربراہ مملکت یہ جرم کرتا ہے، تو بڑی ڈھٹائی سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے کہ ''اگر میں نے یہ جنسی عمل کیا تو گرفت کیوں کی جا رہی ہے جبکہ یہ تو میری قوم میں عام ہے'' یعنی قابل سزا ہونا تو بڑی بات ہے، قابل گرفت اور قابل اعتراض جرم بھی نہیں، ظاہر ہے اس گھناؤنی صورت حال کے بعد انسانی نسل کی افزائش کا بھی نکاح سے کوئی تعلق نہ رہا، عورت بچہ پیدا کرتی ہے، اس کے

باپ کا کسی کو پتہ تک نہیں ہوتا، نہ گھر والوں کو اس کے اس عمل پر کوئی اعتراض ہوتا ہے، نہ محلّہ یا سوسائٹی کا کوئی فرد اعتراض کی مجال رکھتا ہے کہ اعتراض تو تب ہو، جب یہ کوئی انوکھا عمل ہو، جب سب ہی ایک حمام میں ننگے ہوں، تو ایک ننگے کو دوسرے ننگے پر اعتراض کا کیا حق ہے، اعتراض تو درکنار، بچہ کی ماں سے ضرورتاً بھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ تیرے اس بچہ کا باپ کون ہے. تائید کے لئے ایک لطیفہ ملاحظہ ہو، ہمیں کسی نے بتایا کہ ایک ڈچ عورت نے ہسپتال میں ایک بچہ کو جنم دیا، نرس نے ضروری کاغذی کارروائی کرتے ہوئے عورت سے اس کے بچہ کے باپ کا نام دریافت کیا. عورت سنتے ہی آگ بگولا ہوگئی اور نرس کے منہ پر تھوکتے ہوئی بولی، کہ کیا تجھے اپنے باپ کا نام معلوم ہے. جا پہلے اپنی ماں سے اپنے باپ کا نام پوچھ. پھر مجھ سے میرے بیٹے کے باپ کا نام پوچھنا، نرس نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا، تم نے سچ کہا، مجھے بھی آج تک اپنے باپ کا پتہ نہ چل سکا. اندازہ لگایئے، اب نکاح کی کیا اہمیت باقی رہی، کیا فائدہ رہا، کیا مقصد رہا، بس ایک ہی مقصد ہے جس کے لئے نکاح کا تکلف کیا جاتا اور کاغذی خانہ پری کی جاتی ہے، اور وہ ہے مالی حقوق کا حصول، یعنی اب نکاح صرف اس لئے ہوتا ہے کہ قانوناً عورت، مرد کے مال دولت کی اور مرد عورت کے مال و دولت کا حقدار ہو سکے، اسی لئے عام لوگوں میں برسوں ایک ساتھ رہنے اور کئی بچے پیدا ہو جانے کے باوجود بھی نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، ہاں صاحب جائیداد، دولت مند، جلد سے جلد اس قانونی شق کو پورا کر لیتے ہیں تا کہ مالی حقوق تلف نہ ہونے پائیں، مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ دولہا، دولہن کے بچے بھی ان کی شادی میں شریک ہوتے ہیں، اسی لئے یہ شادیاں اب اکثر چرچ میں نہیں بلکہ رجسٹرار آفس میں ہوتی ہے، کہ نکاح کی حیثیت مذہبی نہیں رہی [illegible] معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے قانونی سہارا رہ گیا ہے۔

[illegible] معاشرے میں بے شمار خرابیوں اور ابتری کے باوجود اب تک نکاح کی وہی اہمیت ہے، جو شرعاً ہونی چاہئے [illegible] مقصد اب بھی بقاء و افزائش نسل انسانی اور مرد و عورت کا اختلاط ہے کہ ہماری شریعت، ہماری تہذیب میں بغیر نکاح مرد و عورت کا جنسی ملاپ قابل سزا جرم ہے، نیز ایسے جرم کے مبادیات، یعنی کسی مرد کا بغیر نکاح کے کسی عورت کے ساتھ تعلق، گھومنا، پھرنا، ملنا جلنا، تک ممنوع اور قابل نفرت ہے. معاشرے کا ہر فرد ایسے مرد و عورت پر تھوکتا اور ان کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے، یہ اس بات کی اچھی علامت ہے کہ ہمارے معاشرے میں اگرچہ مغربی تہذیب کی بہت سی بیہودگیاں پائی جاتی ہیں لیکن بہر حال بنیادی مذہبی اقدار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور اس سے کھلم کھلا بغاوت کی کسی میں جرأت نہیں۔

فضیلتِ نکاح

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ نکاح انسانی فطرت کے ایک اہم تقاضہ کی تکمیل کا شرعی طریقہ ہے، لیکن صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قانون پر عمل کو اہل ایمان کے لئے عبادت اور ذریعۂ ثواب بنا دیا کہ جو مسلمان مرد و عورت، اللہ کے حکم کی تعمیل اور رسول ﷺ کی سنت پر عمل کی نیت سے نکاح کرتا ہے، اللہ دنیا میں اسے خصوصی انعامات سے نوازتا ہے، مثلاً اس کے رزق میں برکت ہوتی ہے، اسے اولاد صالح نصیب ہوتی ہے، جو بڑھاپے میں سہارا بنتی ہے، اور

والدین کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی اللہ سے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے کہ اہل و عیال پر ایک پیسہ خرچ کرنے، ان کے لئے محنت و مشقت سے کمانے، ان کی اچھی تربیت وغیرہ کا والدین کو اجر ملے گا، اسی لئے قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ غیر شادی شدہ لوگوں کا نکاح کردو، "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ"، نیز نکاح سے روکنے کی ممانعت فرماتا ہے، "وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ"، اور عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، یہ حکم اور ممانعت صرف اسی لئے ہے کہ یہ عمل صرف دیناوی عمل نہیں، جس کا مقصد خواہش نفس کی تکمیل اور نسل انسانی کا جاری رکھنا ہو، بلکہ اس میں اللہ کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں اور اس کے بیشمار معاشی و معاشرتی فوائد ہیں، نیز حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ اس کی مخلوق رشتۂ زوجیت سے منسلک رہے، اسی لئے اس نے ہر چیز کا جوڑا پیدا فرمایا، "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے، تاکہ تم غور و فکر کرو، انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کے لئے تو یہ رشتۂ زوجیت نہایت ہی اہم قرار دیا گیا، جس کا بار بار قرآن کریم ذکر کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا (فاطر:11)

اور اللہ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں بنادیا جوڑے جوڑے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا
(الشوریٰ:11)

وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ (النباء:8)

اور ہم نے پیدا کیا تمہیں جوڑا جوڑا۔

زوجیت، قدرتِ الٰہیہ کا شاہکار ہے، اس کا خالق پسند نہیں فرماتا، کہ کوئی بے زوج رہے، تنہا رہے، اسی لئے تو اس نے انسان اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنہا نہ رہنے دیا بلکہ ان کے بعد سب سے پہلے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور جب انسان نے اس زمین پر قدم رکھا تو وہ دو قدم نہیں، چار قدم تھا، تنہا نہیں، زوج تھا، اور جنت سے آنے والا انسان جب جنت میں جائے گا، تو وہاں بھی جوڑا ہی ہوگا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ (یٰسین:55،56)

بیشک اہل جنت آج اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔

پس اللہ کی رضا یہی ہے کہ اس کے بندے، اس کے حکم کے مطابق نکاح کریں، جوڑا بن کر زندگی بسر کریں، اسی

لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی جو خصائل حمیدہ بیان فرمائیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی بیویاں اوران کی اولاد، صالح اور نیک ہو، (آپ بھی یہ دعا کیا کریں)۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝ (فرقان: ۷۴)

اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیز گاروں کے لئے پیشوا۔

وہ جن کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اور جن کی اداؤں کو اختیار کرنا ہی عبادت ہے، فرماتے ہیں، بیہقی نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَاِنَّ مِنْ سُنَّتِيْ النِّكَاحُ فَمَنْ اَحَبَّنِيْ فَلْيَسْتَنْ بِسُنَّتِيْ ❀

جو میری سنت سے اعراض کرے، وہ میرے طریقہ پر نہیں اور بیشک نکاح کرنا میری سنت ہے، پس جو مجھ سے محبت کرتا ہے، اسے میری سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ترمذی نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تین آدمیوں کی مدد اللہ نے اپنے کرم سے اپنے ذمہ لے لی ہے، مکاتب جو (اپنی قیمت) ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، ''وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعِفَافَ''، پاکدامنی اور حفاظت عفت کے لئے نکاح کرنے والا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

ابوداؤد بروایت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌبِكُمُ الْاُمَمَ''، محبت کرنے بچہ پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کیا کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت تعداد کے باعث (قیامت کے دن) دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

ترمذی نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''لم تر للمتحابين مِثْلَ النِّكَاحِ''، تم نے نکاح کے ذریعہ دو محبت کرنے والے نہیں دیکھے ہوں گے (یعنی جو محبت اس رشتہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ کسی رشتہ میں نہیں پائی جاتی)

ابن ماجہ نے بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''مَنْ اَرَادَ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ''، جو اللہ سے (قیامت کے دن) پاک [illegible] میں ملنا چاہتا ہے، اسے آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی بیان کیا [illegible] ﷺ نے فرمایا، ''اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ نِصْفَ الْبَاقِيْ''، جب بندے نے نکاح کرلیا تو اس

نے اپنا آدھا دین تو مکمل کر لیا، اب اسے باقی آدھا دین مکمل کرنے کے لئے تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عنوان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، نکاح نہ کرنے کی صرف دو وجہیں ہو سکتی ہیں، یا تو آدمی کسی وجہ سے اس کا اہل نہ ہو، اور یا وہ گناہ میں مبتلا رہنا چاہتا ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب تک انسان شادی نہ کرے، اس کی عبادت مکمل نہیں ہوتی، کیونکہ وہ بغیر نکاح شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور جب تک شہوانی وساوس سے دل محفوظ نہ ہوگا خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت نہیں کی جا سکتی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میری عمر میں دس روز بھی باقی ہوں گے، تب بھی میں نکاح کرنا پسند کروں گا، کیونکہ میں اللہ سے اس حال میں ملنا پسند نہیں کرتا کہ میں مجرد ہوں۔

قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارا وہ عمل جسے بظاہر ایک دنیاوی کام یا ضرورت سمجھا جاتا ہے، ایک عظیم عبادت ہے، جسے اللہ پسند فرماتا ہے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے، جس پر عمل کی آپ ﷺ تاکید فرماتے ہیں، نصف دین کی تکمیل کا ذریعہ ہے، جس سے مؤمن کی ایک بڑی ذمہ داری کا ایک حصہ خود بخود پورا ہو جاتا ہے، پس مسلمانوں کے نزدیک نکاح ایک معاشرتی یا معاشی معاہدہ نہیں بلکہ وہ یہ عمل اجر و ثواب کی امید پر کرتے ہیں، اور اللہ انہیں ضرور اس کا اجر عطا فرمائے گا، صرف اس عمل کا ہی اجر نہیں بلکہ اس کام میں جو وقت صرف ہوتا ہے، جو دولت صرف ہوتی ہے، اس پر بھی یقیناً اجر ملے گا، علاوہ ازیں اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں شوہر و بیوی پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ ان کو پورا کرنے کے لئے محنت و مشقت کرتے ہیں، عورت بچہ جننے کی مشقت برداشت کرتی ہے، محنت سے اس کی پرورش کرتی ہے، مرد بیوی، بچوں کو حلال روزی فراہم کرنے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کی اچھی تعلیم و تربیت کے لئے دن رات محنت و مشقت کرتا ہے، زندگی بھر کے اس عمل پر یہ جوڑا بے شمار اجر و ثواب حاصل کرتا ہے۔

فوائد نکاح

شریعت مطہرہ کا کوئی حکم دنیاوی و اخروی فوائد سے خالی نہیں، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، نکاح کے بھی بے شمار دنیاوی و اخروی فوائد ہیں، یہاں صرف چند فائدے عرض کئے جاتے ہیں۔

رشتۂ زوجیت کی افادیت یا نکاح کا فائدہ قرآن کریم نے نہایت ہی پیارے انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم:۲۱)

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تا کہ تم سکون حاصل کرو ان سے، اور پیدا فرمادیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بیشک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

آیت مبا[illegible] اور ''لتسکنوا الیھا'' کے جملہ پر خوب غور کیجئے، یہ نکاح کی افادیت کے لئے اہم

ترین جملہ ہے، جتنا آپ غور کریں گے اتنی ہی افادیت واضح ہوتی جائے گی۔

یہ جوڑا بندی، اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، انسان پر اللہ کا بڑا کرم ہے، یہ اس کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، کہ اس نے مرد کو بیوی اور عورت کو شوہر عطا فرمایا، ''لِتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا'' ، تا کہ ایک دوسرے کے لئے سکون وطمانیت مہیا ہو سکے، ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'' ، یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جسم کو جو فوائد لباس سے حاصل ہوتے ہیں، وہی فوائد مرد وعورت کو ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں، لباس جسم کے لئے راحت وسکون کا ذریعہ ہے، تو یہ مرد وعورت بھی ایک دوسرے کے لئے راحت وسکون کا ذریعہ ہیں، ایسا سکون جو انہیں کسی بھی دوسرے ذریعہ سے میسر نہیں آ سکتا، سارے وسائل کے باوجود اگر جوڑا نہ ہو تو نہ مرد کو چین نصیب ہوتا ہے نہ عورت کو، نظریں کسی کو تلاش ہی کرتی رہتی ہیں، دل ودماغ میں ایک عجیب انتشار رہتا ہے۔

زندگی اگر چہ چند روزہ ہے، لیکن نشیب وفراز، پیچ وتاب والا پہاڑ ہے، جس میں مسافر کو کبھی منزل قریب نظر آتی ہے تو کبھی بہت دور، زندگی کے ان چند دنوں میں کبھی خوشیوں کی برکھا برستی ہے تو کبھی غموں کا اندھیرا چھا جاتا ہے، تنہائی خوشیوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہے اور غموں کو پہاڑ بنا دیتی ہے، اس کیفیت کو ان لوگوں سے پوچھئے، جو معاشی مجبوری کے باعث اپنے وطن، اپنے اہل وعیال اور اعزاء سے دور کہیں تنہا زندگی کے طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں، ان سے پوچھئے کہ عید کیسی گزرتی ہے، ان سے پوچھئے کہ ذرا بھی سر میں درد ہوتا ہے تو کیا بیتتی ہے لیکن پھر بھی ایک امید کی کرن سہارا دیئے رہتی ہے کہ ایک نہ ایک دن ضرور اس تنہائی سے نجات ملے گی، سوچئے اگر امید کی یہ کرن بھی نہ ہوتی اور ساری زندگی تنہا ہی بسر کرنا پڑتی تو ہماری کیا حالت ہوتی، یہ تو رب حقیقی نے کرم فرمایا کہ ہمارا جوڑا پیدا فرما دیا اور پھر قانون نکاح کے ذریعہ اس جوڑے کو ملا دیا، بنا دیا، مزید کرم یہ کہ ان کے درمیان بیگانگی کو ختم فرمایا، ''وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً'' ، نکاح ہوتے ہی وہ مرد وعوت ایسے یک جان دو قالب ہو گئے کہ ایک دوسرے کا لباس بن گئے، جبکہ چند لمحہ قبل یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے غیر تھے، نہ جان تھی نہ پہچان، میرے آقا ﷺ نے ایسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، ''لَمۡ تَرَ لِلۡمُتَحَابَّيۡنِ مِثۡلَ النِّكَاحِ'' ، نکاح کے ذریعہ جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ تمہیں کسی رشتہ اور تعلق سے نہیں مل سکتی، یہ اللہ کی قدرت کی نشانی نہیں تو اور کیا ہے۔

جب انسان کو جوڑا مل جاتا ہے، تو اس کے لئے زندگی کا سفر سہل وآسان ہو جاتا ہے، اس کی خوشیاں دوبالا ہو جاتی ہیں اس کے غم معمولی ہو جاتے ہیں، اب زندگی کی گاڑی مکمل ہو جاتی ہے، اس کے دو پہیئے ہو جاتے ہیں، اور یہ آسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی جاتی کہ یہ جوڑا بنا ہی اس لئے ''لِتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا'' ، تا کہ سکون میسر آ سکے تو سکون میسر آتا ہے، ذرا سوچئے تو سہی کہ ایک مرد رات کو پر مسرت، آرام دہ نیند کے بعد جب صبح گھر سے رخصت ہونے لگتا ہے، تو اسے تیاری کے لئے تنہا بھاگ دوڑ نہیں کرنا پڑتی، اس کی نیک بیوی اس کی مدد کرتی ہے اور پھر وہ اپنے آرزو بھرے دل کی دعاؤں کے ساتھ اپنے سرتاج کو رخصت کرتی ہے، جس سے مرد کو ایک عجب سا سرور حاصل ہوتا ہے، جس کا اثر اس پر گھر واپس ہونے تک رہتا ہے، اور جب یہ گھر واپس پہنچتا ہے تو بیوی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہے، جس پر نظر پڑتے ہی اس کی سارے

دن کی کوفت، الجھن اور تکان یکسر دور ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ سکون ایسی بیوی سے میسر آ سکتا ہے جو نیک ہو، شریف ہو، امین ہو، جسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو اور جو عورت، شوہر سے پہلے گھر سے نکل جائے اور شوہر کے بعد گھر میں داخل ہو، وہ کیا سکون فراہم کرے گی، اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ "دیندار عورت سے نکاح کرو" یعنی نکاح کے لئے عورت کا انتخاب، اس کے حسن و جمال، مال و دولت یا اعلیٰ خاندان کی بناء پر نہ کرو، بلکہ وجہ انتخاب دینداری ہونی چاہئے، اس کے ساتھ دیگر خوبیاں بھی میسر آ جائیں تو سبحان اللہ، کہ دین دار عورت ہی سے مقصد نکاح، یعنی سکون میسر آ سکتا ہے، اس لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دیندار عورت کو دنیا کی بہترین نعمت قرار دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

اِلدُّنیا کُلُّھَا متاعٌ وَخَیرُ مَتاعِ الدُّنیا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ

ساری دنیا ہی دولت ہے اور دنیا کی بہترین دولت، نیک بیوی ہے۔ (مسلم شریف)

اس نیک بیوی سے ہی نکاح کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، یہی ذریعہ سکون بن سکتی ہے، یہی گھر کو جنت بنا سکتی ہے۔

آپ ابھی ایک حدیث پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ"، رشتہ نکاح میں منسلک ہونے والے جوڑے جیسی محبت تم کہیں نہ پاؤ گے، میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد پر اچھی طرح غور کیجئے اور حالات سے اس کی تائید حاصل کیجئے، کیا ایسا نہیں، کہ نوجوان لڑکا اور لڑکی، جو ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں، جنہوں نے قبل نکاح ایک دوسرے کو قریب سے نہ دیکھا نہ پہچانا، جب نکاح کے دو بول کے بعد ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو وہ شب عروسی کی صبح ایک دوسرے کے کس قدر قریب نظر آتے ہیں، لڑکی جو اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی کے بغیر ایک لمحہ زندہ نہیں رہ پاتی تھی، اب وہ ایک لمحہ کے لئے شوہر سے جدا نہیں ہونا چاہتی، اب اس کی محبت والفت، سوچ وفکر کا مرکز صرف اور صرف یہی شخص ہے جو ایک رات قبل اس کے لئے غیر تھا، لڑکا، جو اب تک اپنے تمام وسائل کا مصرف صرف اپنے والدین، اپنے بہن بھائیوں ہی کو سمجھتا تھا، وہ اپنی محبت دولت، سب کچھ انہی پر نثار کرتا تھا لیکن نکاح کے بعد اچانک وہ بدل جاتا ہے، اس کی سوچ بدل جاتی ہے، اس کی محبت کا قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے، اب اس کی ساری توجہ کا مرکز وہی عورت ہوتی ہے، جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا نہ پہچانا تھا، مرد و عورت کی یہ تبدیلی بظاہر بڑی ہی حیرتناک ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ مقلب القلوب جس مقصد کے لئے جو حکم دیتا ہے، اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے دلوں کو بھی پھیر دیتا ہے، نکاح کا مقصد نسل انسانی کی افزائش ہے، جس کے لئے جوڑا بنا، یہ جوڑا مقصد نکاح کی تکمیل اس وقت تک ہرگز نہ کر پاتا، جب تک اس کے درمیان محبت والفت پیدا نہ ہوتی، پس اللہ یہ محبت والفت پیدا کرتا ہے، تاکہ نکاح کا عظیم مقصد بآسانی پورا ہو سکے اور اس جوڑے کی محبت بھری آغوش میں ایسے بچے پروان چڑھیں جو عملی میدان میں آنے کے بعد پورے معاشرے کو محبت والفت کا پیغام دیں اور اس طرح ایک محبت بھرا، پرسکون، پرامن معاشرہ وجود میں آ سکے۔

نکاح کا فائدہ بیان کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، راوی ہیں، بخاری بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ نے فرمایا، ''يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَآءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَآءٌ''، اے جوانوں تم میں جو عورت رکھنے کی طاقت رکھتا ہو، اسے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے خواہش نفس مرتی ہے۔

مرد و عورت کے لئے ایک دوسرے کی ضرورت فطری اور جبلی ہے، نفس کی بھوک انسان کو ایسا ہی مجبور کر دیتی ہے، جیسے پیٹ کی بھوک، ایک فاقہ کش بھوکا جسمانی طور پر مضمحل ہو جاتا ہے، اور اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ اسے کسی اخلاقی و قانونی پابندی کا خیال نہیں رہتا، وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہر کسی کے کھانے پر نظریں ڈالتا ہے، اس کو حاصل کرنے کے لئے چوری کرتا ہے، ڈکیتی کرتا ہے، کسی کی جان لینے تک سے گریز نہیں کرتا، بے چارہ مجبور ہے، کیا کرے، اسے بھوک نے ساری پابندیوں سے آزاد ہونے پر مجبور کر دیا ہے، شہوت اور نفس کی خواہش اس سے بھی زیادہ آدمی کو متاثر کرتی ہے، اسے دماغی اور ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے، اس کیفیت سے شیطان بھی پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے ایسے شخص کی رگ و پے میں سرایت کر کے اس کی نفسانی خواہش کو مزید بھڑکاتا ہے۔ اور ایسا مرد غیر شعوری طور پر عورتوں کو اور ایسی عورت مردوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، وہ ایسی ادائیں اختیار کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح انہیں زنا، بدکاری کا موقع ہاتھ آ جائے اور ان کے نفس کی ہوس پوری ہو جائے، اس گناہ سے بچنے کا ذریعہ میرے آقا ﷺ نے نکاح کو قرار دیا، کہ اس سے غض بصر اور تحفظ فرج حاصل ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد شہوت کا وہ غلبہ ختم ہو جاتا ہے، جو گناہ کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے، ایک شادی شدہ شریف مرد و عورت کی نظر کسی غیر محرم پر نہیں اٹھتی اور نہ ہی انہیں کبھی بدکاری میں مبتلا ہونے کا خیال آتا ہے، وہ اپنی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں۔

لیکن نکاح کے بعد جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مثلاً حقوق زوجیت کی ادائیگی کی قوت، مرد کے لئے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری وغیرہ، اگر کسی میں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحت و استطاعت نہ ہو تو ایسے شخص کو شہوانی قوت پر قابو پانے کے لئے میرے آقا ﷺ روزہ رکھنے کا علاج بتا رہے ہیں کیونکہ روزہ ذریعہ تقویٰ ہے، روزہ رکھنے والا دیگر عبادات کی پابندی بھی کرتا ہے، وہ نمازیں پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نتیجۃً اس پر اللہ کا خوف طاری رہتا ہے، پس روزہ اس کے لئے ''وِجَآءٌ'' ہو جاتا ہے کہ وہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہتا ہے۔

بہر حال نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ ''اَغَضُّ لِلْبَصَرِ'' اور ''اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ'' ہے اور یہ نہایت ہی اہم فائدہ ہے کہ جس معاشرے کے افراد جنسی طور پر دیوانے اور پاگل ہو جاتے ہیں اس معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی، خاندانی رشتے ختم ہو جاتے ہیں، ادب و احترام یا بڑوں کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں رہتا، کوئی کسی کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتا، حرام کاری عام ہوتی ہے لہٰذا حرامی بچوں کی کثرت ہوتی ہے، جیسا کہ ہم مغربی تہذیب میں دیکھ رہے ہیں، اللہ اس

تہذیب سے محفوظ رکھے، جو انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنادے اور زندگی اجیرن ہو جائے۔

نکاح کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان پر جب بڑھاپے کا ضعف طاری ہو اور اسے سہارے اور کسی کی مدد درکار ہو، تو وہ کسی پر بوجھ نہ بنے، بلکہ اس کا سہارا اس کی وہ اولاد بنے، جو والدین کی خدمت ان پر احسان کے لئے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کر کرے، اپنی نجات کے لئے کرے، وہ ماں، باپ کی خدمت کو اپنی دنیاوی زندگی میں رحمت و برکت کا ذریعہ یقین کرے اور آخرت میں اس پر اجر وثواب کا یقین رکھے، یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ جس طرح نکاح کرنے، بچے پیدا کرنے، ان کی اچھی تربیت کرنے کا حکم دیتی ہے، اسی طرح نہایت تاکید کے ساتھ اولاد کو والدین کی خدمت کرنے، ان کا حکم ماننے، اور انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی بھی تاکید کرتی ہے، گویا والدین پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ نہایت توجہ، محنت و مشقت کے ساتھ معاشرے کو بہترین افراد مہیا کریں اور ان بہترین افراد یعنی اولاد پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ کی ساری زندگی ممنون رہیں، ان کے عظیم احسان کے بدلہ، ان کی خدمت کریں، ان کی ضروریات پوری کریں اور بعد موت انہیں نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ رخصت کریں اور پھر بھی یہ نہ خیال کریں کہ والدین کا حق ادا ہو گیا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے ایصال ثواب کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے رہیں، ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ حق اس کے والدین ہی کا ہے، جو باوجود کوشش کے بھی ادا نہیں ہو پاتا، لہٰذا جب تک زندہ رہو، اس حق کو ادا کرتے رہو، والدین کے حقوق پر تفصیلی گفتگو، ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' میں ہے، جس کا مطالعہ نوجوانوں کے لئے نہایت مفید ہے۔

یہ ایک قرآنی حقیقت ہے کہ بڑھاپا انسان کو ضرور کسی سہارے کا محتاج بنا دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ'' اور جسے ہم طویل عمر دیتے ہیں تو اس کی طبعی قوتوں کو کمزور کر دیتے ہیں، عمر کا ایک حصہ ایسا ضرور آتا ہے کہ انسان کا دل، دماغ، اعضاء، سب ہی کمزور ہو جاتے ہیں، اس کے لئے اپنی بات سمجھانا اور دوسروں کی بات سمجھنا، مشکل ہو جاتا ہے، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے ہر کام میں اسے دشواری ہوتی ہے، غیر مسلم اقوام میں ایسے بوڑھوں کے لئے، علیحدہ گھر بنا دیئے جاتے ہیں انہیں وہاں پہنچا دیا جاتا اور وہ لاچار و مجبور نرسوں اور ڈاکٹروں کے رحم و کرم کے بھکاری بن کر اپنی زندگی کے باقی دن گزار لیتے ہیں، لیکن اسلام اس احسان فراموشی کی اجازت نہیں دیتا، اس نے اولاد کے لئے والدین کی خدمت کو عبادت قرار دیا، اور اسے بوڑھے ماں باپ کا سہارا بنایا، اسلام کا یہ قانون بوڑھوں کے لئے رحمت بنا اور ان کی زندگی کے آخری دن ان کی نیک اولاد کے سہارے نہایت سکون و آرام کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔

یہ نکاح ہی کا فائدہ ہے کہ اس کے ذریعہ جو جوڑا وجود میں آیا، اس سے اولاد پیدا ہوئی اور اس جوڑے نے باہمی تعاون کے ساتھ اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جس کا صلہ انہیں بڑھاپے میں بھی ملا، اور مرنے کے بعد بھی، حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ وہ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ عذاب کے فرشتے میت کو عذاب دے رہے ہیں، اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے آپ اپنی منزل کی طرف چل دیئے، واپسی پر اسی

قبر کے پاس آئے، تو ملاحظہ فرمایا کہ رحمت کے فرشتے اسی میت کے پاس نور کے طبق لئے بیٹھے ہیں، آپ کو حیرت ہوئی کہ جس پر عذاب ہو رہا تھا اب اسی پر کرم ہو رہا ہے آپ نے نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس راز سے آگاہ فرمادے، پس وحی نازل ہوئی کہ یہ صاحب قبر نہایت ہی گناہ گار، مستحق عذاب تھا، لہٰذا اس پر عذاب ہو رہا تھا لیکن جب یہ مرا تھا تو اس کی بیوی حاملہ تھی، اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا، اس کی اچھی تربیت کی، آج اس کی ماں نے بچہ کو مدرسہ میں داخل کرایا، اور جب اس نے استاد کے سامنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو مجھے حیاء آئی کہ میں اس شخص کو زمین کے نیچے عذاب دوں، جس کا بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے، پس میں نے ہمیشہ کے لئے اس کو عذاب سے نجات دی اور اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔

غرضیکہ نکاح اولاد کی صورت میں وہ سہارا مہیا کرتا ہے، جو دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی، بشرطیکہ اولاد صالح ہو، اسی لئے والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں، اسے دیندار بنائیں، صالح بنائیں، تاکہ انہیں نکاح کا فائدہ حاصل ہو، اور اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے، عذابِ الٰہی سے نجات کا ذریعہ بنے۔

اے ایمان والو! اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جن غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کا تمہیں ولی بنایا ہے، تم جس قدر ممکن ہو جلد ان کا نکاح کرا دو تاکہ وہ زندگی کی مسرتوں سے اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں، ان کے لئے قدرت کی طرف سے افزائش نسل انسانی میں حصہ لینا جو مقدر ہے وہ اسے حاصل کر سکیں، انسانی محبت و وفاداری ان کے لئے ذریعہ سکون بنے، شہوانی وساوس و تخیلات سے آزاد ہو کر وہ تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کر سکیں، بڑھاپا آنے سے پہلے ان کے سامنے بڑھاپے کا سہارا موجود ہو اور چین و اطمینان سے ان کی شب و روز گزریں، نیز ان کو ذخیرۂ آخرت میسر آسکے۔

اختیارِ نکاح

"وَاَنْكِحُوْا"، اور نکاح کرا دو، یہ ان لوگوں سے خطاب ہے، جو بے نکاح لوگوں کے ولی اور کفیل ہیں، گویا نکاح کرا دینے کی ذمہ داری اولیاء کو سونپی جا رہی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اولیاء ہی کو نکاح کرا دینے کا اختیار ہے کہ وہ جس کا جس سے چاہیں نکاح کرا دیں اور نکاح کرنے والے کو کوئی اختیار ہی نہ ہو، بس وہ ولی کے فیصلہ کے پابند ہوں، چاہے اسے بخوشی قبول کریں، یا بکراہت، ایسا نہیں، بلکہ اولیاء کو جوڑا تلاش کرنے، ضروری تحقیق کے بعد منتخب کرنے کا حق دیا گیا ہے، اس انتخاب کو قبول کرنے یا مسترد کر دینے کا مکمل اختیار لڑکے یا لڑکی کو حاصل ہے، اسی لئے شرعاً نکاح اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک لڑکی دو گواہوں کی موجودگی میں اجازت نہ دے اور لڑکا ان گواہوں کے سامنے لڑکی کو اپنی زوجیت میں قبول نہ کرے، اسی کو ایجاب و قبول کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ولی نے کر دیا، تو بالغ ہوتے ہی دونوں کو اس نکاح کے قائم رکھنے یا منقطع کر دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح بالغ لڑکے اور لڑکی کو بغیر ولی کی اجازت و مرضی کے نکاح کر لینے کا حق بھی حاصل ہے کہ شرط نکاح ایجاب و قبول، دو گواہ اور مہر ہے۔

بہر حال یہ مرد و عورت کا فطری حق ہے اور ہم بار بار عرض کر رہے ہیں کہ اسلام فطری تقاضوں کو ہرگز پامال نہیں کرتا، صرف ان کی تکمیل کے لئے قانون نافذ کرتا ہے، ولی کو نکاح کا اختیار صرف اس لئے دیا گیا کہ لڑکا اور لڑکی اپنا جوڑا منتخب

کرنے میں غلطی نہ کریں، کہ قبل نکاح مرد و عورت پر غلبہ شہوت ہوتا ہے جو یہ سوچنے کی مہلت نہیں دیتا کہ نکاح کوئی وقتی یا عارضی عمل نہیں، بلکہ یہ تو ساری زندگی کے لئے ایک اٹوٹ بندھن ہے، جس میں بندھنے سے پہلے تمام حالات کا جائزہ لینا اور نہایت غور وفکر کے بعد فیصلہ کرنا ضروری ہے، بالخصوص کنوارے، کم عمر نو جوان لڑکے اور لڑکیاں تو اس قسم کے غور وفکر کی کوئی صلاحیت ہی نہیں رکھتے نہ انہیں لوگوں کی عادات و اطوار پہچاننے کا کوئی تجربہ ہوتا اور نہ ہی وہ خاندانوں کے حالات کا کوئی علم رکھتے ہیں، وہ تو صرف ایک لفظ محبت ہی جانتے ہیں اور اسی کے نشہ میں مست ہو کر ساری زندگی کا سودا کر بیٹھتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ محبت کا یہ نشہ بہت رہتا ہے تو چند سال اس کے بعد نفرت کا دروازہ کھلتا ہے، ہر وقت بات بات پر گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں، وہی ماں باپ، ولی، جن کی مرضی کے خلاف، یا جن کو خبر کئے بغیر یہ شادی ہوئی تھی، اب دونوں میں فیصلہ کراتے رہتے ہیں اور بالآخر وہ منحوس دن آ کر ہی رہتا ہے، جب طلاق کے تین لفظ اس جوڑے کی محبت کا انجام بنتے ہیں، دونوں خاندانوں کی رسوائی ہوتی ہے، اگر بچے ہیں تو وہ بے سہارا ہو جاتے ہیں، ماں، باپ کے زندہ ہونے کے باوجود یتیم ہو جاتے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ہو سکے کہ یہ ایک بیساکھی (ماں باپ) کے سہارے چلتے ہیں لہٰذا ساری زندگی لنگڑاتے ہی رہتے ہیں، پس ولی کا سہارا، بالخصوص کنوارے نو جوانوں کے لئے بڑا ہی اہم ہے، جو اپنے تجربہ سے، نہایت چھان بین اور پوری تحقیق کے بعد جوڑے کا انتخاب کرتا ہے، اسی لئے بزرگوں کے جوڑے ہوئے رشتے اکثر کامیاب ہوتے ہیں، ایسے جوڑے نہایت ہی پر مسرت اور پر وقار، خاندانی زندگی بسر کرتے ہیں۔

ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام حیاء وشرم کی تعلیم دیتا ہے، اور ہر حال میں مسلمان مرد و عورت پر حیاء کی چادر دیکھنا چاہتا ہے، اسی لئے معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ مختلف انداز میں اس کی تعلیم دی، آپ ﷺ نے فرمایا، "اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَآءُ"، ہر مذہب کی ایک خاص صفت ہوتی ہے اور اسلام کی صفت حیاء ہے، یعنی مسلمان کی پہچان حیاء ہے، یا یوں کہئے کہ مسلمان بے حیاء و بے شرم ہو ہی نہیں سکتا، جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کو حیاء وشرم کی تلقین کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، "دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَآءَ مِنَ الْاِیْمَانِ"، اسے چھوڑ دو، حیاء تو ایمان کا جزو ہے، نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں "اِنَّ الْحَیَآءَ وَالْاِیْمَانُ قُرَنَآءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ"، حیاء اور ایمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، جب ان میں سے ایک کو اٹھایا جاتا ہے، تو دوسرے کو بھی اٹھالیا جاتا ہے، یعنی بے حیاء و بے غیرت مؤمن کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، غرضیکہ اسلام میں حیاء کی بے حد اہمیت ہے، خصوصاً لڑکیوں کے لئے کہ لڑکی اور عورت کا اصل زیور، حیاء ہی ہے اس کا اصل حسن حیاء ہی ہے، نکاح کا حیاء سے تعلق واضح ہے، اس کے لئے کسی لڑکے کا لڑکی سے یا لڑکی کا لڑکے سے از خود بغیر کسی درمیانی واسطہ کے کہنا بڑی ہی بے شرمی ہے، بالخصوص کسی لڑکی کا اپنے آپ کو کسی لڑکے سے بیوی بنا لینے کی پیش کش کرنا تو بڑی ہی بے شرمی ہے، غور فرمائیے، کہ حضرت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت محسوس کی اور آپ ﷺ سے نکاح کا فیصلہ کرلیا، تو حیاء وشرم ہی کے سبب از خود پیش کش نہ کی، حالانکہ آپ عمر رسیدہ تھیں،

دوشوہروں سے بیوہ ہو چکی تھیں، پھر بھی آپ نے اپنی ایک سہیلی نفیسہ سے اپنی خواہش کا ذکر کیا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پیغام لے کر حاضر ہوئیں، یہ حیاء وشرم کی ایک مثال ہے جو ہم غلاموں کے لئے یقیناً قابل تقلید ہے، حالانکہ اس وقت تک نہ خدیجہ ام المؤمنین تھیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب کے اس جہالت کے دور میں بھی شرفاء میں حیاء وشرم موجود تھی۔

نیز ولی کو نکاح کی ذمہ داری سونپنے میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام ہر موقع پر والدین اور دیگر بزرگوں کی برتری برقرار رکھنا چاہتا ہے اور ان کے حقوق کا محافظ ہے، والدین اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے، ان کی خواہش ہوتی ہے اور ان کا یہ حق بھی بنتا ہے کہ اولاد کی زندگی کا ایک اہم باب ان کے ہاتھوں کھلے، پس انہیں یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے لڑکے یا لڑکی کے لئے خود جوڑا تلاش کریں اور ان کی رضا معلوم کر کے ان کی اجازت لے کر نکاح کے بندھن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باندھ دیں۔

مغربی تہذیب کی بدتہذیبی

مغربی تہذیب کے دلدادہ حضرات کے لئے ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ دیگر معاملات کی طرح شادی بیاہ کے معاملہ میں اس تہذیب کی بدتہذیبی کا یہ حال ہے کہ والدین یا بزرگوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں رہی ہے کہ ان پر اپنے بچوں کی شادی کرانے اور ان کے لئے جوڑا تلاش کرنے کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ صرف اپنے بچوں سے یہ پوچھ لیتے ہیں کہ تم شادی کب کر رہے ہو، اور انہیں اس سوال کا جواب اس وقت ملتا ہے جب لڑکا یا لڑکی ان کو اپنی شادی کا کارڈ تھماتا ہے، بالکل اس طرح جیسے وہ اپنے دیگر اعزاء یا احباب کو دعوت دیتا ہے، یہ انتخاب اکثر کالجوں، دفتروں یا کلبوں میں ہوتا ہے، نہ لڑکے کو لڑکی کے خاندان کا پتہ ہوتا ہے، نہ لڑکی کو لڑکے کے خاندان کا، تنہا دو فرد اپنی دنیا خود بناتے ہیں، اسی لئے یہ دنیا صرف چند دن کی ہوتی ہے، جس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور پھر اپنا اپنا جوڑ تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، آپ غور فرمائیے اسلام جو ایک مہذب مذہب ہے، اس بدتہذیبی کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے، وہ نکاح کو ایک ایسا مضبوط رشتہ قرار دیتا ہے، جو ہمیشہ کے لئے ہو، کبھی نہ لوٹنے پائے اسی لئے وہ اس معاملہ کا ذمہ دار اولیاء کو قرار دیتا ہے، جو تجربہ کار ہوتے ہیں، جن میں چھان بین اور ضروری تحقیقات کی پوری صلاحیت ہوتی ہے، اسی لئے ان کے قائم کردہ رشتے کامیاب اور مستحکم ہوتے ہیں، نیز شوہر وبیوی کے درمیان جھگڑے کی صورت میں یہی خاندانی بزرگ مداخلت کرتے ہیں اور معاملات کو سلجھا دیتے ہیں، بہرحال شریعت اسلامیہ نے اولیاء کو اختیار نکاح دے کر شادی کرنے والوں پر بڑا احسان فرمایا، ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے انہیں معاون ومددگار فراہم کیا، پس عافیت اسی میں ہے کہ مغربی تہذیب کی بدتہذیبی سے بچا جائے اور ہر معاملہ میں اپنے دین رحمت کے عطا کردہ احکام وقوانین کی پابندی کی جائے۔

اَیامیٰ

غیر شادی شدہ اور بے نکاح لوگوں کو کہا جاتا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں، وہ غیر شادی شدہ نوجوان جن کا ابتک

نکاح ہوا ہی نہیں ہے، یعنی کنوارے لڑکے اور لڑکیاں، وہ بے نکاح مرد وعورت جن کا نکاح ہوا، لیکن طلاق واقع ہوگئی اور وہ پھر بے نکاح ہوگئے، وہ بے نکاح لوگ جنہیں موت نے تنہا کردیا، شوہر یا بیوی کسی ایک کا انتقال ہوگیا، اسلام ان تمام لوگوں کی جلد شادی کردینے کا حکم دیتا ہے، کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اگرچہ شریعت مطہرہ نے عمر کا کوئی تعین نہ کیا، تاہم تاکید کی کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے بالغ ہونے کے بعد جلد از جلد ان کی شادی کا اہتمام کریں تاکہ وہ کسی برائی کے راستے پر قدم اٹھانے سے قبل ہی تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنا شروع کردیں اور معاشرہ اس آوارہ گردی سے محفوظ رہے، جو اکثر نوجوانوں کی بے راہ روی سے پیدا ہوتی ہے اور شریف لوگ اپنے بچوں بالخصوص لڑکیوں کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے فکرمند رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے بے نکاح مرد وعورت کا نکاح بھی جلد کرادینا چاہئے کیونکہ مرد وعورت کے ایک مرتبہ ملاپ کے بعد خواہش نفس مزید بڑھ جاتی ہے، جو لوگ اس رشتہ کے بعد تنہا ہوگئے ہیں، زیادہ امکان ہے، خطرہ ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہوجائیں، اس لئے معاشرے میں ایسے لوگوں پر اعتماد کم ہوجاتا ہے، ایسے تنہا مرد وعورت کا اپنے گھر میں آنا جانا کوئی پسند نہیں کرتا، یہ لوگ اکثر لوگوں کی بدگمانیوں اور الزامات کا شکار ہوتے رہتے ہیں، اس صورت حال کا خاتمہ صرف اسی طرح ہوسکتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے حکم پر عمل کیا جائے اور ان بے نکاح لوگوں کو جلد از جلد رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیا جائے بعض خاندانوں میں بیوہ یا مطلقہ کا دوسرا نکاح معیوب سمجھا جاتا ہے، اسے شرافت وحیاء کے خلاف سمجھا جاتا ہے، غالباً یہ خیال ہندوؤں کے عمل سے لیا گیا ہے جن کے یہاں عورت کو مرد کے ساتھ ہی ستی کردیا جاتا تھا اور شاید اب تک ان کے یہاں عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہیں، اسلام میں ایسی بیہودگی کی اجازت نہیں، شریعت کا تقاضا یہی ہے، حیاء وشرم یہی ہے کہ مرد کی طرح مطلقہ یا بیوہ کو بھی دوسری شادی کا پورا پورا حق دیا جائے، اس کو برا نہ سمجھا جائے، بلکہ ضروری اور اچھا سمجھ کر جلد از جلد یہ نیک کام انجام دیا جائے کہ یہی ''اَزْکیٰ'' اور ''اَطْھَرُ'' ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذریعہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو پھر وہ پوری کرچکیں اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں کہ وہ نکاح کرلیں اپنے (تجویز کردہ) خاوندوں سے جبکہ رضامند ہوجائیں آپس میں مناسب طریقہ سے یہ نصیحت کی جاتی ہے، اس (فرمان الٰہی) کے ذریعہ اس کو جو تم میں سے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لئے اور بہت صاف، اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔

واضح ارشاد ہے کہ اہل ایمان کے لئے ''اَزْکیٰ'' و ''اَطْھَرُ'' یہی ہے، کہ مطلقہ عورتوں کو دوسرا نکاح کرنے سے نہ روکیں، یہی حکم بیوہ عورتوں کے لئے ہے، اسی سے معاشرہ بھی بہت سی برائیوں اور خرابیوں سے پاک وصاف ہوسکتا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کا نکاح:۔ غلام اور باندی شرعاً مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے اگرچہ آزاد مرد و عورت کی نسبت کم ہیں لیکن ان کے پیدائشی اور جبلی خصائل و جذبات بہر حال عام انسانوں جیسے ہی ہیں، ان میں عقل بھی ہے احساس بھی ہے، اچھے اور برے میں امتیاز کی صلاحیت بھی ہے، غمی اور خوشی کے جذبات بھی ہیں، پیٹ کی بھوک بھی ہے، نفس کی خواہش بھی ہے، اسلام ان کے تمام خصائل کا احترام کرتا ہے اور ان کے متعلق احکام دیتا ہے، ان کی عبادات کا ثواب عام انسانوں کی عبادت ہی کی طرح ہے، ان پر ظلم و ستم ایسا ہی جرم ہے جیسا عام انسانوں پر، جنہیں غلاموں اور باندیوں کا مالک بننے کا اعزاز دیا گیا، ان پر غلاموں اور باندیوں کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ داری بھی عائد کی گئی، ان کی آزادی کو عبادت اور ذریعہ ثواب قرار دیا گیا تاکہ اس کمزور مخلوق کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے پائے، ان کی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے ان کے مالکوں کو ان کے نکاح کر دینے کا بھی حکم دیا گیا، ''وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ'' جو غلام اور باندیاں نکاح کی صلاحیت رکھتے ہوں، ان کو ان کا یہ فطری حق دو، اجازت بھی دو اور ان کے لئے مناسب جوڑے کا انتخاب بھی کرو کہ تمہارے مالک نے تمہیں ان کا مالک بنایا ہے، تو بحیثیت مالک تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس نیک کام میں تم ان کے مددگار رہو، تاکہ نہ تو ان کی عزت نفس پامال ہو اور نہ ہی وہ غلبۂ شہوت سے مجبور ہو کر بدکاری میں مبتلا ہونے پائیں۔

صلاحیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جسمانی اور معاشی طور پر نکاح کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل ہوں، حقوق زوجیت ادا کر سکیں بیوی اور ہونے والے بچوں کی ضروریات کی کفالت کر سکیں، غلام و باندی کے نکاح کے بعد مالکوں پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ معاشی طور پر ان کی مدد کریں، اس طرح کہ یا تو وہ انہیں کسب معاش کی اجازت دیں اور یا خود انہیں ملازم کی حیثیت دے کر ان کے اخراجات پورے کریں، بہر حال مالکوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ غلام و باندی میں صلاحیت کے باوجود انہیں ان کے حق سے محروم کریں اور ان کے فطری تقاضا کو پامال کریں، یہ اس رب کا حکم ہے جس نے انہیں اپنے ان بندوں پر قدرت دی اور انہیں ان کی اجازت کا پابند بنایا۔

بخوف تنگدستی نکاح نہ کرنا

''اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه''، آیت مبارکہ کے اس حصہ پر غور فرمائیے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ والدین یا دیگر اولیاء، بے نکاحوں کا نکاح کرنے میں ٹال مٹول اور تاخیر اس بناء پر نہ کریں کہ وہ معاشی طور پر کمزور ہیں، شادی بیاہ کے اخراجات اور اس کے بعد اہل و عیال کی کفالت ان کے لئے دشوار ہوگی، یہ خیال نہایت ہی لغو اور بودہ ہے، کہ انسان نہ تو فراخی رزق پر قدرت رکھتا ہے اور نہ ہی غربت و تنگدستی خود پیدا کرتا ہے، قرآن نے بار بار اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ، ''اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ''، اللہ ہی کشادہ روزی دیتا ہے، جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے، کسب معاش کے لئے انسان محنت و مشقت کرنے کا ضرور مکلف ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی صلاحیت اور قوت بازو سے جتنا چاہے کما لے، اگر ایسا ہو سکتا تو اس دنیا میں تلاش کئے کوئی غریب نہ ملتا، لیکن ایسا نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ حکمت باری تعالیٰ یہی ہے کہ کسی کو دولت مند بنا دیا جائے اور کسی کو غریب'' وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي

الرَّزْقِ''، اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے برتر کیا ہے، کوئی زیادہ دولت مند ہے، کوئی کم، کوئی بالکل ہی غریب ومحتاج، یہ کرشمہ قدرت ہے، جس میں حکمت یہ ہے کہ دولت مند غریب کو دیکھ کر دولت کی قدر پہچانے، اللہ کی اس نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرے اور غریب پر مہربان ہو، اس کی مدد کرے، نیز امیر وغریب سب اللہ کے دربار میں بھکاری بنے رہیں کہ اللہ کو بندوں کا مانگنا، ہاتھ پھیلانا بہت پسند ہے۔

جب بندہ اللہ پر توکل کر کے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو رحیم وکریم رب اس کی ضرور مدد فرماتا ہے، کہ اس کا وعدہ ہے''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ''، جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، نکاح حکم الٰہی ہے، سنت رسول ﷺ ہے، اگر تم غربت وتنگدستی کے باوجود اس حکم کی تعمیل کرو گے، اس سنت پر عمل کرو گے، اس نیت سے کہ تم حکم نکاح کے مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنو، یعنی تمہارے ذریعے نسل انسانی کی افزائش ہو، اور حکم الٰہی کے مطابق تم اپنی خواہش نفس پوری کر سکو، تاکہ بدکاری کی راہ سے محفوظ رہو، تو اللہ تمہارا مددگار رہو گا، اس کا وعدہ''يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ''، وہ اپنے فضل وکرم سے رشتہ ازدواج میں منسلک جوڑے کی ضروریات کا غیب سے انتظام کر دے گا، میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے،''مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيجَ مَخَافَةَ الْعِيلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا''، جس نے تنگدستی کے خدشہ کی بناء پر شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ اس طریقہ پر نہیں جو اہل ایمان کا ہونا چاہئے کہ مؤمن تو اللہ کے رزاق ہونے پر یقین کامل رکھتا ہے، اس کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ جو اللہ اسے کھانے کو دیتا ہے، وہی اس کی ہونے والی بیوی اور کچھ مدت بعد ہونے والے بچوں کو بھی دے گا۔

تنگدستی اور غربت کے بہانے نکاح میں تاخیر کرنے کی وباء ہمارے دور میں عام ہے، جس کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ہی اپنے جوڑے کے انتخاب کی بنیاد دولت کو بناتے ہیں، لڑکی والے دولت مند لڑکا تلاش کرتے رہتے ہیں اور لڑکے والے دولت مند خاندان کی لڑکی تلاش کرتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ جہیز حاصل ہو سکے، دوسری یہ کہ شادی میں تاخیر محض اس لئے کی جاتی ہے کہ شادی کے غیر ضروری اور بے تکے اخراجات کے لئے دولت نہیں ہوتی، تیسری یہ کہ لڑکا لڑکی دونوں ہی یہ چاہتے ہیں کہ شادی سے قبل ہی ان کے پاس اتنی دولت ہو جائے کہ وہ یہ یقین کر سکیں کہ ساری زندگی انہیں تنگدستی سے واسطہ نہیں پڑے گا، آیئے مختصراً جائزہ لیں، نکاح سے گریز کی ان تینوں صورتوں میں کتنی معقولیت ہے۔

جوڑے کا انتخاب

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دولت آنے جانے والی چیز ہے، راتوں رات کسی کا دولت مند بن جانا اور آنا فانا کسی دولت مند کا دیوالیہ ہو جانا ایک عام بات ہے، جس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں، زندگی میں صبح، شام ہم ایسے واقعات دیکھتے سنتے رہتے ہیں، اس کے باوجود جوڑے کے انتخاب میں دولت کو بنیادی حیثیت دینا کس قدر نامعقولیت ہے، لڑکی والے اچھے، اچھے رشتے صرف اس لئے مسترد کر دیتے ہیں کہ لڑکے کی آمدنی معقول نہیں، جبکہ قرآن کریم کے ارشاد کے

مطابق مومن کو تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ "اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ" اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہی قوت والا، زبردست ہے کیا عجب آج جو غریب ہے، کل اسے اللہ کے سایۂ لطف وکرم میں پناہ مل جائے اور اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں، اسی لئے میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ ۞

جب کوئی ایسا شخص تمہیں نکاح کا پیغام دے، جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو (اپنی لڑکی کا) اس سے نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہو گا اور لمبا چوڑا فساد ہو گا۔ (ترمذی شریف)

یعنی جب کسی لڑکے کا پیغام نکاح آئے تو اس کی مذہبی اور دینی حیثیت کو دیکھا جائے، اخلاق و عادات کو دیکھا جائے، مال و دولت کو نہیں، اگر لڑکا مسلمان ہے، دیندار ہے، اچھے اخلاق و عادات سے مزین ہے تو یہ بڑی نعمت ہے، اس کے بعد کوئی چیز ایسی نہیں جس کو تلاش کیا جائے، بس فوراً اپنی چہیتی بیٹی کی شادی طے کر دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور دولت کے چکر میں پڑے رہے اور یہ وبا عام ہوگئی تو جوان لڑکیاں گھروں میں بیٹھی رہیں گی، زندگی کے شب و روز، ان کے حسن و جمال کے لئے خزاں بن جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی کثرت ہوگی تو معاشرے میں طرح طرح کے جرائم جنم لیں گے، برائیاں بدکاریاں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

اگر آپ موجودہ حالات پر نظر ڈالیں تو میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے عین مطابق پائیں گے، غیر شادی شدہ عورتوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، صرف اس لئے کہ انہیں اپنے معیار کا جوڑ انہیں ملتا، اور ان کا معیار یہ ہے کہ ہونے والے شوہر کے پاس دولت ہو، گاڑی ہو، بنگلہ ہو، اس معیار کا جوڑ انہیں ملتا، لہٰذا وہ بیٹھی ہوئی ہیں نہیں بیٹھی نہیں ہیں، مصروف رہنے کے لئے، دل بہلانے کے لئے، یا اپنا پیٹ پالنے کے لئے نوکری کرتی ہیں، کاروبار کرتی ہیں، وہ تمام ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں جو ان کا شوہر پوری کرتا ہے، ظاہر ہے یہ فرشتہ نہیں، نفس کی خواہش اور بھوک سے آزاد نہیں، جس کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے، ہمارے معاشرے کا فساد اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، آج ہمارے معاشرے میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور اس کو بھڑکانے والے وہی نوجوان ہیں، جو عائلی زندگی سے آزاد ہیں، جن کی شادی صرف اس وجہ سے نہ ہوسکی کہ وہ غریب ہیں، یا بے روزگار، جب وہ اس ذمہ دارانہ زندگی سے آزاد رہے، جو صرف شادی کے بعد ہی شروع ہوتی ہے، تو انہوں نے آوارگی کی راہ اختیار کرلی اور پورے معاشرے کو ایک طوفان میں مبتلا کر دیا، لہٰذا اگر آپ کے پاس جوان بیٹی ہے، تو جونہی اس کا پیغام آئے تو آپ لڑکے کی دینداری، اس کے اخلاق و عادات کی خوب چھان بین کریں اور جب آپ اس میں یہ خوبیاں پائیں تو دوسری کوئی چیز نہ دیکھیں، فوراً رشتہ قبول کرلیں کہ جب لڑکا دیندار ہے اور آپ کی بیٹی بھی نیک و دیندار ہے تو اللہ ضرور ان پر مہربان ہوگا، "يُغْنِيْهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" اپنے فضل وکرم سے ان کی ضروریات پوری فرمائے گا، شادی

کے بعد آپ اس دیندار جوڑے کو پرسکون زندگی بسر کرتے دیکھیں گے، یہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنے گا کہ ان کے چہروں پر آپ کو نور نظر آئے گا، ان کے گھر میں آپ کو محبت والفت کا سکون ملے گا، صبر وقناعت ان کی دولت ہوگی۔

ذرا غور فرمایئے کہ شہنشاہ کائنات ﷺ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بلند مرتبہ کس کی بیٹی ہو سکتی ہے، سیدۃ نساء اھل الجنۃ ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے جسم مبارک کا ٹکڑا قرار دیا اگر آپ ﷺ چاہتے تو کچھ انتظار کے بعد کسی دولت مند سے ان کا رشتہ کر دیتے، کیا کمی تھی ان کے لئے رشتوں کی لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا، صرف اس بناء پر کہ ان کی دینداری میں کوئی شک وشبہ نہ تھا، وہ حسن اخلاق کا پیکر تھے، دولت مند نہ تھے، حتیٰ کہ شادی کے بنیادی اخراجات کے لئے بھی ان کے پاس کچھ نہ تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رشتہ طے کرنے کے بعد ان سے پوچھا، کہ کیا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ آپ نے جواب دیا، یارسول اللہ ﷺ! میری کل کائنات میرا ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے، جو سامان جہاد ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، زرہ فروخت کر دو، گھوڑا رکھ لو، کہ اس کے بغیر جہاد دشوار ہوگا، حضرت علی نے زرہ فروخت کی، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غالباً حضرت علی کے تعاون کی نیت سے چار سو اسی درہم میں خرید لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیئے، جن سے آپ ﷺ نے کچھ خوشبو وغیرہ منگائی اور مہر ادا کیا، چند ماہ بعد رخصتی ہوئی تو حضرت علی نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لیا اور کائنات کے آقا ﷺ کی بیٹی، جنتی عورتوں کی سردار، اس گھر میں منتقل ہوگئیں۔

بہر حال لڑکیوں کو یا ان کے والدین یا اولیاء کو چاہئے کہ وہ متقی، پرہیزگار اور با اخلاق مرد کو منتخب کریں اور اس کو اپنی بچی کا سرتاج بنا دیں، اسی میں عافیت ہے، اسی میں خیریت ہے اور یہی بے شمار الجھنوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح لڑکوں کے لئے لڑکی تلاش کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ صرف دولت مند اور اونچے گھروں کے دروازے نہ کھٹکھٹائیں، بلکہ ان گھروں میں جائیں، جہاں دینداری ہو، تقویٰ و پرہیزگاری کے نور سے چمکتی دمکتی بچی تلاش کریں، جس کا میک اپ دنیا والوں کی آنکھیں خیرہ کر دے اور جس پر حوریں بھی رشک کریں کہ میرے آقا ﷺ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو قرار دیتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تربت يداك ؀

عورتوں کے ساتھ نکاح چار وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسب ونسب، اس کے حسن و جمال، اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تو دین والی کو ترجیح دے۔

(بخاری ومسلم)

نگاہ رسالت ﷺ میں مال، حسب ونسب اور حسن و جمال کی کوئی حیثیت نہیں کہ یہ سب عارضی اور وقتی چیزیں

ہیں، ہاں دین ایسی نعمت ہے جو دنیا میں عزت وراحت اور سکون وطمانیت کا ذریعہ اور آخرت کے لئے بہترین توشہ وذخیرہ ہے، پس عقل مندی یہ ہے کہ بیوی کے انتخاب کی بنیاد دین کو بنایا جائے، ایسی عورت تلاش کی جائے، جو خود دیندار ہو، اپنے بچوں کو دیندار بنا سکے، ایسی عورت جس گھر میں آجائے وہ گھر جنت بن جاتا ہے، یہ ایک ایسی شمع ہوتی ہے جس سے صرف گھر ہی روشن نہیں ہوتا، بلکہ اس کی شعاعیں پورے معاشرے کی چمک میں اضافہ کرتی ہیں، دیندار عورت ہی مرد کو حقیقی سکون فراہم کرسکتی ہے، ایسی ہی صالحہ بیوی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا''، دنیا کی بہترین دولت قرار دیا ہے۔

جہیز کی تلاش

ہندوؤں کے جو رسم ورواج، ہمارے شادی بیاہ کا جز بن گئے ہیں، ان میں سب سے بڑی لعنت جہیز کی ہے، جس نے لڑکیوں اور ان کے والدین کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے، ایسی لڑکیوں کو کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، جن کے ساتھ بھاری جہیز ملنے کی توقع نہیں ہوتی، لڑکی والے خود بھی اپنی بیٹی کو بغیر جہیز کے رخصت کرنے پر تیار نہیں ہوتے، اس خوف سے کہ ساری زندگی لڑکی کو جہیز نہ لانے کا طعنہ ملتا رہے گا اور وہ اپنی سسرال والوں بالخصوص ساس، نندوں اور دیگر عورتوں کی نظروں میں ہمیشہ حقیر رہے گی، حقیقت یہ ہے کہ یہ لعنت اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ لوگ اپنے لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کرنے نہیں بلکہ جہیز تلاش کرنے نکلتے ہیں، وہ پہلے ہی سے آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ بہو اتنا جہیز لائے گی کہ ہمارا گھر بھر جائے گا اور اب تو باقاعدہ جہیز کا مطالبہ ہونے لگا ہے، فرمائشیں ہوتی ہیں، مثلاً اس طرح کہ اپنی بیٹی کو آپ گاڑی ضرور دیں تاکہ اسے آپ کے گھر آنے جانے میں دشواری نہ ہو، اس کے علاوہ ایئر کنڈیشنڈ اور دوسرا ضروری سامان تو آپ دیں گے ہی، کتنا مہذب طریقہ ہے، بھیک مانگنے کا، شرم نہیں آتی۔

ہمارے ایک شناسا نے نہایت خوبصورت بنگلہ بنایا، افتتاح یا فاتحہ وغیرہ کے لئے ہمیں لے گئے، ہم نے گھر میں برسوں پرانا فرنیچر دیکھا تو کہہ دیا کہ اب تو آپ فرنیچر بھی اچھا خرید لیں، جو اس گھر جیسا خوبصورت ہو، فرمانے لگے، اصل میں فرنیچر اور دوسرا کچھ سامان میں نے اس لئے نہیں خریدا ہے کہ میرے دو بیٹے ہیں جن کی اب میں جلد شادی کروں گا، جہیز اتنا آئے گا کہ یہ گھر بھر جائے گا اور میں لڑکی والوں کو بتادوں گا کہ میرے گھر کی حیثیت کے مطابق سامان دیں۔

غور فرمایا یہ ہیں وہ لالچی لوگ جن کی وجہ سے ہماری بیٹیوں کے لئے رشتہ ملنا دشوار ہوگیا ہے، ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے لڑکی والے ساری زندگی کے لئے قرضہ میں جکڑ جاتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اپنی لڑکی کی ذمہ داری سے تو سبکدوش ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی اپنی زندگی تباہ ہوجاتی ہے، بس ساری عمر قرضہ ادا کرنے میں گزر جاتی ہے۔

دوستو! اگر نکاح کے شرعی طریقہ پر آپ غور کریں تو اس سے زیادہ کم خرچ اور سستا کوئی کام نہیں، صرف مہر ادا کرنے کے لئے حسب استطاعت رقم درکار ہے، وہ بھی اگر معجل ہے تو بیوی کے مطالبہ پر ادا کرنا ہوگا اور اگر مؤجل ہے تو طلاق یا بیوی کی موت کی صورت میں ادا کرنا ہوگا، فوری ادائیگی لازمی نہیں، پھر عورت کو اپنا مہر معاف کردینے کا بھی اختیار ہے، لہٰذا اگر وہ اپنے شوہر سے مطمئن ہے تو معاف کرسکتی ہے، وہ بھی ادا نہ کرنا ہوگا، رہا لڑکے کا ولیمہ تو وہ بھی سنت ہے، اگر استطاعت ہو تو کر

دیا جائے ورنہ لازمی نہیں، نیز ولیمہ پر تکلف اور اقسام، اقسام کے کھانوں سے ہی کرنا ضروری نہیں، شہنشاہِ کائنات ﷺ نے خود اپنا ولیمہ کئی مرتبہ صرف ستو اور کھجوروں سے کر کے ہمارے لئے اسے بھی ستا کر دیا کہ یہ صرف اظہارِ مسرت اور اللہ کے شکر کا ذریعہ ہے، جو حسب استطاعت، سادہ سے سادہ کھانے یا شربت وغیرہ سے بھی کیا جا سکتا ہے، علاوہ ازیں دولہا، دولہن تحائف کا تبادلہ بھی کر سکتے ہیں کہ یہ اظہارِ محبت کا ایک ذریعہ ہے، نیز اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، ''تَهَادُوْا تَحَابُّوْا''، ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تحفہ قیمتی ہو، ہار یا پھولوں کا بھی تبادلہ کر لیا جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے، رہا مسئلہ جہیز کا تو یہ شرعاً ہرگز ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لڑکی کو آسانی ہو، گھر کا نہایت ضروری اور بنیادی سامان نئے گھر میں منتقل ہوتے ہی خریدنا نہ پڑے، اس میں عیش وعشرت کا سامان شامل نہیں، نیز جو کچھ دیا جائے وہ حسب استطاعت ہو، قرض لے کر نہیں، زیر بار ہو کر نہیں، سرکارِ کائنات ﷺ اگر چاہتے تو کیا کچھ اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتے تھے لیکن جو دیا وہ یہ تھا، ایک لحاف، چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، مشک، دو گھڑے، جو موجود تھا وہ دیدیا حالانکہ ذرا اشارہ فرماتے تو ابوبکر وعثمان رضی اللہ عنہما، جیسے جاں نثار موجود تھے، آقا کی بیٹی کا گھر بھر دیتے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا صرف اس لئے کہ قیامت تک کوئی امتی مانگ تانگ کر قرض لے کر ایسا نہ کرے۔

بہر حال لڑکی والے جو کچھ چاہیں اپنی بیٹی کو دیں لیکن استطاعت کے مطابق، قرض نہ لیں، زیر بار نہ ہوں، اور لڑکے والے اللہ کا خوف کریں، دولت کے لالچ میں مبتلا نہ ہوں، نیک اور دیندار لڑکی تلاش کریں، جہیز کی تلاش میں مارے مارے نہ پھریں، نکاح کے شرعی ومقدس عمل کو حصول دولت کا ذریعہ نہ بنائیں۔

پہلے دولت پھر شادی

یہ تصور بھی نہایت احمقانہ اور غیر شرعی ہے کہ جب تک دولت کا ڈھیر جمع نہ ہو جائے، شادی نہ کی جائے، اچھی ملازمت ہو جائے، معقول کاروبار ہو جائے، گاڑی مکان سب کچھ ہو جائے، حتیٰ کہ اتنا بینک بیلنس بھی ہو جائے کہ ہونے والے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بآسانی انتظام ہو سکے، کیوں نہیں سوچتے کہ اگر یہ سب کچھ مل بھی گیا اور شادی کے بعد سب کچھ برباد ہو گیا تو کیا ہوگا کہ دینے والا رب جیسے دینے پر قادر ہے اسی طرح آناً فاناً سب کچھ لے لینے پر بھی قادر ہے، ہاں یہ اسباب کی دنیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مستقبل کے تحفظ کا انتظام کیا جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ شادی سے قبل اتنا انتظام کر لیا جائے کہ نکاح کے بنیادی اور مستقبل میں گھر کے ضروری اخراجات برداشت کرنا مشکل نہ ہوں، لیکن اس دوران نفس پر قابو رکھنا اور برائی سے بچے رہنا، مؤمن کی نہایت اہم ذمہ داری ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط

اور چاہیئے پاکدامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی (مالی) قدرت یہاں تک کہ غنی کر

دے اللہ انہیں اپنے فضل سے۔

اللہ بڑا ہی فضل والا ہے، ''یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ''، جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے، پس دولت کا ڈھیر جمع کرنے کی فکر میں اپنے نفس پر ظلم کرنا گناہ کے دلدل میں پھنسنے کا خطرہ مول لینا اور نکاح جیسے سکون بخش عمل سے گریز کرنا، کہاں کی عقلمندی ہے، ذرا غور کرو، سوچو۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝
(عنکبوت: ۶۰)

کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق اللہ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ جانور جنہیں ہم پالتے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کے رزق کا تو بظاہر ہم وسیلہ ہیں، لیکن اس زمین پر کتنے ہی جانور ایسے بھی تو ہیں، جن کا کوئی وارث نہیں، کوئی انہیں روٹی کا ٹکڑا تک نہیں ڈالتا، کیونکہ وہ بظاہر ہمارے فائدے کے نہیں، یا وہ ہماری رسائی سے دور، وادیوں، گھاٹیوں، پہاڑیوں اور غاروں میں رہتے ہیں، بظاہر ان کے رزق کا کوئی اہتمام نہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھوکا نہیں مرتا کہ رزاق حقیقی ان تک ضرور رزق پہنچاتا ہے، پس جو ایسے جانوروں کو اپنے فضل سے رزق مہیا کرتا ہے، وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے، نیز اس کائنات میں اللہ کی محبوب ترین مخلوق ہے، جس کے لئے اللہ نے یہ ساری کائنات پیدا فرمائی، کیسے بھوکا مرنے دے گا، جبکہ اے انسان! تجھ پر تو تیرے رب کا بڑا ہی فضل ہے، ''صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ''، تیرے خالق نے تجھے بنایا اور خوب حسین وجمیل بنایا اور پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے، ''مَنْ تَرَکَ التَّزْوِیْجَ مَخَافَةَ الْعَیْلَةِ فَلَیْسَ مِنَّا''، جس نے تنگی ومحتاجی کے خوف سے شادی نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ خوف کہ شادی ہوگئی، تو اخراجات کیسے پورے ہوں گے کس قدر بھیانک انجام کا ذریعہ بن سکتا ہے، کہ جس کے دامن رحمت میں ہم پناہ گزیں تھے وہی آقا ﷺ ہمیں اپنے قافلہ سے خارج قرار دے رہے ہیں، اگر ہم اپنی بدعملی سے اس قافلہ کے نشانات سے محروم ہو گئے تو پھر ہمیں کہاں پناہ نصیب ہوگی، پس ذریعہ نجات وراحت یہی ہے کہ ہم اپنے قائد وآقا ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کریں کہ ''مَنْ کَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْیَتَزَوَّجْ''، جو صاحب استطاعت ہو وہ شادی کرے، یعنی جب بنیادی ضروریات پوری کرنے کی استطاعت ہو جائے، بس نکاح کر ڈالو، جوں جوں اخراجات بڑھتے جائیں گے، رزاق حقیقی اپنے فضل وکرم سے رزق کی فراخی بھی کرتا رہے گا کہ ہر کسی کا رزق اسی سے وابستہ ہے، جو شخص تنہا ہے، اسے اس کا رزق ملتا ہے، جب بیوی آتی ہے تو وہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتی ہے، ہر بچہ اپنا رزق اپنے ساتھ لاتا ہے، یہ نظام قدرت ہے کہ چند افراد کا رزق ایک فرد کے سپرد کر دیا جاتا ہے، کوئی اپنے حصہ سے کسی کو کچھ نہیں دیتا ہے، وہی دیتا ہے، جو اس کے پاس کسی کی امانت ہوتی ہے، یہ اس کی غلط فہمی ہے، کہ وہ اسے اپنا سمجھ لیتا ہے، اور کسی کو دے کر

اس پر احسان جتاتا ہے، جبکہ اہل تقویٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دے کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو امانت تھی وہ حقدار تک پہنچ گئی نیز اللہ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ کسی کو ان کے ہاتھ سے دلوایا۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاکدامن ہونا ہو، یعنی اس لئے نکاح کرے کہ بدکاری اور اس کے مبادیات سے محفوظ رہے، دوسرا وہ مکاتب، جو زرِ مکاتبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کی تفصیل ہم آگے پیش کرتے ہیں، تیسرا وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، کہ اگر مجاہد کے پاس پورا سامان جنگ بھی نہ ہو تب بھی اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مِنَ النِّكَاحِ يُنْجِزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِنَ الْغِنَا''، اللہ کے حکم نکاح کی تم تعمیل کرو، وہ تمہیں غنی کرنے کا وعدہ پورا فرمائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رزق فراخ کردے گا۔

بہر حال مؤمن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی تعمیل بالخصوص نکاح جیسے عمل خیر میں تاخیر کرے یا اس سے فرار اختیار کرے، صرف تنگدستی اور محتاجی کے خوف سے، جبکہ تنگدستی اور محتاجی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل سے نہیں ہوتی، بلکہ ان سے گریز اختیار کرنے سے ہوتی ہے، اللہ سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

مکاتب کی امداد

مکاتب اس غلام کو اور مکاتبہ اس لونڈی کو کہا جاتا ہے، جنہیں مالک ایک معینہ رقم ادا کردینے کے بعد آزاد ہوجانے کی اجازت دیدے، چاہے وہ اجازت غلام و باندی کی درخواست پر دی جائے یا مالک از خود اس کی پیشکش کرے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ جب تمہارا کوئی غلام یا لونڈی تم سے معاہدۂ مکاتبت کرنا چاہے، یعنی کچھ رقم دے کر آزاد ہونے کی درخواست پیش کرے، تو تم اس کی درخواست قبول کرلو، اس سے معاہدہ کرلو اور اسے مکاتب بنالو، ہاں یہ اطمینان ضرور کرلو کہ وہ اپنا معاہدہ پورا کرسکیں گے یا نہیں نیز، آزاد ہوجانے کے بعد یہ مسلمانوں کو کسی پریشانی میں مبتلا کردینے کا ذریعہ تو نہیں بنیں گے، اس اطمینان کے بعد انہیں موقع دو کہ محنت و مشقت کرکے پیسہ کمائیں اور معینہ رقم مقررہ مدت میں ادا کردیں۔

اس کے بعد مالکوں اور عام مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ آزادی کے لئے کوشاں غلام یا باندی کی تم سب مل کر مدد کرو، مالک تو اس طرح مدد کریں، کہ اپنی خدمت لینا کم کردیں تاکہ وہ زیادہ وقت پیسہ کمانے پر صرف کرسکیں، نیز جس رقم کا معاہدہ ہوا، بہتر ہے کہ اس کا کچھ حصہ بھی معاف کردیں اور عام مسلمان اس طرح مدد کریں کہ مکاتب یا مکاتبہ کو جو رقم ادا کرنا ہے، وہ سب یا اس کا کچھ حصہ آپس میں جمع کریں اور ان کو غلامی سے نجات دلادیں، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ میں ہوا کرتا تھا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حاضر ہوکر بتایا کہ

میرے مالکوں نے مجھے اس شرط پر مکاتبہ کر دیا ہے کہ میں نو سال میں انہیں نو اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) ادا کر دوں، آپ میری کچھ مدد فرما دیں تا کہ میں آزاد ہو سکوں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کے مالکوں سے ضروری گفتگو کے بعد سب رقم یکمشت ادا کر کے انہیں آزاد کرایا۔ (مسلم شریف)

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو نہایت مشہور ہے کہ مشرف باسلام ہونے کے بعد آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی کے مطابق اپنے یہودی مالک سے معاہدۂ مکاتبت کیا چونکہ یہودی فطرتاً نہایت لالچی اور خبیث الطبع ہوتے ہیں، لہٰذا اس یہودی نے اس سخت شرط پر آپ کو مکاتب کیا کہ آپ اس کی زمین پر تین سو کھجور کے پودے لگائیں گے اور چالیس اوقیہ سونا ادا کریں گے، آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! تین سو کھجور کے درخت لگانے، اور چالیس اوقیہ سونا جمع کرنے کے لئے تو مدت درکار ہے، جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں (آپ کی عمر شریف تقریباً دو سو برس کی تھی) نبی رحمت ﷺ نے آپ کو مطمئن کیا، صحابہ کرام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو، کھجور کے تین سو پودے جمع کرو، آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل ہوئی، پودے جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے حکم دیا، انہیں لگانے کے لئے، سلمان کے مالک کی زمین میں گڑھے کھودو اور مجھے آ کر بتاؤ، چند ہی دن میں گڑھوں کی کھدائی مکمل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ خود تشریف لئے گئے، ایک پودا اپنے دست اقدس سے لگا کر آپ ﷺ نے اس کام کا آغاز کیا، شجر کاری کا یہ بڑا کام شام ہونے سے قبل ختم ہو گیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں، کہ ان پودوں میں سے کوئی پودہ نہ جلا نہ مرجھایا، اور دوسری ہی صبح، جب میں نے جا کر دیکھا تو پودے جوان ہو چکے تھے، درختوں پر کھجوریں لٹک رہی تھیں، پورا باغ سرسبز وشاداب تھا، (یہ معجزہ تھا میرے آقا ﷺ کا) اب مسئلہ چالیس اوقیہ سونے کا باقی تھا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا پیش کیا، آپ ﷺ نے مجھے طلب فرما کر سونا دیا، اور فرمایا جاؤ، اپنے مالک کو دیدو، تمہارا کام پورا ہوا، میں عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بہت کم ہے، آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، اللہ تمہاری ضرورت پوری کرے گا، تم جاؤ، میں مالک کے پاس پہنچا، اس نے سونا کا وزن کیا، تو پورا چالیس اوقیہ تھا، نہ کم نہ زیادہ اور میں آزاد ہو گیا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام نے اگرچہ غلامی کو باقی رکھا ہے، جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، لیکن غلاموں کے حقوق کا تحفظ فرمایا نیز ان کی آزادی کے لئے کئی دروازے کھول دیئے ہیں، تا کہ ایک غلام ساری زندگی غلام نہ بنا رہے اور غلاموں کا طبقہ دن بدن کم ہوتا چلا جائے، مکاتبت کی صورت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک دروازہ ہے، جس سے ہزاروں غلام اور باندیاں آزاد ہوتے رہے ہیں۔

عورتوں کی جسم فروشی

ہر دور میں عیاش مردوں نے عورتوں کو کھلونا بنایا حتیٰ کہ ان کے جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دے کر ان سے دولت

کمانے کا بھی ایک گھناؤنا طریقہ نکالا۔ عرب میں یہ طریقہ عام تھا کہ جوان و حسین عورتوں کے جسم کی نمائش کی جاتی، اور ایک وقت مقررہ کے لئے عیاش لوگوں سے ان کا سودا کر لیا جاتا تھا، جو اپنی شہوانی ہوس پوری کرنے کے بعد طے شدہ رقم ادا کرتے، یہ ظلم بالخصوص باندیوں پر زیادہ ہوتا تھا، باقاعدہ قحبہ خانے قائم تھے، جن میں یہ باندیاں عیاشوں کو شراب پلاتیں اور پیسے لے کر اپنے مالکوں کے حکم کے مطابق اپنا جسم عیاشوں کو پیش کر دیتی تھیں، لونڈیوں پر جبر کیا جاتا تھا، کہ وہ جسم فروشی کریں اور دولت کما کر مالکوں کو دیں۔

اسلام دین رحمت ہے، اس میں ایسے گھناؤنے عمل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے، وہ تو انسان کو باعزت اور پاکیزہ زندگی فراہم کرنا چاہتا ہے، جب شراب، جوئے وغیرہ سے نجات دلا دی گئی تو اس کھلم کھلا زنا کاری کے بازار کو کس طرح کھلا رکھا جا سکتا تھا۔ پس اہل ایمان کو ہدایت دی گئی ''وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ''، اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ وہ تمہیں دولت کما کر دیں، اس حکم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عورتوں کی جسم فروشی کا سلسلہ ختم کر دیا، اور بحمد اللہ آج بھی اگرچہ مسلمان دین سے دور ہیں، لیکن کسی مسلم معاشرے یا کسی مسلم ملک میں یہ کاروبار باقاعدہ موجود نہیں، جبکہ یورپ و امریکہ میں آج بھی اس کاروبار کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور باقاعدہ اس کے بازار موجود ہیں، دوکانیں کھلی ہوئی ہیں، جن میں سجی عورتیں اپنے کردبھٹکنے والے بدمعاشوں کو دعوت گناہ دیتی رہتی ہیں یہی نہیں بلکہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ یہ خود ہر گھر میں اپنا پیغام دیتی ہیں، فون نمبر بتا کر کہتی ہیں کہ '' آپ ہمیں ابھی بلا سکتے ہیں'' العیاذ باللہ۔

اے ایمان والو! ان احکام الٰہی کو پڑھو، ان پر عمل کرو اور شکر ادا کرو کہ رب کریم نے تمہارے لئے اپنے احکام نازل فرمائے۔ تمہاری عبرت کے لئے پچھلے لوگوں کے حالات بیان کئے۔ طرح طرح کی تمہیں نصیحت فرمائی تا کہ تم پاکیزہ زندگی اختیار کرو، اقوام عالم میں تم باعزت اور باوقار بن سکو تمہارے گھروں میں، تمہارے معاشرے میں، سکون ہو، اطمینان ہو، ہر ایک کی عزت و آبرو، اور جان و مال کو تحفظ حاصل ہو، حصول معاش میں سہولت اور برکت ہو۔

'' اے اللہ! ہمیں اس دین رحمت کو اپنانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین''

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین

بسم الله الرحمن الرحيم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۰

النور: ۵۸ تا ۶۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ

بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النور:۵۸۔۶۱)

اے ایمان والو! اجازت طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے) جو ابھی جوانی کی عمر کو نہیں پہنچے، تم میں سے تین مرتبہ نماز فجر سے پہلے، اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو، دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لئے، نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی حرج ہے ان اوقات کے بعد بکثرت آنا جانا رہتا ہے تمہارا، ایک دوسرے کے پاس یوں، صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام اور اللہ علیم وحکیم ہے، اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے، حد بلوغ کو تو وہ بھی اِذن طلب کیا کریں، جس طرح اِذن طلب کرتے ہیں وہ (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے، اللہ تمہارے لئے احکام اور اللہ علیم وحکیم ہے، اور بوڑھی خانہ نشیں عورتیں، جنہیں آرزو نہ ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں، اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے نہ اندھے پر کوئی حرج ہے، اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے، اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر، اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو، یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر، یا الگ الگ، پھر جب تم داخل ہو گھروں میں، تو سلامتی کی دعا دو، اپنوں کو وہ دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے، جو بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے یونہی کھول کر بیان کرتا ہے، اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کو تا کہ تم سمجھ لو۔

اصلاح معاشرہ

شرعی احکام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اصلاح معاشرہ ہے، جس کے بغیر نہ معاش و معاشرت میں اعتدال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان کو بے خوف وخطر اور پر سکون شب وروز میسر آ سکتے ہیں، اسی لئے اسلام نے ان تمام مبادیات پر پابندی لگائی ہے، جو معاشرے کے فساد اور خرابی کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، استیذان، عورتوں کے لئے پردہ

اور ان کی زیب وزینت کی نمائش پر پابندی کا مقصد یہی ہے، جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات پر تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، اس مقصد کی اہمیت اور اس کی تاکید کا اندازہ، اب آپ ان ہدایات سے کیجئے، جو مندرجہ بالا آیات میں دی جارہی ہیں۔

بچوں کے لئے اجازت طلب کرنا:۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ گھر میں داخل ہونے کے لئے، ہر مرد وعورت کو اجازت طلب کرنے کا پابند کیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر ہو، محرم ہوں یا نا محرم ہوں، بعض پر یہ پابندی واجب ہے اور بعض کے لئے اس پر عمل مستحب وافضل ہے، لیکن اب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ اس سلسلے میں بچوں کے متعلق کیا حکم ہے، آیا ان پر بھی یہ پابندی ہے، یا وہ بلا اجازت گھروں میں داخل ہوسکتے ہیں۔

بچے چونکہ مکلف نہیں، اسی لئے قرآن کریم ان کو خطاب نہیں فرماتا، تاہم والدین کے لئے بچوں کی تربیت کے احکام دیئے گئے ہیں تاکہ بچے مکلف ہونے کی عمر سے پہلے ہی احکام شرع کو جان لیں اور ان کے پابند ہوجائیں، یہاں بھی یہی انداز اختیار کرتے ہوئے، اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ تم اپنے بچوں کو بھی یہ تربیت دو کہ وہ اپنے گھروں میں یا کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اجازت مانگا کریں، تاکہ وہ ابھی سے استیذان کے شرعی حکم کے عادی ہوجائیں، اور مکلف ہوجانے کے بعد انہیں یہ بتانے کی ضرورت پیش نہ آئے، کہ ''گھر میں دخل ہونے کے لئے اجازت لینا ضروری ہے'' کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرے میں پروان چڑھنے والے بچے، قبل از وقت ہی نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکام ضرورت کے مطابق جان لیں تاکہ بالغ ہونے کے بعد، ان کا کوئی لمحہ، لاعلمی کی بناء پر، شریعت کے خلاف نہ گزرے، مثلاً بچوں کو سات سال کی عمر سے ہی نماز کا عادی بنایا جائے تاکہ بلوغ کے بعد ان کی کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے، اسی طرح دیگر احکام کی پابندی کے لئے پہلے ہی سے انہیں تربیت دے دینا چاہئے اور احکام شروع کی پابندی کو ان کی فطرت اور عادت بنا دینا چاہئے، بالکل اسی طرح جس طرح وہ کھانے، پینے اور دیگر دنیاوی امور کے عادی ہوتے ہیں، پس اہل ایمان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ تربیت بھی دیں کہ وہ جب باہر سے گھر میں آئیں یا گھر میں ہوتے ہوئے اپنے ماں، باپ، یا بہن، بھائی کے کمرے میں داخل ہونا چاہئیں تو پہلے اجازت طلب کیا کریں لیکن بچوں پر یہ پابندی محدود اوقات کے لئے عائد کی جائے، بڑوں کی طرح ہر وقت کے لئے نہیں، بس صرف تین وقتوں کے لئے، نماز فجر سے قبل دوپہر اور بعد عشاء، یہ تین وقت نہایت ہی خلوت طلب ہوتے ہیں، بس ان اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا پابند بنایا جائے۔

تین وقتوں کی پابندی

اللہ اکبر، اگر آپ قرآن کریم کے انداز بیان پر غور کریں، اس کے عطا کردہ اصول زندگی میں سہولتوں اور حکمتوں کو جاننے کی کوشش کریں تو یقین جانئے کہ آپ کو اپنے دین کی جامعیت اور کمال پر ناز ہونے لگے گا اور اپنے مؤمن ہونے پر آپ خود بخود فخر کرنے لگیں گے، دنیا کی ہر تہذیب اسلام کی عطا کردہ تہذیب کے سامنے آپ کو بدتہذیبی نظر آنے لگی گی، دوستو! جو لوگ غیروں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں، وہ درحقیقت اسلامی تہذیب سے واقف ہی نہیں، ورنہ ہرگز وہ کسی کے نقال نہ بنتے، کسی سے زندگی بسر کرنے کے اصولوں کی بھیک نہ مانگتے کہ الحمد للہ میری تہذیب، مجھے ایک پرسکون، باوقار اور اعلیٰ

زندگی فراہم کرتی ہے اور وہ سب کچھ سکھاتی ہے، جس کی انسان کو، انسان بننے کے لئے ضرورت ہوسکتی ہے۔

غور فرمایئے، بچوں کو اجازت طلب کرنے کی تربیت دینے کی ہدایت کی جارہی، لیکن صرف تین وقتوں کے لئے، کیونکہ انہیں کسی دشواری میں مبتلا کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس حکم شرع سے متعارف کرانا مقصود ہے، جس کی انہیں بالغ ہونے کے بعد پابندی کرنا ہے، اس مقصد کے لئے صرف تین اوقات ہی کافی ہیں، یہ اوقات کوئی بھی ہوسکتے تھے لیکن ایسے اوقات کا تعین کیا گیا، جن میں عموماً بڑوں کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے، ان اوقات میں بچوں کو استیذان کا پابند بنایئے، تاکہ آپ کی خلوت میں خلل واقع نہ ہو، اور بچوں کی تربیت کا مقصد بھی پورا ہوجائے، اس کے علاوہ بچے آتے جاتے رہیں، کوئی مضائقہ نہیں کہ ''طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ''، کہ تم ہروقت ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہو، اس سے زیادہ پابندی تو بہت دشوار ہوجائے گی، اور تمہارا دین تمہارے لئے کوئی دشواری پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

بچوں کے لئے اجازت کی تربیت کا ایک فائدہ تو وہی ہے جو ہم عرض کرچکے ہیں، کہ وہ اس استیذان کے عادی ہوجائیں، جس کی پابندی انہیں بالغ ہونے کے بعد کرنا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ان میں ادب واحترام اور ایک نظم پیدا ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ انہیں اس سے حیاء وشرم کی تربیت حاصل ہوتی ہے، جو اصلاح معاشرہ کے لئے نہایت ہی اہم ہے اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کو ہر موقع پر ملحوظ رکھا ہے، ذرا آپ غور تو فرمایئے کہ خلوت کے ان اوقات میں شریعت مطہرہ، آپ کے بچوں کے لئے یہ گوارہ نہیں کرتی کہ وہ آپ کو کم لباس میں دیکھیں یا اس حالت میں دیکھیں جو صرف تنہائی کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر کس طرح اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ بڑے چھوٹے سب گھروں میں ننگے رہیں، کلبوں میں ننگے ناچیں، یا سوئمنگ پولز میں ننگے نہائیں کہ اسی سے تو بے حیائی اور بے شرمی کا آغاز ہوتا ہے اور ادب واحترام کی حدیں پامال ہوتی ہیں، یاد رکھئے جب ستر پوشی ختم ہوتی ہے، تو ادب واحترام خود بخود رخصت ہوجاتا ہے اور جس گھر یا معاشرے میں شرم وحیا اور ادب واحترام نہ رہا، اس تہذیب کا جنازہ نکل چکا ہے اور کسی بھی غیر مہذب معاشرے میں کسی کی بھی عزت وآبرو محفوظ نہیں رہتی، پس اسلام بچوں کو مکلف ہونے سے پہلے ہی ان کو نظم کا عادی بنانا چاہتا ہے، مہذب بنانا چاہتا ہے، تاکہ معاشرے کی تہذیب محفوظ رہے۔

بوڑھیوں کے لئے رعایت

گزشتہ صفحات پر پردے کے احکام، ان کی اہمیت اور فوائد تفصیل سے بیان کئے جاچکے ہیں، آیت زیر گفتگو میں پردے سے متعلق ہی، بوڑھی عورتوں کے لئے ایک خصوصی رعایت کا ذکر کیا جارہا ہے، ایسی عورتوں کے لئے قواعد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یعنی وہ عورتیں جو ''وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ'' کا مظہر بن چکی ہوں، اتنی عمر رسیدہ ہوچکی ہوں کہ ان کے ایام حیض ختم ہوگئے ہوں، ان کے اعضاء کمزور ہوچکے ہوں، ان کے چہرے پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوں، مردوں کے لئے ان میں کوئی کشش نہ رہی ہو، نہ ہی ان میں جذبۂ شہوت باقی رہا ہو، ایسی عورتوں کے لئے رعایت ہے کہ وہ اپنا برقعہ، اپنی چادر اتار سکتی ہیں، یعنی پردے کی ان کے لئے وہ سختی نہیں جو جوان عمر عورتوں کے لئے ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن

شرط یہ ہے کہ یہ بوڑھیاں، جوان عورتوں کی طرح نہ رہتی ہوں، انہیں اپنی زیب و زینت کے مظاہرے کا اشتیاق نہ ہو، ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ سادگی اور پاکیزگی اختیار کریں تا کہ ہر کوئی انہیں ماں کی نظر سے دیکھے، ان کا احترام کرے، کسی کے دل میں ان کے لئے کوئی برا خیال تک نہ آنے پائے، یہ رعایت صرف پردے سے متعلق ہے، دیگر احکام مثلاً سفر، استیذان وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بے تکلفی کی اجازت

انسان کا آپس میں بے تکلف ہونا، ایک فطری تقاضا ہے، بہن بھائیوں، احباب اور پڑوسیوں کے درمیان عام طور پر بے تکلفی ہو جاتی ہے، اسلام بھی اس کی اجازت دیتا ہے لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام ہر فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے طریقہ کار کا تعین کرتا ہے، اصول اور ضابطے مقرر کرتا ہے، اگر بے تکلفی کی حد کا کوئی تعین نہ کیا جائے، تو یہ بے تکلفی بیہودگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جیسا کہ شرعی احکام کی پرواہ نہ کرنے والے لوگوں میں ہوتا رہتا ہے، مثلاً پڑوسی آپس میں اس قدر بے تکلف ہو جاتے ہیں کہ مرد و عورت تنہائی میں ملنے جلنے لگتے ہیں، اور اس بے تکلفی کو مصنوعی رشتوں کا نام دے لیتے ہیں، کوئی کسی کو بہن بنا لیتا ہے، کوئی کسی کو بھائی بنا لیتی ہے، جبکہ شریعت میں ایسے رشتوں کی کوئی حقیقت نہیں، اس بے ضابطہ اور غیر محدود، بے تکلفی کا انجام، محبت کے نفرت میں تبدیل ہو جانے، دوستی کے دشمنی میں تبدیل ہو جانے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بے تکلفی کی ابتداء کھانے، پینے سے ہوتی ہے، لہٰذا قرآن کریم اسی کو بیان فرماتا ہے، کہ جب اس کا تعین ہوگا تو دیگر امور کے لئے بھی ایک حد مقرر ہو جائے گی، لہٰذا دو باتیں بیان کی گئیں، ایک یہ کہ کون لوگ آپس میں مل کر کھا، پی سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس بے تکلفی کی اجازت کن گھروں میں ہے، پہلی بات یہ کہ اندھا، لنگڑا، بیمار، یعنی معذور اور غیر معذور، سب مل جل کر کھا پی سکتے ہیں، یہ وضاحت اس لئے ضروری ہوئی کہ نزول قرآن کے دور میں یہ تکلف برتا جاتا تھا، کہ معذور لوگ صحت مند لوگوں کے ساتھ کھانے، پینے سے کتراتے تھے، بالخصوص وہ معذور جن کا ذکر آیت مبارکہ میں کیا گیا کہ اندھے کو خیال ہوتا تھا کہ مجھے اپنے عذر کی وجہ سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ میرے ساتھی نے کتنا کھایا اور میں نے کتنا کھا لیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے حق تلفی ہو جائے اور میں اپنے ساتھی کا کھانا بھی کھا جاؤں، لنگڑے کو خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنے عذر کی وجہ سے اس طرح نہیں بیٹھ سکتا، جس طرح میرا ساتھی بیٹھ سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے میری وجہ سے تکلیف ہو اور وہ آرام سے کھانا نہ کھا سکے، ان سب کا احساس اگرچہ نیک نیتی پر مبنی تھا، اس میں خیر خواہی کا جذبہ تھا لیکن اس طرح بھائی، بھائی سے، دوست دوست سے دور رہتا تھا، اسلام نے ان لوگوں میں قرب پیدا کرنے کی غرض سے ان کے خیالات کو ختم کیا اور حکم دیا کہ آپس میں مل جل کر کھاؤ، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، معذور کو غیر معذور کے ساتھ کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہئے اور غیر معذور کو معذور کے ساتھ کھانے سے اکتانا نہیں چاہئے، بالخصوص کسی بیمار کے ساتھ کھانے سے محض اس کی بیماری کی وجہ سے گریز کرنا، نہایت ہی نامعقول حرکت ہے۔

جن لوگوں کے گھروں میں، اللہ رب العزت جل مجدہ، بے تکلفی سے کھانے، پینے کی اجازت دیتا ہے، ان کی

تفصیل ملاحظہ ہو، فرمایا گیا ''اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ'' تم کھاؤ اپنے گھروں سے، اپنے گھروں میں تو تکلف کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، لیکن بعض لوگ یہاں بھی تکلف پیدا کر دیتے ہیں اور باوجود بھوک کے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کب کھانا لگے، تو ہم شروع ہوں، اس کی کیا ضرورت ہے، اگر بھوک لگی ہے تو اٹھئے، خود کھا لیجئے یا مانگ لیجئے، ''اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ'' ، یا اپنے باپ دادا، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ کہ باپ، دادا، ماؤں کے گھر بھی تو اپنے ہی ہیں، یہاں تم مہمان جیسا تکلف نہ برتو، جب ضرورت ہو، جو موجود ہے، کھالو، ''اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ'' ، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے کھاؤ کہ بھائی کا رشتہ تو خونی رشتہ ہے، بھائی کو بھائی سے تکلف برتنے کی ضرورت نہیں، یہ تکلف اپنائیت کے خلاف ہوگا، اپنائیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بھائی، بھائی کی چیز کو اپنا جانے، اور ایک دوسرے کے گھر میں وہی کریں جو اپنے گھروں میں کرتے ہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ'' ، یا کھاؤ اپنی بہنوں کے گھروں سے، عام طور پر بھائی بہنوں کے گھر جاتے ہیں تو بہت ہی تکلف کرتے ہیں، بلکہ ہندو تہذیب کی طرح خیال کرتے ہیں کہ بہن کے گھر کا پانی پینا بھی حرام ہے، اسلام اس تصور کی نفی کرتا ہے اور بھائیوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بہنوں کے گھروں کو اپنا ہی گھر جانیں، جو چاہیں کھائیں، پئیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ'' ، یا کھاؤ اپنے چچاؤں کے گھروں سے کہ چچا سے رشتہ تو باپ جیسا ہوتا ہے، یہاں بھی تکلف کی کوئی وجہ نہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ'' ، یا کھاؤ اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے کہ پھوپھی ماں کی طرح ہوتی ہے، شریعت مطہرہ نے، ماں کے بعد پھوپھی ہی کا ادب و احترام کرنے اور خدمت کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا یہاں بھی تکلف کی ضرورت نہیں، ''اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ'' یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے کھاؤ، کہ ماموں سے رشتہ بھی باپ جیسا ہی ہے، ''اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ'' یا اپنی خالاؤں کے گھر سے کھاؤ کہ خالہ بھی ماں کے برابر ہوتی ہے، ''اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ'' یا ان گھروں سے کھاؤ، جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں، عرب میں یہ عام دستور تھا کہ لوگ کہیں جاتے تو اپنے گھروں کی چابیاں گھر کی حفاظت وصفائی وغیرہ کی غرض سے، اپنے پڑوسی کو دے جاتے تھے اور یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ یہ گھر آپ کا ہے، یہاں جو کچھ ہے آپ کھا، پی سکتے ہیں اور جو چیز چاہیں، آپ استعمال کر سکتے ہیں، یہ رواج صحابہ کرام میں بھی تھا لیکن صحابہ اپنے بھائیوں کے گھروں کی چابی لے کر گھر کی حفاظت وغیرہ کی تو ذمہ داری پوری کرتے تھے، لیکن نہ کچھ کھاتے، پیتے اور نہ ہی کوئی اور چیز استعمال کرتے تھے، وہ اس کو خلاف تقویٰ جانتے تھے کہ کسی کی کوئی چیز استعمال کی جائے، مثلاً حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، کہ وہ کسی جہاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ جانے لگے تو گھر اور گھر والوں کی نگرانی کا ذمہ دار اپنے دوست مالک بن زید کو بنا گئے، جب حارث واپس آئے تو انہوں نے دوست کو بہت ہی کمزور دیکھا پریشان ہوئے اور وجہ پوچھی کہ یہ حالت کیوں ہوگئی، مالک نے کہا، میں نے آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر سے کچھ کھانا، پینا، مناسب نہ سمجھا کئی دن سے کچھ نہیں کھایا ہے، اس لئے کچھ کمزوری ہوگئی، حضرت حارث کو بہت افسوس ہوا، انہوں نے یہ معاملہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا اور شکایت کی کہ مالک نے مجھے غیر سمجھا، جس کا مجھے بہت دکھ ہوا ہے، اس واقعہ اور اسی قسم کے دیگر واقعات کے بعد، اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی اور وضاحت کردی کہ کون، کس کے

گھر سے بلا تکلف کھا سکتا ہے، نیز فرمایا گیا ''اَوْ بُیُوْتِ صَدِیْقِکُمْ'' ، یا اپنے مخلص دوستوں کے گھروں سے کھاؤ، کہ اگر دوستی میں خلوص ہو تو وہ اکثر معاملات میں رشتہ داری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور دوست، دوست سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اسے شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے، ایک دوسرے کے گھر سے بلا تکلف کھانے، پینے کی اجازت ہے۔

جن لوگوں کو ایک دوسرے کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، انہیں یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ ''اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا'' کہ سب مل کر کھائیں یا علیحدہ علیحدہ کھائیں، مل کر کھانے کی صورت میں، محرم و غیر محرم کی پابندی اپنی جگہ رہے گی، کہ جن مرد و عورت کا ایک دوسرے سے پردہ کرنا لازمی ہے وہ بہر حال علیحدہ علیحدہ کھائیں گے، مثلاً دوستوں کو ایک ساتھ کھانے کی اجازت ہے، لیکن ان کی بیویاں ان کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہو سکتیں کہ شوہر کا دوست چاہے بھائی ہی کی طرح ہو، محرم نہیں ہو سکتا، اسی طرح آج کل دعوتوں وغیرہ میں، مرد و عورت کے ایک جگہ پر کھانے کا جو رواج ہے، وہ بھی جائز نہیں کہ اس صورت میں غیر محرم مرد و عورت کا اختلاط ہوتا، بے پردگی ہوتی ہے، زیب و زینت کی نمائش ہوتی ہے، نظر بازی ہوتی ہے اور یہ سب چیزیں حرام ہیں، جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ آئے ہیں۔

ساتھ کھانا کھانا

کھانا دعوتوں کا ہو یا روزمرہ گھر کا اگرچہ اس کے لئے اختیار ہے کہ مل کر، ایک ساتھ کھایا جائے، یا علیحدہ علیحدہ اپنے اوقات کے مطابق کھایا جائے لیکن افضل یہ ہے کہ سب لوگ مل کر ساتھ کھائیں کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، برکت کا ذریعہ ہے، جیسا کہ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض صحابہ نے شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں، لیکن سیر نہیں ہوتے، آپ ﷺ نے فرمایا، شاید تم لوگ الگ الگ کھانا کھاتے ہو، عرض کرنے لگے، جی، آپ ﷺ نے فرمایا ''فَاجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِکُمْ وَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ یُبَارَکْ لَکُمْ'' ، جمع ہو کر اور بسم اللہ کہہ کر کھایا کرو، تمہیں برکت دی جائے گی، یعنی سیر بھی ہو جاؤ گے اور کھانے میں برکت بھی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''کُلُوْا جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبُرْکَۃَ مَعَ الْجَمَاعِۃِ'' مل کر کھایا کرو، الگ الگ نہ کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے پس مل کر کھانا کھانا سنت ہے، ذریعہ برکت ہے، عام طور پر گھروں میں روزمرہ کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کا جب دل چاہتا ہے کھاتا رہتا ہے، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر مصروفیات اجازت نہ دیں تو کم از کم ایک وقت کا کھانا سب مل کر کھائیں، مثلاً رات کے کھانے کے لئے یہ اہتمام کیا جائے کہ گھر والے ایک دوسرے کا انتظار کریں اور جب گھر کے سب لوگ جمع ہو جائیں، تو ایک جگہ کھانا لگایا جائے سب مل کر کھائیں، حتیٰ کہ ایک پلیٹ میں کئی مل کر کھائیں، کھانے سے فارغ ہو کر سب مل کر اللہ کا شکر ادا کریں، فراخی رزق کی دعا کریں، اللہ کو محبت و الفت کا یہ مظاہرہ بے حد پسند آتا ہے لہٰذا وہ کرم فرماتا اور برکت عطا کرتا ہے، رزق میں فراخی فرماتا ہے، کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے، خوب سیر ہو کر کھایا جاتا ہے، طبیعت پر فرحت کا احساس ہوتا ہے نیز یہ کھانے کے شرعی آداب کی تربیت کا ذریعہ بھی ہے، بالخصوص بچوں کے لئے کہ بڑے کھانے سے پہلے بچوں کو ہاتھ دھونا یاد دلاتے ہیں، آہستہ اور چھوٹے نوالے کھانے کی تلقین

کرتے ہیں، کھانے کے بعد دعا کی تعلیم دیتے، پھر ہاتھ دھونا یاد دلاتے ہیں غرضیکہ اجتماعی کھانے میں بہت سے فائدے ہیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے اہل خانہ کو مل کر کھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

سلام کرنے کا حکم

اہل ایمان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ (بالخصوص) وہ جب گھروں میں داخل ہوں تو سلام کیا کریں، سلام بوقت ملاقات، اظہارِ مسرت ومحبت کا ایک طریقہ ہے، جو اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے مقرر ہے، ہر قوم اور ہر مذہب میں اس موقع کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ پایا جاتا ہے جس کے الفاظ دعائیہ ہوتے ہیں لیکن یہ دعا ایک مخصوص اور محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، مثلاً اچھی صبح، اچھی شب، اچھی شام لیکن اسلام نے جو دعائیہ الفاظ مقرر فرمائے، ان میں وقت کا تعین نہیں، وہ ایک عام دعا ہے، ساری زندگی کے لئے، امن کی دعا، سلامتی کی دعا، جس سے محبت والفت پیدا ہوتی ہے، برکت حاصل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اس دعا کی عظمت وفضیلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اس کا حکم دینے والے رب کریم نے اسے ''تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' اپنی طرف سے مقرر کردہ فرمایا، ''مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً'' بابرکت اور پاکیزہ قرار دیا، پس جو سلام کرتا ہے اس پر برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے سلام کیا جاتا ہے، وہ بھی اللہ کی رحمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے، جس کی وضاحت معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود ہے، جس کو ہم نے اپنی تصنیف ''تبلیغی کتاب'' میں تفصیل سے لکھا ہے، لٰہذا یہاں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایمان والو! تمہارے رب نے تمہیں، ہمیں اسلام کے دامن سے وابستہ کر کے بڑی ہی عزت بخشی ہے، بڑی ہی عظمت عطا فرمائی ہے، اس کے سبب ہم ایک مہذب، پرامن اور پرسکون معاشرے کا فرد بنے ہیں، للہ، اس کو نہ چھوڑو، اس سے منہ نہ موڑو، اس کی عظمتوں سے مالا مال ہونے کے بعد ایسوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ، جو خود بھکاری اور محتاج ہیں، جن کے پاس تہذیب ہے نہ تمدن، دیکھ لو جن اہل ایمان کی بدنصیبی نے انہیں غیر مہذب اقوام کے در پر لا کھڑا کیا ہے، انہیں کیا نصیب ہوا ہے، سوائے ذلت کے، سوائے خواری کے، نہ وہ انہی کے بنے اور نہ اپنوں کے رہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے منہ موڑ کر انہوں نے نہ صرف اپنی دنیا برباد کر لی بلکہ عقبیٰ کی نجات سے بھی محروم ہو گئے، اپنی پیاس بجھانے کے لئے جسے انہوں نے پانی سمجھا تھا وہ سراب نکلا، پس یہ پیاسے، پیاسے ہی تڑپ رہے ہیں، آؤ، اسلام کے بہتے دریا کی طرف آؤ، یہ دریائے، رحمت تمہاری پیاس بھی بجھائے گا تمہاری خالی جھولیوں کو بھی عظمتوں اور برکتوں سے لبریز کر دے گا، تمہاری زندگی کے شب وروز سہل وآسان ہو جائیں گے کہ تمہارے رب کا وعدہ ہے، ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا'' جو احکام الٰہی کی پابندی کرتا ہے، اللہ اس کے کام میں آسانی اور سہولت پیدا فرما دیتا ہے، یا رب! ہمیں عظمت دین کے اعتراف اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

لَکَ الْحَمْدُ یَا اَللّٰہُ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سورۃ الاحزاب“

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٦١

الاحزاب: ٩ تا ٢٧

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ
مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَ اِذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَ اِذْ
قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ
النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ
دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَ
لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝ قُلْ

لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۙ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ۧ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ؕ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ۝ؕ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ۙ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ۚ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

(الاحزاب: ۹ تا ۲۷)

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہ سکے تھے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس موقع پر خوب آزما لیا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے اور اس وقت کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ

اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھیرنا ممکن نہیں لوٹ چلو اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ (نبی کریم علیہ السلام) سے یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ محض فرار تھا اور اگر گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے فرما دیجئے تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے، اور تم لطف اندوز نہ ہوسکو گے مگر تھوڑی مدت فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ ارادہ کرلے تمہیں عذاب دینے کا یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف آ جاؤ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام پرلے درجے کے کنجوس ہیں پھر جب خوف چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے وہ دیکھنے لگتے ہیں آپ کی طرف یوں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں۔ اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو ہمیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے، بڑے حریص ہیں۔ مال غنیمت کے حصول میں یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کردیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ پر آسان ہے یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے نہیں گئے اور اگر جتھے آ جائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں بدوؤں کے ہاں ہوتے پوچھتے ہیں تمہاری خبریں اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ جنگ نہیں کرتے مگر برائے نام بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر نے ان کے ایمان اور جذبۂ اطاعت کو بڑھا دیا۔ اہل ایمان میں سے ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے تھے ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہ ہوئی تاکہ اللہ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اور (ناکام) لوٹا دیا تھا اللہ نے کفار کو درآنحالیکہ وہ اپنے غصہ میں تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو

جنگ سے اور اللہ بڑا طاقت ور ہر چیز پر غالب ہے اور اتار لیا اللہ نے ان اہل کتاب کو جنہوں نے مدد کی تھی کفار کی ان کے قلعوں سے اور رعب ڈال دیا ان کے دلوں میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے مالوں کا اور دے دیئے تمہیں وہ ملک جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہ سورۂ احزاب کی انیس آیات ہیں جن میں خصوصی خطاب صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین سے اور عمومی جملہ اہل ایمان سے ہے آیات کا موضوع غزوۂ احزاب ہے جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ احزاب جمع ہے حزب گروہ، جماعت، قبیلہ، کیونکہ اسلام دشمن تمام گروہ اور قبائل متحد و منظم ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جانثاروں کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے اس لئے اس جنگ کو غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے اور اس جنگ کی متوقع تباہی سے مدینہ طیبہ کو بچانے کے لئے شہر کے حدود پر خندق کھودی گئی، اس لئے اس جنگ کا نام تاریخ میں غزوۂ خندق قرار پایا۔ آیئے اب قرآن کریم کی ان آیات اور احادیث کی روشنی میں غزوۂ احزاب کا مفصل حال پڑھئے اور یہ بھی غور کرتے چلئے کہ اس میں عام اہل ایمان کے لئے کیا تعلیم اور کیا عبرتیں ہیں جن کے لئے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے اس غزوے کا مفصل حال قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کیا گیا کیونکہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں کہ واقعات کو محض محفوظ کرنے کے لئے اس میں بیان کر دیا گیا ہو قرآن کریم تو احکام الٰہیہ کا مجموعہ ہے جس کا مقصد انسان کو زندگی کے اصول وضوابط دینا ہے لہٰذا اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات بھی ذریعۂ تعلیم ہیں ذریعۂ عبرت ہیں جن سے زندگی کے لئے اصول وضوابط حاصل ہوتے ہیں پس غزوۂ احزاب کا واقعہ بھی زندگی کے کچھ اصول اور ضابطے دیتا ہے جن کو انشاالمولیٰ ہم بیان کریں گے، بتوفیق اللہ العزیز الکریم۔

سلسلۂ غزوات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کو اگرچہ ہجرت کے بعد اہل مکہ کی ظالمانہ ایذیتوں سے نجات حاصل ہو گئی تھی لیکن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمن نے سازشوں کا ایسا جال پھیلا دیا تھا جس سے بچنے کے لئے میرے آقا ﷺ کو آخر دم تک برسرپیکار رہنا پڑا۔ ایک جنگ ختم نہیں ہوتی تھی کہ دشمن کی طرف سے دوسری مسلط کر دی جاتی تھی صرف پہلا سال ہجرت نظر آتا ہے جس میں کوئی غزوہ یا سریہ نہیں ہے وہ بھی شائد اس لئے کہ دشمن خفیہ سازشوں اور جنگی تیاریوں میں مصروف رہے اس کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا ہے تو کوئی سال غزوے یا سریہ سے خالی نہیں ملتا، ۲ھ غزوۂ بدر، ۳ھ غزوۂ احد، ۴ھ سرایا کا سال رہا، ۵ھ میں غزوۂ احزاب اور اس کے فوراً بعد ہی غزوۂ بنو قریظہ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ ۱۱ھ اپنی علالت کے دوران آپ ﷺ نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین کے ہمراہ روم کی طرف جانے کا حکم دیا۔ ۱۰ ربیع الاول کو یہ لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوتا ہے ابھی مدینہ سے باہر مقام جُرُف میں فوجیوں کا آخری معائنہ ہو

رہا تھا کہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کی اطلاع پا کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوتے ہی سب سے پہلا حکم، اس لشکر کی روانگی کا دیا اور یکم ربیع الثانی کو زید بن اُسامہ اپنے لشکر کے ہمراہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے روانہ ہو گئے ان تمام غزوات میں سخت ترین غزوہ، غزوۂ احزاب ہے۔ جس کا اندازہ آپ کو تفصیلات پڑھتے ہوئے ہوگا۔

اعداءِ اسلام کا متحدہ محاذ

اعداء کی اسلام دشمنی کا سبب مسلمانوں سے صرف مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اس کی دوسری بڑی وجہ مسلمانوں سے انہیں سیاسی خوف اور خطرے کا لاحق ہونا ہے۔ ان کا یہ خوف وخطر ابتداءِ اسلام سے آج تک جاری ہے، کفارِ مکہ، یہود اور منافقین مذہبی عناد میں تو مبتلا تھے ہی لیکن انہیں مسلمانوں کے غلبہ کے بعد اپنی حکومت اور سرداری کے ختم ہو جانے کا خطرہ زیادہ لاحق رہتا تھا حالانکہ اسلام نہ تو بلاوجہ دنیا کے دیگر مذاہب کو ختم کر دینا چاہتا ہے اور نہ ہی کسی کے سیاسی امور میں مداخلت کو پسند کرتا ہے۔ اسلام صرف اپنی حفاظت اپنی حدودِ مملکت کا تحفظ چاہتا ہے، دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے، اسلام کے حکم جہاد کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے ہمیشہ اپنے ظلم وستم کی بقا وتحفظ کے لئے مسلمانوں کو غلام بنانے اور انہیں کمزور کرنے کی کوشش کی، جس کے لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے رہے یا انہوں نے چھیڑ چھاڑ کر کے انہیں جہاد کرنے پر مجبور کیا۔ غزوۂ بدر میں بھی آپ کو یہی حقیقت نظر آئے گی۔ غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں بھی یہی صورت نظر آئے گی اس وقت آپ غزوۂ احزاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت پر غور کرتے چلئے۔

غزوۂ بدر کی ذلت وخواری اور غزوۂ احد میں ناکامی کے باوجود کفارِ مکہ کی اسلام سے آتشِ نفرت بجھی نہ تھی بلکہ وہ مزید برافروختہ تھے اور کسی نہ کسی طرح سے وہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دینا چاہتے تھے، جس کے لئے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں، مدینہ منورہ میں بدامنی پیدا کرنے کے لئے بھیجتے رہتے تھے یا کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں میں اضطراب وبے چینی پیدا ہوتی رہے اور وہ اپنا بنیادی کام نہ کر پائیں لیکن نبی مکرم ﷺ صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں (سرایا) مدینہ منورہ سے باہر بھیج کر دشمن کی سازش کو ناکام فرماتے رہتے اور اپنے اصل کام میں مصروف رہتے تھے اسی لئے غزوۂ احد کے بعد ۴ھ آپ کو سرایا کا سال نظر آئے گا۔

اندرونی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے پہلے سال ہی مہاجر وانصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کرنے کے بعد ایک ایسے وسیع البنیاد منشور کی دستاویز تیار کر دی تھی جس کی بنیاد پر مدینہ اور اس کے قرب وجوار میں آباد یہودیوں کو پوری آزادی حاصل ہوگئی تھی اور انہیں مسلمانوں سے کوئی سیاسی یا مذہبی خوف نہ رہا تھا لیکن یہ بد باطن اپنی سازشوں سے باز نہ رہے۔ کفارِ مکہ اور منافقین مدینہ کے آلۂ کار بن کر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کرتے رہتے تھے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، بالخصوص یہودیوں کا ایک بڑا قبیلہ بنونضیر اپنی سازشوں میں بہت آگے بڑھتا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے اور

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قبیلہ کو مدینہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ یہ یہاں سے نکل کر خیبر میں آباد ہوئے اور انہوں نے ہی اپنی ناکامی کا انتقام لینے کی غرض سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی تحریک کا آغاز کیا۔ قبیلہ بنونُضیر اور قبیلہ ابووائل کے تقریباً بیس آدمی مکہ پہنچے اور قریش کے سرداروں کے سامنے انہوں نے متحدہ محاذ کی تجویز رکھی اور کہا کہ ہم سب مل کر ہی مسلمانوں کو تہس نہس کر سکتے ہیں لیکن چونکہ مسلمانوں سے قریش کی دشمنی کا اصل سبب مذہبی اختلاف تھا لہٰذا انہوں نے یہ اطمینان کرنا چاہا کہ یہودیوں کا ہمارے بتوں کے متعلق کیا خیال ہے اگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح ہمارے بتوں کو باطل اور برا کہتے ہیں تو ان سے اتحاد کا کوئی فائدہ نہیں لہٰذا انہوں نے یہودیوں سے سوال کیا کہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اصل اختلاف دین اور مذہب کا ہے۔ آپ اہل کتاب اور اہل علم ہیں۔ پہلے ہمیں یہ بتایئے کہ آپ کا ہمارے دین کے متعلق کیا خیال ہے۔ آپ کے نزدیک ہمارا دین بہتر اور حق ہے یا مسلمانوں کا نیا مذہب بہتر اور حق ہے۔

یہودیوں کا خبث باطنی

یہودیوں کا خبث باطنی کوئی نیا نہیں مکر وفریب، خودغرضی اور اپنے ذاتی مفادات کے لئے دین فروشی تک سے گریز نہ کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے لہٰذا انہوں نے کفار کو وہی جواب دیا جس سے انہیں فائدہ ہو سکتا تھا کہ ''ہم آپ کے بتوں کو برا نہیں کہتے ہمارے نزدیک آپ کا دین، دین اسلام سے بہتر ہے'' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ جواب ان کے علم اور ضمیر دونوں کے خلاف تھا کہ ان کے نزدیک اسلام ایسا ہی اتفاقی مذہب ہے، جیسا ان کا مذہب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں سے ان کا اختلاف مذہبی نہیں، سیاسی تھا۔

یہودیوں کا یہ خبث باطنی عارضی اور وقتی نہیں ہمیشہ سے ہے ماضی میں تھا کہ اسی کے سبب وہ اللہ کے نبیوں سے بغاوت کرتے رہے، انہیں ستاتے، پریشان کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بعض انبیاء کو شہید بھی کر ڈالا۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل کرنے کی سازش کی جس میں وہ ناکام رہے ان کا یہ خبث آج تک جاری ہے کہ آج بھی وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور مسلم ممالک انہی کی ریشہ دوانیوں کے باعث انتشار وافتراق کا شکار ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے نہایت مکاری کے ساتھ اپنے ازلی دشمن عیسائیوں تک سے اتحاد کر رکھا ہے۔ کیا عیسائی نہیں جانتے کہ کہ ان کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے مجرم یہی ظالم یہود ہیں جبکہ اسی بنیاد پر ہمیشہ صلیبی جنگوں کا شکار یہود رہے اور اسی بنیاد پر دوسری عالمی جنگ میں عیسائیوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا۔ جس کا درد آج تک یہودیوں کو تڑپا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ عیسائیوں کے حامی اور عیسائی ان کے مددگار ہیں، دونوں جانتے ہیں کہ یہ اتحاد غیر فطری اور غیر شرعی ہے لیکن مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ بہر حال ہمیں تو دکھ اس بات کا ہے کہ موجودہ مسلم حکام اس حقیقت سے غافل ہیں اور وہ عیسائیوں کے در کے بھکاری بنے کھڑے ہیں جبکہ ان کے دونوں ہاتھ صرف یہودیوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلمان ان سے بھیک مانگتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے جبکہ وہ اپنے دشمن یہودیوں کی خوشامد بھی کرتے ہیں اور ہر طرح ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔

غرضیکہ یہودیوں کے اس مکر و فریب کا کفار شکار ہو گئے اور طے پایا کہ یہ بیس آدمی اور قریش کے سردار کعبہ کی دیواروں سے سینہ لگا کر عہد کریں کہ ہم مسلمانوں کو تہس نہس کرنے تک بہر صورت متحد رہیں گے۔ معاہد ہو گیا اور دونوں اتحادیوں نے اپنے اپنے ہم خیال قبائل کو اس اتحاد میں شامل کرنے کا کام شروع کر دیا حتیٰ کہ اس اتحاد میں قبیلہ اسلم، اشجع، بنو مُرہ، بنو کنانہ، فزارہ اور غطفان کے سب قبائل شامل ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج وجود میں آ گئی جو باختلاف روایات دس، بارہ، پندرہ ہزار افراد پر مشتمل تھی جن کے پاس نہ سامان جنگ کی کمی تھی نہ کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر لوازمات کی کوئی کمی تھی ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی۔

سب سے بڑا لشکر

سرزمین عرب پر آج تک اس سے بڑا لشکر نہیں دیکھا گیا۔ بالخصوص یہ ان سب لشکروں سے بڑا تھا جو اس سے پہلے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں سے پسپا ہو چکے تھے کہ غزوۂ بدر میں لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار تھی جبکہ غزوۂ احد میں ان کا لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کی تعداد بھی سب سے زیادہ تھی۔ ضروری سامان بھی اس کے پاس وافر مقدار میں تھا اور سب سے اہم بات یہ کہ یہ تمام قبائل کفار و یہود کی منظم و متحد قوت تھی جبکہ اللہ کے سپاہی، حسب سابق تعداد میں صرف تین ہزار تھے۔ جن کے پاس سواری کے لئے کل چھتیس گھوڑے تھے دیگر جنگی سامان بھی کم تھا۔ اشیاء خورد و نوش کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اسی لئے اکثر فاقے ہوتے رہتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجاہدین اسلام اپنے مقابلہ پر اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قدرے گھبرائے اور پریشان ہوئے۔ اس کیفیت کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ''اِذْ جَآءُ وْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اور اس وقت کو یاد کرو جب دشمن تم پر اوپر (بیرونِ مدینہ) نیچے (اندرونِ مدینہ) سے حملہ آور ہوا۔ اندرونِ مدینہ حملہ کرنے والا، یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ تھا۔ جس سے پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا کہ یہ مسلمانوں کے خلاف یا ان کی حمایت میں کسی جنگ میں شریک نہ ہوں گے جس کے بدلے میں انہیں مدینہ سے نہ نکالا جائے گا لیکن انہوں نے بنو نضیر کے سردار حُیَی ابن اَخطب کے لالچ دینے پر عہد شکنی کی اور احزاب میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انہیں مدینہ منورہ سے نکالا گیا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس بیرونی اور خارجی حملے کو دیکھ کر مسلمانوں کی وقتی اور عارضی طور پر جو کیفیت ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ'' دہشت کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے ''وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا'' اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے کہ نہ جانے اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں یہ لشکر ہمیں تہس نہس کرنے میں کامیاب تو نہیں ہو جائے گا، کہیں دنیا سے اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم تو نہ ہو جائے گا، یہ وسوسے تھے جو فطری تقاضے کے عین مطابق تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے چاہنے والوں کی، ان کے مراتب قرب بلند کرنے کے لئے صرف تھوڑی دیر کے لئے ایک آزمائش تھی لیکن بڑی سخت آزمائش تھی جس نے سپاہیوں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ ارشاد ہوا ''هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا'' اس موقع پر ایمان والوں کو خوب آزما لیا گیا اور انہیں خوب سختی سے جھنجھوڑا گیا اور جب ان کی طرف سے استقلال و استقامت کا مظاہرہ ہوا تو رب کریم

نے ان کی خوب مدد فرمائی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اے ایمان والو! ابتلاء و آزمائش سنت الٰہیہ ہے۔ اللہ، انبیاء و اولیاء، علماء و صلحاء اور عام مؤمنین سب کو ان کے مقام و حیثیت کے مطابق آزماتا ہے۔ اس کو عذابِ الٰہی نہ سمجھو۔ یہ تو بلندیٔ مراتب کا ذریعہ ہے، بابِ رحم وا ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ اُخروی نجات کا مژدہ ہے۔ یاد رکھو، اللہ اہل ایمان پر عذاب نازل نہیں فرماتا یہ صدقہ ہے اس نسبتِ عظیمہ کا جو ہمیں اللہ کے محبوب رحمت عالم ﷺ سے حاصل ہے ہاں امتحان لیتا ہے اور جب ہماری طرف سے استقلال و استقامت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے تو ہم پر اس کی رحمت برسنے لگتی ہے قبل اس کے کہ بندہ کسی نقصان کا شکار ہو دیکھو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اور اس امتحان میں ان کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ صاحبزادے کی گردن پر چھری کا نشان آئے، پس ہمارا کام استقلال و استقامت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہنا ہے اور اس کا فضل و کرم ہماری ہر حال میں مدد کرنا ہے جس کا مؤمن کو ہر وقت یقین رکھنا چاہئے۔

مدینہ میں سازش کی خبر

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس متحدہ محاذ کے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ کی زبان مبارک پر سب سے پہلا کلمہ جو آیا وہ یہ تھا '' حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ '' ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے۔ قرآن کریم کا عطا کردہ یہ وہ جملہ ہے جس سے مؤمن کو ابتلاء و آزمائش کے وقت ثباتِ قدم اور استقلال و استقامت کی ہمت ملتی ہے اور اللہ پر مکمل اعتماد کا اعلان کرنے والا بندہ، اللہ کے فضل و کرم کا مستحق قرار پاتا ہے اور اس کا جوش ایمان بڑھتا ہے لہٰذا وہ پیکرِ صبر و استقلال بن جاتا ہے اور ڈٹ کر ہر مصیبت کا بآسانی مقابلہ کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اعلانِ جنگ کے مطابق پروانے شمع کے گرد جمع ہونے لگے اللہ کے سپاہی اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے بیتاب و بے چین نظر آ رہے تھے ان مضطرب مجاہدین میں صرف نوجوان ہی نہ تھے بلکہ بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ دو سو سالہ بوڑھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ پندرہ سال سے کم کے بچوں کو آقائے رحمت ﷺ نے مشفقانہ انداز میں سمجھایا اور گھر والوں کو واپس کیا اپنے مشیر صحابہ کو قریب بلایا اور ان سے جنگی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کی حفاظت کا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اہل فارس کی ایک جنگی تدبیر بیان کی کہ ایسے موقع پر ہم شہر کے گرد خندق کھود کر اس میں آگ جلا دیتے ہیں تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے پس اگر اب بھی ایسا ہی کیا جائے تو بہت موزوں رہے گا۔

تجویز بوڑھے کی ہو یا جوان کی، آزاد کی ہو یا غلام کی، عربی کی ہو یا فارسی کی اگر مفید ہو تو قابل قبول ہوتی ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تجویز قبول فرمائی اور مدینہ منورہ کے ان راستوں پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا جن سے دشمن کا شہر میں داخل ہونا ممکن تھا۔

خندق کی کھدائی

خندق کی کھدائی کا فیصلہ ہوا، مدینہ منورہ کی پتھریلی زمین کا کھودنا کوئی آسان کام نہ تھا وہ بھی ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور اتنی ہی چوڑی خندق کی کھدائی لیکن جن کے پاس ایمان کی قوت ہو ان کے لئے یہ کام بڑا نہیں۔ بوڑھے سلمان ہی روزانہ پانچ گز لمبی، اتنی ہی گہری اور چوڑی خندق کھود لیا کرتے تھے ان کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس دس صحابہ کی ٹولیاں بنا دی تھیں اور ہر ٹولی کے ذمہ چالیس گز خندق کھودنے کا کام کر دیا تھا جو اپنی ذمہ داری پوری کر رہے تھے خود آقائے دو جہاں ﷺ اس کام میں برابر کے شریک تھے۔ آپ ﷺ غلاموں کی مدد بھی فرما رہے تھے اور خندق کی مٹی اٹھا اٹھا کر پشتہ بھی بنا رہے تھے۔ بروایت صحابۂ کرام کہ آپ ﷺ کے شکم مبارک کے بال مٹی سے اَٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی جلد مبارک نظر نہ آتی تھی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نہ مہاجروں میں شمار ہوتے تھے نہ انصار میں وہ علیحدہ اپنے کام میں مصروف تھے لیکن مہاجر و انصار سب ہی ان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ ان میں اس بات پر جھگڑے کی نوبت آ پہنچی، نبی مکرم ﷺ کو خبر ملی آپ نے فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''سَلْمَانُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ'' سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔ یہ جملہ مبارکہ فیصلہ بھی تھا اور قیامت تک کے لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان بھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلاموں کو محنت و مشقت کرتے ہوئے، جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو اس طرح دعا کی:

اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشَ الْاٰخِرَةِ ۔۔۔ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

بیشک زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے ۔۔۔ اے اللہ انصار و مہاجرین کو بخش دے

آقا کی اس دعا نے غلاموں میں مزید جذبۂ ایمان بیدار کر دیا ان کے کام میں مزید تیزی آ گئی اور کیف و سرور سے بے خود ہو کر گاتے جاتے اور کام کرتے جاتے۔

نَحْنُ الَّذِيْ بَايَعُوْا مُحَمَّداً ۔۔۔ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَداً

ہم وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ۔۔۔ کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ۔۔۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اے اللہ اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا ۔۔۔ تو ہمیں نہ زکوٰۃ دینے کی توفیق ملتی اور نہ ہی نماز پڑھنے کی

فَاَنْزِلِ السَّكِيْنَةَ عَلَيْنَا ۔۔۔ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا

پس اے اللہ ہم پر سکون نازل فرما ۔۔۔ اور جب ہم دشمن کے مقابلہ پر آئیں تو ہمیں ثبات قدم عطا فرما

ایک چٹان

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں سلمان، حذیفہ اور ہمارے دیگر ساتھی اپنے حصہ کی چالیس گز

چٹان کھودرہے تھے ہم بہت خوش تھے کہ کام تیزی سے ہورہا تھا کہ اچانک ہماری کدال کے نیچے ایک بھاری چٹان آ گئی ہم نے بہت ضربیں لگائیں لیکن اس پر نشان تک نہ پڑ سکا یہ پتھر نہیں لوہے کی دیوار معلوم ہوتی تھی باہمی مشورے سے ہم نے طے کیا کہ اس کو چھوڑ کر اپنا کام جاری رکھیں جس سے خندق کچھ ٹیڑھی ہو جائے گی تو کوئی حرج نہیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے کشیدہ خط سے ہٹے، بالآخر ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (جو شہنشاہوں اور موجودہ دور کے حاکموں کی طرح آرام سے نہ بیٹھے ہوئے تھے بلکہ عام مجاہدین کے ہمراہ) اپنے حصہ کی خندق کھودنے میں مصروف تھے سر اقدس پر مٹی اٹھا رہے تھے، جسم مبارک خاک سے اٹا ہوا تھا ہماری گزارش سنی تو آپ ہمارے ساتھ ہو لئے خود خندق میں تشریف فرما ہوئے ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اترے، آپ نے کدال ہاتھ میں لی اور آیہ مبارکہ ''تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا''، ''پوری ہوگئی نعمت آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کے ساتھ'' تلاوت فرمائی ضرب لگائی چٹان سے ایک روشنی پھیلی اور ایک حصہ علیحدہ ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ''، ''مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں'' پھر یہی آیہ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی پھر روشنی پھیلی اور چٹان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ''، ''مجھے ملک ایران کی چابیاں بخش دی گئیں'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی تیسری ضرب لگائی چٹان سے پھر روشنی نکلی اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ''، ''مجھے یمن کی کنجیاں عطا فرما دی گئیں۔''

میرے آقا ﷺ نے نہ صرف چٹان کو پارہ پارہ کر دیا بلکہ دو بڑے ملکوں کی فتح کا مژدہ بھی سنا دیا جبکہ حالات کی نزاکت اور ماحول کی ناسازگاری کا یہ عالم ہے کہ دشمن کا گہرا بادل چھایا ہوا ہے ایک طوفان ہے جو اُمنڈ رہا ہے، جس کے مقابلے کے لئے مادی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں نہ فوج کے لئے سازوسامان ہے نہ خوراک کا معقول انتظام ہے، یہودی اور منافقین اندرونی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں قیصر و کسریٰ، روم و یمن کی فتح کی خبر، مخبر صادق ﷺ کے سوا کون دے سکتا ہے اور اس پر یقین ان اہل ایمان کے سوا کون کر سکتا ہے جو اپنے نبی کی ہر بات پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں۔

حق تو یہ ہے کہ یہ خبر نہ تھی بلکہ زبان رسالت سے فیصلۂ الٰہی کا اعلان تھا تاریخ گواہ ہے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مانا کہ خلیفہ ثانی حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور یہ سلطنتیں اللہ کے سپاہیوں نے اپنے پیروں سے روندیں، ان کے محلات پر علم اسلام لہراتا نظر آیا۔ خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کی تکمیل ان کے خلیفہ برحق ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

اے ایمان والو! یہ واقعات صرف پڑھنے اور سننے کے نہیں کتابوں کی زینت نہیں بلکہ تمہارے ایمان کی تازگی کا ذریعہ ہیں یقین کامل اور اعتماد میں اضافہ کا ذریعہ ہیں ہر مؤمن کو یہ یقین کرنا چاہئے کہ اہل ایمان کے لئے مادی وسائل اتنے اہم نہیں جتنے مادہ پرستوں کے لئے ہیں اہل ایمان تو اپنے مقدس مقاصد کے حصول کے لئے صرف اللہ اور اس کے رسول پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو راستہ کی ساری چٹانیں خود بخود پاش پاش ہوتی چلی جاتی ہیں اور روشن مستقبل کے

منارے قریب نظر آنے لگتے ہیں جبکہ تذبذب اور تزلزل، ناکامی ونامرادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ایک وظیفہ

آیۂ مبارکہ ''وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی نعمت سچائی اور عدل سے نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (الانعام:۱۱۵) حل مشکلات اور دفع مصائب وآلام کے لئے ایک نہایت مؤثر وظیفہ ہے ہر نماز کے بعد کم از کم سات مرتبہ اس آیۂ مبارکہ کو پڑھ لینا چاہئے کہ میرے آقا ﷺ نے یہی آیۂ مبارکہ چٹان پر ضرب لگاتے ہوئے تلاوت فرمائی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

خندق مکمل ہوگئی

بہرحال خندق کی کھدائی کا کام جاری رہا جو صحابہ اپنے حصہ کی کھدائی سے فارغ ہو جاتے وہ آرام سے نہ بیٹھ جاتے تھے بلکہ فوراً اپنے بھائیوں کی مدد کرنے لگتے تھے کہ وہ جانتے تھے کہ تقسیم کار تو کام میں ایک نظم پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے جب مقصد ایک ہو تو کام بھی مشترک ہوتا ہے ان جانبازوں کے اشتراکِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہینوں کا کام صرف چھ روز میں مکمل ہو گیا اور ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز چوڑی، پانچ گز گہری خندق مکمل ہوگئی جس سے فارغ ہو کر مناسب مقامات پر خیمہ لگائے گئے اور غلام اپنے آقا کے ساتھ تھوڑا آرام کرنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

حضرت جابر کی دعوت

خندق کی کھدائی کے دوران حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شب و روز نہایت محنت ومشقت سے خندق کی کھدائی میں مصروف تھے اس دوران انہیں کوئی مُقَوِّی یامُفَرِّح خوراک ملنا تو درکنار ایک وقت کا پیٹ بھر کھانا بھی میسر نہ تھا کئی کئی دن کے فاقہ ہوتے تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ لئے جاتے تھے۔ ایک دن صحابہ نے اپنے آقا ﷺ کو اپنا حال بتاتے ہوئے اپنے پیٹ پر بندھے پتھر دکھائے تو آقائے رحمت ﷺ نے اپنا مبارک کرتا اٹھا کر دکھایا تو یہ دیکھ کر غلاموں کی آنکھیں پرنم ہوگئیں کہ آپ ﷺ کے مقدس پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہی وہ قائدانہ انداز تھا جو قائد کو قوم کے دلوں کا حاکم بنا دیتا ہے جس کی تعلیم میرے آقا ﷺ نے اکثر مواقع پر دی اور جس نے باہمی جنگ وجدل کے عادی لوگوں کو منظم ومتحد کر دیا جبکہ آج کے ناکام حکام اپنے دفاتر میں عیش وعشرت میں مصروف رہتے ہیں، سپاہی میدان جنگ میں دشمن کا شکار بنتے رہتے ہیں حکام تک گولیوں اور گولوں کی آواز تو درکنار میدان جنگ کا گرد وغبار تک نہیں پہنچ پاتا نتیجتاً قوم یا تو بغاوت پر مجبور ہو جاتی ہے یا ناکامی ونامرادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور غلامی ان کے گلے کا ہار بن جاتی ہے جب تک امت مسلمہ کو ایسے بزدل وذلیل حکام سے نجات نصیب نہیں ہوتی ذلت وخواری کا غبار ہی ان کے چہروں کا غازہ بنا رہے گا۔

بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی انہوں نے کہا کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک بہت

سخت چٹان آ گئی لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور خبر دی کہ خندق میں ایک بڑا پتھر آ گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا خندق میں میں اترتا ہوں پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے (ہم نے دیکھا کہ) آپ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے اور ہمیں تین روز ہو گئے تھے کہ کوئی چیز نہ چکھی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لے کر ضرب لگائی تو پتھر ریت جیسا ہو گیا۔ میں اپنی بیوی کے پاس گیا اور کہا کیا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے (میں چاہتا ہوں کہ آپ کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے، جس قوم کا آقا خود بھوکا رہتا ہو اس کے گھروں میں کھانے پینے کے لئے کیا ہو سکتا ہے پس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے) ایک تھیلی نکالی جس میں تین چار کلو جو تھے (اور کہا میں یہ جو پیستی ہوں) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا (جو میرے بچوں نے بڑے ہی شوق سے پالا تھا، بیوی نے کہا آپ اس بکری کے بچے کو ذبح کر لیجئے) پس میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، گوشت بنایا پھر میں سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا اور چپکے سے عرض گزار ہوا یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور تین چار کلو جو پیسے ہیں (یعنی کھانا کم ہے لہٰذا صرف) چند بھائیوں کے ہمراہ کھانے کے لئے میرے غریب خانہ پر تشریف لے چلئے یہ سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بآواز بلند فرمایا "یَآهَلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلَابِكُمْ" اے اہل خندق جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے پس آؤ جلدی کرو (کیونکہ یہ کب ممکن تھا کہ آقا ﷺ سیر و سیراب ہو جائیں اور غلام خالی پیٹ کام میں لگے رہیں یہ سن کر جابر پر کیا بیتی ہو گی یہ تو انہی کو پتہ ہو گا لیکن شاید انہیں کچھ سکون آیا ہو گا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا) اے جابر! گھر جلدی جاؤ، اہلیہ سے کہو چولہے سے ہانڈی نہ اترے اور روٹیاں نہ پکیں جب تک میں گھر نہ پہنچ جاؤں آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو میں نے آٹا آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر آپ ہانڈی کے قریب تشریف لائے اس میں لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا کسی روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ کہ تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے، ہانڈی سے گوشت نکالتے رہنا اور اسے چولہے سے نیچے نہ اتارنا وہ ایک ہزار تھے (ممکن ہے سب صحابہ نہ آئے ہوں ورنہ لشکر کی تعداد تین ہزار مروی ہے) اللہ کی قسم سب نے خوب کھایا اور باقی چھوڑ کر چلے گئے "وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَاهِيَ وَاِنَ عَجِيْنَنَا لَيُخْبِزُ كَمَا هُوَ" جبکہ ہمارے ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹیاں پکانے کے باوجود ہمارا آٹا اتنا ہی تھا (یہ ایک معمولی برکت تھی اس کے لعابِ مبارک کی جسے اللہ نے اپنے خزانوں کی کنجیوں کا امین بنایا تھا وہ بھوکا پیاسا تھا صرف اس لئے کہ مستقبل کے بھوکوں پیاسوں کی ہمت افزائی کا وسیلہ بنے) ﷺ۔

آغاز جنگ

غرضیکہ خندق کی کھدائی کا کام ختم ہوا، کوہ سلع کے قرب و جوار میں خیمے لگا دیئے گئے ابھی آرام کی نوبت نہ آئی تھی کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی حملہ کیا تھا ایک طوفان تھا جو امنڈا چلا آ رہا تھا۔ دو، چار ہزار نہیں، بارہ یا پندرہ ہزار کا زبردست لشکر تھا اتنا بڑا لشکر اب تک اہل عرب کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا دشمن پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے کہ

اچانک انہوں نے خندق کو دیکھا تو حیران وششدر رہ گئے کہ اہل عرب کو اس جنگی تدبیر کا سان وگمان بھی نہ تھا ممکن ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق سنا ہو لیکن خندق کبھی دیکھی نہ تھی مجبوراً خندق کے دوسرے طرف انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ دوسری طرف اللہ کے رسول ﷺ نے کوہِ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھتے ہوئے اپنے غلاموں کی صف بندی فرمائی لیکن اہل ایمان کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب تاحد نظر انہیں خیمے ہی خیمے نظر آرہے تھے انسانوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ اونٹ ذبح کئے جارہے تھے، چولہے جل رہے تھے، کھانے پک رہے تھے اور ادھر تعداد بھی کم تھی کسی چولہے میں آگ نہ تھی، فاقہ مست ایمان کے نشہ میں جھوم رہے تھے لیکن تھوڑی دیر کے لئے ان کا جو حال ہوا اسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝ (الاحزاب:۱۰-۱۱)

جب دشمن نے حملہ کیا تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے اور جب بوجہ دہشت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ کے متعلق مختلف خیالات کرنے لگے اس موقع پر اہل ایمان کو آزمایا گیا اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا۔

دشمن کا ایک طوفان سامنے آیا تو فطری دہشت پیدا ہوئی اور ایسے موقع پر انسان کی جو کیفیت ہوتی ہے وہی ان ایمان والوں کی ہوئی کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، دل ایسے دھڑکنے لگے کہ محسوس ہوتا تھا کہ حلق میں آئے جاتے ہیں جس اللہ پر اعتماد تھا اسی کے متعلق طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے شاید یہ کہ نہ جانے اب اللہ ہماری مدد کرے گا یا نہیں کہیں ہمارا رب ہم سے ناراض تو نہیں ہو گیا کہ ہم پر اس صورت میں اس کا عذاب نازل ہو رہا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم سب تہس نہس کئے جانے والے ہیں اور اسلام کا نام ختم ہونے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت حال میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب اندرونی صدمہ پہنچا کہ اسی موقع پر منافقین نے اپنی سرشت کے مطابق دھوکا دیا انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے انہیں طرح طرح سے ورغلانا شروع کیا ایسی باتیں پھیلانے لگے جن سے ان کی ہمت شکنی ہو۔

وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا۝ (الاحزاب:۱۲)

اس موقع پر منافق اور وہ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے (فتح کا) وعدہ صرف دھوکا دینے کے لئے کیا۔

یہ ظالم اللہ اور اس کے رسول کے سچے وعدے کو دھوکا تک قرار دینے لگے، اہل ایمان کے پائے ثبات کو متزلزل کرنے کے لئے انہیں یہ مشورہ دینے لگے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ

اور جب ان (منافقین) کی ایک جماعت کہتی پھر رہی تھی کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں، لہٰذا اب لوٹ چلو۔ (الاحزاب: ۱۳)

دیکھو کتنا بڑا لشکر تمہارے سامنے ہے ان کے پاس کس قدر وافر سامان جنگ اور سامان خوراک وغیرہ ہے، ان کے سامنے تم ہر اعتبار سے کمتر اور کمزور ہو۔ ان کا مقابلہ اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ پس بہتر یہی ہے کہ اب یہاں سے بھاگ چلو یہاں ٹھہرنا اور مقابلے کا ارادہ کرنا بے سود ہے اور اگر ہم نے ایسا کیا تو سب کے سب مارے جائیں گے ''فَارْجِعُوْا'' پس لوٹ چلو اسی میں عافیت ہے۔

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ (الاحزاب: ۱۳)

اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ان کا یہ بہانہ صرف بھاگنے کے لئے تھا۔

یہ ظالم صرف پروپیگنڈا ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ انہوں نے اہل ایمان کی مزید ہمت شکنی کے لئے خود میدان سے بھاگنے کی تدبیریں شروع کر دیں ان میں کچھ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بہانا کرتے ہوئے واپس جانے کی اجازت چاہی کہ ہمارے اہل وعیال غیر محفوظ ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن حملہ کرے اور ہمارے گھروں تک پہنچ جائے۔ ہمارے بیوی بچوں کو تہ وتیغ کر دے اور ہمارا گھر بار لوٹ لے پس ہم چاہتے ہیں کہ شہر کے اندر رہ کر ہم دشمن کا مقابلہ کریں تا کہ ہم اپنے اہل وعیال اور مال ومنال کو دشمنوں سے بچا سکیں۔ اللہ فرماتا ہے یہ جھوٹے مکار تھے صرف بھاگنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے تا کہ ان کو دیکھ کر اہل ایمان بھی بھاگنے لگیں اور لشکر اسلام، انتشار وافتراق کا شکار ہو جائے ان کے گھر بالکل غیر محفوظ نہ تھے۔ ساڑھے تین میل لمبی خندق نے شہر کو بالکل محفوظ کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں جو اہل ایمان سینہ سپر دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار کھڑے تھے ان کا بھی تو سب کچھ اسی شہر میں تھا جس میں ان کے بیوی بچے تھے۔ یہ بہانہ نہ تھا تو اور کیا تھا ان کے مکر وفریب کا پردہ تو اس قوت چاک ہوتا جب دشمن مدینہ کے اندر داخل ہو جاتا تب دنیا دیکھ لیتی کہ یہ کس طرح دشمن کا استقبال کرتے اور دشمن کی دعوت پر کس طرح ہتھیاروں سے سج دھج کر مسلمانوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے کہ یہ مار آستین ہیں، ہمیشہ سے مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۱۴)

اور اگر (دشمن) گھس آتے ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر انہیں فتنہ وفساد میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا تو فوراً وہ اس میں شریک ہو جاتے اور توقف نہ کرتے مگر تھوڑا۔

بلاتوقف جنگ کی آگ میں کود پڑتے اب دشمن کو دیکھ کر یہ بہانے بازی کر رہے ہیں راہ فرار نکالنے کی کوششیں کر رہے ہیں حالانکہ یہ ظالم تو مسلمانوں کے سامنے بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے کہ انہوں نے اہل ایمان کی طرح اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ یہ اسلام کی حفاظت کے لئے خون تک بہانے سے دریغ نہ کریں گے سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لیں گے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ (الاحزاب:۱۵)

حالانکہ یہی لوگ اللہ سے وعدے کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔

کہاں گئے ان کے وعدے، کیا ہوئے ان کے دعوے، آج یہ جو بدعہدی اور بے وفائی ہمارے سپاہیوں کے ساتھ کر رہے ہیں اس کا انجام کل ان کے سامنے آجائے گا "وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا" کہ اللہ کے دربار میں ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ان دھوکے بازوں کی قطعاً پروانہ کیجئے، پس انہیں اتنا بتا دیجئے:

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
(الاحزاب:۱۶)

فرما دیجئے (اے بھگوڑو) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا قتل سے (اگر تم نے اس وقت جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑے سے۔

موت سے فرار نہ صرف حماقت ہے بلکہ خلاف حقیقت ہے کہ میدانِ جنگ سے بھاگ بھی گئے تب بھی موت اپنے وقت پر ضرور آدبوچ لے گی "اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ" تم جہاں کہیں ہو گے موت تمہیں آدبوچے گی چاہے تم مضبوط قلعوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ پھر چند روز مہلت کے لئے اپنے دامن کو بزدلی اور بھگوڑے ہونے کا داغ لگانا کونسی عقلمندی ہے جبکہ آج نہیں تو کل بہر حال موت آنی ہے اور ہر ایک کو جوابدہی کے لئے ربِّ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجمعہ:۸)

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ بتا دیجئے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگے وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پھر وہ تمہیں آگاہ کرے گا ان اعمال سے جو تم کرتے تھے۔

غرضیکہ مکار منافقوں نے مسلمانوں کی ہمت شکنی اور ان میں انتشار پیدا کرنے کی کوششوں میں کوئی کسر باقی نہ رکھی حتیٰ کہ جب انہوں نے اہل ایمان کو قدرے پریشان اور متفکر دیکھا تو انہیں مزید طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا وہ کہنے لگے کہ تم نے سنا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹان کاٹ رہے تھے تو خبریں دے رہے تھے کہ تم روم، فارس اور یمن فتح کر دو گے

موجودہ حالات میں کیا یہ مذاق نہیں کیا تم توقع کر سکتے ہو کہ تم کبھی ان ممالک کو فتح کر سکو گے دیکھو اس وقت جو دشمن تمہارے سامنے ہے اس کا مقابلہ ہی ممکن نہیں آگے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔ یہ عذابِ الٰہی ہے جو ہمارے سامنے ہے (العیاذ باللہ) اگر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات مان لی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے یہاں ٹھہرے رہے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوگا ''فَارْجِعُوْا'' تو لوٹ چلو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ ہمارے سپاہیوں کی ہمت افزائی اور ان کے اطمینان کے لئے منافقین کو بتا دیجئے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾ (الاحزاب:۱۷)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) فرما دیجئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمالے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہتا ہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔

فیصلۂ الٰہی سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا یہ موت یا قتل سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ تلاش کرتے ہیں تو انہیں بتا دیجئے کہ انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی گھروں میں بیٹھے ہوں اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو کون ہے جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچالے اور اگر یہ میدانِ کارزار میں ہوں اور اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں پناہ دینے کا فیصلہ کرے تو کوئی قوت و طاقت انہیں ضرر و تکلیف نہیں پہنچا سکتی غرضیکہ اللہ کے سوا کوئی ان کا ساتھی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآىِٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾ (الاحزاب:۱۸)

اللہ خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی لشکر چھوڑ کر) ہماری طرف آ جاؤ اور وہ خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام۔

اللہ، ان منافقین کے حال کو خوب جانتا ہے جو اللہ کے سپاہیوں کی ہمت شکنی کرتے ہیں انہیں جہاد سے روکنے کی کوششیں کرتے ہیں انہیں اپنے ساتھ مل جانے کی دعوت دیتے ہیں اور بظاہر برائے نام جنگ میں شریک رہتے ہیں کہ پس دن میں ایک آدھ مرتبہ میدان جنگ کا چکر لگا لیتے ہیں تا کہ مسلمان ان کو اپنا جانیں اور ان کے مکر و فریب کا بآسانی شکار ہو سکیں حالانکہ یہ لوگ:

اَشِحَّةً عَلَیْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ كَالَّذِیْ یُغْشٰى عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۹﴾

(الاحزاب:۱۹)

پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں پھر جب خوف چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت کی غشی طاری ہو پھر جب خوف دور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے بڑے حریص ہیں مالِ غنیمت کے حصول میں یہ لوگ (درحقیقت) ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ضائع کردیئے ان کے اعمال اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔

نہایت ہی خسیس و کنجوس ہیں جہاد کے لئے کوئی مالی تعاون تو درکنار یہ تو اہل ایمان سے کوئی اچھی اور بھلی بات تک نہیں کہہ سکتے ہاں ان میں انتشار وافتراق پیدا کرنے اور افواہیں اڑانے کا کام بڑی فراخدلی سے انجام دیتے ہیں بزدل اتنے ہیں کہ خوف ودہشت کے وقت ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی کی موت کا پتہ چل جانے پر ہو جاتی ہے اور جب دشمن کا خوف ختم ہو جاتا ہے تو یہ لمبی لمبی ڈینگیں مارتے ہیں اپنی بہادری کے جھوٹے قصہ بیان کرتے ہیں صرف اس لئے کہ مال غنیمت سے انہیں سب سے زیادہ حصہ حاصل ہو سکے یہ حرکتیں وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے سینے میں نورِ ایمان نہیں ہوتا پس انہوں نے اگر کچھ نیکیاں کی بھی ہیں تو ذاتی مفاد کے حصول اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایسے اعمال قابل قبول نہیں ہوتے ان لوگوں کی بزدلی کا مزید حال یہ ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ

یہی خیال کرتے رہتے ہیں کہ دشمن کے جتھے اب تک نہیں گئے

دشمن کے چلے جانے کے بعد بھی یہ کانپتے ہی رہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ دشمن اب تک ان پر مسلط ہے ان بزدلوں میں پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت تک نہیں ہوتی۔

وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (الاحزاب:۲۰)

اگر دشمن کے جتھے دوبارہ پلٹ کر آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش وہ صحرا میں بدوؤں کے ساتھ ہوتے تمہاری خبریں معلوم کرتے رہتے اور اگر یہ تم میں موجود بھی ہوتے تو جنگ کرتے مگر برائے نام۔

ان کی بزدلی کی یہ حالت ہے کہ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ دشمن دوبارہ پلٹ کر آجاتا تو خوف کے مارے ان کی بری حالت ہو جاتی اور یہ آرزو کرنے لگتے کہ کاش! ہم قریبی جنگلوں میں آباد بدوؤں کی پناہ لے لیتے اور وہاں آنے جانے والوں سے مسلمانوں کی خبریں معلوم کرتے رہتے پس اچھا ہوا کہ یہ بھگوڑے اسلامی لشکر سے بھاگنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اگر یہ لشکر میں شامل بھی ہوتے تو کیا کمال دکھاتے سوائے اس کے اپنے آپ کو بچا بچا کر برائے نام دکھاوے کے لئے جنگ میں شریک رہتے ایسے خبیثوں کا اسلامی لشکر سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔

اے ایمان والو! منافقین وکفار کا حال نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا۔ صرف غزوۂ احزاب میں

شریک کفار و منافقین ہی کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ ہر دور کے منافقوں اور کافروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ مکر و فریب ان کی فطرت ہے بزدلی ان کی سرشت میں ہے، جس کا تعلق کسی دور سے نہیں حالات یا ماحول سے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفر و نفاق انسان کو بزدل ہی بناتا ہے مکار و عیار ہی بناتا ہے پس قیامت تک کے کفار و منافقین کا حال ایک جیسا ہی ہونا یقینی ہے جبکہ مومن چاہے کسی دور کا ہو اگر اس کا قلب نورِ ایمان سے منور ہو بدعملی اور بدکرداری سے وہ محفوظ ہو تو وہ یقیناً بہادر ہوتا ہے، نڈر ہوتا ہے اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہی ہوتا ہے کیونکہ ایمان ایک ایسی عظیم قوت ہے جو مسلمان کو پیکر صبر بنا دیتی ہے۔ استقلال و استقامت کا پہاڑ بنا دیتی ہے، جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے طوفان گزرتے رہتے ہیں لیکن اس میں تذبذب، تزلزل پیدا نہیں ہو پاتا خوف اور ڈر اس کے قریب نہیں پھٹک پاتا پس اہل ایمان کو چاہیئے کہ وہ ہر دور کے منافقین و کفار کو غزوۂ احزاب کے کفار و منافقین کی طرح عیار، مکار اور بزدل جانیں ان پر کبھی اعتماد نہ کریں ان کے در کے کبھی بھکاری نہ بنیں ان کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست نہ جانیں کہ وہ ہمیشہ اہل ایمان کو دھوکا ہی دیتے رہے ہیں اور ہمیشہ یہی کرتے رہیں گے۔

عظیم نعمت

اہل ایمان کو تو ہم نے ایک نہایت ہی عظیم اور بڑی نعمت سے نوازا ہے کہ انہیں ایک کامل رہبر اور رہنما عطا فرمایا ہے جو بہترین قائد ہے، بہترین معلم ہے جس نے اپنے غلاموں کو انسانی اقدار کی تعلیم دی، بہترین عادات و اطوار کی دولت سے مالا مال کیا۔ خزانۂ تہذیب و تمدن کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے، دریائے علم و عمل کا رخ ان کی طرف کر دیا انہیں قیادت و حکومت کے طریقوں سے روشناس کیا۔ دیانت و امانت کے اہم اصول زندگی انہیں عطا فرمائے استقلال و استقامت کا انہیں مستحکم و مضبوط پہاڑ بنایا۔ صبر و قناعت کا انہیں پیکر بنایا۔ انسانوں کو انسانوں سے ملنا جلنا سکھایا، چھوٹوں کو بڑوں کے احترام کی تعلیم دی، بڑوں کو چھوٹوں پر شفقت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا حکم دیا، انسانوں کے باہمی حقوق کا تعین کیا، حلال و حرام میں امتیاز کی تاکید فرمائی۔ معاشرے میں بدامنی، انتشار و افتراق پیدا کرنے والے اسباب و اعمال کی بیخ کنی فرمائی، محبت و الفت کے پھول بکھیرنے کا درس دیا، جس کے سایۂ رحمت میں دوستوں ہی کو نہیں دشمنوں کو بھی پناہ ملی، انسان ہی نہیں جانور بھی فیض یاب ہوئے۔ جس نے انسان کو حکومت، سیاست، تجارت، قیادت کے کامیاب اصول عطا فرمائے اس معلم کامل ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کو کتابِ مبین اس کے لائے ہوئے دین کو دین کامل قرار دیا گیا اور اس کے اقوال و اعمال، اس کی ایک ایک ادا کو اہل ایمان کے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًاؕ (الاحزاب:۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

اُسوۂ حسنہ

اُسوہ، کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے اَلْاُسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ یعنی پیشوا، رہنما، امام نیز فرماتے ہیں: اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ، لُغَتَانِ وَھُوَ مَا یَتَأَسّٰی بِهِ الْحَزِیْنُ اَیْ یَتَعَزّٰی بِهٖ وہ جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلی حاصل کرے یعنی غمگسار بہر حال اس کے لفظی معنی پیشوا، رہنما، امام یا غمگسار ہوں ہر معنی کا مصداق نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے کہ وہ ایسے کامل پیشوا امام اور رہنما ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں رہبری و رہنمائی فرماتے ہیں غمگسار ایسے ہیں کہ ہر امتی کا غم ان کا اپنا غم ہے جس پر قرآن کریم گواہ ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:۱۲۸)

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک رسول تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مؤمنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

میرے آقا ﷺ جیسا غمگسار، غمخوار، پیشوا نہ ہوا نہ ہوسکتا ہے آپ نے ہماری رہبری و راہنمائی کرتے ہوئے ہماری قوت و استطاعت کو ملحوظ رکھا ہر قسم کی محنت و مشقت سے بچانے کے لئے ہمیں دین یُسر عطا فرمایا وہ شریعت مطہرہ عطا فرمائی جس پر ہمارے لئے عمل نہایت ہی سہل و آسان ہو حتیٰ کہ ہمیں مشقت سے بچانے کے لئے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو بھی ہمارے لئے فرض یا واجب قرار نہ دیا مثلاً میرے رحیم آقا ﷺ کو نماز تراویح بے حد پسند تھی دو رات آپ نے اسے جماعت سے ادا کیا چونکہ صحابۂ کرام کو اس نماز میں بے حد لطف آیا اس لئے وہ تیسری رات بھی جمع ہوئے لیکن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف نہ لائے تو انہیں خیال ہوا کہ شاید آپ آرام فرمانے لگے، لہٰذا ان میں سے بعض نے کھکارنا شروع کیا تا کہ حضور علیہ السلام کو ان کے جمع ہونے کی خبر ہو جائے لیکن پھر بھی اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز نہ ہوئے صبح آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''مَازَالَ بِکُمُ الَّذِیْ رَأَیْتُ مِنْ صَنِیْعِکُمْ'' تم لوگ جو کچھ کر رہے تھے میں دیکھ رہا تھا لیکن ''خَشِیْتُ اَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْکُمْ'' مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے کیونکہ ''وَلَوْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ'' اگر فرض کر دی جاتی تو اس کی پابندی تم پر دشوار ہو جاتی پس اب تم اپنے گھروں میں اس نماز کو پڑھا کرو۔ دوسری مثال ملاحظہ ہو میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں ''لَوْلَا اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَ مَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ وَالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ'' اگر مجھے اپنی امت کی دشواری کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں نماز عشاء رات کو دیر سے پڑھنے اور ہر نماز سے قبل مسواک کرنے کا حکم دیتا یعنی واجب کر دیتا گویا سرکار کو یہ پسند ہے کہ عشاء کی نماز رات کو کچھ دیر سے (نصف شب سے قبل) پڑھی جائے (ہماری طرح نہیں کہ وقت شروع ہوا اور کھڑے ہو گئے) نیز آپ ﷺ کو مسواک بے حد مرغوب و پسند ہے۔ آپ ﷺ اپنی پسندیدگی کا اظہار تو فرما رہے ہیں تا کہ ہم بھی پسند کریں اور عمل کریں لیکن آپ ان دونوں کاموں کے کرنے کا حکم نہیں دے رہے لازمی قرار نہیں دے رہے کہ اگر ہم نہ کریں تو گناہگار ہوں صرف

ہمیں دشواری سے بچانے کے لئے صرف نہیں گناہ ... بچانے کے لئے۔ یہ ہیں غمگسار آقا ﷺ۔

ذرا ایسی چند تعلیمات بھی بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غمخوار آقا ﷺ ہمیں اس طرح چھوٹی چھوٹی چیزیں بتا رہے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بچے کو بتاتا اور سکھاتا ہے تاکہ ہم ممکنہ تکلیف اور حادثہ سے محفوظ رہیں، ملاحظہ فرمایئے:

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ جُحْوْرٍ۔

کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔

اس لئے کہ ممکن ہے اس میں کوئی زہریلا کیڑا ہو وہ نکل کر ایک دم کاٹ لے یا ممکن ہے کہ کوئی بے ضرر کیڑا ہو اور وہ مر جائے جیسے چیونٹی وغیرہ۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ۔

کہ (کچھ پیتے ہوئے) برتن میں سانس لی جائے یا پھونکا جائے۔

کہ اس سے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جن سے بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہے اپنے کھانے پینے کی اشیاء کو جراثیم سے پاک وصاف رکھو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا:

اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ۔

کوئی ایسی چھت پر نہ سوئے جس کی چہار دیواری نہ ہو۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غلام نیند کے نشہ میں چلتا ہوا گر جائے، لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

میرے آقا ﷺ نے "رات کو پانی ڈھک کر رکھنے کا حکم دیا" کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی زہریلا کیڑا منہ ڈال دے اور تم اسے استعمال کر کے کسی بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ فرمایا کہ رکھے ہوئے "برتنوں کو دھو کر استعمال کرو" تاکہ کسی کیڑے وغیرہ کا زہر اگر ہو تو صاف ہو جائے غرضیکہ غمخوار وغمگسار آقا ﷺ نے غلاموں کو ممکنہ تکالیف سے بچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں تک بیان فرما دیں اسی طرح آپ نے عبادات و معاملات، معاشرتی و معاشی سیاسی و تنظیمی امور سے متعلق جو احکامات عنایات فرمائے اگر آپ ان پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان تمام احکام میں حقوق، امن، سکون، عزت و وقار، باہمی میل ومحبت غرضیکہ ہر اعتبار سے ہمارے آرام وآسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ جس آقا ﷺ کی غلامی کا ہمیں شرف بخشا گیا ہے وہ بلاشبہ ہمارے لئے "اُسوۂ حسنہ" غمخوار، رہنما ورہبر نہایت کامل قائد ہیں۔

اُسوہ، کے ایک معنی عام اور معروف ہیں نمونہ "اُسوۂ حسنہ" ایسا نمونہ جو ہر اعتبار سے کامل و مکمل بھی ہو اور حسن و

جمال کا پیکر بھی جس میں کوئی نقص وعیب، اہل علم، اہل حکمت، اہل خیر دو عقل کو ہی نہیں، جاہلوں اور بے عقلوں کو بھی ڈھونڈے نہ مل سکے جس کے کمالات کا اعتراف اپنوں ہی کو نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی کرنا پڑے جس کے سانچہ میں ڈھل جانا اشرف المخلوقات ہونے کی سند ہو عزت وعظمت کی ضمانت اور فلاح و بہبود کا مژدہ ہو اس وسیع معنی کے اعتبار سے صرف بے عیب خالق کی پیدا کردہ بے عیب ذات، محبوب رب العٰلمین، رحمۃ للعٰلمین، سید المرسلین ﷺ کی ہے جو اُسوۂ حسنہ کہلانے کے مستحق قرار پاتے ہیں اور بلاشبہ قرآن کریم نے آپ ہی کو ''اُسوۂ حسنہ'' فرمایا ہے۔

رب کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''اُسوۂ حسنہ'' قرار دے کر آپ ﷺ کی عزت وعظمت، آپ کی رفعت اور کامیاب قیادت کو بھی واضح کر دیا، آپ ﷺ کے بیمثال حسن و جمال کا اعلان بھی فرما دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ خالق کو وہی بندے پسند ہیں، وہی خالق کے انعامات کے مستحق قرار پائیں گے وہی کامیاب و کامران ہوں گے وہی باعزت و باوقار ہوں گے انہی کی زندگی پرسکون و پرامن ہوگی جو اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کریں گے اور ڈھالیں گے کہ یہ نمونہ ہیں ان بندوں کے لئے جو اللہ کو مطلوب اور پسند ہیں پس جو اللہ کا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے اسے ان کی تعلیمات کی پابندی کرنا اور ان کی اداؤں کو اپنانا لازمی ہے لیکن یہ کام وہی کرے گا جسے اللہ کے دربار میں حاضری اور قیامت کے دن اپنے اعمال کی پوچھ گچھ کا یقین ہوگا اور جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتا رہتا ہوگا گویا اس نمونہ کو اپنانا علامت ہے یا ثبوت ہے مؤمن باللہ ہونے کا مؤمن بالآخرت ہونے اور ذاکر باللہ ہونے کا۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ﴿۲۱﴾ (الاحزاب:۲۱)

(یہ بہترین نمونہ ہے) اس کے لئے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ ہونے کا اعلان جس موقع اور جن حالات میں کیا گیا وہی آپ کی اس عظیم خوبی کے ثبوت اور وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ غزوۂ خندق کا موقع ہے، خندق کھودی جارہی ہے۔ آقا و غلام، دونوں ایک حال میں نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے ہاتھوں میں کدال ہے تو آقا کے دست مبارک میں بھی غلام مٹی کا ڈھیر سروں پر اٹھا اٹھا کر پھینک رہے ہیں تو آقا بھی اسی عمل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ غلاموں کے جسم خاک سے اَٹے ہوئے ہیں تو آقا کا جسم مقدس معطر، مطہر، منور بھی خاک سے اَٹا، مٹی کے ڈھیر میں موتی کی طرح چمکتا نظر آرہا ہے۔ غلام بھوکے پیاسے محنت و مشقت سے کام کر رہے ہیں تو آقا ان سے زیادہ بھوکے پیاسے ہیں کہ غلاموں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر ہے تو آقا کے مبارک پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ جس سرد و خنک ہوا کے تھپیڑے غلاموں کو لگ رہے ہیں وہی ٹھنڈی ہوائیں آقا کے مبارک جسم کو بھی بوسہ دے رہی ہیں یقیناً یہی ہوائیں جنت کی ہوائیں بنی ہوں گی یہی وہ رَوح و ریحان ہوگی جو اہل جنت کی غذا بنے گی، ﷺ۔

غزوۂ احزاب میں میرے آقا ﷺ کی یہ کیفیت اُسوہ ہے مسلم افواج کے ان سالار و قائدین کے لئے جو فوجی

ہونے کے باوجود بڑے نازک اندام نظر آتے ہیں۔ سپاہی ان کے حکم پر جان کی بازی لگاتے ہوتے ہیں اور یہ اپنے صاف و شفاف اور محفوظ دفاتر میں جنگی حالات کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں ہر ایک موت پر صرف آگ بگولہ ہوتے اور زندہ سپاہیوں کو اپنی آتش غضب کا شکار بناتے ہیں ان پر برستے ہیں بزدل کہتے ہیں، نمک حرام کہتے ہیں جبکہ ان کے یونیفارم پر خون تو درکنار خاک بھی نظر نہیں آتی سپاہی خون کی ندیاں بہاتے ہوتے ہیں اور ان کے جسم سے پسینہ کا ایک قطرہ تک نہیں ٹپکتا، پھر بھی میڈل کے حق دار یہی قرار پاتے ہیں جو ان کے سینہ پر جڑے ہوتے ہیں۔ سپاہی بھوکے پیاسے اپنی گردنیں کٹاتے ہوتے ہیں اور سالار اعظم کی ٹیبل پر کھانے اور مشروبات کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں جنہیں غذا کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھوکے لڑتے ہوتے ہیں اور قائدین کرام گلے گلے کھا کر خراٹے لیتے ہوتے ہیں۔ کاش یہ اس کی تقلید کرتے جس کو خالق حقیقی نے ان کے لئے اُسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا تو یہ یقیناً اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہوتے اور نصرتِ الٰہی سے فتح و کامرانی ان کی قدم بوس ہوتی اور آج امت مسلمہ حقیر و خوار نہ نظر آتی۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسوۂ حسنہ قرار دیا لہٰذا آپ ﷺ کی زندگی کو اس قدر کامل و مکمل کیا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ سے رہبری اور راہنمائی حاصل کی جا سکے پس جو بہترین باپ بننا چاہتا ہے وہ باپ کی حیثیت میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ حاصل کرے جو اچھا شوہر بننا چاہتا ہے وہ بحیثیت شوہر آپ کی زندگی کو نمونہ بنائے اسی طرح ایک تاجر، ایک کسان، ایک صنعتکار، ایک قائد، ایک حاکم، ایک سالار، ایک دوست، ایک بھائی، ایک بیٹا غرضیکہ سب ہی اس اسوۂ حسنہ ﷺ کو اپنے لئے نمونہ بنا کر کامیابی و کامرانی عزت و عظمت کی ضمانت حاصل کر سکتے ہیں، ﷺ۔

جب تک انسان کو یہ اسوۂ حسنہ نصیب نہ ہوا تھا انسان، انسان نہ تھا جانور سے بدتر تھا، درندہ تھا، وہ خود کھانا جانتا تھا کسی کو کھلانا نہ جانتا تھا وہ اپنی نفسانی خواہشات کا غلام تھا اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہ دوسروں کی عزت آبرو، جان و مال تک کی پروانہ کرتا تھا جو ملتا اور جس کا ملتا اس سے اپنے پیٹ کا جہنم بھر لیتا تھا۔ ماں، بیٹی، بہن کا امتیاز کئے بغیر اپنے نفس کی خواہش پوری کر لینا اس کے لئے ایک معمولی کام تھا۔ فتنہ و فساد اس کی عادت تھی۔ بدامنی و انتشار، لوٹ، مار، قتل و غارت گری نے اس کو درندہ بنا دیا تھا۔ شراب، جوا اور بدکاری اس کی تہذیب، اس کا تمدن تھا۔ معاشرتی و معاشی افراتفری اور بدحالی کے گھٹے ہوئے ماحول میں یہ دم توڑ رہا تھا۔ مذہبی اعتبار سے یہ اس قدر ذلیل و خوار تھا کہ اپنے ہی ہاتھ سے تراشی مورتیوں، کیڑوں، مکوڑوں، جانوروں، درخت، آگ، پانی کے من گھڑت دیوتاؤں کے سامنے اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ سوچئے کیا یہی انسان ہے جسے اللہ نے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا، کیا یہی انسان اللہ کا محبوب و پسندیدہ ہے نہیں ہرگز نہیں خالق حقیقی کو جو انسان مطلوب اور پسند ہے وہ وہی ہے جس کے لئے اس نے اپنے فضل و کرم سے ایک اسوۂ حسنہ مبعوث فرمایا کہ جو ہمارا محبوب و پسندیدہ بننا چاہتا ہے وہ اس نمونہ کو اپنائے اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنائے اس کے احکام کی تعمیل کرے پس وہ مطلوب و پسندیدہ ہو جائے گا۔

جب یہ اسوۂ حسنہ دنیا میں تشریف لایا تو وہ جن کی فطرت میں انسانیت کی قدرے رمق باقی تھی جو لاشعوری طور پر انسانی اقدار واطوار کی تلاش میں تھے۔ وہ آگے بڑھے انہوں نے اسوۂ حسنہ کا بغور جائزہ لیا پس انہیں پتہ چلا کہ کس کے سامنے ان کا سر جھکنا چاہئے ان کی آنکھیں کھلیں معبودان باطلہ کی حقیقت سے پردہ چاک ہوا اور وہ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ انہیں پتہ چلا کہ انسان کو انسانوں کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے پس انہوں نے اپنے ماں باپ، بہن بھائی، اعزاء واحباب کو پہچانا ہر ایک کا حق جانا اب وہ آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرنے لگے، محبت کرنے لگے، امن وسکون کی زندگی انہیں میسر آ گئی۔ اب انہیں زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں کا احساس ہونے لگا انہوں نے اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا کو اپنایا اس کے احکام کی تعمیل کی پس وہ ایک دوسرے کی عزت وآبرو کے محافظ بن گئے باعزت وباوقار ہو گئے۔ دنیا ان کی عزت کرنے لگی، اپنے ان سے محبت کرنے لگے، غیر ان سے خوف کھانے لگے:

دنیا و دیں میں کیا ہے تعلق بتا دیا
امت کو انتہا کا تمدن سکھا دیا

اس اسوۂ حسنہ کے حسن و جمال نے تاریک دنیا کو روشن کر دیا اس کی کرنوں نے سیاہ دلوں کو چمکا دیا۔ علم وحکمت، تہذیب وتمدن کی دولت سے انسان مالا مال ہو گیا اب جو محتاج تھے وہ دوسروں کی حاجت روائی کرنے لگے۔ جو بھکاری تھے ان کے در پر بھکاریوں کی بھیڑ لگنے لگی اسی اسوۂ حسنہ کو اپنانے والوں میں سے کوئی صدیق بنا کوئی فاروق تو کوئی غنی اور کوئی حیدر کرار یہ سب کرنیں ہیں اسوۂ حسنہ کے حسن و جمال کی جن کے واسطہ ووسیلہ سے آج سارا عالم فیض یاب ہو رہا ہے اور قیامت تک یہ فیض جاری رہے گا اس اسوۂ حسنہ کو اپنانے والے ہر دور میں باعزت رہے ہیں اور یہ ہر دور میں اہل ایمان کے لئے پرسکون اور باوقار زندگی کا ضامن ہے لیکن پانی کی قدر پیاسا ہی کرتا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ کی قدر اسی نے کی اور یہ وہی کرے گا جو متلاشی حق ہو جو منزل کی تلاش میں بھٹک رہا ہو اس کے دل میں ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہو اسے رب حقیقی کے دربار میں حاضر ہونے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کا یقین بھی ہو وہ خوفزدگی کی اس کیفیت میں رب کو یاد بھی کرتا ہو لیکن اسے کوئی منزل تک پہنچانے والا نہ ہو اس اندھے کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو کہ اچانک اسے اسوۂ حسنہ کے حسن کی جھلک نظر آتی ہے پس وہ لپکتا ہے بالکل پیاسے کی طرح جو پانی کو دیکھ کر اس کی طرف لپکتا ہے پس پیاسا اپنی پیاس بجھا کر سکون کی سانس لیتا ہے اور یہ متلاشی منزل اسوۂ حسنہ کو پا کر اپنی منزل پا لیتا ہے، ﷺ۔

لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ؕ (الاحزاب:۲۱)

(یہ اسوۂ حسنہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کا یقین رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھتا ہے۔

یہی اسوۂ حسنہ ہے جس کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے ''وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ'' بیشک آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں اور اسی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رفیقہ حیات، مزاج دان ومحرم راز، روح

قرآن کی شناسا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''خُلُقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْاٰنُ'' بیشک حضور علیہ السلام کا خلق عظیم قرآن کے عین مطابق تھا یعنی اس اسوۂ حسنہ کی ہر ادا، مرضی رب کے عین مطابق تھی پس جس نے بھی اور جب بھی اس اسوۂ حسنہ کو اپنایا اس کی ساری زندگی رب کی رضا کے مطابق ہوگئی اسے رضائے رب نصیب ہوگئی اور یہی منزل تو ہے جس کی تلاش میں انسان مارا مارا پھر رہا تھا اور یہی منزل تو ہے جس کو پا لینے والا ''حیٰوۃ طیبہ'' پالیتا ہے، پرسکون و باعزت زندگی پالیتا ہے انہی خوش نصیبوں کے لئے مژدۂ قرآنی ہے: ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' وہ ہر قسم کے خوف وغم سے آزاد ہیں:

ہم فقیروں پر جو لطفِ مصطفیٰ ہو جائے گا — مسند شاہی ہمارا بوریا ہو جائے گا
سرد ہو جائے گی یکسر حشر میں نارِ سقر — رونق افزا تو جو ابرِ عطا ہو جائے گا
ہے یقیں طوفانِ محشر سے نہ پہنچے گا ضرر — کشتیِ امت کا جو تو ناخدا ہو جائے گا

یہی اسوۂ حسنہ ہے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ہر دور کے اور ہر جگہ کے انسانوں کے لئے حاکم مطلق اور مطاع مطلق قرار دیا جا سکتا ہے ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' جو رسول دے وہ لے لو اور جس سے رسول روکے رک جاؤ اور جس نے ایسا کیا اس نے اللہ کو راضی کر لیا۔ ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ کسی کا مطاعِ مطلق ہونا ایک عظیم و اہم ترین منصب ہے کہ جو وہ کہے بلا تامل تسلیم کر لو اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا اور اس کی اداؤں کو اپنانا، دنیاوی عزت اور آخروی نجات کی ضمانت ہو یہ منصب کسی عام انسان کو نہیں مل سکتا جس کی زندگی عام انسانوں جیسی ہو جس کا علم عام انسانوں جیسا ہو جس کی خواہشات و ضروریات عام انسانوں جیسی ہوں تو اسے اتنا اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے کہ اس کے وضع کردہ اصول زندگی تو ظنی ہوں گے کیونکہ ہر انسان کا علم ظنی ہی ہوتا ہے اسے اتنا خودمختار کیسے بنایا جا سکتا ہے کہ وہ تو فطرتاً اپنے ذاتی مفادات، اپنی خواہشات کے حصول اور اپنی ضروریات کی تکمیل کو پیش نظر رکھے گا وہ عام انسانوں جیسا ہوگا تو اس کا کردار بھی یقیناً عام انسانوں جیسا ہی ہوگا۔ وہ غلطیاں بھی کرے گا، سچ بولے گا تو جھوٹ بھی بولے گا، عدل و انصاف کرے گا تو ظلم و ستم بھی کرے گا ایسا قائد اپنی قوم کو فلاح و بہبود کی منزل تک کیسے پہنچا سکتا ہے انسانوں کا رہبر و راہنما تو صرف اور صرف وہ انسان بن سکتا ہے جو انسان ہونے کے باوجود ان جیسا نہ ہو انسان ہونا تو ضروری ہے تا کہ انسان اس کے گرد جمع ہوں اس کی آواز پر لبیک کہیں اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ ہوں اس سے محبت کریں لیکن ایسا انسان ہونا چاہئے جس کا علم یقینی ہو لا محدود اور غیر متناہی ہو کہ اس کے دیئے ہوئے قوانین و اصول زندگی قوانین الٰہیہ کہلائے جا سکیں اور ان میں تبدیلی کا نہ کسی کو حق ہو اور نہ ہی ضرورت ہو ''لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ'' کا مصداق ہوں اس سے کسی قسم کی غلطی کا امکان نہ ہوتا کہ اس سے اطاعت کا رشتہ جوڑنے والوں کو اپنی کامیابی و کامرانی کا مکمل یقین ہو اور وہ بلا تامل، بلا تذبذب مکمل اطمینان اور مکمل اعتماد کے ساتھ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں۔ وہ اپنے اقوال و اعمال کا نمونہ ہوتا کہ اطاعت شعار بآسانی اس کی اطاعت و فرمانبرداری کر سکیں وہ علم و عمل، تہذیب و تمدن کا منبع

وسرچشمہ ہوتا کہ قوم اس سے سیراب ہو سکے یہ تمام خوبیاں تو صرف اور صرف ایک ہی انسان میں پائی جاسکتیں ہیں وہ بھی اس کی حاصل کردہ ذاتی اور کسبی نہیں ہوتیں بلکہ وہبی ہوتی ہیں، عطائی ہوتی ہیں، اللہ کی طرف سے دی جاتی ہیں، اسی انسان کامل کو رسول کہا جاتا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں سے مزین وآراستہ کر کے دنیا میں اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ علی الاطلاق اس کے احکام کی پابندی کریں''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ''اور ہم نے کسی رسول کو مبعوث نہیں فرمایا مگر صرف اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔

رسول خالق حقیقی اللہ وحدہ لاشریک کا فرستادہ ہوتا ہے کہ یہ تو خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے حاکم و مطاع میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں، پس وہ خود ہی اپنے فضل وکرم سے حاکم کا تعین فرماتا ہے اور اس کو مطلوبہ خوبیوں اور کمالات سے نوازتا ہے لہٰذا یہ حاکم نہ صرف انسان کی عظمت وشرافت کا ضامن ہوتا ہے بلکہ انسان کی عظمت وشرافت کا دارومدار اسی مطاع مطلق کی اطاعت وفرمانبرداری پر ہوتا ہے کہ جو اس کا غلام بن گیا وہ یقیناً کامیاب وکامران ہو گیا، بامراد ہو گیا، منزل کو پا گیا اور جو اس کا باغی ہوا وہ انسان ہو کر بھی جانوروں سے بدتر ہو گیا کہ وہ اس وسیلۂ جلیلہ سے محروم ہے جس سے وہ احکام الٰہی جان سکتا تھا وہ اس معلم کامل سے محروم ہے جس سے وہ انسانی اقدار اور اخلاق کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا وہ اس مربی سے محروم ہے جو اسے کھانے پینے، سونے جاگنے اور زندگی بسر کرنے کے ڈھنگ سکھاتا اور بتاتا کہ جس کے عمل کا مقصد سوائے فطری تقاضوں کی تکمیل کے اور کچھ نہیں اس کی زندگی صرف خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے لئے ہے پس وہ جانوروں سے بھی بدتر زندگی بسر کر رہا ہے۔

اے ایمان والو! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ اللہ نے تمہیں اپنے ایسے رسول کے دامن سے وابستہ کر دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر جگہ کے لوگوں کے لئے کافی ہیں جس نے تمہیں ایک ابدی نظامِ حیات عطا فرمایا ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور تمہاری عزت وعظمت کا ضامن ہے پس تم اسی کو اپنا حاکم، قائد اور رہبر تسلیم کرو اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور اس کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اُسے اپنا حاکم وقائد بناؤ جو اتقی ہو نبی کے عطا کردہ قوانین واصول زندگی کا سب سے زیادہ پابند ہو کہ اس کی اطاعت درحقیقت رسول ہی کی اطاعت ہوگی تم اطاعت شعار بنو تو ہر حال اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی تم کامیاب وکامران ہو گے۔ دیکھو کفار ومنافقین کی ہرگز نہ سنو یہ اپنے مکروفریب کا جال پھیلا رہے ہیں، بزدل ہیں، بہکاتے ہیں، بزدلی کی باتیں کرتے ہیں، باغی ہیں بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں تم اپنا مرکز نگاہ صرف اور صرف ہمارے رسول کو بناؤ جو تمہارا قائد ہے، معلم ہے، مربی ہے جسے ہم نے تمہارے لئے بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے جس کی نورانیت تمہارے قلوب کو منور وروشن کر دے گی جس کی اطاعت تمہیں باوقار و بارعب بنا دے گی جس کی محبت تمہارے بازوؤں کو فولادی بنا دے گی جس کی استقامت تمہیں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم ومضبوط کر دے گی جس کی اتباع و پیروی تمہارے لئے اللہ کی حمایت ونصرت کا ذریعہ بنے گی جس کے دامن سے وابستگی تمہاری فلاح و بہبود کی ضمانت ہوگی اور دیکھو! ایسا ہی ہوا کہ جب کفار ومنافقین اپنی چالیں چل رہے تھے خوف وہراس پیدا کرنا چاہتے تھے افواہیں پھیلا رہے تھے تو

رب قدیر نے تمہاری مدد کی دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک ایسا لشکر نازل فرمایا جو تمہیں نظر نہ آتا تھا اور ایسی تند و تیز ہوائیں چلائیں جن سے دشمن کی ہوا اڑ گئی، ہمتیں پست ہوگئیں تم نے دیکھا کیسے کروفر سے وہ آئے تھے اور کیسے ذلیل وخوار ہو کر بھاگے کہ اپنا ساز وسامان تک چھوڑ گئے۔

اہل ایمان کا حال

جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اپنایا تو ان میں جو قوت و طاقت پیدا ہوئی جو جوش و جذبہ بیدار ہوا اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے:

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الاحزاب: ۲۲۔۲۴)

اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں مزید اضافہ کر دیا اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا پس ان جوانمردوں میں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور (خوف سے) ان کی حالت میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی تاکہ اللہ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمالے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ تھی میدانِ جہاد میں اہل ایمان کی کیفیت کفار و منافقین تو خوفزدہ تھے بھاگنے کے بہانے تلاش کر رہے تھے افواہیں پھیلا رہے تھے لیکن اہل ایمان کی نظریں اپنے آقا کے اسوۂ حسنہ ﷺ پر جمی ہوئی تھیں وہ دیکھ رہے تھے کہ ہمارے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا ہے تو ہمارے آقا ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں ہم محنت و مشقت کر رہے ہیں تو آقا ہم سے زیادہ کام کر رہے ہیں ہمارے جسم خاک میں اَٹے ہوئے ہیں تو آقا کا نورانی جسم بھی خاکی لباس سے چھپا ہوا ہے ہمیں رات کی سردلہریں اور دن کی خاک آلود ہوائیں مقصد سے نہیں ہٹا پا رہیں تو آقا بھی پیکر استقلال و استقامت بنے ہوئے ہیں جب اہل ایمان نے اسوۂ حسنہ کو اس حال میں دیکھا تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے انہوں نے لشکر دیکھا تو خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پکار رہے یہی تو وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے کیا تھا ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا'' آج ہمیں فتح مبین کا دن نظر آ رہا ہے کہ آج اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچ ہو کر رہے گا آج سے پہلے ہمارا مقابلہ کفار کے ایک ایک گروہ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا

رہا آج کافروں کے سب گروہ متحد و منظم ہو کر ہمارے سامنے موجود ہیں یقیناً اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہوگی اور ان پر ہم ایسے غالب ہوں گے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے علم اسلام بلند ہو جائے گا یہ اہل ایمان اپنے سامنے اتنا بڑا لشکر دیکھ کر قطعاً خوف زدہ نہ ہوئے بلکہ ''وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا'' ان کی قوتِ ایمان میں اضافہ ہوا جذبۂ تسلیم و رضا جوش مارنے لگا عشق ومحبت سے بھری آواز سے وہ پھر گانے لگے:

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

ہم ہی وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔

یہ مضطرب و بے چین منتظر تھے کہ کب ہمیں آقا ﷺ کا اشارہ ملے اور کب ہم اپنی تلواریں میانوں سے نکالیں اور فاتح بن کر غازی کہلائیں یا شہادت کی عظمت حاصل کر کے حیاتِ جاودانی پائیں یہ جذبۂ ایثار وقربانی ان کے لئے کوئی نیا نہ تھا ان میں بہت سے تھے جو پہلے ہی تمغۂ شجاعت و بسالت حاصل کر چکے تھے بہت سے تھے جنہیں یہ شرف حاصل تھا کہ ان کے باپ، بیٹے، اعزا و اقرباء جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ غزوۂ احد جیسے معرکے وہ سر کر چکے تھے ''فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ'' ان میں سے بہت سے اللہ کی راہ میں جانبازی و جانثاری کا وعدہ سچ کر کے دکھا چکے تھے ''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ'' اور بہت سے ایفائے عہد کے موقع کا انتظار کر رہے تھے ان کے عزم و ہمت میں مرورِ زمانہ کے باعث کوئی تبدیلی نہ آئی تھی ان کے یہ جذبات صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے رسول کے لئے تھے انہیں کفار و منافقین کے انجام کی پروا نہ تھی ان کا حال انہوں نے اللہ کے سپرد کیا ہوا تھا کہ اللہ چاہے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دے اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو اللہ چاہے تو انہیں معاف فرما دے۔

ایثار صحابۂ کرام

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیکر ایثار وقربانی تھے جانثاری و جانبازی ان کا وطیرہ تھی، اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہی ان کا مقصد حیات تھی۔ تاریخ اسلام ان مجاہدین کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے جن کا مطالعہ امت مسلمہ کے ایمان میں تازگی پیدا کرتا ہے، جذبۂ حفاظتِ اسلام بیدار کرتا ہے جس سے اہل ایمان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اپنے اَسلاف کی شجاعت و بسالت کے کارنامے پڑھ کر ان کے سر فخر سے بلند ہو جاتے اور ایمان و روحانی قوت سے وہ مالا مال ہو جاتے ہیں کون نہیں جانتا ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی کے ایثار وقربانی کے واقعات کسے نہیں معلوم آل یاسر، ابو ہریرہ و بلال اور ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دردناک داستانیں یہی حضرات ہیں جنہوں نے اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور آہ نہ بھری۔ ان حضرات کے ایثار وقربانی کے واقعات تاریخ اسلام میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہیں اور اہلِ ایمان کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں اس پر عمل پیرا ہونے والے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے یہ سلسلہ جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ بحمد اللہ اہل ایمان میں ایثار وقربانی کا جو جذبہ موجود ہے کسی دوسری قوم میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہی جذبہ جب سرد ہو جاتا ہے تو اسلام دشمن قوتیں ابھرنے لگتی اور مسلمانوں کا شکار کرنے لگتی ہیں اور جونہی اس جذبہ میں حرارت پیدا ہوتی ہے

تو ایک لاوا پھٹتا ہے جو اسلام کے دشمنوں کا صفایا کر کے امت مسلمہ کو باوقار و باعزت زندگی فراہم کرتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارا دور اسی جذبۂ ایثار کی سرد مہری کا دور ہے ذاتی اغراض، ذاتی مفادات کی ہم پر ایسی برفباری ہوئی کہ اس نے ہمیں منجمد کر کے ایک تودہ بنا دیا ہے بے حرکت تودہ، بے حس تودہ جسے نہ کسی کے لعن طعن سے غیرت آتی ہے اور جو نہ کسی کی دھکا کمی سے حرکت کرتا ہے۔ محافظین اسلام کی یہ حالت ہو جانے کے باعث ظاہر ہے جس کا جو دل چاہتا ہے ہرزہ سرائی کرتا ہے جو چاہتا ہے بکتا ہے لیکن اسلام کی جڑیں اسلاف کے ایثار و قربانی سے اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ وہ موسم خزاں کے طوفان باد و باراں سے قطعاً متاثر نہیں ہر خزاں کے بعد بہار آنا یقینی ہے بیسویں صدی اسلام کے لئے موسم خزاں ثابت ہوئی۔ اکیسویں صدی کا آغاز ہوا چاہتا ہے حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ انشاء اللہ مستقبل اسلام کے لئے موسم بہار ہوگا۔

ایثارِ صحابہ کے واقعات تاریخ اسلام کا ایک سنہرا باب ہیں جو قابل فخر بھی ہے اور قابل تقلید بھی ہے جو اہل ایمان کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتا اور خدمتِ اسلام کی دعوت دیتا ہے یہاں صرف دو واقعہ پیش خدمت ہیں کیا عجب یہ ہمارے کسی ایسے اقدام کا سبب بن جائیں جو ہمارے لئے دنیا کی عزت اور آخرت کی نجات کا باعث ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جن کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا۔ باپ کے بڑے لاڈلے تھے، بڑے ناز و نعم سے پلے تھے۔ نہایت خوش پوش تھے ہر وقت زرق برق قیمتی لباس میں نظر آتے تھے۔ اللہ نے کرم فرمایا اور خدمت اسلام کے لئے منتخب فرما لیا مشرف بآسلام ہو گئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ آقائے کائنات ﷺ کے در کی چاکری اختیار کر لی نہ وہ تکلفات رہے نہ کر و فر، چند ہی دن میں اتنی تعلیم و تربیت حاصل کر لی کہ اسلام کے پہلے مبلغ ہونے کا اعزاز نصیب ہوا کہ آپ ہی کو سب سے پہلے تبلیغ اسلام کے لئے مدینہ منورہ روانہ کیا گیا۔ ان کی تبلیغی مساعی بارآور ہوئیں اور چند ہی دن میں مدینہ منورہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ اوس و خزرج کے کئی سردار آپ کی ہی تبلیغ سے مشرف بآسلام ہوئے۔ غزوۂ احد کے متوالے سپاہیوں میں یہ بھی شریک تھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا، شوق شہادت میں مست ہر اس مقام پر نظر آ رہے تھے جہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کوئی خطرہ محسوس ہوتا تھا بالآخر داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ جنگ ختم ہوئی تو آقائے رحمت ﷺ اسلام کے اس سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے حضور یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔'' فَاْتُوْهُمْ فَزُوْرُوْهُمْ پس اے لوگو تم ان کے پاس آؤ اور ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْهِمْ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْهِ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا وہ جواب دیں گے۔

افسوس کہ جن کے دربار میں حاضری کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا آج ان کے مزارات امت کی نظروں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں ان کے قریب پہنچنا ناممکن بنا دیا گیا ہے لیکن اہل ایمان جتنا بھی قریب ہو سکتے ہیں قریب ہوتے ہیں اور سرکار کے ارشاد کے مطابق ان محافظین اسلام کو سلام پیش کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ شہداء کرام سلام کا جواب دیتے ہیں اور جن پر اللہ کا خصوصی کرم ہے وہ اس جواب سلام کو سنتے بھی ہیں۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انہیں بے حد ملال تھا اور بے چینی سے منتظر تھے کفار کے ساتھ کسی معرکہ کے جس میں انہیں اپنی شجاعت و بسالت کے کرتب دکھانے اور مقام شہادت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے چنانچہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے بڑی تن دہی اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہید ہو جانے کی افواہ نے بڑے بڑے بہادر سپاہیوں کے حوصلہ پست کر دیئے تھے اس وقت بھی یہ پورے جذبہ کے ساتھ تلوار چلاتے نظر آ رہے تھے۔ ایک مقام سے گزرے تو چند سپاہیوں کو افسردہ بیٹھے دیکھا پوچھا اس طرح بیٹھے کیا کر رہے ہو جواب ملا اب حضور شہید ہو چکے سب کچھ بیکار ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں اگر حضور شہید ہی ہو گئے ہیں تو اب ہم تم زندہ رہ کر کیا کریں گے اٹھو، اٹھو آؤ اسی مقصد کے لئے جان دے دو جس مقصد کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان دے دی یہ کہا اور تلوار چلاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ غمزدہ ساتھیوں کا جذبہ بھی بیدار ہوا اور وہ بھی میدان میں آ گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ تلوار چلاتے ہوئے بار بار کہتے کہ "مجھے اُحد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے" بالآخر مراد بر آئی اور اس محسنِ امت نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ حال یہ تھا کہ کوئی عضو اس حال میں نہ تھا جس سے ان کی نعش کو پہچانا جا سکتا ان کی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا جب ان کے جسم پر زخم گنے گئے تو اسّی سے زیادہ تھے۔

یہ ہیں وہ نفوس قدسیہ جن کی صداقت اور ایفائے عہد کی گواہی قرآن دے رہا ہے "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنھوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔

انجام جنگ

کفار و منافقین کی افواہوں، بزدلی اور خوف و ہراس کی باتوں کے باوجود اہل ایمان کے قدم نہ ڈگمگائے وہ نہایت استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے اور انتظار کرتے رہے کہ کب انہیں اللہ کا رسول، جرأت و بہادری کے کرتب دکھانے اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ انہیں اس میدان سے یا تو عزت و وقار کے ساتھ فاتح و غازی بن کر واپس ہونے کا موقع ملے اور یا وہ شہید ہو کر حیات جاودانی کے حق دار بنیں لیکن اللہ رب العزت نے اپنے مخلص بندوں پر کرم فرمایا اور انہیں اس فتح و نصرت سے نوازا جو بصورت جنگ حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿ۚ۲۵﴾ (الاحزاب:۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ وہ پیچ و تاب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مؤمنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔

اللہ کے بندے اللہ پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ اپنے فضل و کرم سے ضرور ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے انہیں ہر قسم کی تکلیف و مضرت سے محفوظ رکھتا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ

اسے کافی ہوتا ہے اور جسے اللہ کافی ہوگیا اسے کس کا خوف، کس کا ڈر اہل احزاب کے پاس نہ تو ظاہر اور مادی وسائل تھے جس پر انہوں نے بھروسہ کیا ہو نہ ہی قوت وطاقت تھی وہ تو فاقہ مست عشاق رسول تھے جو آقا کے حکم کی تعمیل میں ایک ماہ سے زیادہ کھلے میدان میں پڑے ہوئے تھے نہ طوفانی موسم کا ان پر کوئی اثر تھا نہ بھوک وپیاس سے انہیں کوئی پریشانی طاقتور دشمن سامنے پڑاؤ ڈالے تھے لیکن انہیں نہ ان کا خوف تھا نہ ڈر، منافقین کی ہرزہ سرائی سے ان کے کان بندے تھے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے والے اللہ کے یہ بندے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت، تسبیح وتہلیل اور اپنے آقا کی اطاعت وفرمانبرداری میں مصروف تھے اگر چہ نہ تو کاروباری مصروفیت تھی اور نہ ہی اہل وعیال کی ذمہ داری پھر بھی ان حضرات کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا کہ جنگ جیسے مواقع ہی معلم کامل ﷺ سے علم حاصل کرنے اور مربی کامل ﷺ سے تربیت حاصل کرنے کے لئے نہایت موزوں ہوتے تھے کہ ان دنوں میں جتنی فرصت ہوتی تھی دیگر ایام میں اتنی نہیں ملتی تھی بس بغیر کسی پابندی کے ہمہ وقت غلام اپنے آقا کے گرد جمع رہتے اور استفادہ کرتے رہتے تھے کہ یہ وقت کا مفید ترین مصرف بھی ہوتا تھا اور دلوں کے سکون واطمینان کا بہترین ذریعہ بھی کہ ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے تاہم اللہ کے یہ سپاہی دشمن کی طرف سے غافل نہ ہوتے تھے دشمن کی حرکات سے اس کے ارادوں کو بھانپتے رہتے تھے یا جنگی اصول کے مطابق اپنے خفیہ مخبروں کے ذریعہ دشمن کے پروگرام سے باخبر رہتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حکیمانہ اقدام

اس ایک ماہ کے دوران تقریباً ہر روز ہی دشمن کی طرف سے تیراندازی وغیرہ کی صورت میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جس کا مجاہدین اسلام کے طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہتا تھا اس دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نہایت پراز حکمت اقدام فرمایا کہ آپ نے قبیلہ غطفان کے سردار عینیہ ابن حصین اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس اپنے قاصد کی معرفت پیغام بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، کیوں؟ (آگے چلئے، بتاتے ہیں) ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسب عادت، قبیلہ اوس وخزرج کے دو بزرگ صحابہ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو مشورے کے لئے طلب فرمایا۔ واقعہ بتا کر ان کا مشورہ طلب فرمایا ان حضرات نے پوچھا:

سوال:۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا یہ حکم الٰہی ہے کہ اگر اللہ کا حکم ہے تو ہماری کیا مجال کہ حکم عدولی کریں۔

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ تو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم تو کیا یہ آپ کا فیصلہ ہے کہ اگر آپ کا فیصلہ ہے تو غلام یقیناً پابندی کریں گے۔

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ تو کیا یہ صرف ہمیں جنگ کی مشقت ومحنت سے بچانے کے لئے ہے۔

جواب:۔ ہاں، یہی سمجھ لو کہ تم دونوں طرف سے گھرے ہوئے ہو میں چاہتا ہوں کہ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے۔
سرکار ﷺ کا یہ ارشاد سن کر دونوں جان نثار گویا ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ پر ہماری جانیں فدا ہوں ہم جب نہ اللہ کو پہچانتے تھے نہ آپ کو ہم بت پرست تھے۔ اس وقت بھی ہم نے کسی کو اپنے شہر کے پھلوں کا ایک دانہ بھی نہ دیا اب تو الحمد للہ ہم مؤمن ہیں، اللہ نے ہمیں آپ کا غلام بنایا ہے، عزت بخشی ہے، ایمانی قوت و طاقت سے مالا مال کیا ہے۔ اب تو کسی کافر کے لئے ہمارے پاس سوائے تلوار کے کچھ نہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سعد کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی پر اظہار مسرت فرمایا۔ قبیلہ غطفان کے نمائندے عینیہ اور حارث بھی اس وقت یہاں موجود تھے جوان مجاہدین کی گفتگو سن کر کانپ اٹھے اور انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اللہ کے ان شیروں سے مقابلہ آسان نہیں اور یہی حکمت تھی میرے آقا ﷺ کے اس اقدام میں۔

یہ ایک مہینہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کے لئے نہایت محنت و مشقت کا تھا کہ جنگ کا خطرہ تھا جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، جانبین کی طرف سے تیر اندازی کا بے ہنگم وقت بے وقت سلسلہ جاری تھا لیکن کوئی فیصلہ کن صورت سامنے نہیں آ رہی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس موقع پر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک رات میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ تھوڑی ہی دیر آرام کر پاتے تھے کہ میدان سے شور و شغب کی آواز آتی اور آپ باہر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں غزوۂ مریسیع، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رہی لیکن آپ کو کسی غزوے میں اتنی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑی جتنی غزوۂ خندق میں پیش آئی اور مجاہدین کو بھی شدید تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ کفار کی تیر اندازی سے کافی مسلمان زخمی ہوئے۔ کئی کئی رات سونے کا موقع میسر نہ آ سکا، سردی کی شدت اور بھوک پیاس کا مقابلہ بھی کرنا پڑا لیکن کسی کے پائے ثبات میں کسی وقت تزلزل نہ آنے پایا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا

مدینہ منورہ کی اکثر عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعہ میں پہنچا دیا گیا تھا تاکہ انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو ان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی رونق افروز تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک رات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے ملنے آئے میں نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ جس سے ان کے ہاتھ پیر محفوظ نہ تھے۔ میں نے سعد کی والدہ سے کہا انہیں پوری زرہ پہننا چاہئے تھی یا یہاں آنا نہیں چاہئے تھا۔ ان کی والدہ نے بیٹے سے کہا کہ میری فکر بالکل نہ کرو میں یہاں خیریت سے ہوں تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جلدی حاضر ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکار کو تمہاری ضرورت پیش آ جائے تم غیر حاضر ہو۔ سعد، ماں کے کہنے پر فوراً ہی واپس ہو گئے ابھی وہ راستہ میں تھے کہ دشمن کا ایک تیر آ کر ایسا لگا کہ ان کی رگِ اَکحل کٹ گئی بہت خون بہا۔ اس وقت وہ دعا کرنے لگے: ''یا اللہ! اگر آئندہ قریش کا کوئی حملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہونا مقدر ہے تو مجھے زندگی عطا فرما کہ میری تمنا ہے کہ میں اس قوم سے جنگ کروں جس نے

تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذاء پہنچائی ان کی تکذیب کی اور انہیں وطن سے نکالا اور اگر اب کوئی جنگ ہونے والی نہیں تو اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما لیکن میں اس وقت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں جب تک بنی قریضہ سے ان کی غداری کا انتقام لے کر مجھے سکون نہ مل جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے زخم خوردہ سپاہی کی دعا قبول فرمائی یہ واقعہ احزاب تو کفار کا آخری حملہ ثابت ہوا اور بنو قریضہ (جن کا واقعہ آگے آتا ہے) مغلوب ہوئے، گرفتار کئے گئے اور ان کا فیصلہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا (تفصیل آگے ملاحظہ ہو)۔

ذوالفقار کی چمک

جھڑپوں کا سلسلہ جاری تھا کفار اب تک اپنی جھوٹی قوت کے نشے میں مست جنگ کے لئے مضطرب تھے۔ ادھر اہل ایمان شہادت کا تصور لئے رب کریم سے حق کی فتح کے لئے دعائیں کر رہے تھے کہ اچانک ''هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ'' کیا کوئی ہے مقابلہ کرنے والا کی صدا آئی۔ جب دیکھا گیا تو یہ عمرو بن عبدود چلا رہا تھا، نوے سال کا خرانٹ بڈھا جنگ بدر میں زخم کھا کر بچ نکلا تھا۔ اسی وقت اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لوں گا سر میں تیل نہ ڈالوں گا۔ عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر طاقتور، بہادر مشہور تھا۔ انتقام کی آگ آج اسے موت کے منہ میں لے آئی تھی، خندق سے گھوڑا کدا کر اللہ کے شیروں میں آ پھنسا تھا۔ اسد اللہ، اللہ کے شیر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو تڑپ کر کھڑے ہوئے کہ انہوں نے تو ہر غزوے میں کوئی نہ کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا۔ اس غزوے میں اب تک کوئی ایسا موقع نہیں مل رہا تھا لہٰذا ایسے لپکے تھے جیسے واقعی پہلے سے ہی اس سنہری موقع کے منتظر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی! رکو! تم جانتے ہو کس سے مقابلہ کے لئے بڑھ رہے ہو۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیں۔ میں ہی اس سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں یہ کفر کی پوری طاقت ہے جو اس وقت میرا شکار ہے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے شیر کا بپھرنا دیکھا تو اپنی ذوالفقار (دو دھار تلوار) آپ کے ہاتھ میں دی اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ زیب کیا اور دعا کر کے رخصت فرمایا۔

اسد اللہ اپنی تلوار چمکاتے عمرو کے مقابل آئے تو تلوار کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور بوڑھا آپ کو نہ پہچان سکا پوچھنے لگا تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں ہوں علی بن ابی طالب! میں نے سنا ہے کہ تو نے وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر کوئی قریش تجھ سے دو چیزیں مانگے گا تو تو ان میں سے ایک ضرور دے گا پس میں تجھ سے دو چیزیں مانگتا ہوں۔ اول، تو مسلمان ہو جا۔ عمرو بولا نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا تو پھر آگے آ اور مجھ سے جنگ کر۔ بوڑھا بولا اے بھتیجے ایک تم مجھ سے بہت کم عمر ہو۔ دوسرے تمہارے باپ اور میرے باپ آپس میں بہت دوست تھے۔ اس لئے میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن! میں تیرا خون بہانے کے لئے بے چین ہوں اور آج تو میرے ہاتھ سے ہی ہلاک ہوگا۔ آپ کی یہ باتیں سن کر عمرو بلبلاتا گھوڑے سے اترا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی پیادہ تھے۔ تلوار کا تبادلہ شروع ہو گیا عمرو کا ایک وار اتنا سخت تھا کہ اس کی تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال اور عمامہ

کو کاٹتی ہوئی پیشانی پر لگی اگرچہ زخم خاص گہرا نہ تھا لیکن اس کا نشان آپ کی مبارک پیشانی پر ہمیشہ کے لئے یادگار بن گیا۔ جس سے آپ مزید خوبرو نظر آنے لگے۔ اس حملہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو للکارا اے عمرو! سنبھل جا، اب تیری موت آتی ہے یہ کہہ کر اتنا زبردست وار کیا کہ آپ کی ذوالفقار بجلی کی طرح کوندی اور دیکھتے ہی دیکھتے کافروں کا سورما ڈھیر ہو گیا۔ اللہ کے شیر نے فوراً اس کا سر کاٹ پھینکا۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو کے ساتھی عکرمہ، ہبیرہ، ضرار وغیرہ بھاگنے لگے۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا اور ان میں سے نوفل کو ایک وار میں ہی ٹکڑے کر ڈالا باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کفار نے اپنے سورما عبدِ وُد کی لاش دس ہزار درہم کے عوض لینا چاہی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تم لاش لے جاؤ ہمیں معاوضہ نہیں چاہئے۔“

غور فرمائیے، آتی دولت کو اور وہ بھی دشمن کی طرف سے کون چھوڑتا ہے جبکہ اس وقت تو مسلمان ضرورت مند بھی زیادہ تھے پھر بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھاری رقم کی پیشکش مسترد کر دی تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ اسلام نہ تو دولت کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی انسان کی بے حرمتی اور اس پر ظلم وستم کا، جہاد صرف دین کی حفاظت یا دنیا سے ظلم وستم کو مٹانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین نے ہر موقع پر اس اصول کی پابندی کی اس عنوان پر گزشتہ اوراق پر ہم تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

چار نمازیں قضا ہوئیں

جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبدِ وُد کو جہنم رسید کیا۔ یہ دن اس غزوے کا سخت ترین اور مصروف ترین دن تھا، کفار کی طرف سے تیروں کی بارش اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کسی بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے سپاہیوں کی جنگی تنظیم اور صف بندی فرما رہے تھے۔ ہر سپاہی مدافعتی اور حفاظتی جنگ میں مصروف تھا۔ اس دوران نمازوں کے اوقات گزرتے رہے اور مجاہدین کو ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف آنے اور معبود کے دربار میں سربسجود ہونے کا موقع نہ مل سکا حتیٰ کہ چار نمازیں قضا ہو گئیں۔ رات گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کے ہمراہ نماز عشاء ادا فرمائی اور اسی کے ساتھ فجر، ظہر، عصر، مغرب پڑھی گئیں۔ یہ دن نبی رحمت ﷺ کے لئے نہایت تکلیف کا دن تھا ایک تو آپ کو غلاموں پر جنگ کی شدت اور ان کے مشقت میں پڑنے کی تکلیف تھی دوسرے نمازیں قضا ہونے کا بے حد صدمہ تھا پس رسول مستجاب الدعوات نے اللہ مجیب الدعوات کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے۔

حضور علیہ السلام کی دعا

آقائے رحمت ﷺ جبل سلع پر رونق افروز ہوئے اور تین دن پیر، منگل، بدھ طویل دعا فرمائی۔ دعا میں آپ ﷺ کے عجز وانکساری اور انہماک کا یہ حال تھا کہ آپ کی چادر بار بار کندھے سے گر جاتی تھی بالآخر اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ بدھ کو عصر ومغرب کے درمیان آقا اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے جو

نہایت بے چینی سے کسی اچھی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے آقا کا نورانی، کھلتا چہرہ دیکھا تو نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے دشمنوں کے دہل بل گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اللہ کے سپاہیوں کو فتح و کامرانی کی بشارت دی۔

آج مسجد فتح اس بشارتِ فتح کے مقام پر موجود ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مجھے جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی ہے تو میں اسی دن اور اسی وقت یہاں حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں اور اللہ میری دعا قبول فرماتا ہے یعنی فیصلہٗ الٰہی یہ ہے کہ محبوب کی دعا قبول ہونے کا صدقہ قیامت تک بٹتا رہے گا اور جو غلام بھی میرے محبوب کے وسیلہٗ جلیلہ سے یہاں حاضر ہو کر بھیک مانگے اسے خالی جھولی واپس نہیں کیا جائے گا گویا آقا ﷺ کے صدقہ میں یہ مقام دیگر ابوابِ رحمت کی طرح تقسیم رحمت کا ایک دروازہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جہاں بھکاریوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے اور ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں یہاں حاضری کا موقع نصیب ہو تو عجلت میں صرف دو نفل پڑھ کر بھاگنا اللہ کی برستی رحمت سے منہ موڑنا ہے۔ یہ تو مقام ہے سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے حضور رونے اور بھیک مانگنے کا یہاں آقا کا صدقہ بٹتا ہے جو غلاموں ہی کے لئے ہے پس غلام بن کر مانگئے، خوب مانگئے ضرور ملے گا۔ اس فقیر، محتاج دعا کو بھی اس موقع پر یاد کر لیجئے اللہ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور مجھے یاد رکھنے کی جزاء دے، آمین۔

قبولیت دُعا کا ظہور

آقا ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے بشارت سن کر غلاموں کے چہرے کھل گئے، سکون و اطمینان کے سانس آنے لگے۔ جب یہ خبر کفار کی صفوں میں پھیلی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ وہ ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی فیصلہ تک کرنے کی صلاحیت نہ رہی۔ ایک اضطراب تھا، بے چینی تھی، افراتفری کی حالت تھی کہ اسی حال میں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایسی تیز اور ٹھنڈی ہوا چلی کہ ان کے خیمے اڑ گئے، دیگیں پلٹ گئیں، سردی کی شدت سے وہ کانپنے لگے۔ اللہ کے فرشتوں کا غیبی لشکر نازل ہوا جنہوں نے ان کے دلوں میں ایسا رعب پیدا کیا کہ انہیں صرف اپنی موت نظر آتی تھی۔ جس سے وہ بھاگنے کی لئے بے چین تھے اسی غیبی امداد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا'' ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر نازل کیا جسے تم نے نہیں دیکھا اس لشکر کو عام طور پر نہ دیکھا گیا لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا بھی مثلاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جب جاسوسی کے لئے کفار کے لشکر میں گئے (تفصیلی واقعہ آگے آتا ہے) تو آپ نے کچھ نورانی چہرے بھی دیکھے اور بھاگو بھاگو کی آوازیں بھی سنیں بہر حال اُفق مدینہ سے کفر کے سیاہ بادل ہمیشہ کے لئے چھٹ جانے کا وقت اب قریب آچکا تھا۔

کارنامۂ نعیمی

جسے ہم نے نعیمی کارنامہ کا عنوان دیا ہے یہ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے جس نے دشمن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی بدحواسی کو انتہا تک پہنچایا۔ ہوا یہ کہ باطل کے اس باطل اتحاد کا ایک بڑا عنصر قبیلہ غطفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے بندوں کی حمایت و نصرت کے طور پر اس قبیلہ کے ایک شخص نعیم بن مسعود کے دل میں ایمان کا چراغ

روشن کیا وہ مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ سے چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی اور بتایا کہ میرے مشرف باسلام ہونے کو اب تک اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا، آپ مجھے حکم دیں کہ میں اس وقت اسلام کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اسی طرح واپس ہو جاؤ اور اپنے ہی لوگوں میں رہ کر اسلام کی مدافعت اور حفاظت کرو یہ بے حد ذہین آدمی تھے انہوں نے فوراً ہی ایک منصوبہ سوچ لیا اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ان لوگوں سے وہ بات کروں جو مصلحت وقت کے مناسب ہو۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

نعیم بن مسعود نے اپنا کام شروع کیا پہلے یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ کے پاس پہنچے جن سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے اور یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف معاہدہ غداری کر کے اتحادیوں میں شامل ہو گیا تھا اور ان کا ایک مؤثر حصہ تھا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کے سرداروں سے اپنی قدیم دوستی کا اعتراف کرایا اور پھر کہا کہ کیا تم لوگوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن بناتے ہوئے یہ سوچا ہے کہ اگر اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی تو تمہارا انجام کیا ہوگا جبکہ آثار شکست نظر آرہے ہیں کفار مکہ میرا قبیلہ اور یہود کے دیگر قبائل تو ہار کر فرار ہو جائیں گے لیکن تم مدنی ہو تمہیں مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے کیا اس صورت میں وہ تمہاری زندگی اجیرن نہ بنادیں گے بات اہم تھی سمجھ آئی۔ سردار بے چین ہو کر کہنے لگے بھائی! تم نے تو ہماری آنکھیں کھول دیں اب تم ہی بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے اب تو ہم اس لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتاتا ہوں جس سے تمہیں ان اتحادیوں کے خلوص کا اندازہ بھی ہو جائے گا اور تم ان کے جال سے بچ بھی سکو گے اور وہ یہ ہے کہ تم ان سے ضمانت لو کہ وہ شکست کی صورت میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر فرار نہ ہوں گے اور ان سے کہو کہ بطور ضمانت وہ اپنے چند سرداروں کو تمہارے پاس رہن رکھ دیں۔

نعیم بن مسعود نے بنوقریظہ کو اچھی طرح اپنی بات ذہن نشین کرائی اور جب وہ ان سے مطمئن ہو گئے تو قریشی سرداروں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ آپ لوگ مجھے جانتے ہیں میں آپ کے اتحادی قبیلہ بنوغطفان کا آدمی ہوں۔ مجھے ایک خبر ملی ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو بتادوں تا کہ آپ لوگ محتاط رہیں بشرطیکہ آپ میرا نام میرے قبیلہ تک کو نہ بتائیں۔ جب سرداروں نے نام راز میں رکھنے کی ضمانت دی اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ خبر جاننے کے لئے مضطرب ہو رہے ہیں تو گویا ہوئے کہ خبر یہ ہے کہ یہود بنوقریظہ، مسلمانوں سے بدعہدی کر کے اپنے فیصلہ پر نادم ہیں وہ دوبارہ ان سے ملنا چاہتے ہیں اور اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اپنے شہر مدینہ میں حسب سابق سکون سے رہ سکیں۔ ان کے اہل وعیال اور اموال، مسلمانوں کی انتقامی کارروائیوں سے محفوظ ہیں انہوں نے محمد (ﷺ) کو پیغام بھیج دیا ہے کہ ہم معافی مانگنے کو تیار ہیں اور اپنی غلطی کے عوض ہم غطفان اور قریش کے کچھ سرداروں کو آپ کے حوالے کریں گے آپ انہیں قتل کر دیں پھر ہم متحد ہو کر ان سب سے جنگ کریں گے۔ محمد (ﷺ) نے بنوقریظہ کی یہ تجویز قبول کر لی ہے۔ اب وہ آپ سے اور ہم سے بطور ضمانت چند سردار رہن رکھنے کا مطالبہ کریں گے اور بہانہ کریں گے کہ یہ سردار اس بات کی

ضمانت ہوں گے کہ بصورتِ شکست آپ لوگ ہمیں بے یارومددگار چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں گے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بڑے ہی خیر خواہانہ انداز میں یہ بات سرداران قریش کو سمجھائی اور ان سے مطمئن ہو کر اپنے قبیلہ میں پہنچے اور یہی خبر اپنے سرداروں کو بھی دی اب کیا تھا ایک تیر سے تین شکار ہو چکے تھے یا ایک تیلی سے تین قبیلوں میں نفرت وعداوت کی آگ سلگ چکی تھی صرف شعلہ بھڑکنا باقی تھا۔

قریش اور غطفان اس خبر کی تصدیق کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ طے شدہ تجویز کے مطابق سالار لشکر ابوسفیان (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے) نے قریش کی طرف سے عکرمہ بن ابوجہل کو غطفان کی طرف سے ورقہ ابن غطفان کو بھیجا اور پیغام دیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ معاہدے کے مطابق جنگ میں ہمارا عملی تعاون کرو اب ہمارے آدمی تھک چکے ہیں، سامان خوردونوش ختم ہو رہا ہے لہٰذا اپنے آدمیوں کو جنگ میں شریک کرو نیز سامان خوردونوش سے ہماری مدد کرو۔

بنوقریظہ نے پیغام سنا تو وہی جواب دیا جو نعیم ابن مسعود انہیں سمجھا چکے تھے کہ ہمیں شکست کا خوف ہے جس کے بعد تم لوگ تو اپنے اپنے ملکوں میں چلے جاؤ گے لیکن ہمیں مدینہ میں رہنا ہے مسلمانوں ہی کے ساتھ رہنا ہے، اس صورت میں بے یارومددگار رہنا ہمارے لئے بہت دشوار ہوگا لہٰذا ہم اس شرط پر تمہارے ساتھ شریک جنگ ہو سکتے ہیں کہ تم ہمیں ضمانت دو کہ بصورت شکست تم ہماری امداد کے ذمہ دار ہو گے اور یہ ضمانت ہمیں اس طرح چاہئے کہ تم اپنے چند سرداروں کو ہمارے پاس رہن رکھ دو۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گئے۔ اتحاد کی دھجیاں اڑ گئیں اور جو مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے وہ خود ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے اس صورت حال نے ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں نیز قبیلہ غطفان کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ سے دستبردار ہونے پر غور کریں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خبر گیری

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر سے احزاب میں پھوٹ پڑنے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو آپ نے ان کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کفار کی جانب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا..........

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلایا اور کفار کے لشکر میں جانے کا حکم دیا۔ میں دیگر صحابہ کی طرح بے حد تھکا ہوا تھا۔ رات بھی بہت ٹھنڈی تھی لیکن غلام کے لئے آقا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا پس میں کھڑا ہوا سردی سے میرا بدن کانپ رہا تھا آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب بلایا میرے سر اور چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا دشمن کے لشکر میں جاؤ اور ان کا حال دیکھ کر آؤ ان کا پروگرام معلوم کر کے آؤ اور خبردار میرے پاس واپس آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرنا صرف خبر لے کر آنا ہے پھر آپ ﷺ نے میری حفاظت کے لئے دعا فرمائی میں نے اپنی تیر کمان اٹھائی اپنے کپڑے اپنے اوپر باندھ لئے اور لشکر کفار کی طرف چل پڑا۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں خیمے سے نکلا تو سخت سردی محسوس ہونے کے باوجود مجھے ایسا لگنے لگا کہ

میں گرم حمام میں چلا جا رہا ہوں۔ جب میں کفار کے لشکر میں پہنچا تو میں نے دیکھا ہوا کے طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے تھے اور ہانڈیاں الٹ دی تھیں۔ ابوسفیان تنہا، پریشان آگ کے پاس بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے موقع بڑا ہی اچھا تھا۔ ابوسفیان پوری طرح میری زد میں تھے میں نے ان پر تیر پھینکنے کا پورا ارادہ کر لیا (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شاید اسی طرح بے چین ہو گئے ہوں گے جیسے شکاری، شکار کو دیکھ کر ہو جاتا ہے) لیکن فوراً ہی مجھے یاد آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف خبر گیری کا حکم دیا ہے کوئی دوسرا کام کرنے کو سختی سے منع فرمایا تھا۔ میں مجبور ہو گیا اور حملہ نہ کر سکا رات سخت تاریک اور ٹھنڈی تھی کسی کو پتہ نہ چل سکا اور میں ان لوگوں میں مل کر بیٹھ گیا کچھ ہی دیر بعد ابوسفیان لشکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا میں ایک ضروری اور اہم بات کہنا چاہتا ہوں لیکن پہلے ہر شخص اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لے تاکہ ہمیں اطمینان ہو جائے کہ یہاں کوئی جاسوس موجود نہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اب مجھے پریشانی ہوئی کہ اگر برابر والے نے میرا نام پوچھ لیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا لیکن معاً مجھے خیال آیا اور میں نے ہی اپنے برابر والے کے شانہ پر ہاتھ مار کر اس کا نام پوچھ لیا۔ وہ بولا ارے تم مجھے نہیں پہچانتے میں فلاں ابن فلاں ہوں یہ قبیلہ ہوازن کا ایک شخص تھا ادھر ابوسفیان نے اپنی گفتگو شروع کر دی۔ انہوں نے بنوقریظہ کی بدعہدی، سامان جنگ ختم ہو جانے اور دیگر ناسازگار حالات کا ذکر کیا جو درحقیقت اعتراف شکست تھا پھر کہا میری رائے ہے کہ ''اب ہمیں واپس ہو جانا چاہئے اسی میں عافیت ہے'' یہ سنتے ہی لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ معلوم ہوتا تھا یہ سب لوگ تو پہلے ہی سے بھاگنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہاں سے واپس چلا تو پھر مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں میں اپنے لشکر میں پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو میں نے تمام حالات بتائے۔ میرے آقا ﷺ کفار کے فرار کی خبر سن کر بے حد خوش ہوئے۔ تاریک رات میں آپ ﷺ کا نورانی چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپ کے دندان مبارک موتیوں کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر مجھے اپنے قدموں میں جگہ دی اپنی مقدس چادر کا ایک حصہ مجھے اوڑھایا مجھے ایسا سکون ملا کہ میں فوراً سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میرے آقا ﷺ نے مجھے ''قُم یانومان'' ''اے بہت سونے والے اٹھ جاؤ'' فرما کر بیدار کیا۔

صبح کو جب یہ خبر پھیلی ہوگی تو مسرت وخوشی کا کیسا منظر ہوگا یہ تو انہی حضرات کو پتہ ہوگا جو اللہ کے سپاہی تھے اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد بروایت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ ہمیں پہنچا کہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ''اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ اِلَيْهِمْ'' ''اب کفار ہم پر کبھی حملہ آور نہ ہوں گے ہم ان پر حملہ کریں گے اور ان کی طرف چلے جائیں گے۔'' یہ فتح خیبر، فتح مکہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے بعد جتنی فتوحات ہوئیں ان سے متعلق خبر تھی جس کو سمجھنے والوں نے سمجھا اور اطمینان کا سانس لیا جس کی ابتدا غزوۂ بنوقریظہ سے ہوئی۔ جس کا حال آگے آتا ہے۔

بہرحال صبح ہوتے ہوتے آسمان مدینہ کفر کے غبار سے صاف وشفاف ہو چکا تھا اور آج اسلام کا طلوع ہونے والا

چہرۂ انور پھر کبھی غبار آلودہ نہ ہونے پایا قرآن کریم نے کفار کے فرار ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ (الاحزاب:۲۵)

اور اللہ نے (ناکام) لوٹا دیا کفار کو اس حال میں کہ پیچ و تاب کھا رہے تھے اپنے غصہ میں (کہ اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور اللہ نے بچا لیا مومنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقتور ہے۔

اے ایمان والو! تم نے احزاب اور غزوۂ احزاب کا حال پڑھا اور سنا کیسے عبرت ناک اور درس آموز واقعات ہیں کیسی اللہ نے اپنے رسول پر اور ان کے غلاموں پر رحمت کی بارش برسائی تم بھی تو اسی رسول کے نام لیوا ہو تم کفر کی ظاہری قوت و طاقت سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہو اپنے آپ کو کفار کی غلامی کے شکنجے میں کیوں جکڑتے چلے جا رہے ہو، اٹھو کمر ہمت باندھو، رسول سے اپنا تعلق مضبوط و مستحکم کر لو، اللہ پر پورا پورا توکل کرو کہ یہی مومن کا سامان جنگ ہے آج بھی اللہ کی حمایت و نصرت تمہیں ایسے ہی حاصل ہو گی جیسے تمہارے اسلاف کو حاصل ہوتی رہی۔

مدینہ منورہ واپسی

ایک ماہ کے سفر کے بعد آقا ﷺ غلاموں کے جھرمٹ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ یہ سفر عام سفر نہ تھا جنگ کا سفر تھا جس کا ہر لمحہ محنت و مشقت اور جانفشانی سے بھرا ہوا تھا۔ موسم کی خرابی، دشمن کا خوف و ہراس، نہ آرام کا وقت، نہ کھانے پینے کا انتظام، ذہنی کوفت، جسمانی تھکاوٹ غرضیکہ صرف پریشانی ہی پریشانی تھی لیکن جب مقصد میں کامیابی ہوتی ہے تو ساری الجھنیں یکلخت کافور ہو جاتی ہیں پس آقا بھی خوش تھے کہ ان کے غلاموں نے وفاداری و وفا شعاری کا حق ادا کر دکھایا غلام خوش تھے کہ ان سے اللہ و رسول راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان پر فضل فرمایا ان کی جان بخشی دشمن کو ذلیل و خوار کیا اور سب کامیابی و کامرانی کا سہرا پہنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔

ابھی اللہ کے رسول ﷺ نے ہتھیار کھولے ہی تھے، غسل کا ارادہ فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر دربار ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے تو ابھی ہتھیار اتارے نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے میں گروہ ملائکہ کے ساتھ کفار کا تعاقب کر رہا تھا اور انہیں روحا تک بھگا کر آیا ہوں اور اب اللہ کا حکم لئے حاضر ہوں کہ:

"جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک آپ ﷺ کو اور آپ کے غلاموں کو ہتھیار کھولنے کی اجازت نہیں۔"

ابھی غلام اپنے اہل و عیال کی خیر و عافیت کاروبار کا حال بھی معلوم نہ کر پائے تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بلند آواز سنائی دی جو پکار رہے تھے "من کان سامعا مطیعا فلا یصلین العصر الا ببنی قریظة" ہر اطاعت گزار مومن نماز عصر بنی قریظہ [illegible] پھر دوسری صدا گونجی "یا خیل اللہ ارکبی" اے اللہ کے شہسوارو اپنے گھوڑوں پر [illegible]

کوئی دوسرے فوجی ہوتے تو ان آوازوں پر کان نہ دھرتے اپنے کاموں میں مصروف رہتے سوچتے کوئی چلا جائے گا ہم تو نہیں جاتے لیکن یہ اللہ کے سپاہی تھے رسول کے عشاق تھے ان کے ذہنوں میں تو حکم عدولی کا تصور بھی نہ آ سکتا تھا ان کا تو ایمان تھا کہ مسلمان ہر وقت حالت جنگ میں رہتا ہے ان کے نزدیک تو نجات کا ذریعہ ہر کام سے پہلے اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں تھا پس اعلان سنا اور جو جس حال میں تھا کھڑا ہو گیا عورتوں نے جلدی جلدی ضروری سامان تیار کیا کیا مجال کسی عورت نے کہا ہو کہ دوسروں کو جانے دو تم میرے پاس ٹھہرو آناً فاناً تمام مجاہدین گھوڑوں پر سوار آقا کی طرف دوڑتے نظر آنے لگے جن کے پاس سواریاں نہ تھیں وہ پا پیادہ دوڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے جہاد جہاد کہتے جا رہے تھے تاکہ کوئی بھائی اطاعت کی عظمت سے محروم نہ رہ جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پروانے شمع کے گرد جمع ہو گئے۔ آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہیں پرچم اسلام بخشا گیا۔ نمازِ عصر سے قبل اللہ کے سپاہی اللہ کے رسول کی قیادت میں بنو قریظہ کے قلعہ کے سامنے موجود تھے۔

بنو قریظہ

مدینہ منورہ میں جو یہود آباد تھے انہی کا ایک قبیلہ بنو قریظہ بھی تھا جو معاہدے کی رُو سے مسلمانوں کا حلیف تھا لیکن جب مسلمانوں کے خلاف محاذ بنا تو بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو ورغلایا اور بالآخر وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے محاذ میں شامل ہو گئے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں اس قبیلہ کی غداری کی وجہ سے لشکر اسلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی کیونکہ خندق کھود کر مسلمان بیرونی دشمن کی طرف سے تو خاصے مطمئن ہو گئے تھے لیکن بنو قریظہ تو مدینہ منورہ کے اندر تھے اور اب یہ اندرونی دشمن بن چکے تھے جن سے بہت ہی زیادہ خطرہ تھا وہ تو اللہ نے کرم فرمایا کہ یہ حملہ کی ہمت نہ کر سکے نیز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگی تدابیر نے انہیں نہ صرف کسی پیش رفت سے روکا بلکہ یہ اپنے کئے ہوئے پر پشیمان بھی ہونے لگے۔

غرضیکہ لشکر اسلام نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق نمازِ عصر محلہ بنو قریظہ میں ادا کی جب یہودیوں کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ مرد و عورت اور بچے سب چھتوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ان پر دھوکے بازی اور دغابازی کے الزام لگانے لگے جبکہ ابھی مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی نہ ہوئی تھی لیکن انہیں اپنی غداری کا انجام بصورت موت خود ہی نظر آنے لگا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہودیوں کی بیہودہ گوئی پر کوئی توجہ نہ دے۔ رات کو آپ ﷺ نے آرام فرمایا اور صبح ہوتے ہی مجاہدین کو حکم دیا کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے اور مناسب مقامات پر تیر انداز متعین کر دیئے جائیں۔ یہودیوں نے صورت حال دیکھی تو حواس باختہ ہو گئے مسلمانوں پر پتھر برسانے لگے، تیر برسانے لگے جس کا لشکر اسلام کی طرف سے مؤثر جواب دیا جاتا رہا بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق مسلمانوں نے یہودیوں کو باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ اب یہودیوں کو پوری طرح یقین [illegible]

ان کے سرداروں کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ معاملات کو بات چیت کے ذریعہ طے کر لیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیشکش کو قبول فرمایا۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا اس نے کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنونضیر کو مدینہ سے جانے کی اجازت دی تھی یعنی یہ کہ ہم اپنے اہل وعیال اور فی کس ایک اونٹ سامان لے کر چلے جائیں انہی شرائط پر ہمیں بھی چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شرط کو قبول فرمانے سے انکار کر دیا پھر اس نے درخواست کی کہ ہم اپنا سب مال ومتاع، چھوڑ دیتے ہیں صرف ہماری اور ہمارے اہل وعیال کی جان بخشی جائے اور ہمیں مدینہ سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی نہیں ہوسکتا تم اپنے متعلق اگر میرا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہو تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی کچھ بات چیت ہو سکتی ہے۔ نباش نے کہا کہ اس کا جواب میں اپنی قوم سے مشورے کے بعد ہی دے سکتا ہوں لہٰذا مجھے جانے کی اجازت دی جائے آپ نے اجازت دی اور وہ اپنے قلعہ میں واپس چلا گیا۔

کعب کی تجاویز

نباش سے جو کچھ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ اس نے اپنی قوم کو بتایا نیز اس نے ان خطرات کا اظہار کیا جن کا اس نے مسلمانوں کے پرہمت عزائم سے اندازہ کیا تھا سب حال سن کر یہودیوں کے سردار کعب ابن اسد نے تین تجاویز پیش کیں۔ یہ کعب وہی شخص تھا جس نے بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب کے ورغلانے پر مسلمانوں پر عہد شکنی کی اور اپنی پوری قوم کو مصیبت میں مبتلا کیا بہر حال کعب بولا کہ میں نے صورت حال سے اندازہ لگایا ہے کہ ہمیں تین باتوں میں سے ایک قبول کر لینا چاہئے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ ہم سب اسلام قبول کر لیں کیونکہ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ محمد (ﷺ) ہی آخری نبی ہیں جن کا ہماری کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ آج تک ہم حسد کے باعث اس حقیقت پر پردہ ڈالتے رہے اس صورت کو قبول کر لینے سے ہمیں نعمت ہدایت بھی نصیب ہو جائے گی عزت بھی ملے گی اور ہمارے اہل وعیال مال ومنال سب محفوظ ہو جائیں گے قوم نے کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا ہم کسی صورت میں بھی ایمان قبول نہیں کریں گے۔ کعب نے کہا تو دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی ہی تلواروں سے قتل کر دیں اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں نتیجہ جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ لوگوں نے کہا ان معصوم عورتوں اور بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں قتل کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ کعب نے تیسری تجویز پیش کرتے ہوئے کہا تو پھر آخری صورت یہ ہے کہ آج یوم السبت (سنیچر کا دن) ہے مسلمان جانتے ہیں کہ ہم اس دن کا احترام کرتے ہیں اور اس دن قتل وغارت کو حرام جانتے ہیں وہ ہماری طرف سے آج بے خبر اور مطمئن ہوں گے پس ہم آج ہی ان پر حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر ڈالیں۔ لوگ برافروختہ ہو کر کہنے لگے ظالم تو ہمیں اس مقدس دن کی بے حرمتی کا مشورہ دیتا ہے جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم سے پہلے لوگ سنیچر کی بے حرمتی کے سبب سخت عذاب میں مبتلا ہو چکے ہیں ہم ایسا کر کے عذاب الٰہی کو دعوت نہیں دے سکتے غرضیکہ کعب کی کوئی تجویز قبول نہ کی گئی۔

ابولبابہ کی غلطی اور توبہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بنو قریظہ اور دیگر یہودیوں سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ جب مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ سخت کیا اور بنو قریظہ کو اپنی ہلاکت کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ابولبابہ بن منذر کو ہمارے پاس بھیجا جائے ہم ان سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جب ابولبابہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کا بے حد احترام کیا اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ کیا ہم اپنے معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ قبول کرلیں اور اگر ہم نے ایسا کیا تو آپ کے خیال میں ہمارا کیا انجام ہوگا زبان سے تو آپ نے یہی فرمایا کہ ہاں تم اپنا معاملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کردو لیکن ہونے والی بات ہوگئی کہ غیر اختیاری طور پر آپ کا ہاتھ آپ کے حلق کی طرف گیا جس سے یہ اشارہ ملا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کو قتل کر دینے کا حکم صادر فرمائیں گے۔ ایسا ہونا تھا کہ آپ میں ایک اضطراب پیدا ہوا اور احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے بس قلعہ سے نکلے تو سیدھے مسجد نبوی شریف کی راہ لی اتنی جرأت بھی نہ ہوسکی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا حال بتاتے اور آقائے رحمت ﷺ سے رحم کی بھیک مانگتے مسجد پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عزم کیا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک اللہ میرا گناہ معاف نہ فرمادے۔

لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تو آپ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کاش وہ میرے پاس حاضر ہوکر معافی طلب کرتا تو میں اسے معاف کردیتا لیکن اس نے خود کو اللہ کے سپرد کردیا اب میں اسے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ کی طرف سے اس کی توبہ قبول ہونے کا حکم نہ آجائے۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن، چھ رات اس ستون سے بندھے رہے۔ یہ ستون آج تک اُستوانہ توبہ کے نام سے مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنۃ میں موجود ہے اور یہاں ہم گناہگاروں کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے یہ شب و روز کس اذیت و تکلیف سے گزارے ہوں گے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ حال یہ تھا کہ ان کی اہلیہ صرف ضروریات پوری کرنے کے لئے کھولتی تھیں اور پھر باندھ دیتی تھیں۔ گھر والے، باہر والے، دوست واحباب سامنے سے منہ پھیر کر گزر جاتے سب سے زیادہ اذیت ناک بات یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے غلام کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ ایک دن کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے [illegible] کے لئے معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ابولبابہ غلطی کے بعد سیدھے میرے پاس حاضر ہوجاتے تو میں [illegible] لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتا لیکن جب اس نے خود ہی یہ راستہ اختیار کیا ہے تو میں اسے ستون سے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمالے۔ بہرحال ابولبابہ کو بلا واسطہ رسول، اللہ سے طلب مغفرت کی چھ دن اور چھ رات سزا بھگتنا پڑی، بالآخر اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ایک رات جبکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی زوجہ مکرمہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں رونق افروز تھے تو اُم سلمہ نے دیکھا کہ اللہ کے

حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا رہے ہیں۔ عرض کرنے لگیں "مَمَّا تَضْحَکُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَضْحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ" اے اللہ کے رسول آپ کیوں مسکرا رہے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے فرمایا" ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی" عرض کی اجازت ہو تو انہیں یہ خوشخبری سنا دوں فرمایا جیسا چاہو کرو۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا حجرۂ مبارک کے دروازے پر آ کر کھڑی ہوئیں اور باآواز بلند فرمایا اے ابولبابہ مبارک ہو تمہاری توبہ کو اللہ نے قبول فرمالیا ہے۔ کچھ صحابہ نے بھی یہ آواز سن لی وہ دوڑے تا کہ ابولبابہ کو کھول دیں آپ نے انہیں روکا اور کہا" لَا وَاللّٰہِ حَتّٰی یَکُوْنَ رَسُوْلُ ھُوَ الَّذِیْ یَطْلُقَنِیْ بِیَدِہٖ "اللہ مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ خود حضور تشریف لائیں اور مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں کہ آزادی وہی ہے جو حضور کے ہاتھوں سے ملے اور معافی وہی ہے جس پر حضور کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو ابولبابہ کو مبارکباد دی اور اپنے دست مبارک سے رسی کھولی۔

پچیس دن بعد

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جس سے یہودی تنگ آ گئے اور بالآخر وہ اپنے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے غلاموں کے ہمراہ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے اندر داخل ہوئے۔ یہودیوں کے جوانوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ قلعہ کی تلاشی لی گئی تو اسلحہ کا ایک انبار ملا، جس میں پندرہ سو تلواریں، پانچ سو ڈھالیں، دو ہزار نیزے اور دیگر سامان جنگ تھا جو ان لوگوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر رکھا تھا لیکن خوفزدہ تھے حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عدل وانصاف کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اب انہیں موقع دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو کسی شخص کا نام تجویز کر سکتے ہو جو تمہارے متعلق فیصلہ کرے انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہی ہیں جو خندق کے میدان میں زخمی ہو چکے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے اپنی زندگی کی دعا کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے یہودیوں کو حکم دیا کہ جاؤ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے خیمہ سے لے کر آؤ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایک گدھے پر سوار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور تمام حاضرین سے فرمایا "قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ" اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ (کہ تعظیماً کسی کے لئے کھڑا ہونا حرام یا شرک نہیں بلکہ سنت نبوی اور حکم رسول ہے، سنت صحابہ ہے) لوگ کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اتارا گیا اور معزز مقام پر بٹھایا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خیریت دریافت فرمائی اور پھر فرمایا "اُحْکُمْ فِیْھِمْ یَا سَعْدُ" اے سعد ان یہودیوں کے متعلق اپنا فیصلہ سناؤ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ بِالْحُکْمِ" اللہ اور اس کے رسول ہی کو فیصلہ فرمانے کا حق ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نہیں، سعد آج "اَمَرَکَ اللّٰہُ اَنْ تَحْکُمَ فِیْھِمْ" اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ان کا فیصلہ کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پہلے لوگوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا کیا آپ سب کو بنو قریظہ کے متعلق میرا فیصلہ قبول

ہے۔لوگوں نے بیک آواز ہوکر اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا پس میرا فیصلہ ہے کہ "بنوقریظہ کے جوانوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنالیا جائے۔" فیصلہ سنتے ہی بنوقریظہ تو مبہوط و پریشان ہو گئے اور مسلمان خوشیاں منانے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اے سعد تم نے وہی فیصلہ فرمایا جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ کر چکا ہے۔"

بہر حال بہ طابق فیصلہ نوجوانوں کو گرفتار کرلیا گیا جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی۔مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے، ان کو قتل کیا گیا اور ان گڑھوں میں پھینک دیا گیا۔ان مقتولین میں بنوقریظہ کا سردار کعب ابن اسد اور اس فتنہ کی اصل اور جڑ حی بن اخطب بھی تھے جب حی کو قتل کے لئے لایا گیا تو اس کے ہاتھ اس کی گردن سے جکڑے ہوئے تھے۔وہ سرخ لباس پہنے تھا جس نے اسے جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا تا کہ اس کے کپڑے کوئی دوسرا نہ پہن سکے۔اب بھی یہ تکبر وغرور میں مبتلا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا تو کہنے لگا: "میں نے ہمیشہ آپ سے دشمنی اور عداوت رکھی اور کبھی میں اس پر پشیمان نہیں ہوا لیکن اللہ جس کو ذلیل وخوار کرے وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے۔"

بنوقریظہ کے سرداروں میں سے ایک شخص زید بن باطا تھا جو اندھا اور بہت بوڑھا تھا اس کی بدبختی کا واقعہ نہایت عبرتناک ہے۔ہوا یہ کہ اس شخص نے ایک عرصہ پہلے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان کیا تھا۔عرب احسان شناس ہوتے تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح احسان کا بدلہ چکا دیا کرتے تھے۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے کو دیکھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! زبیر کا مجھ پر احسان ہے اگر اجازت ہو تو میں اس کا بدلہ چکا دوں۔آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تو ثابت، زبیر کے پاس آئے اور کہا کہ میں تیرے احسان کا آج بدلہ دینا چاہتا ہوں کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیری جان بخشی کی درخواست کروں۔اس نے کہا تم کریم النفس ہو مجھے تم سے یہی امید ہے۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی آپ نے قبول فرمائی۔ انہوں نے زبیر کو خوشخبری دی تو وہ بولا: "جس بوڑھے کے اہل وعیال نہ ہوں وہ زندہ رہ کر کیا کرے گا۔" ثابت نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر یہ بات بتائی، آپ نے حکم دیا کہ "زبیر کے اہل وعیال کو بھی آزاد کردیا جائے۔" ثابت نے آکر زبیر کو بتایا کہ تمہارے بیوی بچے بھی آزاد کردیئے گئے ہیں، ابھی تمہارے پاس آتے ہیں۔وہ بولا وہ خاندان کس طرح زندہ رہ سکتا ہے جس کے پاس کھانے کمانے کو کچھ نہ ہو۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور یہ بات بھی بتادی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا زبیر کا مال ومتاع اور جائیداد بھی واپس کردی جائے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر کو یہ خبر بھی دی۔اب یہ بدنصیب خوش ہونے کے بجائے اپنے ساتھیوں اور قبیلہ کا حال معلوم کرنے لگا۔جب اسے بتایا گیا کہ سب کو قتل کردیا گیا ہے تو بولا اس اس زندگی میں کوئی لطف نہیں اے ثابت میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمہیں تمہارے احسان کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ وہی کچھ کرو جو میرے قبیلہ والوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔پس اس کا بھی سرقلم کردیا گیا۔

یہودی عورتوں پر کرم

تاریخ میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام دشمنی میں یہودی عورتیں اپنے مردوں سے کسی طرح کم نہ تھیں لیکن شریعت مطہرہ نے عورتوں کے ساتھ جس نرم برتاؤ کی تعلیم دی ہے۔اس کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے اس موقع پر بھی بنوقریظہ کی عورتوں کو قتل کرنے کی اجازت نہ دی انہیں اوران کے بچوں کو باندی وغلام کی حیثیت سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں ۔صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا جس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر بھاری پتھر پھینکا تھا جس سے وہ شہید ہو گئے تھے۔ یہ قتل بطور قصاص تھا حضرت خلاد رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انہیں دو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا۔

بنوقریظہ کا قتل عام کیوں؟

اسلام دین رحمت ہے، دین رأفت ہے،اس کے لانے والے نبی آخر الزماں ﷺ رحمةٌ للعلمین ہیں جن کا سایۂ رحمت اللہ کی مخلوق کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہے جن کی تعلیمات کا بنیادی مقصد انسانوں پر رحم کرنا اور انہیں ظلم وستم سے نجات دلانا ہے۔واقعی تعجب ہوتا ہے کہ ایسے دین کی تاریخ میں اور ایسے نبی کے احکام میں بنوقریظہ کے سات سو انسانوں کے قتل عام کا سنسنی خیز واقعہ موجود ہے لیکن اگر ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معاً یہ تعجب ختم ہو جاتا ہے۔اس لئے کہ:

رحم وکرم کے ساتھ عدل وانصاف کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے وہ رحم جس میں عدل نہ ہو ظلم بن جاتا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا رحم بھی ہے اور عدل بھی لیکن مظلوم کے ہاتھ میں تلوار دے کر بظاہر تو اس کو طاقتور بنا کر اس پر رحم کرنا ہے لیکن حقیقت میں اس کو بھی ظالم بنا دینا ہے جو اس پر ظلم ہے والدین سے زیادہ اولاد پر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے لیکن بوقت ضرورت بچوں کو سزا دینا ہی ان پر رحم کرنا ہے جو بظاہر ظلم ہے لیکن یہی عدل ہے، انصاف ہے کہ اگر انہیں سزا نہ دی گئی تو وہ پورے معاشرے کی تباہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔وہ والدین ظالم کہلائیں گے جو اولاد سے اندھی محبت کریں حتیٰ کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ان پر سختی نہ کریں ایک جج کو آپ ظالم نہیں کہہ سکتے جب وہ قاتل کو پھانسی دینے کا حکم سناتا ہے بیاس نے ظلم نہیں کیا بلکہ عدل کیا ہے، انصاف کیا ہے، مقتول کے غمزدہ وارثوں کے لئے بھی اس کا یہ حکم عدل ہے اور پورے معاشرے کے لئے بھی، کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے گا تو لوگ پر امن اور بے خوف زندگی بسر کر سکیں گے نیز کوئی قاتل بننے کی جرأت نہ کر سکے گا۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی سخت سزائیں جرائم کے خاتمہ کا یقینی ذریعہ ہیں جبکہ انسانی ہمدردی کے نام نہاد قوانین سے معاشرے میں جرائم عام ہوتے ہیں۔ان حقائق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد غور فرمایئے کہ بنوقریظہ کے مردوں کو کیوں قتل کیا گیا۔اس لئے کہ:

آپ کو علم ہے کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔بنوقینقاع ،بنونضیر اور بنوقریظہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رحم وکرم کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نہ ان قبیلوں پر کوئی پابندی عائد فرمائی اور نہ ہی انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا بلکہ مدینہ کو پرسکون اور پرامن شہر بنانے کے لئے ان

قبائل سے معاہدہ کیا گیا جس میں طے پایا کہ یہ قبائل نہ خود مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کریں گے اور نہ ہی اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ستائیں گے اور خوفزدہ کریں گے جبکہ مسلمان ان کے جان و مال کی حفاظت کے ضامن ہوں گے۔ یہ لوگ اپنی معاشی و معاشرتی معاملات میں ہمیشہ کی طرح آزاد ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے، کاروبار وغیرہ کرنے پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ لیکن:

یہ یہودیوں کی بدنصیبی ہے کہ سازش، فتنہ پردازی، مکروفریب، غداری اور بدعہدی ان کی سرشت میں ہے جس کا مظاہرہ ان کی طرف سے عام معاملات میں ہر وقت ہوتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی قوم، کسی مذہب کے لوگ ان پر اعتماد نہیں کرتے ماضی میں بھی ان کا حال یہی رہا اور آج بھی یہی ہے اسی لئے انہوں نے ہر دور میں مار کھائی ہے ہمیشہ انہیں مہلک جراثیم کی طرح مارا گیا ہے اور آج بھی مار کھا رہے ہیں ''ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ'' فرمانِ الٰہی ہے جس کا مظاہرہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے آج بظاہر وہ حاکم ہیں، آزاد ہیں لیکن پچاس برس میں کوئی دن یا کوئی رات انہیں سکون کی میسر نہ آسکی۔ پڑوسیوں کے ساتھ آئے دن ان کے معاہدے ہوتے رہتے ہیں اور یہ ان کی پرواہ کئے بغیر اپنے مفاد کے لئے جو چاہتے ہیں کرتے رہتے ہیں پھر وقت آ رہا ہے کہ ان جراثیم کو نہایت بیدردی کے ساتھ ہلاک کیا جائے گا سب ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں جو میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

بہرحال معاہدے کے مطابق یہودیوں کو مدینہ منورہ میں پوری آزادی حاصل تھی لیکن یہ خبیث اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے سے باز نہ آتے تھے۔ منافقین کو بھی انہی سے تقویت حاصل ہوتی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایک مرتبہ تو بنونضیر نے میرے آقا ﷺ کو شہید کر دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اگر اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خود حفاظت نہ فرماتا تو یہ ظالم اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔ بطور مثال ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ خبیث کس طرح مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکاتے تھے۔

مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج ایک طویل مدت سے برسرپیکار تھے۔ نبی رحمت ﷺ کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہی ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے۔ اسلامی اخوت ومحبت نے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ یہودیوں کو اوس و خزرج کی یہ الفت ایک لحہ نہ بھائی تھی وہ ان میں اختلاف پیدا کرنے اور انہیں دوبارہ لڑانے کی گھات میں رہتے تھے تاکہ مسلمان میں انتشار پیدا ہو بالآخر ایک دن موقع ہاتھ آ ہی گیا۔

شاس بن قیس بڑا ہی خبیث الفطرت یہودی تھا۔ اس کا مشن ہی مسلمانوں کو لڑانا اور ان میں انتشار پیدا کرنا تھا اس نے ایک دن اوس وخزرج کے لوگوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا تو آگ بگولہ ہو گیا اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور کہا کہ ان لوگوں کے پاس جا کر بیٹھو پہلے محبت کی باتیں کرو اور پھر موقع پا کر ''جنگ بعاث'' کے واقعات کا ذکر کرو اور اس پر افسوس کا اظہار کرو (جنگ بعاث، اوس وخزرج کی مشہور جنگ کا نام ہے) یہ خبیث گیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اس نے جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا جو بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھا کہ دونوں قبیلے کے لوگوں نے تلواریں نکال لیں، قریب تھا کہ دونوں لڑ پڑتے کہ کسی نے دوڑ کر حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ طرفین تھم تھا ہو چکے ہیں آپ نے بیچ بچاؤ کیا اور فرمایا "کیا ہوا، کیا تم پھر جاہلیت میں مبتلا ہو رہے ہو اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے اور تم پھر گمراہی کے گڑھے میں گر رہے ہو اللہ نے تمہیں عزت بخشی، جاہلیت کی کشمکش سے نجات عطا فرمائی، تمہیں کفر سے بچایا تمہارے دلوں میں محبت والفت پیدا کی اِتَّقُوا اللّٰہَ اللہ سے ڈرو کیا تم پھر کفر کی طرف لوٹ جانا چاہتے ہو۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سنتے ہی انہیں ہوش آیا کہ ہم شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر کیا کرنے جا رہے تھے پس آپس میں معافی تلافی ہونے لگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی مانگنے لگے۔ اسی موقع پر قرآن کریم کی پانچ آیات نازل ہوئیں (سورۃ آل عمران ۱۰۰ تا ۱۰۵) جن میں اہل ایمان کو اہل کتاب کی سازشوں سے باخبر کیا گیا اور باہمی اتحاد واتفاق کی تاکید فرمائی گئی۔

غرضیکہ یہودی، مسلمانوں کے لئے اس وقت بھی خطرہ تھے اور آج بھی خطرہ ہیں نہ انہوں نے پہلے کبھی ایفائے عہد کیا نہ ان سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بجا ہے کہ اسلام دین رحمت ہے، دین رأفت ہے لیکن اس کا قانون عدل وانصاف بھی درحقیقت اس کی رحمت ورأفت کا ایک حصہ ہے جس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو عبرتناک سزا دے تاکہ اس کے ماننے والے، امت مسلمہ ہر قسم کی سازش سے بے خوف وخطر ہو کر پرسکون زندگی بسر کر سکے۔ ایک پرامن معاشرہ قائم ہو سکے جس میں اپنے غیر سب ہی چین کا سانس لے سکیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں انہیں آزادی میسر ہو اسلام کی تحریک جہاد کا بھی یہی مقصد ہے۔

اگر یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے آپ شریعت مطہرہ کے احکام پر غور کریں تو آپ تسلیم کریں گے کہ اسلام نے انہیں اپنانے اور ان پر رحم و کرم کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اہل کتاب کا ذکر ہے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا، ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان سے ہر موقع پر نرمی کا برتاؤ کیا لیکن یہ ظالم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے انہوں نے کبھی بھی مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک کا جواب مثبت انداز میں نہ دیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد ﷺ ہی اللہ کے وہ آخری نبی ہیں جن کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے انہوں نے دشمنی، مخالفت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سازشوں میں کوئی کسر نہ رکھی تو بتائیے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا سکتا تھا یہی نا کہ قانون عدل وانصاف کے مطابق ان سے برتاؤ کیا جاتا اور انہیں مناسب سزائیں دی جاتیں تاکہ امت مسلمہ ان کی سازشوں سے محفوظ رہے پس اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ کیا بلکہ غور کیا جائے تو ان کے جرائم کی بہ نسبت انہیں سزائیں بہت کم اور نرم دی گئیں تاکہ کوئی اسلام پر مخالفین کے ساتھ زیادتی کرنے کا الزام عائد نہ کر سکے۔

اگر آپ بنونضیر کی حرکتیں پڑھیں تو آپ قانون عدل وانصاف کے مطابق ان کی موت ہی کا فیصلہ دیں گے لیکن آقائے رحمت ﷺ نے ان پر کرم کیا کہ انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی وہ بھی اس طرح کہ انہیں اپنا مال ومتاع ساتھ لے

جانے کی اجازت دی گئی لیکن اس نرمی کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے خیبر میں آباد ہونے کے بعد سب سے پہلا کام اسلام کے خلاف سازشوں ہی کا انجام دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہی کے سرداروں کی تحریک پر اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہوا اور دس، بارہ ہزار کا لشکر پوری قوت اور ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا کیا کسر باقی رہ گئی تھی مسلمانوں کے تباہ ہو جانے اور اسلام کے ختم ہو جانے میں اگر اسلام کی حفاظت اللہ کی طرف سے نہ ہوتی اور مسلمانوں کی غیبی امداد نہ کی جاتی تو بظاہر یہ دشمن کامیاب ہو چکا تھا۔

بنو نضیر کے ساتھ نرمی کا جو انجام سامنے آیا اس کے بعد بنو قریظہ کے ساتھ نرمی کا کیا جواز رہ جاتا ہے جبکہ ان کا جرم بھی بنو نضیر سے بہت زیادہ خطرناک تھا کہ ظالموں نے عین حالت جنگ میں غداری کی اگر یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے تو مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کی تدبیر بے کار ہو جاتی اور جب مسلمان بیرونی دشمن سے مقابلہ میں مصروف ہوتے تو عین اسی وقت ان پر اندرون مدینہ سے حملہ کر دیا جاتا۔ غور فرمائیے کیسا بھیانک انجام ہوتا قرآن کریم نے اسی بھیانک صورت حال کا ذکر فرمایا:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝۱۱ (الاحزاب:۱۰۔۱۱)

جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے۔

ان آیات کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر ملاحظہ فرما چکے ہیں، دوبارہ نظر ڈال لیجئے۔

بہر حال بنو قریظہ کا جرم اتنا خطرناک تھا کہ اس کی سزا انہیں جو دی گئی وہ عدل و انصاف کے عین مطابق تھی اگر کہیں انہیں معافی مل جاتی تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتے، جس کا خوف ایک مہلک مرض کی طرح مسلمانوں کو لاغر و کمزور کئے بغیر نہ چھوڑتا، جب بھی لشکر اسلام کو مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑتا انہیں یہی فکر لاحق رہتی کہ نہ جانے بنو قریظہ مدینہ میں کیا کر گزریں یا مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک طاقتور لشکر مخصوص کرنا پڑتا جو اس وقت ممکن نہ تھا پس اس دشمن کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر کے مسلمانوں کو سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کر دی گئی۔

آج بھی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہودی، بنام اسرائیل ہیں جو سازشیں کرتے رہتے ہیں اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہنے کے لئے مسلمانوں کے وسائل صرف ہوتے رہتے ہیں کاش ایک مرتبہ امت مسلمہ متحد ہو کر یہودیوں کا وہی حشر کر دے جو بنو قریظہ کا کیا گیا تھا تو ہمیشہ کے لئے خوف و خطر کے مہلک مرض سے نجات نصیب ہو سکتی ہے اس کے سوا نہ کوئی چارہ ہے نہ کوئی کامیاب سیاسی تدبیر ہے اللہ توفیق و ہمت دے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ درحقیقت بنو قریظہ نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے تو صرف ان کے فیصلے کو قبول کیا اور عملی جامہ پہنایا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب بنو قریظہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فوراً اجازت مرحمت فرمائی اور جب ان کا نمائندہ نباش بن قیس حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اپنے متعلق فیصلہ کا اختیار تم مجھے دے دو لیکن اس نے انکار کر دیا اور بالآخر وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کرنے پر راضی ہوئے۔ واضح رہے کہ سعد بن معاذ یہودیوں کی تجویز پر ہی حکم بنائے گئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے صرف اس تجویز کو قبول کیا تھا اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حکم بن کر آئے تو انہوں نے فریقین سے تسلیم کرایا کہ ان کا فیصلہ جانبین قبول کریں گے پس سعد نے بنو قریظہ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصاف و دیانت کے تقاضے کے مطابق اس فیصلہ کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا تو یہ فیصلہ حقیقت میں خود بنو قریظہ ہی نے کیا تھا۔

بہر حال، بحمد اللہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ایک مکار، طاقتور دشمن سے نجات ملی اللہ نے اپنے اس کرم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۶۔۲۷)

اور اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور ان ملکوں کا جہاں اب تک تمہارے قدم نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! تم نے دیکھا، پڑھا کہ کس طرح اللہ اپنے بندوں پر کرم فرماتا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے بندوں کو دشمن کی سازشوں اور خطرات سے بچایا بلکہ انہیں مغلوب کیا حتیٰ کہ تم نے اللہ ہی کی عطا کردہ قوت سے، طاقتور دشمن پر قبضہ کیا، ان کا قتل عام کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو باندی و غلام بنا لیا، اللہ ہی نے ان کی زمینیں، ان کے گھر اور ان کا دیگر ساز و سامان تمہیں عطا فرما دیا اور ان سرسبز و شاداب ممالک کے تم حاکم بن گئے جن پر تم نے کبھی قدم تک نہ رکھا تھا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی صرف اللہ پر توکل کیا کہ یہ اطاعت شعار بندوں کا مقدر ہے تم بھی اطاعت شعار بن جاؤ اللہ تمہارے لئے بھی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ دیکھو آج بھی وہی دشمن، وہی یہودی تمہارے درپے آزار ہیں تمہارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں کیوں نہیں تم متحد و منظم ہو کر اللہ کے مطیع ہو جاتے کیوں نہیں تم اپنی سیاسی تدابیر چھوڑ کر اللہ پر توکل کر لیتے پھر

دیکھو تم پر انعامات الٰہیہ کی بارش کیسی ہوتی ہے۔ دیکھو یہودیوں کا مال و متاع تمہارا ہے، ان کی زمینوں، گھروں کے وارث تم ہی ہو۔ اسرائیل کے سرسبز و شاداب باغات تمہارے ہیں قبلہ اول کے متولی تم ہی ہو یہ تمہاری کمزوری اور ہم سے دوری کا انجام ہے کہ تمام نعمتوں پر تمہارا دشمن قابض ہے۔ اٹھو اللہ کے رسول کو اپنا وسیلہ بناؤ مادی سہاروں کی پروا کئے بغیر آگے بڑھو آج جو بھی تمہاری زمین پر قابض ہیں اللہ نے انہی کی کتاب میں ارشاد فرمادیا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝

(الانبیاء:۱۰۵)

اور بیشک ہم نے لکھ دیا زبور میں پند و موعظت کے بعد کہ بلا شبہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

یہ زمین اللہ رب العزت کی عطا سے مصطفیٰ کے غلاموں کی ہے لیکن وہ غافل ہو گئے اپنی زمین کی حفاظت نہ کر سکے پس چوروں نے اس پر قبضہ جما لیا۔ للہ! خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنی زمین کی طرف بڑھو جو تمہارے قدم بوسی کے لئے بے چین ہے۔

دیکھو یہ یہودی جس نبی کا امتی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اس نے بھی یہی اعلان کیا تھا کہ اللہ کی زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ (الاعراف:۱۲۸)

فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے ہی لئے ہے۔

یہ یہودی جو آج اسرائیل پر قابض ہیں نہ اللہ کے محبوب بندے ہیں نہ متقی ہیں یہ تو انبیاء علیہم السلام کی قاتل قوم ہے، سود خور، بدکردار ہیں صرف اپنی دولت کے بل بوتے پر متقین کی لاپرواہی کے سبب ایک مقدس قطعہ ارض پر قابض ہیں جسے چھڑا لینا اہل ایمان کے لئے کوئی دشوار نہیں۔

سعد بن معاذ کی وفات

میدان جنگ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہ رگ پر تیر لگا تھا اور انہوں نے اللہ سے بنو قریظہ کا انجام ہونے تک کے لئے زندہ رہنے کی دعا کی تھی، دعا قبول ہوئی۔ بنو قریظہ کا انجام دیکھ کر انہوں نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

مدینہ منورہ واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد کے لئے مسجد نبوی شریف میں ہی خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ آپ کو ان کی مزاج پرسی کرنے میں آسانی رہے نیز رفیدہ بنت سعد الاسلمیہ ان کی مرہم پٹی کر سکیں۔ رفیدہ ایک نہایت ماہر جراحہ تھیں

جو مجاہدین کی مرہم پٹی پر مامور تھیں۔ بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ سنانے کے لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اسی خیمہ سے لے جایا گیا تھا اور پھر یہیں آپ کو واپس لایا گیا۔ ہلنے جلنے کی وجہ سے آپ کا زخم بگڑ گیا جو پہلے ہی نہایت خطرناک تھا، خون بہنے لگا جو کسی صورت بند نہ ہوا بالآخر آپ رخصت ہو گئے۔

وصال کے بعد آپ کو، آپ کے گھر لایا گیا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں صحابہ نے غسل دیا۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے محبوب غلام کو کاندھا دے رہے تھے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر میں رکھا گیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب ہی کھڑے، ان کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھے۔ اچانک آپ ﷺ نے دیکھا کہ سعد کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ اور تین بار اللہ اکبر فرمایا۔ صحابہ نے بھی بڑے جوش کے ساتھ تین مرتبہ نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ جنت البقیع گونج اٹھی۔ صحابۂ کرام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا سعد کو قبر نے بھینچا تھا اگر اس سے کوئی بچ سکتا تو سعد بچتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور فوراً ہی ان کی تنگی و سختی دور ہو گئی۔

اپنے شیر دل بیٹے کی تدفین کا منظر دیکھنے ان کی والدہ بھی آئیں اور فرمانے لگیں ''اَحْتَسِبُکَ عِنْدَاللّٰہِ'' اے لخت جگر! تیری جدائی پر صبر کر کے میں اللہ سے ثواب اور اجر کی امید کرتی ہوں۔

اس موقع پر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ایمان افروز دو روایتیں بیان فرمائی ہیں وہ آپ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ لکھتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ستر ہزار ایسے فرشتے زمین پر اترے جو اس سے پہلے کبھی نہ آئے تھے۔ نیز لکھتے ہیں کہ جس رات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام پھولدار ریشمی عمامہ باندھے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے آج کس کی وفات ہوئی ہے، جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور اللہ کا عرش عظیم جھوم رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''میرا محبوب غلام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مجھ سے رخصت ہوا ہے۔''

عرشِ اعظم کے جھومنے کی توجیہ کرتے ہوئے علماء کرام نے فرمایا ''اِھْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَرَحًا بِرُوْحِہٖ'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح کی آمد کی مسرت وخوشی سے عرش الٰہی جھومنے لگا۔ (ضیاء النبی)

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جزائے جزیل عطا فرمائے کہ انہوں نے اپنے محبوب آقا ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اسلام کی حفاظت واشاعت کا حق ادا کر دیا یہ انہیں کے ایثار وقربانی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہونے پر فخر کرنے کے قابل ہوئے اللہ ہمیں بھی ان کی اتباع وپیروی کی توفیق وہمت عطا فرمائے تاکہ ہم بھی اسلام کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری پوری کر سکیں اور اپنی نسل کو یہ امانت سونپ سکیں۔

آمین یا رب العلمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۲

الاحزاب: ۴۱ تا ۴۴

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۝ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا۝

(احزاب: ۴۱-۴۴)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر (نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے عزت والا اجر۔

اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے اہل ایمان کو براہ راست خطاب سے جو نوازی میسر آتی ہے اس کے علاوہ

ان آیات میں ان کے لئے کئی مسرتیں اور شادمانیاں موجود ہیں کہ ان کا رب کریم نہایت کریمانہ انداز میں انہیں اپنے ذکرو تسبیح کی دعوت دے رہا ہے ان پر اپنے خصوصی کرم اور ملائکہ کی ان سے محبت کا اظہار فرما رہا ہے انہیں سلامتی اور اجر عظیم کا مژدہ دے رہا ہے ان کی میزبانی کی پر مسرت خبر سنا رہا ہے ایسا عجیب دلربا اور دلنواز انداز ہے کہ اس پر جتنا غور کیا جاتا ہے اتنا ہی سرور حاصل ہوتا ہے اتنی ہی طبیعت بمائل اطاعت ہوتی ہے۔ آیئے ان آیات مبارکہ پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں اور اطاعت وفرمانبرداری کا عزم کریں۔ اے اللہ تو ہی ہمیں عمل کی توفیق سے بھی بہرہ ورفرمادے۔

آیۂ مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر بکثرت ذکر کرنے اور صبح وشام تسبیح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

(احزاب:41)

اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ کو کثرت سے اور اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح وشام۔

لفظ ذکر کی وسعت

ذکر کے معنی ہیں یاد کرنا نہایت ہی مختصر چھوٹا سا لفظ ہے لیکن کوزے میں سمندر کے مترادف اپنے اندر تمام عبادات و معاملات کو سموئے ہوئے ہے جس کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ہر وہ عمل جو اللہ اور اس کے رسول کی تعمیل میں ان کی رضا کے لئے کیا جائے، ذکر ہے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ یا وہ معاملات سے متعلق ہو جیسے والدین کی اطاعت وخدمت، اولاد کی تعلیم وتربیت، شوہر یا بیوی کے حقوق کی ادائیگی، حصول معاش کے لئے حلال وحرام کا امتیاز کرتے ہوئے محنت ومشقت کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب ذکر ہے۔ گویا ذکر ایسی بڑی عبادت ہے جو تمام عبادات پر حاوی ہے اسی لئے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کے لئے اوقات متعین ہیں، طریقے متعین ہیں، کچھ پابندیاں ہیں، کچھ شرائط ہیں، مخصوص احکام ہیں لیکن ذکر کے لئے کوئی مخصوص احکام نہیں بس ایک ہی حکم ہے کہ بکثرت ذکر کرو نہ کوئی طریقہ متعین ہے نہ وقت متعین ہے نہ کوئی پابندی ہے نہ کوئی شرط ہے بس ذکر کرو چاہے کھڑے ہو کر کرو چاہے بیٹھ کر کرو چاہے لیٹ کر کرو اور کچھ نہیں تو آسمان وزمین کو دیکھتے رہو اور خالق وحدہ لاشریک کی قدرت کا اعتراف کرتے رہو یہی عقلمندی ہے اور قرآن کریم نے اولوالالباب کی یہی خوبی بیان فرمائی ہے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(آل عمران:۱۹۱)

وہ لوگ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب نہیں پیدا

فرمایا تو نے یہ (سب) بیکار پاک ہے تو ہر عیب سے بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔

اس کائنات کی ہر چیز پر غور وفکر کرنا خالق کائنات کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف کرنا بھی ذکر ہے۔ اولی الالباب، اہل خرد کو کائنات کی ہر چیز میں اللہ ہی کی قدرت نظر آتی ہے ان کے نزدیک انسانی کمالات درحقیقت کمالات الٰہیہ ہوتے ہیں انسان تو صرف ان کمالات کا مظہر ہے، آلہ ہے۔ جس طرح دیگر آلات جن سے انسان کام لیتا ہے۔ آلہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو انسان ہی کرتا ہے اسی طرح انسان تو آلہ ہے یہ کوئی کام نہیں کرتا کام تو درحقیقت اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ'' تو وہی ہے جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

اہمیتِ ذکر

اپنا ذکر سننا اللہ کو نہایت ہی پسند ہے، محبوب ہے۔ اسی لئے اس نے صرف ہمیں ذکر کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ جو پیدائشی طور پر اس کے محبوب ومقرب ہیں یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انہیں بھی یہی حکم ملتا رہا۔

جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وادیٔ طویٰ پر نبوت سے سرفراز فرما کر اور معجزات سے لیس فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو آپ نے اس مشکل کام کی سہولت کے لئے رب سے دعا کی۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۵ تا ۳۲ یہ دعا موجود ہے۔ اے میرے رب میرا سینہ کشادہ فرما دے میرا کام آسان کر دے میری زبان کی گرہ کھول دے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اس سے میری کمر مضبوط کر دے اسے میرا شریک کار بنا دے مولا میں نے یہ سب کچھ تجھ سے اس لئے مانگا۔

كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًاۙ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِیْرًاؕ (طٰہٰ: ۳۳۔۳۴)

تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور کثرت سے تیرا ذکر کرتے رہیں۔

مولا ہم جانتے ہیں کہ تجھے اپنا ذکر بہت پسند ہے اور ہم سے مطلوب ہے پس اے اللہ! تو نے مجھے جو دشوار ذمہ داری سونپی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے میں تجھ سے سہولت وآسانی کی مدد اسی لئے مانگ رہا ہوں کہ میں تیرے ذکر سے کسی لمحہ غافل نہیں ہونا چاہتا۔

اسی سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے دربار میں اعلان حق کرنے کے لئے جانے کا حکم دیا تو جو ضروری ہدایات دی گئیں ان میں پہلی ہدایت یہ تھی۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْۚ (طٰہٰ: ۴۲)

اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں (معجزات) لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔

کسی لمحہ میرے ذکر سے غافل نہ ہونا کہ اسی سے ساری مشکلات آسان ہوتی ہیں یہی کلید کامیابی وکامرانی ہے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول فرمائی انہیں ولد صالح یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا مژدہ دیا اور اس احسان پر بطور شکران سے بکثرت ذکر کرنے اور پاکی بیان کرنے کا مطالبہ فرمایا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران:۴۱)

اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرو اور پاکی بیان کرو صبح اور شام۔

اپنے پیارے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ کو بار بار بکثرت ذکر کا حکم دیا گیا کہ جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی ہر ادا محبوب ہے۔ اس کا ذکر نہ صرف محبوب و پسندیدہ ہے بلکہ تمام ذکر کرنے والوں کے ذکر کی قبولیت کا وسیلہ و واسطہ ہے پس پیارے! تم ذکر کرتے رہو تا کہ سب کا ذکر قبول ہوتا رہے اور تا کہ تمہارے ذکر کے طفیل اس کائنات پر ہماری رحمتوں کی بارش جاری رہے۔ نیز ''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' پیارے ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا ہے۔ اس نعمت کے بدلہ بطور شکر تم ہمارا ذکر کرتے رہو۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (اعراف:۲۰۵)

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ غافلوں میں سے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (کہف:۲۳،۲۴)

اور ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں کل ایسا کرنے والا ہوں مگر یہ (ساتھ یہ بھی کہو کہ) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کرا اپنے رب کو جب تو بھول جائے اور کہو (یہ بھی) کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل:۸)

اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الدھر:۲۵)

اور یاد کرتے رہو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔

محبوب نے محبّ کے حکم کی تعمیل میں اس کا ذکر کیا ایسا ذکر کیا کہ ساری کائنات جھوم اٹھی زمین کے چپہ چپہ پر ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی صدائیں گونجنے لگیں۔ باللّٰہِ الْعَظِیْمِ ان کی ہر ادا ذکر الٰہی تھی ان کی جلوت میں اللہ کے ذکر کی گونج ہوتی ان کی خلوت میں اللہ کے ذکر کی رفاقت ہوتی ان کی زبان مبارک ذاکر تھی۔ ان کا قلب منور ذکر سے لبریز تھا ان کا رونگٹا رونگٹا ان کے رب کا ذکر کرتا تھا وہ کسی لمحہ اپنے رب کریم کے ذکر سے غافل نہ ہوئے حتیٰ کہ سوتے تب بھی قلب سلیم ذکر میں مصروف رہتا اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے میری ماں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا ''اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ'' آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ نے

فرمایا ''ذِكْرُ اللهِ اَنِيْسِىْ'' اللہ کا ذکر میری دلجوئی کرنے والا ہے۔ اسی حدیث میں ہے ''ثَمْرَةُ فُؤَادِىْ فِىْ ذِكْرِه'' میرے دل کا پھل اللہ کا ذکر ہے۔

یہ میرے آقا ﷺ کے ذکر ہی کا صدقہ ہے کہ آج تک زمین کے چپہ چپہ پر اللہ کا ذکر ہو رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا اور میدان قیامت میں صرف سید الذاکرین ﷺ ہوں گے جو سب سے زیادہ اپنے رب کا ذکر کریں گے۔

میرے آقا ﷺ کو اللہ کا ذکر بے حد محبوب و پسند تھا پس آپ نے ہمیں بھی ذکر الٰہی کی دعوت دی تلقین فرمائی چند ارشادات ملاحظہ ہوں اللہ عمل کی توفیق دے۔

راوی ہیں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِىْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِىْ لَايَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔

اس کی مثال جو رب کا ذکر کرے اور ذکر نہ کرے زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ (بخاری)

یہ روایت بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِىْ يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ وَالْبَيْتِ الَّذِىْ لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (مسلم)

اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ جیسی ہے۔

آقا ﷺ کا ارشاد واضح ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے وہی حقیقت میں زندہ ہے لطف زندگی اسی کو حاصل ہے کہ ذاکر کا دل زندہ رہتا ہے وہ شیطان کے وسوسوں اور مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے نتیجتاً وہ اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کر کے پرسکون زندگی بسر کرتا ہے اور جو اللہ کے ذکر سے غافل رہا وہ مردہ ہے کہ اس کا قلب مر جاتا ہے اور مردہ قلب وساوس شیطانی کا مرکز بن جاتا ہے پس یہ شخص بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں پھنس کر ساری زندگی تڑپ، تڑپ کر ہی گزارتا ہے۔

اسی طرح وہی گھر آباد ہے جس میں بسنے والے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہو، ایسے گھر میں ذکر الٰہی کا ایک نور نظر آتا ہے، برکت نظر آتی ہے، اس گھر والوں میں باہمی الفت و محبت ہوتی ہے ان کے دن بارونق اور راتیں پرسکون ہو جاتے ہیں لیکن وہ گھر قبرستان ہے جس میں لوگ تو ہوں لیکن وہ کبھی اللہ کا ذکر نہ کرتے ہوں قبرستان کی طرح اس گھر میں بلیات کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔ اس میں رہنے والے طرح طرح کی آفات میں، امراض میں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں یہاں ہر وقت لڑائی جھگڑوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ایک چہار دیواری میں بسنے والے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہیں ایسے گھروں پر ایک پھٹکار ہوتی ہے جس کے سبب اس میں رہنے والوں کو نہ دن میں چین ہوتا ہے اور نہ رات میں سکون، اللہ محفوظ رکھے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا، راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ''اِجْعَلُوْا فِىْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ

صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا'' اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بناؤ۔ گھروں میں مرد نوافل وغیرہ پڑھتے رہا کریں گھر سے سنتیں پڑھ کر مسجد جایا کریں۔ عورتیں گھروں میں نمازیں پڑھیں۔ صبح وشام تلاوتِ قرآن کی جائے آنے جانے والے ایک دوسرے کو السلام علیکم کہیں غرضیکہ کسی نہ کسی نوعیت کا ذکر گھروں میں ہوتا رہے ورنہ تو اس گھر اور قبرستان میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث ہے۔ جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے یقیناً آپ اس کو پڑھ کر جھوم اٹھیں گے۔ غور کیجئے اللہ کے فضل وکرم پر ناز کیجئے اپنے مقدر پر اور ہو جایئے ذاکرین میں سے فرمایا میرے آقا ﷺ نے:

اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ ذاکرین کی کسی جماعت کو پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف (یعنی مل گئے وہ جنہیں ہم تلاش کر رہے تھے) پس وہ فرشتے ان ذاکرین کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں (محبت و الفت کے طور پر) پھر وہ اپنے رب کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اللہ تو اپنے بندوں کا حال جانتا ہے (لیکن فرشتوں سے اپنے ذاکر بندوں کی تعریف سننا پسند فرماتا ہے) اے فرشتو تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں يُسَبِّحُوْنَكَ، وَيُكَبِّرُوْنَكَ، وَيُحَمِّدُوْنَكَ، وَيُمَجِّدُوْنَكَ اے رب تیرے بندے تیری تسبیح کر رہے تھے، تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری تعریفیں کر رہے تھے اور تیری بزرگی بیان کر رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ''هَلْ رَاَوْنِيْ'' کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''مَا رَاَوْكَ'' نہیں مولا انہوں نے تجھے دیکھا تو نہیں۔

اللہ فرماتا ہے ''كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِيْ'' اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو وہ اور زیادہ تیری عبادت کرتے اور زیادہ بزرگی بیان کرتے اور زیادہ تسبیح کرتے۔

اللہ فرماتا ہے ''فَمَا يَسْئَالُوْنَ'' وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''يَسْئَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ'' مولا وہ تجھ سے جنت مانگ رہے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ''هَلْ رَاَوْهَا'' کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں ''لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا'' نہیں بقسم اے رب انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔

اللہ فرماتا ہے ''فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا'' اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اس کی بہت حرص کرتے اس کے بہت ہی طلب گار ہو جاتے اور اس کی طرف ان کی رغبت اور زیادہ ہو جاتی۔

اللہ فرماتا ہے "فَمِمَّا يَتَعَوَّذُوْنَ" وہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے۔

فرشتے کہتے ہیں "مِنَ النَّارِ" جہنم کی آگ سے۔

اللہ فرماتا ہے "فَهَلْ رَاَوْهَا" کیا انہوں نے جہنم کو دیکھا ہے۔

فرشتے عرض کرتے ہیں "لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا" نہیں، بقسم اے رب انہوں نے اسے نہیں دیکھا۔

اللہ فرماتا ہے "فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا" اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا ہے۔

فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو وہ اُس سے مزید بھاگتے اور مزید ڈرتے۔

پھر اللہ فرماتا ہے "فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّىْ غَفَرْتُ لَهُمْ" (اے فرشتو!) میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔

فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ ان میں ایک شخص تھا جو ذکر نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی کسی ضرورت کے لئے ان کے پاس آیا تھا۔

اللہ فرماتا ہے "لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ" ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ (بخاری شریف)

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِكَ الذَّاكِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا بِجَاهِ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ"

حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی (دیہاتی) حاضر ہوا اور سوال کیا "لوگوں میں بہترین شخص کون ہے؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ" خوش نصیب ہے وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور عمل اچھے ہوئے۔ اعرابی نے پھر عرض کیا "کونسا عمل افضل ہے؟" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اِنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" کہ تو دنیا سے اس طرح جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو (یعنی اللہ کا ذکر کرتے کرتے موت آئے)۔ (ترمذی شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔

جب تم جنت کی کیاری سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جنت کی کیاری، کیا ہے فرمایا ذکر کے حلقے (ذکر کی مجلسیں) (ترمذی شریف)

محفل میلاد، محافل ذکر شہادت، محافل عرس، محافل سوئم و چہلم، محافل نعت وغیرہ جنت کی کیاریاں ہیں ان کا اہتمام کرنے والے ان کیاریوں کے مالی ہیں، ان میں شریک ہونے والے جنت کے حقدار ہو جاتے ہیں ان سے نہ رکو اور نہ روکو

بلکہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان میں شرکت کروان کے قریب سے بھی گزرو تو کچھ نہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاؤ کچھ چرلو یعنی کچھ نہ کچھ سیکھ لو، سن لو تبرک ہی لے لو، ذکر کے یہ حلقے، بڑے بابرکت ہوتے ہیں یہاں سے کوئی محروم نہیں جاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَايَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَّكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ (ابوداؤد)

جو لوگ کسی مجلس سے اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھ جاتے ہیں وہ مردار گدھے کی طرح اٹھتے ہیں اور افسردہ ہوتے ہیں۔

اہل ایمان کی جو بھی مجلس ہو نشست ہو اس کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہونا چاہئے اور انتہا بھی اللہ کے ذکر پر ہی ہونا چاہئے چاہے یہ سیاسی مجلس ہو یا تجارتی، خانگی امور سے متعلق ہو یا معاشی و معاشرتی امور کے لئے ہو یا اتفاقاً، بلاعنوان چند مسلمانوں کی باہمی گفتگو ہو۔ بہرحال اس میں کہیں نہ کہیں یا کم از کم اس کے اختتام پر اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہئے کہ اس سے طے شدہ مسائل میں برکت ہوتی ہے۔ محفل میں قصداً یا سہواً اگر کوئی خلاف شرع بات ہو جاتی ہے تو اللہ اپنے ذکر کی برکت سے اسے معاف فرما دیتا ہے لیکن اگر محفل میں بالکل ہی اللہ کا ذکر نہ ہوا بس لوگ جمع ہوئے اپنی باتیں کیں اور چل دیئے تو یہ محفل نہایت ہی بدترین محفل ہے۔ اس کے لئے آقائے رحمت ﷺ نے ایک نہایت ہی گھناؤنی مثال دی ہے تاکہ ہم غلام اپنی اصلاح کرلیں آپ نے ان لوگوں کی محفل کو جو اللہ کا ذکر کئے بغیر اٹھے اور چل دیئے، مردار گدھا، کھانے کی محفل قرار دی کہ بس یہ لوگ مردار گدھا کھانے جمع ہوئے کھایا اور چل دیئے۔ نیز آپ نے بتایا کہ اس طرح اپنی نشست برخاست کرنے والے کبھی خوش نہیں ہو سکتے وہ حسرت و یاس میں ہی مبتلا رہیں گے پس ہمیں اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنی محفلوں کو ذکر الٰہی سے بابرکت اور بارونق بنانا چاہئے جس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ارادوں کے ساتھ انشاء اللہ اچھی باتوں پر ماشاء اللہ، الحمد اللہ، افسوسناک باتوں پر اِنَّا لِلّٰہ وغیرہ جیسے چھوٹے، چھوٹے جملے بولنے کی عادت ڈالیں اس طرح جب چند مسلمانوں کی محفل ہوگی تو وہ اپنی عادت کے مطابق موقع کی مناسبت سے یہ جملے بولتے رہیں گے۔ لیجئے گفتگو بھی ہوتی رہے گی اور اللہ کے ذکر کی برکت بھی برستی رہے گی کس قدر آسان ہے دین پر عمل کرنا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کون سے بندے اللہ کے نزدیک افضل ہیں اور قیامت کے دن بلند مرتبہ ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا ''اَلذَّاكِرُوْنَ اللّٰهَ وَالذّٰكِرَاتُ'' اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ عرض کیا گیا اور یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ کا غازی یعنی اس کا مقام کیا ہے؟ فرمایا: اگر غازی کفار و مشرکین پر اتنی تلوار چلائے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور دشمن کے خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہوگا۔ (ترمذی شریف)

ذکر کے چند فوائد

آیئے اب ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر الٰہی کے چند فائدوں پر غور کریں کیونکہ ہماری فطرت ہے کہ کوئی کام ہم اس کا فائدہ جانے بغیر نہیں کرتے جبکہ اللہ ورسول کے احکام پر عمل ہمیں صرف اطاعت وفرمانبرداری کے جذبہ سے کرنا چاہئے اور اگر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تب تو نہایت ہی اعلیٰ مقام ہے تاہم چونکہ ہر حکم شرع کا کوئی نہ کوئی فائدہ موجود ہے تو اس کے جان لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ذکر الٰہی ایک ایسا عمل ہے جس کے بے شمار فوائد بتائے گئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝ (البقرہ:۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

ذاکرین کے لئے کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اللہ احکم الحاکمین ان کا ذکر فرماتا ہے بایں صورت کے جو بندے ہر حال میں اور ہر لمحہ اپنے رب کریم کو یاد کرتے ہیں وہ اپنے فضل وکرم سے ان کے ہر حال کو درست رکھتا ہے اور ہر لمحہ اپنے انعامات سے نوازتا رہتا ہے نیز اس طرح کہ ہم تو صرف زمین پر اس کا ذکر کرتے ہیں اور وہ مالک عرش وکرسی اپنی نورانی مخلوق ملائکہ میں ہمارا ذکر فرماتا ہے اور انہیں گواہ بنا کر ہماری بخشش ومغفرت کا اعلان فرماتا ہے۔ جیسا کہ آپ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث شریف پڑھ چکے ہیں ایک حدیث اور ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (مسلم شریف)

جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ اترتی ہے اور اپنے پاس والوں میں اللہ ان کا ذکر کرتا ہے۔

آقا ﷺ کے اس ارشاد پر غور فرمایئے اور ناز کیجئے اس اعزاز پر جس سے اللہ کریم نے ہمیں نوازا بشرطیکہ ہم اسے ہر حال میں یاد رکھتے ہوں زبان سے دل سے اور اپنے اعمال سے ذاکرین کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ فرشتے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں تاکہ جن وانس کے ہر خطرے سے وہ محفوظ رہیں رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہوتی ہے جس سے وہ دنیا ومافیہا کی ساری الجھنوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کو چین نصیب ہو جاتا ہے، بے فکری کی پرسکون اور پراطمینان زندگی انہیں میسر آ جاتی ہے۔ نیز "فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ" کے وعدے کے مطابق اللہ بھی ان کا ذکر فرماتا ہے "فِيْمَنْ عِنْدَهٗ" اس مخلوق میں جو اس کے پاس ہوتی ہے یہی نورانی مخلوق ملائکہ ہیں۔

ایک حدیث اور ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٌ مِّنْهُمْ۔

میں (اللہ) اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے پس اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اکیلے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ (مسلم و بخاری)

جب بندہ عمل صالح کرتا اور اس کی قبولیت کا یقین رکھتا ہے تو اللہ ضرور قبول فرماتا ہے لیکن اگر اسے قبول کا یقین نہ ہو تو اللہ بھی اس کا عمل قبول نہیں فرماتا اسی طرح اگر کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ پر پوری طرح توکل ہو اور کامیابی کا یقین ہو تو اللہ ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے لیکن اگر کامیابی کا یقین نہ ہو تو اللہ کی طرف سے بھی اس کے لئے ناکامی مقدر ہو جاتی ہے۔ یہ مفہوم ہے ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ'' کا لیکن اگر بدعمل، جنت کا دعویٰ کرتا پھرے اور کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف نہ بڑھنے والا کامیابی کا یقین کئے بیٹھا رہے تو یہ اللہ سے امید کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے جس کا انجام محرومی کے سوا کچھ نہیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مژدے پر جھومئے اور ذاکرین میں شامل ہو جائیے کہ ذاکرین کو ہر حال میں اللہ کا فضل و کرم حاصل رہتا ہے اور انہیں یہ شرف نصیب ہوتا ہے کہ اگر وہ تنہا ذکر کرتے ہیں تو اللہ بھی تنہا ان کا ذکر کرتا ہے اور اگر وہ ذکر کے حلقوں میں شامل ہو کر ذکر کرتے ہیں تو اللہ ان کا ذکر اس مخلوق میں کرتا ہے جو ان سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ ارواح انبیاء و اولیاء اور ملائکہ مقربین کا اجتماع ہوتا ہے اس میں اس ذاکر بندے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب اللہ ہمیں یاد فرماتا ہے لوگوں نے حیرت سے کہا کہ آپ اس وقت کو کیسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' پس جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ بھی ہمیں یاد فرما رہا ہے۔ ''اللھم اجعلنا من الذاکرین''

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا ظلم کریں اپنے آپ پر تو ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اس پر جو ان سے سرزد ہوا حالانکہ وہ جانتے ہیں یہی ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت جاری ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام

کرنے والوں کا۔

ان آیات مبارکہ پر غور کیجئے ان لوگوں کا حال بیان کیا جارہا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو بدکاریوں اور برائیوں کے جال میں پھنسا کر اپنے اوپر خود ہی ظلم کیا جب اس جال نے انہیں بری طرح جکڑا تو انہیں احساس ہوا اور انہوں نے اس لاچاری و مجبوری کی حالت میں اللہ کو پکار پکار کر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی بس ذکرِ الٰہی کی دھاردار تلوار نے اس جال کو کاٹ ڈالا یہ اس سے آزاد ہو گئے۔ جس ربِ قدیر کو انہوں نے پکارا وہ بڑا ہی غفور الرحیم ہے۔ اس نے نہ صرف ان کو معاف کیا بلکہ ان کے ذکر کی جزاء کے طور پر انہیں مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا مژدہ بھی سنایا لیکن ان انعامات سے انہی کو نوازا جاتا ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے بلکہ احساسِ گناہ ہوتے ہی اللہ کا ذکر کرنے لگتے اور توبہ کر لیتے ہیں۔

کیونکہ مؤمن گناہوں کے جال میں اسی وقت پھنستا ہے جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہمیں بتاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ۔

شیطان انسان کے دل سے چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب انسان (ذکرِ الٰہی سے) غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث میں اِبْنِ اٰدَمَ سے مراد عام انسان نہیں بلکہ مؤمن ہے کیونکہ شیطان مؤمن کے دل سے چمٹتا ہے کافر کے دل سے اسے چمٹنے کی ضرورت نہیں کہ کافر کا دل تو شیطان کا گھر ہی ہے جو مؤمن اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اس کے قلب پر شیطان کے چمٹے رہنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا لیکن جونہی مؤمن ذکرِ الٰہی سے غافل ہوتا ہے شیطان کو موقع ہاتھ آ جاتا ہے وہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے حتٰی کہ اسے گناہوں میں مبتلا کر کے اس کے دل پر ناچنے لگتا ہے اور جونہی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو شیطان مردہ ہو جاتا ہے اور اللہ کے بندے کے اعمال ذکر کے سبب درست ہونے لگتے ہیں، دل سے گناہوں کی سیاہی چھٹنے لگتی ہے حتٰی کہ اس کا قلب نورِ ایمان سے منور ہو جاتا ہے اور اس کا شمار ذاکرین میں ہونے لگتا ہے اسے دنیا میں خوف و حزن سے آزادی مل جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے اسے حَيٰوةِ طَيِّبَةً کا تحفہ بخشا جاتا ہے اور جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

ہر چیز کے لئے صقالہ (چمکانے والا) ہوتا ہے اور دلوں کو چمکانے والا اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے ذکر سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والا کوئی عمل نہیں۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ کی راہ میں جہاد بھی دلوں کو چمکانے والا اور عذابِ الٰہی سے نجات

دلانے والا عمل نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں چاہے مجاہد اپنی تلوار سے کفار کو اتنا قتل کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (بیہقی)

غرضیکہ اللہ کا ذکر گناہوں کی سیاہی کو قلب سے چھانٹ دیتا اور دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیتا ہے اور اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے لہٰذا اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ کا ذکر کرنا گناہ سے توبہ کر لینا اور معافی طلب کرنا چاہئے جو کسی بھی طرح ہو کسی الفاظ میں کسی زبان میں ہو بہتر ہے یہ پڑھا جائے:

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الْكَرِيْمَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ

یہ جملے ذکرِ الٰہی بھی ہیں اور استغفار بھی ان کو ہر وقت کثرت سے پڑھنے سے مؤمن گناہوں اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ بھی یاد کر لیجئے اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے ہر نماز کے بعد کم از کم گیارہ مرتبہ ضرور پڑھ لیا کیجئے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؁ (الاحزاب:۲۱)

بیشک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے (یہ نمونہ) اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

اسوۂ حسنہ، مؤمن کے کمال ایمان کا ذریعہ ہے رضائے الٰہی کی منزل تک رسائی کا نقشہ ہے۔ حلاوت ایمان کے حصول کا واسطہ ہے اور فوائد ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ ہے جس کے بغیر مسلمان منزل سے بھٹکے مسافر کی طرح درماندہ و پریشان حال ہو جاتا ہے لیکن اسوۂ حسنہ کے حقیقی فیوض و برکات صرف مؤمن ہی کا حصہ ہیں کہ بغیر ایمان کے رسول کے طرز زندگی کو اپنانے والا شاید دنیاوی طور پر تو عزت و راحت حاصل کر لے لیکن اس کے لئے آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہ ہوگا اور جسے ایمان کی دولت تو نصیب ہو لیکن اللہ کے ذکر کی نعمت سے وہ محروم ہو وہ اسوۂ حسنہ سے فیض یاب نہیں ہو سکتا کہ وہ مؤمن ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ اصول زندگی کو اپنا نہیں پاتا پس وہ منزل سے دور اور زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی ایک کھلونا بن کر رہ جاتی ہے جس سے سب کھیلتے ہیں جسے سب استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی عزت نہیں کرتا لیکن جونہی مؤمن کو ہوش آتا ہے اور وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اسے وہ نقشہ نظر آنے لگتا ہے، جس کی مدد سے وہ اپنی منزل کو پا سکتا ہے اور جوں جوں اس کی طرف سے ذکر الٰہی بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی یہ نقشہ اس کے لئے نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے پس وہ ان نقوش کو اپناتا ہے اور ایک مطمئن و پرسکون مسافر کی طرف اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے پس ذکر الٰہی ذریعہ ہے اسوۂ حسنہ کی معرفت کا اور اس سے فیض یاب ہونے کا اسی لئے میرے آقا ﷺ نے ذکرِ الٰہی کو خیر الاعمال بہترین عمل قرار دیا کہ بروایت حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا:

کیا میں تمہیں ایسا بہترین عمل بتاؤں جو بہتر ہے تمہارے اچھے اعمال سے جو پاکیزہ ہیں تمہارے رب کو پسند ہیں اور درجات کے لحاظ سے بہت بلند ہیں اور وہ عمل بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے سونا چاندی خرچ کرنے سے اور بہتر ہے اس سے کہ تم دشمن کے مقابلہ پر آؤ اور تم دشمن کی گردنیں کاٹو اور دشمن تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بتائے (ایسا کونسا عمل ہے جو ان تمام اعمال سے افضل ہے) "قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ کا ذکر۔

میرے آقا ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق تمام اعمال سے افضل ذکر اللہ ہے کیونکہ اسی سے مؤمن اعمال حسنہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ قرآن کریم کا بھی ارشاد ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (عنکبوت: ۴۵)

اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ "ذکرِ الٰہی میں کوتاہی نہ کرو" روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَاتَقْصُرُوْا فِي ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ ذِكْرَكُمْ اِيَّاهُ يَفْضِيْ اِلٰى ذِكْرِهٖ اِيَّاكُمْ وَلَذِكْرُهٗ اِيَّاكُمْ اَفْضَلُ مِنْ ذِكْرِكُمْ اِيَّاهُ.

اللہ کے ذکر میں کوتاہی نہ کرو کیونکہ تمہارے ذکر ہی کے سبب وہ تمہارا ذکر فرماتا ہے اور اس کا تمہیں یاد کر لینا تمہارے یاد کرنے سے افضل ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذکرِ الٰہی سے ہی قلبِ مؤمن کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔ فرمایا گیا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۸﴾ (الرعد: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے بغور سنو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ذاکرین و ذاکرات کو دنیا ہی میں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ سنایا گیا۔ ارشاد ہوا:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ (احزاب: ۳۵)

اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم۔

غرضیکہ ذکرِ الٰہی ہی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ جس پر قرآن کریم شاہد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵)

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

ذکر سے غفلت

ذکرِ الٰہی کی اہمیت اور اس کے چند فوائد کے بعد اب مختصراً اس سے غفلت کا انجام اور ان لوگوں کی سزا بھی ملاحظہ فرمایئے جو رب کریم کے ذکر سے منہ موڑ کر، دنیا کے عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شریعت کی پابندی تو درکنار ان کی زبان پر مدتوں اللہ اور اس کے رسول کا نام تک نہیں آتا کاش وہ اللہ اور رسول کے ان ارشادات کو پڑھ کر توبہ کر لیں اور اپنے دل سے گناہوں کی سیاہی صاف کرنے کے لئے اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جائیں چند ہی دن میں ان کا قلب روشن و منور ہو جائے گا اور وہ اپنے آپ کو احکامِ شرع کی پابندی کی طرف مائل پانے لگیں گے۔

منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ ان میں دیگر عیوب کے ساتھ ایک عیب یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ (النساء:۱۴۲)

بیشک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

وہ لوگ تو بالکل ہی گمراہ ہیں جنہیں اللہ کا ذکر سنایا جاتا ہے لیکن پھر بھی ان کے دل ذکرِ الٰہی کی طرف مائل نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لئے ''وَيْلٌ'' ہلاکت، ذلت و خواری ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ''وَيْلٌ'' جہنم کا ایک نچلا گڑھا بھی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہو کر دنیا کی عیاشی میں خوب مست ہیں انہیں اللہ کو یاد کرنے کی فرصت ہی نہیں اگر کوئی مبلغ انہیں محفل ذکر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے یا توبہ و ذکر کی نصیحت کرتا ہے تو یہ نہایت ہی متکبرانہ انداز میں اسے گھورتے ہیں اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ذکر سے غفلت کے باعث ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کے گھر قبرستان بن چکے ہیں ان کی محفلوں پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت برستی ہے یہ خود طرح طرح کی آفات و بلیات میں مبتلا رہتے ہیں بے چین ہیں، مضطرب ہیں لیکن ہٹ دھرم ہیں، ضدی ہیں کسی ناصح کی نصیحت پر غور تک کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ درج ذیل قرآنی آیات پر غور کیجئے اور پناہ مانگئے ذکرِ الٰہی میں کمی یا غفلت سے:

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ (زمر:۲۲)

پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ (زخرف:۳۶)

اور جو منہ پھیر لیتا ہے رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (مجادلہ:۱۹)

تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے اس نے اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا یہی لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں بغور سنو شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝ (الجن:۱۷)

اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ اسے داخل کرے گا سخت عذاب میں۔

ان آیات کی روشنی میں نبی مکرم کی ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَّا يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً.

جو شخص کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر نہ کرے یہ مجلس اس کے لئے اللہ کی طرف سے خسارے کا سبب ہو گی اور جو شخص بستر پر لیٹ کر اللہ کا ذکر نہ کرے تو بھی اسے اللہ کی طرف سے خسارہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

اُس مجلس کے فیصلوں میں کبھی برکت اور کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی جس میں کسی بھی نوعیت سے اللہ کو یاد نہ کیا جائے چاہے مواقع کی مناسبت سے صرف سبحان اللہ، ماشاء اللہ، انشاء اللہ ہی کہہ لیا جائے تب بھی اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ خسارے اور نقصان سے محفوظ رکھے گا اسی طرح اس آرام سے کبھی سکون میسر نہیں آ سکتا جس سے پہلے کچھ اللہ کا ذکر نہ کیا جائے لہٰذا سونے سے پہلے کم از کم آیۃ الکرسی، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یا صرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ تین مرتبہ پڑھ لینا چاہئے۔ اس کے بعد بہتر ہے کہ درود شریف پڑھتے پڑھتے سو یا جائے۔ اس سے نیند بھی خوب آتی ہے برے اور ڈراؤنے خوابوں سے بھی نجات رہتی ہے۔ بہر حال اس ارشاد کے مطابق ذکر الٰہی سے غفلت بے برکتی اور خسارے کا سبب ہے، پس

اے ایمان والو! ''اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا'' اللہ کا ذکر بکثرت کرو، ہر وقت کرو، آہستہ کرو یا باآواز کرو، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام نہ ہو جب تم سو رہے ہو تب بھی تمہارا دل ذکر میں مصروف ہو جس کا پتہ تمہیں اس طرح چل سکتا ہے کہ جب بھی تمہاری آنکھ کھلے تمہاری زبان پر کوئی کلمہ ذکر ہو مثلاً کلمہ طیبہ، یَا اَللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یا درود شریف اگر تمہاری یہ کیفیت ہو جائے تو خوش ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں اس نے ذکر کی نعمت سے نواز دیا۔ یاد رکھو کہ:۔

ذکر الٰہی تمہارے مؤمن کامل ہونے کی علامت ہے۔

ذکرِالٰہی، کی کثرت انبیاء واولیاء اور صالحین کا وطیرہ ہے۔

ذکرِالٰہی، تمہارے اُولوالالباب اہل خرد اور عقلمند ہونے کی علامت ہے۔

ذکرِالٰہی، سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے دل زندہ ہوتے ہیں۔

ذکرِالٰہی، سے دلوں سے گناہوں کی سیاہی چھٹتی ہے دل نور ایمان سے چمک جاتا ہے۔

ذکرِالٰہی، سے دل اللہ کے انوار و تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔

ذکرِالٰہی، سے گھروں میں نور پیدا ہوتا ہے رونق ہوتی ہے۔

ذکرِالٰہی، سے آفات و بلیات دور ہوتی ہیں امراض سے شفا ملتی ہے۔

ذکرِالٰہی، سے رزق میں برکت ہوتی ہے، تنگی و تنگدستی سے نجات ملتی ہے۔

ذکرِالٰہی، سے چہرے منور و روشن ہوتے ہیں۔

ذکرِالٰہی، سے اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے برائیوں اور بدکاریوں سے نجات ملتی ہے۔

ذکرِالٰہی، خیر الاعمال تمام نیکیوں سے بہتر اور بڑی نیکی ہے۔

ذکرِالٰہی، قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔

ذکرِالٰہی، کرنے والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

ذکرِالٰہی، مؤمن کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔

''اے اللہ اپنے ذکر سے ہماری زبانوں کو تر اور ہمارے دلوں کو پُر فرما، آمین''

اللہ کی تسبیح

آیت زیر گفتگو میں دوسرا حکم تسبیح کا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

اور اس کی پاکی بیان کرو صبح و شام۔

بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک لہ اس لائق ہے کہ ہر لحہ و ہر آن اس کی پاکی بیان کی جائے اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح سے گونج رہا ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (الاسراء: ۴۴)

پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز بھی ان میں موجود ہے اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے بیشک وہ بردبار بہت بخشنے والا ہے۔

آیۂ مبارکہ میں بڑی ہی پر لطف بات فرمائی گئی ''لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ'' تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس کی وضاحت ہم ابھی پیش کرتے ہیں۔ پہلے ان آیات کا مطالعہ ہو جائے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ (الرعد: ۱۳)

اور کڑک اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (النور: ۴۱)

کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے ہر ایک جانتا ہے اپنی دعا اور اپنی تسبیح کو اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحدید: ۱)

اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورۃ الحدید کی یہ پہلی آیت ہے۔ بعینہٖ اسی آیت مبارکہ سے سورۃ الحشر اور سورۃ الصف کا آغاز ہوا ہے جبکہ یہی مضمون سورۃ الحشر کی چوبیسویں آیت میں صرف اتنے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ماضی ''سَبَّحَ'' کی جگہ مضارع ''یُسَبِّحُ'' کا صیغہ آیا ہے۔ سورۃ جمعہ اور سورۃ تغابن کی ابتداء بھی ''یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ'' کے جملہ مبارکہ سے ہوئی ہے۔ بخوف طوالت ہم نے ان آیات کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ بتانا صرف اتنا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح اور پاکی میں مصروف ہے۔ اس کا تعلق چاہے جمادات سے ہو، نباتات، معدنیات یا حیوانات سے ہو کیسی ہی مخلوق کیوں نہ ہو بہر حال وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

انسان، اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ نے اسے دیگر اختیارات کی طرح اپنی تسبیح اور پاکی بیان کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ وہ انسان جو اللہ پر ایمان لائے دیگر احکام کی تعمیل کی طرح حکم تسبیح پر بھی عمل کرتے ہیں اور وہ اللہ سے محبت اور اس کی رضا کے سبب ہر حال میں مختلف طریقوں اور مختلف انداز سے رب کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا ان کی زبانیں تو اللہ کی تسبیح سے گونگ ہوگئیں لیکن ان کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اپنے خالق کی پاکی بیان کرتا ہے اگر چہ انہیں آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ آخرت کا اجر تو اللہ کے عطا کردہ اختیار کو اللہ کی مرضی سے استعمال کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے ایمان کو اصل قرار دیا گیا کہ مؤمن جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے جبکہ کافر اگر کوئی نیک کام کرتا بھی ہے تو اس میں اس کی مرضی یا غرض شامل ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنی نیکیوں کی وجہ انسانی ہمدردی یا خود اطمینانی بتاتا ہے مثلاً ایک مؤمن نے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا تو اس کی وجہ یہ بتائے گا کہ میں نے یہ کام اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا ہے یا ثواب کے

لئے کیا ہے لیکن اگر کافر نے یہ کام کیا تو وہ اس کی وجہ یہی بیان کرے گا کہ وہ بھی انسان ہے، میں نے انسانیت کے ناطے اسے کھانا کھلایا ہے پس جو کام انسانیت کے ناطے کیا گیا اس کا بدلہ بھی انسان ہی دیں گے دیں یا نہ دیں یہ ان کا عمل ہوگا لیکن مؤمن ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ ہی اس کا بدلہ دیتا ہے اور اپنے فضل وکرم سے ضرور دیتا ہے ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' اللہ کسی نیکی کرنے والے کا بدلہ ضائع نہیں فرماتا۔

بہر حال انسان اللہ کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔ مؤمن اختیار خوشی سے اللہ کی رضا کے لئے اور کافر مجبوراً اللہ کا انکار کرنے کے باوجود طوعاً وکرھاً یہی حال جنات کا بھی ہے۔

ملائکہ کی تسبیح

رہے ملائکہ تو وہ تو پیدا ہی تسبیح وتحمید ہی کے لئے کئے گئے ہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات سے اندازہ کیجئے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ۝ (انبیاء:۲۰)

وہ (فرشتے) اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں دن رات اور وہ اکتاتے نہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝
(صٰفٰت:۱۶۴تا۱۶۶)

اور (فرشتے کہتے ہیں) ہم میں کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرباندھے کھڑے ہیں اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (الزمر:۷۵)

اور تم پاؤ گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے اردگرد عرش کے پاکی بیان کررہے ہوں گے اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

سورۃ المؤمن میں فرشتوں کی تسبیح کے ساتھ ہمارے لئے ان کے استغفار اور دعا کا ذکر بھی کیا گیا۔ جس کا انداز اس قدر ایمان افروز اور دلنواز ہے کہ یہ آیات اگرچہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن ہم انہیں نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (المؤمن:۷تا۹)

جوفرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو گھیرے ہوئے ہر شئی کو (اپنی) رحمت اور علم سے پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی اور پیروی کی تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں جہنم کے عذاب سے۔ اے ہمارے رب داخل فرما انہیں سدابہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے بیشک تو ہی سب سے زبردست حکمت والا ہے اور بچالے انہیں سزاؤں سے اور جسے تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کی تسبیح کا حال اس تسبیح پر ہی تو انہیں ناز تھا جو انہوں نے انسان کا مقام لینے کے لئے بطور حق استعمال کیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ''اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً'' میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے مستقبل کے خلیفہ کو مفسد و متفنی سمجھا اور اس منصب پر اپنا حق جتاتے ہوئے اپنی خوبی یہی بیان کی کہ ''نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ'' ہم تو پاکی بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تیری بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں اور جب انہیں رب نے فیصلہ سنا دیا کہ ایسا ہی ہوگا کیونکہ ''اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ'' جو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں تو انہوں نے فیصلہ رب کو قبول کیا اور اسی انسان کو حکم رب کی تعمیل میں سجدہ بھی کیا اور آج تک وہ ان تمام امور کو انجام دے رہے ہیں جو اللہ نے انسانی خدمات سے متعلق ان کے سپرد کئے ہیں اور وہ اہل ایمان کے ایسے خیرخواہ ہیں کہ ان کی مغفرت و بخشش کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اللہ کے دربار میں ان کی تعریفیں کرتے اور سفارشیں کرتے ہیں۔

جن وانسان اور ملائکہ کے علاوہ زمین وآسمان کی ہر مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ ہمارا یہی ایمان وعقیدہ ہے اور ہونا چاہئے کہ قرآن کریم نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہی بیان فرمایا اور واقعات سے ایسا ہی ثابت ہے وہ جو اپنے آپ کو عقلمند کہتے ہیں ان کی کوئی بات جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے خلاف ہو وہ ہم ہرگز نہیں مان سکتے۔ اس لئے کہ پہلی عقلمندی تو یہی ہے کہ بندہ اللہ پر اور اس کی قدرت پر ایمان لائے اور جو کچھ اللہ کے رسول نے بتایا اور پہنچایا اس کو بلا چوں و چرا تسلیم کرلے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اسے عقلمند تسلیم کرنا ہی بڑی بے وقوفی اور حماقت ہے۔ انہی عقلمندوں کے چکر میں آکر اچھے خاصے عقلمند دین وایمان سے محروم ہوجاتے ہیں پس بلا تامل اس حقیقت کو تسلیم کر لیجئے کہ چرند، پرند، شجر، حجر، متحرک اشیاء، منجمد اشیاء غرضیکہ ہر چیز اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کرنے میں مصروف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کیسے پاکی بیان کرتے اور کیا کہتے ہیں تو یہ سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں قرآن پر غور کیجئے آپ کی پریشانی دور ہوجائے گی۔ جس رب کے ارشاد کے مطابق ہم اس حقیقت پر ایمان لائے کہ ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ اسی رب نے یہ حقیقت بھی بتائی کہ تم بہت سی چیزوں کی طرح ان کی تسبیح کو بھی نہیں سمجھ پاتے۔

لَا تَفْقَهُوْنَ

غرضیکہ ہرمخلوق اپنے خالق کی تسبیح و پاکی بیان کرتی ہے اور وہ اپنی دعا و تسبیح کا طریقہ بخوبی جانتی ہے لیکن ''لَا تَفْقَهُوْنَ'' تم نہیں سمجھتے اور جس چیز کو تم نہ سمجھ سکو یا نہ دیکھ سکو یا نہ محسوس کر سکو ضروری نہیں کہ اس کا وجود ہی نہ ہو تم اس کو تسلیم ہی نہ کرو پس تمہارا کام اللہ اور اس کے رسول کی بیان کردہ ہر چیز پر ایمان لانا اور یقین کرنا ہے اسی میں تمہاری نجات ہے اور جس چیز کو تم سمجھ نہ سکو محسوس نہ کر سکو تو ضروری نہیں کہ تم یہ سمجھ لو کہ سب تمہاری طرح ہیں۔ جو میں نہ سمجھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں سمجھ سکتا، جو میں نہ دیکھ سکا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں دیکھ سکتا جو میں محسوس نہ کر سکا وہ کوئی دوسرا بھی محسوس نہیں کر سکتا جو میں نہیں جانتا وہ کوئی دوسرا بھی نہیں جانتا۔ یہ عقیدہ تو اندھوں، بہروں اور گونگوں جیسا ہو گا کہ یہ لوگ سب کو اپنی طرح اندھا، گونگا اور بہرہ ہی سمجھتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ بہرہ آپ سے زور سے ہی بات کرتا ہے کہ وہ آپ کو بہرہ سمجھتا ہے اور جب وہ آپ کی بات سن لیتا ہے تو فوراً کہتا ہے میاں اتنے زور سے کیوں بولتے ہو کیا میں بہرہ ہوں یہ تو اللہ کی قدرت ہے جسے چاہے جو قوت عطا فرمادے اور جتنی چاہے عطا فرمائے۔ ہمیں اس کی دین پر اعتراض کا کیا حق ہے کوئی زیادہ دیکھتا ہے کوئی کم کوئی زیادہ سنتا ہے کوئی کم کسی میں طاقت زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم یہ تو قدرت کی کرشمہ سازی ہے ''وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے تم نہیں سمجھتے ہاں وہ سمجھ لیتے ہیں وہ سن لیتے ہیں جو ہمارے مقرب ہوتے ہیں اور جنہیں ہم اپنی قدرت کا نمونہ بناتے ہیں جنہیں اپنی مخلوق کی قیادت و سیادت اور رہبری کے لئے ہم منتخب کر لیتے ہیں۔ ان کی ضرورت کے مطابق انہیں ہم علم و قدرت سے نوازتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء کرام ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی قوت عطا فرمائی کہ انہوں نے چیونٹی جیسے چھوٹے جانور کی آواز سن لی، سمجھ لی ہُدہُد سے گفتگو فرمائی۔ سورۂ نمل کا مطالعہ کیجئے ایمان تازہ ہو جائے گا۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشاد ہوا:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ (انبیاء:۷۹)

اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب مل کر ان کے ساتھ تسبیح کہا کرتے تھے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۙ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ (ص:۱۸،۱۹)

ہم نے (داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا) فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت اور پرندوں کو وہ تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔

نمازِ چاشت

آیۂ مبارکہ میں عشاء و اشراق کا ذکر ہے۔ عشاء کا وقت تو واضح ہے۔ اشراق، صبح کا وہ وقت جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے ہم چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں اسے صلوٰۃُ الضُّحٰی کہتے ہیں۔ یہ کم از کم

دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ نفل ہوتے ہیں۔ صَلٰوۃُ الضُّحٰی، چاشت کی نماز بڑی ہی فضیلت والی نماز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص پابندی سے ضُحٰی کے وقت دو نفل پڑھے گا، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی نے بتایا کہ میرے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی:

۱۔ ہر ماہ تین روزے رکھنا، ۲۔ پابندی سے نماز ضُحٰی پڑھنا، ۳۔ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔

غرضیکہ اللہ قادر مطلق ہے جسے جتنی چاہتا ہے قوت وقدرت عطا فرما دیتا ہے۔ ہمیں اعتراض کا حق نہیں بطور مثال حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آپ نے پڑھا رہا معاملہ ہمارے آقا ﷺ کا تو اس میں کیا شک کہ آپ ﷺ تو سید الانبیاء ہیں "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہیں۔ آپ کے تمام انبیاء سے افضل واعلیٰ ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو وہ سب کچھ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلوں کو دیا گیا اور وہ دیا گیا ہو جو آپ سے پہلے کسی کو نہ دیا گیا۔ پس آپ کے علوم وکمالات کی کوئی انتہا ہے نہ حد کیا خوب فرمایا امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے:

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ

سید الانبیاء ﷺ کو تمام انبیاء پر فوقیت حاصل ہے ظاہری صورت اور باطنی سیرت میں اور کوئی نبی آپ کے مرتبہ علم وکرم کو نہ پاسکا۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

آپ ہی کے جود وکرم سے دنیا وآخرت ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

سب نبی نور ہیں لیکن ہے تفاوت اتنا نیّرِ نور ہو تم سارے نبی تاروں میں

سیرت طیبہ کے سنہری ابواب گواہ ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے اللہ کے عطا کردہ کمال فہم وعلم سے وہ سمجھا، وہ جانا، وہ سنا، وہ دیکھا، وہ بتایا جس تک عام انسانوں کی رسائی تو درکنار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رسائی بھی نہ ہو سکی نہ صرف اتنا بلکہ آپ نے جسے جو چاہا سنوا دیا اور دکھوا دیا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں کنکریوں کے کلمہ پڑھنے کی آواز کو سب نے ہی سنا تھا۔ چودھویں کے چاند کو دو ٹکڑوں میں سب نے ہی دیکھا تھا۔ "حَنِيْنُ الْجِذْعِ" (اُسطوانہ حنانہ) کی آواز مسجد میں موجود تمام صحابہ نے سنی۔ درختوں کو آپ ﷺ کی طرف آتا اور واپس جاتا سب نے دیکھا۔ پتھروں کے سلام کرنے کی آواز میرے آقا ﷺ اکثر سماعت فرماتے اور ان کے سلام کا جواب دیتے تھے، جانور تو آپ ﷺ دربار میں حاضر ہو کر سجدے کرتے اور اپنی معروضات پیش کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں نے آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل فرمائی۔ چاند، سورج، بادل آپ ﷺ کے اشارۂ انگشت پر رواں دواں ہوتے نظر آئے۔ ان سب واقعات کو آپ معجزات کہہ لیجئے یا کمالات بات ایک ہی ہے اور نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ لَا تَفْقَهُوْنَ کا ارشادِ باری تعالیٰ ہمارے لئے ہے، آپ کے لئے ہے، عام انسانوں کے لئے ہے، انبیاء ورسل کے لئے نہیں۔ میرے آقا ﷺ کے لئے نہیں، مقربین، اولیاء، صالحین کے لئے نہیں کہ ان سب کو اللہ

نے اپنی قدرت کا مظہر بنایا ہے اوران کاموں پر قادر کیا ہے جن سے عام انسان عاجز ہیں۔ یہی عقیدہ حق ہے قرآن وحدیث اور واقعات صحیحہ سے ثابت ہے۔

سرچشمہ عقائد

درحقیقت سرچشمہ عقائد، قرآن وحدیث ہے۔ جن کا علم حاصل کرنے کے بعد ان میں غور وفکر کرنے سے عقیدۂ حق بنتا اور حاصل ہوتا ہے جبکہ عام لوگوں کے لئے عقائد کا سرچشمہ علماء دین ہیں جن کی صحبت سے ہدایت اور رہنمائی نصیب ہوتی ہے جولوگ جاہل ہونے کے باوجود قرآن وحدیث اور شریعت جاننے کے دعویدار بلکہ ٹھیکیدار بنتے ہیں انہیں گمراہی کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ ان کے باطل عقائد درحقیقت ماحول سے متاثر ہوکر ان کی اپنی ناقص عقل کے وضع کردہ ہوتے ہیں جو انہیں ضلالت وگمراہی میں مبتلا کردیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو امت میں فرقہ بندی، انتشار وافتراق کا سبب بنتے ہیں اور اس کا الزام ان علماءِ حق پر عائد کرتے ہیں جن کی ہر بات کا سرچشمہ صرف اور صرف قرآن وحدیث ہوتا ہے مثلاً یہ عقیدہ کہ اسباب معاش ہی حصولِ معاش کا اصل سبب اور ذریعہ ہیں کہ جو جتنی محنت کرے گا جتنی صلاحیتیں استعمال کرے گا اتنی ہی دولت کمائے گا یہ عقیدہ کس قدر گمراہ کن ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ یورپ وغیرہ میں مسلمان تاجروں کا بھی یہ نظریہ ہو گیا ہے کہ اگر تجارت میں حلال وحرام کا خیال کیا گیا تو پیسے کمانا ممکن نہیں لہٰذا اکثر مسلم دکانداروں کی دکانوں پر آپ شراب بھی پائیں گے اور خنزیر بھی اور سود کو تو اب تجارت ومعاش کا ایک اہم جز ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے لاعلمی کے باعث، حالات سے متاثرہ عقل نے وضع کیا جبکہ قرآن وحدیث کا عطا کردہ عقیدہ یہ ہے کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہی ہے انسان کا کام صرف حصول معاش کے لئے تگ ودو کرنا ہے وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق حلال وحرام میں امتیاز کے ساتھ۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۖ (الروم: ۴۰)

اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر (وقت مقررہ) پر تمہیں مارے گا پھر تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔

عقیدہ یہ ملا کہ خالق اللہ ہی ہے اگر اس سائنسی دور میں کوئی بچہ ٹیوب کے ذریعہ پیدا ہوا تو بھی خالق اللہ ہی ہے۔ ٹیوب صرف ایک سبب ہے جس کی طرف اللہ ہی نے عقل انسان کی رہنمائی فرمائی ورنہ اس کی ایجاد ہرگز نہ ہو پاتی۔ علاوہ ازیں ٹیوب تو صرف مرد کا جرثومہ عورت کے رحم میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنی نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں بچہ کو غذا فراہم کرنے والا تو اللہ ہی ہے جو خالق حقیقی ہے اگر اللہ اپنے فضل سے غذا فراہم نہ کرتا تو اس جرثومہ کا پتہ بھی نہ چلتا کہ کہاں گیا جیسے زمین میں بوئے جانے والے بیجوں میں سے بہت سوں کا پتہ نہیں چل پاتا۔

رازق اللہ ہی ہے اگر اسباب کو اصلی قرار دے دیا جائے تو پھر سب ہی دولت مند نظر آئیں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے گا، کوئی ملازم نہ ہوگا، کوئی مالک نہ ہوگا، کوئی حاکم نہ ہوگا، کوئی محکوم نہ ہوگا، حلال وحرام کے امتیاز کے بغیر سب ہی محنت کرکے

دولت مند بن جائیں گے جبکہ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص کم محنت کرتا ہے، حرام کی دولت سے بھی بچتا ہے اور وہ خوب کماتا ہے جبکہ دوسرا شخص دن رات لگا رہتا ہے نہ حرام کا خیال کرتا ہے نہ حلال کا لیکن پھر بھی کچھ نہیں کما پاتا یہ فرق معاش اس عقیدۂ حقہ کا ثبوت ہے کہ حقیقی رزاق اللہ ہے اور تفریق معاش بھی اسی کی حکمت ہے جو نظام عالم کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ انسان نے بارہا اس تفریق معاش کو ختم کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں کمیونزم، سوشلزم جیسے ناکام نظریات نے جنم لیا لیکن قدرت کے کاموں میں مداخلت نہ کبھی کامیاب رہی ہے اور نہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشی تفریق کے خاتمہ کی لایعنی کوشش نے مزید معاشی مسائل پیدا کئے اور صیاد خود ہی اپنے جال میں آ پھنسا۔

اللہ ہی موت دینے والا ہے جو خالق ہے وہی جب چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے موت دے دیتا ہے۔ اسباب موت چاہے کچھ بھی ہوں اصل ہرگز نہیں اسی لئے بعض اوقات اسباب یقیناً مہلک ہوتے ہیں لیکن موت نہیں آتی اور کبھی سبب بالکل معمولی ہوتا ہے اور موت آ جاتی ہے اور کبھی کوئی سبب ہوتا ہی نہیں لیکن انسان مر جاتا ہے اور اسباب کا سہارا لینے والا کچھ اور نہیں تو یہی کہنے لگتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو گئی۔ یہ جملہ کس قدر لغو ہے ذرا غور کیجئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حرکت قلب بند ہوئے بغیر موت آ جائے حرکت قلب بند ہونے ہی کا نام موت ہے چاہے کوئی مرض ہو یا نہ ہو کتنے مریض ہیں جو ڈاکٹروں کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہیں کہ ڈاکٹر کے علم ناقص کے مطابق انہیں مر جانا چاہئے تھا اور وہ زندہ ہیں اور کتنے صحت مند ہیں جو چل دیتے ہیں اور ہمیں حیرت زدہ کر جاتے ہیں اور ہم یہی کہتے رہتے ہیں کہ یہ شخص کیسے مر گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو پیدا کرنے والا ہے وہی مارنے والا ہے جب تک اس کا حکم نہ ہو کوئی کسی کو نہ تو مار سکتا ہے اور نہ ہی ایک لمحہ کا بھی کسی کی عمر میں اضافہ کر سکتا ہے۔

بہر حال عقائد دینی امور سے متعلق ہوں یا دنیوی امور سے سب کا سرچشمہ قرآن و حدیث میں ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو اتنی صلاحیت و استعداد پیدا کی جائے کہ آپ خود قرآن و حدیث اور ان سے متعلق کتابوں سے استفادہ کر سکیں ورنہ آسان طریقہ وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں بتایا کہ ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' علماء سے سیکھو اگر تم نہیں جانتے علماء کی صحبت اختیار کیجئے، ان سے سوالات کیجئے ان کی تقاریر سنئے آپ خود ساختہ عقائد سے محفوظ ہو جائیں گے صراط مستقیم نصیب ہو جائے گی اور بہت سے فتنوں سے نجات مل جائے گی، اللہ توفیق دے۔

یہ گفتگو اگرچہ موضوع سے ہٹ کر تھی لیکن نہایت اہم تھی۔ اب ہم تسبیح سے متعلق بقیہ گفتگو کرتے ہیں۔

تسبیح ذریعۂ نجات ہے

رب کریم کی تسبیح اور پاکی بیان کرنا، آفات و بلیات، رنج و غم اور حزن و ملال سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا ہے جو سورۂ یونس، سورۂ انبیاء، سورۂ صافات اور سورۂ نون میں موجود ہے۔ ہمارے موضوع سے متعلق اس واقعہ کا اتنا حصہ ہے کہ جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں اپنے رب کریم کو اس طرح پکارا کہ:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ (انبیاء: ۸۷)

(اے اللہ) کوئی معبود نہیں تیرے سوا پاک ہے تو بیشک میں ہی قصورواروں میں سے ہوں۔

ان کے اس طرح دعا کرنے اور پکارنے پر اللہ نے ان کو نجات عطا فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ (انبیاء: ۸۸)

پس ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات عطا فرما دی۔

اللہ نے اپنے نبی کا غم دور کر دیا، مچھلی اللہ کے حکم سے پانی سے باہر آئی اور انہیں پیٹ سے اُگل کر چلی گئی۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نجات کی وجہ صرف ان کی دعا نہ تھی بلکہ دعا کا خاص انداز تھا جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾
(صٰفّٰت: ۱۴۳، ۱۴۴)

پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔

ان کی نجات کا سبب ان کی تسبیح ہوئی کہ انہوں نے سبحانک کہہ کر اللہ کی پاکی بیان کی اگر وہ یہ انداز دعا اختیار نہ فرماتے تو قیامت تک مچھلی کا پیٹ ان کے لئے قید خانہ بنا رہتا اور وہ اسی میں رہتے۔

سورۂ انبیاء میں اس واقعہ کے اختتام پر یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ:

وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔

اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات عطا فرماتے ہیں۔

یعنی وعدۂ الٰہی ہے کہ جب بھی کوئی مؤمن بندہ، مصائب و آلام کے بھنور میں پھنس کر خلوص اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہماری تسبیح و پاکی بیان کرنے لگے گا ہم اس سے نجات کا وعدہ فرماتے ہیں۔ حزن و ملال سے آزادی کا وعدہ فرماتے ہیں میرے آقا ﷺ نے اسی وعدۂ الٰہی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطن حوت، مچھلی کے پیٹ میں دعا مانگی تھی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' آپ ﷺ نے فرمایا:

لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِي شَيْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ۔

جو مسلمان کسی مقصد کے لئے یہ دعا پڑھے اللہ اس کا مقصد پورا کرتا ہے۔

قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ آیۂ کریمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' تسبیح کے لئے ایک مؤثر آیت ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی کے پیٹ سے آزاد کیا اور اس آیۂ مبارکہ کو قرآن کریم میں ہمیشہ کے لئے محفوظ فرما کر اعلان کر دیا کہ جو مؤمن بھی اس طرح تسبیح کرے گا ہم اسے رنج و

الم سے نجات عطا فرمائیں گے اور میرے آقا ﷺ نے اس کی وضاحت فرما دی۔ اسی لئے آیۂ کریمہ کا ختم معروف ہے کہ جب بھی کوئی انفرادی یا اجتماعی مصیبت آتی ہے تو گھروں میں یا مسجدوں میں مسلمان جمع ہو کر سوا لاکھ مرتبہ اس مبارکہ آیت کو پڑھتے ہیں اور تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔

بہرحال اس واقعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کی تسبیح، رنج و الم اور آفات و بلیات سے نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رنج و غم کے مواقع پر متعدد بار تسبیح کرنے کا حکم دیا۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ (حجر: ۹۷، ۹۸)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں پس آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں میں سے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ (ق: ۳۹، ۴۰)

آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

میرے آقا ﷺ کبھی کسی دنیاوی پریشانی یا تکلیف سے نہ تو غمزدہ ہوتے تھے اور نہ ہی متفکر ہمیشہ آپ کے تفکر، تنگی اور حزن و ملال کا باعث کفار و مشرکین اور منکرین کی وہ باتیں ہوا کرتی تھیں جو وہ اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے یا وہ گستاخیاں ہوتی تھیں جو وہ اللہ رب العزۃ کی شان میں کرتے تھے۔ اللہ کو اپنے محبوب کا یہ حزن و ملال گوارا نہ ہوتا تھا لہٰذا جب بھی ایسا ہوتا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غم کی کیفیت زیادہ ہوتی تو آپ کی دلجوئی کے لئے وحی نازل ہوتی اور آپ کا رب آپ کو مختلف انداز سے مطمئن کرتا کہ آپ کی مسرت و طمانیت ہی رب رحیم و کریم کو پسند ہے۔ آیات بالا ایسے ہی مواقع پر نازل ہوئیں اور آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا گیا۔ پیارے! آپ پریشان نہ ہوں، فکر نہ کریں، اٹھئے اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے۔ آپ کی ساری کلفت و الجھن دور ہو جائے گی۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ اسی نسخہ الٰہیہ کو اپنایا حدیث شریف میں ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی ''فزع الی الصلوٰۃ'' تو آپ نماز میں مصروف ہو جائے۔ سیرت مبارکہ کے واقعات شاہد ہیں مشکل اوقات میں ہمیشہ دعا و تسبیح کرتے اور سجدہ ریز ہو جایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کا وقت کتنا خوفناک تھا لیکن آپ اپنے عریش میں مصروف تسبیح و عبادت تھے۔ غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر دیگر غزوات اور دیگر ہولناک مواقع پر آپ کی تسبیح و دعا اور

عبادات کے واقعات سیرت مقدسہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ یہی حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اولیاء وصالحین کا رہا کہ انہوں نے ہر آڑے وقت اللہ کی تسبیح وتحمید کا سہارا لیا جو ایک مستحکم وکامیاب ترین سہارا ہے لیکن ہمارا حال بالکل اس کے برعکس یہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی جسمانی تکلیف، قانونی یا غیر قانونی الجھن یا معاشی ومعاشرتی پریشانی لاحق ہوتی ہے یا کوئی بھی اُفتاد آپڑتی ہے تو اس سے نجات کے لئے ہم لاکھوں جتن کر ڈالتے ہیں۔ دنیا بھر کے وسائل واسباب کا سہارا تلاش کرتے ہیں لیکن اللہ کو یاد کرنے اس کے دربار میں سجدہ کرنے اس سے بھیک مانگنے کا خیال تک نہیں آتا کیونکہ ہماری عبادات اور دیگر مذہبی اعمال کی حیثیت رسمی سی ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کے اثرات پر ہمارا یقین واعتماد نہ رہا العیاذ باللہ جبکہ شرعی حقیقت بھی یہی ہے اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ آرام وراحت اور مصیبت وآفت سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس ہونا یہ چاہئے کہ آرام وسکون کے ایام میں اللہ کو یاد کر کے ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں تو وہ ہم سے خوش ہو کر ہم پر اپنے انعامات کی مزید بارش برسائے اور مصائب وآلام کے وقت بھی اسی سے بھیک مانگیں اور سوچیں کہ جس کی طرف سے یہ مصیبت آئی ہے وہی دور بھی کرے گا کوئی دوسرا آخر کیوں ہماری مدد کرے گا جبکہ وہ خود بھی لاچار ومجبور ہے۔ پس وہ ہمارا دل تو بہلا سکتا ہے لیکن مدد نہیں کر سکتا مدد تو وہی کرے گا جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے اور جس کی شان ہے "يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ" اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ تو رب کا کرم ہے کہ اس نے انسانی فطرت کی تسلی کے لئے مادی وظاہری اسباب ووسائل کا سہارا لینے کی اجازت عطا فرمائی صرف اس لئے کہ نظام عالم کا عمل جاری ہو سکے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باہمی احتیاج وضروریات ختم ہو جائیں اور نظامِ عالم منجمد ہو کر رہ جاتا۔ پس تقاضائے فطرت یہ ہے کہ مادی وسائل کا سہارا لیا جائے تو شریعتِ مطہرہ نے اس کی اجازت دی اور تقاضائے ایمان یہ ہے مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کو یقین کیا جائے لہٰذا قرآن کریم ہر حال میں بالخصوص مصائب وآلام، رنج وغم کے حالات میں رب کی طرف رجوع کرنے اور اس کی پاکی بیان کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ (واقعہ: ۷۴)

پس تسبیح کرو اپنے رب عظیم کے نام کی۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے مژدہ سنایا کہ جلد ہی تمہیں ہماری تائید ونصرت حاصل ہو گی اور ہمارے فضل وکرم سے فتح وکامرانی تمہاری قدم بوس ہو گی تم اپنی آنکھوں سے وہ وقتِ سعید دیکھو گے جب آج کے دشمن اسلام پر پروانوں کی طرح نثار ہوں گے اور چار دانگ عالم سے گروہ کے گروہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوں گے بلاشبہ یہ وقت تمہارے لئے بڑی مسرت وخوشی کا ہو گا یہ وقت آنے سے قبل ہی ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ اس وقت ہم کیا پسند کریں گے ہمارے ان انعامات پر آپ کو کس طرح ہمارا شکر گزار ہونا ہو گا۔ فرمایا گیا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ (نصر: ۳)

پس آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے بطور شکر، تسبیح واستغفار کا حکم دے کر قیامت تک کے لئے اہل ایمان کو یہ بتا دیا کہ تمہاری طرف سے ہمارے لئے یہی ہدیہ ہے جو ہم پسند فرماتے ہیں تم اس کو ہمارے شکر کا وسیلہ بناؤ تو ہم تمہیں اپنی نعمتوں سے مزید نوازتے رہیں گے۔

غرضیکہ تسبیح، ذکر الٰہی کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے جو اللہ کو محبوب و پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت میں ہمیں بار بار تسبیح کا حکم دیا گیا ہے کہ ''سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ'' سے نماز کا آغاز ہوتا ہے پھر رکوع میں ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' کہا جاتا ہے اور غور فرمائے کہ نماز کا افضل ترین رکن سجدہ ہے جو تقرب الٰہی کا یقینی ذریعہ ہے اس میں بھی بندے کو عجز وانکساری کے اظہار اور بندگی کے اعتراف کے لئے تسبیح ہی کا حکم دیا گیا ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی''۔

صبح کے وقت تسبیح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد نہایت ہی قابل غور ہے۔ راوی ہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ:

مَا مِنْ صَبَاحٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّا مُنَادِیًا یُنَادِیْ فِیْهِ سَبِّحُوا الْمَلِکَ الْقُدُّوْسِ۔

ہر صبح (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا پکارتا ہے (اے بندو) پاک بادشاہ کی تسبیح پڑھو۔ (ترمذی)

اللہ کی تسبیح و پاکی کے لئے صبح کا وقت نہایت ہی خاص وقت ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق خصوصی طور پر اسی وقت تسبیح کرتی ہے وہ تسبیح کرتے ہیں جن کی آوازیں ہم نہیں سن پاتے اور وہ بھی جن کی آوازیں ہم سنتے تو ہیں لیکن سمجھ نہیں پاتے یہ علی الصباح سورج طلوع ہونے سے قبل ہم چڑیوں کا چہچہانا اور دوسرے جانوروں کی جو بولیاں سنتے ہیں کیا ہے اللہ کی تسبیح ہی تو ہے کوئی جانور ایسا نہیں جو صبح کو نہ بولتا ہو کچھ جانور ایسے ہیں جو سارا دن نہیں بولتے لیکن وہ بھی صبح کے وقت ضرور بولتے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی پاکی بیان کرنے سے کسی لحہ غافل نہ ہو خاص طور پر اس وقت جبکہ ساری مخلوق پاکی بیان کر رہی ہو لیکن یہ انسان بڑا ہی غافل ہے پڑا سوتا رہتا ہے اللہ نے اس پر خصوصی کرم فرمایا کہ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک فرشتہ مقرر کر دیا گیا ہے جو پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اٹھو، صبح ہوگئی رب کی تسبیح کا وقت ہو گیا اس کی تسبیح کرو وہ جو ایمان ہی نہیں رکھتے اس پکار کو نہیں سنتے ان کا حال تو قرآن کریم نے نہایت وضاحت سے بتا ہی دیا ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۞ (اعراف:۱۷۹)

اور بے شک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے ان کی آنکھیں (تو) ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان (تو) ہیں لیکن وہ سنتے

نہیں ان سے وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل (وبے خبر) ہیں۔
پیغام حق سمجھنے اور سننے کے لئے جن کی قوتیں ہی ختم ہوگئی ہوں وہ اس فرشتہ کی آواز کیا سنیں گے وہ تو جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہو گئے ہیں کہ جانور تو اپنے رب کو یاد کر لیتا ہے اور یہ ظالم تو رب کو پہچانتے تک نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ایسے ہی لوگ تو غفلت کی نیند پڑے سو سکتے ہیں۔ اہل ایمان کا حال ایسا نہیں ہونا چاہئے اور نہیں ہوسکتا ان پر تو ہر لمحہ اللہ کا خوف طاری رہتا ہے وہ تو دن رات اللہ اور رسول کی رضا کے لئے قربانیاں دیتے رہتے ہیں۔ اپنا کاروبار چھوڑ چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضری دیتے ہیں ہر کام کرنے سے پہلے اس کے جائز و ناجائز ہونے کا خیال کرتے ہیں۔ حلال وحرام میں امتیاز کرتے رہتے ہیں یہ اس وقت کیسے غافل پڑے سو سکتے ہیں جب ساری کائنات کی تسبیح کا وقت ہوتا ہے۔ گہری نیند کے باوجود یہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں یہ اپنے آقا ﷺ کے ارشاد پر اتنا یقین کامل رکھتے ہیں کہ بظاہر فرشتے کی آواز نہ سننے کے باوجود بھی ان کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے انہیں کوئی پکار رہا ہے اور یہ اس کی پکار کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ اللہ کا کتنا کرم ہے ہم پر کہ اس نے ہمیں بیدار کرنے کے لئے اس غیبی آواز کا انتظام فرمایا۔
صبح صادق سے طلوع آفتاب سے تک فجر کا وقت ہوتا ہے لیکن اس پورے وقت میں فجر کی ۲ سنتیں اور ۲ فرض پڑھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل پڑھنا ممنوع ہیں اس لئے نہیں کہ ہم نزول رحمت کے اس وقت میں پڑے سوتے رہیں بلکہ اس لئے کہ ہم دوسرے طریقے سے اللہ کی تسبیح و تحمید کریں قرآن کریم کی تلاوت کریں دیگر اوراد و وظائف پڑھیں بالخصوص درج ذیل کلمات کا ورد اس وقت نہایت باعث برکت اور ذریعہ ثواب ہے۔

''سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْس یاسُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم''

یا ''سُبُّوْحٌ قَدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحُ''

نیز جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھا جائے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ذکر و تسبیح یہی ہے۔ نماز فجر کے بعد خصوصی طور پر سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت نہایت ہی باعث برکت ہے۔ اس سے سارا دن سرور حاصل رہتا ہے۔ کاموں میں سہولت و برکت ہوتی ہے، آفات وحادثات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

دو کلمے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم'' کے متعلق خصوصی طور پر ارشاد فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزٰنِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم۔

دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں (بہت آسان ہیں) (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہیں رحمٰن کے پسندیدہ ہیں سبحان اللّٰہ وبحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم۔ (بخاری شریف)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کونسا کلام افضل ہے۔
آپ ﷺ نے بتایا:

مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔

جواللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ (مسلم)

فرشتے اللہ کے حکم سے یہی تسبیح کرتے ہیں پس اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لئے بھی اسی کو پسند فرمایا اور دوسرے کلمہ کے لئے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔

جس نے سبحان اللّٰه العظیم وبحمده پڑھا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگایا جائے گا۔

(ترمذی)

حدیث شریف میں تعداد کا تعین نہیں لہٰذا یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر ہم ایک مرتبہ بھی یہ جملہ کہیں گے تو اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں ہم ایک درخت کے مستحق ہوں گے وہ درخت بھی کھجور کا ہوگا کیونکہ نخلہ کھجور کے درخت کو ہی کہا جاتا ہے۔ کھجور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ غذا ہے لہٰذا جو غلام اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رب کی تسبیح کریں گے ان کے لئے محبوب کے پسندیدہ پھل کے درخت جنت میں لگائے جائیں گے۔

آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں ایک آسان اور مختصر تسبیح عطا فرمائی اور بتایا کہ یہ مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہا، تینتیس ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تینتیس ۳۳ مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا یہ ننانوے ہوئے اور ایک مرتبہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' کہہ کر سو پورے کر لئے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ ''اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ'' چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی صاحبزادی، جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے شفیق ابا جان کے دربار میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ مجھے گھر کے کاموں میں تعاون کے لئے ایک باندی عطا فرما دی جائے کیونکہ میں بہت تھک جاتی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا غلام و باندی تو جن کا حق تھا ان میں تقسیم کر دیئے گئے ہم تمہیں ایک ایسا عمل بتائے دیتے ہیں جس کو تم ہر فرض نماز کے بعد پڑھ لیا کرو اللہ تمہارے وقت میں برکت دے گا اور تکان دور ہوتی رہے گی۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی لخت جگر کو یہی مندرجہ بالا تسبیح بتا دی۔ آپ ہمیشہ اس کو پڑھا کرتی تھیں اسی لئے اسے تسبیح فاطمی بھی کہا جاتا ہے۔

بہرحال یہ ایک آسان ترین اور بہت مفید و مؤثر تسبیح ہے۔ بس اس کے لئے پابندی سے پنجگانہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ توفیق دے پابندی سے نماز پڑھئے، یہ تسبیح پڑھئے پھر دیکھئے کیسا سکون نصیب ہوتا ہے۔ کیسا اطمینان ملتا ہے اور کتنی

برکت حاصل ہوتی ہے۔

انگلیوں پر تسبیح

موقع کی مناسبت سے تسبیح شمار کرنے سے متعلق بھی ایک بات عرض کرتے چلیں اور وہ یہ کہ اگر کلمات تسبیح کی تعداد کم ہو مثلاً آپ کو کوئی کلمہ گیارہ مرتبہ اکیس یا اکتیس مرتبہ پڑھنا ہے تو اسے دانوں کی تسبیح پر نہیں بلکہ انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا ﷺ کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ راویہ ہیں حضرت یسیرہ رضی اللہ عنہا جو ایک مہاجر خاتون تھیں۔ فرماتی ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّقْدِيسِ وَاعْقَدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٍ مُسْتَنْطَقَاتٍ وَلَا تَغْفَلْنَ فَتُنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔

(اے عورتوں) اللہ کی تسبیح وتہلیل اور پاکی لازم کرلو اور انگلیوں کے پوروں پر گنا کرو کیونکہ انگلیوں سے (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا انہیں بولنے کی قوت بخشی جائے گی اور (ذکر وتسبیح سے) کبھی غافل نہ ہونا کہ رحمتِ الٰہی سے بھلا دی جاؤ گی۔ (ابوداؤد)

کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انگلیوں کو بھی قوت گویائی عطا فرمائے گا تو وہ ہماری تسبیح اور پاکی بیان کرنے کی گواہی دیں گی جیسے اور بہت سی چیزیں قیامت کے دن ہمارے اعمال کی گواہ بنیں گی مثلاً قرآن کریم، حجر اسود، زمین کا وہ حصہ جس پر ہم نے نماز پڑھی وغیرہ وغیرہ پس:

اے ایمان والو! یہ ساری کائنات اپنے خالق حقیقی وحدہ لاشریک کی تسبیح وپاکی بیان کرتی ہے۔ اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے محبوب کے غلام بھی اس کی تسبیح کریں لہٰذا اس نے خصوصی طور پر تمہیں مخاطب کرکے صبح وشام تسبیح کا حکم دیا یاد رکھو کہ تسبیح رنج والم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ تسبیح انعامات الٰہیہ پر شکر کا بہترین طریقہ ہے۔ تسبیح قرب الٰہی کا وسیلہ ہے اے اللہ تو ہی ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیری تسبیح وپاکی بیان کریں۔ "وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغٰفِلِيْنَ" اور ہمیں غافلوں میں سے نہ کرنا۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (صٰفّٰت: ۱۸۰)

پاک ہے آپ کا رب جو مالک عزت ہے ان (بیہودہ باتوں سے) جو وہ کرتے ہیں۔

ذکر وتسبیح کا نتیجہ

اہل ایمان کو ذکر وتسبیح کا حکم دے کر بتایا گیا کہ اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کا مرتبہ ومقام ہمارے دربار میں نہایت بلند ہو جاتا ہے وہ ہمارے محبوب ومقرب ہو جاتے انہیں دنیا وآخرت میں خصوصی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

(الاحزاب: ۴۲-۴۳)

اللہ وہ ہے جو رحمت نازل فرماتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو اور اس نے تیار کر رکھا ان کے لئے عزت والا اجر۔

حکم الٰہی کے مطابق جو بندے ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں ان کا رب کریم ''یُصَلِّی'' ان پر صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ لفظ ''صَلٰوۃ'' کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی تعریف کرنا اور رحمت نازل فرمانا ہوتے ہیں۔ پس اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنا ذکر کرنے والوں اور پاکی بیان کرنے والوں پر یہ خصوصی کرم فرماتا ہے کہ وہ بھی اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر کرتا اور ان کی تعریف کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق پر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ نیز اللہ ان کو اپنے سایۂ رحمت میں لے لیتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ انہیں حَیٰوۃِ طَیِّبَہ کی نعمت سے نوازا جاتا ہے انہیں ہر قسم کے خوف و حزن سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ دنیا میں بھی اللہ کے مہمان ہوتے ہیں کہ جو مانگتے ہیں ملتا ہے اور جسے جو دلوانا چاہتے ہیں دیا جاتا ہے۔ ان کے اشاروں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

اور اللہ کی نورانی مخلوق فرشتوں کے نزدیک بھی وہ معزز اور مخصوص ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ بھی ان پر ''صَلٰوۃ'' بھیجتے رہتے ہیں جب اس لفظ ''صَلٰوۃ'' کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو اس کے معنی دعا و استغفار کے ہوتے ہیں یعنی ان ذاکرین و مسبّحین کے لئے فرشتے بھی اللہ کے دربار میں مغفرت کی دعا اور بلندیٔ مراتب کی سفارش کرتے رہتے ہیں۔ سورۃ المومن کی وہ آیات ہم نقل کر چکے ہیں جن میں اہل ایمان کے لئے فرشتوں کے استغفار اور دعا کا ذکر ہے۔ اس موقع پر اس آیہ مبارکہ کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔

نیز ذکر و تسبیح کا اہل ایمان کو اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ کریم اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہر قسم کی تاریکی سے نجات عطا فرما کر ایسا نور بخشنا چاہتا ہے جس سے ان کا قلب چمک اٹھے اور ان کی نظروں اور کائنات کی کسی چیز کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں رہتا۔ اسی خصوصی کرم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ (بقرہ:۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے نکال لیتا ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف۔

اللہ ایمان والوں کا ولی یعنی ناصر و مددگار ہو جاتا ہے یہ وہی ایمان والے ہیں جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں پس اللہ ہر حال میں ان کا مددگار ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لیتا ہے۔ ''ظُلُمٰت'' جمع ہے یعنی اللہ اپنے ان بندوں کو کسی ایک تاریکی سے نہیں بلکہ ہر قسم کی تاریکیوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے خواہ یہ ظاہر کی تاریکی ہو یا باطن کی۔ بدعملی ایک تاریکی ہے۔ اللہ انہیں اس سے نجات عطا فرما دیتا کہ وہ ہر قسم کی برائی اور بدکاری سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مومن جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے قلب پر چمٹا شیطان بھاگ جاتا ہے اور قلب شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اب اگر نفس امارہ اسے کسی گناہ کی طرف مائل کرتا بھی ہے تو نفس

لوامہ اسے بچالیتا ہے غرضیکہ اللہ کا یہ محبوب بندہ گناہوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح بدعقیدگی ایک تاریکی ہے جب مؤمن اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ ہر قسم کی بدعقیدگی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ کے عطا کردہ نور سے یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود قرآن وحدیث پر غور کر کے یا اہل علم کے تعاون سے باطل عقیدوں کو مسترد کر دیتا ہے اور عقائد حقہ اختیار کر لیتا ہے اسی لئے نہ تو کوئی بدعمل وبدکردار شخص اللہ کا ولی ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بدعقیدہ۔

تاریکیوں سے نور کی طرف اللہ اپنے بندوں کو نکالتا ہے جو بلاشبہ اللہ کا بندوں پر بڑا انعام ہے لیکن جس طرح دیگر انعامات سے اس نے اپنے بندوں کو بوسیلہ نبی نوازا ہے اسی طرح تاریکیوں سے نجات بھی ان ہی اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جو نورِ الٰہی یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ ہو کر ساری زندگی ان کے غلام رہتے ہیں اسی لئے آپ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (الطلاق:۱۱)

(اللہ نے بھیجا) ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی روشن آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تا کہ وہ نکال لے انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف۔

انہی اہل ایمان کو نور نصیب ہوتا ہے جو نبی کا کلمہ پڑھ کر نبی کے غلام بنے رہیں جو نبی کے دامن سے وابستہ ہو کر نبی کی اتباع و پیروی کرتے رہیں اور ان سے برابری کا نہیں بلکہ غلامی کا رشتہ جوڑے رہیں۔ دیکھ لیجئے صحابۂ کرام کو کیسا نور نصیب ہوا کہ تمام کائنات ان پر روشن ہو گئی۔ علم و عمل کے دروازے ان کے لئے وا ہوئے، فتح و کامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، رزق کی فراخی و کشادگی نصیب ہوئی، قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے مرکز عقیدت و محبت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہیں "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ" کا مژدہ سنایا گیا۔ کوئی بتائے انہیں کیا نہ ملا؟ اور وہ جنہیں عرف عام میں اولیاء، صالحین کہا جاتا ہے بتایئے ان کے پاس کیا نہ تھا وہ دنیا سے چلے گئے لیکن آج تک امت مسلمہ کی عقیدت و محبت کا مرکز ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات سے ہم آج رہبری اور راہنمائی حاصل کرتے ہیں ان کے علمی خزانوں سے آج تک استفادہ کیا جاتا ہے ان کے روحانی، فیوض و برکات سے آج ہم اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں ان سے نسبت و تعلق ہمارے لئے ایک بڑا اعزاز ہے وہ ضرورت مندوں کے حاجت روا اور غرباء مساکین کی آماجگاہ ہیں۔ یہی نور ہے جو بوسیلہ "نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ" نصیب ہوتا ہے اور یہی "لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" کی تفسیر و تشریح ہے۔ بلاشبہ جس رب کریم نے اہل ایمان کو اتنے عظیم انعام سے نوازا اس کی شان "وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا" ہی ہے۔

تحفۂ آخرت

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ یہ ہے تحفۂ آخرت ان خوش نصیبوں کے لئے جو ساری زندگی اللہ کا ذکر کرتے رہے۔ اس کی پاکی بیان کرتے رہے، جن کی زندگی سے ہر قسم کی تاریکیاں دور ہو گئیں۔ یہ لوگ جب رب

سے ملیں گے تو رحیم و کریم رب خود ان سے فرمائے گا ''السلام علیکم'' تم پر سلامتی ہو۔ تمہیں یہ مقام و اعزاز مبارک ہو۔
یہ تحفہ کب دیا جائے گا یا تو دنیا ہی میں جب ملک الموت روح قبض کر رہے ہوں گے تو پہلے انہیں یہ مژدہ دیں گے کہ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے۔ اب اس کے فراق کے دن ختم ہوئے اور وصل کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کا نیک بندہ اپنے رب کا سلام سن کر مست ہو جاتا ہے اور ملک الموت اس کی روح قبض کر لیتا ہے اسی لئے صالحین کے یومِ وصال کو عرس یعنی خوشی کا دن کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے آتا ہے تو پہلے اسے پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے اور یا یہ تحفہ قیامت ہی کے دن دیا جائے گا اس وقت جب اہل ایمان کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا مسرت و خوشی کے اس منظر ہی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (یونس:۱۰)

(جنت میں داخل ہوتے ہوئے) ان کی صدا ہوگی پاک ہے تو اے اللہ اور ان کی دعا یہ ہوگی کہ سلامتی ہو اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے۔

جب اہل ایمان انشاء اللہ ہم سب جنت میں داخل ہوں گے تو اس کا حسن و جمال اور اس کی لازوال نعمتیں دیکھتے ہی زبان پر سبحان اللہ آئے گا کیونکہ دنیا میں اس تسبیح کی عادت ہو چکی تھی یہاں کی فانی و عارضی چیزوں کو دیکھ کر ہم سبحان اللہ کہتے رہے تو وہاں کیوں نہ کہیں گے۔ دخولِ جنت کے بعد ''پہلا تحفہ'' ربِ کریم کی طرف سے ''سلام'' کا ملے گا۔ ان تمام نعمتوں اور تحفۂ الٰہیہ پر شکر ادا کرتے ہوئے ہماری زبانوں پر وہی الفاظ شکر جاری ہوں گے جن سے ہم یہاں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں، ''الحمد للّٰہ رب العلمین'' اور اب ہر طرف سے اللہ کے فرشتے جنتیوں پر سلام کے پھول نچھاور کرتے آئیں گے قرآن کریم بتایا ہے:

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۝ (الرعد:۲۳،۲۴)

سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو نیک ہوں گے ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر (جنت کے) ہر دروازے سے (کہتے ہوئے) سلامتی ہو تم پر جو تم نے صبر کیا پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔

جنت کا دخول اہل ایمان کی اعلیٰ ترین کامیابی ہے جس کے بعد کسی منزل کا حصول باقی نہ رہا اب کوئی مرحلہ یا کوئی منزل نہیں جس تک پہنچنے کے لئے محنت و مشقت کرنا ہو پس اس کامیابی پر مالک حقیقی بھی خوش ہو کر اپنے بندوں کو بطور مبارکباد، سلام کرتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق، ملائکہ بھی ہر طرف سے سلام کے تحفے پیش کرتے ہیں۔

بہرحال ذکر و تسبیح میں جو مشغول رہتے ہیں انہیں ایک مژدہ تو یہ ہے کہ قیامت کے دن تم پر تمہارا رب اور ملائکہ سلام بھیجیں گے اور دوسرا مژدہ یہ ہے کہ ''وَاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا'' اللہ نے ان کے لئے بڑے ہی اعزاز والا اجر تیار کر رکھا ہے یہی اجر کریم ہے جسے کبھی اجر کبیر اجر عظیم تو کبھی اجر غیر ممنون فرمایا گیا اور اسی اجر کے متعلق ارشاد ہوا:

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (نحل:۴۱)

اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ جان لیتے۔

یہ اجر کسی اندازے اور حساب سے نہیں بلکہ بے حساب و بے انتہا دیا جائے گا۔ فرمایا گیا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:۱۰)

بیشک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اسی آیۂ مبارکہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس حدیث مبارک کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے جد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو فرماتے سنا اے حسین!

اَدِّ الْفَرَائِضَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَعَلَيْكَ بِالْقُنُوْعِ تَكُنْ مِنْ اَغْنَى النَّاسِ يَابُنَيَّ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةٌ يُقَالُ لَهَا شَجَرَةُ الْبَلْوٰى يُؤْتٰى بِاَهْلِ الْبَلَآءِ فَلَا يُنْصَبُ لَهُمْ مِيْزَانٌ وَلَا يُنْشَرُ لَهُمْ دِيْوَانٌ يُصَبُّ عَلَيْهِمُ الْاَجْرُ صَبًّا۔

فرائض ادا کیا کرو سب سے زیادہ عبادت کرنے والوں میں ہو جاؤ گے قناعت اختیار کرو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے اے بیٹے! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃ البلویٰ (تکلیف کا درخت) کہتے ہیں مصیبت زدہ لوگوں کو یہاں لایا جائے گا ان کے لئے نہ ترازو رکھی جائے گی اور نہ ہی ان کا دفتر عمل کھولا جائے گا (بغیر حساب و کتاب) موسلا دھار بارش کی طرح ان کا اجر ان پر برسے گا۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیۂ مبارکہ ''اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا'' تلاوت فرمائی۔ میرے آقا ﷺ بلاشبہ مالک جنت ہیں جب چاہا آپ نے اس کو دیکھا بالخصوص سفر معراج کے دوران آپ نے اپنے غلاموں کے ابدی ٹھکانہ کا تفصیلی دورہ فرمایا۔ وقتاً فوقتاً آپ نے اس کی نعمتوں کی تفصیل فرمائی اور اجمالی طور پر آپ نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی۔ جس کے راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

قال اللّٰه تعالٰى اعددْتُ لِعِبادِي الصّٰلِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ ولا خطر على قلب بَشرٍ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔

پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیہ مبارکہ تلاوت کرلو" فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝ (سجدہ:۱۷) پس کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے (آخرت میں) جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوگی یہ بدلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ (مسلم و بخاری)

اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو ہر حال میں اس کی تسبیح بیان کرتے رہو کہ یہی اعمال حسنہ کا ذریعہ ہے جنتی بن جاؤ اور انتظار کرو اس دن کا جب تمہارا رب کریم تم سے خوش ہو کر تمہیں مبارکباد دے السلام علیکم کہے اور اس کے فرشتے تم پر سلام کے پھول برسائیں اور پھر اس اجر کریم پر سے پردہ اٹھا دیا جائے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔ اللھم اجعلنا من عبادک الصالحین، آمین، بجا رحمۃ للعلمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۳

الاحزاب: ۴۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝

(الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لئے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہذا انہیں کچھ مال دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی (بھلائی سے)

آیۂ مذکورہ میں خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے سے متعلق شرعی حکم دیا جا رہا ہے اس موقع پر ہم طلاق اور اس سے متعلق ضروری شرعی احکام قدرے تفصیل سے بیان کر دینا چاہتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اس اہم عنوان پر بھی اس کتاب سے استفادہ کیا جا سکے۔

اہم ترین رشتہ

اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ نکاح کے دو بول، ایجاب وقبول سے ایسا مستحکم اور مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ اہم کوئی رشتہ نہیں۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، چچا، چچی، خالہ، خالو اور دیگر تمام رشتے اسی ایک رشتہ کی شاخیں ہیں اور تمام رشتوں کا دارومدار اسی ایک رشتہ پر ہے۔ اللہ رب العزت نے مرد اول حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاتونِ اول حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کے بعد سب سے پہلے قیام جنت ہی کے دوران ان دونوں کو اسی رشتہ میں منسلک کیا تا کہ دوسرے رشتے قائم ہو سکیں، نسل انسانی جاری ہو سکے اور نظامِ دنیا چل سکے۔ قرآنِ کریم نے اس رشتہ کو لباس سے تعبیر فرمایا: ''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'' عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو کہ جس طرح لباس و جسم سے زیادہ قرب کسی اور چیز کا نہیں ہوتا اسی طرح شوہر و بیوی سے زیادہ قرب کسی اور رشتے کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا راوی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابِّيْنَ مِثْلَ النِّكَاحِ'' دو محبت کرنے والوں کے درمیان نکاح سے زیادہ محبت کا ذریعہ کوئی اور نہیں کہ نکاح ہوتے ہی غیر مرد، غیر عورت دونوں ایسے جڑ جاتے ہیں کہ اب ان کے لئے اس سے زیادہ اہم کوئی دوسرا رشتہ نہیں رہتا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ اہم رشتہ اب ساری زندگی قائم رہے کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔ اسی لئے فرمایا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء:۱۹)

اور اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے زندگی بسر کرو پس اگر تم انہیں ناپسند کرو تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور اللہ نے اسی میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کر دی ہو۔

کیسے حکیمانہ انداز میں رشتہ ازدواج کو قائم و باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اولاً تو تاکید کی گئی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، محبت وخلوص کا برتاؤ کرو، ان کی خواہشات کو پامال نہ کرو، ان کی عزت نفس کو مجروح نہ کرو انہیں خادمہ اور باندی نہ سمجھو۔ اپنے گھر کی مالکہ، رونق اور اپنے بچوں کی ماں جانو جب تم اپنی بیوی کے ساتھ یہ برتاؤ کرو گے تو وہ تم سے والہانہ محبت کرے گی تمہارے لئے ہر قسم کی قربانی دینے پر آمادہ رہے گی اور اس کی بہت سی وہ عادتیں جو تمہیں ناگوار ہیں خود بخود ختم ہو جائیں گی وہ تمہاری رضا اور خوشنودی کا احساس کرنے لگے گی اور تم خود بھی تحمل اور درگزر کے عادی ہو جاؤ گے۔

پھر دعوت فکر دی گئی کہ سوچو اگر تم اس رشتہ کو صرف اس بنا پر ختم کر دینا چاہتے کہ تمہیں بیوی کی شکل وصورت پسند نہیں یا اس کی عادات پسند نہیں تو کیا تم اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے کہ اللہ اپنے کاموں اور فیصلوں کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ تم جس عورت سے رشتہ منقطع کرنا چاہتے ہو اللہ نے اسی میں تمہارے لئے کوئی ایسی بھلائی رکھی ہو جسے تم نہیں جانتے مثلاً اسی کے ذریعہ اللہ تمہیں صالح اولاد عطا فرمانے والا ہو یا اسی کی وجہ سے تمہارے رزق میں برکت ہونہ جانے اور کیا حکمتیں پوشیدہ ہوں جو اللہ نے اس عورت کو تم سے منسلک کیا ہے کہ جوڑ بنانے والا تو وہی ہے اس کا بنایا جوڑ نہ توڑو، پچھتانا

پڑے گا۔ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لَا يَفْرُكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ۔

کوئی مؤمن شوہر مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اس میں کوئی ناپسندیدہ عادت ہے تو کوئی پسندیدہ عادت بھی ہوگی۔ (مسلم)

کتنا پیارا ارشاد ہے میرے پیارے آقا ﷺ کا سوچئے نہ تو کوئی مرد و عورت ایسا ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو اور نہ ہی کوئی مرد و عورت ایسا ہے جس میں کوئی اچھائی نہ ہو۔پس جس بیوی کو تم چھوڑنا چاہتے ہو اس میں اگر کوئی عیب ہے تو کوئی خوبی بھی ضروری ہوگی تمہیں چاہئے کہ اس کی خوبی کی قدر کرو، عیب سے درگزر کرو اور بطریقۂ احسن اصلاح کی کوشش کرتے رہو۔نیز کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وہ جس دوسری عورت سے نکاح کرے گا اس میں کوئی عیب نہ ہوگا ضرور ہوگا کہ بے عیب اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں۔

اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی ہے کہ اگر موجودہ بیوی میں واقعی کوئی عیب ہے مثلاً اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں، اس کے اولاد نہیں ہوتی تو اسے چھوڑو نہیں۔دوسرا نکاح کرلو بشرطیکہ معاشی طور پر تم کفیل بن سکو اور عدل وانصاف بھی کر سکو۔

بہرحال رشتۂ ازدواجیت ایک اہم رشتہ ہے جس کا منقطع کر دینا ہرگز اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہیں تاہم انسان کی فطرت مجموعہ ضدین ہے کہ وہ کبھی ایک چیز کو پسند کرتا ہے تو کبھی اسی چیز سے نفرت کرنے لگتا ہے اور شریعت مطہرہ نہ تو طبیعت پر جبر کرتی ہے اور نہ فطرت کو پامال کرتی ہے بلکہ فطری تقاضوں کی تکمیل اور طبعی میلان کی تسکین کے لئے اصولوں کا تعین کرتی ہے اور ان کی پابندی کا حکم دیتی ہے۔جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بھی اسی عنوان پر جگہ جگہ گفتگو کر چکے ہیں پس اللہ نے صرف انسان کے فطری تقاضہ کی تکمیل کے لئے جس طرح اس رشتہ کو جوڑنے کے لئے نکاح کا اصول عطا فرمایا اسی طرح بوقت اہم ضرورت اس کو توڑنے کے لئے بھی خُلع اور طلاق کا اصول دیا۔

خُلع اور طلاق

خُلع کے معنی ہیں کپڑے یا جوتے اتارنا۔شریعت میں خُلع یہ ہے کہ عورت کو مال کے عوض طلاق دی جائے چاہے شوہر کی طرف سے اس مال کا مطالبہ کیا جائے یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ میں تمہیں طلاق دینے پر تیار ہوں لیکن تم مہر معاف کر دو یا اتنا مال مجھے دو یا بیوی پیشکش کرے کہ میں تمہیں اتنا مال دوں گی یا مہر معاف کرتی ہوں مجھے طلاق دے دو۔دونوں صورتوں میں مرد کو لفظ خُلع کے ساتھ طلاق دینا ہوگی یعنی معاملہ طے ہو جانے کے بعد شوہر بیوی سے کہے گا کہ میں نے اتنے مال کے عوض تجھ سے خُلع کیا، بیوی کہے گی میں نے قبول کیا اس طرح طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

طلاق کے معنی ہیں کھل جانا جبکہ نکاح کو عقد کہا جاتا ہے یعنی گرہ باندھنا، ایجاب وقبول کے ذریعہ جو گرہ بندھی تھی وہ طلاق سے کھل گئی اور مرد وعورت کا رشتہ ازدواج ختم ہو گیا اس لئے اسے عمل کو طلاق کہا جاتا ہے۔

خُلع وطلاق دونوں ہی ایسی دھاردار تلوار ہیں جس سے وہ رشتہ جسے قرآن کریم نے لباس قرار دیا۔ آناً فاناً منقطع ہو جاتا ہے اور وہ لباس جس کے ذریعہ مرد وعورت دونوں ہی کو سکون حاصل تھا دونوں کی عزت و آبرو محفوظ تھی۔ دونوں کے عیوب ونقائص ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ لباس جس میں اس جوڑے سے پیدا ہونے والے بچوں کو پناہ حاصل تھی ذرا سی دیر میں تار تار ہو جاتا ہے اور دونوں ہی ایسے ننگے ہو جاتے ہیں کہ دونوں کی طرف ہر اَیرے غیرے کی نظریں اٹھنے لگتی ہیں۔ اہل خانہ کی نظر میں اہل خاندان کی نظر میں معاشرے اور سوسائٹی کی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں رہتی یہ دونوں اپنا اپنا دوسرا گھر بسا بھی لیں تب بھی وہ سکون میسر نہیں آتا اور نہ وہ عزت نصیب ہو پاتی جو پہلے گھر میں تھی اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَالَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ۔

جو عورت شدید ضرورت کے بغیر شوہر سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ابن ماجہ)

نیز راوی ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔

ناپسندیدہ ترین حلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔

نکاح سے آزاد ہونے والیاں اور خُلع کرنے والیاں منافقہ ہیں۔ (نسائی)

یعنی جو عورتیں اپنے شوہروں کو صرف اس لئے پریشان کرتی ہیں کہ وہ مجبور ہو کر انہیں آزاد کر دیں یا جو عورتیں خلع کرتی ہیں وہ درحقیقت منافقہ ہیں کہ بظاہر تو شوہر سے محبت کرتی ہیں لیکن دل میں ان سے نفرت کرتی ہیں اور کسی نہ کسی طرح آزاد ہو جانا چاہتی ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک خُلع وطلاق کس قدر مبغوض ہے اور آپ اس سے اپنی نفرت کا اظہار صرف اسی لئے فرما رہے ہیں کہ غلام حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

غرضیکہ طلاق دینا جائز ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظروں میں نہایت ناپسند اور مبغوض ہے لہٰذا مرد و عورت دونوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ وہ اس تلوار کی زد سے بچے رہیں اور ایک دوسرے کا لباس بن کر زندگی کو پرلطف بنانے کی کوشش کرتے رہیں بالخصوص اس صورت میں جبکہ اللہ نے ان کو اولاد کا عطیہ بھی بخشا ہو کہ اولاد ہو جانے کے بعد والدین کی زندگی اپنے لئے نہیں بلکہ اولاد کے مستقبل کو سدھارنے اور سنوارنے کے لئے رہ جاتی ہے پس جب بھی مرد وعورت میں کسی کو علیحدگی کا خیال آئے تو وہ اپنے پیارے پیارے بچوں پر نظر ڈالے اور سوچے کہ اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو ان بچوں کو ہمارا مشترکہ پیار کیسے نصیب ہوگا جبکہ بچوں کی راحت اور ان کی بہترین تربیت کا دارومدار ماں باپ کے مشترکہ پیار ہی پر

ہے اگر بچے اس سے محروم ہو گئے تو اس کی کو کثیر وسائل کے باوجود نہ تو تنہا باپ پورا کر سکتا ہے اور نہ ہی تنہا ماں پورا کر سکتی ہے اگر اسی طرح سوچا جائے تو طلاق کا تصور خود بخود ختم ہو سکتا ہے، گھر بگڑنے اور بچے تباہ ہونے سے بچ سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے مخبر صادق ﷺ میں کیا بتا رہے ہیں:

شیطان کی خوشی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بتایا کہ شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے (روزانہ صبح پانی پر تخت بچھا کر اپنا دفتر کھولتا ہے اور سارے دن کے لئے فتنہ وفساد کے کام اپنے چیلوں کے سپرد کرتا ہے) پھر اپنی ٹولیوں کو لوگوں میں فتنے ڈالنے کے لئے بھیجتا ہے (شام کو یہ سب واپس آ کر اپنی اپنی کارستانیاں بیان کرتے ہیں جن کو یہ ملعون سنتا رہتا ہے) حتیٰ کہ ان میں سے ایک آتا ہے اور اپنا کارنامہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اِمْرَاَتِهٖ'' میں نے فلاں شخص کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہ کرا دی بس اب شیطان اُچھل پڑتا ہے اس خبیث چیلے کو چمٹا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے ''نَعَمْ اَنْتَ'' ہاں تو نے کچھ کیا۔ (مسلم شریف)

یہ تفریق اگر بصورت طلاق ہوئی تو بری ہے لیکن اگر بغیر طلاق شوہر، بیوی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تو اور بھی زیادہ بری ہے کہ اس صورت میں فتنہ وفساد اور گناہ میں مبتلا ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ بہر حال شیطان اپنے اس چیلے سے خوش ہوتا ہے جو شوہر و بیوی کے درمیان تفریق کرا دیتا ہے۔ غور فرمایئے آخر ایسا کیوں اس لئے کہ اس طرح اس نے ایک تیر سے سینکڑوں شکار کر لئے، شرعی قانون کے مطابق جو رشتہ قائم ہوا تھا اسے توڑ دیا، مرد و عورت دونوں کو اب گناہ میں مبتلا کر دینا زیادہ آسان ہو گیا۔ شوہر و بیوی کے خاندانوں میں جو رشتہ تھا وہ بھی ختم ہو گیا اب دونوں دشمن بن گئے بچوں کا نہ صرف مستقبل تباہ ہو گیا بلکہ ان کے آوارہ اور جاہل ہونے کا امکان زیادہ ہو گیا اسی طرح سوچئے جتنا آپ غور کریں گے شیطان کی خوشی کے اسباب معلوم ہوتے جائیں گے۔

شوہر و بیوی کے درمیان اگر کسی وقت جھگڑا ہو چاہے روزانہ ہو تو کوئی خاص بات نہیں یہ ایک فطری عمل ہے ایسا ہوتا ہی ہے لیکن جونہی اس جھگڑے کے دوران طلاق کا خیال آئے بس فوراً سمجھ لیجئے کہ اب شیطان کی مداخلت ہو رہی ہے قبل اس کے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو لاحول پڑھیے جھگڑا فوراً ختم کر دیجئے اور اپنے اور اپنی اولاد کے مستقبل کو تباہ ہونے سے بچا لیجئے۔

غصہ میں طلاق

یاد رکھئے کہ شیطان تفریق کرانے کے لئے غصہ کا سہارا لیتا ہے غصہ کی آگ سلگاتا ہے پس جھگڑا شروع ہوتا ہے جوں جوں آگ کی تیزی بڑھتی جاتی ہے جھگڑا بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ عورت کی زبان پر طلاق کا مطالبہ آتا ہے یا نہیں آتا تو از خود مرد طلاق کے لفظ بول دیتا ہے اور جونہی غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے میاں بیوی دونوں سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں اور اب مسئلہ معلوم کرنے کے لئے مفتی کے پاس دوڑتے ہیں اور خیال یہ کرتے ہیں کہ طلاق کے الفاظ غصہ کی حالت میں بولے گئے ہیں لہٰذا طلاق نہیں

ہوئی حالانکہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو بات صاف ہے کہ کوئی کسی پر تلوار کا وار محبت میں نہیں کرتا یا کوئی گولی محبت میں نہیں مارتا جب غصہ آتا ہے اور نفرت اپنی انتہا پر پہنچتی ہے تب ہی گولی چلتی ہے اور گولی محبت میں چلے مذاق میں چلے یا غصہ میں چلے کام ایک ہی کرتی ہے۔ طلاق، رشتۂ ازدواج کے لئے گولی ہے جو محبت میں چلے یا مذاق میں اور یا بحالت غصہ بہر حال اس رشتے کی جان لے لیتی ہے پس غصہ آیا گولی چلی طلاق ہوگئی اور کاش ایک یا دو گولیاں چلتیں تو کچھ گنجائش باقی رہتی مرہم پٹی ہوتی، میاں بیوی صحت مند ہو جاتے لیکن یہ شیطان تو بڑا ہی ظالم دشمن ہے ایسی حالت میں ہمیشہ تینوں گولیاں ایک ساتھ چلوا دیتا ہے اور میاں بیوی دونوں کی جان لے لیتا ہے۔ اب مفتی صاحب کے پاس کوئی دوا نہیں ہوتی جو جان ڈال سکیں اور اگر دوا ہے بھی تو وہ اتنی کڑوی کہ اس کا استعمال کرنا کسی باغیرت کے لئے ممکن ہی نہیں۔ اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے غصہ کو حرام قرار دیا اور آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں اس کی مضرتوں سے بچانے کے لئے اس کی ممانعت اور مذمت فرمائی۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار فرمایا ''لَا تَغْضَبْ، لَا تَغْضَبْ'' غصہ مت کرو، غصہ مت کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، پہلوان تو وہ ہے جو ''يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ'' جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ وہ شخص کتنا کمزور ہے جس کے غصہ کی آگ نے اس کے گھر ہی کو بھسم کر ڈالا اور وہ اسے بجھا نہ سکا بہر حال غصہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے۔

نکاح نے مرد کو بے شمار تحفوں کے ساتھ ایک مہلک ہتھیار بھی دیا ہے عقلمند وہ ہے جو ان تحفوں کی لذت سے اپنی زندگی کو پر لطف، پر بہار اور پر سکون بنائے اور اس مہلک ہتھیار کو کسی کونہ میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے بھول جائے۔

طلاق دینا واجب ہے

ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب اس ہتھیار کا استعمال یعنی طلاق دے دینا واجب و لازم ہو جاتا ہے مثلاً شوہر پیدائشی نامرد ہے یا جادو یا کسی اور بیماری کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں اور اس کے صحت مند ہونے کا بظاہر کوئی امکان بھی نہیں تو ایسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ وہ از خود اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے کیونکہ اس صورت میں عورت سے گناہ سرزد ہونے کا قوی امکان موجود ہے اور اگر کوئی بہت ہی متقیہ عورت ہے تب بھی اس کی زندگی پرسکون نہیں ہو سکتی اور ایک گھر کا ماحول جیسا ہونا چاہئے وہ ہرگز نہیں ہو سکتا اگر اس صورت کے باوجود شوہر، بیوی کو آزاد نہیں کرتا تو وہ مجرم ہے ایک عورت کی زندگی اجیرن کر دینے کا یا وہ مجرم ہے اسے گناہ کے گڑھے میں ڈھکیل دینے کا جو نہایت ہی گناہ ہے پس اس گناہ سے بچنے کے لئے بیوی کو طلاق دے دینا واجب ہے۔

اور بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں طلاق دینا افضل و بہتر اور مستحب قرار دیا گیا ہے مثلاً یہ کہ عورت بے نمازی ہے اپنے ساس، سسر اور دیگر اہل خانہ کو ستاتی اور پریشان کرتی ہے یا ان سے نفرت کرتی اور ملنا جلنا تک پسند نہیں کرتی یا وہ مجبوراً اس مرد کی زوجیت میں ہے جبکہ اس کا دل کسی اور مرد کی طرف مائل ہے یا وہ اس کے مال و اسباب میں خیانت کرتی ہے۔ ان تمام صورتوں اور ان جیسی صورتوں میں مستحب ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دے کر اس کی ایذاء رسانی سے نجات حاصل

کر لی جائے لیکن اس وقت جب اس کی اصلاح اور تربیت کے تمام شرعی اور معاشرتی طریقے ناکام ہو چکے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں بھی ایک مرتبہ ایسی نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ جیبیہ بنت سہل نے سرکار کے دربار میں حاضر ہو کر شوہر سے علیحدگی کی درخواست پیش کی یعنی خُلع چاہا کیونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کچھ شکل وصورت کے اچھے نہ تھے، قد پستہ تھا، رنگ سیاہ تھا اور حضرت جیبیہ جو عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں دراز قد اور نہایت ہی حسینہ وجمیلہ تھیں لہٰذا وہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتی تھیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عرض گزار ہوئیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ''مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ'' کہ ثابت کے حسن خلق اور دیندار ہونے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یعنی وہ عادات واطوار کے بہت اچھے ہیں بہت دیندار ہیں ''وَلٰكِنِّيْ اُكْرِهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ'' لیکن میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی یعنی میں ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ میں زبان سے انہیں اچھا کہوں اور دل سے پسند نہ کروں یہ تو تقیہ ہوگا جو شرعاً ممنوع ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ مجھے ان سے طلاق دلا دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی اس درخواست پر برافروختگی یا ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ پوچھا کیا تم ثابت کو وہ باغ واپس کردو گی جو انہوں نے تمہیں بطور مہر دیا تھا۔ وہ راضی ہوگئیں پس آپ ﷺ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا ''اَقْبِلِ الْحَدِيْقَةَ'' ثابت یہ اپنا باغ قبول کرلو۔ ''وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً'' اور انہیں ایک طلاق دے دو۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور طلاق دے دی۔

اس واقعہ سے واضح ہوگیا کہ اگر شوہر و بیوی کے درمیان کسی بھی وجہ محبت والفت پیدا نہ ہوسکے اور وہ ایک دوسرے کو دل سے نہ چاہتے ہوں تو جبر واکراہ کی زندگی بسر کرنے سے بہتر علیحدگی ہے اور اس صورت میں مستحب یہی ہے کہ طلاق کا عمل اختیار کیا جائے۔

حق طلاق مرد کو ہے

حق طلاق، مطلقاً مرد ہی کو حاصل ہے چاہے وہ بیوی کی مرضی کے بغیر از خود طلاق دے یا بیوی کی مرضی اور طلب پر بصورت خُلع طلاق دے۔ بہرصورت جب تک مرد لفظ طلاق نہیں بولے گا۔ عورت کو اس سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ مرد کے اس حق کو عورتیں اپنی حق تلفی، مجبوری اور بے بسی کا نام دیتی ہیں اور العیاذ باللہ خیال کرتی ہیں کہ شریعت مطہرہ نے یہ ان کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ انصاف تو یہ تھا کہ جس طرح نکاح کا حق مرد وعورت دونوں کو حاصل ہے اور دونوں کی مرضی کے بغیر یہ معاہدۂ زندگی عمل میں نہیں آتا اسی طرح طلاق کا حق بھی دونوں کو حاصل ہونا چاہئے تھا اور دونوں کی مرضی کے بغیر یہ معاہدۂ زندگی منقطع نہ ہونا چاہئے تھا۔ عورتوں کا یہ تصور نہایت ہی لغو اور خلاف شرع ہے۔ کسی مؤمنہ کو تو یہ خیال تک نہ آنے دینا چاہئے کہ اللہ ورسول کی طرف سے اس پر کوئی ظلم ہوسکتا ہے یا اس کی حق تلفی کی جاسکتی ہے العیاذ باللہ ایسا ہرگز نہیں۔ اسلام مرد وعورت دونوں کے لئے یکساں دین رحمت ہے دونوں ہی کو وہ اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دیتا ہے اور اگر بغور دیانت سے دیکھا جائے تو حق یہ ہے کہ مرد وعورت کے حقوق کے باب میں شریعتِ مطہرہ نے عورتوں کو خصوصی مراعات اور نرمی سے نوازا ہے۔ ذرا غور تو

کیجئے جو دین مردوں کو عورتوں کی ناز برداری کا حکم دیتا ہے ''وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' وہ کس طرح اپنے کسی حکم سے ان پر سختی یا ان کی حق تلفی کر سکتا ہے۔ بہر حال عورتوں کی غلط فہمی کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ انہیں مردوں کی طرح طلاق کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ طلاق کے لئے عورت کا راضی ہونا کیوں لازمی نہیں۔ جیسا کہ نکاح کے لئے اس کی مرضی ضروری قرار دی گئی ہے۔ ان دونوں باتوں پر ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کر کے اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اللہ کرے ہم کامیاب ہو سکیں اور اپنی بہنوں کو ایک بڑے گناہ سے بچا سکیں۔

بلا شبہ حق طلاق مرد ہی کو کلیتاً حاصل ہے۔ یہ عورتوں کے ساتھ نہ تو زیادتی ہے اور نہ ہی ان پر کوئی جبر و اکراہ ہے۔ اگر چہ اللہ و رسول کے اس حکم کو دیگر شرعی احکام کی طرح تسلیم کر لینا اور حق جاننا ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اگر عقل میں نہ آئے تو عقل کو شریعت کا پابند کر دینا، مؤمن و مؤمنات کی ذمہ داری ہے جبکہ زیر گفتگو مسئلہ نہ تو پیچیدہ ہے اور نہ ہی بعید از عقل ہے۔ اولاً اس لئے کہ عورتوں کی آزادی، مساوات اور حقوق بخشنے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''هُنَّ نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ'' عورتیں عقل و دین کے اعتبار سے ناقص واقع ہوئی ہیں۔ عیوب و نقائص پر پردہ پوشی فرمانے والے آقا ﷺ اپنی باندیوں کا کوئی عیب بیان نہیں فرما رہے بلکہ اس فطری اور جبلی کمزوری کو بیان فرما رہے ہیں جس کی بناء پر یہ صنف نازک بعض شرعی امور میں خصوصی مراعات اور نرمی کی مستحق قرار دی گئی ہے۔ اسی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ہاتھ میں طلاق کی تلوار نہ دے کر اسے اس رشتہ کی حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش رکھا گیا ہے ورنہ مرد ہمیشہ بیوی کو ستاتا، پریشان کرتا اور غصہ دلا کر اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیتا اور پھر بدنام کرتا پھرتا کہ بیوی نے مجھے طلاق دی ہے میں اس کو ہرگز چھوڑنا نہ چاہتا تھا کیونکہ بہر حال طلاق کو ایک معاشرتی جرم سمجھا جاتا ہے۔ اس جرم کے مرتکب شخص کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اسی لئے ایسے مجرموں کو کسی اچھے خاندان کی لڑکی سے نکاح کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اکثر انہیں کوئی مطلقہ یا بیوہ ہی مل پاتی ہے وہ بھی بہت دشواری کے بعد گویا عورتوں کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ طلاق کا اثر مرد پر بالکل نہیں ہوتا صرف عورت کی زندگی برباد ہوتی ہے نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ اگر آپ غور کریں تو ہماری یہ بات قابل تسلیم ہے کہ مطلقہ کے ساتھ سب اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور کرنا چاہئے جبکہ مرد کو سب مجرم اور ایک ناکام شوہر قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

ثانیاً عورت فطرتاً غصہ کی تیز واقع ہوئی ہے نیز اس میں قوت مدافعت مرد کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اسے بات بات پر بہت جلد غصہ آ جاتا ہے خصوصاً ایام حیض میں یا دوران حمل وہ جلد پریشان ہو جاتی ہے۔ مسائل اور الجھنوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتی ہے۔ یہ فطرت ہے جس سے شاید ہزار میں کوئی ایک عورت مستثنیٰ ہو۔ غور فرمائیے اگر اس صورت میں طلاق کی تلوار اس کے ہاتھ میں دے دی جاتی تو وہ کس بے دردی سے اسے چلاتی اور پھر ہمارے گھروں کا کیا حال ہوتا کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس میں شوہر و بیوی کے درمیان اختلاف، لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہو پھر تو یہ مستحکم رشتہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور و ناپائیدار ہو کر رہ جاتا اور بمشکل ہی کوئی گھر بربادی سے محفوظ رہ پاتا اور مرد جو آج مجرم کہلانے کے خوف سے بصورت خُلع بھی طلاق دینا نہیں چاہتا بڑی ہی آسانی سے اپنی عیاشی کے لئے عورت کو استعمال کرتا رہتا

اس کے لئے عورتیں بدلتے رہنا نہایت ہی آسان ہو جاتا۔

رہی دوسری بات کہ نکاح کی طرح طلاق میں عورت کی مرضی کیوں ضروری نہیں اس کی وجہ بالکل واضح ہے کہ نکاح تو ایک معاہدہ ہے اور کسی بھی معاہدے کے لئے جانبین کی رضامندی ہوتی ہے جبکہ طلاق اس معاہدے کو ختم کرنے کا نام ہے اور ہر معاہدہ میں ایک ہی جانب سے توڑا اور منقطع کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ ایک مکان خریدنا چاہتے ہیں، خریداری کا معاہدہ اس وقت تک عمل میں نہیں آسکتا۔ جب تک مالک مکان اور خریدار دونوں راضی نہ ہو جائیں دونوں میں کسی رضا کے بعد معاہدہ طے پائے گا اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی معاہدے کی کسی شق کا انکار کر دے تو یہ طے شدہ معاہدہ ختم ہو جائے گا جس کے خاتمہ کے لئے دونوں کی رضا ضروری نہیں غرضیکہ انعقاد معاہدہ کے لئے جانبین کی رضا لازمی ہے جبکہ اس کے نقص و انقطاع کے لئے جانب واحد کا انکار کافی ہے دوسرا راضی ہو یا نہ ہو بعینہٖ یہی صورت نکاح و طلاق کی ہے کہ نکاح کے لئے ایجاب وقبول لازمی ہے جبکہ طلاق کے وقت صرف شوہر کا فیصلہ کافی ہے۔

علاوہ ازیں اگر چہ عورت کو اختیار طلاق تو حاصل نہیں لیکن وہ اپنی مرضی کے برعکس کسی ایسے مرد کے ساتھ رہنے پر مجبور بھی نہیں جسے وہ پسند نہ کرتی ہو کیونکہ شریعتِ مطہرہ مرد کو یہ تلقین کرتی ہے کہ اگر بیوی اس کے ساتھ کسی وجہ سے بھی رہنا نہیں چاہتی تو مرد کو اخلاقاً ایسی عورت کو آزاد کر دینا چاہئے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان سے خلع چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت کو حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور انہوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور یہ حکم قیامت تک کے امتیوں کے لئے ہے کہ اگر بیوی خُلع چاہتی ہے تو شوہر کو اخلاقاً طلاق دے دینا ہی بہتر ہے یہی دینداری کا تقاضا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو عورت مرد سے محبت نہیں کرتی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اسے پسند نہیں کرتی اس عورت سے وہ کیا لطف زندگی حاصل کر سکتا ہے جبکہ اس صورت میں یقیناً عورت وظیفہ زوجیت میں بھی مرد کا ساتھ آمادگی سے نہ دیتی ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد کی طرف مائل ہو اور گناہ کی مرتکب ہو جائے تو یہ مرد بھی بلاوجہ اس کے گناہ کا سبب بنے گا۔ پس تقاضۂ عقل یہی ہے کہ ایسی عورت کو فوراً اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دینا چاہئے اور اگر کوئی مرد اس قدر ضدی ہے کہ نہ تو وہ دینداری کا تقاضا پورا کرتا ہے اور نہ ہی عقل کا تو عورت کے لئے دارالقضا (عدالت عالیہ) کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ قاضی کے سامنے پیش ہو کر مقدمہ دائر کر سکتی ہے اور قاضی اس کے خُلع کے مطابق مرد کو مجبور کر کے شرعاً طلاق دلانے کا پابند ہے وہ عورت سے مطالبہ خُلع کی وجہ بھی معلوم نہیں کرے گا۔

طلاق بربنائے دینداری

یہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتی ہو تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اہل ایمان کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہے۔ اگر آپ کی زندگی میں یہ واقعہ نہ پایا جاتا تو یہ ''اسوۂ حسنہ'' کامل نہ ہوتا۔ واقعہ نہایت اہم ہے۔ ملاحظہ فرمایئے، قرآن کریم کی سورۂ احزاب ہی میں ہے۔ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (احزاب:۲۸،۲۹)

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے اپنی بیویوں سے اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش و آسائش تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیکوکار کے لئے اجرِ عظیم۔

ایلاء تخییر

یہ واقعہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں اور ہماری ماؤں کا کہ جن کی زندگی کے شب و روز نہایت ہی عسرت اور تنگی میں بسر ہوتے تھے نہ پہننے کے لئے اچھا لباس میسر تھا نہ آرائش و آسائش کا دیگر سامان کئی کئی وقت کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا چولہا تک نہ جلتا تھا میری مائیں پھر بھی صابر و شاکر تھیں ان کے لئے یہ کیا کم اعزاز تھا کہ وہ سید الانبیاء ﷺ کی ازواج اور امت کی مائیں کہلاتی تھیں لیکن گاہے بگاہے انسان کی فطرت اسے نہ چاہتے ہوئے بھی مادی و ظاہری ساز و سامان کی طرف مائل کر ہی دیتی ہے۔ پس ہوا یہ کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں مال و زر، زمین و زن، سب کچھ ہی وافر مقدار میں مسلمانوں کو بصورت غنیمت میسر آیا اور ان کے گھروں کی حالت بدل گئی لوازمات زندگی بھی ان کو حاصل ہونے لگے۔ کھانے پینے کی بھی ارزانی ہوگئی، خوش لباس بھی ہو گئے لیکن اللہ کے خزانے تقسیم کرنے والے آقا ﷺ کے گھروں میں کوئی تبدیلی نہ آئی، وہی کھجوروں یا جو کی روٹی پر گزارا ہوتا رہا، وہی پھٹا پرانا لباس زیب تن رہا وہی ٹاٹ و چٹائی کا بستر آرامگاہ رہا۔ امہات المؤمنین اس صورت حال پر باہم گفتگو کرنے لگیں اور ایک دن آقائے نعمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ ﷺ! دیکھئے اب تو ہمارے غلام بھی خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم حسب سابق فاقہ مست ہی ہیں نہ اچھا کھانا میسر ہے نہ اچھا لباس تن پر ہے کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ہم پر بھی اپنے خزانہ رحمت کا دروازہ وا فرما دیں کہ ہمیں بھی کچھ آسائش میسر آ جائے کہ ہم تو اس شہنشاہ کی حرم ہیں جو اللہ کے خزانوں کا مالک ہے۔

واضح رہے کہ ہماری اکثر ماؤں کا تعلق دولت مند گھرانوں سے تھا جہاں انہوں نے نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رئیس مکہ حضرت ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنونضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حی بن اخطب کی نور نظر تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں جن کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں جو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک تھے، حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی خاندان قریش کے متمول گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن کاشانہ نبوت میں آ کر

ان سب نے نہایت سادگی اور صبر و قناعت کی زندگی بسر کی اب جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف دولت کی فراوانی ہے، خوشحالی ہے تو انہیں بھی اچھے دن گزارنے کی خواہش ہوئی۔ انہوں نے بھی چاہا کہ ان کے جسموں پر اچھا لباس ہو، ان کے گھروں میں پابندی سے دو وقت کھانا پکے لہٰذا وہ آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں قدرے وسعت و فراخی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ غور کیا جائے تو یہ مطالبہ بے جا نہ تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زُہد و تقویٰ سے پر اور قناعت پسندانہ مزاج کے خلاف تھا کہ آپ تو قیامت تک آنے والے قائدین اور حکام کے لئے زہد و قناعت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اپنی عملی زندگی سے انہیں یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ امتِ مسلمہ کے حاکموں اور قائدین کی گھریلو زندگی نہایت سادہ اور پر قناعت ہونا چاہئے کہ ان کے گھروں میں کھانا ہو یا نہ ہو لیکن امت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہے وہ خود عسرت و تنگی کی زندگی بسر کریں لیکن امت خوشحال نظر آنا چاہئے۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ مبارک پر اپنی چہیتی ازواج کا مطالبہ بار گزرا اور آپ نے اس پر اظہار ناراضگی کے طور پر ایک مہینہ کا ''ایلاء'' فرمایا یعنی یہ قسم کھالی کہ میں ایک ماہ تک اپنی ازواج میں سے کسی کے قریب نہیں آؤں گا۔ ایک ماہ تک آپ ﷺ گوشہ نشین رہے اور آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ نماز کے لئے تشریف لاتے اور کسی سے بات کئے بغیر واپس تشریف لے جاتے۔ اس کیفیت نے صحابہ کرام میں ایک اضطراب اور بے چینی پیدا کردی کہ جن غلاموں کی زندگی کا سہارا ہی آقا کی مسکراہٹ ہو ان کا بیتاب ہونا ایک فطری امر تھا۔ صحابہ کو خیال ہوا کہ شائد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے، لہٰذا ماؤں کے دروازوں پر پروانوں کا ہجوم ہونے لگا۔ یہ جاننے کے لئے کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ اور ماؤں کی طرف سے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر مزید بے چینی پیدا ہوتی گئی۔ صحابہ میں سے کسی کی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی یہ ہمت نہ تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کر سکیں۔

حزن و ملال کی اس کیفیت نے صحابہ کرام کے چہروں کو زرد کر دیا تھا، ان کے گھروں میں کھانا پکنا بند ہو گیا، بازاروں کی چہل پہل ختم ہو گئی۔ مرد، عورت، بچے سب آبدیدہ نظر آتے تھے۔ پورے مدینہ پر رنج و غم کے بادل چھائے ہوئے تھے بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا انہوں نے سرکار کے دربار میں حاضری کا فیصلہ کر لیا۔ پس ایک نماز سے فارغ ہو کر وہ سرکار کے پیچھے ہو لئے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور عمر کی طرف آپ ﷺ نے توجہ تک نہ فرمائی۔ آقا کی اس بے رخی نے عمر کے دل کو کیسا گھائل کیا ہوگا یہ تو وہی جانیں لیکن امت کا غم دور کرنے کے لئے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور دربارِ رسول کے دربان حضرت رباح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سرکار سے گزارش کرو کہ عمر حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔ وہ اندر گئے اور واپس آکر بتایا کہ میں نے حضور ﷺ کو آپ کا پیغام دیا لیکن آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دربان سے کہا کہ اب جاکر اطلاع دو رباح پھر گئے اور واپس آکر وہی خبر دی کہ کوئی جواب نہیں ملا اب عمر کی بیتابی قابو میں نہ رہی اور انہوں نے قدرے بلند آواز سے کہا کہ میرے لئے اجازت طلب کرو۔ قسم خدا کی میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا اگر حضور ﷺ اس سے ناراض ہیں تو میں اس کا سر قلم کر

سکتا ہوں اس آہ وزاری پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور عمر کو باریابی کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں سرکار کے دربار میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کا حال دیکھ کر میرا دل بھر آیا میری آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایک کھری چارپائی پر رونق افروز ہیں جس کے باندوں کے نشانات سے آپ ﷺ کا جسم نازک سرخ ہوگیا ہے۔ کھانے کے لئے ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے، پینے کے لئے ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ سرکار نے میری طرف نظر اٹھائی اور پوچھا عمر روتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کونسا موقع ہوگا کہ قیصر وکسریٰ جو اللہ کے دشمن ہیں نعمتوں میں مست، آسائش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور آپ جو اللہ کے محبوب ہیں اس کے خزانوں کے مالک ہیں، جن کے صدقہ میں غلاموں کو بے شمار نعمتیں میسر ہیں اس حال میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر وکسریٰ کو دنیا اور ہمیں آخرت ملے پس میں خاموش ہوگیا پھر میں نے آپ کا دل بہلانے کے لئے کچھ اور باتیں کیں یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی تو ہمت بندھی اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جوشِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور گزارش کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے غلام باہر غمزدہ جمع ہیں اگر اجازت ہو تو یہ خوشخبری میں انہیں بھی سنا دوں۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور میں دوڑا آیا اور خبر دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔ میرے آقا ﷺ نے کسی کو طلاق نہیں دی ہے۔ صحابہ مسرت سے آپس میں گلے ملنے لگے اور حزن وملال کے بادل چھٹ گئے۔ غلاموں کے پژمردہ چہرے چمک اٹھے۔

بہر حال ایک مہینہ کے باقی ایام کسی نہ کسی طرح گزارے اور قسم پوری ہونے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے تو آیت تخییر (آیت مذکورہ) نازل ہوئی جس کے بعد آپ ﷺ سب سے پہلے اپنی چہیتی بیوی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور یہ آیت سنائی اور فرمایا عائشہ! اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورے کے بعد جواب دینا (کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ عورتوں کی فطرت کے مطابق جلدی کریں اور کوئی غلط جواب دے بیٹھیں جس کے نتیجہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہونا پڑے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلدی تو کی لیکن سمجھدار تھیں لہٰذا نہایت ایمان افروز جواب دیا) بولیں فَفِيْ اَيِّ هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَيَّ، فَاِنِّيْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ'' کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں تو میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کا یہ جواب سن کر خوش اور مطمئن ہوئے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علیحدہ علیحدہ سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے سب کو آیت تخییر سنا کر اختیار دیا اور سب نے ہی بلا تامل وہی جواب دیا جو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

بہر حال میرے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جو یہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہے کہ میری ماؤں کے نزدیک اللہ اس کے رسول اور دار آخرت سے زیادہ کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے مقابلے پر دنیا کے عیش وآرام کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

ہم یہ بتا رہے تھے کہ اگر بیوی، شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق اسے آزاد کر دیا جائے اس واقعہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے لئے یہی نمونہ پیش فرمایا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے وہم وگمان میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کا تصور نہ تھا لیکن بظاہر انہوں نے اپنے مطالبہ سے آپ ﷺ کی عطا کردہ پرقناعت زندگی سے بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا جسے آپ نے گوارا نہ فرمایا اور پہلے ''ایلاء'' اور پھر اللہ کے ارشاد کے مطابق آپ نے انہیں طلاق کا اختیار دیا تا کہ غلام غور کریں اور اگر ان میں سے کسی کو واقعی ایسی صورت پیش آ جائے کہ بیوی اس کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو وہ اپنے آقا کے عطا کردہ طریقہ کے مطابق پہلے ''ایلاء'' کرے تا کہ بیوی کو ان تمام پریشانیوں کا احساس ہو سکے جو طلاق کی صورت میں اسے پیش آ سکتی ہیں اور پھر وہ بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور اگر عورت اب بھی طلاق ہی کو پسند کرے تو اس پر جبر واکراہ کے بغیر اسے اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دے کہ یہی بہتر طریقہ ہے اور اگر بغیر ''ایلاء'' کے بھی ایسا کیا گیا تو جائز ہے لیکن بہتر ہوگا کہ ایک طلاق دی جائے تا کہ اگر عورت کو اپنے فیصلہ پر پشیمانی ہو تو رجوع کیا جا سکے ورنہ دوسری طلاق دے کر اسے آزاد کر دیا جائے۔

تین طلاقیں

تین طلاقیں حلقہ نکاح پر ایسے تین وار ہیں جن سے یہ مضبوط حلقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور پھر مرد وعورت کے لئے ساری زندگی اس بندھن میں واپس آنے کا کوئی موقع نہیں رہتا سوائے حلالہ کے جو کسی بھی باعزت وباحیا، مرد وعورت کے لئے ایک نہایت ہی دشوار اور مکروہ صورت ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہایت ہی قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''لعن رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم الْمُحِلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر لعنت فرمائی جس کے لئے (سابقہ شوہر) حلالہ کیا گیا۔

بہرحال تین طلاقوں کا وار نہایت ہی خطرناک، مہلک اور جان لیوا ہوتا ہے اور جہالت وبے خبری کے سبب اکثر لوگ ایک دم یہی وار کرتے ہیں اور پھر پچھتاتے اور مسئلہ پوچھتے پھرتے ہیں لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس کی کچھ وضاحت کر دی جائے تا کہ اگر خدانخواستہ ایسا موقع آن پڑے تو جاہلانہ فیصلہ سے بچا جا سکے۔ پس پہلے ان آیات کا مطالعہ کریں جن میں مسئلہ طلاق کی وضاحت کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝ (البقرہ:۲۲۹، ۲۳۰)

طلاق دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لئے کہ لو تم اس سے جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے حقوق کو قائم نہ رکھ سکیں گے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو تو کوئی حرج نہیں ان پر کہ عورت کچھ فدیہ دے کر جان چھڑا لے یہ حدیں ہیں اللہ کی پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے تو وہی لوگ ظالم ہیں پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو (تیسری بار) تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ پھر اگر وہ (دوسرا) اسے طلاق دے دے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں بشرطیکہ انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عورتوں پر ظلم و ستم کی داستانیں پڑھ کر مومنات کو اللہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس صنف نازک کو ضیق و تنگی اور مظلومیت کی زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات عطا فرما دی۔ حق یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا ہے وہ نہ تو اس سے پہلے کسی دین اور کسی معاشرے نے اس کو دیا اور نہ ہی آج عورت کی آزادی، ترقی اور مساوات کا ڈھونگ رچانے والوں کی طرف سے مل سکا۔ اسلام وہ سب کچھ دے چکا جس کی عورت کو ضرورت ہو سکتی تھی اور وہ اس کی متحمل ہو سکتی تھی اب کوئی اور کیا دے سکتا ہے اور عورت کے پاس مانگنے کو اب کیا باقی رہا، پس ہماری بہنوں کو اسلام پر ناز کرنا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی امت میں ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔

دورِ جاہلیت کے مظالم میں سے ایک بدترین ظلم یہ بھی تھا کہ مرد کو طلاق کا حق تو حاصل ہی تھا اس پر مزید یہ کہ طلاق کی کوئی تعداد متعین نہ تھی لہٰذا مرد جتنی بار چاہتا بیوی کو طلاق دیتا رہتا اور رجوع کر کے اس کو جب تک چاہتا مقید رکھتا تھا، نہ اپناتا تھا اور نہ آزاد کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک انصاری نے اسی طریقہ کے مطابق اپنی بیوی کو دھمکی دی کہ ''نہ تو میں تمہارے قریب آؤں گا اور نہ ہی تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی'' بیوی نے پوچھا یہ کیسے؟ وہ بولا بس میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرتا رہوں گا۔ یہ سن کر یہ مجبور عورت اپنے بھیانک مستقبل سے لرزنے لگی اور دوڑی دوڑی آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں حاضر ہوئی اس نے اپنے شوہر کے مظالم اور اس کا ارادہ بتایا نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب حال سن کر بے حد تکلیف ہوئی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیات بالا نازل فرمائیں۔ جس میں طلاق کی تعداد اور اصول متعین فرما کر ہمیشہ کے لئے عورتوں پر مردوں کے اس طریقہ ظلم کا خاتمہ فرما دیا۔

فرمایا گیا ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'' طلاقیں تو صرف دو ہی ہیں یعنی دو طلاقوں سے ہی آزادی کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے کہ عدت پوری ہو جانے کے بعد تعلق نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ ہاں اس میں

ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر دوران عدت، مرد وعورت کا اختلاف ختم ہو جائے اور وہ حسب سابق تعلق نکاح برقرار رکھنا چاہیں تو مرد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے وہ چاہے تو بیوی کو اپنے پاس رکھے اور ماضی کے اختلافات کو بھلا کر دونوں اچھی زندگی بسر کریں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ دوران عدت وہ عورت کی ضروریات پوری کرتا رہے اور بعد عدت اس کو احسان کے ساتھ یعنی کچھ تحائف وغیرہ دے کر رخصت کردے کہ شریعت مطہرہ ہر حال میں حسن سلوک کی تعلیم دیتی ہے ان دو طلاقوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد وعورت کے ایک دوسرے سے مکمل آزاد ہو جانے کے باوجود بھی یہ گنجائش ہر وقت موجود رہتی ہے کہ وہ جب چاہیں دوبارہ نکاح کر کے ایک دوسرے سے وابستہ ہو سکتے ہیں کہ میلانِ طبع کی تبدیلی اور ضروریات کی مجبوری سے انسان کے حالات اور فیصلے بدلنا عام بات ہے پس ممکن ہے کہ جو شوہر و بیوی، باہمی منافرت یا حالات کے سبب علیحدہ ہوئے تھے کچھ عرصہ بعد ان کے میلانِ طبع میں تبدیلی آجائے اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہونے لگیں یا ان کی ضروریات ایک دوسرے سے وابستہ ہونے لگیں تو انہیں شریعت مطہرہ نے موقع دیا ہے کہ وہ نکاح کریں اور دوبارہ ایک دوسرے کا لباس بن جائیں۔ اسی لئے تو یہ حکم دیا گیا کہ عورت کو طلاق دے کر احسان کے ساتھ رخصت کیا جائے تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے کا موقع حاصل رہے اور ظلم وزیادتی یا بداخلاقی کا پردہ درمیان میں حائل نہ ہو کہ اسلام دین رحمت ہے، دین محبت ہے، وہ ملاپ کے، محبت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ باہمی نفرت، عداوت کی راہوں کو بند کرتا ہے۔

رہا معاملہ تیسری طلاق کا تو شریعت مرد کو اس کا اختیار دیتی ہے لیکن اس اختیار کا استعمال بے مقصد اور بیکار ہے کہ طلاق کا مقصد تو شوہر و بیوی کی علیحدگی ہے۔ جو پہلی دو طلاقوں سے حاصل ہو چکا اب تیسری طلاق تو درحقیقت اس پر تیسرا وار ہے جو پہلے ہی جانکنی کے عالم میں ہے اور کسی بھی لمحہ (بعد عدت) سانس کا یہ سلسلہ منقطع ہونے والا ہے پس اب اس ظلم کی کیا ضرورت ہے مرتے کو مارنے کی کیا ضرورت ہے نیز مرد یہ ظلم تو اپنے ہی اوپر کر رہا ہے "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" پھر اگر وہ (تیسری) طلاق دے تو وہ اس پر حلال نہ ہوگی اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی دوسرے مرد سے خود ہی اپنے پیر پر کلہاڑی ماری کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ رشتہ جوڑنے کا دروازہ بند ہو گیا اب چاہے جوان ہو کر بچے، ماں باپ کو دوبارہ ایک کرنا چاہیں یا خاندانی ضروریات پیش آئیں یا جائیداد وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے حلالہ کی صورت کے جو کسی باحیاء و باغیرت، مرد وعورت کے لئے قابل برداشت نہیں اور یہ یقین بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرا نکاح کر کے عورت آزاد ہو سکتی ہے کیونکہ اب حق طلاق اسی طرح دوسرے شوہر کو حاصل ہے جس طرح پہلے شوہر کو حاصل تھا۔ ممکن ہے وہ اب طلاق نہ دینا چاہے اور دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہنے لگیں کہ ساری زندگی ایک ساتھ رہنے کا عہد کر لیں اور یہ پہلے شوہر صاحب منہ ہی دیکھتے رہ جائیں پس اگر طلاق دینا ہی ہو تو قرآنی حکم کے مطابق دو طلاقوں پر اکتفاء کرنا چاہئے تیسرا وار نہیں کرنا چاہئے۔

طریقۂ طلاق

طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ عورت جب ایام حیض سے فارغ ہو تو صحبت سے پہلے ایک طلاق دی جائے اور

پھر جب وہ دوسرے حیض سے فارغ ہوتو دوسری طلاق دی جائے اور اگر تیسری طلاق بھی دینا ہوتو تیسرے حیض کے بعد دی جائے۔ اس طریقہ کے تعین میں حکمت یہ ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے درمیان اور پھر تیسری طلاق تک تقریباً تین مہینے کی مہلت ہے جس سے مرد وعورت پوری طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ ان کا غصہ ختم ہو جائے نفرت جاتی رہے انہیں اپنے بچوں کے مستقبل اور خاندان کی عزت کا احساس ہونے لگے تو وہ رجوع کر سکتے ہیں لیکن عدت پوری ہو جانے کے بعد یہ موقع حاصل نہیں رہتا کہ اب بغیر نکاح دوبارہ ساتھ نہیں ہو سکتے اور تیسری طلاق کے بعد تو بالکل ہی معاملہ ختم ہو گیا۔ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

مسلم گھرانوں میں طلاق

بحمد اللہ مسلم ممالک میں طلاق کے حادثات بہت ہی کم، بمشکل تین چار فیصد ہیں جس کا سبب اسلام میں طلاق کے اصول وضوابط اور اسے ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ'' قرار دینا ہے۔ نیز انہی اسباب میں عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ کا پردے کا حکم، حیاء وشرم کی تاکید، شوہر کی تعظیم وتکریم اور اس سے محبت کی تلقین بھی شامل ہے۔ علاوہ ازیں عورتوں کو معاشی آزادی نہ ہونا بھی اس کا ایک سبب ہے غرضیکہ شریعت مطہرہ کے احکام کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کا ثمر امت مسلمہ کو حاصل ہے کہ ان کے گھروں میں میل ومحبت اور شوہر وبیوی کے درمیان الفت ہے جس سے وہ زندگی کا لطف حاصل کرتے ہیں بچوں کی صحیح تربیت وپرورش کی ذمہ داری سکون سے پوری کرتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم ممالک کے غیر مہذب مغربی معاشرے میں جو حال نظر آتا ہے الامان والحفیظ کہ اول تو چالیس فیصد مرد وعورت بغیر نکاح کے شوہر و بیوی کی طرح رہتے ہیں حتیٰ کہ بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک مدت وہ یہ زندگی اپنے خیال میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں بسر کر دیتے ہیں پھر نکاح کی نوبت آتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ پھر بھی ان میں بمشکل دس فیصد کی شادی پروان چڑھتی ہے اور باقی میں علیحدگی یا طلاق ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب ان کی وہ بے اصولی اور بے ضابطگی ہے جو ان کی اپنی تہذیب سے انہیں ملتی ہے اور جو اسلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے مثلاً مرد وعورت دونوں کو طلاق کا مساوی حق حاصل ہونا، حیاء وشرم سے واقف نہ ہونا، عورت کا مرد کی برتری اور اس کی ضرورت کو تسلیم نہ کرنا، طلاق کے بعد بچوں پر عورت کا حق ہونا، معاشی طور پر عورت کا کلیتاً آزاد ہونا، آپ غور فرمائیے ان حالات کا تقاضا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ معمولی جھگڑا ہوا اور عورت نے شوہر کو گھر سے نکالا جی ہاں یہی ہوتا ہے مرد عورت کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔ یہ عورت ہی کو حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے بلا وجہ بتائے مرد کو گھر سے نکال دے اسے پوری طرح قانونی اختیار حاصل ہے۔ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں کہ غیر مسلموں میں کیا ہوتا ہے ہمیں تو افسوس اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے حال پر ہے کہ وہ بھی غیر مسلم ممالک میں رہ کر انہی کی بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یقین جانئے ہم ایسی کئی مسلمان عورتوں کو جانتے ہیں جو آٹھ، آٹھ مرتبہ مختلف مردوں سے نکاح کر چکی ہیں اور اب تک تنہائی ہی کی زندگی بسر کر رہی ہیں لیکن ان کے چہروں پر ذرا بھی ملال کے آثار نہیں اور نہ ہی وہ اپنا یہ کارنامہ بتاتے ہوئے شرماتی ہیں کیونکہ حیاء وشرم نام کی چیز سے تو یہ واقف ہی نہیں، افسوس صد افسوس۔

ظاہر ہے جس معاشرے میں طلاق عام ہوا کثر مرد وعورت تنہا رہتے ہوں وہ معاشرہ زنا اور بدکاری کی غلاظت سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اور پھر ایسے لوگوں پر ایڈز کی صورت میں اللہ کا عذاب نازل ہو تو کیا تعجب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

اے ایمان والو! یہ طلاق کے احکام بیان کئے گئے ان پر غور کرو اور یاد رکھو کہ طلاق اللہ اور اس کے رسول کا پسندیدہ عمل نہیں اس کی اجازت صرف اہم ضرورت کے موقع پر دی گئی ہے ورنہ یہ ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ'' تمام حلال چیزوں میں ناپسندیدہ ہے۔ پس اپنی ازدواجی زندگی میں ایسا موقع نہ آنے دو کہ اس ناپسندیدہ راہ کو اختیار کرنا پڑے اور اگر ایسا موقع آ ہی پڑے تو طلاق کے شرعی احکام کو پڑھو، سیکھو اور اچھی طرح اس کا طریقہ اس کے عواقب و نتائج کو سمجھ لو اور خوب سوچ کر اس کانٹوں بھرے راستے کی طرف قدم اٹھاؤ کہ وہ عمل کبھی باعث خیر و برکت نہیں ہو سکتا جسے اللہ اور اس کے رسول نے پسند نہ فرمایا ہو۔ دوستو! طلاق صرف شوہر و بیوی ہی کے درمیان نفرت پیدا نہیں کرتی بلکہ یہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت و دشمنی کا ذریعہ ہے۔ طلاق صرف شوہر و بیوی ہی کو دور نہیں کرتی بلکہ اس سے جگر کے ٹکڑے بچے بھی جدا ہو جاتے ہیں۔ طلاق ماں سے بچوں کو چھین لیتی ہے اور باپ کو بچوں کی نظروں میں بے وقعت کر دیتی ہے۔ طلاق نہ صرف مطلقہ عورت کو بلکہ مرد کو بھی معاشرے میں ذلیل وخوار کر دیتی ہے، دونوں ہی کو دوبارہ رشتہ بڑی ہی مشکل سے ملتا ہے۔ نکاح ایک حسن ہے اور طلاق اس حسن کو چھین کر مرد وعورت دونوں کو بدصورت بنا دیتی ہے۔ نکاح ایک لباس ہے اور طلاق اس لباس کو اتار کر مرد وعورت دونوں کو عریاں کر دیتی ہے۔ پس زندگی میں کبھی اس بدترین عمل کا موقع نہ آنے دو اور باعزت و باوقار پر سکون زندگی بسر کرو۔

طلاق سے متعلق اس ضروری گفتگو کے بعد اب ہم عدت کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گفتگو بھی نہایت اہم اور حالات حاضرہ کے عین مطابق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم گھرانوں میں عدت کا رواج تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے کہ عورتوں نے اس کو بھی ایک غیر ضروری پابندی سمجھا اور خود بخود ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا یہ بالکل نہ سوچا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی کھلی بغاوت ہے جو کسی طرح بھی اہل ایمان کے لئے موزوں نہیں۔ پس ہماری بہنیں ان باتوں پر غور کریں اور سوچیں کہ ان سے یہ کتنا بڑا گناہ سرزد ہو رہا ہے، اللہ معاف کرے۔

عدت

عدت کے معنی شمار کرنا اور گننا ہیں۔ شریعت مطہرہ میں عدت اس انتظار کے دنوں کو گننے اور شمار کرنے کو کہتے ہیں جو ایک نکاح ختم ہو جانے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے کیا جاتا ہے۔ زمانۂ عدت میں نکاح کرنا ممنوع ہے بلکہ نکاح کی تیاری یا باتیں کرنا بھی مناسب نہیں۔ عدت صرف عورت کے لئے ہے مرد کے لئے نہیں کیونکہ اس کا مقصد استبراءِ رحم یعنی بچہ دانی کی صفائی اور اس بات کا پوری طرح یقین حاصل کر لینا ہے کہ حمل نہیں ہے جبکہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے۔ ظاہر ہے اس کا تعلق مرد سے نہیں عورت ہی سے ہے، ہاں مرد اگر کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جس کو بیوی کے ساتھ جمع کرنا حرام ہو تو اسے بھی اپنی پہلی بیوی کی عدت پوری ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا مثلاً وہ بیوی کی بہن بھانجی یا خالہ سے نکاح کرنا چاہے کہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن، بھانجی یا خالہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں تو عدت کے دنوں میں بھی ان کا

نکاح کرنا حقیقت میں انہیں ساتھ ہی رکھنا ہوگا لہٰذا جائز نہیں کیونکہ جب تک عورت کی عدت کے دن پورے نہ ہو جائیں مرد اس سے رجوع کر سکتا اور دوبارہ اسے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے۔

عدت کی قسمیں

عدت کی تین قسمیں ہیں وفات کی عدت یعنی اس عورت کی عدت جس کا شوہر مر گیا اور وہ بیوہ ہوگئی اس کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق کی عدت اس کی مدت تین حیض ہے چاہے یہ مطلقہ بالغہ ہو نابالغہ ہو یا ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہو یعنی اتنی بوڑھی ہو چکی ہو کہ حمل کی امید باقی نہ رہی ہو جس کے لئے تقریباً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کو جنم دینا ہے چاہے نکاح ختم ہونے کے فوراً بعد ہی بچہ ہو جائے یا کچھ دن اور کچھ مہینے بعد ہو اور جس عورت کو خلوتِ صحیحہ سے قبل ہی طلاق دے دی گئی ہو اس کی کوئی عدت نہیں۔ خلوتِ صحیحہ مرد و عورت کی ایسی تنہائی کو کہا جاتا ہے، جس میں دونوں کا ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کر لینا یقینی ہو جائے۔

آیت زیرِ گفتگو کا ایک حصہ ہے "ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا" " پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو" یہ اس عورت کے متعلق حکم ہے جسے بعد نکاح خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی کہ اس کے لئے عدت نہیں ہے۔

بواسطۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں حکم دیا گیا کہ طلاق سے پہلے ہی عورت کی مدت عدت کا خیال رکھا جائے یعنی حیض کے بعد پاکی کے ایسے دنوں میں طلاق دی جائے جن میں اب تک اس سے صحبت نہیں کی گئی ہے تاکہ اس کے ایام عدت دراز نہ ہوں اور اسے دوسرا نکاح کرنے کے لئے طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ (الطلاق:۱)

اے نبی (آپ غلاموں کو بتا دیجئے) کہ جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کا لحاظ کرتے ہوئے اور عدت کے دن شمار کرو۔

شریعت مطہرہ کا عورتوں پر یہ کیسا کرم ہو رہا ہے کہ ان کو دشواری سے بچانے کے لئے مردوں کو خصوصی حکم دیا جا رہا ہے کہ ارادۂ طلاق کے ساتھ ہی ایام عدت کا حساب لگا لو اور ایسے وقت طلاق دو کہ عورت کو غیر ضروری طور پر طویل انتظار نہ کرنا پڑے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ یہ وقت حیض کے بعد پاکی کے ان دنوں میں ہے جن میں اب تک عورت سے صحبت نہیں کی گئی ہے۔ ان ایام میں اگر عورت کو طلاق دی گئی تو اسے صرف تین حیض کی مدت عدت پوری کرنی ہوگی۔ شریعت مطہرہ میں چونکہ عدت نہایت ہی اہم ہے لہٰذا خصوصی حکم دیا گیا "احصوا العدۃ" ایام عدت کا خیال رکھو انہیں شمار کرتے رہو کوئی غلطی نہ ہونے پائے اور وہ عورتیں جو ایاس کی عمر کو پہنچ چکی ہوں کہ اب حیض آنے کی قطعاً امید نہ رہی ہو جس کے لئے عموماً پچپن برس کی عمر ہوتی ہے اور وہ عورتیں جو نابالغہ ہوں یا عمر کے اعتبار سے تو بالغ ہو چکی ہوں لیکن اب تک انہیں حیض نہ آیا ہو ان کی مدت عدت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (الطلاق:۴)

اورتمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جوحیض سے ناامید ہوچکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہوتو ان کی عدت تین مہینے ہے اور انکی بھی جنہیں ابھی تک حیض آیا ہی نہیں۔

اور جوعورتیں حاملہ ہوں چاہیں بیوہ ہوں یا مطلقہ ہوں ان کی عدت کے متعلق فرمایا گیا:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ (الطلاق:۴)

اورحاملہ عورتوں کی مدت عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔

اور سورۃ البقرہ میں اس عورت کی مدت عدت بیان کی گئی جو بیوہ ہوگئی ہو۔فرمایا گیا:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِھِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْھُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ:۲۳۴)

اور جولوگ فوت ہوجائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار مہینے اور دس دن۔

دورانِ عدت شوہر کی ذمہ داریاں

مدت عدت پوری ہونے سے قبل مرد کو اختیار نہیں کہ وہ مطلقہ کو گھر سے نکال دے وہ اسی گھر میں اپنی عدت کے ایام پورے کرے گی تاکہ اگر رجوع کرنے کا فیصلہ ہوتو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔نیز ایک گھر میں رہنے سے رجوع کی طرف مائل ہونے کا بھی قوی امکان ہے کہ اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے گفتگو کرنے وغیرہ کا موقع حاصل رہے گا اور وہ اسباب خود بخود ختم ہوتے جائیں گے جو وجہ طلاق بنے تھے اور پھر یہ مل کر اچھی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرسکتے ہیں یہی حکمت ہے عورت کو اسی گھر میں رہنے کا حکم دینے میں کیونکہ اسلام بہرحال یہ چاہتا ہے کہ رشتۂ ازواج کسی نہ کسی طرح قائم اور باقی رہے۔پس فرمایا گیا:

لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ (الطلاق:۱)

نہ نکالو انہیں اپنے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس (صورت) کے کہ وہ کھلی بے حیائی کی باتیں کریں۔

ہاں اگر مطلقہ طلاق کی جھنجھلاہٹ میں گھر والوں کو ستاتی ہو،شوہر کے ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ کو برا بھلا کہتی رہتی ہو خاندان میں شوہر کو ذلیل وخوار کرتی ہو گالی گلوچ کرتی ہوحتیٰ کہ اس نے گھر کا سکون تباہ کردیا ہو گھر کا نظام اس کی وجہ سے درہم برہم ہوگیا ہوتو ان سب صورتوں میں اسے گھر سے نکال دینے کی اجازت ہے اور یہی بہتر ہے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْھِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَھُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ

فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰی ؕ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۶،۷)

انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں پھر اگر وہ بچہ کو تمہاری خاطر دودھ پلائیں تو تم ادا کرو انہیں ان کی اُجرت اور (اجرت طے کرنے کے لئے) آپس میں مشورہ کرتے رہو بھلائی کے ساتھ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے دودھ پلائے کوئی دوسری عورت خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور (خرچ کرے) وہ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہے تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے اور اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے عنقریب اللہ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا۔

ان آیات مبارکہ میں احکام عدت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تا کہ عدت جیسے اہم عمل کے دوران مرد و عورت میں سے کسی سے کوئی غلطی نہ ہو یا کسی کی حق تلفی نہ ہو کہ اگر چہ طلاق نے رشتۂ نکاح منقطع کر دیا ہے لیکن عدت ختم ہونے تک ابھی ایک دوسرے کے حقوق باقی ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔ یہاں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) عورت کو طلاق کے بعد فوراً گھر سے نکال دینے کی اجازت نہیں بلکہ اس کے لئے مرد اپنی وسعت کے مطابق رہائش کا انتظام کرے، بایں صورت کہ اگر رجعی طلاق دی ہے تو اسے اسی کمرے میں رکھے جس میں وہ اب تک رہتی تھی کہ اس صورت میں عورت مرد سے پردہ بھی نہیں کرے گی اور اگر طلاق بائنہ دی ہے تو عورت مرد سے پردہ کرے اور مرد اس کے لئے ایسی رہائش گاہ کا انتظام کرے جہاں وہ پردے کے باوجود آزادانہ رہ سکے۔

(۲) مرد کو اجازت نہیں کہ وہ اس مجبور و بے سہارا مطلقہ کو رہائش کے معاملہ میں یا کسی اور معاملہ میں تنگ کرے اور اتنا پریشان کرے کہ وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو جائے بالخصوص ''لَا تُضَآرُّوْھُنَّ'' کی ممانعت کا خیال رکھا جائے کہ عورت کو اٹھتے بیٹھتے طعنے نہ دو کہ یہ اس کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہو گا جس سے اسے طلاق کی تکلیف کے بعد مزید تکلیف ہو گی، یہ ایذاء رسانی تمہارے لئے جائز نہیں۔

(۳) جو مطلقہ حاملہ ہو اس کی رہائش اور اس کے دیگر لوازمات زندگی کی ذمہ داری مرد پر اس وقت تک ہے جب تک وہ بچہ کو جنم دے دے یہاں خصوصیت کے ساتھ حاملہ عورت کے اخراجات کا ذکر ہے کہ اس کی مجبوری زیادہ ہے جبکہ ہر قسم کی مطلقہ عورت کے اخراجات کی ذمہ داری مرد ہی پر عائد کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ میں فرمایا گیا: وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ اور جن کو طلاق دی گئی ہے انہیں خرچ دینا چاہئے مناسب طور پر یہ واجب ہے پرہیز گاروں پر یعنی جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے جبکہ ہر مؤمن اللہ سے ڈرتا ہے اور ڈرنا چاہئے پس ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ اپنی مطلقہ کے

اخراجات عدت ختم ہونے تک پورے کرتا رہے۔ بِالْمَعْرُوفِ مناسب طریقے سے یعنی جیسے طلاق سے پہلے تمام ضروریات پوری کرتا تھا اسی طرح طلاق کے بعد کرتا رہے۔

(۴) حاملہ مطلقہ کی عدت بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو چکی لہٰذا اب اس پر بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی نہ رہی لہٰذا اب اگر مرد اپنے بچہ کو اس سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو اس کی اُجرت ادا کرے اور اُجرت وہ ہوگی جس پر مرد و عورت باہمی مشورے سے رضامند ہو جائیں اور اگر مرد عورت کی مطلوبہ اُجرت ادا نہیں کر سکتا یا عورت دودھ پلانے پر اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے راضی ہی نہیں مثلاً وہ جلد ہی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے اور وہ جانتی ہے کہ اس کا ہونے والا شوہر اس ذمہ داری کو پسند نہیں کرے گا تو ان دونوں صورتوں میں اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مرد کو چاہئے کہ وہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام کرلے (آج کل تو یہ مسئلہ بہت ہی آسان ہو گیا ہے کہ اچھے حالات میں بھی مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں تو یہ صورت تو مجبوری کی ہے بچہ کی پرورش بآسانی دوسرے دودھ سے ہو سکتی ہے)۔

(۵) مطلقہ کے اخراجات میں اعتبار مرد کی حیثیت کا ہوگا کہ اگر مرد دولت مند ہے تو وہ عورت کو خرچہ بھی دولت مندوں جیسا ہی دے گا اور اگر غریب ہے تو وہ غریبوں جیسے ہی اخراجات کرے گا یعنی جس طرح وہ پہلے اپنی بیوی کو رکھتا تھا اسی طرح اب بھی رکھے اس میں جتنی بہتری کر سکتا ہے کرے کمی نہ ہونے پائے اسی لئے اس حکم کے ساتھ ''بِالْمَعْرُوفِ'' فرمایا گیا ہے۔

یہی احکام بیوہ عورت کے لئے بھی ہیں کہ اس کی تمام ذمہ داری یا تو شوہر کے متروکہ مال سے پوری کی جائے گی اور اگر شوہر نے کچھ نہیں چھوڑا تو یہ ذمہ اس کے وارثین پورا کریں گے۔

بہر حال مطلقہ ہو یا بیوہ ہو شریعت مطہرہ ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اسے بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔ نکاح نے جس مرد کو عورت کا قَوَّام، ذمہ دار اور سہارا بنایا وہی مرد مدت عدت ختم ہونے تک اپنی ذمہ داریاں پور کرنے کا پابند ہے جبکہ یہ مدت اس بے سہارا عورت کے لئے کوئی دوسرا انتظام کر لینے کے لئے کافی ہے کہ اس عرصہ میں اس کے دوسرے نکاح کا انتظام ہو سکتا ہے یا اس کے اعزاء و اقارب اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے۔

بہر حال قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ حکم واضح ہے کہ مطلقہ اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی کہ یہ بالکل حرام ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہر کام کے لئے مرد سے کہے جو اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو سخت گناہ گار ہوگا۔ ہاں بیوہ عورت سخت ضرورت کے لئے باہر جا سکتی ہے کہ اس کا شوہر مر چکا اب وہ مجبور ہے۔ اپنے ضروری کام اسے خود ہی کرنا ہوں گے لیکن بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا، سیر و تفریح کرنا، تقریبات میں شریک ہونا شامل نہیں ہاں ڈاکٹر کے پاس جانا یا کھانے پینے کا سامان وغیرہ خریدنا ضرورت میں شامل ہے۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو عدت جیسے اہم حکم کی تعمیل میں لاپرواہی نہ کرو اگر عورت اس حکم کی پابندی نہیں کرتی تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پابندی کرائے اور عورت کے اعزاء و اقرباء کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ نگرانی کریں کہ

عدت کی پابندی کی جارہی ہے یا نہیں ورنہ سب ہی گناہ گار ہوں گے نیز عورتیں احکام عدت پر غور کریں تو انہیں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور پتہ چلے گا کہ وہ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے کتنے بڑے گناہ میں مبتلا ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اگر چہ شریعت مطہرہ نے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا بلکہ طلاق وعدت کے احکام میں ہر طرح عورت کی ضرورت اور مجبوری کا خیال رکھا گیا ہے کہ مرد کو اس کی تمام ذمہ داریاں سونپ دی گئیں حتیٰ کہ اگر وہ اپنے ہی بچہ کو دودھ پلانے کی اُجرت لینا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے یا اگر وہ دودھ پلانے کی ذمہ داری قبول نہ کرنا چاہے تو کوئی اسے پابند نہیں کرسکتا۔

ان تمام مراعات کے باوجود عورت کا یہ خیال کرنا کہ شریعت کے احکام اس کے لئے سخت ہیں اپنے اوپر سختی کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ آج عورتیں ماری ماری پھر رہی ہیں، ذلیل وخوار ہورہی ہیں، عیاش مردوں کی ہوس کا شکار ہیں، صرف اس لئے کہ وہ احکام شرع سے جاہل ہیں نہ تو انہیں جاننے کی کوشش کرتی ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کے لئے آمادہ ہیں بلکہ العیاذ باللہ انہیں اپنے اوپر زیادتی اور ظلم سمجھتی ہیں۔ میری بہنوں سوچو! اگر تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارے ایمان کا کیا حشر ہوا تم کس طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہو بس جو ایسا سوچتی ہیں توبہ کریں، اللہ کے احکام کی تعمیل کریں، اللہ بے حد مہربان اور بخشنے والا ہے اس کا ارشاد ہے: ''یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔'' اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرما اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۴

الاحزاب: ۵۳ تا ۵۵

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْــٴَـلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَیْــٴًـا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىٕهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآىٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ وَ اتَّقِیْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۝

(احزاب: ۵۳-۵۵)

اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے پس وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پردے کے پیچھے سے یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لئے نیز ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم تکلیف پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور نہ نکاح کرو ان کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ یقیناً اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے یہاں آئیں ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے بھائی اور ان کے بھتیجے اور ان کے بھانجے اور اسی طرح مسلمان عورتیں اور نہ کوئی پابندی ہے باندیوں کے آنے پر (اے عورتو) اللہ سے ڈرا کرو بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

آیات مذکورہ میں اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے جو احکام دیئے جارہے ہیں وہ اگرچہ اپنے مواقع کے اعتبار سے مخصوص ہیں اور ان کے مخاطب بھی خصوصی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں لیکن تعمیل کے اعتبار سے یہ قیامت تک آنے والے تمام غلاموں کے لئے ہیں سوائے ایک حکم کے کہ جس کے ذریعہ صحابہ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی ہے تاہم اعتقاداً ہم بھی اس حکم میں شامل ہیں کہ ہمارا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات یعنی ہماری مائیں امت کے لئے اس قدر قابل احترام وتکریم ہیں کہ کسی امتی کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان سے نکاح کا تصور بھی حرام ہے۔ اب مذکورہ احکام کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا حکم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ

(احزاب: ۵۳)

نہ داخل ہوا کرو نبی کے گھروں میں بجز اس کے کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لئے آنے کی (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے جاؤ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں بیٹھ کر دل بہلانے کی باتیں کیا کرو بیشک تمہاری ان حرکتوں سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بیان کرنے میں حیا نہیں کرتا۔

بن بلائے مہمان

حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے کہ لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا عام تھا۔ ان کا یہی طریقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی تھا کہ جو چاہتا، جب چاہتا، بلا اجازت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھروں میں آتا جاتا تھا بالخصوص کھانے کے اوقات میں ان کا یہ معمول تھا کہ آ کر بیٹھ جاتے تھے کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہتے تھے کہ وہ دن غربت وافلاس کے تھے اکثر غلام بھوکے ہوا کرتے تھے۔ آقا کے گھر پر کھانا کھانے کے لئے آنا کوئی شرم کی بات نہ تھی کہ غلاموں کو اگر آقا کے در سے روٹی نہ ملے تو کہاں جائیں پس جونہی انہیں خبر ہوتی کہ آج ہمارے آقا کے گھر میں چولہا جلا ہے، کچھ پک رہا ہے تو وہ پہلے ہی سے جمع ہو جاتے تھے، کھانے کا انتظار کرتے رہتے اور کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے۔ اپنے آقا کی پیاری پیاری باتیں سنتے رہتے تھے جس سے بعض اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوا کرتی تھی کہ آپ کوئی دوسرا کام نہ کر پاتے یا اپنے اہل خانہ کے ساتھ بلا تکلف نہ بیٹھ پاتے تھے۔ شریعت مطہرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو درکنار کسی کی زندگی میں بھی ایسی مداخلت کی متحمل نہیں ہو سکتی لہٰذا بوسیلۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری امت کے لئے یہ حکم جاری کر دیا گیا اگر تمہیں کھانے کے لئے بلایا جائے تو آؤ بلا بلائے مہمان نہ بنو نیز وقت پر آؤ اور جب کھا چکو تو صاحب خانہ کی دیگر ضروریات کا احساس کرو اور فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ سوائے اس کے کہ کبھی کھانے کے بعد میزبان کی طرف سے ملاقات یا گفتگو کی خواہش کا اظہار ہو۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر ہماری محافل میں طریقہ ہے کہ کھانے کے بعد لوگ کچھ دیر جمع رہتے ہیں اور اس موقع کو باہمی بات چیت اور مسائل و معاملات پر تبادلہ خیال کا موقع بنا لیتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ میزبان اور اس کے اہل خانہ کو تکلیف نہ ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہوتا تھا کہ دعوتیں چھوٹے گھروں میں ہوتی تھیں اور اہل خانہ کی طرف سے انتظار ہوتا تھا کہ مہمانوں کی ایک جماعت کھانا کھا کر جائے تو دوسری جماعت کو کھانا پیش کیا جائے یا جلدی لوگ چلے جائیں تو گھر والے اپنے دوسرے کام کریں لیکن آج کل عام طور پر ایسا نہیں ہماری دعوتوں کا انتظام ہالوں یا ہوٹلوں وغیرہ میں ہوتا ہے پس اگر مہمان کچھ دیر کے رہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی پھر بھی بہتر یہی ہے کہ جلدی چلے جانے کے حکم پر عمل کیا جائے۔

یہ بات خصوصی طور پر قابل غور ہے کہ اس حکم کے نزول کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ تمہارے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف ہوتی ہے چاہے اس لئے کہ ان کے دوسرے اہم کاموں میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے یا اس لئے کہ ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہمارے پیارے کو کسی بھی طرح تکلیف پہنچے پس اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو میرے محبوب کی تکلیف کا احساس کرو اور کوئی عمل قصداً یا سہواً ایسا نہ کرو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذاء کا باعث ہو۔ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے کہ ہر امتی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا لحاظ کرنا لازم و ضروری ہے۔ اس طرح کہ وہ نہ تو اپنی بدعملی سے آپ کو تکلیف پہنچائیں اور نہ ان کے محبوبین، اولیاء کرام اور وارثین علماء کرام کو دکھ دے کر بالواسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھ نہ دیں۔

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود تکلیف کے اپنے گھر آئے مہمانوں کو جانے کے لئے نہیں کہتے تھے کہ آپ کو شرم آتی تھی کہ آپ مہمانوں سے کہیں کہ اب آپ لوگ کھانا کھا چکے اب چلے جائیں جبکہ یہ مہمان کوئی غیر نہ ہوتے تھے بلکہ اپنے تھے غلام تھے لیکن پھر بھی آپ نے مہمانوں کا احترام کیا اور ان کی دلجوئی کا خیال رکھا اور ہمیں بھی اسی کی تعلیم دی۔

راوی ہیں حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ اسے اپنے مہمان کی عزت کرنا چاہئے اور مہمان کو حق میزبانی تین دن اور تین رات حاصل ہے اس کے بعد میزبانی صدقہ اور خیرات ہے۔'' وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ '' اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کے پاس اتنا زیادہ ٹھہرے کہ اس کو تنگی میں مبتلا کر دے۔'' (بخاری شریف)

یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے دین کی ہر بات کو واضح فرما دیا کہ وہ حق بیان کرنے سے شرم نہیں فرماتا ورنہ دین کے بہت سے احکام ظاہر نہ ہو پاتے دین نامکمل رہ جاتا اور ہم محروم ہو جاتے ،**فالحمد للّٰه العظيم**۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ اس حکم کے نزول کے وقت میں خود وہاں حاضر تھا اور اس واقعہ کو میں بخوبی جانتا ہوں جو اس حکم کے نزول کا سبب بنا یہ اس رات کی بات ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور آپ رخصت ہو کر حرم نبوی ﷺ میں تشریف لائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم غلاموں کو ولیمہ کی دعوت دی۔ صحابہ آپ ﷺ کے یہاں جمع ہوئے اور کھانے سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی وہیں رونق افروز تھے اور آپ کے برابر ہی حضرت زینب بیٹھی تھیں۔ جن کا شرم و حیا سے یہ حال تھا کہ انہوں نے دیوار کی طرف اپنا رخ کیا ہوا تھا اور سکڑ کر دیوار سے چپٹی جا رہی تھیں لیکن کسی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکلیف کا احساس نہ تھا۔ سب باتوں میں مصروف تھے بالآخر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لے گئے اور اپنی دیگر ازواج کے گھروں میں ہو کر واپس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ اب تک لوگ اسی طرح بیٹھے ہیں اب بھی آپ ﷺ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو احساس ہوا اور وہ اٹھ کر چلے گئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور یہ آیۂ مبارکہ سنائی جو اس وقت نازل ہوئی تھی اور جس کے ذریعہ بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کو بن بلائے مہمان بننے یا کھانے سے فارغ ہو کر اتنی دیر بیٹھے رہنے کی جس سے اہل خانہ کو تکلیف ہو ہمیشہ کے لئے ممانعت کر دی گئی ، پس

اے ایمان والو! بن بلائے کسی کے مہمان نہ بنو اور اگر دعوت دی جائے تو قبول کر لو کھانے سے فارغ ہو کر جمے نہ بیٹھے رہو مناسب وقفہ کے بعد منتشر ہو جاؤ۔ یہ واقعہ چونکہ خصوصی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پر دعوت کا ہے لہٰذا اسی موقع پر تمہیں یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے تمہارے آقا ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ ظاہر ہے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کے وقت صحابہ کرام سے کہی گئی لیکن یہ حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے بعد

بھی قیامت تک آنے والے غلاموں کے لئے ہے۔ اس طرح کہ جب بھی غلاموں کو آقا ﷺ کے روضہ مبارکہ پر سلام کے لئے حاضری کا موقع نصیب ہو تو اس الٰہی ہدایت کا خیال رکھیں اور دربار میں سلام عرض کر کے آگے بڑھ جاؤ۔ عقیدت و محبت میں اتنے دیوانہ نہ بنو کہ آداب کا لحاظ نہ رہے۔ اللہ کے حکم کا خیال نہ رہے اور یہ بھی احساس نہ رہے کہ تمہارے دوسرے بھائی بھی پیش کے منتظر ہیں۔ ان کو طویل انتظار کی زحمت میں مبتلا نہ کرو کہ آقا کے غلاموں کو تکلیف پہنچانا درحقیقت آقا ہی کو تکلیف پہنچانا ہے کیا تم ایسی حاضری کے قبول ہونے کی امید کر سکتے ہو جس سے سرکار کو تکلیف پہنچ رہی ہو، اللہ محفوظ رکھے۔

دوسرا حکم

صحابہ کرام کو حکم دیا گیا'' وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ '' جب تم ان سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ امہات المؤمنین اور صحابہ کرام کی وساطت سے امت مسلمہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ سب مسلمان مرد اور عورتوں پر یہ پابندی عائد کی جاتی ہے کہ وہ غیر محارم سے پردہ کیا کریں حتیٰ کہ اہم ضرورت کے وقت اگر کسی مرد یا کسی عورت کو کسی سے کچھ مانگنا یا پوچھنا ہو تب بھی درمیان میں پردہ حائل ہونا چاہئے گویا بوقت ضرورت ایک دوسرے کی آواز سننا تو جائز ہے لیکن کسی بھی وقت ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا جائز نہیں۔ پردہ کا حکم قرآن کریم میں دیگر مقامات پر بھی تفصیل سے موجود ہے۔ جسے ہم سورۃ النور کی آیات پردہ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اگر ذہن میں نہ ہو تو دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے آپ نے فرمایا'' وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ '' کہ میں نے تین چیزوں میں اپنے رب کے ساتھ موافقت کی یعنی شریعت کے تین احکام ایسے ہیں جن کے نزول سے قبل میں نے ان کی خواہش ظاہر کی۔ ایک یہ کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کتنا اچھا ہو کہ آپ مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنالیں۔ پس اللہ نے میری آرزو پوری فرمائی اور حکم دیا کہ'' وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى '' مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو۔ دوسری گزارش میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کی کہ آپ کی ازواج مطہرات کے سامنے اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ﷺ انہیں پردہ کا حکم صادر فرمادیں۔'' فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ الْحِجَابِ '' تو اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت مبارکہ نازل فرمادی۔ تیسرے میں نے ازواج مطہرات کے درمیان جب باہمی رشک اور غیرت بڑھتے دیکھا تو ایک دن میں نے ان سے کہا:'' عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ '' ممکن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ انہیں تم سے بہتر عورتیں بدل دے۔ بس بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ وحی الٰہی نازل ہوگئی۔

امہات المؤمنین سے حکم پردہ کی جو وجہ بیان کی جارہی ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے ارشاد ہے'' ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ '' یہ طریقہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزہ ہے یعنی پردے سے کسی کے دل میں کوئی غلط خیال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اللہ اکبر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل خانہ کی طہارت کا ضامن خود اللہ رب العزۃ ہے۔'' يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا '' اے اہل بیت اللہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور کردینے

اور تمہیں خوب پاک کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ نیز صحابہ کرام کے قلوب کو بھی اللہ نے ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ کر دیا ہے جس کے بعد ان دونوں کے دلوں میں خلاف شرع کوئی خیال پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہا لیکن پھر بھی انہیں پردے کا حکم دیا گیا تا کہ کوئی شیطانی وسوسہ پیدا نہ ہو۔ جب ان نفوس قدسیہ کے لئے احتیاط کا یہ حال ہے تو ہما شما کا یہ دعویٰ کس طرح بجا ہو سکتا ہے کہ اگر نیت اچھی ہو تو مرد و عورت کے اختلاط سے کوئی خطرہ نہیں لہٰذا العیاذ باللہ پردے کی کیا ضرورت ہے جبکہ پردہ قرآنی نص سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

علاوہ ازیں کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ نیت صاف ہے اور کب تک صاف رہے گی جبکہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آج کے تمام فتنوں، بدکاریوں اور برائیوں کا سبب مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط کے سوا کچھ نہیں اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر سخت پابندی عائد کرتے ہوئے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهَا الشَّيْطٰنُ''، ''کوئی مرد و عورت تنہائی میں جمع نہیں ہوتے مگر وہاں تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے'' جو انہیں اگر برائی میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہیں بھی ہو پاتا تو دلوں میں وسوسہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور یہی وسوسہ انسان کو برائی پر آمادہ کرتا ہے۔

غرضیکہ پردہ بے شمار فتنوں کا سدِ باب کرتا ہے جو عورت کے لئے نہ تو قید و بند ہے اور نہ ہی اس کی ترقی و آزادی میں حائل ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت اور اسے پرسکون باعزت زندگی فراہم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

تیسرا حکم

آیت مذکورہ میں تیسرا حکم یہ دیا جا رہا ہے ''وَلَا تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا'' کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی نکاح نہ کرو کیونکہ ''اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا'' یہ اللہ کے نزدیک بڑا ہی گناہ ہے۔

نبی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے جس کا احترام کرنا تمہارے لئے لازم قرار دیا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی مقدس و پاکیزہ ازواج کو تمہاری ماں قرار دیا جائے ''اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ'' نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مؤمنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

میری مائیں

از روئے قرآن نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج، جملہ امت مسلمہ کے لئے ماؤں کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ ظاہر ہے انہیں یہ اعلیٰ مقام صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت اور تعلق ہی کے باعث نصیب ہوا اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل ایمان کے لئے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ اپنے غلاموں پر ان کے باپوں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں۔ پس آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بلحاظ شفقت و محبت امت کی ماؤں کی طرح قرار پائیں اور امت کے مردوں پر ان کا ماؤں جیسا اعزاز و اکرام واجب کر دیا گیا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہ رہا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد اپنی ان روحانی ماؤں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کر سکے جو کہ آپس میں مرد و عورت کے

لئے جائز ہے کیونکہ یہ مائیں ہیں کوئی عام عورت نہیں ان کا کسی عام عورت سے کسی اعتبار سے بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ خود قرآن کریم ان کے متعلق اعلان فرماتا ہے" لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ" تم دوسری عورتوں جیسی نہیں [illegible] تمہاری نظیر و مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ کوئی عورت تم جیسی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ تم اس نبی کی ازواج ہو جو [illegible] اس جیسا کوئی اور اس سے جس کی نسبت ہو جائے اس جیسا کوئی نہیں ہو سکتا، اس کی ازواج جیسی کوئی عورت نہیں اس کے صحابہ جیسا کوئی نہیں، اس کی امت خیر الامم اس جیسا کوئی نہیں، نہ ہی کوئی امتی آپس میں ایک دوسرے جیسا ہے۔ غور تو کرو کہ اللہ کے بھیجے سب نبی ایک جیسے نہیں" اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" غور تو کرو ہم نے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت بخشی ہے۔ جب انبیاء ہی میں مساوات و مشابہت اور مماثلت نہیں تو پھر کسی دوسرے میں کیسے ہوگی پس اے نبی کی ازواج تمہارا مرتبہ و مقام عام عورتوں سے بہت بلند ہے تم مائیں ہو لہٰذا اولاد پر تمہارا احترام فرض قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ ان میں سے کوئی تمہیں اپنا جیسا نہ سمجھے دوسرے اس طرح کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے محبوب کے بعد تمہیں اپنے نکاح میں لے اور جو لوگ ان ازواج مطہرات کے زمانہ میں نہیں ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں" کہ ان مقدس ماؤں سے اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام کر دیا ہے۔"

نکاح کی حرمت اگرچہ باعتبار روحانی ہے لیکن اس پر عمل ظاہری اور جسمانی طور پر ہوگا لیکن دیگر معاملات میں یہ مائیں غیر محارم ہی کی طرح ہوں گی جیسے ان سے پردہ کرنا یا کوئی سوال پردے کے پیچھے سے کرنا لازمی ہوگا نیز ان کے ساتھ سفر کرنے کے بھی وہی احکام ہوں گے جو غیر محرم عورتوں کے ساتھ ہیں اسی لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مردوں کو درسِ حدیث، درس فقہ وغیرہ پردے ہی کے پیچھے سے دیا کرتی تھیں اور صحابہ کرام پردے ہی کے پیچھے سے ان سے مسائل معلوم کرتے تھے۔ یہی حال دیگر ازواجِ مطہرات کا تھا اسی لئے اللہ نے ہماری ان ماؤں کو حکم دیا" فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ" (غیر مردوں سے) نرمی سے بات نہ کرو کہ ان کے دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا ہو۔" وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" اور اپنے گھروں میں رہا کرو۔" وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى" اور سابقہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو" وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ" اور نماز کی پابندی کرو،" وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ" اور زکوٰۃ ادا کیا کرو،" وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو،" اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" کیونکہ اے نبی کی گھر والیوں اللہ تم سے ہر قسم کی نجاست کو دور کر دینا اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوب پاک کر دینا چاہتا ہے۔" وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ" اور یاد رکھو اللہ کی ان آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔

اے نبی کی بیویوں تمہیں خصوصی طور پر یہ ہدایات اس لئے دی جا رہی ہیں کہ تم امت کی مائیں ہو تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے پس تم زیادہ ذمہ دار ہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور تم اس کی ازواج ہو جو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ پس تمہیں بھی امت کے لئے بہترین نمونہ بننا ہے تم مائیں ہو اور اولاد اپنی ماں کی پیروکار

ہوتی ہے۔ پس تم وہ طرز زندگی اختیار کرو جس کی اتباع وپیروی تمہاری اولاد کے لئے فلاح وکامرانی اور نجات کا ذریعہ ہو۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر اپنی ماؤں کے حالات زندگی بھی مختصرا بیان کر دیں کہ بحمد اللہ ہمیں یہ شرف واعزاز حاصل ہے کہ نہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات بلکہ آپ سے جس کو بھی شرف تعلق حاصل ہو گیا اس کے حالات زندگی بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں حتیٰ کہ نسبت رسول سے جو چیز مشرف ومتبرک ہو گئی وہ بھی ہم نے محفوظ کر لی۔ پس آیئے ہم اپنی ماؤں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کر کے اپنا ایمان تازہ کریں اور ناز کریں کہ اللہ نے ہمیں ایسی مائیں عطا فرمائیں جنہوں نے اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کا حق ادا کر دیا اور جو کچھ انہوں نے اپنے گھروں میں وحی وحکمت کی باتیں، سیکھیں اور جانیں انہیں خوب خوب یاد رکھا اور ہم تک بخوبی پہنچایا اللہ ان پر شب وروز اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پہلی ماں

حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا ہماری پہلی ماں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَآءِ هَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَآءِ هَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔

(اپنے زمانہ کی عورتوں میں) بہترین عورت مریم بنت عمران تھیں اور (تمام عورتوں میں) بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (مسلم)

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت میں گھر کی بشارت دی تھی۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔

بَشَّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ۔

آپ نے انہیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دی تھی جو خولدار موتیوں سے بنا ہوا ہو گا جس میں شور وشغب نہ ہو گا۔ (مسلم)

امت مسلمہ کی پہلی ماں ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس برس کی عمر میں شرف زوجیت حاصل ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس برس کی تھی۔ اس سے پہلے آپ دو مردوں عتیق بن عائذ اور ابو ہالہ ہند بن زرارہ سے نکاح کر چکی تھیں۔ مکہ کی امیر ترین تاجرہ تھیں نیکی اور صالحیت کے سبب طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب اولاد حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ، حضرت قاسم، حضرت طیب اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہما آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ جبکہ صاحبزادوں کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ آپ نے چوبیس سال کی طویل مدت میرے آقا ﷺ کے ساتھ بسر کی۔ ہر حال میں آپ کا تعاون کرتی رہیں۔ اعلان نبوت کے بعد کی زندگی کے ایام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے سخت ترین ایام تھے۔ جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اہل مکہ سے وسیع تعلقات ان پر آپ کے احسانات قدرے سکون کا سبب بنتے تھے۔ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی الجھن یا پریشانی لاحق ہوتی اور آپ ﷺ

گھر تشریف لاتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدبرانہ مسکراہٹ اور ان کے مشورے ہی آپ کا مداوا بنتے۔ انہوں نے اپنی ساری دولت خدمت اسلام کے لئے آپ ﷺ کو سونپ دی جوان آڑے دنوں میں خوب کام آئی۔ غار حراء میں پہلی وحی کے نزول کے بعد بمقتضائے بشریت آپ کو جو گھبراہٹ لاحق ہوئی اس کا تذکرہ کتب احادیث میں محفوظ ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ پریشان حال گھر واپس ہوئے اور اپنی تجربہ کار رفیقۂ حیات کو سارا حال بتایا تو انہوں نے کہا:

اَبْشِرْ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

آپ کو مبارک ہو بقسم اللہ کبھی آپ کو بے آبرو نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں حق گوئی کے عادی ہیں کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مفلس و ناداروں کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو اس کی ہر طرح مدد فرماتے ہیں۔

یعنی ان خوبیوں والے کو اللہ کبھی بے آبرو نہیں کرتا، بے سہارا نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا اور ہر حال میں ایسے شخص کا معاون و مددگار ہوتا ہے۔ پس آپ نہ گھبرائیے اس وقت ایسی ہی ڈھارس کی ضرورت تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملی اور آپ کو تسلی ہوئی۔ یہاں یہ بھی غور کرتے چلئے کہ بیوی عام طور پر شوہر کے کمالات کا اعتراف نہیں کرتی لیکن یہ پیکرِ اخلاق ﷺ کے کمالِ اخلاق کا واضح ثبوت ہے جس کا اعلان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حق گو زبان کر رہی ہے۔ بہرحال میری ماں ایسے وقت میں گھبرائی نہیں پریشان نہ ہوئیں بلکہ آپ کو تسلی دے رہی ہیں اور پھر مزید اطمینان کے لئے وہی آپ کو کتب سابقہ کے ایک معمر، تجربہ کار عالم، ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں جن کے بتانے ہی کے بعد انہیں اس اعزاز کا پتہ چلا کہ اب وہ صرف محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی ہی اہلیہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اس شرف پر ناز کرتے ہوئے فوراً آپ کی نبوت کو تسلیم کیا اور اوّلہ مؤمنہ ہونے کا بلند شرف بھی حاصل کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ان محبوب زوجہ اور مؤمنہ اولہ سے جس درجہ محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا ان کے وصال پر آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس سال کو عام الحزن رنج والم کا سال قرار دیا گیا جبکہ اتفاق سے اسی سال آپ کے دوسرے معاون و شفیق چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہوا۔ آپ نے ساری زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کیا ان کی سہیلیوں سے ملتے تو بڑی ہی افسردگی کے ساتھ آپ کا ذکر کرتے تھے انہیں تحائف دیتے تھے تاکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی روح خوش ہوتی کہ آپ ﷺ کی اس کیفیت پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رشک آتا تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے ایک مرتبہ اس طرح کیا کہ اللہ نے آپ کو کئی جوان اور حسین بیویاں عطا فرمادیں پھر بھی آپ ﷺ بوڑھی خدیجہ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا وَاللّٰهِ مَا اَبْدَلَنِیَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهَا لَقَدْ اٰمَنَتْ بِیْ اِذْ كَفَرَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِیْ اِذْ

كَذَّبَنِيَ النَّاسُ وَوَاسَتنِيْ بِمَا لِهَا اِذْحَرَمَنِيَ النَّاسَ وَرَزَقَنِيَ اللّٰهُ مِنْهَا الْوَلَدَ دُوْنَ غَيْرِهَا۔

نہیں بقسم اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل عطا نہ فرمایا وہ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے کفر کیا انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ میری تکذیب کر رہے تھے انہوں نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب دوسرے لوگ میری مدد نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دیگر عورتوں کے برعکس ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

اللہ میری اس پہلی ماں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی زوجہ مؤمنہ اولہ کی قبر اطہر پر نور کی بارش برسائے۔ افسوس کہ ان کی قبر انور کو آج ایسا چھپا دیا گیا ہے کہ ان کی اولاد وہاں حاضری سے بھی محروم ہے۔

دوسری ماں

میری دوسری ماں حضرت سوداء بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عبد شمس سے تھا جو اسلام دشمنی میں دیگر اہل مکہ سے بہت آگے تھے۔ حضرت سوداء کو اللہ نے ہدایت دی اور انہوں نے ابتداء اسلام ہی کے دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کے شوہر سکران بن عمر بھی ان کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولاء میں شہادت پائی۔ اس مختصر خاندان نے بھی دیگر مہاجرین کے ہمراہ حبشہ ہجرت کی۔ حبشہ سے واپسی پر حضرت سوداء کے شوہر انتقال کر گئے اور وہ بالکل مجبور و بے سہارا ہو گئیں، پورا خاندان ان کا سخت دشمن تھا ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نہایت افسردہ رہتے اور چاروں بیٹیوں کی نگرانی کا بوجھ آپ پر ہی تھا۔ ایک دن خولہ بنت حکیم نے آپ سے گزارش کی کہ یارسول اللہ ﷺ! مناسب ہو تو آپ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی چاہتا ہوں کہ گھر کی نگرانی اور بچیوں کی دیکھ بھال کا کچھ انتظام ہو۔ پس خولہ نے حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کا نام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ پسند کریں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ خولہ نے حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو جا کر بتایا وہ بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ اللہ کے رسول کی بیوی بننے سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے پھر خولہ ان کے والد کے پاس گئیں اور کہا کہ سوداء کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیجئے۔ والد نے کہا اگر سوداء کو یہ رشتہ پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے غرضیکہ اس ضروری گفتگو کے بعد نکاح ہوا چار سو درہم مہر مقرر ہوا ان کے والد نے ہی نکاح پڑھایا۔ جب حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تو بہت غیظ و غضب کا اظہار کیا جب وہ مشرف باسلام ہوئے تو ہمیشہ وہ اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت کیا کرتے تھے۔ بہرحال میری اس ماں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری بیوی بنیں بوقت نکاح حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن برس کی تھی جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک تقریباً پچاس برس کی تھی۔

چونکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حسن اخلاق کے پیکر ہیں لہٰذا جو آپ سے جتنا قریب ہوا آپ ﷺ کی اس خوبی کا

آئینہ بنا۔ ازواجِ مطہرات سے زیادہ قرب کا شرف اور کسے نصیب ہوسکتا ہے لہٰذا آپ کی جملہ ازواج مطہرات اس خوبی سے خوب مزین و آراستہ نظر آتی ہیں۔ میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کو بھی اس کا وافر حصہ ملا۔ غناء اور قناعت آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ جیسا کہ آپ کے متعدد واقعات سے ثابت ہوتا ہے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ایک تھیلی میں درہم بھیجے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا بہت خوب درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں انہیں ہاتھ لگائے بغیر ہی آپ نے تقسیم کر دیا اسی طرح آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں بھی ممتاز نظر آتی ہیں۔ آپ کی یہ خوبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد پسند تھی۔

میری ماں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانچ حدیثیں روایت کیں۔ جن میں سے صرف ایک اپنے معیار کے مطابق امام بخاری نے لی باقی احادیث کی دیگر کتب میں موجود ہیں۔ اس طرح آپ کو محدثہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

آپ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری زمانہ تقریباً ۲۲ھ میں ہوئی۔ جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ دیگر مزارات مقدسہ کی طرح آپ کا مزار مبارک بھی نا معلوم ہے۔

تیسری ماں

اپنے رب کریم کی محبوبہ بندی، محبوب رب کی چہیتی بیوی، افضل الخلق بعد الانبیاء، رفیق دنیا و آخرت، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نور نظر میری اور امت مسلمہ کی ماں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کے دسویں سال حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی موجودگی ہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ بوقت نکاح آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی جبکہ آپ کی رخصتی ہجرت کے سات ماہ بعد شوال میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی بوقت نکاح آپ کا مہر بھی چار سو درہم مقرر ہوا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک روایت مسلم شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ ازواجِ مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوا کرتا تھا۔ اس رشتہ کی محرک بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جبیر بن مطعم سے طے پاچکا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اس بناء پر انکار کر دیا تھا کہ اگر عائشہ میرے گھر میں آئیں تو ان کے ساتھ اسلام بھی میرے گھر میں داخل ہو جائے گا۔ جبیر بن مطعم اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے لیکن وقت آیا کہ اللہ نے انہیں ہدایت دی مشرف باسلام ہوئے اور اجلہ صحابہ میں شمار ہوئے۔

ایک خاص بات یہ کہ شوال ہی میں آپ کا نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ جس کی وجہ یہ کہ ماضی میں کبھی اس مہینہ میں طاعون کی وبا پھیلی تھی۔ اس وجہ سے اہل عرب اس مہینہ کو خوشیوں، شادی بیاہ وغیرہ کے لئے منحوس خیال کرتے تھے۔ میرے آقا ﷺ کے مشن کا ایک حصہ اوہام باطلہ کو مٹانا تھا لہٰذا آپ نے اسی ماہ میں خوشی و مسرت کا یہ کام انجام دیا اور ہمیشہ کے لئے شوال اور دیگر تمام ایام کو نحوست کے داغ سے پاک وصاف کر دیا کہ اسلام میں کوئی دن رات یا مہینہ نحس نہیں۔

میری اس تیسری ماں کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکم کے خزانہ سے جو وافر حصہ عطا فرمایا تھا دیگر ازواج مطہرات ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کی عورتوں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہ ہو سکا۔ آپ کے علم وفضل کی اسی شان کو دیکھ کر ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

خُذُوْا نِصْفَ دِیْنِکُمْ عَنْ هٰذِهِ الْحُمَیْرَآءِ۔

اپنے دین کا نصف علم اس حمیراء یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو۔

اور اسی لئے جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں اکابر صحابہ کرام اور تابعین تک آپ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

مَآ اَشْکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَدِیْثًا قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا عِلْمًا۔

جب بھی اصحاب رسول ﷺ کو کسی دینی بات میں دشواری پیش آئی تو ہم نے اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو ان کے پاس اسے کے متعلق علم پایا (تسلی بخش جواب پایا)۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ماں کا علمی مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَوْ جُمِعَ عِلْمُ عَائِشَةَ اِلٰی جَمِیْعِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعِلْمِ جَمِیْعِ النِّسَآءِ لَکَانَ عِلْمُ عَائِشَةَ اَفْضَلُ۔

اگر، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا موازنہ دیگر ازواج مطہرات کے اور دوسری تمام عورتوں کے علم سے کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کا پلہ بھاری رہے گا۔

حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کا اعلان ان الفاظ میں کرتے ہیں:

کَانَتْ عَائِشَةُ اَفْقَهَ النَّاسِ وَاَحْسَنَ النَّاسِ رَأْیًا فِی الْعَامَّةِ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں سے زیادہ دین کو سمجھنے والی تھیں اور آپ کی رائے سب سے عمدہ ہوتی تھی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہمانے خصوصی طور پر آپ کے علم طب، فقہ اور شعر گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَا رَأَیْتُ اِمْرَاءَ ۃً اَعْلَمَ بِطِبٍّ وَّلَا فِقْهٍ وَّلَا شِعْرٍ مِنْ عَائِشَةَ۔

میں نے کسی عورت کو علم طب، فقہ اور شعر گوئی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ باکمال نہ پایا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ فرمایا تو اس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی اور نو برس کی عمر میں آپ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں گویا صرف نو سال کا قلیل عرصہ آپ کو شرف رفاقت حاصل رہا لیکن اس قلیل عرصہ میں آپ نے دین کا جو خزانہ معلم کامل ﷺ سے حاصل کیا۔ وہ ازواج مطہرات ہی کیا

کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس میں دو ہزار دو سو بارہ احادیث کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنی اولاد کو منتقل کیا۔ ان میں چون احادیث صحیح بخاری میں اڑسٹھ مسلم شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض صحابہ نے کہا کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ ہماری ماں کا بیان کردہ ہے جبکہ بالخصوص عورتوں سے متعلق مسائل کا اکثر حصہ آپ ہی سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کی عمر چھیاسٹھ برس کی ہوئی گویا آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اڑتالیس برس تک علم کا دریا بہاتی اور تشنگان علم کو سیراب کرتی رہی۔ آپ کا اکثر وقت درس و تدریس، تقریر اور افتاء میں ہی صرف ہوتا تھا اور پروانے اس شمع علم وعرفان کے گرد جمع رہتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کا بیان ہے کہ ہم نے مرد وعورت کسی میں حضرت عائشہ جیسا خوش تقریر اور تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت، شعر گوئی، علم ادب، علم انساب میں باکمال نہ پایا۔ آپ کو شعراء عرب کے بڑے بڑے قصیدے زبانی یاد تھے جنہیں دوران تقریر آپ پڑھا کرتیں تو حاضرین وسامعین کے جذبات بے قابو ہو جاتے تھے۔ غرضیکہ تشنگانِ علم کو آپ خوب سیراب کیا کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ اپنی تمام ازواج کے ساتھ عدل وانصاف کرتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خداداد صلاحیتوں کے سبب آپ کو ان سے جو قلبی لگاؤ تھا وہ دیگر ازواج میں سے کسی سے نہ تھا اور آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تُوَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ۔

اے اللہ یہ میری تقسیم ہے ان چیزوں میں جن کا میں مالک ہوں اور جو میرے بس میں نہیں اس میں میرا مؤاخذہ نہ فرمانا۔

یعنی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مکان، نان ونفقہ، کپڑے اپنے اوقات جن چیزوں پر بھی میرا قابو ہے ان کو میں اپنی ازواج پر پورے عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں لیکن قلبی میلان صرف عائشہ ہی کی طرف ہے جس پر مجھے قابو نہیں پس اے اللہ تو مجھ سے اس کا مؤاخذہ نہ فرمانا۔ اسی لئے اللہ کے محبوب ﷺ کا اپنی محبوبہ پر خصوصی کرم رہتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بتاتی ہیں کہ:

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں گڑیوں سے کھیلتی تھی میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلنے آتی تھیں لیکن جونہی آپ ﷺ تشریف لاتے تو وہ شرم سے اٹھ کر چلی جاتی تھیں تو اللہ کے رسول ﷺ خود باہر تشریف لے جاتے اور میری سہیلیوں کو میرے پاس بھیج دیتے تھے (تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں)۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنی اس چہیتی بیوی کی اداؤں اور مزاج کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اے عائشہ میں یہ جان لیتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کس وقت ناراض ہوتی ہو انہوں

نے پوچھا وہ کیسے یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ مُحَمَّد" "رب محمد کی قسم اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو "لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْم" "رب ابراہیم کی قسم پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمِكَ" "یا رسول اللہ ﷺ! میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (یعنی آپ سے محبت وتعلق میں کوئی کمی نہیں کرتی)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری ان ماں سے اظہار محبت والفت کرتے ہوئے بتایا راویہ ہیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا:

اے عائشہ (قبل نکاح) تم متواتر تین رات مجھے خواب میں دکھائی گئیں اس طرح کہ ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لے کر آتا (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شبیہ دکھائی جاتی تھی) اور کہتا یہ آپ کی زوجہ ہیں ان کا چہرہ کھولئے پس میں نے دیکھا تو وہ تم تھیں میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کردے گا۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب پورا ہوا کیونکہ نبی کا ہر خواب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے یا حکم دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک وحی الٰہی کی صورت ہے اور یا مژدہ وخبر دینے کے لئے کہ یہ بھی ایک اخبار بالغیب کا طریقہ ہے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اللہ کی طرف سے عطیہ اور تحفہ تھیں۔

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی اور اس حقیقت کا علم تمام صحابہ کرام کو تھا لہٰذا آقا کی خوشی کے لئے غلام بھی ان سے بے حد محبت کرتے اور ان کی خوشنودی کے خواہاں رہتے تھے۔ جیسا کہ خود آپ نے بتایا کہ "جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیام کی باری میرے گھر ہوتی تھی اسی دن لوگ تحائف بھیجا کرتے تھے۔" "يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم" "کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے طلب گار ہوتے تھے (یعنی صحابہ کرام کو یقین تھا کہ ہمارے ان تحائف سے ہماری ماں کو خوشی ہوگی اور ان کی خوشی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کا ذریعہ ہے)۔

یہ بات ان بدعقیدہ لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو امت کی ماں پر بے تکے الزامات عائد کرنے اور طعن وتشنیع کے جرم میں مبتلا ہیں العیاذ باللہ مزید غور فرمائیے۔ اسی حدیث میں ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا (کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ رضی اللہ عنہن کا تھا جبکہ دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا (یہ گروہ بندی مخالفت کے لئے نہ تھی بلکہ ہم مزاجی کی بناء پر تھی کہ جس کا جس سے زیادہ مزاج ملتا تھا وہ اس کے ساتھ زیادہ ملتا جلتا تھا ورنہ میری سب مائیں میل ومحبت سے رہتی تھیں اور ایک دوسرے کی خوبیاں تسلیم کرتی تھیں، ہاں کبھی آپس میں رقابت بھی ہو جاتی تھیں جو فطری تقاضا ہے، بہر حال) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ نے باہمی گفتگو کے بعد طے کیا اور ان سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کریں کہ وہ صحابہ میں اعلان کردیں کہ جو کوئی حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ بھیجنا چاہئے وہ بھیج دیا کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس گھر میں بھی ہوا کریں (یعنی ضروری نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ہی انتظار کیا جائے۔ غور فرمایئے میرے آقا ﷺ اس درخواست کا کیا جواب دیتے ہیں آپ نے فرمایا) ''لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ'' عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دیا کرو (تم لوگ جب عائشہ کے خلاف کوئی بات کرتی ہو تو مجھے تکلیف ہوتی ہے ایسا نہ کیا کرو کیونکہ) ''فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَاَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَأَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ'' کیونکہ عائشہ کے سوا کوئی بیوی نہیں جس کے بستر میں میں ہوں اور وحی نازل ہو۔ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب سنا تو فوراً) عرض کرنے لگیں ''اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ'' میں آپ کو ایذا رسانی سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ (لیکن ان کے گروہ کی دیگر ازواج نے ایک کوشش اور کی) انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور سارا معاملہ بیان کر کے کہا کہ آپ حضور کے دربار میں حاضر ہو کر ہماری درخواست پیش کریں (کہ آپ چہیتی ہیں سرکار آپ کی بات ہرگز نہ ٹالیں گے) پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر حسب سابق گزارش پیش کی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ'' کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ لاڈلی بیٹی نے کہا ''بَلٰى'' کیوں نہیں ''قَالَ فَاَحِبِّيْ'' فرمایا پس تم عائشہ سے محبت کرو۔

بہرحال اس واقعہ سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ محبوبہ ہیں کہ ان کی تکلیف سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی ایذاء رسانی درحقیقت عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے اور جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی گویا اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کی جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس:

اے ایمان والو نیک اور اچھی اولاد کی طرح اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی رضاو خوشنودی حاصل کرو۔

میری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس کے راوی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (تابعی) ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''عائش'' (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے بطور محبت عائش فرمایا اسے ترخیم کہا جاتا ہے) ''هٰذَا جِبْرَئِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ'' یہ جبرئیل ہیں تمہیں سلام کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وعليه الصلوٰة والسلام ورحمة الله نیز فرمایا ''وَهُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰى'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ دیکھتے تھے جو میں نہ دیکھتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت و الفت کا اہم ترین ثبوت میرے آقا ﷺ کے ایام مرض الموت کا عمل ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایام مرض میں روزانہ پوچھا کرتے تھے کہ آج میں کہاں رہوں گا کل میں کہاں رہوں گا حتیٰ کہ ازواج مطہرات کو احساس ہونے لگا کہ ہمارے آقا ﷺ کی درحقیقت یہ خواہش ہے کہ ایام مرض، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بسر ہوں پس سب ازواج جمع

ہوئیں اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہماری طرف سے بخوشی اجازت ہے کہ آپ جب تک چاہیں ہماری باری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر قیام فرمائیں پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میری ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کئے حتیٰ کہ یہی حجرۂ مبارکہ سید الانبیاء ﷺ کی آخری آرامگاہ بنا۔ جس کا ایک حصہ عرش الٰہی سے بھی افضل قرار پایا جو بقعۂ نور ہے کہ یہاں حاضر ہونے والوں کے دل ہی نہیں بلکہ چہرے بھی نورِ ایمان سے چمکنے لگتے ہیں، یہاں بے چین دلوں کو سکون میسر آتا ہے، یہاں سے گناہ گاروں کو مغفرت و عافیت کا پیام ملتا ہے، بھکاریوں کی خالی جھولیاں مرادوں سے بھری جاتی ہیں، زائرین کو شفاعت کا مژدہ سنایا جاتا ہے، یہی حجرۂ عائشہ ہے جس پر ہر صبح اور ہر شام ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور جسے بیشمار غلام درود و سلام کے گجرے لئے گھیرے رہتے ہیں جہاں اولیاء و اصفیاء، علماء و مشائخ، عوام و خواص سب ہی کی جبین نیاز جھکی نظر آتی ہے۔

میری ماں پر بہتان

الزام تراشی اور بہتان بازی دین کے دشمنوں کا ایک اوچھا، نہایت کمزور ہتھیار ہے جسے وہ ہر دور میں انبیاء و رسل، اولیاء و اصفیاء، علماء اور صالحین کی آبروریزی اور بدنامی کے لئے استعمال کرتے آئے ہیں اور ہمیشہ ہی ناکام اور ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ پس الزام تراشی اور بہتان بازی کرنے والے نہ تو اللہ سے عزت چھین سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے رسول اور اہل ایمان کی عزت و آبرو پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ عزت والا رب اپنے عزت والے بندوں کی عزت کی خود ہی حفاظت فرماتا ہے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت و ناموس پر ہر دور میں ڈاکہ زنی کی کوشش کی جاتی رہی لیکن نہ تو آج تک کوئی کامیاب ہوسکا ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے غلاموں اور دین کے خدام کو رسوا و ذلیل کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن ہمیشہ دشمنوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ذلیل و خوار ہوئے کہ جسے عزت والے رسول کی نسبت اور تعلق سے عزت ملتی ہے عزت والا اللہ اپنے رسول کی لاج رکھتا ہے اور اس کے خدام کی عزت کی حفاظت فرماتا ہے۔

بہرحال مکی زندگی میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے دشمن کفار مکہ تھے اور مدنی زندگی میں منافقین آپ پر الزام لگانے اور بہتان باندھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع ان کے ہاتھ آیا اور انہوں نے میری ماں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک الزام لگا دیا۔ اس بہتان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابۂ کرام اور بالخصوص میری ماں کو کتنی تکلیف ہوئی اس کا اندازہ آپ کو واقعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے لفظ ''اِفک'' یعنی بہتان سے بیان کیا ہے۔ اس لئے اسے واقعہ ''اِفک'' ہی کہا جاتا ہے۔ تمام ہی مفسرین، محدثین، مؤرخین نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اپنی ماں کی عظمت و طہارت کو اجاگر کرنا اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے تو کیوں نہ ہم اس ذمہ داری کو پورا کرکے اپنی مقدس ماں

کی عظمت کو سلام اور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ پس لیجئے اس واقعہ کا مطالعہ کیجئے جسے ہم مطالعۂ بسیار کے بعد اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں اس کی راویہ خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

واقعۂ افک

یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے دوران پیش آیا۔ یہ غزوہ باختلاف روایات ماہ شعبان ۵ یا ۶ ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ جس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس غزوے کے لئے لشکرِ اسلام میں منافقین کا ایک گروہ اپنے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت میں شامل تھا نیز لشکرِ اسلام کے صرف چھ سو چند مجاہدین نے مخالف کے ایک بڑے لشکر سے مقابلہ کیا جو چند گھنٹے جاری رہا اور بالآخر دشمن نے ہار مان لی ہتھیار ڈال دیئے۔ مزید برآں یہ کہ مسلمانوں میں سے صرف ایک سپاہی شہید ہوئے جبکہ دشمن کے دس آدمی مارے گئے۔ غرضیکہ اتنی آسانی سے مسلمانوں کی شاندار فتح و کامیابی کو دیکھ کر منافقین کے دلوں میں حسد کی آگ مزید بھڑک اٹھی اور وہ کوئی ایسا موقع تلاش کرنے لگے جس سے مسلمانوں کی خوشی و مسرت میں وہ زہر گھول سکیں۔ اتفاق سے ایک موقع ہاتھ آیا اور وہ وقتی طور پر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

نبی مکرم ﷺ کا یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ آپ سفر میں اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ جس کا انتخاب آپ اپنی مرضی سے نہ کرتے تھے بلکہ قرعہ اندازی کا منصفانہ طریقہ اختیار فرماتے تھے تاکہ میری ماؤں میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو اس سفر کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا اور قرعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا پس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ہو گئیں۔

جب جنگ کامیابی کی مسرت و خوشی کے ساتھ ختم ہوئی اور مدینہ منورہ واپسی کے لئے اونٹ تیار کئے جانے لگے تو میری ماں قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے کچھ دور تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ عام طور پر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سفر وغیرہ کے لئے روانگی سے قبل اپنی ضروریات پوری کر لیتی ہیں تاکہ درمیان میں کہیں رکنا نہ پڑے۔ انہیں کسی نے جاتے نہ دیکھا کیونکہ پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے حضور کی زوجہ مقدسہ کو قافلہ سے قدرے دور ایک طرف کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں قضائے حاجت کے بعد واپس ہو رہی تھی کہ میرا ہاتھ سینہ پر لگا تو میرا ہار گلے میں نہ تھا جو یمنی سیپیوں کا بنا ہوا تھا مجھے بہت پسند تھا میں وہ تلاش کرنے لگی کچھ دیر ہو گئی واپس آ کر دیکھا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا کیونکہ آپ کا ہودج اٹھانے والوں نے خوشی اور جلدی میں اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت ہلکی پھلکی نہایت نحیف تھیں۔ ہودج اٹھانے والوں کو ان کی عدم موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔ آپ یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئیں اب قافلہ کا تعاقب کرنے کے بجائے آپ نے وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ قافلہ واپس آئے تو آپ اپنی جگہ مل سکیں کہ تعاقب کی صورت میں مزید پریشانی پیش آ سکتی تھی کہ قافلہ یہاں واپس آتا اور آپ کسی دوسری طرف اسے تلاش کرتی ہوتیں۔

انتظار کرتے ہوئے رات کافی ہو گئی آپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور آپ اپنی چادر میں وہیں لیٹ کر سو گئیں یہاں تک کہ آخر شب میں صفوان بن معطل سلمی ذکوانی آ پہنچے ان کو یہی کام سونپا جاتا تھا کہ یہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور اگر قافلہ کا کوئی سامان

چھوٹا ہوا ملے تو وہ اٹھالیا کریں۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور آپ نے اپنا کام شروع کیا تو آپ اپنی ماں کو چادر میں لپٹا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے اور بس آپ نے ''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون'' پڑھا اور اتنی بلند آواز سے پڑھا کہ ماں بیدار ہوگئیں۔ آپ نے بغیر کوئی بات کئے اپنی اونٹنی اپنی ماں کے قریب لا کر بٹھائی۔ وہ اس پر سوار ہوئیں اور صفوان آگے آگے اونٹنی کی نکیل پکڑے چل دیئے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں ''وَاللّٰهِ مَا يُكَلِّمُنِيْ كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجَاعِهٖ'' بقسم (صفوان نے) مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے دوران سفر ان کے اناللہ پڑھنے کے علاوہ ان کی زبان سے کوئی اور بات سنی بہر حال صفوان قافلہ میں آکر شامل ہوگئے اور قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

بات صرف اتنی سی تھی لیکن منافقین جن کا کام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنا تھا اور آج کے منافقین بھی اپنے اسلاف کی اتباع میں ایسا ہی کرتے ہیں انہوں نے اس معمولی بات کا بتنگڑ بنا دیا اور عبداللہ بن ابی خبیث نے میری ماں کی پاکدامنی کو مجروح کرنے کی باقاعدہ تحریک شروع کر دی وہ اور اس کے چیلے شہر کے گلی کوچوں اور ایک ایک گھر میں پروپیگنڈا کرتے پھرتے تھے حتیٰ کہ بعض بھولے بھالے صحابہ بھی منافقین کی اس مذموم حرکت کا شکار ہو گئے جن میں حضرت حسان، حضرت مسطح رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے نام بیان کئے گئے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب منافقین کی اس خباثت کا علم ہوا تو آپ کو بے حد صدمہ پہنچا اس لئے نہیں کہ آپ کو اس بات کے بیہودہ اور قطعاً غلط ہونے میں شک تھا آپ کو یقیناً اپنی ازواج پر مکمل اعتماد تھا اور ان کی پاکدامنی کا علم تھا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: ''فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْراً'' بقسم میں اپنی اہلیہ کی پاکیزگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ ''وَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلاً مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْراً'' اور انہوں نے جس شخص کے ساتھ تہمت لگائی ہے مجھے اس کے متعلق بھی صرف پاکیزگی کا ہی علم ہے۔ پس آپ کے افسوس اور صدمہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ منافقین نے آپ کی بیوی کے پاک دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی آپ نے از خود اپنے کسی فیصلہ کا اعلان نہ فرمایا۔

اس لئے کہ آپ اس ذاتی معاملہ میں فیصلہ الٰہی کے خواہاں اور منتظر تھے تاکہ الزام لگانے والوں کو مزید موشگافی کا کوئی موقع نہ مل سکے۔ ان کے منہ بند ہو جائیں اور اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جائے۔ ان کے دل مطمئن اور مسرور ہو جائیں نیز میری ماں کی پاکدامنی، پاکیزگی اور طہارت کا وہ ثبوت فراہم ہو جو اس سے پہلے کسی صاحب فضیلت وعظمت کو میسر نہ آسکا۔ یہ صرف میری ماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نصیب ہے کہ ان کی برأت کے لئے ایک دو نہیں دس قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جن کی تلاوت قیامت تک ہوتی رہے گی، اہل ایمان جب بھی ان آیات کو پڑھتے ہیں تو ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور اپنی ماں کے انتہائی تقدس کے اس قطعی ثبوت پر ان کے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں اور منافقین حسد کی آگ میں مزید بھننے لگتے ہیں وہ ان آیات کی بے سروپا تاویلیں گھڑتے رہتے اور ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں، فالحمد للّٰہ رب العلمین۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سفر سے واپس آتے ہی بیمار ہوگئی تھیں اور ایک ماہ تک بیمار رہیں انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ باہر ان کے خلاف کیا باتیں ہو رہی ہیں ہاں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رویہ میں تبدیلی ضرور محسوس کر رہی تھیں کہ

آپ تشریف لاتے، سلام کرتے اور بس ''کَیْفَ تِیْکُمْ'' تم کیسی ہو فرماتے اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ ظاہر ہے سرکار کی یہ بے رخی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے حد شاق تھی جس کے سبب آپ کے مرض میں اضافہ ہوا اور آپ اس قدر کمزور ہوگئیں کہ بے سہارا اٹھنا، بیٹھنا تک مشکل ہونے لگا۔

اس زمانہ کے لوگ بیت الخلاء گھروں میں بنانا پسند نہ کرتے تھے۔ قضاءِ حاجت کے لئے آبادی سے باہر جایا کرتے تھے۔ عورتوں کے لئے مزید دشواری یہ تھی کہ وہ شرم وحیاء نیز پردے کی پابندی کے سبب رات کو جایا کرتی تھیں۔ پس ایک رات ام المؤمنین ام مسطح کے ہمراہ قضاءِ حاجت کے لئے تشریف لے گئیں۔ واپسی میں اتفاق سے ام مسطح کا پیر چادر میں پھنسا اور وہ گر پڑیں اس حال میں ان کے منہ سے نکلا ''تَعِسَ مِسْطَحٌ'' مسطح ہلاک ہو جائے یعنی انہوں نے اپنے بیٹے کو بددعا دی۔ ام المؤمنین کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اپنے بیٹے کو اس طرح بددعا نہیں دینا چاہئے وہ تو ایک نیک نوجوان ہیں۔ جو بدری ہیں یعنی غزوہ بدر میں شامل ہوئے اور بدری کی فضیلت تم جانتی ہو۔ ام مسطح بولیں میں اس سے نفرت کرتی ہوں کیونکہ وہ تم پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکیں اور پوچھا یہ تہمت والی بات کیا ہے۔ کیا معاملہ ہے میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ پس ام مسطح نے تفصیل سے سب بات بتائی جس سے ام المؤمنین کو بے حد صدمہ پہنچا مرض میں مزید اضافہ ہوگیا۔ نقاہت وکمزوری اور بڑھ گئی جیسے تیسے گھر پہنچیں۔ کچھ ہی دیر بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور آپ نے سلام کے بعد پوچھا ''کَیْفَ تِیْکُمْ'' تم کیسی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اٰتِیَ اَبَوَیَّ'' کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں کیونکہ وہ اپنے والدین سے اس معاملہ کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ اپنے گھر پہنچیں اور ماں سے حالات معلوم کئے ماں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا تم اتنی پریشان نہ ہو۔ ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ بالخصوص اس عورت کے ساتھ جو اپنے شوہر کی پسندیدہ ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں لیکن میری ماں اتنی غمزدہ تھیں کہ ماں کی تسلی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا وہ ساری رات اور سارا دن روتی رہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آنسوؤں کا سلسلہ منقطع نہ ہوا نہ سوسکیں نہ کچھ کھایا پیا والدین بھی یہ کیفیت دیکھ کر بے حد متفکر رہے۔ صبح ایک انصاری عورت آپ سے ملنے آئیں وہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر رونے لگیں۔ اسی دوران نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور ایک ماہ کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ آپ میری ماں کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ آپ نے اولاً کلمہ شہادت پڑھا اور نہایت ہی محبت بھرے لہجہ میں آپ نے اپنی لاڈلی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عائشہ مجھے تمہارے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر فرمادے گا اور اگر تم اس گناہ میں ملوث ہوگئی ہو تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو''۔ ''فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ'' کیونکہ بندہ جب اعتراف گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔'' حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو سن کر میرے آنسو خشک ہوگئے اور میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کا جواب دے دیجئے لیکن وہ بولے ''مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''میں نہیں جانتا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا جواب دوں پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ جواب دے دیجئے تو انہوں نے بھی یہی کہہ دیا بالآخر میں نے ہی ہمت کی اور جواب دیا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے شدید حزن وملال کے دباؤ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو جواب دیا۔ اس کا ایک ایک لفظ ان کے علم وفضل اور عقل وفہم کا ثبوت فراہم کرتا ہے لہٰذا اہم حدیث مسلم کی وہ عبارت من وعن نقل کرتے ہیں پڑھئے اور ایمان تازہ کیجئے آپ نے فرمایا ''اَنَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِنِّ لَا اَقْرَأُ كَثِيْرًا مِنَ الْقُرْاٰن ''میں ایک کم عمر لڑکی ہوں میں بہت زیادہ قرآن کریم بھی نہیں پڑھی ہوئی ہوں۔ ''اِنِّي وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرِفْتُ اَنَّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ بِهٰذَا حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِيْ نُفُوْسِكُم وَصَدَّقْتُمْ بِهِ'' بخدا مجھے یہ معلوم ہے کہ تم لوگوں نے اس خبر تہمت کو سن لیا ہے اور یہ تم لوگوں کے دلوں میں جم گئی ہے اور تم نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ ''فَاِنْ قُلْتُ لَكُمْ اَنِّيْ بَرِيْئَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنِّي بَرِيْئَةٌ لَا تُصَدِّقُوْنِيْ بِذٰلِكَ ''پس اگر میں تم سے کہوں کہ میں اس گناہ سے بری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم میری تصدیق نہ کرو گے۔ ''وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِاَمْرٍ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّيْ بَرِيْئَةٌ لَتُصَدِّقُوْنَنِيْ ''اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں جب کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں تو تم میری بات مان لو گے'' وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُلِيْ وَلَكُمْ مَثَلًا اِلَّا كَمَا قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ ''اور میں اپنے اور تمہارے درمیان صرف ابو یوسف (حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی مثال پاتی ہوں (کہ وہی کہوں جو انہوں نے کہا تھا)۔ ''فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ''صبر جمیل کرتا ہوں اور تم جو کر رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔

ام المومنین اس گفتگو کے بعد اٹھیں اور ایک طرف جا کر لیٹ گئیں اب وہ قدرے مطمئن تھیں کہ آج بات صاف ہو گئی اور یقیناً اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ میری برأت ظاہر فرما دے گا۔ فرماتی ہیں لیکن مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ رب کریم میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائے گا جس کی قیامت تک تلاوت کی جائے گی کہ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ خواب حقیقت حال سے واقف کر دیا جائے گا (کہ نبی کا خواب بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے جس کا یقین کرنا امت پر واجب ہے)۔

ام المومنین اگرچہ اپنے آپ کو اتنا بلند مرتبہ نہ سمجھتی تھیں کہ ان کی پاکدامنی کا اعلان بذریعہ آیات قرآنی کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تحفۂ الٰہی تھیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں پس اللہ نے اپنے تحفہ کے تقدس اور اس کے ظاہری و باطنی حسن و جمال کی حفاظت فرمانی چاہی۔ نیز یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا نہ تھا بلکہ یہ تہمت لگا کر منافقین نے اللہ کے رسول ﷺ کی عصمت کو داغدار کرنے اور اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام سازش کی تھی۔ جس پر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ندامت وشرمندگی برداشت کرنا پڑتی۔ پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ قرآن کریم کے ذریعہ میری ماں کی برأت کا اعلان فرمایا۔ جس سے امت کی ماں کی عظمت وفضیلت بھی نمایاں ہوئی۔ عصمت نبوت کی چادر بھی صاف وشفاف ہوگئی۔ اسلام کی حفاظت مزید اجاگر ہوگئی اور قیامت تک ان آیات کو تلاوت کرنے والوں کا سر فخر

سے بلند ہو گیا۔

بہر حال اس گفتگو کے بعد حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قدرے اطمینان ہوا اور انہیں یقین سا ہو گیا کہ اب اللہ کی طرف سے ضرور برأت کا اظہار ہو گا ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تشریف فرما تھے کہ آپ کے چہرۂ انور پر نزول وحی کے آثار نمایاں ہونے لگے کہ سخت سردی کے باوجود بھی آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور موتیوں کی طرح پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگتے تھے۔ آپ ﷺ کی یہی کیفیت ہوئی اور جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر آپ کو آیات برأت سنائیں جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی جھلکنے لگی اور آپ نے پہلے اپنی زوجہ محبوبہ کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: ''اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃَ اَمَّا اللّٰہُ فَقَدْ بَرَّاکِ'' اے عائشہ مبارک ہو اللہ نے تمہاری برأت کا اعلان فرما دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے کہا اے عائشہ کھڑی ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکریہ ادا کرو میں نے بطور ناز کہا میں کسی کے لئے کھڑی نہ ہوں گی اور نہ ہی کسی کا شکریہ ادا کروں گی میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت ظاہر فرمائی ہے۔

آپ کے مطالعہ کے لئے قرآن کریم کی آیات برأت پیش کرنے سے قبل ہم یہ عرض کرتے چلیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زوجہ محترمہ کی پاکدامنی کا یقینی علم ہونے کے باوجود معاملہ کی تحقیقات کا پوری طرح وہ طریقہ اختیار فرمایا جو کسی عام مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک منصف قاضی کو شرعاً اختیار کرنا چاہئے تاکہ کسی دشمن اسلام کو میرے آقا ﷺ کے عدل وانصاف پر اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے اور یہ نہ کہا جا سکے کہ جو دوسروں کے معاملات میں عدل وانصاف کا دعویٰ کرتے ہیں انہوں نے اپنے معاملہ میں اس کا لحاظ نہ کیا اور بلا تحقیق و تفتیش اپنی اہلیہ کو پاکدامن قرار دے دیا۔ پس آپ ﷺ نے جس، جس سے مناسب سمجھا اس معاملہ کی تحقیق فرمائی مثلاً آپ نے اپنی زوجہ مکرمہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو شامل تفتیش کیا کیونکہ وہ بحیثیت سوکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ زیادہ ہی رقابت رکھتی تھیں۔ پس آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور پوچھا کہ عائشہ کے معاملہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے جواب دیا ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَیْرًا'' میں اپنے کانوں اور آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہوں (یعنی غیر ضروری اور لایعنی باتوں پر توجہ نہیں کرتی) عائشہ کے متعلق میں پاکیزگی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا کیونکہ اسامہ آپ کے اہل خانہ جیسے تھے۔ پس ان سے سوال فرمایا کہ اپنی ماں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے کہا ''ھُمْ اَھْلُکَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا'' وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور ہم ان کے متعلق پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی کے متعلق مشورہ کیا انہوں نے سوال کی مناسبت سے جواب دیتے ہوئے کہا ''لَمْ یُضَیِّقِ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَالنِّسَآءُ سِوَاھَا کَثِیْرٌ وَاِنْ تَسْاَلِ الْجَارِیَۃَ تَصْدُقْکَ'' اللہ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے (آپ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں) اور ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں (آپ کے لئے عورتوں کی کیا کمی) (لیکن بہتر ہوگا کہ اس معاملہ میں) آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی سے

تفتیش کریں کہ وہ آپ کو صحیح صورت حال بتا سکیں گی (کیونکہ وہ عائشہ کے بہت قریب ہیں اوران کی عادات واطوار سے بخوبی واقف ہیں ۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق ام المؤمنین کی باندی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو طلب فرمایا اور آپ نے ان سے پوچھا ''هَلْ رَاَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يُرِيْبُكِ مِنْ عَائِشَةَ'' کیا تم نے عائشہ میں کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے تمہیں ان کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوانہوں نے جواب کو طویل کرتے ہوئے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ میرے علم کے مطابق اگر عائشہ میں کوئی عیب ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ایک کم عمر لڑکی ہیں ۔ (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ اپنے گھر کا آٹا گوندھتے گوندھتے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر وہ آٹا کھا جاتی ہے (یعنی ایسی کم عمر لاپرواہ بچی پر تہمت کی حقیقت کیا ہو سکتی ہے ۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ خود اس پر غور فرمالیجئے) ''وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا اِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلٰى تِبْرِ الذَّهَبِ الْاَحْمَرِ'' بخدا میں تو انہیں اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص سونے کی سرخ ڈلی کو جانتا ہے۔ سبحان اللہ باندی نے اپنی مالکہ کی پاکدامنی کو کیسے پیارے انداز سے بیان کیا خالص سونے کو سنار سے زیادہ کون پہچان سکتا ہے اسی طرح میں ان کے اتنے قریب ہوں کہ میں نے انہیں خوب پہچانا اور خالص سونے کی طرح ہر قسم کے میل کچیل سے پاک صاف وشفاف پایا۔ اللہ کی قسم ہم بھی اپنی ماں کو ایسا ہی پاک وصاف یقین کرتے ہیں ۔ اے اللہ واسطہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا تو ہماری مادی ماؤں کو بھی مقدس و پاک دامن کر دے آمین ۔

مزید ملاحظہ فرمایئے کہ صحابہ کرام کو اپنی ماں کی پاکدامنی کا کس درجہ یقین تھا جس کا اظہار انہوں نے کیسی عقیدت و محبت کے ساتھ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چونکہ بیٹی کا معاملہ تھا اس لئے وہ ان کی پاکدامنی پر یقین کے باوجود خاموش اور غمزدہ رہے لیکن...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا مجھے منافقین کے جھوٹ کا یقین ہے کیونکہ جب اللہ اتنا پسند نہیں فرماتا کہ آپ ﷺ کے جسم پرمبارک پر مکھی بیٹھے صرف اس لئے کہ وہ نجاست پر بیٹھتی ہے تو میرا ربّ یہ کیسے گوارا فرما سکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسم اطہر کسی فاحشہ عورت کے جسم سے مس ہوکر نجاست میں ملوث ہوتا رہے (پس یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کی کوئی بیوی بھی کسی برائی میں مبتلا ہو)۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے نورانی جسم کا سایہ نہیں اس لئے کہ آپ کے مبارک سایہ پر کسی کا قدم نہ پڑنے پائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ آپ کی زوجہ کی کوئی عزت پامال کرے اور ان کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ایک موقع پر بحالت نماز جنازہ اللہ نے آپ کی بارگاہ میں جبرئیل کو صرف اتنی سی بات کی خبر دینے کے لئے بھیجا کہ آپ کی نعل مبارک میں نجاست لگی ہوئی ہے۔ آپ اسے اتار دیں تو اگر بالفرض آپ کی زوجہ کسی برائی میں مبتلا ہوئی ہوتیں تو اللہ آپ کو ان کے حال کی ضرور خبر کر دیتا اور ان سے علیحدگی کا حکم دیتا کہ یہ تو بہت ہی اہم معاملہ ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا (کہ تمام صحابہ اس واقعہ کی وجہ سے پریشان، متفکر اور مغموم تھے اور ہر گھر میں یہی واقعہ موضوع گفتگو بنا ہوا تھا) پس انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ ام المومنین کے متعلق جو افواہ پھیلی ہے کیا تمہیں اس کا علم ہے اور اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا آپ یہ بتائیے کہ اگر آپ صفوان بن معطل کی جگہ ہوتے تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کر سکتے تھے۔ وہ بولے معاذ اللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا پھر بیوی نے کہا اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ ہوتی تو کبھی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خیانت کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتی تھی اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے بدر جہا افضل و اعلیٰ ہیں اور صفوان تم سے افضل ہیں تو ان کے متعلق اس برائی میں مبتلا ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ بخدا یہ جھوٹ ہے۔ منافقین کی سازش ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے علم و یقین اور ام المومنین کی پاکدامنی پر صحابہ کرام کی واضح شہادتوں کے باوجود از خود فیصلہ صادر نہ فرمایا بلکہ وحی الٰہی کے منتظر رہے تاکہ قیامت تک کسی دشمن رسول کو کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔ نیز اللہ کے دربار میں آپ کے اور ام المومنین کے بلند منصب و مرتبہ کا اندازہ ہو سکے لیکن وحی الٰہی ایک ماہ تک خاموش رہی۔ یہ طویل عرصہ انتظار کیسے گزرا ہو گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ منافقین کا پروپیگنڈا پھیلتا رہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے گھر والے، صحابہ کرام، سب ہی حزن و ملال اور سخت پریشان حالی میں مبتلا رہے۔ مدینہ کے ہر گھر پر غم و اندوہ کے بادل چھائے رہے۔ اہم امور کی انجام دہی تک میں ہی خلل واقع ہوتا رہا۔ بالآخر نور کی پو پھٹی، رنج و ملال کے بادلوں کی تاریکی چھٹی اور سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں جن سے سب کے دل منور و روشن ہو گئے۔ غمزدہ چہرے چمک اٹھے۔ آئیے ان آیات کا مطالعہ کر کے ہم بھی اپنے قلوب کو منور کریں، ایمان کو تازہ کریں۔

آیاتِ براءت

ان نورانی آیات کو آیاتِ براءت کہا جاتا ہے یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت سے پاکیزگی کی آیات اس عظیم ابتلاء و آزمائش سے اعلان نجات کی آیات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ

سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور:۱۱ تا ۲۰)

بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے اس کے لئے عذاب عظیم ہے ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنوں کے متعلق پاک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے وہ اس پر چار گواہ کیوں پیش نہ کر سکے (اگر وہ سچے تھے) پس جب وہ گواہ پیش نہ کر سکے وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا میں اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں ان باتوں کی وجہ سے بڑا عذاب (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے تھے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ گفتگو کریں اس کے متعلق اے اللہ تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ بہت مہربان اور رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے تھے)

غور فرمائیے، کس قدر واضح انداز میں اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طہارت و پاکدامنی کا اعلان فرما رہا ہے۔ ابتداء ہی اس واقعہ کو ''افک'' قرار دیا گیا یعنی یہ ایسا بہتان ہے جس کی کوئی انتہا نہیں یہ ایک لفظ ہی تردید اور منافقین کی سازش کا پردہ چاک کر دینے کے لئے کافی تھا لیکن اس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ واقعہ کی سنگینی اور بدترین نتائج کا باعث ہونے کے سبب، دس آیات کے ذریعہ اس کا تفصیلی رد کیا گیا جن میں پہلے اسے ''اِفک'' انتہائی بہتان قرار دیا گیا پھر ''اَفکٌ مُّبِیْنٌ'' کھلا بہتان فرمایا گیا اور پھر بہتان عظیم بڑا بہتان کہا گیا گویا ایک رتی ایسی گنجائش نہ چھوڑی گئی جس سے کوئی دشمن اسلام اس واقعہ کی صداقت ثابت کرنے کا سہارا لے سکے۔

شرنہیں خیر ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے اہل خانہ بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جملہ صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو مطمئن کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس بہتان عظیم کو تم اپنے لئے شر خیال نہ کرو یہ نہ سمجھو کہ اس سے تمہاری یا اسلام کی بدنامی ہوئی ہے اور یہ تمہارے لئے ندامت و شرمندگی کا باعث بنا ہے ''بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'' یہ تو تمہارے لئے خیر و بھلائی کا ذریعہ بنا ہے کہ کبھی برائی بھی ذریعہ بھلائی اور خیر بن جاتی ہے۔ دیکھئے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک معمولی غلطی نے ہی ان کے ہمعصروں سے ممتاز کر دیا کہ مسجد نبوی شریف میں موجود ایک ستون ان کی پاکدامنی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو امت کے گناہ گاروں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے جس کے قرب سے قبولیت توبہ کی ضمانت ملتی ہے اور گناہ گاروں کو احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا۔ یہ بہتان عظیم تمہارے لئے شر نہیں یہ تو ذریعہ خیر بنا ہے کہ ہمیشہ کے لئے منافقین اور دشمنانِ اسلام اپنے بڑوں کی ناکامی و نامرادی پر ماتم کرتے رہیں گے اور نادم و شرمندہ ہوتے رہیں گے جبکہ اہل ایمان اپنی ماں کی عظمت کو ہمیشہ سلام کرتے رہیں گے اور اس پر فخر کریں گے اگر ان پر یہ بہتان عظیم نہ لگتا تو شاید وہ اپنوں اور غیروں کی نظروں میں اتنی بلند مرتبہ اور باعظمت نہ ہوتیں جتنی آج ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ اعزاز کم ہے کہ ہر گھر اور ہر منبر و محراب میں ان آیات کی تلاوت کے ذریعہ ہر لحہ ان کا ذکر اور چرچا ہوتا رہتا ہے۔ پس اے ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو ایسی بیٹی کا باپ ہونا اور اے مسلمانو تمہیں ایسی عظیم ماں کا نصیب ہونا مبارک ہو جس کی عزت و ناموس کی حفاظت رب العلمین جل مجدہ نے کی۔

اور اس اعتبار سے بھی یہ بہتانِ عظیم خیر ثابت ہوا کہ اس کی وجہ سے غلاموں کے دلوں میں اپنے آقا ﷺ کی عظمت مزید اجاگر ہوئی اور آپ سے محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا کہ رب کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مکرمہ کی برأت کا علان کر کے درحقیقت میرے آقا ﷺ کی ہر اس عیب و نقص سے برأت کا اعلان فرمایا ہے جو دشمنان رسول ان کی طرف منسوب کرنے کی ناکام کوشش کریں کہ جو اللہ اپنے رسول کی بیوی کی رِدائے تطہیر پر کوئی داغ گوارا نہ فرما سکے وہ اپنے رسول کی رداء عصمت پر کوئی دھبہ کیسے برداشت فرما سکتا ہے پس یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف کمالات کو مجروح کرنے والے ان سے کسی ایسی بات کو منسوب کرنے والے جو ان کے شایان شان نہ ہو کسی بھی طرح کامیاب ہو سکیں۔ چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں، کھلے دشمن ہوں یا چھپے دشمن ہوں۔ نیز اس سے آپ کا وصفِ عدل و انصاف مزید نمایاں ہو گا کہ اپنی بیوی کی پاکدامنی کا علم ہونے اور اس کی تائید میں واضح شہادتیں حاصل ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے خود ان کی برأت کا اظہار نہ فرمایا بلکہ وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے جبکہ ان آیات کے نزول سے قبل آپ اپنے ایک خطبہ میں یہ اظہار فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِىْ اِلَّا خَيْرًا وَمَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِىْ مِنْ سُوْءٍ'' بخدا میں اپنے اہل کے لئے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا اور مجھے ان سے کسی غلطی کا کوئی علم نہیں۔ یہ فیصلہ نہ تھا بلکہ اپنے علم کا اظہار تھا تا کہ کوئی آپ کو حقیقت حال سے بے خبر سمجھ کر آپ پر بے علمی کا داغ لگانے کی کوشش نہ کرے لیکن کیا کہا

جائے ان بدنصیبوں کو جو یہ سب جانتے ہوئے بھی اس واقعہ اور اس جیسے دیگر واقعات سے معلم کامل مخبر صادق ﷺ کے کمال علم کو مجروح کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہتے ہیں اور امت میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ اسی انتشار وافتراق سے بچانے کے لئے قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا ''وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ'' پیارے محبوب ہم نے آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز فرمایا ''وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ'' وہ ایسے معلم کامل ہیں کہ جو بات بھی تم نہیں جانتے وہ تمہیں بتا دیتے ہیں غرضیکہ اس واقعہ کے سبب میرے آقا ﷺ کے اوصاف وکمالات مزید اُجاگر ہوئے۔ جو امت کے لئے ایک عظیم خیر ہے اللہ اس خیر سے استفادہ اور استفاضہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے جو اس خیر کو آج تک شر بنا رہے ہیں اور اس شر کی تبلیغ واشاعت کر رہے ہیں۔

اور یہ بہتان عظیم خیر ہے اس اعتبار سے کہ ایک ماہ کی طویل مدت تک منافقین اس کا پروپیگنڈا کرتے رہے نہ جانے کیا کیا باتیں بنائی جاتی اور افواہیں پھیلائی جاتی رہیں۔ ام المؤمنین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب نے ہی بڑے صبر و استقلال کے ساتھ اس مصیبت کا مقابلہ کیا امتحان وآزمائش کے یہ شب وروز عام صحابہ کے لئے تو نہایت ہی کٹھن ثابت ہو رہے تھے کہ بعض اوقات ان کا ایمان لرز اٹھتا اور پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا تھا لیکن یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اہل ایمان کو صبر کی قوت عطا فرماتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' پس سب ہی پہاڑ سے زیادہ مضبوط ومستحکم ہو کر ڈٹے رہے اور اس مصیبت کا مقابلہ کرتے رہے بالآخر اس آزمائش میں کامیاب قرار پائے۔ برأت کا اعلان ہوا انہیں ظاہری اور دنیاوی طور پر سرخروئی نصیب ہوئی، باطنی طور پر طمانیت وسکون میسر آیا اور آخرت میں سید الصابرین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے صبر کے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے۔ پس اس مصیبت کو شر نہ سمجھو یہ تو خیر ہی خیر ہے اے اللہ واسطہ اس خیر کا تو ہمارے تمام مصائب کو بھی خیر بنا دے۔

کسی عام پاکباز عورت یا مرد پر بدکاری کی تہمت لگانا اتنا ہی گھناؤنا گناہ ہے جتنا گھناؤنا خود یہ فعل بد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زنا کے بعد سب سے بڑی اور سخت سزا بہتان لگانے والے کے لئے مقرر فرمائی:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۴)

اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ پس انہیں اسی درے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

یہ سزا تو ان لوگوں کی ہے جو کسی عام پاکدامن مؤمنہ پر تہمت لگانے کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس ظالم کی سزا کیا ہونا چاہئے جس نے معصوم نبی کی پاکیزہ و پاکدامن بیوی کی رداء تطہیر کو داغدار کرنے کی سازش کر کے اسلام کو بدنام اور مسلمانوں کو ندامت وشرمندگی کے دریا میں غرق کر دینے کی کوشش کی تھی اس بدترین جرم کے مرتکب دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو اصل مجرم تھے عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین اور دوسرے وہ سادہ لوح مسلمان جو ان ظالموں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو بیٹھے۔

سب کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جس نے اس معاملہ میں جتنا حصہ لیا ہے اسے اتنا ہی گناہ ہوگا جبکہ اصل مجرم کو عذاب عظیم میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ عذاب عظیم کیا ہوگا اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ایک عام مسلمان کو بدنام کرنا اور ایذا ء دینا بڑا گناہ ہے تو جس شخص نے پوری امت بالخصوص اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اہل خانہ کو ایذاء پہنچائی اس نے کتنا بڑا گناہ کیا۔ پس اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہوگی جتنا بڑا اس کا گناہ ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دیا لیکن اکثر تی روایات کے مطابق عبداللہ بن ابی کو عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دیا کہ اس کے لئے دنیا کی کوئی حد اور سزا کافی نہ تھی۔ اس ملعون کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انتقام کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا اور جو اہل ایمان اس جرم میں شامل ہو گئے تھے حد قذف سے ان کے گناہ کی غلاظت صاف کردی گئی اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا پس اب وہ قابل ملامت نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ناپسند فرماتی تھیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو برا کہا جائے وہ فرماتی تھیں کیا تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر نہ سنا:

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَہٗ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَآءٌ

بیشک میرے ماں باپ اور میری آبرو محمد ﷺ کی عزت کے تحفظ کے لئے ہیں

یہ تو حقیقت ہے کہ یہ حضرات حد جاری ہونے اور توبہ کر لینے کے بعد پاک وصاف ہو گئے لیکن یہ صاحبِ خلق عظیم ﷺ کی زوجۂ مقدسہ کا عظیم اخلاق ہے کہ وہ ان لوگوں کی برائی برداشت نہ کرپاتی تھیں جو ان پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ خطاءً اور سہواً شریک ہو گئے تھے۔

جو اہل ایمان اس بے بنیاد الزام پر کان دھرتے تھے یا تردد میں مبتلا ہونے کے سبب آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے اور شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے ان کی طرف رخ التفات کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ایسی بیہودہ بات سنتے ہی تمہیں اس کے جھوٹ کا پلندا ہونے کا یقین کر لینا چاہئے تھا اور اسی وقت بلا اختیار تمہاری زبانوں سے "هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ" کا واضح اعلان ہونا چاہئے تھا اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اگر اس بات میں ذرا برابر بھی صداقت ہوتی تو بہتان لگانے والے ضرور چار گواہ پیش کردیتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو اللہ کے نزدیک ان کا جھوٹا ہونا واضح اور ثابت ہے (نیز اس بات کے جھوٹ ہونے کے لئے تو یہی کافی تھا کہ جس مؤمنہ محصنہ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی وہ معصوم نبی کی بیوی ہے اور کسی نبی کا بدکار عورت سے تعلق ممکن ہی نہیں) یہ تو اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اللہ نے تم پر کرم کیا کہ دنیا و آخرت میں تمہیں اس نے اپنے سایۂ رحمت میں پناہ دے دی ورنہ تم تو اس لائق تھے کہ تم پر عذاب عظیم نازل ہو جاتا کہ جو افواہ پھیلانے میں تم شریک تھے۔ وہ تمہارے خیال وگمان میں معمولی بات ہو سکتی تھی لیکن اللہ کے نزدیک بہت ہی بڑی بات تھی کہ اس کا تعلق اس کے رسول اور ان کے اہل خانہ کی عزت وناموس سے تھا جو اللہ کے نزدیک نہایت ہی اہم اور قیمتی ہے تاکید کرتے ہوئے اعادہ کیا گیا کہ جونہی تم نے یہ بات سنی تھی تمہیں اللہ کی پاکی بیان کر کے "هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ"

کہتے ہوئے اس سے قطعاً لاتعلقی اور برأت کا اظہار کر دینا چاہئے تھا اور یاد رکھو آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کرنا اگر واقعی تم مؤمن ہو کیونکہ اللہ کے رسول اور رسول کے غلاموں پر الزامات کا سلسلہ تو جاری رہے گا تا کہ اہل ایمان کی آزمائش ہوتی رہے۔ پس اہل ایمان کی نجات کا ذریعہ یہی ہے کہ وہ ان الزامات سے بری رہیں رسول کی توہین کرنے والوں ان کے متبعین پر الزام تراشی کرنے والوں سے جو دور رہیں گے، وہی اس آزمائش میں کامیاب و کامران ہو کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا پاسکیں گے یہ تمہیں نصیحت کر دی گئی ہے لہٰذا ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' نصیحت مل جانے کے بعد ظالموں کے قریب بھی نہ جانا۔

برائی پھیلانے والوں کا انجام

چونکہ ایک نہایت ہی بڑی برائی پھیلانے والوں اور اس میں شریک ہونے والوں کے انجام کا ذکر کیا گیا لہٰذا موقع کی مناسبت سے ان لوگوں کے انجام کا بھی ذکر کیا جا رہا ہے جو معاشرے میں لوگوں کو دین سے دور کرنے اپنی روزی کمانے یا امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور انہیں کمزور کر دینے یا کسی بھی غرض سے فاحشہ برائی پھیلاتے ہیں مثلاً ایسے کلب اور دوکانیں کھول دیتے ہیں جن میں لوگوں کو شراب، جواء وغیرہ کی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں یا ایسی فلموں وغیرہ کی اشاعت کرتے ہیں جن سے لوگوں میں زنا اور بدکاری کے جذبات بیدار ہوتے ہیں یا ایسا لباس مہیا کرتے ہیں جس سے عریانیت عام ہوتی ہے یا لوگوں کے کاموں میں سہولت مہیا کر کے ان سے دولت حاصل کرتے اور پورے معاشرے میں رشوت کی لعنت پھیلا دیتے ہیں یہ اور ان جیسی تمام برائیاں فاحشہ کے ضمن میں آتی ہیں جو معاشرے کو برباد کر دیتی ہیں اور معاشرتی نظام کو تہس نہس کر ڈالتی ہیں اسی لئے اسلام ان کو مٹانے اور روکنے کا بے حد اہتمام کرتا ہے اور ان کو پھیلانے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب الیم کا اعلان کرتا ہے آخرت کا عذاب تو اللہ ہی بہتر جانے کہ اس کی کیا صورت ہو گی لیکن وہ دنیا میں جس عذابِ الیم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ سب کو نظر آتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اگر دولت حاصل بھی ہو جاتی ہے تب بھی انہیں سکون و چین میسر نہیں آتا کہ خانگی طور پر وہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے دردناک اذیت میں مبتلا رہتے اور بیرون خانہ ان پر یہ عذابِ الیم طرح طرح کے مقدمات لوگوں کی دشمنی اور ان سے جان کو خطرہ وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے نیز اللہ محفوظ رکھے بدکاریوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ لوگ جیسے دردناک اور گھناؤنے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے ہمیں یقین ہے کہ یہ بھی ان پر عذاب الیم ہی کی ایک صورت ہے۔ پس ایمان والوں کو ایسی حرکتوں سے بچنا اور دور رہنا چاہئے تا کہ اللہ رؤف رحیم کا ان پر فضل و کرم جاری رہے اور ان پر اس کی رحمت برستی رہے کہ اللہ کا خصوصی کرم اہل ایمان پر ہی ہوتا ہے۔

فاجعلنا من عبادک الصٰلحین، یا اللّٰہ یا ارحم الراحمین۔

آیات برأت کی اس مختصر تشریح پر اکتفاء کرتے ہوئے آخر میں حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ کی تفسیر ضیاء القرآن سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ:

وحی کے نزول سے قبل بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی

کا یقین تھا کیونکہ نبی کا ایسے عیوب سے پاک ہونا جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں ضروریات عقلیہ میں سے ہے جیسے اس کا جھوٹا ہونا کمینہ خاندان کا فرد ہونا اس کے والدین کا تہمت زنا سے متہم ہونا اسی طرح اس کی اہلیہ کی عصمت کا مشکوک ہونا اگر نبی میں ان عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی پایا جائے گا تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

امام موصوف اپنی اس گفتگو پر دو شبے پیش فرماتے ہیں اور خود ہی ان کا جواب دیتے ہیں پہلا شبہ یہ ہے کہ نبی کی بیوی کا کافر ہونا قرآن سے ثابت ہے اور کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے اگر نبی کی اہلیہ سے کفر جیسے سنگین جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے تو اس سے کم درجہ گناہ کا صدور بھی ممکن ہے جواباً فرماتے ہیں کہ بیوی کا کفر لوگوں کو متنفر نہیں کرتا البتہ اس کے دامن عصمت کا داغدار ہونا بلا شبہ نفرت کا سبب ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوتا تو آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پریشان ہونا عدم علم کی دلیل نہیں کفار کی ایسی باتیں جن کا بطلان اظہر من الشمس تھا وہ سن کر بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پریشان ہوتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ" اور ہم جانتے ہیں کہ کفار کی بیہودہ گوئی سے آپ کے قلب مبارک پر بار ہوتا۔ نیز حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی ایک مسلمہ حقیقت تھی جس کے متعلق کسی کو ادنیٰ سا شبہ بھی نہ تھا الزام لگانے والے سارے منافق تھے اور ان کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہ تھا ان قرائن کے ہوتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے بھی اس الزام کا جھوٹا ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخوبی معلوم تھا۔

الحمد للہ میرے رب کریم نے بڑا ہی کرم فرمایا۔ میرے آقا ﷺ کی ناموس کی حفاظت فرمائی۔ میری ماں کی عزت وآبرو کو تحفظ بخشا اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک وصاف کر کے انہیں عقیدۂ حقہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہماری استعداد سے زیادہ آپ تک حق پہنچانے کا شرف بخشا، والحمد للہ رب العلمین۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات

آیات برأت پر آپ نے غور کیا اور اندازہ کیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے کتنی وضاحت کے ساتھ میری ماں کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا۔ اس جرم کے مرتکبین پر کتنی سخت وعید نازل فرمائی کہ پورے قرآن کریم میں کسی جرم پر اس قدر سخت انداز وعید نہیں ملتا نیز نہایت تاکید کے ساتھ اہل ایمان کو ان پر کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ممانعت فرما دی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک بچہ کو قوت گویائی عطا فرمائی اور اس کی شہادت سے ان کی برأت کو ظاہر فرمایا اور جب حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ

انہی کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اعلان برأت کرایا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل یہ خصوصی اعزاز صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو بخشا گیا کہ ان کی برأت کے لئے قرآن کریم کی دس آیات نازل فرمائی گئیں۔

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اکثر رقیبانہ گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک موقع پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی برتری کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا میں وہ ہوں جس کا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں وہ ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی قرآنی برأت ظاہر فرمائی جب کہ مجھے ابن معطل نے اپنی اونٹنی پر سوار کیا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا آپ نے سوار ہوتے وقت کیا کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اس وقت میں نے ''حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' پڑھا تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بولیں یہی مؤمنوں کی شان ہے (یعنی کسی ایسے اہم کام کے آغاز پر جس کے انجام کا اندازہ نہ ہو یہ آیت پڑھ لینا چاہئے اللہ انجام اچھا کرے گا)۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت متعدد کتابوں میں موجود ہے ہم اسے تفسیر روح المعانی سے نقل کر رہے ہیں آپ نے فرمایا مجھے کچھ ایسے خصوصی فضائل حاصل ہیں جو دیگر ازواج النبی یا اور کسی عورت کو نصیب نہیں ہو سکے۔ ہاں وہ چند خصوصیات مستثنیٰ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کو عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنی ان فضیلتوں کے سبب دیگر ازواج پر فخر نہیں کرتی۔ آپ سے پوچھا گیا وہ خصوصیات کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: (۱) قبل نکاح، جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ریشمی کپڑے یا اپنی ہتھیلی میں میری تصویر لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا یہ تمہاری ہونے والی بیوی ہیں، (۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میری عمر چھ سال کی تھی اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی، (۳) میرے علاوہ کسی کنواری عورت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح نہیں کیا، (۴) یہ صرف میں ہی ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چادر میں میرے ساتھ ہوتے اور وحی الٰہی نازل ہو جاتی تھی، (۵) میرے سوا ازواج مطہرات میں سے کسی نے جبرئیل علیہ السلام کو نہ دیکھا، (۶) وصال کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرِ مبارک میری گود میں تھا میرے اور فرشتے کے علاوہ کوئی آپ کے قریب نہ تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور خصوصیات، احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بے شمار موجود ہیں، جن سب کو ایک جگہ جمع کر کے پیش کر دینا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہی سب کچھ ہے ناممکن ہے ان کا کافی حصہ آپ گزشتہ اوراق پر پڑھ چکے ہیں۔ چند مزید باتیں اور عرض کر کے ہم اس عنوان کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرب ترین صحابی، رفیق غار و قبر اور رفیق دنیا و آخرت، مسلم اول خلیفہ اول، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ہیں چونکہ آپ کی پیدائش سے قبل ہی آپ کے والدین مشرف باسلام ہو چکے تھے، لہٰذا آپ کو پہلی پیدائشی مؤمنہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے والدین، دادا، دادی، بہن، بھائی اور تقریباً دیگر تمام خونی رشتہ دار مشرف باسلام ہوئے۔ بروایت ابن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کو دوزخ کی آگ

سے آزادی کا مژدہ دنیا ہی میں سنایا گیا آپ طیبہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ'' پس سید الطیبین ﷺ کے حرمِ محترم میں شامل ہونا، آپ کے طیبہ ہونے کا واضح ثبوت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح کسی غیر طیبہ سے ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ تیمم کی اجازت اس امت کی خصوصیات میں سے ہے جو بوسیلہ ام المؤمنین ہی نصیب ہوئی کہ اگر آپ کا ہار ایک سفر کے دوران گم نہ ہوتا تو شاید ہمیں یہ نعمت بھی نہ ملتی۔ آیت تیمم کے نزول کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرًا اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مِنْهُ فَرَجًا وَ مَخْرَجًا وَجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ بَرَكَةً۔

(اے میری ماں) اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے جب بھی آپ کو کوئی دشواری پیش آئی اللہ نے خود ہی آپ کے لئے اس سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیا اور اس مشکل کو عام مسلمانوں کے لئے (تا قیامت) باعث برکت بنا دیا۔

یہ بھی آپ ہی کی خصوصیت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج سے ایلاء (تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے) کیا اور آیت تخییر نازل ہوئی۔ تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی اور ان سے فرمایا کہ جواب دینے میں جلدی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کر لینا لیکن آپ نے فوراً جواب دیا ''اَوَفِيْ هٰذَا اَسْتَاْمِرُ اَبَوَيَّ فَاِنِّيْ اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ'' کیا میں ایسے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی میں تو اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو منتخب کرتی ہوں۔

اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیگر ازواج مطہرات کو یہ آیت سنائی تو ساتھ ہی انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی بتایا اور اسی جواب کو بنیاد بنا کر تمام ازواج نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب تھا گویا میری ماں کی حکیمانہ و عاشقانہ فیصلے نے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر دیا جو کسی بھی زوجہ محترمہ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علیحدگی کی صورت میں بپا ہو سکتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علم حاصل کرنے اور دین سیکھنے میں بے حد حریص تھیں ہر وقت اس قسم کے سوالات کرتی رہتی تھیں جن کے جوابات شریعت مطہرہ کا ایک عظیم سرمایہ بن گئے اور بے شمار احکام شرع ہمیں انہی سے حاصل ہوئے بالخصوص عورتوں کے مسائل کا ماٰخذ تو آپ کے سوالات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوابات ہی ہیں۔

تقویٰ و پرہیز گاری میں بھی آپ کی خصوصیت اور فضیلت نمایاں تھی کہ شب و روز آپ نوافل، تلاوت قرآن اور دیگر اوراد و وظائف میں مصروف رہتی تھیں۔ بے حد فیاض اور سخی تھیں دربارِ خلافت سے آپ کی پینشن مقرر تھی جس دن یہ رقم آتی تھی اسی دن غرباء و مساکین میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ آپ کی ایک خادمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے آپ کو وظیفہ کی رقم ارسال فرمائی۔رقم آتے ہی آپ نے مجھے حکم دیا کہ فلاں فلاں کو دے دو میں حکم کے مطابق تقسیم کرتی رہتی حتیٰ کہ سب پیسے ختم ہو گئے۔حسب معمول آپ کا روزہ تھا گھر میں افطار تک کے لئے کچھ نہ تھا۔میں نے عرض کیا سیدہ! اچھا ہوتا کہ آپ کچھ پیسے بچا لیتیں تا کہ میں افطار کا انتظام کر لیتی۔آپ نے فرمایا تم نے مجھے پہلے کیوں یاد نہ دلایا خیر اللہ سب سے بڑا ہے۔

الحمد للہ ہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خراج عقیدت و محبت پیش کرتے ہوئے ان کے کافی فضائل و مناقب آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔جن کی اس اعلیٰ منصب و مقام کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں جو ہماری ماں کو حاصل ہے لیکن بہر حال ہم نے انہیں مطالعہ کرنے اور انہیں قلمبند کرنے میں خاصی محنت کی اور کافی وقت صرف کیا۔بحمد اللہ کئی دن رات ہماری سوچ خیالات اور تصور کا مرکز ہماری ماں بنی رہیں۔یہ سب کچھ ہم نے اپنی ماں کے دربار میں محض اپنی سعادت مندی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے کیا کاش وہ قبول فرمالیں اور ہمیں دنیا و آخرت میں بطور اجر وصلہ سعادت مندی نصیب ہو جائے۔آمین۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر رخصتی کے وقت نو سال کی تھی۔نو ہی برس آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں اس مختصر عرصہ میں آپ نے جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیکھا اور ہم تک پہنچایا۔اس سے کتب احادیث و سیرت بھری ہوئی ہیں جو آپ کی عقل وفہم، ذہانت، فطانت اور ذکاوت کا واضح ثبوت ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف صرف اٹھارہ برس کی تھی۔کل عمر چھیاسٹھ سال ہوئی گویا اڑتالیس برس کا طویل عرصہ آپ نے بحالت بیوگی بسر کیا اور اس کا ہر لمحہ درس و تدریس اور دین کی اشاعت و تبلیغ میں صرف کیا۔سترہ رمضان المبارک ۵۷ھ یا ۵۸ھ آپ کا تاریخ وصال ہے۔یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا، مدینہ منورہ ہی میں وصال ہوا۔حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔پردے کی پابندی کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔جنت البقیع میں ہی قبر ہے کس جگہ ہے اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔بس اسی جگہ یقین کر کے فاتحہ پڑھ لیتے ہیں جہاں کسی سعودی کا بھکاری بچہ اشارہ کر دیتا ہے اس سے زیادہ قابل اعتبار کوئی ثبوت نہ رہا کہ ظالموں نے میری ایسی عظیم ماں تک کی قبر مبارک کا نشان نہ چھوڑا لیکن نشان قبر مٹانے سے دلوں سے ان کی عقیدت و محبت کے نقوش تو نہیں مٹائے جا سکتے نہ ہی ان کی عظمت و فضیلت کو کم کیا جا سکتا ہے کہ اس کی حفاظت تو اللہ نے قرآن کریم کے ذریعہ کر دی ہے۔اللہ بے شمار رحمتیں نازل کرے میری ماں کی قبر انور پر اور ان کے فیوض و برکات ہم پر جاری رکھے۔سترہ رمضان المبارک ان کا یوم وصال یاد رکھنا چاہئے اور حسبِ استطاعت فاتحہ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ یہ بہت ہی باعث برکت ہے۔

چوتھی ماں

میری اور امت کی چوتھی ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا کی

خواہش رکھتے ہیں۔ پس میں تمہاری بات پر خاموش رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارادے کے متعلق تمہیں اس لئے کچھ نہ بتایا کہ میں قبل از وقت آپ کا راز فاش کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملال دور ہو گیا اور دل صاف ہو گیا یہ صحابہ کے درمیان خلوص و محبت کی ایک مثال ہے۔ جو ہمارے لئے قابل تقلید اور قابل عمل ہے کہ معاملات کی صفائی سے کدورتیں ختم ہوتی اور دل قریب ہوتے ہیں، رضی اللہ عنہم۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی ہی عبادت گزار تھیں نوافل پڑھنے، قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں ان کا اکثر وقت گزرا کرتا تھا۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں ساتھ ہی فقہ و حدیث میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساٹھ احادیث کی راویہ ہیں جن میں پانچ حدیثیں بخاری شریف میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی مشہور ہے جس کی وجہ سے انسان ہی نہیں جن بھی ان سے خوفزدہ رہتے تھے اور شیطان تو ان کے سایہ سے بھاگتا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی پر بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور آیا ہوگا۔ جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی سخت مزاج اور بہت حاضر جواب تھیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہ ڈر رہی رہتا تھا کہ بیٹی سے کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دل آزاری ہو۔ لہٰذا آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بیٹی تم بہت خیال رکھا کرو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دیا کرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہ کرنا اور نہ ہی آپ سے کوئی سخت کلامی کرنا۔ یاد رکھو اگر اللہ کے رسول ﷺ کی تمہاری کسی بات سے دل آزاری ہو گئی تو تم اللہ کے غضب کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں تمہاری دنیا و آخرت برباد ہو جائے گی۔

احادیث میں میری ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سخت مزاجی اور حاضر کلامی کے کئی دلچسپ واقعات موجود ہیں سب تو نہیں چند ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا کہ ہم عرب لوگ اپنے کسی معاملہ میں عورتوں کو کوئی اہمیت دینے اور ان کا مشورہ قبول کرنے کے عادی نہ تھے۔ ایک مرتبہ میری بیوی میرے کسی معاملہ میں بول پڑی اور مجھے مشورہ دینے لگی کہ تمہیں ایسا کرنا چاہئے مجھے بہت برا معلوم ہوا میں نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں میرے معاملہ میں مداخلت کی جرأت کیسے ہوئی اس نے کہا تمہاری بیٹی حفصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوب سخت کلامی کرتی ہے حتیٰ کہ آپ کئی کئی دن اس کی باتوں پر رنجیدہ رہتے ہیں لیکن کبھی اسے آپ اس طرح نہیں ڈانٹتے جیسے تم مجھے ڈانٹتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گھبرا گیا اور دوڑا ہوا حفصہ کے پاس پہنچا اور ان سے پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تم میرے آقا ﷺ سے اتنی سخت گفتگو کرتی ہو کہ آپ کو کئی دن تک اس کا ملال رہتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ایسا ہوتا ہے میں نے کہا خبردار تم ایسا ہرگز نہ کیا کرو اللہ کے عذاب سے ڈرتی رہو تمہارے شوہر عام انسان نہیں وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ ان کے دربار میں کسی کی بھی گستاخی گوارا نہیں فرماتا تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص ہرگز نہ کرنا وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی چہیتی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کی ناز برداری فرماتے ہیں۔

صاحبزادی ہیں۔ یہ میرے آقا ﷺ کی بصیرت، حکمت اور شفقت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کا رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تو آپ نے ان کے بعد سب سے افضل صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رشتہ داری کا شرف بخشا جبکہ اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے انہیں بھی یہ اعزاز بخشا گیا تا کہ خلفاء اربعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکمل اعتماد اور ان کے انتہائی قرب پر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو نہایت ہی بہادر، جنگجو اور جان نثار مجاہد تھے۔ اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ دین کی خاطر ہر مشکل کے مقابلہ کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ لڑائی کے دوران سخت زخمی ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچتے ہی شہادت سے مشرف ہوئے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی غزوۂ بدر میں شریک تھیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی میں اتنی مصروف تھیں کہ شوہر پر کوئی خصوصی توجہ نہ دے سکیں۔ ان کی شہادت کے بعد آپ پر رنج والم کا جو پہاڑ ٹوٹا اس کا اندازہ صرف وہی عورت کر سکتی ہے جس کا سہاگ ان کی طرح اجڑ گیا ہو۔ اکیس سال کی عمر تھی گویا بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ فطری طور پر والدین کو دوبارہ ان کا نکاح کرنے کی سخت فکر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر وقت اسی غم میں مبتلا رہتے تھے اور کسی نہ کسی طرح دوبارہ اپنی بیٹی کو سہاگن دیکھ لینا چاہتے تھے۔ فتح بدر ہی کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افسردہ بیٹھے دیکھا تو موقع مناسب جانا اور کہا اے عثمان میری بیٹی حفصہ سے نکاح کر لو۔ آپ نے جواب دیا مجھے سوچ لینے دو پھر چند دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جواب پر بہت افسوس ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر تم پریشان نہ ہو، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بیٹی کو عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی عطا فرما دے۔'' چند دن بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی وہ حفصہ سے نکاح کر لیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے کوئی جواب ہی نہ دیا۔ جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے حد ملال ہوا کچھ عرصہ بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا جو بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے لئے بڑا اعزاز تھا لہٰذا آپ نہایت ہی مسرت وخوشی سے راضی ہو گئے اور ۳ھ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہماری ماں بن گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اب تک اس بات کا ملال تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش کا کوئی جواب تک نہ دیا تھا لہٰذا ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ملال رفع کرنے کی غرض سے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اس انداز سے ذکر کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ان سے نکاح کی

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولیں حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا یہ غلط ہے تم تو نبی کی بیٹی ہو تمہارا چچا پیغمبر ہے اور رسول کے نکاح میں ہو پس حفصہ تم پر کیسے فخر کر سکتی ہیں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ازواج کی رقیبانہ گفتگو سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور ان کے درمیان آپ کو صلح صفائی کرانا اچھا معلوم ہوتا تھا یہ آپ کی عائلی زندگی کا ایک قابل عمل حصہ ہے)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن سے کہا کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں کیونکہ ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ طعنہ بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں تم نے ان دونوں کو کیوں نہیں بتایا کہ وہ تم سے زیادہ معزز کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ تمہارے شوہر سید الانبیاء محمد (ﷺ) ہیں اور تمہارا باپ اللہ کے نبی حضرت ہارون اور چچا حضرت موسیٰ علیہما السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور چونکہ یہ دونوں ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرب رکھتے اور آپس میں محبت کرتے تھے لہٰذا عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما بھی ایک دوسرے سے قریب تھیں اور اکثر ملتی جلتی اور باتیں کرتی رہتی تھیں ہم مزاج اور ہم مذاق تھیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی رقیبانہ نوک جھونک ہوتی رہی رہتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر میں تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ سفر کرتے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس پر بہت رشک ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ایک رات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر کروں انہوں نے کہا تو تم حضور سے گزارش کرو اگر وہ پسند فرمائیں گے تو ضرور ایسا ہو سکتا ہے۔ حفصہ نے کہا نہیں ایک تدبیر اور بھی ہے ہم ایسا کرتے ہیں کہ آج رات تم میرے ہودج میں آ جاؤ اور میں تمہارے ہودج میں بیٹھ جاؤں گی اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی خیال فرمائیں گے کہ اندر تم ہی ہو۔ وہ گفتگو فرماتے رہیں گے اور میں تمہاری آواز بنا کر بس ہوں، ہاں کرتی رہوں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں کہ وہ تو جانتی تھیں کہ جسے اللہ دلوں کا حال بتا دیتا ہے یہ بات اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور یہی ہوا کہ رات کو اللہ کے رسول ﷺ اس اونٹ کے پاس ہی تشریف لائے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف فرما تھیں۔ اب تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا غصہ کے مارے برا حال ہو گیا انہوں نے جھاڑیوں پر اپنے پاؤں مارنا شروع کئے اور کہنے لگیں اے اللہ کسی سانپ یا بچھو کو حکم دے کہ وہ مجھے ڈس لے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وصال ۴۵ھ میں ہوا اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تھا

اوران کی طرف سے مروان بن حکم مدینہ منورہ کے حاکم مقرر تھے لہٰذا انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی کافی دور تک جلوس جنازہ میں شریک رہے، جنازے کو کاندھا دیتے رہے پھر قبر انور تک جنازے کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ جنت البقیع ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ قبر کا پتہ نہیں اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

پانچویں ماں

میری پانچویں ماں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا تعلق نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر ابن صعصعہ سے تھا ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن حارث بن عبد المطلب تھے۔ مشرف باسلام ہوئے، ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے اور چند دن بعد مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں قیام کا فیصلہ کیا وہ نجد اپنے قبیلہ میں واپس نہ گئیں کیونکہ ان کے قبیلہ اور مسلمانوں کے درمیان سخت عداوت تھی۔ اسی قبیلہ نے بئر معونہ کے مقام پر مسلمان مبلغین کی ایک جماعت کو دھوکہ سے شہید کر دیا تھا۔ یہ جماعت چالیس یا ستر افراد پر مشتمل تھی۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حادثۂ فاجعہ کا ہمیشہ سخت رنج و ملال رہا غرضیکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔ وہ غرباء و مساکین سے ہمدردی ان کی امداد اور ان کی دیکھ بھال میں مشہور تھیں اور ام المساکین غریبوں کی ماں کہلاتی تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت کے ایام پورے ہوئے تو پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو پیغام نکاح دیا تو انہوں نے اس کو اپنے لئے ایک بڑا اعزاز سمجھا اور بخوشی قبول کر لیا۔ اس نکاح سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور ان کے قبیلہ کے درمیان عداوت میں کچھ کمی ہو سکے۔ ۳ھ میں نکاح ہوا۔ آپ اکثر علیل رہتی تھیں بالآخر تین ماہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں رہیں اور انتقال فرما گئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع ہی میں دفن ہوئیں، مزار مبارک نامعلوم ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں جن کا وصال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں ہوا ان کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم پاک میں صرف تین بیویاں رہ گئیں تھیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ بنت ابو بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہن۔

چھٹی ماں

ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ میری چھٹی ماں ہیں۔ ان کی پہلی شادی ابو سلمہ سے ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام ہی میں دونوں مشرف باسلام ہو گئے تھے اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ دونوں بھی مکہ مکرمہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے جب انہیں اطلاع ملی کہ مکہ کے حالات اب کچھ بہتر ہیں تو یہ واپس آ گئے لیکن یہاں آ کر دیکھا کہ مکہ خالی ہو چکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ بھی ہجرت کر کے جا چکے ہیں لہٰذا انہوں نے بھی مدینہ

منورہ جانے کا ارادہ کیا جب ام مسلمہ کے خاندان والوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے مزاحمت کی اور انہیں روک لیا ابوسلمہ ہجرت کر گئے لیکن جب ابوسلمہ کے خاندان والوں کو معلوم ہوا کہ ام سلمہ کو ان کے خاندان نے روک لیا ہے تو انہوں نے ان کا شیر خوار بچہ ان کی گود سے چھین لیا اور کہا کہ ہم اپنے بچہ کو ام سلمٰی اور اس کے خاندان کے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بیک وقت شوہر اور بچہ سے جدائی نا قابل برداشت تھی ایک سال تک ان کا یہ معمول رہا کہ وہ مکہ سے باہر اس مقام پر آتی تھیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا اور صبح سے دوپہر تک یہاں بیٹھی روتی رہتی تھیں پھر کعبہ میں آتیں اور باآواز بلند دعا کیا کرتی تھیں یا اللہ! تو آسمان سے ایسے گدھوں کو نازل فرمادے جو ان لوگوں کو کھا جائیں جنہوں نے مجھ سے میرے بچہ اور شوہر کو جدا کیا ہے ان کے خاندان کے لوگوں نے ہر چند چاہا کہ وہ بددعا نہ کیا کریں اور اپنے غم کو کسی طرح فراموش کر دیں لیکن ایسا نہ ہوسکا بالآخر ان کے شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا بچہ ان کے سپرد کیا اور ان کے خاندان والوں نے دونوں کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ سے باہر کر دیا۔

یہ تنہا غمزدہ خاتون اپنے ننھے سے بچہ کو لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی جیسے تیسے مدینہ منورہ پہنچیں اور اپنے شوہر سے جا ملیں انہوں نے اسلام کے لئے بے پناہ قربانیاں پیش کیں۔ مدینہ منورہ میں چند ہی دن سکون کے میسر آئے تھے کہ غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا اور ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جہاد میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ دوران جنگ شدید زخمی ہوئے ایک زخم زیادہ خطرناک تھا۔ جو چند دن میں مندمل تو ہو گیا لیکن ایک اور معرکہ میں یہ پھر کھل گیا اور اسی کی تکلیف سے مدینہ منورہ ہی میں ان کا وصال ہوا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ موت کے وقت خود اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس موجود تھے۔ روح پرواز کر جانے کے بعد آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھیں بند کیں چونکہ یہ نہایت جاں نثار اور بہادر سپاہی تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی موت کا شدید صدمہ ہوا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوہ کے ساتھ چار یتیم بچے بھی چھوڑے تھے۔ جن کی کفالت ان کے لئے اس دور میں آسان نہ تھی۔ زندگی کے شب و روز نہایت تنگی اور پریشانی میں بسر ہو رہے تھے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا احساس تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی سرپرستی اور ذمہ داری قبول کرنے کی غرض سے انہیں نکاح کا پیغام دیا لیکن انہوں نے معذرت کی اور اس کے تین سبب بیان فرمائے اور کہا کہ میں ایک عمر رسیدہ خاتون ہوں۔ دوسرے یہ کہ میں یتیم بچوں کی ماں ہوں ان کی کفالت میرے ذمہ ہے۔ تیسرے یہ کہ میں بہت غیور ہوں اپنی سوکنوں سے میں تعلقات استوار نہ رکھ سکوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عمر کی زیادتی نکاح نہ کرنے کا کوئی سبب نہیں تمہارے یتیم بچوں ہی کی کفالت کے لئے میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ رہا معاملہ رقابت کا تو میں اللہ سے دعا کروں گا تمہارے جذبات رقابت کی شدت کم ہو جائے گی اور تم میری دیگر ازواج کے ساتھ اچھی طرح رہ سکو گی ان باتوں کے بعد وہ راضی ہو گئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کا نکاح انجام پایا۔ اس طرح آقائے رحمت ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی کے بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور ان کی بیوہ کے رنج و ملال کو ختم کیا جو انہیں اپنے نہایت شفیق شوہر کی جدائی سے ہوا تھا۔

میری ماں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مرتبہ ان کے شوہر ابو سلمہ نے ایک حدیث سنائی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ کر صبر کرتا ہے اور اس طرح دعا کرتا ہے کہ ''اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْنِیْ خَیْرًا مِنْھَا'' اے اللہ اس مصیبت پر مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔ ''اَخْلَفَ اللّٰہُ خَیْرًا مِنْھَا'' تو اللہ اسے نعم البدل عطا فرما دیتا ہے۔ جب ان کے شوہر ابو سلمہ کا وصال ہوا تو انہوں نے اس ارشاد رسول پر عمل کیا۔ ''انا للّٰہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔ پھر حدیث میں مذکور پہلی دعا کی اے اللہ مجھے اس مصیبت پر اجر دے ابھی دوسری دعا کرنا ہی چاہتی تھیں کہ خیال آیا کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے تھوڑی دیر خاموش رہیں پھر سوچا میرے آقا ﷺ کا ارشاد غلط نہیں ہو سکتا پس دعا کی اے اللہ مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما کیونکہ دعا اعتماد کامل کے ساتھ کی تھی اور جب دعا میں یہ کیفیت ہو تو اللہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ام سلمہ پر کرم فرمایا اور وہ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج کی طرح نہایت ذہین اور ذکیہ تھیں۔ ان میں بروقت فیصلہ کرنے کی بے حد صلاحیت تھی اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر معاملات میں ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے درست ثابت ہوتی تھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک نہایت ہی دشوار مرحلہ پیش آیا کہ صلح نامہ مکمل ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر ادائیگی عمرہ حدیبیہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا اور تمام صحابہ کو حکم دیا کہ حلق کرا کے احرام کھول دیں لیکن چونکہ صلح کی شرائط صحابہ پر شاق تھیں اور وہ انہیں اپنی شکست خیال کر رہے تھے لہٰذا انہیں احرام کھولنے اور واپس مدینہ منورہ جانے میں تردد ہوا۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صحابہ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں انہوں نے سرکار کا نورانی چہرہ افسردہ دیکھا تو وجہ معلوم کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کا حال بیان کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مناسب ہوگا آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، بس اپنا احرام کھول دیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جب آپ احرام کھول کر باہر تشریف لائے تو سب صحابہ اٹھے انہوں نے حلق کرایا اور احرام کھول دیا اور میرے آقا ﷺ کی ایک بڑی الجھن دور ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عمر دراز عطا فرمائی۔ تمام ازواج کے بعد ان کا وصال ہوا۔ عمر شریف چوراسی برس ہوئی۔ ان کے سال وفات میں مختلف روایات ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت آپ موجود تھیں۔ یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا جبکہ یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں اپنا ایک بڑا لشکر مدینہ منورہ بھیجا۔ ان ظالموں نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا۔ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، تین دن تک نہ اذان ہوئی اور نہ نماز اس وقت چند صحابہ آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی لشکر کے متعلق فرمایا ہے کہ زمین میں دھنس جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ ضرور تباہ و برباد ہوگا۔ تین سو ستر احادیث کی روایت کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع شریف مدفن، قبر انور ظالموں کے ظلم کا شکار ہو گئی'' انا

للہ وانا الیہ راجعون'' اللہ میری ماں کی قبرانور پر ہرلحہ رحمت کی بارش برسائے، آمین۔

ساتوں ماں

میری ساتویں ماں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی عمیمہ کی بیٹی اور عبدالمطلب کی نواسی تھیں ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ جو شام کے رہنے والے تھے یہ وہی زید بن حارثہ ہیں جنہیں بچپن ہی میں تہامہ کے چند سوار شام سے پکڑ لائے تھے اور انہیں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کر دیا تھا۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد نے ان کو خریدا اور بطور تحفہ اپنی پھوپھی کو پیش کر دیا تھا اور انہوں نے اس غلام کو بطور ہدیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔

زید بن حارثہ

اپنے بچے کی گمشدگی پر زید کے والد اور دیگر اہل خاندان نہایت پریشان تھے اور جگہ جگہ، شہر شہر، میلوں اور بازاروں میں جا کر ان کو تلاش کرتے تھے بالآخر کسی طرح انہیں پتہ چل گیا کہ ان کا بچہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھ رہا ہے لہٰذا ان کے والد، چچا اور ایک بھائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: '' اے محمد بن عبداللہ تم لوگ بیت اللہ کے پڑوسی ہو، مصیبت زدوں کے معاون و مددگار رہو، غریبوں اور بھوکوں پر احسان تمہاری عادت ہے ہمیں پتہ چلا ہے کہ ہمارا بچہ تمہاری غلامی کر رہا ہے جبکہ وہ غلام نہیں ہم تمہیں منہ مانگی رقم پیش کرتے ہیں، للّٰہ ہمارے بچے کو ہمارے سپرد کر دو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو تمہارے مطالبہ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں زید کو بلاتا ہوں اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو تم لے جاؤ کسی فدیہ اور رقم کی ادائیگی کی ضرورت نہیں اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو تم اسے میرے پاس چھوڑ دو یہ لوگ راضی ہو گئے خوش ہو کر بولے آپ نے نہایت انصاف کی بہت اچھی بات کہی ہے لہٰذا زید کو بلایا گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو انہوں نے کہا جی یہ میرے باپ حارثہ ہیں اور یہ میرے چچا اور بھائی ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ان سے ملے بغلگیر ہوئے۔ اپنوں کو دیکھ کر اتنے ہی خوش ہوئے جتنا ایک عرصہ بعد مل کر ہونا چاہئے تھا اپنے گھر والوں کا حال احوال پوچھتے رہے۔ اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کو بتایا کہ یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں اور میں بخوشی تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو ان کے ہمراہ اپنے گھر چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی بلاتردد، بلاتامل اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا وہ بولے نہیں نہیں میں کسی کو آپ ﷺ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ ہی میرے باپ ہیں، چچا ہیں، سب کچھ ہیں۔ آپ ﷺ کی پناہ میں جو سکون و اطمینان ہے وہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے میں کسی حال میں کسی قیمت پر آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یہ حال دیکھ کر زید کے باپ، چچا، بھائی سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ جس نے سنا حیرت زدہ ہوا جبکہ حیرت

کی کوئی بات نہیں تھی جن کا مقدر اچھا ہوتا ہے اللہ انہیں اچھا ہی فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیتا ہے۔حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آقائے دو جہاں کی غلامی اختیار کر کے دارا آقا بننا تھا ہمارے سروں کا تاج بننا تھا تو انہیں یہ اعزاز نصیب ہو گیا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کے فیصلے کے بعد ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اَشْهِدُوْا اَنَّهٗ حُرٌّ وَاَنَّهٗ ابْنِیْ يَرِثُنِیْ وَاَرِثُهٗ'' تم گواہ رہو کہ یہ آج سے آزاد ہے اور میرا بیٹا ہے، میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث بنوں گا۔حضرت زید رضی اللہ عنہ کا مقدر جاگ گیا اس سے بڑا قابل رشک اعزاز ان کے لئے کیا ہو سکتا تھا کسی کو یہ شرف نصیب نہ ہو سکا۔ان کو لینے کے لئے آنے والوں کو بھی مسرت ہوئی، وہ خوشی سے جھوم اٹھے ان کے سر فخر سے بلند ہو گئے کہ ہمارا بیٹا صرف آزاد ہی نہیں ہے بلکہ شریف النسب شخص کا بیٹا ہے انہیں اور کیا چاہئے تھا مطمئن ہوئے اور چلے گئے۔

اب زید آپ ﷺ کی زیر تربیت تھے۔انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا۔بعثت کے بعد بھی آپ کو یہی نسبت حاصل رہی جس پر زید کو جتنا بھی فخر ہو گا وہ ہی جانیں کہ حبیب خدا ﷺ کی نسبت سے بڑی نسبت اور کون سی ہو سکتی ہے یہ اہل عرب کا دستور تھا کہ متبنیٰ منہ بولا بیٹا حقیقت میں بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔اس کو وہی تمام حقوق حاصل ہوتے تھے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے تھے۔عربوں کے یہاں یہ ایک رسم تھی اور اس رسم کا پورا پورا فائدہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا انہوں نے بھی بیٹا ہونے کا پورا پورا حق ادا کیا حتیٰ کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا اعلان کیا تو وہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے والوں میں سے ایک تھے۔

غلط رسموں کا خاتمہ

متبنیٰ کو حقیقی بیٹا قرار دینا عرب میں ایک رسم تھی لیکن غلط رسم تھی اس سے وراثت اور مصاہرت وغیرہ کے قوانین متاثر ہوتے تھے۔اسلام نے زمانہ جاہلیت کی بے شمار غلط رسموں کو مٹایا یا ان کے لئے قوانین واصول مقرر کر کے ان کی اصلاح کر دی۔اس رسم کے متعلق بھی قرآن کریم گویا ہوا۔فرمایا گیا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (احزاب: ۴، ۵)

اللہ نے ایک آدمی کے پیٹ میں دو دل نہیں بنائے اور اس نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے اور یہی زیادہ بہتر ہے اللہ کے نزدیک پس اگر تم نہ جانو ان کے باپوں کو تو وہ

تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تمہارے دوست ہیں اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم نادانستہ کر بیٹھو اور لیکن وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (قابل گرفت ہیں) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ اللہ احسن الخالقین جل مجدہ نے انسان کو، دو کان، دو آنکھیں، دو ہاتھ اور دو پیر تو عطا فرمائے لیکن دو دل نہیں پیدا کئے دل ایک ہی دیا لہٰذا ایک دل میں دو متضاد حقیقتیں جمع ہونا ممکن نہیں ایک دل میں اسلام اور کفر جمع نہیں ہوسکتا۔ ایک دل میں کسی ایک سے محبت وعداوت جمع نہیں ہوسکتی۔ ایک دل میں نور اور تاریکی کا جمع ہونا ممکن نہیں اور جب مجموعہ ضدین ہوگا تو دل دل نہ رہے گا بلکہ نفاق کا دفینہ بن جائے گا پس یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دل میں ایک عورت بحیثیت بیوی بھی ہو اور بحیثیت ماں بھی جیسا کہ اہل عرب کا دستور تھا کہ اپنی بیوی سے صرف اتنا کہہ دیتے تھے کہ "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ" تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اور بس سمجھ لیتے تھے کہ یہ عورت ہم پر ماں کی طرح حرام ہوگئی۔ اسلام نے اس لغو تصور کا خاتمہ کیا اور ظہار کو غیر مؤثر قرار دیا۔ ہاں صرف بطور سزا ایسا کہنے پر کفارے کا حکم دیا۔ انشاء اللہ ظہار کی تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان کی جائے گی۔

دوسری رسم جسے لغو قرار دیا گیا ہے، وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹا تصور کرنا بتایا گیا کہ یہ بھی غلط ہے جو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہے وہ حقیقی کیسے ہوسکتا ہے اسے اس کے باپ کی نسبت سے پکارا کرو اور اگر اس کے باپ کا تمہیں پتہ نہ ہو تو اپنا بھائی اور دوست جانو بیٹا ہرگز نہیں ہوسکتا لہٰذا تمہاری مطلقہ اس کی ماں نہ ہوگی وہ چاہے تو اس سے نکاح کر سکتا ہے اور اس کی مطلقہ تم پر حرام نہ ہوگی تم چاہو تو اس سے نکاح کر سکتے ہو یہی حال تمام دوسرے رشتوں اور معاملات کا ہوگا حتیٰ کہ جس طرح غیروں سے پردے کا حکم ہے۔ اس کے لئے بھی وہی حکم ہوگا اور یہ حکم متبنیٰ لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ہے کہ جس لڑکے کو تم نے بیٹا بنایا ہے تم اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر سکتے ہو اور جس لڑکی کو تم نے بیٹی بنایا ہے اس سے تم اپنے بیٹے کا نکاح کر سکتے ہو اور خود بھی اس سے نکاح کر سکتے ہو۔

قرآن کریم کے اس حکم کے بعد سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ زید کو زید بن محمد نہیں بلکہ زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جائے اور ایسا ہی ہونے لگا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت تبدیل ہو جانے کے باوجود بھی ان کے مقام میں کوئی فرق نہ آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے پہلے ہی کی طرح محبت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت زید کی شادی

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مربی اور کفیل تھے لہٰذا آپ ہی کو ان کی شادی کا اہتمام بھی کرنا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے بہت تامل کے بعد اس نسبت کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا انتخاب کیا اور انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پیغام نکاح بھیجا جسے وہ سن کر نہایت برافروختہ ہوئیں کیونکہ وہ قریش جیسے معزز خاندان کی بیٹی تھیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ پر غلامی کا داغ لگ چکا تھا۔ زینب کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سخت

ناراض ہوکر اس پیغام کو مسترد کر دیا اور اسے اپنی توہین سمجھا لیکن یہ فیصلہ الٰہی تھا جو ٹل نہیں سکتا تھا لہٰذا اس موقع پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (احزاب:۳۶)

نہ کسی مؤمن مرد کو یہ حق ہے اور نہ کسی مؤمنہ عورت کو جب فیصلہ فرمادے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر کوئی اختیار ہو انہیں اپنے معاملہ میں اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

یہ حکم اگر چہ مذکورہ بالا خاص موقع پر نازل ہوا لیکن قیامت تک کے غلاموں کے لئے عام ہے کہ انہیں اپنے ہر معاملہ کا حل شریعت مطہرہ سے طلب کرنا چاہیے اور جو شریعت کا حکم ہو چکا ہے بظاہر پسند نہ آئے لیکن اسی کی تعمیل ایمان کی علامت ہے۔ دیکھئے جونہی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے یہ حکم سنا اپنے بھائی عبداللہ کو بلایا اور کہا جلدی کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوکر بتا دیجئے کہ میں زید سے نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی بلاتامل دوڑے دوڑے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ آپ ﷺ زینب کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیں۔ یہ ہے کمالِ ایمان، حکم رسول پر عزت و ناموس قربان کر دینا ہی اہل ایمان کی شان ہے کہ دراصل یہی تو ان کی عزت و ناموس ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس فیصلے سے خوش ہوئے بارات لے کر ان کے گھر پہنچے خود نکاح پڑھایا اور خود ہی دس دینار مہر ادا فرمایا یہ نکاح درحقیقت اللہ کی ایک عظیم حکمت پوری ہونے کے لئے کرایا گیا تھا جیسا کے آگے آتا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق

چند دن بعد ہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان سخت اختلاف ہونے لگا کیونکہ بہر حال دونوں کی فطرت اور طبیعت ایک دوسرے سے مختلف تھی لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ ایک دن تنگ آکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور طلاق کی خواہش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سمجھایا لیکن وہ راضی نہ ہوئے اسی بات کو قرآن کریم نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ

(احزاب:۳۷)

اور یاد کیجئے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی احسان فرمایا اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ پوشیدہ رکھے ہوئے تھے اپنے دل

میں وہ بات جو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تو آپ نے انہیں بہت سمجھایا کہ دیکھو اللہ نے تم پر بڑا احسان کیا ہے کہ اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ نسب کی عورت کو تمہاری بیوی بنایا جبکہ اس احسان میں، میں بھی شریک ہوں لہٰذا تم کسی نہ کسی طرح زینب سے مصالحت کر لو اور طلاق نہ دو لیکن زید نہ مانے اور انہوں نے بہر حال طلاق دے ہی دی۔

تُخفِی فِی نَفسِکَ

یہ وضاحت ضروری ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے وقت اپنے دل میں کیا چھپائے ہوئے تھے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے "تُخفِی فِی نَفسِکَ" کے جملہ سے کیا۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ جو بات دل میں چھپی ہو اس کے متعلق کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ فلاں کے دل میں یہ بات ہے۔ یہ ایک الزام ہوگا، بہتان ہوگا لیکن افسوس ان بدنصیبوں پر جنہیں نہ الزام کی پروا اور نہ ہی بہتان کے وبال کی فکر بس وہ لوگوں کے دلوں کا حال جاننے کے دعویدار بن بیٹھے ہیں اور جب انہی سے کہا جائے کہ اللہ کی عطا اور دین سے اللہ کا رسول ہر دل کا حال جانتا ہے تو وہ کفر اور شرک کا فتویٰ لگانے لگتے ہیں انہی لوگوں نے "تُخفِی فِی نَفسِکَ" پڑھا اور بول اٹھے کہ (العیاذ باللہ) حضور ﷺ کے دل میں زینب کی محبت چھپی ہوئی تھی یعنی ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو منع کر رہے تھے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، اپنا گھر نہ بگاڑو اور دوسری طرف بقول اُن کے آپ کی خواہش تھی کہ اچھا ہو زید زینب کو طلاق دے دے تو میں ان سے نکاح کر لوں۔ اللہ اکبر کیسے جری ہیں یہ لوگ کیسے ظالم ہیں انہیں رسول کی عظمت کا ایک رتی احساس نہیں انہیں پتہ نہیں کہ وہ رسول کی طرف اس قسم کی لغویات منسوب کر کے کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اسلام کو کتنا نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آیئے ہم اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

غور فرمایئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "تُخفِی فِی نَفسِکَ" اے رسول حضرت زید رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے وقت تمہارے دل میں کچھ چھپا ہوا ہے جسے تم لوگوں کے خوف سے ظاہر نہیں کر رہے۔ لوگوں کا خوف بایں معنی ہے کہ لوگ یعنی منافقین اور دیگر دشمنان اسلام یہ کہہ کر باتیں بنائیں گے، ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا، فساد پھیلے گا حتیٰ کہ بعض مسلمان بھی بدگمانی کا شکار ہو سکتے ہیں جو ان کے ایمان کے لئے بڑا خطرہ ہوگا۔ "وما اللّٰہُ مُبدِیہ" یعنی اے رسول ہم تمہارے دل میں پوشیدہ راز ظاہر کرنے والے ہیں۔ اب غور فرمایئے راز کیا تھا ہمیں یہ معلوم لیکن دلوں کا حال جاننے والا اس راز کو ظاہر کرنے والا ہے پس ہمیں وہی راز ماننا ہوگا جو اللہ نے ظاہر فرمایا اپنی طرف سے باتیں بنانے اور بکواس کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی اس کا حق ہے۔ اب سنئے راز کیا تھا اس راز کا اعلان اس آیت کے اگلے حصہ میں ہو رہا ہے۔ فرمایا "زوجنکھا" ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا تمہیں معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے لیکن تم نے قبل از وقت فتنہ و فساد کے خوف سے راز کو ظاہر نہ فرمایا اے پیارے تم پیکر صبر و استقلال ہو تم میں بڑا ہی تحمل ہے تمہارا سینہ رازہائے الٰہی کا خزینہ ہے پس تم نے اس راز کو راز رکھا

اور وقت آنے پر ہم نے اسے ظاہر کر دیا۔ اب لوگوں کی کوئی پروانہ کرو ہم سب کی زبانیں بند کر دیں گے، سب فتنوں کو دبا دیں گے صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہو اور اللہ کے حکم پر پوری ہمت سے عمل کرو یعنی زینب کو اپنے حرم پاک میں لے لو۔

لیجئے میرے خیال سے بات واضح ہو گئی راز ظاہر ہو گیا جو راز اہل ایمان اور منافقین و گستاخان رسول کے درمیان ذریعہ امتحان و آزمائش تھا اور بحمد اللہ اس امتحان میں ہمارے اسلاف اور ان کے طفیل ہم کامیاب ہوئے اسی راز کے متعلق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت امام زید العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی مَا اَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی بِهٖ اَنَّ زِيْنَبَ سَيُطَلِّقُهَا زَيْدٌ وتَتَزَوَّجُهَا بَعْدَهٗ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر یہ وحی نازل فرما دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔

اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا" کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ازواج میں شامل ہو جائیں گی پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کی شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کو بتا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔" پھر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" اس کے خلاف جن روایات میں "مَا فِيْ نَفْسِكَ" کی تعبیر "حُبّ" زینب سے کی گئی ہے انہیں بیان کرنا ہم نے پسند نہیں کیا کیونکہ ان روایات میں کوئی صداقت نہیں۔" یعنی یہ لغو باتیں ہیں جو قابل ذکر بھی نہیں کہ لغوبات کی اشاعت اور انہیں آگے بڑھانا لغو اور بے سود ہی ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق ہو گئی اور وہ حکمت باری تعالیٰ کے مطابق حرم نبوی میں آ گئیں اور انہیں امت مسلمہ کی ماں ہونے کا عظیم اعزاز نصیب ہو گیا۔ قرآن کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے نکاح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (احزاب: ۳۷)

پھر جب زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تا کہ ایمان والوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں اور اللہ کا حکم ہر حال میں (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔

آیہ مبارکہ وضاحت کر رہی ہے کہ یہ نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی ہی سے نہ ہوا تھا بلکہ یہ فیصلہ الٰہی تھا جو

پورا ہو کر رہا اس فیصلہ پر عمل کے لئے ضروری تھا کہ زینب کو ان کے پہلے شوہر سے طلاق دلائی جائے تو ایسا ہی ہوا کہ مقلب القلوب اللہ جل مجدہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دل زینب کی طرف سے پھیر دیا اور انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی لہٰذا اس اعلانِ الٰہی کے بعد نہ تو کسی مؤمن کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی کے لئے کوئی اعتراض کی گنجائش باقی رہی اب بھی کوئی بکواس کرے تو کرتا رہے۔ اے ہمارے پیارے محبوب! آپ لوگوں کی باتوں کی ہرگز پروانہ کریں ''وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ'' صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہئے۔

سورۂ احزاب کی اس آیت اور اس سے اوپر کے حصہ پر دوبارہ غور کیجئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آیۂ مبارکہ میں اس واقعہ کے سب اہم حصوں کو بیان فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ پورا واقعہ اللہ کی مرضی اور اس کی ایک عظیم حکمت کی تکمیل کے لئے وجود میں آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زینب کا رشتہ زید سے کیا یہ صرف حضور ہی کا فیصلہ نہ تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کا فیصلہ تھا جو پورا ہونا یقینی تھا۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ زید کا طلاق پر آمادہ ہونا ان کا اپنا فیصلہ تھا ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو انہیں ایسا کرنے سے روکا تھا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک میں جو بات چھپی ہوئی تھی اس کو ظاہر بھی کر دیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو محبوبانہ تنبیہ کر دی گئی کہ جس امر کو اللہ ظاہر کرنے ہی والا ہے اسے آپ لوگوں کے خوف سے کیوں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ راز یہ تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فیصلہ کر دیا تھا۔ اس فیصلہ میں جو حکمت تھی اسے بھی بیان کیا گیا کہ اسی طرح ہم نے ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کی اس دشواری کا خاتمہ کر دیا جو انہیں اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقات سے نکاح کرنے میں پیش آ سکتی تھی۔ اس حکمت کی تفصیل یہ ہے کہ:

اہل عرب متبنیٰ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا جانتے تھے اس سے وہی تمام رشتے اور تعلقات قائم ہوتے تھے جو حقیقی اولاد سے ہوتے ہیں۔ شادی، بیاہ، وراثت وغیرہ کے تمام احکام اس کے لئے وہی تھے جو حقیقی اولاد کے لئے تھے۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اسلام نے اس رسم کو ختم کیا اس کے لئے واضح حکم نازل فرمایا جو گزر چکا ہے لیکن یہ رسم اہل عرب میں اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اس کو ختم کرنے کے لئے صرف حکم کافی نہ تھا۔ ضروری تھا کہ عملی طور پر اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں قائد و رہبر اور حاکم کا عمل جس قدر مؤثر اور قابل تقلید ہوتا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا اور جبکہ قائد و رہنما، اللہ کا رسول ہو جس کا ہر عمل اللہ کے حکم کے عین مطابق ہوتا ہے اور امت کا ہر فرد اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو خصوصی طور پر ارشاد موجود ہے ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی۔ نیز فرمایا گیا ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے ان کی ہر بات اللہ کی وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جس کا کلام وحی الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اس کا کوئی عمل حکم الٰہی کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کے رسول کی تو ہر ادا حتیٰ کہ حرکت زبان، حرکت عقل و دل سب اللہ ہی کے حکم کے مطابق ہے لہٰذا ان کی اداؤں پر عمل کرنا اور ان کی باتوں کو تسلیم کرنا درحقیقت اللہ ہی کے احکام پر عمل ہے اسی کی رضا کا ذریعہ ہے پس

ایک مضبوط رسم کی بیخ کنی کا مؤثر طریقہ صرف یہی تھا کہ حکم الٰہی پر اولاً رسول سے عمل کرایا جائے۔ رسول بھی وہ جوامت کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا گیا۔ اب اگر یہ عمل رسول از خود کرتے تو واقعی فتنہ وفساد ہوتا، لوگ رسول کی عظمت کو داغدار کرتے، اپنے ایمان کو برباد کر لیتے پس اللہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ اس عمل کی نسبت اپنی طرف فرمائی ''زَوَّجْنٰکَھَا'' ہم نے اے محبوب آپ کا نکاح زینب سے کیا ہے۔ اب اعتراضات کے تیر جسے چلانے ہیں وہ ہم پر چلائے اور اپنے آپ کو چھلنی کر لے اے رسول آپ کا دامن عصمت پاک وصاف رہے گا اور آپ کا عمل اہل ایمان کے لئے سہولت کا وسیلہ اور قابل تقلید ہوگا۔

اللہ کا یہ فیصلہ قیامت تک آنے والے امت کے قائدین، علماء ومشائخ اور حکام پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ جب بھی مسلم معاشرے میں خلاف شرع رسومات اور بدعات کی جڑیں پھیلیں فوراً ان کے خاتمہ کے لئے قانون نافذ کئے جائیں اور سب سے پہلے خود ذمہ دار حضرات اس پر عمل کریں تاکہ امت کے لئے عمل آسان ہو سکے مثلاً ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اللہ نے واضح اجازت دی ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ اور اسلاف کی سنت ہے اور بے شمار معاشرتی ومعاشی مسائل کا حل ہے لیکن آج ہمارا معاشرہ اس نیک عمل کو اس قدر معیوب قرار دیتا ہے کہ ضرورت ووسعت کے باوجود اس پر عمل دشوار ہو گیا ہے حتیٰ کہ مطلقات اور بیوہ عورتوں کے نکاح کرنے کو بھی معیوب قرار دیا جا رہا ہے جبکہ ایسی عورتیں معاشی ومعاشرتی اعتبار سے سخت الجھنوں میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے جو ہمارے معاشرے کو بے شمار مفاسد اور جرائم میں مبتلا کر رہی ہے اور ہم اللہ ورسول کے احکام کو مردہ قرار دینے اور ختم کر دینے کے جرم میں مبتلا ہیں جو بلاشبہ ایک بڑا گناہ ہے۔ یہ ہمارے قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے حکم کی تعمیل کریں تاکہ ان کی اتباع میں قوم کے لئے یہ عمل آسان ہو سکے۔ اسی طرح دوسری مثال جہیز کی ہے۔ اس غیر شرعی رسم کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اتنی پھیل چکی ہیں کہ بیشمار نوجوان بچیاں، جہیز میسر نہ آنے کے سبب ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے محروم ہیں اور ان کے والدین محض اس لعنت کی وجہ سے پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں یا جنہیں موقع ہاتھ آتا ہے وہ غیر شرعی اور غیر قانونی طریقوں سے یہ رسم پوری کرنے کے لئے دولت حاصل کرتے ہیں یا اپنے سر پر قرضہ کا بوجھ لاد تے ہیں جس کے برے نتائج ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ اگر ہمارے رہنما اور حکام اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی کریں اور اپنی بچیوں کی شادی واقعی نہایت سادگی اور معمولی لوازمات زندگی کے ساتھ کریں تو یہ مسئلہ بھی نہایت آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ جہیز کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے میری بچیوں کے رشتے بآسانی ہو سکتے ہیں اور اس رسم کی بیخ کنی کر کے بہت سے جرائم کو ختم کیا جا سکتا اور بے شمار گھروں کو سکون کی زندگی فراہم کی جا سکتی ہے کیونکہ نکاح تو ایک نہایت ہی سادہ اور سستا عمل ہے جسے جہیز اور دیگر غیر ضروری وغیر شرعی رسومات نے سب سے زیادہ مہنگا بنا رکھا ہے۔ اسی طرح ہر معاملہ میں قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود شریعت مطہرہ پر عمل کی ابتدا کریں تاکہ قوم کے لئے اس پر عمل کرنا آسان ہو سکے۔

بہر حال ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلق اس قدر قرآنی وضاحت کے باوجود منافقین نے اپنا کام کیا اور میرے آقا ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے سے باز نہ آئے یہی بکتے رہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بہو

سے نکاح کر لیا، العیاذ باللہ زید کو بیٹا بھی کہا اور اس کی مطلقہ کو اپنی بیوی بھی بنا لیا۔ ان خبثاء نے آسمان سر پر اٹھا لیا معلوم ہوتا تھا کسی جنگل میں آگ لگ گئی۔ جس میں منافقین جل رہے اور تڑپ رہے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مزید طمانیت کے لئے ایک واضح اعلان فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (احزاب: ۴۰)

محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

محمد ﷺ نہ تو زید کے باپ ہیں اور نہ تم میں سے کسی اور مرد کے باپ ہیں لیکن تم سے ان کا رشتہ کمزور نہیں اور نہ ہی تم پر ان کی شفقت کسی سے کم ہے کہ باپ تو صرف ظاہری و مادی طور پر تمہارا مربی ہوتا ہے اپنی وسعت و استطاعت کے محدود دائرے میں رہتے ہوئے وہ تمہاری ضروریات پوری کرتا ہے۔ محمد ﷺ باپ تو نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں جو تمہارے ظاہری و مادی مربی بھی ہیں اور جو تمہیں باطنی و روحانی تقویت بھی بخشتے ہیں ''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ'' تمہاری تکالیف ان پر بار ہوتی ہیں۔ ''رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' وہ تم پر بڑے ہی مہربان رحم فرمانے والے ہیں ان کی عنایات کا سلسلہ صرف اس ظاہری دنیا تک ہی نہیں بلکہ اُخروی زندگی میں بھی وہی تمہارے لئے وسیلہ و سہارا بنیں گے جس دن نہ کوئی دوست کام آئے گا نہ کسی کی سفارش چلے گی بس یہی سہارا ہوں گے ﷺ لہٰذا اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض لغو ہے کہ رسول نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ زید ان کے بیٹے نہیں آزاد کردہ غلام ہیں ایسے ہی جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دیگر حالات

اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتی تھیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ'' زینب اکثر امور میں میرا مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ اسی لئے ان دونوں میں کچھ زیادہ ہی رقابت چلتی تھی اور نوک جھونک ہوتی رہتی تھی لیکن اس کے باوجود دل کی نہایت صاف، حقیقت پسند اور حق گو تھیں۔ اسی لئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ افک کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان کی رائے طلب فرمائی تو انہوں نے نہایت دیانت سے فرمایا ''مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا'' مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلائی کے سوا کسی بات کا علم نہیں۔ یہ جواب تھا اس سوکن کا جو شدید رقابت میں مبتلا رہتی تھیں لیکن نہایت دیانت دار تھیں لہٰذا اپنے مفاد کا خیال کئے بغیر حق بات کہی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ان کی صداقت اور دیانت کا اعتراف کیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخاوت اور فیاضی میں خصوصیت حاصل تھی جس کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا ''اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا'' تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے جس کے

ہاتھ تم سب سے لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جب سب ازواج ایک جگہ جمع ہوتی تھیں تو دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ کر ناپا کرتی تھیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں اور وہ کون ہے جو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے والی ہیں لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہماری سمجھ میں آیا کہ آپ نے یہ بات ان کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے فرمائی تھی۔

وہ خود دستکاری کر کے اپنی روزی کماتی تھیں جس سے اپنی نہایت اہم ضروریات پوری کرتی تھیں اور بقیہ رقم غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتی تھیں۔ بیت المال سے بھی قانون کے مطابق ان کا وظیفہ جاری تھا جو بارہ ہزار درہم کی بڑی رقم تھی لیکن آپ نے صرف ایک سال اسے قبول فرمایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ رقم آپ کو بھیجی تو آپ نے اسے دیکھے بغیر اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ یہ میرے عزیزوں اور دیگر ضرورتمندوں میں تقسیم کر دو پھر آپ نے دعا کی یا اللہ آئندہ سال یہ وظیفہ مجھے نہ ملے آئندہ سال وظیفہ کا وقت آنے سے پہلے ہی آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئیں۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایک کفن بھیجیں گے دونوں میں سے ایک خیرات کر دیا جائے لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ حرم نبوی میں جب آپ داخل ہوئیں اس وقت آپ کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ ۲۰ ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر شریف ترپن برس کی تھی۔ امیر المؤمنین نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی آرزو تھی کہ اپنی ماں کو قبر میں بھی خود اتاریں۔ آپ نے دیگر ازواج سے معلوم کرایا کہ انہیں قبر میں کون اتارے گا۔ حرم مبارک سے جواب آیا کہ جو اُن کے گھر آتے جاتے تھے وہی انہیں قبر میں بھی اتاریں گے یعنی جو ان کے محرم ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ پہلی ماں تھیں جو اس دار فانی سے رخصت ہوئیں لہٰذا ان کے جنازے میں غیر معمولی اژدہام تھا اور ہر آنکھ پرنم نظر آتی اور ہر دل غمزدہ تھا۔ لوگوں کو احساس ہو رہا تھا کہ اب ہماری ماؤں کے جانے کا بھی آغاز ہو گیا ہے اور ہم اس عظیم نعمت سے بھی محروم ہو رہے ہیں جو ہمارے لئے بڑا سہارا تھی کہ اب تک ہماری ماؤں کے وسیلہ سے ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کے بعد نہ جانے ہماری نسلوں کا کیا حال ہوگا بہرحال میری یہ ساتویں ماں بھی رخصت ہوئیں، ''انا للّٰہ و انا الیہ راجعون''۔

حضرت ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خزانہ علم و عرفان سے وافر حصہ پایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وہ بھی تبلیغ و اشاعت دین کی ذمہ داری پوری کرتی رہیں گیارہ احادیث نبویہ کی راویہ ہیں دو پر بخاری و مسلم نے اتفاق کیا ہے بقیہ نو دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

آپ کو جنت البقیع ہی میں دفن کیا گیا دیگر ازواج کی طرح آپ کی قبر انور کا بھی کوئی نام و نشان نہیں۔

آٹھویں ماں

میری آٹھویں ماں، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا ہیں۔ اصل نام رملہ تھا۔ ابوسفیان اور اس کی بیوی

ہندہ کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد تکلیف پہنچائی، اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا لیکن آقائے رحمت ﷺ کی نظر کرم نے انہیں جہنم کی آگ سے بچایا اور یہ مشرف باسلام ہوئے۔ چاہے قدرے تاخیر سے ان کی بیٹی رملہ ان سے کچھ زیادہ خوش نصیب نکلیں کہ انہوں نے ابتدائی ایام میں ہی اسلام کے نور سے اپنے قلب کو روشن و منور کر لیا۔ ''ذلک فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء'' اپنے اپنے مقدر کی بات ہے صرف اسلام میں سبقت ہی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے وہ مقدر کی کھری نکلیں حتیٰ کہ ام المؤمنین بننے کا عظیم اعزاز پایا۔

ان کا پہلا نکاح مکہ ہی میں عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا وہ بھی ایمان لے آئے تھے لیکن شیطان نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور مرتد ہو گئے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم زیادہ ہوئے اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو ہجرت کر کے حبشہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کی۔ عبید اللہ بن جحش کچھ زیادہ ہی شرابی تھا حبشہ جا کر وہ مزید شراب میں غرق رہنے لگا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس کی اس عادت سے بیزار تھیں لیکن مجبور تھیں کیا کرتیں ویسے بھی اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ سوائے چند کے سب ہی اہل عرب میں شراب نوشی کی وباء عام تھی بہر حال اللہ محفوظ رکھے جب کوئی حد سے زیادہ بغاوت و نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس پر اللہ کا غضب بایں صورت نازل ہوتا ہے کہ اسے مزید جہنم کی طرف ڈھکیل دیا جاتا ہے اور ناکارہ سوکھے درخت کی طرح اسے جہنم کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ عبید اللہ بن جحش پر بھی اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ بدنصیب عیسائیت کو قبول کر کے مرتد ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کسی مؤمنہ کا ایک مرتد کے ساتھ ایک لحہ بھی رہنا اپنے آپ کو جہنم کی آگ پر پیش کرنا ہی تو ہے پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جیسی مؤمنہ کا ملہ جو پہلے ہی اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر چکی تھیں۔ اسلام ہی انہیں سب سے زیادہ محبوب تھا جس کے مقابلہ ایک مرتد شوہر کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی لہٰذا آپ نے عبید اللہ بن جحش سے علیحدگی اختیار کر کے دین کے لئے ایک اور قربانی پیش کر دی جو مستقبل میں خوب رنگ لائی۔

اب آپ اپنی بیٹی حبیبہ کے ہمراہ تنہا رہنے لگیں جو حبشہ ہی میں پیدا ہوئی تھیں ایک تنہا عورت کو جن مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہوتا ہے آپ ہمت و جرأت کے ساتھ ان سے نبرد آزما تھیں کسی طرح یہ بات نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوئی کہ اسلام کے لئے ایثار و قربانی کرنے والی ایک مؤمنہ پردیس میں تنہائی کے شب و روز بسر کر رہی ہے اور سخت پریشان ہے۔

''عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' کی شان رکھنے والے آقائے رحمت ﷺ اپنی خادمہ کا یہ حال سن کر مضطرب ہو گئے۔ ام حبیبہ کی پریشانیوں اور الجھنوں کو ختم کرنے اور ان کے ایثار و قربانی کا صلہ دینے کا آپ کے پاس اس سے بہتر طریقہ کوئی نہ تھا کہ آپ انہیں اپنی پناہ میں لے لیں اور حرمِ مقدس میں شامل کر لیں لہٰذا ۵ھ میں آپ ﷺ نے نجاشی شاہِ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری خادمہ امِ حبیبہ کو ہماری پناہ میں لے لیا جائے اور ان سے ہمارا

نکاح کر دیا جائے۔ اپنے آقا ﷺ کے اس کریمانہ فیصلے کو ام حبیبہ نے سنا تو ان کا کیا حال ہوا یہ آپ انہی کی زبانی سنیں، فرماتی ہیں کہ:

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی جس کا نام ابرہہ تھا میرے پاس اس کا پیغام لے کر حاضر ہوئی۔ یہ خادمہ نجاشی کے بہت قریب تھی۔ اس کا لباس تبدیل کراتی اور اس کے بالوں میں تیل ڈالتی اور کنگھی کیا کرتی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اسے اجازت دی۔ وہ آئی، خوش تھی، بولی کہ بادشاہ نے مجھے آپ کے لئے ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔ میں بے چین ہوگئی کہا جلد بتاؤ کیا پیغام ہے۔ وہ بولی آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے ہمارے بادشاہ کو لکھا ہے کہ ان سے آپ کا نکاح کر دیا جائے اور آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا جائے اب آپ کسی کو اپنا وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے اس نکاح کو قبول کرے۔

یہ پیغام سن کر میری تو خوشی کی انتہا ہی نہ رہی کہ میرے لئے اس سے بڑا اور کیا اعزاز ہو سکتا تھا۔ میں نے ابرہہ کو نہ جانے کیا کیا دعائیں دیں اس کو خوب گلے لگایا اور بطور انعام اپنے دو کڑے، انگوٹھیاں اور پازیبیں اتار کر اسے دے دیں اور فوراً خالد بن سعید بن عاص کو بلا کر یہ خوشخبری سنائی اور اپنا وکیل مقرر کیا۔

اسی دن تقریب نکاح کا شاہی محل میں اہتمام کیا گیا کئی مہاجرین کو جن میں جعفر بن ابی طالب بھی تھے دعوت دی گئی۔ نجاشی نے خود خطبہ نکاح پڑھا چار سو دینار مہر مقرر ہوا اور کتنے ہی دینار حاضرین مجلس پر برسائے گئے۔ مہر کی رقم خالد بن سعید کی معرفت مجھے موصول ہوئی اور میں اب حرم نبوی کی ایک معزز خاتون قرار پائی لہٰذا مجھے وہی مقام و منصب دیا گیا جو میرا حق بن چکا تھا۔ رسم نکاح ختم ہوئی تو لوگ اٹھ کر جانے لگے لیکن نجاشی نے اعلان کیا کہ سنت انبیاء کے مطابق کھانا پیش کیا جائے گا تمام حضرات کھانے سے فارغ ہو کر جائیں۔ شاہی دسترخوان پر پُرتکلف کھانے چنے گئے شراب کے جام پیش کئے گئے اور لوگ خوب خوب لطف اندوز ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

باختلاف روایت ۶ ھ یا ۷ ھ میں آپ کا نکاح ہوا اور فوراً ہی آپ کو شاہی اعزاز کے ساتھ شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا جو حبشہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر مقرر تھے۔ اس نکاح میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں تھیں ان میں سے ایک ابوسفیان سے رشتہ قائم کرنا بھی تھا تاکہ اس نازک رشتے کی وجہ سے ابوسفیان کی اسلام دشمنی کچھ کم ہو سکے اور ایسا ہی ہوا کہ ۷ ھ کے بعد ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کا واقعہ نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جوش میں خاصی کمی ہوئی تھی کہ اپنی بیٹی کے اس نکاح کی خبر پا کر اس نے اس پر اظہار فخر کیا اور خوش ہوا نیز اس کے چند ماہ بعد ۸ ھ میں واقعہ حدیبیہ پیش آیا جس میں مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان ایک

معاہدہ طے پایا تھا لیکن اہل مکہ اس معاہدہ کی زیادہ عرصہ پابندی نہ کر سکے اور ان کی طرف سے خلاف ورزی کے ایک واقعہ کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ختم ہو جانے کا اعلان فرما دیا تھا۔ ابوسفیان اس وقت مکہ میں موجود نہ تھا واپسی پر جب انہیں پتہ چلا تو بہت اظہار افسوس کیا اور خود اس معاہدے کی پابندی کی درخواست لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر وہ پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے اور ان کی توقعات کے برعکس بیٹی نے ان کا کوئی خاص جذباتی اور والہانہ استقبال نہ کیا بلکہ جب وہ بیٹھنے لگے تو انہوں نے جلدی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ شاہانہ و پاکیزہ بستر لپیٹ دیا جو پہلے سے بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان بیٹی کی اس حرکت پر حیرت زدہ ہو کر بولے بیٹی کیا یہ بستر میرے شایان شان نہیں یا میں اس بستر کے لائق نہیں جو تم نے اس پر میرا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اسے لپیٹ دیا۔ میری جرأت مند اور مقدس ماں بولیں: ''آپ کفر و شرک کی نجاست میں ملوث میرے آقا ﷺ کے پاکیزہ بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں جس پر وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔'' باپ نے بیٹی کے اس تیر جیسے جملہ کا زخم کیسے برداشت کیا ہوگا یہ اسی کا دل جانے بس اس نے خون کا سا گھونٹ پیا اور مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا لیکن وہ خاموش رہیں اور ابوسفیان اٹھ کر مسجد نبوی شریف کی طرف چل دیئے۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ہمراہ مسجد سے باہر آ رہے تھے ان کی نظر ابوسفیان پر پڑی بس فوراً تلوار تانی اور اس کا تعاقب کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ابوسفیان کو پناہ دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا۔ ابوسفیان نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر مدینہ منورہ آنے کا مقصد بیان کیا آپ خاموش رہے بالآخر ابوسفیان کو یہ جانے بغیر ہی واپس لوٹنا پڑا کہ اب مسلمان معاہدے کی پابندی کریں گے یا اہل مکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ایک سال بعد ہی مکہ پر حملہ آور ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کے لئے مکہ کو اہل ایمان کے لئے جائے امن و سکون بنا دیا ''وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا''۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متقیہ اور پرہیزگار تھیں انہوں نے بھی علم نبوی کے خزانہ سے وافر حصہ حاصل کیا اور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پینسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں جو بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے سترہ سال قبل پیدا ہوئیں گویا تقریباً آپ سے تیئس برس چھوٹی تھیں۔ بوقت نکاح ان کی عمر چھیالیس برس کی ہوگی۔ ۴۴ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۹ میں آپ کا وصال ہوا۔ جنت البقیع میں اور ایک روایت کے مطابق دمشق کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا لیکن دمشق کے وسیع و عریض قبرستان میں باوجود تلاش کے ہمیں اپنی محترم ماں کی قبر کا پتہ نہ چل سکا جبکہ جنت البقیع میں تو کسی کی قبر کا بھی پتہ نہیں، واللہ اعلم۔

نویں ماں

میری نویں ماں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی اور عرب کی ایک معزز ترین خاتون تھیں۔ ان کا پہلا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا جو غزوہ مریسیع میں بحالت کفر قتل ہوا۔ یہ غزوہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ دو شعبان سوموار کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس غزوے کے لئے تشریف لے گئے

تقریباً ایک ماہ بعد یکم رمضان المبارک کو آپ کی واپسی ہوئی۔ اس موقع پر آپ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں شرکت کے لئے چھ ہزار مجاہدین کا لشکر تھا یہ وہی غزوہ ہے جس سے واپسی کے موقع پر واقعہ اِفک کا حادثہ پیش آیا۔ جس کو ہم گزشتہ اوراق پر تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔ اس غزوے میں کفار کے بہت سے مرد و عورت گرفتار ہو کر مجاہدین اسلام کے قبضہ میں آئے جنہیں جنگی قواعد کے مطابق غلام ولونڈی بنالیا گیا۔ انہی میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جو ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں تھی چونکہ وہ ایک سردار کی معزز بیٹی تھیں لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو غلامی کی ذلت سے بچانے کے لئے ثابت بن قیس سے گزارش کی کہ آپ مجھے کچھ رقم لے کر آزاد کردیں۔ معاملہ نو اوقیہ سونے پر طے ہوا لیکن ان کے پاس اتنا سونا نہ تھا لہٰذا وہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در پر حاضر ہوئیں جن کی سخاوت وفیاضی کے چرچے وہ پہلے ہی سن چکی تھیں۔ سارا معاملہ بتایا اور عرض کی کہ میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں جسے ادا کر کے میں آزاد ہوسکوں اگر آپ میری امداد کریں تو میں آپ کی احسان مند بھی ہوں گی اور آپ کی رقم سے زیادہ ادا کردوں گی۔

یہ درخواست اس آقائے جہاں پناہ ﷺ کے دربار میں پیش ہوئی تھی جنہیں ایک قبیلہ کے سردار کی معزز بیٹی کا غلامی کی پستی میں جانا تو درکنار دشمن کے دیگر قیدیوں کا بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جانا گوارا نہ تھا وہ تو سب ہی کو آزاد کردینا چاہتے تھے کہ ان کی تشریف آوری کا مقصد ہی انسان کو پستی سے نکال کر بام عروج پر پہنچانا تھا چاہے وہ اپنے ہوں یا غیر ہوں دوست ہوں یا جانی دشمن ہوں ان کی رحمت کا تو مقتضا یہی تھا کہ سب غلاموں کو آزاد کردیا جائے کسی کی گردن میں غلامی کا طوق نہ ڈالا جائے۔ وہ اللہ کے بندوں کے لئے صرف اللہ کی بندگی کے خواہاں تھے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی درخواست پر غور فرمایا اور معاً آپ کی حکیمانہ نظر نے فیصلہ دیا اور آپ نے ان سے فرمایا کیا تم راضی ہو کہ میں تمہارا زر کتابت ادا کردوں اور ایک آزاد عورت کی حیثیت سے تمہیں اپنے نکاح میں لے لوں۔ اللہ اکبر! جویریہ ایک سمجھدار خاتون تھیں آخر اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں انہیں تو ایک دم ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے انہیں زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہو انہیں پتہ تھا کہ اس دامن کی پناہ میں آنے بعد میرا کیا مقام ہوگا۔ فیصلہ میں تردد یا تامل کی گنجائش ہی نہ تھی لہٰذا بخوشی راضی ہو گئیں اور میرے آقا ﷺ نے ایک سردار کی بیٹی کو اپنی پوری امت کی ماں بنادیا (ﷺ)۔

جونہی صحابہ کرام کو پتہ چلا کہ جویریہ ہماری ماں ہوگئی ہیں سب نے اپنی ماں کے لئے قربانی دی اور ان کے قبیلے کے مرد و عورت کو آزاد کردیا۔ ایک عجیب سماں تھا اللہ کے رسول ﷺ آج نہایت ہی مسرور اور خوش تھے آپ کی رحمت ورأفت کی یہ دنیا والوں کے لئے ایک بے مثال نظیر تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے بڑھ کر باعث رحمت و برکت بنی ہو کہ ان کی وجہ سے ان کے قبیلہ بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانوں کو آزادی کی عزت نصیب ہوئی۔

غرضیکہ میرے آقا ﷺ کی ایک خواہش پوری ہوئی کہ اس نکاح کے سبب آزادوں کو غلامی سے نجات مل گئی جب

یہ لوگ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور انہوں نے اس واقعہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کی خوش اخلاقی، قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور ان کی شفقت ومحبت کے واقعات بیان کیے تو کٹر دشمنوں کا ہر فرد سر تسلیم خم کئے میرے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھا اور اپنی آزادی پر آپ کی غلامی کو ترجیح دیتا اور اس پر فخر کرتا نظر آتا تھا۔

خود حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل میں آپ کی جو شان رحمت ورأفت نظر آئی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان کے باپ حارث بن ضرار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر کہا کہ میں ایک بڑے قبیلہ کا سردار ہوں اور جویریہ میری بیٹی ہے جسے آپ نے اپنی لونڈی بنالیا ہے کسی سردار کی بیٹی کو لونڈی بنالینا آپ جیسی شخصیت کے لئے موزوں نہیں معلوم ہوتا آپ اسے آزاد کر دیجئے اس کا جو فدیہ آپ مقرر کریں گے ادا کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہم نے تمہاری بیٹی کو ہرگز لونڈی نہیں بنایا تمہاری سرداری کا خیال کرتے ہوئے ہم نے اسے وہ مقام دیا ہے جو تمہارے یہاں اسے حاصل ہونا ممکن ہی نہیں پھر بھی تم جویریہ سے معلوم کرلو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کریں تو انہیں پورا پورا اختیار ہے وہ بالکل آزاد ہیں۔ ہم تم سے ان کا کوئی فدیہ بھی نہیں مانگیں گے۔ جب حارث نے بیٹی سے چلنے کو کہا تو بیٹی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جس دامن میں مجھے پناہ ملی ہے اس سے زیادہ عزت وطمانیت مجھے کہیں میسر نہیں آسکتی۔ آپ مطمئن رہیں میں یہاں بہت باعزت اور خوش ہوں۔ یہی حارث کچھ دن بعد خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں آکر اپنی بیٹی کی طرح باعزت ہو گئے کہ وہ اس امت کی ماں بنیں اور یہ سر کا تاج۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی ان کا نام برہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد نکاح جویریہ نام رکھا۔ مخزن علم وحکمت ﷺ سے انہوں نے بھی حتی الوسع فیض حاصل کیا۔ سات حدیثوں کی راویہ بھی ہیں دو بخاری میں اور دو مسلم میں باقی تین دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے چند مسائل بھی ہم تک پہنچے مثلاً ایک مرتبہ صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے حجرے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ مصلیٰ پر بیٹھی مصروف عبادت ہیں آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور اور دوبارہ پھر چاشت کے وقت (تقریباً دو گھنٹے بعد) تشریف لائے آپ اسی طرح مصلیٰ پر بیٹھی مصروف عبادت ملیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم اسی طرح صبح سے مصروف ہو عرض کی جی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں ایسے کلمات بتاتا ہوں جن کا ایک مرتبہ پڑھنا تمہارے اتنی دیر کے اوراد وظائف سے افضل اور اللہ کے نزدیک بھاری ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔''

یاد رہے کہ اوراد وظائف کے لئے وہی کلمات زیادہ مؤثر ہیں اور وہی طریقہ زیادہ افضل وبہتر ہے جو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا وصال ربیع الاول ۵۰ یا ۵۶ھ میں ہوا آپ کی کل عمر پینسٹھ برس ہوئی۔

جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ قبر انور کا وہی حشر ہوا جو میری دیگر ماؤں کی قبروں کا ہوا۔

دسویں ماں

میری دسویں ماں حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا انہوں نے طلاق دے دی تو دوسرا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا۔ ۷ھ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرۂ قضا ادا کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے تو چونکہ یہ عمر رسیدہ تھیں اور وہاں تنہا بھی تھیں لہٰذا ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے واپسی پر انہیں اپنے ہمراہ لے لیا اور دوران سفر ہی انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ان کو اپنے حرم میں لے لیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبولیت بخشا اور مقام سرف میں قیام کے دوران نکاح ہو گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی نکاح پڑھایا ان کا خاندان بہت بڑا تھا نو بہنیں تھیں جو سب ہی سرداروں، امیروں اور معززین عرب سے بیاہی گئی تھیں انہی کی ایک سوتیلی بہن ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ تھیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حرم میں صرف دو یا تین ماہ رہ کر ہی انتقال کر چکی تھیں۔ ایک بہن لبابہ کبریٰ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں جبکہ ایک بہن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ اسی طرح دیگر تمام بہنیں عرب کے بااثر اور معزز لوگوں کے گھروں میں تھیں۔ اس نکاح سے ان تمام لوگوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ مصاہرت قائم ہوا جس کا اہل عرب بہت خیال کرتے تھے لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مشن کے سلسلے میں اس رشتہ سے بے حد فائدہ ہوا اور بہت سے تبلیغی معاملات آسان ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع اور معزز خاندان اور ان کی پارسائی و پاکیزگی ہی کی بناء پر یہ چاہا تھا کہ انہیں ہماری ماں بننے کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا غزوۂ تبوک میں شریک تھیں اور اپنے بڑھاپے اور ضعف کے باوجود نہایت ہی تندہی سے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی نظر آ رہی تھیں۔ یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لئے خواتین کی باقاعدہ تنظیم قائم کی جس کا سلسلہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر ملک کے لوگوں میں جاری ہے۔

انہوں نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دریائے علم سے خوب سیرابی حاصل کی۔ چھہتر احادیث کی راویہ ہیں۔ سات بخاری و مسلم میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔ طویل عمر پائی ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔ حسن اتفاق یہ کہ مقام سرف ہی میں وصال ہوا جہاں شب زفاف ہوئی تھی۔ وہیں دفن ہیں لیکن قبر کا نشان تک نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی ماں اور خالہ کی نماز جنازہ پڑھائی جب لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے تو آپ نے نہایت غمزدہ ہو کر فرمایا جنازہ ادب و احترام سے آہستہ اٹھاؤ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ کا جنازہ ہے یہ ہماری ماں کا جنازہ ہے باادب آہستہ آہستہ چلو انہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ قبر میں بھی آپ نے ہی اتارا۔

گیارہویں ماں

میری گیارہویں ماں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کا باپ حیی ابن اخطب، یہودی قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور

ماں ضرر یہودی قبیلہ بنوقریظہ کے سردار سموال کی بیٹی تھیں۔ گویا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ دونوں طرف سے سیادت حاصل تھی۔ جوان کا ایک بڑا اعزاز تھا ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرضی سے ہوا تھا اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا یہ دونوں بھی اپنے اپنے قبائل میں بڑے معزز تھے۔ جب ۷ھ میں غزوۂ خیبر ہوا اور مسلمانوں نے یہودیوں کے مضبوط ترین قلعہ کو فتح کر لیا بیس دن تک اس قلعہ کا محاصرہ جاری رہا اور بالآخر شیر خدا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ہمت و شجاعت کے باعث یہ قلعہ فتح ہوا اور بہت سے یہودی مرد و عورت گرفتار کر لئے گئے انہی میں صفیہ بھی تھیں۔ گرفتار شدگان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کیا گیا ابھی سرکار پوری طرح سب کا جائزہ بھی نہ لے پائے تھے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایک باندی عنایت فرمائی جائے۔ یہ وہی صحابی ہیں جن کی شکل میں اکثر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول فرمائی اور آپ کو اختیار دیا کہ گرفتار شدگان میں سے وہ کسی کو بھی اپنے لئے پسند کر لیں ان کی نظر انتخاب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر پڑی جب وہ انہیں اپنے ہمراہ لے جانے لگے اور صحابہ نے دیکھا تو چند صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے بھائی دحیہ نے جس لونڈی کو پسند کیا ہے وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں کیونکہ وہ یہودیوں کی شہزادی ہے۔ اس کے باپ، نانا، شوہر، بھائی سب اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے اسے اس خاندانی عزت و سیادت کے تعلق سے یہ حق ملنا چاہئے کہ وہ ہمارے یہاں اس سے بھی زیادہ بلند مرتبہ پائے کیونکہ ان حضرات کی درخواست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور سابقہ عمل کے عین مطابق تھی لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور فرمایا: دحیہ! تم صفیہ کے بجائے کوئی دوسری کنیز لے لو اور ان سے دستبردار ہو جاؤ۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے بخوشی حکم کی تعمیل کی اور کنانہ کی بہن کو پسند کر لیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میرے آقا ﷺ نے ان کی شاہی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے گفتگو فرمائی ان کے باپ، شوہر اور دیگر اعزا کی موت پر اظہار افسوس کیا اور اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے دین یہودیت پر قائم رہیں اور اپنے باقی ماندہ اعزا کے پاس واپس چلی جائیں اور اگر چاہیں تو اسلام قبول کر لیں اس صورت میں انہیں آقائے کائنات ﷺ کی زوجیت کا بلند اعزاز بخشا جائے گا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ حضرت سیدنا ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے تھیں لہٰذا انہوں نے دامن نبوت سے وابستگی کے شرف کو اختیار کیا اور عرض کرنے لگیں کہ اب میں واپس ہونا نہیں چاہتی بلکہ "اختار اللہ و رسولہ" میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں۔ آقائے رحمت ﷺ نے اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان کی مرضی سے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا: "چونکہ یہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں اس لئے ان کی دل جوئی اور عزت افزائی کی صرف یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کونین ﷺ انہیں اپنی زوجیت کی عزت سے سرفراز فرمائیں" کہ امت کی ماں بنا دینے سے بڑا تاج اور کیا ہو سکتا تھا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثاروں کی معیت میں خیبر سے روانہ ہوئے اور مقام صہباء میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تو یہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہوا اور آپ ہمیشہ کے لئے حرم نبوی میں شامل ہو کر ہماری ماں بن گئیں۔ صحابہ کے پاس کھانے کا جو کچھ سامان بچا تھا وہ پکایا گیا اور دعوت ولیمہ دی گئی۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک نشان تھا جب شب زفاف میں یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے یہ نشان ملاحظہ فرمایا اور صفیہ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا تھا آپ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دن میں اپنے شوہر کنانہ کے پاس بیٹھی تھی میں نے اسے اپنا خواب سنایا کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے۔ وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا "مَا ھٰذَا اِلَّا اَنَّکِ تَمَنِّیْنَ مَلِکَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا" اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو حجاز کے بادشاہ محمد (ﷺ) کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا جس کا یہ داغ آج تک ہے۔

اس واقعہ میں ایک بات نہایت ہی اہم ہے قابل غور ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے یہودی شوہر کنانہ سے یہ کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آسمان کا چاند میری گود میں آگرا ہے تو وہ فوراً بولا کہ تو شاہِ حجاز کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے یعنی باوجود دشمنی کے یہودی یہ تسلیم کرتے تھے کہ میرے آقا ﷺ ہی ہیں جو اس زمین پر آسمان کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں۔ یہ وہ حق تھا جو اللہ کے حکم سے دشمنوں کی زبانوں پر بھی جاری ہو جاتا تھا۔ وہ یہ بھی یقین کرتے تھے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ ایک دن ضرور پورے حجاز کے بادشاہ بنیں گے۔

پہلی رات جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھیں تو ساری رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ خیمہ کے باہر پہرہ دیتے رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیمہ سے باہر کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس کی تو فرمایا کون ہے؟ جواب آیا۔ ابوایوب حاضر ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پوچھا تمہیں کیا ہوا کہ تم خیمہ کے ارد گرد گھوم رہے ہو۔ عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں آرام کرنا چاہتا تھا لیکن خیال آیا کہ آپ کے حرم میں ایک نومسلم خاتون ہیں جو زخم خوردہ ہیں ان کے باپ، بھائی، شوہر اور دیگر اہل خاندان جنگ کے دوران مارے گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھے اور وہ آپ کے ساتھ کوئی ناقابل تلافی حرکت کر بیٹھیں۔ یہ خیال آتے ہیں میں بے چین ہو گیا اور خیمہ کے گرد میں نے پہرہ دینے کا فیصلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوایوب کی یہ احتیاط اور عاشقانہ ادا بے حد پسند آئی اور آپ نے ان کے لئے دعا کی "اَللّٰھُمَّ احْفَظْ اَبَا اَیُّوْبَ کَمَابَاتَ یَحْفَظُنِیْ" اے اللہ تو ہمیشہ ابوایوب کی حفاظت فرما جیسے انہوں نے میری حفاظت کے لئے ساری رات جاگتے گزار دی۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام زینب تھا لیکن حرم نبوی میں شمولیت کے بعد آپ کو صفیہ کہا جانے لگا کہ صفیہ عربی اصطلاح میں مال غنیمت کے اس بہترین حصہ کو کہا جاتا ہے جو صرف امام یا بادشاہ ہی کے لائق ہوتا ہے اور اسے

پیش کر دیا جاتا ہے۔ آپ اسی طرح ہماری ماں بنیں۔ غلاموں نے آپ کو صفیہ کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی آپ کے لئے یہی نام پسند فرمایا جبکہ حقیقتاً آپ نسل ونسب شکل وصورت، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صفیہ ہی تھیں۔ ۵۰ ھ میں وصال ہوا جنت البقیع میں دفن ہیں۔ آقا ﷺ کے لئے شاہی عیش وآرام چھوڑنے والی اور بے انتہا ایثار وقربانی کرنے والی اس مقدس خاتون کی قبر انور پر ظالم غلاموں نے بلڈوزر چلا دیا اور قبر کا نام ونشان مٹا ڈالا۔ ان کی بیان کردہ دس احادیث کتب احادیث میں محفوظ ہیں۔

ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گیارہ ازواج مطہرات کے تذکرے پر اکتفاء کر رہے ہیں جن پر مفسرین، محدثین اور علماء سیر کا ہر دور میں اتفاق رہا ہے جبکہ باختلاف روایات بیس سے زیادہ آپ کی بیویاں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر آپ کی نو بیویاں مشہور ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کے حرم میں کبھی نو سے زائد ازواج نہ ہو پائی گئیں۔ نیز وصال کے وقت نو ہی ازواج تھیں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما کا وصال آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی ہو گیا تھا۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہماری ماؤں کے دربار میں نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کرنے کی صلاحیت بخشی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہمارے ناقص علم کے مطابق ہے۔ میری ماؤں کا مقام تو اس سے بہت ہی ارفع واعلیٰ ہے کہ جو عورتیں خونی رشتہ کی بناء پر ہماری ماں بنیں اور اولاد کے لئے ان کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی تو ان عورتوں کا مقام کتنا بلند ہوگا جو نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے ہماری ماں بنیں اور اللہ نے ''اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ'' فرما کر ہمیں ان سے محبت کرنے ان کا احترام کرنے کا حکم دیا۔

اے اللہ تو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم نے یہ چند سطور محض اپنی ان ماؤں سے عقیدت ومحبت کی بناء پر قلمبند کی ہیں پس تو ہماری طرف ان کی نظر شفقت مائل فرما دے کہ ہم دنیا وآخرت میں باعزت ہو جائیں اور اے اللہ ان ماؤں کے صدقہ میں راقم الحروف کی ماں اور قارئین کی ماؤں کی مغفرت کاملہ فرما اور جن کی مائیں زندہ ہیں ان کے سروں پر ان کا سایہ دراز فرما آمین بجاہ رحمۃ للعٰلمین۔

تعدادِ ازواج پر ایک نظر

ہم اپنی ماؤں کے حالات بحمد اللہ خاصی تفصیل سے پیش کر چکے ہیں اگر آپ نے گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہے تو میرے آقا ﷺ کی تعداد ازواج کے سلسلہ میں جہالت واَلعلمی کی بناء پر جو الجھن بعض لوگوں کے ذہنوں کو منتشر کرتی ہے اس کا ازالہ ہمارے انداز تحریر اور اس کے جملوں پر غور کرنے ہی سے ہو جاتا ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم عنوان کو ختم کرنے سے پہلے ہم آپ کے اس اہم شعبۂ حیات پر ایک خصوصی نظر ڈالیں اور اختصار کے ساتھ ان حکمتوں اور فوائد کا تذکرہ کر دیں جن کے لئے اللہ کے مدبر اور حکیم رسول میرے آقا ﷺ نے متعدد ازواجِ مطہرات کو اپنے مقدس حرم میں شامل فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مواقع پر مختلف قبیلوں کی عورتوں سے نکاح کے متعلق دشمنان اسلام کتنی ہی

بیہودہ گوئی کریں، کتنی ہی بکواس کریں، ہماری خوش عقیدگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہمارے آقا ﷺ کا یہ ایک بڑا ایثار تھا جو آپ صرف بے سہاروں کو سہارا دینے، غیروں کو اپنا بنانے، دشمنوں سے عداوت کے جراثیم ختم کرنے، اسلام کے تحفظ واستحکام امت مسلمہ کی عزت وآبرو میں اضافہ اور تبلیغ واشاعت دین کے اہتمام کے لئے کرتے رہے۔ متعدد ازواج کی ذمہ داریاں پوری کرنا کوئی مذاق نہ تھا۔ بالخصوص اس صورت میں کہ میرے آقا ﷺ دنیا کی مصروف ترین شخصیت تھے اور مالی اعتبار سے بھی نہایت ہی تنگ دستی میں گزر اوقات ہوتی تھی کہ کئی کئی دن گھروں میں کچھ نہ پکتا تھا، میری ماؤں کو نہ تو بادشاہوں اور حکام جیسے فراخ محل میسر تھے نہ ہی ان کے حجروں میں آسائش وزیبائش کا ساز وسامان پایا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کے نازک ومقدس جسم بھی نہایت موٹے اور بوسیدہ لباس میں چھپے ہوئے تھے اور قربان جاؤں میں اپنی مقدس ماؤں کے کہ وہ اس عسرت وتنگی کی حالت میں خوش تھیں۔ واقعہ ایلاء آپ پڑھ چکے ہیں جس میں میرے آقا ﷺ نے تمام ازواج کو اختیار دیا تھا کہ وہ چاہیں تو مال ودولت لے لیں اور چاہیں تو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرلیں یہ ایک نہایت اچھا موقع تھا ان بیویوں کے لئے عسرت وتنگی سے آزادی حاصل کرنے کا آج کا کوئی عیاش وعیش پرست اپنی داشتاؤں کو ایسی پیشکش کرتا تو سب کی سب دولت کے ڈھیر سمیٹ کر اس سے منہ پھیر لیتیں اور عیاشی کے کسی دوسرے اڈے پر جا بیٹھتیں لیکن یہ میری مائیں تھیں یہ معصوم نبی کی پاکیزہ ترین بیویاں تھیں جو جانتی تھیں کہ ہم کسی عشرت کدے میں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نبی کے دامن رحمت میں پناہ گزین ہیں جس کا ہر لحہ دنیا اور اس کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے لہٰذا کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ میری کسی ماں نے کبھی حرم نبوی چھوڑنے کا ارادہ تک کیا ہو۔ سب کا جواب ایک ہی تھا کہ ''اِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ'' میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے دن کو پسند کرتی ہوں۔ دوستو! عیاشی کے حلقوں میں بندعورت کو دنیا کی کتنی ہی نعمتیں کیوں میسر نہ ہوں وہ کبھی قناعت نہیں کرسکتی وہ تو ''ھل من مزید'' کی ہوس میں ہی مبتلا رہتی ہے۔ تنگی اور عسرت کو برداشت کرلینا تو بڑی بات ہے وہ تو ایک کانٹا برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتی وہ تو صرف پھول چنا جانتی ہے کانٹوں کا اسے پتہ نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود بھی میرے آقا ﷺ کے خلاف دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور آپ پر ہوس پرستی اور عیش پسندی جیسے رکیک الزامات لگانا اور آپ کی ردائے عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرنا حقائق سے آنکھیں بند کرلینا نہیں تو اور کیا ہے لیکن چمکتے سورج کی روشنی کے سامنے آنکھیں بند کرکے اس کی روشنی کا کوئی کتنا ہی انکار کرے اس کی بکواس کو کون تسلیم کرسکتا ہے۔ اسی لئے آج تک اس بیہودہ گوئی سے ایک مسلمان بھی نہ متاثر ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے اس کے برعکس جتنے آپ پر اعتراض ہوتے ہیں اتنی ہی آپ کی کتاب زندگی کے حروف چمکتے اور اہل ایمان کے دلوں کو روشن ومنور کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو چودہ سو برس کی طویل مدت میں جو آپ پر اعتراضات کئے گئے اور آپ کے خلاف جتنی بیہودہ گوئی ہوئی اس کے زنگ نے آپ کی حیات مبارکہ کے حروف کو کب کا مدہم کر ڈالا ہوتا، اتنا مدہم کہ کسی بھی حرف کا نظر آنا مشکل ہوگیا ہوتا۔ الحمد للہ میرے آقا ﷺ کی شخصیت ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے اور اہل ایمان کو آپ پر فخر ہے وہ جانتے ہیں کہ ہمارے

آقا ﷺ کی حوائج وضروریات خواہش اور خیالات عام انسانوں جیسے نہ تھے ان کا تو ہر عمل اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ وہ حکم چاہے وحی جلی کی صورت میں ملتا یا وحی خفی کی صورت میں بہرحال ان کا ہر کام وحی کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ متعدد عورتوں سے آپ کا نکاح کرنا بھی حکم الٰہی کے عین مطابق تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغام کی تبلیغ واشاعت اور تعلیم کے لئے جب جس عورت کو چاہا بحیثیت بیوی آپ کا معاون و مددگار بنا دیا تا کہ آپ کو وہ مخلصانہ تعاون حاصل ہو سکے جو کسی غیر محرم عورت سے حاصل ہونا ممکن نہ تھا اور جب اللہ کی حکمت پوری ہوگئی کہ آپ کو کسی محرم کے مزید تعاون کی ضرورت نہ رہی تو اللہ نے آپ کو مزید نکاح کرنے سے روک دیا۔ ارشاد ہوا:

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ (احزاب:۵۲)

آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد حلال نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ ان ازواج سے دوسری بیویاں تبدیل کرلیں چاہے آپ کو ان کا حسن پسند آئے سوائے کنیزوں کے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔

یہ حکم واقعۂ ایلاء کے بعد نازل ہوا جو ۹ھ میں پیش آیا جبکہ تکمیل دین کے مژدہ جانفزاء کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اب وہ ساری حکمتیں پوری ہو چکی تھیں جن کی بناء پر آپ کو متعدد عورتوں کی ذمہ داری سونپی جاتی رہی لہٰذا آپ کے لئے آئندہ کسی اور عورت سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور موجودہ ازواج مطہرات کے اعلیٰ اعزاز کی تا ابد برقراری کے لئے یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا کہ ان عورتوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری عورت کو حرم میں شامل کرلیا جائے کیونکہ ان ازواج نے آپ کے لئے جو ایثار کیا اور جو قربانیاں دیں ان کے صلہ میں یہ خصوصی انعام الٰہی ہوا کہ ان کے اعلیٰ منصب کو باقاعدہ ایک حکم کے ذریعہ تحفظ دیا گیا نیز ان ازواج کے بعد یا ان کے بدلے کسی اور عورت سے نکاح کی ضرورت باقی نہ رہی کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے حرم نبوی کے لئے منتخب ہوئی تھیں ان میں وہ تمام صلاحیتیں ودیعت رکھی گئی تھیں جو اللہ کی حکمتوں کو پورا کرنے کے لئے نبی کی بیوی میں ہونا ضروری تھیں۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکمت باری تعالیٰ کی تکمیل کے لئے اللہ ہی کے حکم سے نکاح کرتے رہے اور نکاح کی ممانعت کے اس حکم کے بعد نہ کسی اور عورت کو اپنے حرم میں شامل فرمایا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو تبدیل کیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کے جن حصوں میں جس عمر کی عورتوں سے نکاح فرمایا اس کی نوعیت عام انسانوں کے طریقہ اور ان کی خواہشات کے برخلاف بالکل ممتاز نظر آتی ہے۔ جس کی سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ سوائے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آپ کی تمام ازواج بیوہ یا مطلقہ تھیں جو آپ کے حرم میں آنے سے پہلے ایک یا دو نکاح کر چکی تھیں ان میں سے بعض بچوں والیاں بھی تھیں پھر عمر کا تفاوت بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان نکاحوں کا مقصد قطعاً خواہش نفس کی تکمیل یا جنس پرستی نہ تھا، غور فرمائیے۔

عنفوانِ شباب یعنی پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح ایک چالیس سالہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں، بچوں والی تھیں۔ ان ہی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بھی ہوئی یہ رفاقت چند سال نہیں بلکہ نہایت ہی محبت والفت اور خلوص کے ساتھ چوبیس سال تک جاری رہی۔ گویا جوانی کا سارا دور ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ بسر ہو گیا اس دوران آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہ کیا پھر آپ کا دوسرا نکاح ایک پچپن سالہ بیوہ، بچوں والی عورت حضرت سوداء بنت زمعہ سے ہوا اس وقت خود آپ کی عمر پچاس سے تجاوز کر رہی تھی۔ پہلا اور آخری نکاح ایک کنواری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا جن کی عمر بوقت رخصت نو برس کی تھی جبکہ میرے آقا ﷺ چون برس کے ہو رہے تھے جبکہ پچاس برس کے بعد دورِ کہولت (بڑھاپے) کا آغاز ہو جاتا ہے۔ غور فرماتے چلئے کہ چون برس کی عمر تک میرے آقا ﷺ کے حرم میں صرف دو عورتیں ہیں۔ پچپن برس کی عمر مبارک میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت حفصہ بنت عمر سے ہوتا ہے جو بیوہ تھیں عمر تقریباً انیس برس تھی۔ پھر اسی سال یعنی ۳ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تیس سالہ بیوہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا جو تین ماہ بعد ہی وفات پا گئیں۔ ۴ھ میں آپ ﷺ کا نکاح تقریباً پینتیس سالہ بیوہ چار بچوں کی ماں حضرت ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ سے ہوا پھر ۵ھ میں آپ ﷺ کا نکاح پینتیس سالہ بیوہ حضرت زینب بنت جحش سے ہوتا ہے۔ اب ٹھہریئے حساب کر لیجئے کہ اٹھاون برس کی عمر شریف تک آپ کے حرم میں صرف پانچ عورتیں جمع ہوئیں جو سب ہی سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمر رسیدہ تقریباً بوڑھی بیوہ اور بچوں والیاں ہیں۔ اب آگے بڑھئے ۷ھ میں چھیالیس سالہ بیوہ ایک بچی کی ماں حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا اور اسی سال بیس سالہ بیوہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور ۸ھ میں حضرت میمونہ بنت حارث اور صفیہ بنت حیی بن اخطب حرم نبوی میں شامل ہوئیں۔

للہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان ازواج مطہرات کی عمروں کے تفاوت پر خوب غور کیجئے اور پھر بتایئے گستاخان رسول کو کہ یہ صورت حال ایک صاف ستھرا آئینہ ہے جس پر ہوا و ہوس کا کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا صرف گیارہ بیویوں کی تعداد پر اعتراض نہ کرو بلکہ اس آئینہ کو دیکھو اور پھر بتاؤ کہ عیش پرستی کی گنجائش تمہیں کہاں نظر آ رہی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ تو اب بھی یہی کہیں گے کہ یہ عیش پرستی ہی ہے کیونکہ آئینہ میں تو انہیں اپنی ہی صورت نظر آئے گی۔

آیئے اب نہایت اختصار کے ساتھ ان مصلحتوں اور حکمتوں پر بھی نظر ڈالتے چلیں جن کی بناء پر میرے آقا ﷺ نے ان عورتوں کو اپنے دامن رحمت سے وابستہ کیا اور ان کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، غور فرمایئے:

(۱) ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دولت مند تاجرہ تھیں۔ اہل مکہ پر ان کے احسانات تھے طاہرہ و پاکیزہ اور باکردار تھیں۔ اہل مکہ کے دلوں میں ان کا احترام تھا نہایت تجربہ کار سنجیدہ اور متحمل مزاج تھیں۔ بعثت سے پندرہ سال قبل ہی انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے وابستہ کر دیا گیا تا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوب پہچان لیں اور اعلان نبوت کے روزِ اول ہی سے ان کی خوبیوں سے اسلام کو بھرپور تقویت حاصل ہو سکے اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ واقعات سے واضح اور ثابت ہے۔

(۲) ام المؤمنین حضرت سوداء رضی اللہ عنہا معمر، حلیم الطبع، قناعت پسند اور مستقل مزاج عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارہائے نبوت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اہل مکہ کے مظالم دن بدن بڑھ رہے تھے۔ حرم نبوی خالی تھا۔ بیٹیوں کے معاملات بالخصوص سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جو جوان تھیں ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ان حالات میں حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کا حرم میں آجانا آپ کے لئے کس قدر باعث سکون وطمانیت بنا اس کا اندازہ اس وقت کے حالات سے ہی کیا جا سکتا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اللہ اکبر ان کی خوبیوں صلاحیتوں اور کمالات کا احصاء ہمارے اسلاف اور عظیم علماء نہ کر سکے مجھ جیسے کم علم کی کیا مجال کہ انہیں شمار کر سکوں یہ تو صرف نظر نبوت ہی کا کمال تھا۔ جس نے ایسی عظیم خاتون کو منتخب کر کے امت مسلمہ پر ایک عظیم احسان فرمایا۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں ان پر جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ بہت ہی کم ہے لیکن یہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ میری اس ماں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا توقعات وابستہ فرمائیں تھیں اور وہ کس طرح پوری ہوئیں انہوں نے عالم ما کان و یکون کے خزانہ علمی سے کیا کچھ حاصل کیا اور پھر اسے کیسی محنت و مشقت تدبر وتامل اور خوش اسلوبی سے امت تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کی آپ تسلیم کریں گے کہ اگر عائشہ حرم نبوی میں نہ ہوتیں تو امت کے لئے کتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ پس مطالعہ کیجئے گزشتہ اوراق کا اور ان حکمتوں اور مصلحتوں کو جان لیجئے جن کی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چون برس کی عمر میں ایک نو سالہ بچی کو اپنے حرم میں شامل کر کے محض اپنے غلاموں کے مفاد کے لئے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری کو قبول فرمایا اور وہ کچھ دیا جو کسی غیر محرم عورت کو دینا ممکن ہی نہ تھا۔

(۴) ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طہارت و پاکیزگی اور عظمت کا اندازہ بس اس سے کر لیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں ''فَاِنَّهَا قَوَّامَةٌ صَوَّامَةٌ وَاِنَّهَا زَوْجَتُکَ فِی الْجَنَّةِ'' وہ عبادت میں مشغول رہنے والی بہت روزے رکھنے والی ہیں اور جنت میں بھی انہیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہے گا۔ ان کے حرم نبوی میں آنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی پریشانی ختم ہوئی وہ کم از کم ایک خوبی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ مصاہرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہم پلہ ہو گئے اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں اسی رشتہ مصاہرت کی کمی کا خاتمہ ہو گیا۔ نیز اسلام کی ایک مخلص مجاہدہ کی دلجوئی اور عزت افزائی ہوئی جس نے غزوۂ بدر میں شریک ہو کر مجاہدین اسلام کی بھرپور مدد کی تھی اور اپنے شوہر کی شہادت کا شکوہ تک زبان پر نہ لائی تھی بلاشبہ وہ ایسی سکون واطمینان کی مستحق تھی جو اسے صرف اور صرف حرم نبوی میں میسر آیا۔ ان کی سماجی خدمات بھی مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہوئیں۔

(۵) ام المؤمنین حضرت زینب خزیمہ رضی اللہ عنہا کا نجد کے ایک بڑے قبیلہ عامر بن صعصعہ سے تعلق تھا جو مسلمانوں اور اسلام کا سخت دشمن تھا توقع تھی کہ ان کے حرم نبوی میں آنے کے باعث اس قبیلہ کی اسلام دشمنی میں کچھ کمی ہو گی لیکن نجد کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتنہ وفساد کی آماجگاہ قرار دیا ہے لہٰذا اس تاریک سرزمین پر میری ماں کا نور پہنچنے سے قبل

ہی ان کی وفات ہوگئی تاہم تاریخ میں اس نکاح کے بھی فوائد اور اہم نتائج محفوظ ہیں۔

(۶) ام المؤمنین ام سلمہ ہند بنت ابوامیہ اور ان کے شوہر نے صرف اسلام کے تعلق سے جن مظالم اور مصائب و آلام کا مقابلہ کیا اس کا اندازہ آپ گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے کر چکے ہیں۔ ان کی دلجوئی اور عزت افزائی اسلام کے شعبہ اخلاق اور مصیبت زدگان کے لئے اس کی پناہ، دین کی تبلیغ و اشاعت کا سبب بنی نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے چار بچوں کی پرورش کر کے سوتیلی اولاد کے ساتھ محبت وشفقت کی جو عملی تعلیم دی جس سے آپ کے اسوۂ کاملہ میں ایک اہم بات کا اضافہ ہوا یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہی برکت تھی۔ تین سو ستر احادیث کا بیش بہا خزانہ بھی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے امت کو منتقل کیا۔

(۷) ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جوڑے بنانے والے رب نے آسمانوں پر ان کا جوڑا بنایا۔ پس اپنے اس فیصلہ کی حکمتیں وہی بخوبی جان سکتا ہے ہمیں تو ان کے حالات پڑھنے کے بعد صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اللہ رب العزت نے اس مقدس نکاح کو اہل عرب کی ایک غلط رسم کے خاتمہ کی حکمت کا ذریعہ بنایا۔ جس کی تفصیل آپ نے پڑھ لی ہے۔

(۸) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کے نکاح سے سرزمین حبشہ پر بھی آقائے رحمت ﷺ کے رحم و کرم کا چرچا ہونے لگا اور جن کے حرم نبوی میں آجانے کے بعد ابوسفیان کا جذبہ اسلام دشمنی سرد پڑ گیا انہیں اور تمام اہل مکہ کو غلبہ اسلام کا یقین ہو گیا۔

(۹) ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا حرم نبوی میں شامل ہوئیں تو انہی کی قوم کے سینکڑوں مرد وعورت کو غلامی کی ذلت سے نجات نصیب ہوئی۔ ان کے قبیلہ کو شرف اسلام نصیب ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا امیروں، سرداروں پر مشتمل ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ حرم نبوی میں ان کی شمولیت نے سب کو اسلام سے متأثر کیا اور ان تمام گھروں اور قبائل میں اسلام پہنچا جو ان کے رشتہ کی کڑیاں تھیں۔

(۱۱) ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہودی قبائل کی شہزادی مشرف باسلام ہو کر میرے آقا ﷺ کی باندی بنیں تو یہودیوں میں تہلکہ مچ گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ کے لئے ان کے عزائم خاک میں مل گئے اور ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بھی اس دامن میں پناہ گزین ہو جائیں جس میں ان کی شہزادی کو راحت وسکون کی دولت میسر آئی ہے۔

ان حقائق پر غور کرنے کے بعد یقیناً ہماری طرح آپ کا بھی ایمان تازہ ہوا ہوگا اور اب آپ اپنے اندر یہ قوت محسوس کرتے ہوں گے کہ دشمنان رسول کے منہ پر دلائل کا ایسا طمانچہ رسید کیجئے کہ ہمیشہ کے لئے وہ ہمارے معصوم و پاکیزہ آقا ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز آجائیں اور ان کے منہ بند ہو جائیں۔ دوستو! آقا کی عزت و ناموس کی حفاظت

غلاموں کی ذمہ داری ہے اور اصل تبلیغ یہ ہے کہ عظمت رسول کا لوگوں سے اقرار کرایا جائے۔

اہم پیغام

امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی زندگی کے حالات سے ہمیں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے ایک نہایت ہی اہم پیغام حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! اپنی عائلی زندگی کو پرسکون اور پرلطف بنانے کے لئے اللہ کے ارشاد "وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" پر عمل کرو اور اس کی تفصیلات جاننے کے لئے صاحب قرآن ﷺ کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو۔ دیکھو وہ اپنی بیویوں کے ساتھ کس طرح اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ گیارہ بیویوں کے شوہر ہونے کے باوجود ان سے کبھی کسی بیوی کو شکوہ نہ ہوا کیونکہ وہ ہر معاملہ میں ان کے ساتھ انصاف کیا کرتے تھے۔ اللہ اور اس کے رسول نے تمہیں بھی ایک سے زیادہ چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تمہیں بلاشبہ حق ہے کہ اس اجازت سے فائدہ حاصل کرو لیکن اس وقت جبکہ تم اپنے آقا ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی ہر بیوی کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کر سکو اور سب کے معاشی وسماجی حقوق ادا کر سکو اور یاد رکھو کہ بیوی قرآنی ارشاد کے مطابق تمہارا لباس ہے اور وہ بھی نہایت نازک لباس ہے لیکن نہایت آرام دہ اور پرسکون لباس ہے تم اس لباس سے خوب لطف اندوز ہو لیکن خیال رکھنا اسے بڑے احتیاط سے استعمال کرنا کہ تمہاری بے احتیاطی، لاپرواہی یا سختی اسے تارتار کر سکتی ہے۔ اس لباس کی چمک دمک کی بقاء کے لئے تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا بہت خیال کرنا ہوگا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائلی زندگی کے حالات پر غور کرو اور دیکھو انہوں نے تمہاری ماؤں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اپنے اس لباس کا کتنا خیال رکھا وہ جب گھر میں داخل ہوتے مسکراتے ہوئے ہی داخل ہوتے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود بھی گھر کے کاموں میں وہ اکثر تمہاری ماؤں کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ میری ماؤں کو کبھی کوئی شکوہ نہ ہوا تو کوشش کرو کہ تمہاری بیوی بھی خوش رہے اور اسے تم سے کوئی شکوہ نہ ہو۔

اے ایمان والیو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہر بیوی پر اپنے شوہر کا احترام کرنا اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اسے اپنا قَوّام یعنی نگران تسلیم کرنا لازم اور فرض ہے تم اپنے شوہر کی عزت وآبرو اور ہر چیز کی امین ہو۔ دیکھو اس امانت میں خیانت نہ ہونے پائے۔ تم اس کے بچوں کی ماں ہو لہٰذا تم پر فرض ہے کہ اولاد پر پوری طرح توجہ دو ان کی اچھی صحت، اچھی تعلیم وتربیت کا خیال رکھو۔ تم اپنے گھر کی رونق ہو لہٰذا میل، محبت اور پیار کے پھولوں سے اپنے گھر کو سجایا کرو تمہارا حسن اور تمہاری زیب وزینت تمہارے شوہر کے لئے ہے۔ دوکانوں، بازاروں اور گلی کوچوں میں بے پردہ بلاضرورت گھوم پھر کر اسے میلا اور خراب نہ کرو۔ دیکھو تمہاری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے علاوہ مزید تین عورتوں کو اپنے حرم میں شامل کر لے کہ اللہ نے، اس کے رسول نے اسے یہ حق دیا ہے۔ یہ وقت تمہارے لئے امتحان کا وقت ہوگا بے حد صبر آزما وقت ہوگا اگر تم نے اس پر اعتراض کیا تو یہ اللہ اور رسول کی اجازت پر اعتراض ہوگا جس کا حق کسی بھی صاحب ایمان کو نہیں اس سے تو ایمان تک ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ پس اللہ کے دیگر احکام کی طرح تم اس

ارشاد کو بھی تسلیم کرو اور ہماری طرح اپنی ہر سوکن کا استقبال کرو نہایت صبر وتحمل سے کام لو اور اسے گلے لگاؤ تمہارا یہ عمل اللہ بھی پسند کرے گا اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشنودی بھی تمہیں حاصل ہوگی اس سے تمہارے شوہر کے دل میں مزید تمہاری محبت پیدا ہوگی تمہاری ماؤں کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا۔ اس عمل سے بڑا سکون ملا بڑی راحت میسر آئی سب اپنے اپنے گھروں میں خوش رہا کرتی تھیں اور جب موقع ملتا تو ملتی جلتی اور خوب مزے مزے کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ ہمارے آقا ﷺ ہمیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اللہ کی ہم پر خوب رحمت برستی تھی اور ہاں ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دو۔ فراخی اور وسعت کے دن ہوں اچھا کھانا اور اچھا لباس میسر آئے تو خوش رہو اور اللہ کا شکر ادا کرتی رہو اور اگر حسرت وتنگدستی کے ایام آئیں کہ نہ اچھا کھانے کو میسر ہو اور نہ ہی اچھا پہننے کو تو صبر کرنا زبان پر حرف شکایت نہ لانا۔ شوہر سے شکوہ نہ کرنا کہ اسے تو خود اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا تمہارے شکوے سے صرف اس کی پریشانی میں ہی اضافہ ہوگا۔ تم نے پڑھا ہے کہ تمہاری ماؤں نے تو ساری زندگی عسرت وتنگدستی ہی میں بسر کی لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکوہ نہ کیا ایک مرتبہ کچھ مانگا بھی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اللہ کے حکم کے مطابق ہمیں مال ودولت دے کر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوگئے لیکن ہم نے توبہ کی اور اللہ اس کے رسول کی خوشنودی اور جنت ملنے پر راضی اور خوش رہنے کا وعدہ کیا۔

اے ہمارے بیٹوں اور بیٹیوں! اللہ تمہیں خوش رکھے ہمارے اس پیغام کو اگر تم نے قبول کر لیا اور اس پر عمل کیا تو ضرور ہماری طرح تمہاری زندگی پرلطف اور پرسکون ہو جائے گی نہ شوہر کی طرف سے اور نہ بیوی کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف ہوگی اور نہ ہی اولاد کا غم تمہیں کھائے گا۔ اللہ خوش ہوگا اس کے رسول ﷺ کی رحمت تم پر سایہ فگن ہوگی اور تمہاری ماؤں کو تم پر ناز ہوگا جس طرح ہر ماں اپنی اچھی اولاد پر ناز کرتی ہے اور فخر کرتی ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ شوہر وبیوی کے درمیان وہی محبت والفت پیدا فرمائے جو ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصیب ہوئی اور اللہ اولاد صالح سے تمہارے دلوں کو سکون بخشے اور اللہ زندگی کے ہر مرحلہ میں تمہارا حامی وناصر ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۵

الاحزاب: ۵۶ تا ۵۸

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

(احزاب ۵۶ تا ۵۸)

اے ایمان والو! تم بھی ان (نبی علیہ الصلوۃ والسلام) پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو بیشک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب اور جو لوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا اپنے سروں پر بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ۔

بحمد اللہ، ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ان آیات تک پہنچے جن پر کچھ لکھنے کے موقع کا ہمیں مدت سے انتظار تھا اللہ ہمیں انشراحِ قلب سے نوازے اور علماء اسلام کے طفیل ان آیات کا حق ادا کرنے کی استطاعت اور سعادت بخشے کہ کم علمی کے باعث ان پر قلم اٹھانا ہمیں بہت ہی دشوار نظر آرہا ہے اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ ہماری مشکل کو آسان کرے ''اللّٰهم ربِّ زدنی علما'' ہم شروع کرتے ہیں قارئین استفادہ کریں اور فیصلہ کریں کہ ہم اپنی تمنا میں کامیاب ہو سکے یا نہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے قبل دورود شریف ضرور پڑھئے کہ یہی حکم الٰہی ہے جس کی تفصیل و تفسیر ہم پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں اور آپ پڑھ رہے ہیں و باللّٰہِ التوفیق۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰى سَیِّدِ وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

درود شریف

ہمیشہ مدحتِ خیر الانام میں گزرے
دعا ہے عمر درود وسلام میں گزرے

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

ذات والا پہ بار بار درود
بار بار اور بے شما درود

روئے انور پہ نور بار درود
زلفِ اطہر پہ مشکبار درود

ان کے ہر جلوے پر ہزار بار درود
اُن کے ہر لمحہ پر ہزار درود

سر سے پا تک کروڑ بار درود
اور سراپا پہ بے شمار درود

آیت درود پر غور

محبوب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم جس نرالے انداز سے دیا جارہا ہے پورے قرآن کریم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ رسول نرالا اور بے نظیر تو اس کے دربار میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کا حکم بھی نرالے اور بے نظیر انداز پر ہی ہونا چاہئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ (احزاب:۵۶)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی مکرم پر اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور سلام عرض کیا کرو (بڑے ادب و محبت سے)۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

غور فرمایئے کونسا عمل ایسا ہے جو ایک کے لئے ہو اور کرنے والے تین ہوں اللہ اس کے فرشتے اور جملہ اہل ایمان کتنی پیاری ہے محبوب کی ذات کہ اس کا خالق بذات خود یاد فرماتا رہتا ہے اور اس کی نورانی مخلوق بھی اسی بابرکت عمل میں مصروف رہتی ہے لہٰذا ان کے دامن سے وابستہ ان کے غلاموں کو بھی اس عمل کی پابندی کرنا چاہئے لفظ ''یُصَلُّوْنَ'' عربی قواعد

کے مطابق استمرار و دوام کا اظہار کرتا ہے مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہر لمحہ محبوب کا ذکر کرتے رہتے ہیں حتی کہ بشمول ملائکہ تمام ذکر کرنے والے فنا ہو جائیں گے لیکن ازلی و ابدی ذات اللہ وحدہ لاشریک کے ذریعہ یہ ذکر باقی رہے گا۔

کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے وہ ذات جس کی رفعت ذکر کو ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کے جملے سے بیان فرمایا اور اس کی انتہائے رفعت کا اعلان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ ہم خود اس کا ذکر کرتے ہیں لہٰذا اس کے ذکر کی رفعتوں میں کمی کا وہم و گمان بھی نہ کیا جائے۔ یہ اعلان ایک ایسے موقع پر کیا گیا جب منافقین اور دیگر دشمنان اسلام کو تھوڑی دیر کے لئے یہ خوش فہمی ہوئی تھی کہ ہماری سازشیں کامیاب ہوتی نظر آ رہی ہیں ہمارے جبر و تشدد اور مظالم کا اثر ظاہر ہوتا معلوم ہو رہا ہے وہ وقت قریب نظر آتا ہے جب العیاذ باللہ۔ اسلام مغلوب ہو گا اور محمد عربی کا نام لینے والا کوئی نہ ملے گا یہ خام خیالی شیطان لعین نے اپنے چیلوں میں پیدا کی اور پھیلائی جبکہ فیصلۂ الٰہی یہ ہوا کہ ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا'' اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام دشمنان اسلام کی طرف سے پیدا کردہ ساری مشکلات وقتی اور عارضی ہیں بہت جلد یسر، آسانی کا دائمی دور آنے والا ہے اور بتایا گیا کہ اب مزید فتح و نصرت کے دروازے وا ہونے والے ہیں اور آپ کی ناکامی و نامرادی کے خواب دیکھنے والے فوج در فوج آپ کے دربار میں سر تسلیم خم کئے کھڑے ہوں گے جب اللہ قادر مطلق کا فیصلہ یہ ہے تو کس کی مجال کہ اس فیصلہ کے برعکس نبی کا بال بھی بیکا کر سکے کس کی مجال کہ نبی کی عظمت و رفعت کو گھٹا سکے کس کی مجال کہ شمع اسلام کو حرکت بھی دے سکے کس کی مجال کہ اہل ایمان کو ناکام و نامراد کر سکے۔ پس اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ دشمن کی ہرزہ سرائی پر توجہ دے کر اپنا وقت ضائع نہ فرمائیں اور اے میرے محبوب کے غلاموں تم دشمن کی افواہوں سے فکر مند نہ ہو ذرا بھی خوفزدہ نہ ہو۔ پس محبوب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو ان کی اتباع و پیروی کرتے رہو اور عشق و محبت کی مستی میں جھوم کر ان پر درود بھیجتے رہو۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اس اعلانِ باری تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب کو مزید طمانیت بخشی اہل ایمان سے ہر قسم کے خوف و خطر کا خاتمہ کر دیا اور دشمنان اسلام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واضح کر دیا کہ تم اسی طرح اپنی غلط فہمیوں میں مبتلا رہو گے۔ اسلام کے خلاف کتنی ہی سازشیں کرتے رہو کتنے ہی جال پھیلاتے رہو، کتنی ہی طاقت و قوت جمع کر لو لیکن یاد رکھو کہ اسلام دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں پھیلنے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں غالب ہونے کے لئے آیا ہے اور گستاخان رسول پر بھی واضح کر دیا کہ محبوب کی ذات والا صفات کا تمہارے طعن و تشنیع اور گستاخیوں سے متاثر ہونا ناممکن ہے تم ان کے کردار ان کے اعمال یا تعلیمات پر کتنے ہی اعتراضات کر و ان کی عزت و ناموس پر آنچ نہیں آ سکتی۔ ان کے دربار میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے والوں پر بدعت کا فتویٰ چسپاں کیا جائے یا انہیں مشرک کہا جائے اس سے نہ ان کی عشق میں کمی آ سکتی ہے اور نہ ان کے آقا ﷺ کی شان گھٹ سکتی ہے۔

ایک عاشق کھڑے ہوئے مستی کے عالم میں جھوم جھوم کر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہے تھے کسی نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا کہ میاں یہ شرک ہے انہوں نے صرف اتنا کہا کہ پھر تو یہی جنت کی چابی ہے اور مزید مست ہو کر اپنا کام کرنے لگے اور حق بھی

یہی ہے کہ اللہ جس عمل کے کرنے کا اس پیارے انداز سے حکم دے کہ یہ کام کرو کیونکہ نورانی مخلوق بھی یہی کرتی ہے اور ہم خالق کائنات بھی یہی کر رہے ہیں۔ ایسا مقدس عمل العیاذ باللہ شرک یا بدعت کیسے ہو سکتا ہے اور اگر شرک ہے تو بقول اس عاشق کے واقعی یہی جنت کی چابی ہے، ﷺ۔

آیت مبارکہ میں فعل (کام) ایک ہے صلوٰۃ (درود) اور اس کے فاعل (کرنے والے) تین ہیں اللہ، فرشتے اور اہل ایمان۔ اس ایک فعل کی تینوں کی طرف نسبت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ ہے لیکن مقصود اور اس کا نتیجہ ایک ہے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ لاتعداد فرشتوں کی محفل میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و ثنا کرتا اور ان میں اپنی پیدا کردہ بے عیب شخصیت پر ناز فرماتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "فَهِيَ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ ثَنَاؤُهُ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَتَعْظِيْمُهُ" اللہ کی طرف سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ، فرشتوں کی محفل میں آپ کی تعریف و تعظیم کا ذکر کرنا ہے اور جب صلوٰۃ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی نورانی مخلوق فرشتے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات کی مزید بلندی اور ان کے مقامات کی مزید رفعت کے لئے ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں اور جب صلوٰۃ کی نسبت اہل ایمان کی طرف ہو تو معنی ہوں گے کہ غلام اپنے محبوب آقا ﷺ کے لئے ادب و احترام کے ساتھ پیارے پیارے جملوں اور الفاظ میں اللہ رب العزت جل مجدہ سے دعا کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ کا مفہوم واضح ہے کہ اللہ خالق محمد (ﷺ) محفل ملائکہ میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثناء و تعریف کرتا ہے اور ملائکہ سن کر خوش ہو کر اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے لئے محبوب رب کے حق میں مزید رفعت و بلندی کی دعائیں کرتے ہیں۔ پس یہی محبوب عمل سنت الٰہیہ اور سنت ملائکہ کے مطابق غلامانِ مصطفیٰ سے بھی مطلوب و مرغوب ہے کہ انہیں بھی محبوب کے لئے خیر و برکت اور ان کے بلندی مراتب کی بھیک مانگتے رہنا چاہئے جب وہ بھکاری بنیں گے تو ان پر بھی رحمت باری ہوگی اور اپنے لئے کچھ مانگے بغیر انہیں سب کچھ دے دیا جائے گا۔ پس عمل ایک اس کے فاعل تین لیکن اس کا اثر اور نتیجہ ایک ہی ہے یعنی اللہ فرشتوں اور اہل ایمان کے محبوب ﷺ کی شان عظمت و رفعت کا اظہار، ان کے ذکر مقدس کے بقاء و دوام کا اعلان اب اس کائنات میں کون ہے جو مصطفیٰ ﷺ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے نہ جانے کتنے بڑے کہلانے والے آئے اور چلے گئے ان کا نام و نشان تک نہ رہا لیکن ذکر مصطفیٰ ﷺ روز اول کی طرح آج تک ہے اور اسی طرح تا ابد رہے گا۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ منجانب اللہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ کے درود بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس دنیا میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کو اس طرح بلند فرمایا کہ ان کا ذکر بلند رکھا ان کے دین کو غلبہ عطا فرمایا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کا سلسلہ تا ابد جاری رکھا ہے اور آخرت میں ان کی عزت و عظمت کا اس طرح مظاہرہ ہوگا کہ گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت مقبول ہوگی انہیں

بہترین اجر وثواب عطا فرما کر بلند مقام پر فائز کیا جائے گا جو مقام محمود کہلائے گا اور اس طرح اولین و آخرین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت وفضیلت نمایاں ہوگی اور تمام مقربین پر آپ کی عزت آشکارا ہو جائے گی۔

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں:

کہ جب بندۂ مؤمن بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے "اللھم صل علٰی سیدنا محمد" تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو بلند فرما ان کے دین کو غلبہ عطا فرما۔ ان کی شریعت مطہرہ کو دوام عطا فرما ان کا مرتبہ بلند فرما اور روز محشر گناہ گاروں کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما کر ان کا اجر وثواب گونا گوں کر دے۔

اور بعض اسلاف نے بڑی ہی اچھی وضاحت کی کہ "اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے لیکن ہم نہ تو ان کے بلند مراتب سے کما حقہ واقف ہیں اور نہ ہی ان کے دربارِ عالی کے آداب بجالانا ہمارے بس میں ہے نہ ہی ہم یہ جانتے ہیں کہ اس حکم عالی کی تعمیل کا طریقۂ احسن کیا ہے جو مقبول ہو پس ہم "اللھم صل علٰی سیدنا محمد" کا ایک معروضہ دربارِ الٰہی ہی میں پیش کرتے ہیں کہ مولا تو نے ہمیں حکم دیا ہے ایسا حکم جس کی تعمیل کما حقہ ہمارے بس میں نہیں پس ہم تجھ ہی سے التجا کرتے ہیں کہ ہماری جانب سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام نازل فرمادے جیسا کہ حق ہے جو ان کو پسند ہو اور جو ان کے دربار عالی میں مقبول ہو۔ اگر بندۂ عاجز کا یہ معروضہ قبول ہو گیا تو یقین جانئے مقدر چمک اٹھا دنیا وآخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں، فصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد وعلٰی اله وصحبه اجمعین۔

درود پڑھنا واجب ہے

جمہور علماء کے نزدیک زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن جن احادیث مبارکہ میں درود شریف نہ پڑھنے والے کو بخیل، ظالم، بدبخت قرار دیا گیا ہے ان کے پیش نظر اکثر علماء کرام نے واجب قرار دیا ہے کہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی لیا جائے۔ سنا جائے یا لکھا جائے تو ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے جبکہ مختصر درود ﷺ ہے یعنی اتنا ہی کہہ دینا یا لکھ دینا کافی ہے اور بکثرت درود پڑھتے رہنا افضل مستحب ہے اور بے شمار ثواب رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا چند احادیث درج ذیل ہیں ان پر غور کیجئے اور اللہ توفیق دے تو عمل کی کوشش کیجئے۔

راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف پڑھا۔

ظاہر ہے قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قرب اُخروی نجات کی ضمانت ہے آپ کی شفاعت نصیب ہونے

کی بشارت ہے ایک عظیم ترین سعادت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشَرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔

جس نے مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں، ﷺ

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو اتنا خوش اور ہشاش بشاش دیکھا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ دیکھا تھا پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ مجھے اتنے خوش نظر آ رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی میں نے آپ کو اتنا خوش نہ پایا۔ آپ نے فرمایا میں کیوں نہ خوش ہوں کہ ابھی مجھے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ پیغام سنا کر گئے ہیں کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا وَمَحَوْتُ عَنْهُ عَشَرَ سَيِّئَاتٍ وَكَتَبْتُ لَهُ عَشَرَ حَسَنَاتٍ۔

کہ جس نے آپ پر ایک بار درود شریف پڑھا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور دس گناہ مٹا دوں گا اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دوں گا۔

اس ارشاد میں اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی عظمت و بزرگی کا اظہار ہے لیکن آپ کو خوشی اس بشارت پر تھی کہ یہ عمل امت کی مغفرت و بخشش اور بلندی مراتب کا ذریعہ ہیں، صلی اللّٰہ علیہ و اٰلہ و صحبہ اجمعین۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ۔

بخیل وہ ہے جو میرا نام سنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے۔ ﷺ

یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب دو حصہ رات گزر جاتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوتے اور فرماتے تھے "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ" اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو اللہ کو یاد کرو تھرا دینے والی آ گئی اس کے پیچھے اور آنے والی ہے موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کثرت سے درود شریف پڑھتا ہوں۔ ارشاد فرمایئے میں کس قدر پڑھا کروں فرمایا جتنا تیرا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ، فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ پس میں نے کہا:

اَجۡعَلُ صَلوٰتِیۡ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تَکۡفِیۡ ھَمَّکَ وَیُغۡفَرُ لَکَ ذَنۡبُکَ۔

میں سارا وقت درود ہی پڑھتا رہوں گا آپ نے فرمایا تو تیرے سارے رنج والم دور کرنے کے لئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ﷺ

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے یہ حدیث بھی روایت کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!

اَرَأَیۡتَ اِنۡ جَعَلۡتُ صَلَاتِیۡ کُلَّھَا عَلَیۡکَ قَالَ اِذًا یَکۡفِنۡکَ اللّٰہُ مَا اَھَمَّکَ مِنۡ دُنۡیَاکَ وَاٰخِرَتِکَ۔

کیسا ہوگا اگر میں اپنا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں صرف کردوں۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تیری دنیا و آخرت کی مشکلیں دور کردے گا۔ ﷺ

غرضیکہ کثرت سے درود شریف پڑھتے رہنا فرائض کے بعد ہر قسم کے اوراد و وظائف سے افضل ہے۔ اس سے حزن وملال اور رنج والم دور ہوتا ہے مشکلات آسان ہوتی ہیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں نصیب ہوتی ہیں۔ بعض احادیث کے مطابق قلبی سکون، مسرت وخوشی میسر آتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، رحمت باری کا نزول ہوتا ہے، گناہ مٹتے ہیں، نیکیاں بڑھتی ہیں درود پڑھنے والوں کو بلندی مراتب کا مژدہ دیا گیا ہے اور یہ آخرت کی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

مَوۡلَایَ صَلِّ وَسَلِّمۡ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیۡبِکَ خَیۡرِ الۡخَلۡقِ کُلِّھِمٖ

چند احادیث

فضائل درود شریف کے سلسلے میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کا ایک ذخیرہ بحمد اللہ ہمارے پاس محفوظ ہے ان تمام احادیث کو تو یہاں نقل کرنا ممکن نہیں۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد ہے میرے آقا ﷺ کا:

جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے نبی پر درود شریف پڑھتے ہیں ''اِلَّا کَانَ عَلَیۡھِمۡ تِرَۃً یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَاِنۡ شَآءَ عَذَّبَھُمۡ وَاِنۡ شَآءَ غَفَرَلَھُمۡ'' تو قیامت کے دن یہ مجلس ان کے لئے وبال جان ہو جائے گی اور اگر اللہ چاہے گا تو انہیں عذاب میں مبتلا کردے گا اور اگر چاہے گا تو اپنے فضل وکرم سے ان کی بخشش فرمادے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

''اِذَا سَمِعۡتُمُ الۡمُؤَذِّنَ فَقُوۡلُوۡا مِثۡلَ مَا یَقُوۡلُ'' جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی جملے دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے ''ثُمَّ صَلُّوۡا عَلَیَّ'' پھر مجھ پر درود شریف پڑھو'' فَاِنَّہٗ مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیۡہِ بِھَا عَشۡرًا'' کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین سے اور وہ اپنی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود بھیجے پھر دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' اور جب مسجد سے نکلے تو درود شریف پڑھے اور دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِیْ وَافْتَحْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ۔''

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ کی ثناء پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''سَلْ تُعْطٰی'' اب جو چاہو مانگو ملے گا۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا مانگنے لگا: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِیْ وَارْحَمْنِیْ'' اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرمادے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے نمازی تو نے بہت جلدی کی جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد و ثناء کرو پھر مجھ پر درود پڑھو ''ثُمَّ ادْعُہٗ'' پھر اللہ سے دعا کرو پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد و ثناء کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے فرمایا ''اَیُّھَا الْمُصَلِّیْ اُدْعُ تُجَبْ'' اے نمازی اب مانگ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اَلدُّعَآءُ وَالصَّلٰوۃُ مُعَلَّقٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَلَا یَصْعَدُ اِلَی اللّٰہِ مِنْہُ شَیْیءٌ حَتّٰی یُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کہ دعا اور نماز آسمان و زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے اور وہ اس وقت تک اللہ کی بارگاہ میں پیش نہیں ہوتی جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الدُّعَاءَ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ الدَّاعِیُ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' کہ دعا بارگاہِ الٰہی میں پیش نہ کی جائے گی جب تک کہ دعا کرنے والا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف نہ پڑھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب ارادہ کرے کہ وہ اللہ کے دربار میں التجا کرے ''فَلْیَبْدَاء بِمَدْحِہٖ وثَنَاءٍ ہٖ عَلَیْہِ'' تو پہلے اپنے رب کی اس کی شان کے مطابق مدح و ثناء کرے ''ثُمَّ یُصَلِّیْ علی النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھے ''ثُمَّ لیَسْئَلْ وَاَنَّہٗ اَجْدَرُ اَنْ یَّنْجَحَ'' پھر اپنے رب سے التجا کرے تو امید کی جاسکتی ہے کہ

اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

حضرت ابن عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دعا کے کچھ ارکان ہوتے ہیں کچھ اسباب ہوتے ہیں اور قبولیت کے اوقات ہوتے ہیں اگر دعا اس کے ارکان کے مطابق ہو تو طاقتور ہوتی ہے اگر اس کے پر ہوں تو آسمان پر پرواز کر جاتی ہے اور قبولیت کی گھڑیوں میں دعا کی جائے تو کامیاب ہوتی ہے اگر اس کے اسباب مہیا ہوں تو قبول ہوتی ہے ''فَاَرْ کَانُهٗ حُضُوْرُ الْقَلْبِ وَالرِّقَّةُ وَالْاِسْتِکَانَةُ وَالْخُشُوْعُ وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِاللّٰهِ وَقَطْعُهُ الْاَسْبَابِ'' دعا کے ارکان دل کا حاضر ہونا عاجزی و انکساری، خشوع و خضوع کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا تعلق اور تمام مادی و ظاہری سہاروں اور اسباب سے علیحدگی ہیں اور دعا کی قبولیت کے اوقات سحری کے اوقات ہیں اس کے اسباب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنا ہیں۔

ان احادیث و آثار سے دعا کی قبولیت اور دعا مانگنے کا طریقہ واضح اور ثابت ہو گیا۔ اسی لئے ہم دعا سے پہلے اللہ جل مجدہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں ہدیہ درود پیش کرتے ہیں اور پھر اپنے اور دیگر اہل ایمان کے لئے مانگتے ہیں جو کچھ بھی مانگتے ہیں اور دعا ختم بھی حمد و ثناء اور درود شریف پر ہی کرتے ہی اور کوشش کرتے ہیں کہ بوقت دعا الفاظ دعا میں عجز و انکساری ہو آنکھوں سے آنسو جاری ہو یا کم از کم چہرے پر رونے کے آثار ہوں رہا معاملہ حضورِ قلب اور خلوص نیت کا تو دلوں کا مالک اللہ ہی ہے وہی دلوں کا حال جاننے والا بھی ہے ہمیں یہی کوشش کرنا چاہئے کہ بوقت دعا دل اللہ ہی کی طرف لگا ہو اور سارے ظاہری و مادی اسباب کو بھول کر اس ہی سے بھیک مانگ رہے ہوں تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ہمیں اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہوگا اور اگر دعا مجمع میں کی جائے تو باآواز بلند کی جائے تاکہ دوسرے اہل ایمان کی آمین ہماری دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہو۔ اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مزید ارشادات ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں اس کی ناک خاک آلود ہو ''ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔'' جس نے میرا اسم گرامی سنا اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھا۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِی الْکِتَابِ لَمْ تَزَلِ الْمَلَآئِکَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَادَامَ اِسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ'' جس شخص نے کسی کتاب میں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھا تو جب تک یہ کتاب رہے گی فرشتے اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہیں گے، ﷺ

یعنی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے ہیں کہ ان کے غلام جب بھی ان کا نام پاک لیں سنیں یا لکھیں تو ان کے دربار میں ہدیہ درود پیش کریں۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس کا فائدہ بتاتے ہوئے بیان کیا کہ کسی عالم کا ایک ہم سبق حدیث شریف کا طالب علم تھا اس کے انتقال کے بعد انہوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ سبز لباس میں

نہایت ہی خوش وخرم ٹہل رہا ہے انہوں نے اس سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے یہ اللہ کا انعام اور یہ خوشی و مسرت تمہیں سب کیسے نصیب ہوا۔ اس نے بتایا کہ میری یہ عادت تھی کہ میں ہمیشہ حضور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف ضرور لکھا کرتا تھا پس اللہ نے اپنے فضل وکرم سے یہ مجھے اس کا صلہ عطا فرمایا ہے (اے اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے بھی ہمیشہ تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مسعود کے ساتھ درود شریف لکھا جب آپ کا نام لیا یا سنا تو درود شریف پڑھا اور تعظیماً اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگائے پس اے اللہ تو اپنے نیکوں کے طفیل ہمارے اس عمل کو قبول فرمالے اور درود شریف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈا کردے اور اس کی برکت سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے)'' فصلی اللّٰہ علی النبی الامی و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔''

ایک ایمان افروز بات اور ملاحظہ ہو حضرت عبداللہ بن حکم رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ فرمائیے اللہ رحیم وکریم نے بعد موت آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا پس آپ نے فرمایا ''رَحِمَنِیْ وَغَفَرَلِیْ وَزَفَّنِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ کَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ وَنَثَرَ عَلَیَّ کَمَا یُنْثَرُ عَلَی الْعُرُوْسِ'' میرے رب کریم نے مجھ پر بڑا ہی رحم فرمایا اور میری بخشش کردی۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کرکے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر نچھاور کیے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ پر رب کریم کی ان عنایات کا سبب کیا ہے پس آپ نے بتایا یہ صلہ ہیں اس درود عظیم کا جو میں نے اپنی کتاب ''الرِسالہ'' میں لکھا ہے اور وہ درود شریف یہ ہے:

''وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَہُ الْغَافِلُوْنَ''

حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو میں نے الرسالہ میں اس درود شریف کو تلاش کیا اور بعینہٖ اسی طرح لکھا ہوا پایا (اے کریم مولا صدقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے گناہوں کو بھی درود شریف کی برکت سے معاف فرمادے آمین)۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

حضرت علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ قیامت کے دن دربار الٰہی میں محدثین حاضر ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی جن سے وہ احادیث رسول اللہ ﷺ لکھا کرتے تھے اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمائے گا ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم حدیث لکھنے اور پڑھنے والے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم (احادیث لکھتے اور پڑھتے وقت) میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود پڑھا کرتے تھے۔ (اللھم اجعلنا منھم ومعھم)

حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم گرامی کے ساتھ صرف صلی اللہ علیہ لکھا کرتا تھا وسلم نہیں لکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اس سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے آپ کو چالیس

نیکیوں سے محروم رکھتے ہو یعنی وسلم میں چار حروف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مواہب الدنیہ میں ہے کہ قیامت کے دن جب کسی مؤمن کی نیکیوں کا وزن کم ہوگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی کے برابر ایک کاغذ کا ٹکڑا میزان میں رکھ دیں گے جس سے اس کی نیکیوں کا پلہ وزنی ہو جائے گا یہ دیکھ کر وہ مؤمن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت و سیرت بہت ہی اچھی ہے۔ آپ فرمائیں گے میں تیرا نبی ہوں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور یہ درود شریف ہے جو تو مجھ پر پڑھا کرتا تھا اور آج تیری ضرورت کے وقت میں نے تجھے اس کا بدلہ دے دیا ہے۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ قیامت کے دن تین مقامات پر ہم غلاموں کی نگرانی فرما رہے ہوں گے حوض کوثر پر کہ کوئی پیاسا تو نہ رہا۔ میزان پر کہ کسی کے اعمال حسنہ کا پلہ ہلکا تو نہ رہا صراط پر کہ سب غلام بعافیت اس سے گزر رہے ہیں، ﷺ

علماء فرماتے ہیں

جمہور علماء کرام کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا اور آپ کے اسم گرامی کے ساتھ درود لکھنا واجب ہے چند علماء کرام کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

امام یوسف بن عمر بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ علمائے اندلس کے شیخ اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث تھے ۳۸۰ھ میں وصال ہوا ان کی کتاب ''استذکار'' نہایت مشہور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق مؤمن کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا فرض ہے۔

عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ'' جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور کی وفات کے بعد بھی آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ ''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ'' بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء (علیہم السلام) کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا نبی بعد وفات بھی زندہ رہتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

یہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے اور علماء نے بعد تحقیق اس کے متعلق صراحت کی ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ قابل اعتماد ہیں لہٰذا اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا'' اپنے گھروں میں (بھی) نمازیں پڑھا کرو انہیں قبرستان نہ بنا دو۔ ''ولا

تَتَّخِذُوْا بَیْتِیَ عِیْدًا'' نیز میرے گھر کو عید نہ بناؤ (کہ عید کی طرح سال میں صرف دو مرتبہ حاضری دو)'' وَصَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ وَسَلَامَکُمْ یَبْلُغُنِیْ اَیْنَمَا کُنْتُ'' اور مجھ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہا کرو کیونکہ تمہارا صلوٰۃ وسلام مجھے پہنچتا رہتا ہے میں کہیں بھی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے'' حَیْثُ مَا کُنْتُ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ'' میں کہیں بھی ہوں تم مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا رہتا ہے۔

نعیم بن ضمضم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمران بن حمیری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کیا میں تمہیں ایک حدیث شریف نہ سناؤں۔ میں نے عرض کیا ضرور سنایئے تو انہوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے تمام مخلوق کی آواز سننے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ میری وفات کے بعد سے میری قبر انور پر مقرر ہے'' فَلَیْسَ اَحَدٌ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صَلٰوۃً'' تو جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے یہ فرشتہ کہتا ہے'' یَا مُحَمَّدُ صَلّٰی عَلَیْکَ فَلَانُ ابْنُ فَلَانٍ'' اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) فلاں ابن فلاں نے آپ کے دربار میں ہدیہ درود پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پس اللہ اس شخص پر ایک مرتبہ درود کے بدلہ دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جو تمام بندوں کی باتیں سننے کی قوت رکھتا ہے'' فَلَیْسَ مِنْ اَحَدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ صلٰوۃً'' تو جب بھی میرا کوئی غلام مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ مجھے بتاتا ہے اور میں نے اپنے رب سے گزارش کی ہے کہ مولا تیرا جو بندہ بھی مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے تو اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت نازل فرما۔

امام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اندلس کے مشہور علماء میں شمار ہوتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا سنن موکدہ کی طرح واجب ہے حتیٰ کہ ابن عطیہ نے (جو دمشق کے مشہور عالم تھے ۲۸۲ میں وصال ہوا۔ ان کی تفسیر'' ابن عطیہ'' مشہور ہے) بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا سنن مؤکدہ کی طرح واجب ہے جس کا ترک کرنا قطعاً اچھا نہیں اس کارِ خیر سے وہی غافل ہوسکتا ہے جس میں خیر کا عنصر بالکل ہی نہ ہو۔

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ مشہور محدث اور مجتہد تھے ساری دنیا میں ان کے مقلدین موجود ہیں انہوں نے امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا۔ عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے ۲۰۴ھ میں وصال ہوا مزار مبارک مصر کے شہر قراقہ میں ہے۔ فرماتے ہیں نماز کے آخری قعدے میں درود شریف پڑھنا واجب ہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے بعض شاگردوں کا بھی یہی مسلک ہے لیکن بعض علماء نے بلاتعین تعدا

بکثرت درود شریف پڑھنا ضروری قرار دیا ہے (امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ حدیث کے امام اور عظیم مجتہد تھے عشق رسول ﷺ میں دیوانے تھے ساری زندگی مدینہ منورہ ہی میں گزار دی کسی دوسرے شہر نہ گئے کہ کہیں موت نہ آ جائے اور مدینہ منورہ کی مقدس زمین سے محرومی ہو جائے۔ بالآخر ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ ہی میں وصال کی سعادت نصیب ہوئی اور جنت البقیع شریف میں دفن ہوئے لیکن افسوس کہ اس عاشق رسول کے مزار پر انوار کا نام ونشان تک نہیں)۔

حضرت امام حافظ ابوجعفر بن محمد بن سلامہ المصری الطحاوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور فقیہ تھے بہت کتابوں کے مصنف ہیں ۳۲۱ھ میں مصر میں وصال ہوا۔ فرماتے ہیں ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سنے یا خود کرے تو درود شریف پڑھے۔

امام عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث اور عارف باللہ تھے ان کا وصال انیس جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ مصر میں ہوا۔ فرماتے ہیں جب آیت درود نازل ہوئی تو صحابہ کرام جوق در جوق بارگاہِ رحمت عالم ﷺ میں حاضر ہو کر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرنے لگے۔

غرضیکہ آقائے کائنات ﷺ کے دربار عالی میں درود شریف پیش کرنا واجب ہے حکم الٰہی ہے اس کی کثرت خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ عمل ہے جس سے علم وعرفان میں زیادتی ہوتی ہے انشراح ذہن وقلب میسر آتا ہے۔ یہ قربِ الٰہی کا زینہ ہے اس سے گناہوں کی تاریکی دور ہوتی ہے اور دل نور ایمان سے روشن ہو جاتا ہے۔ حجابات دور ہو جاتے ہیں اور کائنات ہتھیلی پر رائی کے دانہ کی طرح نظر آنے لگتی ہے۔ جو چاہتا ہے کہ عالم ماکان ویکون کے خزانۂ علمی سے وافر حصہ حاصل کرے وہ اس خزانہ کے مالک پر درود شریف پڑھا کرے۔ درود شریف سنۃ الٰہیہ ہے، ملائکہ کا معمول ہے صحابۂ کرام کا ذوق ہے۔ اولیاء اصفیاء کا وظیرہ ہے۔ علماء کرام کا معمول ہے اس سے موت کی شدت آسان ہوتی ہے۔ نکرین کا خوف زائل ہوتا ہے، عذاب قبر دور ہوتا ہے، قبر کی تاریکی سے نجات ملتی ہے، وسعت قبر میسر آتی ہے، درود شریف پڑھنے والوں کے چہروں پر نور کی بارش ہوتی ہے، ان کے چہرے پر کشش ہو جاتے ہیں، فصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

تین اہم مسائل

اس موقع پر تین اہم مسائل کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ ان سے متعلق غلط فہمیوں کا شکار رہتے اور کچھ لوگ یہ غلط فہمیاں پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتا ہے یا نہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمارا درود پڑھنا سنتے ہیں یا نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم درود پڑھنے والے غلام کو پہچانتے ہیں یا نہیں نیز کیا آپ اسے جواب

دیتے ہیں یا نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال میری خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں اگر میں تمہارے اچھے اعمال کو دیکھتا ہوں تو اللہ کی حمد کرتا ہوں (شکر ادا کرتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں) اور تمہارے گناہ دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

کیسے پیارے رؤف رحیم آقا ہیں ہمارے ﷺ کہ ہمارے اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہمارے گناہوں سے انہیں تکلیف ہوتی ہے پھر بھی کرم فرماتے ہیں کہ ہماری درخواست سے پہلے ہی ہمارے لئے دعائے مغفرت کرواتے ہیں کہ ہم خطاوار ہیں تو کیا ہوا، ہیں تو انہی کے ان کے سوا ہمارا سہارا اور وسیلہ کون ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ'' بیشک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسا رسول آیا جسے تمہارا برائیوں میں مبتلا ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے وہ تمہارے لئے نیکیوں کا خواہاں رہتا ہے مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان رحم فرمانے والا ہے، ﷺ

حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے والے کے لئے ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں اس کا ہدیہ درود پہنچاتا رہتا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان تیم رضی اللہ عنہ نے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی تو پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جو لوگ آپ کی بارگاہ میں دور دراز سے درود شریف پیش کرتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں کیا وہ آپ کے دربار میں پہنچتا ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہم ان کے درود و سلام کو سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوپر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرم بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوا میں نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو حجرہ انور کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور فاقہ کشی سے میری حالت بری ہو چکی تھی۔ پانچ دن گزر گئے تھے اور ایک دانہ بھی کھانے کے لئے میسر نہ آیا تھا۔ پس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوا۔ آپ کے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دربار میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا ضَيْفُكَ اللَّيْلَةَ'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم آج رات میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر میں منبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے دائیں بائیں تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے

سامنے موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے جگایا فرمایا ابوالخیر اٹھو۔ سرکار تشریف فرما ہیں میں اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''وَقَبَّلْتُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ'' اور میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی میں نے آدھی روٹی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا تو آدھی روٹی میرے سامنے رکھی ہوئی تھی، صلی اللّٰہ علی النبی الامی وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جب مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو چاہے وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو میرے رب کے فرشتے اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! جب کوئی مدینہ منورہ ہی میں سلام عرض کرتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کرتے ہیں فرمایا کریم کا جو برتاؤ اپنے پڑوسی سے ہوتا ہے۔

یعنی ایک کریم النفس شخص کو جو برتاؤ اپنے پڑوسی کے ساتھ کرنا چاہئے وہی میں اہل مدینہ کے ساتھ کرتا ہوں کہ پڑوسی کا حق دوسرے سے زیادہ ہوتا ہے۔ میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنے غلاموں کو پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دی تو وہ خود ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہوں گے جو ان کے پڑوسی ہیں اور ان کے دربار عالی پر حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرتے ہیں اندازہ لگائیے ان پر آپ کا ابر رحمت کتنا برستا ہوگا، صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب مزار پر انوار پر حاضر ہونے والوں کا جواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا فرماتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے ''رَدُّهٗ عَلٰى مَنْ يُّسَلِّمُ مِنْ جَمِيْعِ الْاٰفَاقِ'' کہ آفاق عالم میں جو غلام بھی آپ پر درود وسلام پیش کرتا ہے آپ اس کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن مکی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالفضل القرمسانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی خراسان سے میرے پاس آیا اس نے بتایا کہ میں مسجد نبوی شریف میں سویا ہوا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا جب تم ہمدان جاؤ تو ابوالفضل بن زیرک کو ہمارا سلام پہنچانا میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اپنے ایک غلام پر آپ کا اس قدر کرم کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مجھ پر ہر روز سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے وہ شخص حاضر ہوا اور اس نے ابوالفضل کو سرکار ﷺ کا سلام پہنچایا اور کہا برائے کرم مجھے بھی وہ درود مبارک بتا دیجئے جو سرکار کے دربار میں اس قدر مقبول ہے پس انہوں نے فرمایا میں ہر روز یہ درود شریف پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا عَنَّا مَاهُوَ اَهْلُهٗ۔

محمد بن مالک نے بیان کیا کہ میں بغداد شریف ابوبکر بن مجاہد المقری سے قرأت سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ایک روز ہم سب ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کے پاس ایک بزرگ آئے جو پرانا عمامہ باندھے ہوئے اور بوسیدہ کرتا پہنے

ہوئے تھے اور انہوں نے ایک نہایت پرانی سی چادر اوڑھ ہوئی تھی ہمارے استاد انہیں دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنی مسند پر بٹھایا ان سے، ان کا، ان کے اہل وعیال کا حال پوچھا خیر و عافیت سے فارغ ہو کر ان بزرگ نے بتایا آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔ اہل خانہ نے مجھ سے کہا کہ گھی اور شہد لاؤ لیکن میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ان کی فرمائش کیسے پوری کروں۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب چلے گئے۔ شیخ ابوبکر فرماتے ہیں رات کو میں سو گیا لیکن میرا دل ان بزرگ کی حالت سن کر بہت مغموم تھا۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی آپ نے پوچھا اے ابوبکر کیا بات ہے تم اس قدر غمزدہ کیوں ہو میں نے سرکارِ دو عالم کے ایک غلام کی پریشانی بتائی۔ آپ نے فرمایا اٹھو اور علی بن الوزیر کے پاس جاؤ اسے میرا سلام پہنچاؤ اور اپنا تعارف کراؤ نیز بطور نشانی اسے بتاؤ کہ وہ ہر جمعہ کی شب ایک ہزار درود شریف پڑھتا ہے لیکن ایک رات سات سو مرتبہ ہی درود پڑھ پایا تھا کہ اسے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑا وہاں سے فارغ ہو کر اس نے بقیہ تین سو مرتبہ درود پڑھا اس سے کہو کہ اگر یہ نشانی صحیح ہے تو تم ان بزرگ کو سو دینار پیش کر دو تا کہ وہ اپنے اہل خانہ کی فرمائش پوری کر سکیں۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگ کو لے کر وزیر کے گھر پہنچے اور جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا وزیر سے کہا وزیر سن کر بے حد خوش ہوا اس نے فوراً دیناروں کی ایک تھیلی منگائی اور سو دینار ان بزرگ کو پیش کئے اور سو دینار حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو دینا چاہے لیکن آپ نے اس کے اصرار کے باوجود قبول نہیں فرمائے۔

شیخ ابو عمر سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ حرم شریف، عرفات و منیٰ ہر جگہ صرف درود شریف پڑھ رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا اللہ کے بندے ہر مقام کے لئے مختلف دعائیں موجود ہیں تم وہ کیوں نہیں پڑھتے اس شخص نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ:

میں حج کے لئے خراسان سے روانہ ہوا راستہ میں میرا باپ بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اسے چادر اوڑھا دی تھوڑی دیر بعد جب میں نے چادر ہٹائی تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اچانک اس کا چہرہ بالکل سیاہ ہو گیا تھا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا اور اسی حال میں بیٹھے بیٹھے میں سو گیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کوئی شخص میرے والد کے پاس آیا اس نے چادر ہٹائی چہرہ دیکھ کر چادر پھر اوڑھا دی اس شخص نے مجھ سے پوچھا بھائی تم اس قدر غمزدہ اور افسردہ کیوں ہو میں نے اسے سارا حال بتایا اس نے کہا ذرا اب اپنے باپ کا چہرہ تو دیکھو میں نے اس کی چادر ہٹائی تو دیکھا کہ چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہے میں نے اس مہربان سے پوچھا اللہ مجھے بتائیے آپ کون ہیں اور یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے فرمایا "انا المصطفیٰ" میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں میں ان کے احترام میں کھڑا ہو گیا اور ان کی چادر پکڑ کر عرض گزار ہوا "بِحَقِّ اللّٰهِ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا تَنَبِّئْ بِالْقِصَّةِ" اے میرے آقا صلی اللہ علیک وسلم اللہ کے واسطے مجھے یہ قصہ بتائیے، پس آپ نے فرمایا:

"یہ تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سود خور کے چہرے کو موت کے بعد دنیا ہی میں یا آخرت میں گدھے کی مانند کر دیتا ہے لیکن تیرے باپ کا ایک عمل آج اس کے کام آ گیا اور وہ یہ کہ وہ ہر رات مجھ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

جب تیرے باپ کا یہ حال ہونے لگا تو وہ فرشتہ جو امتیوں کے اعمال میرے دربار میں پیش کرتا ہے حاضر ہوا اور اس نے مجھے اس کا حال بتایا۔ پس میں نے اس کے لئے اللہ سے دعا کی اللہ نے اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمائی اور اس کے گناہ کو معاف کر دیا۔"

راوی کہتا ہے کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے اپنے باپ کا چہرہ دیکھا تو وہ ایسا ہی چمک رہا تھا جیسا میں نے خواب میں دیکھا تھا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور باپ کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد میں کچھ دیر کے لئے اس کی قبر ہی کے پاس بیٹھا رہا کہ مجھے نیند آ گئی تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ تیرے باپ پر اللہ کا یہ کرم صرف درود شریف کی برکت سے ہوا ہے۔ اس وقت سے میں نے قسم کھائی ہے کہ میں درود شریف کے سوا کوئی وظیفہ نہ پڑھوں گا چاہے میں کسی بھی مقام پر ہوں۔

محمد بن حسین حرانی کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا جس کا نام الفضل تھا وہ بکثرت روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا تھا۔ وہ احادیث بھی لکھا کرتا تھا لیکن کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود نہ پڑھتا تھا۔ اس نے خود ہی بتایا کہ ایک دن میں نے آقا ﷺ کی بحالت خواب زیارت کی۔ آپ نے فرمایا اے فضل تو کیوں نہیں میرے ذکر کے وقت درود شریف پڑھتا اور کیوں نہیں میرے نام کے ساتھ درود شریف لکھتا پس اس دن سے میں نے بکثرت درود شریف لکھنا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

پھر ایک مرتبہ مجھے شرف زیارت نصیب ہوا تو سرکار ﷺ نے مجھ سے فرمایا "بَلَغَتْنِیْ صَلٰوتُک عَلَیَّ" تمہارا درود شریف مجھے پہنچتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا میرے نام کے ساتھ اس طرح درود شریف لکھا کرو "صلی اللہ علیہ وسلم" کہ سَلَّمَ میں چار حرف ہیں ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، سَلَّمَ نہ کہنے نہ لکھنے سے تو چالیس نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

ایک شخص پانچ سو درہم کا مقروض تھا اور قرض کی وجہ سے نہایت متفکر و پریشان رہتا تھا۔ ایک رات بحالت خواب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ غلام نے آقا سے اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کی۔ سرکار ﷺ نے اسے حکم دیا کہ تم ابوالحسن کیسائی کے پاس جاؤ اور میرا پیغام دو کہ وہ تمہیں پانچ سو درہم دے دے کیونکہ ابوالحسن بہت ہی سخی ہے وہ ہر سال دس ہزار غریبوں کو کپڑا دیتا ہے اگر وہ تم سے کوئی نشانی طلب کرے تو بتا دینا کہ تم ہر روز دربار رسالت میں سو مرتبہ درود شریف پڑھتے ہو لیکن کل رات تم نے تحفہ درود پیش نہیں کیا۔

وہ شخص بیدار ہوا اور سیدھا ابوالحسن کیسائی کے پاس پہنچا اور اپنی حاضری کا سبب بیان کیا لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو اس نے کہا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھیجا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کل آپ نے حسب معمول سرکار کے دربار میں تحفہ درود پیش نہیں کیا۔ یہ سنتے ہی ابوالحسن اپنے تخت سے نیچے آئے اور اللہ کے دربار میں سجدۂ شکر ادا کیا اور کہنے لگے میرے بھائی یہ تو میرے اور اللہ کے درمیان راز تھا کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا واقعی کل میں درود شریف کی سعادت سے محروم رہا۔

پھر ابوالحسن نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ انہیں دو ہزار پانچ سو درہم پیش کر دو اور کہا کہ بھائی پانچ سو درہم آپ کی

ضرورت کے لیے ہیں ہزار بطور شکرانہ قبول فرمائیے کہ آپ نے مجھے میرے آقا ﷺ کا پیغام پہنچایا اور ہزار درہم میں آپ کو پیش کرتا ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور آئندہ جب بھی کوئی ضرورت ہو بلا تکلف آپ تشریف لایا کریں۔

ان احادیث مبارکہ آثار اور واقعات کا آپ نے مطالعہ کیا جو تحقیق معتبر اور صحیح ہیں ان میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ان سے وہ تینوں مسئلے حل ہو گئے جو ہم نے اوپر بیان کئے اسی لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ویقین ہونا چاہئے کہ:

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہم گناہگاروں کا درود وسلام یقیناً پہنچتا ہے جو عقیدت ومحبت کے ساتھ خلوص نیت سے درود پڑھتے ہیں ان کا درود حسین وخوبصورت اور مہکتے پھولوں کی صورت میں آپ کے دربار میں پیش ہوتا ہے اور ہمارا درود بھی پیش ہوتا ہے ضرور پیش ہوتا ہے چاہے اس کی صورت کیسی ہی ہو۔

اور اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ زندہ ہیں بنفس نفیس ہمارے درود شریف کی آوازیں سنتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ وہ ان آوازوں کو سماعت فرما کر خوش بھی ہوتے ہیں۔

نیز آقا ﷺ اپنے ایک ایک غلام کو اس کے حسب ونسب کے ساتھ خوب پہچانتے ہیں بالخصوص ان غلاموں کو جو آپ کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آقا ﷺ کا یہ کرم بھی ہوتا ہے کہ آپ غلاموں کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں چاہے کوئی قریب سے سلام پیش کرے یا دور سے کہ ہم تو آقا سے دور ہیں لیکن وہ یقیناً اللہ کے ارشاد ''النبی اولی بالمؤمنین'' کے مطابق اپنے غلاموں سے دور نہیں یہ ان پر ان کے رب کا خاص فضل وکرم ہے کہ فاصلے ہمیں ان سے دور نہیں کرتے ہم سب ان کی ایک نظر میں سمائے ہوئے ہیں بس شرط یہ ہے کہ ہمارا ان سے تعلق کیسا ہے کہ ان سے محبت وعقیدت اور ان کی اتباع واطاعت ہمیں ان سے قریب تر کر دیتی ہے اور ان کا وسیلہ ہمیں ان کے رب سے قریب تر کر دیتا ہے۔ پس سلام کا جواب ضرور ملتا ہے اگر ہم ان کے قریب ہیں تو جواب کو ہم سنتے بھی ہیں اور ان سے مصافحہ ومعانقہ کا شرف بھی حاصل کرتے ہیں اور اگر بدنصیبی سے ہم ان سے دور ہو گئے ہیں تب بھی وہ ضرور جواب دیتے ہیں ہم نہ سنیں تو اس کا سبب ہماری دوری ہے۔

غور کیجئے جس پر ہم دن رات درود پڑھتے ہیں اگر اس تک ہمارا درود پہنچتا ہی نہیں وہ ہمیں پہچانتا ہی نہیں وہ ہمارے درود کی آواز سنتا ہی نہیں تو اس عمل کا فائدہ ہی کیا رہا پس گمراہوں اور گمراہی سے اپنے آپ کو بچایئے خود درود شریف پڑھئے۔ محبت وعقیدت اور اس یقین کے ساتھ پڑھئے کہ وہ ہماری آواز سن رہے ہیں ہمیں دیکھ رہے ہیں ہمارے درود وسلام کا جواب دے رہے ہیں، اللہ قبول کرے آمین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

درود شریف کی برکتیں

چند روایات ملاحظہ ہوں جن سے درود شریف کی برکتیں واضح ہوتی ہیں:

مقاصد السالکین کی ایک روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ! اگر دنیا میں میری حمد کرنے والے نہ ہوتے تو میں بارش کا ایک قطرہ بھی آسمان سے نازل نہ کرتا اور نہ ہی زمین سے کوئی دانہ پیدا ہوتا اور بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا پھر ارشاد ہوا اے موسیٰ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں میرا قرب حاصل ہو جیسے تمہارے کلام کو تمہاری زبان سے قرب ہے جیسے خطرات قلب کو دل کے ساتھ قرب ہے جیسے آپ کی روح کو آپ کے جسم کے ساتھ قرب ہے اور جیسے آپ کی نظر کو آپ کی آنکھوں سے قرب ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی ہاں، یا اللہ! میں تجھ سے ایسا ہی قرب چاہتا ہوں پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے فرمایا تو تم میرے حبیب ﷺ پر درود شریف پڑھا کرو۔

مسالک الحنفاء میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اگر آپ قیامت کے دن پیاس کی سختی سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھا کریں۔

سعادت الدارین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں روح ڈالی اور انہوں نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے عرش الٰہی پر لکھا دیکھا ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' پس آپ نے پوچھا اے اللہ یہ کون ہے؟ جس کا نام آپ کے مبارک نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے اللہ نے فرمایا یہ میرا محبوب ہے جو تیری اولاد میں ہوگا اور میرے نزدیک یہ تجھ سے بھی زیادہ مکرم ومعظم ہے اے آدم اگر میرا یہ محبوب نہ ہوتا تو نہ میں آسمان پیدا کرتا نہ زمین نہ جنت اور نہ دوزخ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ حوا ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت پیدا فرما دی تھی۔ اللہ نے فرمایا نکاح سے پہلے تمہیں ان کا مہر ادا کرنا ہوگا جو میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دس مرتبہ درود پڑھنا ہے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہر ادا کیا اور آپ کا نکاح انسانوں کی ماں حضرت حوا علیہا السلام سے ہو گیا۔

درج ذیل عبارتیں بھی سعادت الدارین ہی میں ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا گناہوں کو ایسا صاف کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آپ پر سلام بھیجنا اللہ کی رضا کے لئے غلام آزاد کرنے سے افضل ہے اور آپ سے محبت کرنا اللہ کی راہ میں تلوار چلانے اور جانیں قربان کرنے سے افضل ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجلسوں کی زینت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہے لہٰذا اپنی مجلسوں کو درود شریف سے مزین کیا کرو۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا جنت کا راستہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا نہ بھولو۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درود پڑھنا، درود شریف پڑھنے والے کو اس کی اولاد کو اور اولاد کی اولاد کو رنگ دیتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن علم کی اشاعت کرو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف کی کثرت کرو۔

سیدنا وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اللہ کی عبادت قرار دیا۔

سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کو اہلسنت و جماعت کی علامت قرار دیا۔

سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جمعرات کو بوقت عصر اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے بھیجتا ہے جن کے پاس چاندی کے ورق اور سونے کے قلم ہوتے ہیں وہ جمعرات کی عصر سے جمعہ کو غروب آفتاب تک زمین پر رہتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے والوں کا درود لکھتے رہتے ہیں۔

سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ انسان ہر حال میں درود پڑھتا رہے۔

سیدنا ابن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا تمام اوراد و وظائف سے افضل ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا یقینی ذریعہ ہے۔

فتح الربانی میں حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "عَلَيْكُمْ بِلُزُوْمِ الْمَسَاجِدِ وَكَثْرَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم" اے ایمان والو تم مسجدوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کثرت درود کو لازم کر لو۔

حضرت عارف صاوی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ درود شریف کے ذریعہ بغیر مرشد کے قرب الٰہی نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ دیگر اوراد و وظائف میں شیطان مداخلت کر لیتا ہے لیکن درود شریف میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرشد ہیں لہٰذا شیطان کی مداخلت کا امکان نہیں۔

علامہ حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان کے راستوں میں سب سے بڑا راستہ درود شریف ہے جبکہ محبت کے ساتھ، ادائے حق کی خاطر، تعظیم و توقیر کے لئے پڑھا جائے۔ درود شریف پر ہمیشگی کرنا ادائے شکر ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شکر ادا کرنا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ہم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار احسانات ہیں۔ آپ دوزخ سے ہماری نجات کا وسیلہ ہیں، جنت میں ہمارے جانے کا ذریعہ ہیں انہی کے واسطہ سے ہمارے اعمال مقبول ہوتے ہیں۔ انہی کے وسیلہ سے ہمیں بلند ترین مراتب نصیب ہوتے ہیں۔

علامہ اقلیشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ کونسا وسیلہ شفاعت ہے اور کونسا عمل ہے جو زیادہ نفع دینے والا ہو اس ذات والا صفات پر درود پڑھنے سے جس ذات بابرکات پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں یقیناً اس ہستی گرامی پر درود پڑھنا

نورِ اعظم ہے اور یہ وہ تجارت ہے جس میں خسارہ ونقصان نہیں صبح وشام درود پڑھنا اولیائے کرام کی عادت ہے اے میرے عزیز تو درود پاک کو مضبوط پکڑ لے اس کی برکت سے تیرا عیب پاک ہوگا تیرے اعمال پاکیزہ ہوں گے اور تو انتہائی امیدوں کو حاصل کرلے گا اور قیامت کے خوف اور ہولناکی سے امن میں رہے گا۔

حضرت علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے میرے عزیز تو اس ذات پاک پر درود کی کثرت کر جو سید السادات ہے جو سعادتوں کی کان ہیں کیونکہ ان پر درود پڑھنا خوشیوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور نفیس ترین رحمتوں کو حاصل کرنے اور ہر نقصان پہنچانے والی چیز سے بچنے کا ذریعہ ہے اور تیرے لئے ہر درود پاک کے بدلے زمین وآسمان کے مالک کی طرف سے دس رحمتوں کا نزول دس گناہوں کا مٹانا اور دس درجوں کو بلند کرنے کا انعام ہے اور ساتھ ہی تیرے لئے فرشتوں کی رحمت وبخشش کی دعائیں شامل ہیں۔

عارف باللہ سیدنا امام شعرانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم درود شریف بکثرت پڑھیں اور یہ کہ ہم مسلمان بھائی بہنوں کو درود پڑھنے کا اجر وثواب بتائیں اور ہم سید دو عالم نور مجسم ﷺ کی محبت وعظمت کے اظہار کے لئے درود پڑھنے کی انہیں رغبت دلائیں اور اگر مسلمان روزانہ صبح وشام ہزار سے دس ہزار تک درود پڑھنے کا ورد بنالیں تو یہ سارے اعمال سے افضل ہوگا اور درود شریف پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ باوضو ہو۔ حضورِ قلب کے ساتھ درود پڑھے کیونکہ یہ بھی نماز ہی کی طرح مناجات ہے اگرچہ اس میں وضو شرط نہیں نیز فرمایا کہ درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کائنات میں کوئی نہیں جسے اللہ رب العزت نے صاحب حل وعقد اور صاحب بست وکشاد بنایا ہو لہٰذا جو شخص اس آقا کی اتباع وپیروی کرے اور محبت سے اس پر درود پڑھے اس کے لئے بڑوں بڑوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور سب مسلمان اس کی عزت کرتے ہیں پھر بتایا کہ شیخ نور الدین شوفی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ دس ہزار مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے اور شیخ احمد زواوی رحمۃ اللہ علیہ روزانہ چالیس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔

سیدنا ابو العباس تیجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنا ہر خیر کی چابی ہے غیوب ومعارف کی چابی ہے انوار واسرار حاصل کرنے کی چابی ہے تو جس شخص نے درود چھوڑ دیا، وہ چھوٹ گیا، کٹ گیا، دھتکارہ گیا اس کا اللہ کے قرب سے کچھ حصہ نہیں۔

آپ نے کسی مرید کو خط لکھا اور فرمایا اللہ کے ذکر میں سے وہ ذکر جس کا فائدہ بہت بڑا ہے اور جس کا پھل بہت میٹھا ہے جس کا انجام نہایت ہی شاندار ہے وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں درود کا تحفہ پیش کرنا ہے کیونکہ درود ہی دنیا وآخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہے۔ جس نے یہ نسخہ استعمال کرلیا وہ اللہ کے بڑے بڑے دوستوں میں سے ہوگا۔

حضرت خرام عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص نفلی عبادت نہیں کر پاتا اسے چاہئے کہ وہ بکثرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھا کرے کیونکہ آپ نے فرمایا جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے تو اگر

انسان عمر بھر تمام نیک کام کرے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک بار درود شریف بھیجے تو یہ عمر بھر کی نیکیوں سے وزنی ہوگا کیونکہ اے عزیز تو ان پر درود بھیجے گا اپنی وسعت کے مطابق اور اللہ تجھ پر رحمت نازل فرمائے گا اپنی شان ربوبیت کے مطابق۔

امام محدث علامہ قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ رسول عظیم ﷺ کا سب سے اعلیٰ واولیٰ، افضل واکمل، ازہر وانور، ذکر پاک آپ پر درود شریف پڑھنا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کا فرمان ہے "بِهَا وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا" یعنی ہم نے جو کچھ بھی پایا ہے خواہ وہ دنیاوی انعامات ہوں یا اُخروی سب کا سب درود پاک ہی کی برکت سے پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ازآں جملہ آنست کہ خواندۂ درود از رسوائی دنیا محفوظ مے ماند وخللے درآبرو" یعنی درود شریف کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اس کا وِرد کرنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی عزت وآبرو میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔

حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کسی کی کوئی حاجت درپیش ہو وہ ہزار مرتبہ پوری توجہ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھ کر دعا کرے انشاء اللہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے گی۔

علامہ یوسف بن نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص درود شریف کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جو کوئی اس درود شریف کو روزانہ دن رات میں تین سو مرتبہ پڑھے اور مصیبت پریشانی سے نجات کے لئے یا کسی خاص ضرورت پوری ہونے کے لئے ایک ہزار مرتبہ پڑھے تو یہ حل مشکلات کے لئے تریاق مجرب ہے اللہ اپنے فضل وکرم سے ضرور اس کی مصیبت وپریشانی کو دور فرمائے گا اور ضرور اس کی حاجت پوری فرمائے گا۔ وہ خاص درود شریف یہ ہے:

"اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ"

مطلب یہ ہے کہ اے میرے سردار، اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو میری ساری تدبیریں ناکام ہوچکی ہیں۔ اب آپ ہی مجھے سہارا دیجئے (آپ بھی اس درود پاک کو یاد کر لیجئے بڑا ہی سستا نسخہ ہے)۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار شریف کے اختتام پر دعا کرتے ہوئے دربار الٰہی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ! میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جو تیری بارگاہ بے کس پناہ کے شایان شان ہو میرے سارے عمل کوتاہیوں اور فسادِ نیت سے ملوث ہیں سوا ایک عمل کے اور وہ ہے تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں نہایت انکساری، عاجزی اور محتاجی کے ساتھ درود وسلام کا تحفہ حاضر کرنا اے میرے رب کریم اس درود پاک سے زیادہ خیر و برکت اور رحمت کے نزول کا اور کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے یقین کامل ہے کہ یہ عمل تیرے دربار عالی میں قبول ہوگا اس کے عمل کے رد ہوجانے یا رائیگاں جانے کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں کیونکہ جو اس دروازے سے آئے اسے اس کے رد ہوجانے کا کوئی خوف نہیں۔

حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بندہ جب عبادت اور اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر فتنے اور

آزمائشیں بکثرت وارد ہوتی ہیں اور درود شریف کا بڑا ہی عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کا ورد کرنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلا نہیں آتا اور حفاظتِ الٰہی شامل ہو جاتی ہے نیز آپ نے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ بلیات جب اترتی ہیں تو گھروں کا رخ کرتی ہیں مگر جب درود شریف پڑھنے والے کے گھر کی طرف آتی ہیں تو وہ فرشتے انہیں روک دیتے ہیں جو درود پاک لکھنے کے لئے یہاں موجود ہوتے ہیں وہ اس گھر میں بلاؤں کو داخل نہیں ہونے دیتے بلکہ انہیں پڑوس کے گھروں سے بھی دور پھینک دیتے ہیں۔

سیدنا عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق جنت صرف درود شریف سے ہی کیوں وسیع ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ جنت نورِ مصطفیٰ ﷺ سے پیدا کی گئی ہے لہٰذا ان ہی کے ذکر پاک سے وسیع ہوتی ہے۔

حضرت علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے درود شریف کو اپنی رضا اور اپنا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے لہٰذا جو شخص جتنا درود پاک زیادہ پڑھے گا اتنا ہی وہ رضا اور قرب کا حقدار قرار پائے گا اور اس بات کا مستحق ہوگا کہ اس کے سارے کام آسان ہوں اور پورے ہوں اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں اس کی سیرت پاکیزہ ہو اور اس کا دل روشن ہو۔

مفسر قرآن حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درود شریف پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ انسان کی روح جبلی طور پر ضعیف ہے پس درود پڑھنے سے اس میں انوارِ الٰہی کی تجلیات قبول کر لینے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس طرح آفتاب کی کرنیں مکان کے روشن دانوں سے اندر جھانکتی ہیں تو اس مکان کے در و دیوار روشن نہیں ہوتے لیکن اگر اس مکان کے اندر پانی کا طشت یا آئینہ رکھ دیا جائے تو آفتاب کے عکس سے مکان کی چھت اور در و دیوار چمک اٹھتے ہیں۔ اسی طرح امت کی روحیں اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے ظلمت کدہ میں پڑی ہوئی ہیں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح انور سے جو کہ سورج سے بھی روشن تر ہے اس کی نورانی کرنوں سے روشنی حاصل کر کے اپنے باطن کو چمکا لیتی ہیں اور یہ استفادہ صرف درود پاک سے ہوتا ہے جو پانی کے طشت یا آئینہ کی طرح ہے۔ اسی لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا '' اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً '' قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین مجھ پر درود پڑھنے والا ہوگا۔

فضائل درود وغیرہ کی کتابوں میں اسی طرح کے بے شمار اسلاف علماء کرام کے ارشادات موجود ہیں جو ان کے تجربات کا نتیجہ ہیں۔ حضرت علامہ مفتی امین الدین صاحب نے اپنی کتاب '' آب کوثر '' میں ان میں سے اکثر کو جمع کر لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کار خیر کی جزاء دے ہم نے اسی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے چند عظیم ہستیوں کے ارشادات پیش کئے ہیں جو درود شریف کی فضیلت اور اس کے فوائد عظیمہ کو جان لینے کے لئے کافی ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔

عام شہادت

اب ہم ایک ایسے شخص کی تحریر پیش کرنا چاہتے ہیں جو بظاہر نہ کوئی عالم ہے اور نہ کوئی بزرگ ہستی لیکن جس انداز سے انہوں نے درود شریف کی فضیلت و عظمت کو بیان کیا ہے اس سے ان کی عقیدت و محبت کا ضرور اظہار ہوتا ہے۔ ہمیں یقین ہے

کہ ان کی یہی عقیدت ان کے لئے ذریعہ نجات ہوگی۔ یہ ہیں "قدرت اللہ شہاب صاحب" یہ ایک بیوروکریٹ، شاہی افسر تھے ہندوپاک میں اچھے عہدوں پر فائز رہے اور اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ ان کی ایک کتاب ہے "شہاب نامہ" اتنی ضخیم ہے کہ دوران سفر ہم نے اسے ایک صاحب کے ہاتھ میں دیکھا کیونکہ وہ ان کے بریف کیس میں نہ آسکی تھی اتفاق سے کسی ضرورت کے تحت انہوں نے ہمیں تھما دی ہم نے اس کے اوراق پلٹے تو کچھ دلچسپ معلوم ہوئی۔ بس ان صاحب سے ہم نے گزارش کی کہ اگر آپ اسے پڑھ چکے ہوں تو ذرا ہمیں دے دیں ہم بھی دیکھ لیں۔ انہوں نے کہا میں نے ابھی پڑھی تو نہیں ہے لیکن آپ زیادہ شوقین معلوم ہوتے ہیں ضرور پڑھئے۔ بس ہم نے دوران سفر جو اس کو پڑھنا شروع کیا تو ایسے مشغول ہوئے کہ ہم یہ تک محسوس نہ کر سکے کہ ہمارے پلین کی پرواز کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔ سفر ختم ہونے کا پتہ اس وقت چلا جب جہاز نے جوہانس برگ کے ایئرپورٹ پر لینڈنگ کی۔ کتاب کیا ہے سیاسی خرافات اور افسران کے واقعات کا پلندہ ہے لیکن درج ذیل عبارت نے اس کتاب کی اہمیت تسلیم کرنے پر ہمیں مجبور کر دیا اور ہم نے چاہا کہ ہم اس پر قبضہ کرلیں لیکن یہ بہت بری بات معلوم ہوئی۔ مجبور ہوکر ہم نے ان صاحب کو یہ کہتے ہوئے کتاب واپس کی کہ یہ تو بہت اچھی کتاب ہے اس کی ایک عبارت تو ہمیں بہت ہی پسند آئی ہے ہم بھی کچھ لکھتے لکھاتے رہتے ہیں اگر یہ کتاب ہمارے پاس ہوتی تو کہیں نہ کہیں ہم یہ عبارت ضرور نقل کر دیتے ان صاحب نے ہماری نیت بھانپ لی۔ قدرداں معلوم ہوتے تھے بس بولے کہ پھر تو اس کتاب کے مستحق آپ ہی ہیں رکھ لیجئے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کتاب پر قبضہ کرلیا۔ اب مصیبت یہ کہ بریف کیس میں سما نہ سکتی تھی اور ہاتھ میں لینا معیوب معلوم ہوتا تھا کہ عقیدت مند ایئرپورٹ پر موجود ہیں وہ کیا سوچیں گے کیونکہ کتاب کے ایک طرف نہیں بلکہ تینوں طرف مصنف صاحب کا فوٹو موجود ہے بہرحال ہم نے اس کو ایک رومال میں لپیٹا اور ہاتھ میں لے کر اتر گئے شاید ان صاحب کا شکریہ بھی ادا نہ کیا لیکن ان کے لئے ہم دعا ضرور کرتے ہیں۔ دورے سے واپسی پر ہالینڈ پہنچے تو کتاب کو اپنی لائبریری میں یہ سوچ کر سجا دیا کہ شائد کوئی موقع ملے گا تو اس کو حاصل کرنے کا مقصد پورا ہو گا اور آج بحمد اللہ موقع آ ہی گیا کہ اسی کتاب کی پسندیدہ عبارت ہم اپنے قارئین کے لئے پیش کررہے ہیں، ملاحظہ ہو:

مصنف اپنے بچپن کا ایک واقعہ لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میری نانی کہا کرتی تھیں کہ بیٹا درود شریف پڑھا کرو اس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اور جب میں اسکول جاتے ہوئے ایک دن بندروں کے نرغے میں پھنسا تو مجھے نانی کا بتایا ہوا نسخہ یاد آیا۔ اب مزید پڑھئے لکھتے ہیں:

> ایک ساٹھ ستر برس کے دبلے پتلے منحنی سے برہمن کی یہ شان مردانگی دیکھ کر میرے اسلام کی رگ حمیت بھی کسی قدر پھڑکی میں چھاتی نکال کر لاٹھی گھماتا بڑے آرام سے بندروں کے پاس سے نکل آیا جن کی توجہ بہرحال پوریوں پر مرکوز تھی اور مسکودن پادھا (برہمن کا نام تھا) سے کچھ دور رک کر اس کی رام رام کے جواب میں زور زور سے درود شریف پڑھنے لگا مکسودن پادھا نے پہلے تو ایڑیاں اٹھا اٹھا کر آواز کی سمت کا کھوج لگایا اور پھر درود شریف کے الفاظ کی آواز سنکر اس نے یک لخت دونوں کانوں میں انگلیاں

ٹھونس لیں۔ میں درود شریف بند کرتا تھا تو وہ کان کھول لیتا تھا اور جب دوبارہ پڑھنے لگتا تو پھر انگلیاں ٹھونس لیتا۔ جی تو بہت چاہا کہ ہری اوم ہری اوم اور درود شریف کی آنکھ مچولی کا یہ کھیل جاری رکھوں لیکن میری منزل کھوٹی ہوتی تھی اس لئے میں باآواز بلند درود شریف کا ورد کرتا آگے بڑھ گیا۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے آہستہ آہستہ میری رگوں میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی پھر جسم پر ہلکی ہلکی حرارت کی ٹکور ہونے لگی اور اس کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے الیکٹرک بلینکٹ اوڑھا ہوا ہے۔ تین سوا تین گھنٹے کے بعد جب میں امتحان کے ہال میں پہنچا تو خاصا پسینہ آیا ہوا تھا میں نے آرام سے پرچہ کیا اور پھر ہال سے اٹھ کر درود شریف پڑھتا ہوا خراماں خراماں شام تک گھر پہنچ گیا امتحان کے باقی آٹھ دن بھی اسی لائحہ عمل پر بڑی پابندی سے کاربند رہا۔

جب نتیجہ نکلا تو ورنیکلر فائنل کا وظیفہ تو مجھے صرف دو برس کے لئے ملا لیکن درود شریف کا وظیفہ میرے نام تاحیات لگ گیا۔

یہ ایک ایسی نعمت (بعد تجربہ) مجھے نصیب ہوئی جس کے سامنے کرم بخش (نوکر) کے سارے ''اچھے'' گرد تھے اس کے لئے نہ پرانی باؤلی کے پانی میں رات کو دو، دو پہر ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا پڑتا تھا نہ کنوئیں میں الٹا لٹک کر چلہ معکوس کھینچنے کی ضرورت تھی نہ گگا ماڑی میں ڈھول کی تال پر کئی کئی گھنٹے ''حال'' کھیلنے کی حاجت تھی نہ مراقبہ کی شدت تھی، نہ مجاہدے کی حدت تھی، نہ ترک حیوانات، نہ ترک لذات، نہ تقلیل طعام، نہ تقلیل منام، نہ تقلیل کلام، نہ تقلیل اختلاط مع الانام، نہ رجعت کا ڈر، نہ وساوس کی فکر، نہ خطرات کا خوف یہ تو بس ایک تخت طاؤس تھا جوان دیکھی لہروں کے دوش پر سوار آگے ہی آگے، اوپر ہی اوپر رواں دواں رہتا تھا۔ درود شریف نے میرے وجود کے سارے اُفقوں کو قوس وقزح کی رداؤں میں لپیٹ لیا گھپ اندھیروں میں مہین مہین سی شعاعیں رچ گئیں جنہیں نہ خوف و ہراس کی آندھیاں بجھا سکتی تھیں، نہ افکار وحوادث کے جھونکے ڈگمگا سکتے تھے۔ تنہائی میں انجمن آرائی ہونے لگی بھری محفل میں حجروں کی خلوت سا گئی، دل شاد، روح آباد، جسم یوں گویا کشش ثقل سے بھی آزاد سب سے بڑی بات یہ تھی کہ درود شریف کی برکت سے پردۂ خیال پر ایک ایسی بابرکت ذات کے ساتھ قربت کا احساس جاری وساری رہتا تھا جس کے پاؤں کی خاک اغواث، اقطاب اور اوتار و ابدال کی آنکھ کا سرمہ جس کے قدموں میں دنیا کامران اور عقبیٰ بامراد جس کے ذکر کے نور سے عرش بھی سربلند اور فرش بھی سرفراز جس کا ثانی نہ پہلے پیدا ہوا نہ آگے کبھی ہوگا اور جس کی آفرینش پر رب البدیع الخالق الباری المصور نے اپنی صناعی کی پوری شان تمام کردی۔

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ ، صَلُّوْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

ملاحظہ فرمائی آپ نے یہ عبارت واقعی قابل غور ہے ایک ایک لفظ موتیوں کی طرح پرو دیا گیا ہے۔ بالخصوص درود شریف کے لئے تختِ طاؤس کا استعارہ نہایت ہی جاذب ہے۔ بس عبارت کیا ہے عشق ومحبت سے لبریز عقیدت کا ایک جام ہے جو پی لے وہ مست ودیوانہ ہو جائے۔ لیجئے اسی صاحب قلب ونظر کی ایک اور عبارت پڑھئے لکھتے ہیں:

ساری کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسان کے درمیان یکساں طور پر مشترک ہے۔ قرآن کریم پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے الفاظ میں وہ عمل یہ ہے:

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر خوب درود وسلام بھیجا کرو'' یوں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے احکام نازل فرمائے ہیں جن کا بجا لانا ہر اہل ایمان کا فرض ہے بہت سے انبیاء کی توصیفیں بھی کی ہیں اور ان کے بہت سے اعزاز واکرام بھی بیان فرمائے ہیں لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز واکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی یہ کرو یہ اعزاز صرف ہمارے رسول مقبول ﷺ کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درود کی نسبت اولاً اپنی طرف اور پھر اپنے فرشتوں کی طرف کر کے مسلمانوں کو خطاب کیا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اے مؤمنو تم بھی درود بھیجو یہی واحد امر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے صرف حکم دے کر اس کی تعمیل کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود اپنے ایک عمل کی مثال دے کر اس کی تقلید کی فرمائش کی ہے ایک عبد کی فضیلت کا اس سے بڑھ کر کوئی اور درجہ تصور میں بھی لانا محال ہے۔

درود شریف میں صاحب درود کا اعزاز تو ہے ہی لیکن اس میں درود پڑھنے والے کی سعادت اور اکرام بھی ہے سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ درود شریف پڑھ کر ہم ان احسانات عظیم کا تھوڑا سا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس محسن اعظم کے ہر فرد وبشر پر ہیں دوسرے یہ کہ درود شریف پڑھنے والے کو اپنی استعداد اور خلوص کے مطابق صاحبِ درود کی توجہ کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے خاص طور پر ان اوصاف کی توجہ کا جنہیں قرآن شریف میں'' رؤف الرحیم'' اور'' رحمة للعلمین'' کے خطاب سے نوازا گیا ہے اگر چہ ہزاروں افراد مختلف مقامات پر ایک ہی درود شریف پڑھ رہے ہیں ان سب پر فرداً فرداً بیک آن صاحب درود ﷺ کی توجہ کا منعکس ہونا نہ کوئی عجب بات ہے اور نہ کوئی مشکل امر ہے۔ چراغ اگر چھوٹا ہو تو اس کی روشنی پھیلانے کے لئے اسے ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سورج کی شعاعیں ہر جگہ بیک وقت یکساں طور پر باآسانی پہنچتی رہتی ہیں شرط صرف اتنی ہے کہ رخ سورج کی جانب ہو ماڈرن اصطلاح میں یہ ساری بات FREQUENCY یعنی برقی لہروں کے ارتعاش کا معاملہ ہے اگر انسان WAVE

LNNGTH (لاسلکی کی شعاعوں کے طول) کے ساتھ TUNE-IN (ہم آہنگ) ہو جائے تو کسی کا
دل تار گھر میں استعمال ہونے والے MORSE-KEY بن جاتا ہے کسی کا دل بڑی طاقت والا
شارٹ ویوریڈیو سیٹ بن جاتا ہے کسی کا دل ٹیلی ویژن اور کسی کا دل رنگین ٹیلی ویژن بن جاتا ہے۔

ایک مولانا نے اپنے ایک معتقد کو دن رات درود پاک پڑھنے کی ہدایت کی اور درود شریف کے کچھ فوائد بھی اسے بتا دیئے اس شخص نے بڑے شوق و ذوق سے مولانا صاحب کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا اور اس قدر محو ہو گیا کہ دوسری ذمہ داریاں چھوٹتی چلی گئیں اس کی بیوی دین سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتی تھی جب اس نے اپنے شوہر کی محویت کا یہ عالم دیکھا تو بہت پیچ تاب کھانے لگی۔ ایک دن بولی یہ تم ہر وقت صلی علیٰ محمد (ﷺ) کی رٹ لگائے رہتے ہو اس سے کچھ نہیں ہوگا (العیاذ باللہ) مرد بنو، گھر سے نکلو، محنت مزدور کر کے کچھ کما کر لاؤ ورنہ اب فاقوں کی نوبت آنے والی ہے مگر اس مرد صالح پر بیوی کی ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے یہ کسی کا قرض دار بھی تھا اس نے اپنے پیسوں کا مطالبہ کیا یہ نہ ادا کر سکا اور نوبت بایں جا رسید کہ قرض خواہ نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اب بیوی کو مزید موقع مل گیا اور اس نے مزید بیہودہ گوئی شروع کر دی وہ اللہ کا بندہ ایک رات سحری کے وقت اٹھا اور اللہ کے دربار میں خوب رویا اور گڑگڑایا عرض کرنے لگا مولیٰ! میں تو تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کرتا ہوں کیا تو نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام کو بھلا دیا ہے جو میں دن بدن مصیبتوں میں پھنستا ہی چلا جا رہا ہوں دعا کرتے کرتے مصلیٰ پر ہی سو گیا۔ بس مقدر جاگ گیا خواب میں آقا ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا میرے پیارے غلام کیوں پریشان ہوتا ہے کیوں گھبراتا ہے میں خود تیری مدد کروں گا۔ عرض کرنے لگا لیکن آپ کون ہیں؟ ارشاد ہوا میں ہی وہ آقا ہوں جسے تم ہر لمحہ یاد کرتے رہتے اور اس پر درود شریف پڑھتے رہتے ہو۔

یہ سن کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اب وہ مطمئن و پرسکون تھا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا صبح تم اپنے وزیراعظم کے پاس جاؤ اور اسے بطور نشانی خوشخبری سناؤ کہ اس کا درود شریف ہمارے دربار میں مقبول ہے۔ یہ خستہ حال اپنے بوسیدہ لباس میں جب وزیراعظم کی قیام گاہ پر پہنچا تو دربانوں نے اس کا مذاق اڑایا اور ڈرا دھمکا کر بھگا دیا لیکن اچانک ایک دربان کے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے اسے بلایا اور کہا ٹھہرو میں وزیراعظم کو خبر کرتا ہوں اگر اجازت مل گئی تو ملاقات ہو جائے گی۔ دربان نے وزیراعظم کو اس شخص کا حال بتایا اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو حاضری کا شرف بخشا جائے۔ وزیراعظم نے اجازت دی اور یہ صاحب دربار میں حاضر ہو گئے انہوں نے اپنا حال بیان کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں وزیراعظم کا درود قبول ہونے کی خوشخبری سنائی وزیراعظم بے حد خوش ہوا اور اس کی تمام ضروریات پوری کیں اور ہمیشہ کے لئے اس کا کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

اس نے واپس آ کر سارا ماجرا اپنی بیوی کو بتایا اس نے اپنی گزشتہ بیہودہ گوئی پر اظہار ندامت کیا اور توبہ کی اور اب دونوں کا ورد ہو گیا'' صلوٰۃ وسلاما علیک یا محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' جب مقدمہ کی تاریخ پر پیشی ہوئی تو اس نے حاضر ہو کر قرض خواہ کی رقم جمع کرائی لیکن اس نے الزام لگایا کہ یہ یقیناً کہیں سے رقم چوری کر کے لایا ہے اب اس سے

پوچھ گچھ شروع ہوگئی اس نے کہا تم اپنے وزیر اعظم سے معلوم کرلو کہ یہ رقم میرے پاس کہاں سے آئی ہے لہٰذا وزیر اعظم کو خط لکھا گیا۔ وزیر اعظم نے جج کو جواب دیتے ہوئے تنبیہ کی کہ اس شخص کے ساتھ کوئی زیادتی یا اس کی بے ادبی نہیں ہونا چاہئے ورنہ تمہاری ملازمت ختم ہو جائے گی اگلی پیشی پر جب یہ مرد صالح پہنچا تو منظر کچھ اور ہی تھا جج صاحب تعظیماً اس کے لئے کھڑے ہو گئے اس کو اپنی کرسی دی جمع کردہ رقم واپس کی اور اپنے پاس سے ان کا قرضہ ادا کیا۔ جب قرض خواہ نے یہ حال دیکھا تو اس نے اپنا قرضہ معاف کرنے کا اعلان کیا۔ بلاشبہ:

ہر کہ سازد وِردِ جاں صلِ علیٰ ۔۔۔ حاجت دارین او گردد روا

جس نے صلِ علیٰ کو وِردِ جاں بنالیا اس کی دونوں جہاں کی حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوعبداللہ رصاع نے اپنی کتاب تحفہ میں ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایمان تازہ کر لیجئے وہ رقمطراز ہیں کہ:

ایک مجوسی کا واقعہ

بغداد شریف میں ایک شخص رہتا تھا جو نہایت حاجت مند اور غریب تھا لیکن بے حد صابر اور عبادت گزار بھی تھا۔ ایک مرتبہ کئی دن اسے اور اس کے اہل وعیال کو کچھ کھانے کے لئے نصیب نہ ہوا۔ پس اس نے ایک دن نماز سے فارغ ہو کر اپنے بیوی بچوں کو بٹھایا اور کہا سب میرے ساتھ مل کر اللہ کے حبیب ﷺ پر درود پڑھو سب نے خوب درود شریف کا ورد کیا حتیٰ کہ بھوک کی حالت میں نیند آ گئی اور سب سو گئے لیکن مقدر جاگ گیا اس اللہ کے نیک بندے کو خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا آپ نے فرمایا صبح ہوتے ہی تم فلاں شخص کے پاس جاؤ جو مجوسی ہے اس سے ہمارا سلام کہو اور بتاؤ کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہے اور تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم میری ضرورت پوری کرو۔ یہ شخص صبح اٹھا تو نہایت خوش تھا۔ سکون وطمانیت کے آثار اس کے چہرے پر ظاہر تھے۔ بیوی نے یہ حال دیکھ کر پوچھا کیا ماجرا ہے؟ بھوکے ہو پھر بھی بہت خوش نظر آتے ہو اسے سب ماجرا بتاتے ہوئے کہا خوش بخت جب ہم سو رہے تھے اس وقت ہمارا مقدر جاگ رہا تھا یہ گھر سے نکلا لیکن اسے بات کھٹک رہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ایک غلام کو ایک مشرک آتش پرست کے در پر کیسے بھیج سکتے ہیں اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ شیطان حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شکل میں آ نہیں سکتا بہر حال یہ مجوسی کا گھر تلاش کرتا کرتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ مجوسی سے ملا اس نے دیکھا کہ یہ شخص واقعی بہت مالدار معلوم ہوتا ہے اس کا دربار سجا ہوا تھا۔ مجوسی کچھ دیر بعد ان کی طرف متوجہ ہوا پوچھا آپ کون ہیں؟ کیوں آئے ہیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں اس مرد صالح نے کہا کہ میں ایک راز لے کر آیا ہوں تنہائی کی ضرورت ہے۔ مجوسی کے اشارے پر دربار خالی ہو گیا۔ اب ان صاحب نے مجوسی کو بتایا کہ میرے آقا ﷺ نے تمہیں سلام کہا ہے مجوسی بولا کہ تمہارے نبی کون ہیں؟ انہوں نے بتایا حضرت محمد ﷺ۔ اس نے کہا لیکن میں تو مجوسی ہوں وہ مجھے کیسے سلام بھیج سکتے ہیں میں تو ان کے لائے ہوئے دین کو مانتا ہی نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا جو کچھ مجھ سے کہا گیا وہ میں نے تمہیں بتا دیا تم یقین کرو یا نہ کرو۔ مجوسی نے اللہ کی قسم دے کر ان سے پوچھا کیا واقعی تمہارے نبی

نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے انہوں نے قسم کھا کر کہا ہاں میرے نبی ﷺ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہیں سلام بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تیری دعا قبول کر لی گئی ہے نیز تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو میری ضرورت پوری کرے۔ مجوسی نے کہا کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ دعا کیا ہے جو قبول ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا مجھے یہ تفصیل معلوم نہیں۔ مجوسی بولا اٹھو، اندر چلو میں تمہیں بتاتا ہوں وہ دعا کونسی ہے؟ وہ دونوں اندر گئے مجوسی نے اپنے مہمان سے کہا ذرا ہاتھ لاؤ ان صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے ہاتھ پکڑ کر ''اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمدًا عبده ورسوله'' پڑھا اور مشرف باسلام ہو گیا۔

ہم دونوں باہر واپس آئے تو مجوسی نے دوبارہ سب حاضرین کو بلایا اور بتایا کہ میں مشرف باسلام ہو چکا ہوں پس جو تم میں سے اسلام قبول کرے گا وہ میرا شریک تجارت رہے گا اور جو یہ دین حق قبول نہیں کرنا چاہتا وہ میرا مال واپس کر دے اور ہمیشہ کے لئے چلا جائے اکثر نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور کچھ اس کا مال واپس کر کے چلے گئے۔

پھر اس نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بلا کر کہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اگر تم بھی یہ دین قبول کرو گے تو میرا تم سے رشتہ برقرار رہے گا ورنہ تمہارا میرا کوئی تعلق نہ رہے گا، لہٰذا دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بیٹی کی شادی اپنے بھائی سے ہی ہوئی تھی جو مجوسی دین میں جائز ہے لیکن بیٹی نے بتایا کہ میں آج تک اپنے شوہر کے قریب نہیں گئی اور بالکل پاک صاف ہوں۔ مجوسی یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اب بولا کیا میں آپ کو بتاؤں وہ کونسی دعا ہے جو قبول ہوئی اس مرد صالح نے کہا جی میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجوسی نے کہا جس دن میں نے اپنے بیٹے کی شادی اپنی ہی بیٹی سے کی اس دن میں نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں شہر کے امیر وغریب سب ہی کو بلایا تھا لیکن میری دیوار سے بالکل ملا ہوا ایک گھر ہے جس میں سیدوں کا ایک خاندان رہتا ہے چونکہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عداوت تھی لہٰذا میں نے ان کے خاندان والوں کو دعوت نہیں دی۔

جب میں تقریب سے فارغ ہو کر اپنی چھت پر آرام کرنے کے لئے گیا تو میں نے ان گھر والوں کی باتیں سنیں بچیاں اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں امی جان آپ نے دیکھا ہمارے پڑوسی نے سارے شہر کو دعوت دی لیکن ہمیں نہیں بلایا۔ ماں نے کہا بیٹی وہ تو ہمارے نانا جان ﷺ کا دشمن مجوسی ہے ہمیں کیوں دعوت دیتا یہ باتیں ہوتی رہیں اور مجھے نیند آ گئی صبح مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے کھانے کا اہتمام کیا اور تینوں بچیوں اور ان کی ماں کے لئے بہترین جوڑے منگائے اور ان کو بھیج دیئے اب میں خاص طور پر ان کی باتیں سننے اوپر گیا۔ ماں اور بچیاں میرے تحائف دیکھ کر بہت خوش ہوئیں لیکن بچیاں ماں سے کہنے لگیں ہم یہ کھانا تو نہیں کھا سکتے کہ اس کا بھیجنے والا تو مجوسی ہمارے نانا جان کا دشمن ہے۔ ماں نے کہا کھانا کھا لو یہ تو اللہ کا رزق ہے جو ہمارے مقدر کا ہے اسی لئے اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ بچیوں نے کہا تو پہلے ہم اپنے نانا جان سے اس کی شفاعت کی سفارش کریں اور دعا کریں کہ وہ مسلمان ہو جائے۔

یہی وہ دعا تھی جس کی قبولیت کا مژدہ لے کر آپ آئے ہیں اور آج مجھے مشرف باسلام ہونے کا اعزاز نصیب ہوا ہے۔ میں اپنی ساری دولت کا نصف حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو میں نے شادی کے موقع پر اپنے بیٹے اور بیٹی کے نام کیا تھا۔

حضرت قاضی شرف الدین بازری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ محمد بن موسیٰ بن نعمان کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ شیخ ابن نعمان نے فرمایا کہ ۶۳۷ ھ کی بات ہے کہ میں حج سے واپس آ رہا تھا۔ دوران سفر مجھے حاجت محسوس ہوئی تو میں اپنی سواری سے اترا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہاں حاجت پوری کروں کہ اچانک مجھے نیند آ گئی اور میں بیٹھ کر وہیں سو گیا۔ بالکل غروب آفتاب کے قریب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں ایک بیابان جنگل میں ہوں۔ بہت ڈر معلوم ہوا اور ایک طرف کو چل دیا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ رات تاریک ہوتی گئی اور مجھے زیادہ ڈر لگنے لگا مزید یہ کہ مجھے شدید پیاس لگ رہی تھی اور دور دور کہیں پانی نظر نہ آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اب موت آیا ہی چاہتی ہے۔ اب کوئی چارہ نہ رہا پس میں نے زور زور سے اپنے آقائے رحمت ﷺ کو اس طرح پکارنا شروع کیا:

''یا محمد، یا محمد، انا مُسْتَغِیْثٌ بِکَ''

اے محمد، اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے فریاد کرتا ہوں میری مدد کیجئے۔

فوراً ہی میں نے آواز سنی ادھر آؤ۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آئے اور انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ان کا ہاتھ تھامنا تھا کہ نہ کوئی خوف رہا نہ ڈر اور نہ ہی پیاس۔ پھر وہ مجھے لے کر چلے چند قدم کے بعد میں نے اپنا قافلہ دیکھا جس میں آگ روشن ہو رہی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میری سواری میرے سامنے ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا یہ تیری سواری ہے واپس جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا جو ہمیں پکارے اور ہم سے فریاد چاہے ہم اسے مایوس و نا امید نہیں کرتے ﷺ۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ یہ تو حبیب خدا ﷺ ہیں۔ یہی تو امت کے والی اور امت کے غم خوار ہیں ﷺ اور جب آپ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت میں دیکھ رہا تھا کہ تاریک رات آپ کے نور سے منور اور روشن تھی۔ پھر مجھے سخت کوفت ہوئی کہ ہائے بدنصیبی میں نے سرکار کی قدم بوسی کیوں نہ کی میں آپ ﷺ کے قدموں سے کیوں نہ لپٹ گیا۔

ایک مرتبہ چند کافر ایک جگہ جمع تھے۔ ایک سائل آیا اور اس نے ان سے کچھ سوال کیا کافروں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا دیکھو سامنے علی کھڑے ہیں ان کے پاس جاؤ تم مسلمان ہو وہی تمہاری ضرورت پوری کریں گے سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سوال بیان کیا آپ کے پاس اسے دینے کو کچھ نہ تھا۔ آپ نے دس مرتبہ درود شریف پڑھا اور سائل کی ہتھیلی پر پھونک کر اسے بند کر دیا اور کہا جاؤ ان کافروں کے سامنے مٹھی کھولنا سائل واپس ان کے پاس گیا تو پھر انہوں نے تمسخر کیا اور پوچھا کہو کیا ملا؟ سائل نے اپنی مٹھی کھولی تو سونے کے دیناروں سے بھری ہوئی تھی پس کچھ کافروں نے اسے جادو کہہ کر مذاق اڑایا اور اکثر مشرف باسلام ہو گئے، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حضرت ابو محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے گھر کے دروازے پر ایک شاہی باز آیا تھا لیکن ہائے میری قسمت کہ میں اسے پکڑ نہ سکا چالیس سال گزرنے کو ہیں بہت جال پھینکتا ہوں مگر ایسا باز پھر ہاتھ نہ آیا کسی نے پوچھا وہ کونسا باز تھا۔ آپ نے فرمایا ایک دن جب میں سرائے میں سو رہا تھا۔ نماز عصر کے بعد ایک درویش سرائے میں داخل ہوا وہ نوجوان تھا رنگ زرد بال بکھرے ہوئے ننگے پاؤں تھا۔ اس نے آ کر تازہ وضو کیا اور دو رکعت پڑھ کر سر گریبان میں ڈال کر بیٹھ گیا اور درود

شریف پڑھنا شروع کیا۔ مغرب تک یونہی مشغول رہا۔ نمازِ مغرب کے بعد پھر درود شریف کا ورد کرنے لگا۔ اچانک شاہی پیغام آیا کہ آج بادشاہ کے یہاں سرائے والوں کی دعوت ہے۔ میں اس درویش کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ہم سب کو بادشاہ نے دعوت دی ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے کہا مجھے جانے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن تو میرے لئے گرم گرم حلوا لیتا آنا۔ میں نے اس کی بات کی پروا نہ کی اور خیال کیا کہ اگر یہ بھوکا ہے تو ہمارے ساتھ خود کیوں نہیں چلتا۔

بہر حال ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے مہمان خانہ میں محفل جمی، نعت خوانی ہوئی اور نہایت پر تکلف کھانا پیش کیا گیا۔

جب فارغ ہو کر ہم سرائے پہنچے تو دیکھا وہ اللہ کا بندہ اسی طرح بیٹھا درود شریف پڑھنے میں مصروف ہے میں بھی مصلّٰی بچھا کر بیٹھ گیا لیکن میں جلدی سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت ہی بارونق محفل جمی ہوئی ہے اور کوئی بتا رہا ہے کہ یہ سید الانبیاء ﷺ کا دربارِ عالی ہے اور یہ ارد گرد، جملہ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف فرما ہیں۔ میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب ہو کر سلام عرض کیا آپ نے میری طرف سے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا میں نے دوسری طرف حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر آپ نے اپنا رخ مبارک پھیر لیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا تو میں خوف سے کانپنے لگا کہ نہ جانے مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے جو سرکار ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا میرے ایک عاشق نے تجھ سے ذرا سی خواہش ظاہر کی تھی کہ حلوہ منگایا تھا لیکن تو نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی۔ بس میں گھبرا کر بیدار ہوا اور اس درویش کی طرف دوڑا جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا میں نے اسے معمولی آدمی جانا لیکن وہ تو سچا موتی تھا۔ سرکار ﷺ پر اس کی خاص نظر کرم ہے میں اسے اچھے سے اچھا کھانا پیش کرنا چاہتا تھا جب میں اس کی جگہ پر پہنچا تو وہ موجود نہ تھا۔

ہائے قسمت شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اچانک مجھے سرائے کا گیٹ بند ہونے کی آواز آئی۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا تو وہی جا رہا تھا میں نے اسے بہت آوازیں دیں۔ اللہ و رسول کا واسطہ دے کر اسے بلایا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ بس اس نے اتنا جواب دیا کہ میری ایک روٹی کے لئے سید الانبیاء ﷺ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام تجھ سے سفارش کریں تو تو مجھے ایک روٹی دے گا۔ مجھے ایسی روٹی کی ضرورت نہیں۔ ہائے قسمت وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ عرصہ ہی پہلے ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے پاک بھارت جنگ ہوئی بھارت نے سیالکوٹ محاذ پر ایک بڑا حملہ کیا جس میں شرمن ٹینک، ٹینک شکن توپیں، بکتر بند گاڑیاں اور دیگر خود کار ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ پاکستانی فوج کے جرنل ایس اے زبیری نے بتایا کہ مجھے حکم ملا کہ اللہ کا نام لے کر دشمن پر حملہ کر دو۔ پس میں اور میرے ساتھی صرف چار ٹینک لے کر دشمن پر چڑھ پڑے اور ہم سب بیک آواز ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ اغثنا یا حبیب اللّٰہ'' کا ورد کر رہے تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کوئی دشمن کو پیچھے دھکیل رہا ہے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے ہتھیار بے کار ہو گئے اور اس کا غرور خاک میں مل گیا اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں کامیاب و کامران کیا۔

یہ واقعہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں اس وقت اخبارات و رسائل میں شائع ہوا اور اہل قلم علماء و مؤرخین نے اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے غالباً تفسیر نعیمی میں کسی مقام پر بیان فرمایا ہے اور لکھا

ہے کہ میں نے خود بعض فوجیوں سے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ اسی نوعیت کا ایک واقعہ اور ملاحظہ ہو جس کو انور قدوائی صاحب نے اپنی کتاب خزینۂ کرم میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

میرے والد امیر الدین قدوائی کے علامہ راغب احسن سے نہایت قریبی برادرانہ تعلقات تھے۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس وقت علامہ صاحب اپنے کلکتہ والے مکان کی چوتھی منزل پر قیام پذیر تھے کیونکہ پکے مسلم لیگی تھی اور پاکستان کی تحریک میں پیش پیش تھے لہٰذا بھارتی حکومت کے معتوبین میں شمار کیے جاتے تھے۔ حکومت نے ان کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور دیگر علاقائی افسران نے مکان گھیرے میں لے لیا۔ علامہ صاحب کو خبر ہوئی آپ اطمینان سے اٹھے اور ضروری کاغذات جمع کئے اور کمرہ سے باہر آ کر درود شریف کا وِرد شروع کیا اور درود شریف پڑھتے پڑھتے آپ سیڑھیاں اتر رہے تھے جبکہ آپ کو تلاش کرنے والے افسران سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ سب آپ کو خوب اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے وہ اوپر آ گئے علامہ صاحب نیچے تشریف لے گئے۔ سیدھے ایئرپورٹ پہنچے ٹکٹ خریدا اور ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) پہنچ گئے کوئی آپ کو پہچان نہ سکا۔

اور کیسے پہچانتا کہ اس آقا کا غلام اپنے آقا پر درود وسلام پیش کر رہا تھا جس نے ایک مٹھی خاک دشمنوں پر پھینکی اور سب دشمن اندھے ہو گئے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ کب سرکار ان کی صفیں چیرتے باہر تشریف لے گئے۔ ان دونوں واقعات سے یہ بھی واضح ہے کہ درود شریف کی برکتیں صرف مقربین بارگاہ ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہم جیسے گناہگاروں کو بھی اس کا فیض نصیب ہوتا ہے کس قدر رحمت افزا بات ہے یہ ہمارے لئے شرط صرف اتنی ہی کہ عقیدت ہونی چاہئے خلوص نیت ہونا چاہئے جس پر درود پیش کیا جائے اس کو سننے والا، جاننے والا اور پہچاننے والا یقین کرنا چاہئے پھر دیکھئے کیسی برکت حاصل ہوتی ہے کس طرح دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ صحبہ وسلم۔

مشکل جو سر پر آ پڑی تیرے ہی نام سے ٹلی ۔۔۔ مشکل کشا تیرا نام تجھ پر درود و سلام
دامن مصطفیٰ سے جو لپٹا یگانہ ہو گیا ۔۔۔ جس کے حضور ہو گئے اس کا زمانہ ہو گیا
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔۔۔ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

درود کی مزید برکتیں

درود شریف کی برکتوں میں سے ابھی ہم چند ہی لکھ پائے ہیں کہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔ بس دل چاہتا ہے لکھتے ہی رہیں اور استفادہ کرتے رہیں قلم رکنا ہی نہیں چاہتا۔ بس سرکار قبول فرمالیں تو کچھ بات بنے۔ ''صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ اجمعین'' تو لیجئے چند برکتیں اور ملاحظہ فرمایئے:

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ ہے جو نہایت ہی گناہ گار اور مجرم تھا جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اسے گھسیٹ کر کوڑے کرکٹ پر ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی۔ ہمارا ایک بندہ فوت ہو گیا ہے آپ کی قوم نے اسے گندگی میں پھینک دیا ہے آپ انہیں حکم دیں کہ اسے وہاں سے اٹھائیں، تجہیز و تکفین کریں اور آپ خود اس کا

جنازہ پڑھائیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں پہنچے تو آپ نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا اور تعمیل حکم کے بعد آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ! یہ شخص تو نہایت ہی مجرم تھا تو پھر سزا کی بجائے اس پر عنایت و کرم کیوں ہوا۔ جواب آیا کہ یہ شخص واقعی گناہوں اور برائیوں کا پلندہ تھا لیکن اس نے ایک دن توارۃ شریف کھولی اس میں میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام مبارک لکھا ہوا تھا بس اس نے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ اسے بوسہ دیا اور آپ پر درود شریف پڑھا، پس اس نام پاک کی عظمت کے سبب میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور یہ میرے فضل و کرم کا حقدار قرار پایا: ؎

تعظیم جس نے کی ہے محمد کے نام کی   خدا نے اس پر آتش دوزخ حرام کی

خلاد بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ پر جب جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو کسی نے دیکھا کہ ان کے سر نیچے ایک کاغذ کا پرزہ رکھا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''هٰذِهٖ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ لِخَلَّادِ بْنِ كَثِيْرٍ'' یہ خلاد بن کثیر کے لئے جہنم کی آزادی سے براۃ کی سند ہے لوگوں نے ان کے گھر والوں سے پوچھا کہ ان کا کیا عمل تھا۔ جواب ملا یہ ہر جمعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے، اللهم صل وسلم على النبى الامى واله وصحبه اجمعين۔

حضرت احمد بن ثابت مغربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے درود پاک کی جو برکتیں دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں ایک رات تہجد کے لئے اٹھا نماز سے فارغ ہو کر درود شریف پڑھنے بیٹھ گیا اور اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کو گھسیٹتے لے جا رہے ہیں جس کے گلے میں طوق پڑا ہوا ہے اور گندھک کا لباس جو ٹخنوں تک تھا پہنے ہوئے ہے وہ بڑے جسم والا اور بڑے سر والا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ سیاہ ناک بڑی اور منہ پر چیچک کے داغ تھے میں نے پوچھا تمہیں اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہ ابوجہل ملعون ہے تو میں نے اس سے کہا اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن بلاشبہ تیری یہی سزا ہے پھر میں نے دعا کی یا اللہ! اب مجھے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف فرما دے مجھ پر یہ انعام فرما تو ارحم الراحمین ہے پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک ایسی جگہ ہوں جس کو میں پہچانتا نہیں اچانک ایک جاننے والا دوست ملا جو نہایت بزرگ شخص تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے جواب دیا میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں فرمایا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد شریف جا رہا ہوں۔ میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا تھوڑی ہی دیر بعد ہم مسجد نبوی شریف میں پہنچ گئے تو ساتھی نے بتایا یہ ہمارے آقا ﷺ کی مسجد مبارک ہے۔ میں نے کہا یہ تو مسجد ہے لیکن مسجد والے آقا ﷺ کہاں ہیں؟ اس نے کہا ذرا صبر کرو وہ ابھی رونق افروز ہوتے ہیں۔ پس شاہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے ان کے ساتھ ایک اور کامل بزرگ تھے۔ جن کا چہرہ مبارک منور و روشن تھا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پیش کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اللہ کے پیارے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی سلام کرو تو میں نے ان کی خدمت عالیہ میں بھی سلام عرض کیا۔ دونوں سے میں نے دعا کی درخواست کی اور ان حضرات نے میرے لئے دعا فرمائی پھر میں نے دونوں سے گزارش کی کہ آپ میرے لئے ضامن ہو جائیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا میں تیرا ضامن ہوتا ہوں کہ تیرا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ میں نے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں

جس سے اللہ مجھے نفع عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''زِدْفِي الصَّلٰوۃِ عَلَیَّ'' مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو۔ میں نے سوال کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب میں درود شریف پڑھتا ہوں تو کیا آپ سماعت فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں سنتا ہوں اور تیری مجلس میں ملائکہ مقربین بھی حاضر ہوتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے ضامن ہو جائیں۔ جواب ملا ''تو میری ضمانت میں ہے۔'' میں نے التجا کی کہ سرکار صلی اللہ علیک وسلم میرے متوسلین کے بھی ضامن ہو جائیں۔ فرمایا میں ان کا بھی ضامن ہوں۔ میں نے مزید گزارش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میرے متوسلین میں فلاں شخص بھی ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ صالحین میں سے ہے پھر میں نے اپنے شیخ کے متعلق سوال کیا فرمایا وہ اولیاء اللہ میں سے ہے۔ میں نے گزارش کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ان سب کے ضامن ہو جائیں جو میری اس کتاب کو پڑھیں جو میں نے درود پاک کے عنوان پر لکھی ہے فرمایا میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کا اور ان سب کا ضامن ہوں جو اس کتاب میں لکھے ہوئے درود پڑھیں اور تم اس درود پاک کو بکثرت پڑھا کرو اور تجھے ہر وہ نعمت بخشی گئی جو تو نے مانگی۔

میں بیدار ہو گیا اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق بخشے گا اور یہ کہ وہ ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے محروم نہ رکھے گا، (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم)

اور یہ فقیر راقم الحروف بوسیلہ حضرت احمد بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کے جو بھی فضائل اپنی استعداد کے مطابق لکھے ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں اور اس کتاب کو مقبول بنائیں گے نیز بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام امیدوار ہے کہ اللہ رب کریم ورحیم اس فقیر کو بکثرت درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی بات ہے کہ ایک متمول شخص کو درود شریف پڑھنے کا بہت شوق تھا جبکہ اس کا کردار اچھا نہ تھا بس وہ ہر وقت درود شریف پڑھتا رہتا تھا جب اس کا آخری وقت آیا اور جان کنی کی حالت طاری ہوئی تو اس کا چہرہ سیاہ اور بھدا ہو گیا اور اس پر سکرات موت کی سختی طاری ہو گئی جو کوئی اسے دیکھتا وہ ڈر جاتا تھا اس نے اسی حالت میں ندا دی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور ہر وقت آپ پر درود شریف پیش کرتا ہوں فوراً ہی آسمان سے ایک پرندہ نازل ہوا اور اس نے اس شخص کے چہرے پر پر پھیر دیا جس سے اس کا چہرہ منور ہو گیا اور زعفران کی سی خوشبو مہکنے لگی۔ سکراتِ موت کی شدت بھی کم ہو گئی اور اللہ کا یہ بندہ کلمہ پڑھتا بآسانی دنیا سے رخصت ہو گیا اور جب اسے تجہیز وتکفین کے بعد قبر میں رکھا جانے لگا تو ایک آواز آئی جو تمام حاضرین نے سنی۔ ہم نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور درود شریف کی برکت سے قبر سے اٹھا کر جنت میں پہنچا دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ بہت متعجب ہوئے۔ رات کو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ زمین وآسمان کے درمیان ٹہل رہا ہے اور آیت درود کے ساتھ درود شریف پڑھ رہا ہے:

اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم وعلى اله وصحبه اجمعين

آپ کا نام نامی اے صَلِّ عَلٰی ہر جگہ ہر مصیبت میں کام آ گیا ہے

حضرت ابوالحفص کاغذی رحمۃ اللہ علیہ کوان کے وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا حضور کیا حال ہے فرمایا اللہ غفور ورحیم نے مجھے بخش دیا ہے، مجھ پر رحم فرمایا ہے اور مجھے جنت میں بھیج دیا ہے۔ پوچھا گیا آپ کے کس عمل کے سبب آپ کوان انعامات سے نوازا گیا۔ فرمایا جب میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا تو فرشتوں کو میرے گناہ شمار کرنے کا حکم ملا لہٰذا فرشتوں نے میرے نامہ اعمال سے میرے صغیرہ وکبیرہ سب گناہ اور سب غلطیاں گن کر اللہ کے دربار میں پیش کر دیں پھر حکم دیا گیا کہ یہ جو درود شریف پڑھا کرتا تھا اسے شمار کیا جائے جب حسب الحکم درود شریف کی گنتی کی گئی تو وہ میرے گناہ سے زیادہ ہوا پس اللہ نے فرشتوں کو بتایا کہ میں نے اس کا حساب کتاب معاف کر دیا ہے لہٰذا اسے جنت میں پہنچا دو اور بحمد اللہ میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میرا ایک ہمسایہ فوت ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال پوچھا اس نے بیان کیا کہ میرے سامنے بڑے ہی خوفناک مناظر آئے۔ نکرین کے سوال و جواب کا وقت تو مجھ پر نہایت ہی دشوار اور خوفناک تھا حتیٰ کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے یا نہیں اچانک کسی نے مجھ سے کہا کہ تیری زبان بیکار رہی اس لئے آج تو اس خوف میں مبتلا ہے۔ اب عذاب کے فرشتوں نے مجھے سزا دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میرے اور ان فرشتوں کے درمیان ایک نوری انسان حائل ہو گیا جو کہ نہایت ہی حسین وجمیل تھا اس کے جسم مقدس سے خوشبو مہک رہی تھی۔

وہ مقدس انسان نکرین کے سوالوں کے جوابات مجھے بتاتا رہا تھا اور میں انہیں دہراتا رہا اور امتحان کے اس مرحلہ میں، میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس نوری انسان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا میں تیرا درود شریف ہوں جو تو اپنے آقا ﷺ پر پیش کیا کرتا تھا۔ اب تو فکر نہ کر میں قبر میں حشر میں میزان و پل صراط پر ہر جگہ تیرے ساتھ رہوں گا۔

بلخ میں ایک دولت مند تاجر رہتا تھا اس کے دولڑکے تھے۔ یہ بڑا ہی خوش نصیب تھا کہ مال و دولت کے علاوہ اس کے پاس ایک عظیم نعمت یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تین مبارک بالوں کا خادم و مالک تھا جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کے دونوں لڑکوں نے اس کا مال و دولت اور سب ساز وسامان آپس میں تقسیم کیا جب مقدس بالوں کی باری آئی تو دو بال تو دونوں نے لے لئے اور تیسرے پر جھگڑا ہو گیا بڑے بھائی نے کہا اس بال کے دو حصے کئے جائیں اور آدھا آدھا لے لیا جائے۔ چھوٹے بھائی نے کہا قسم خدا کی میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا کون ظالم ہے کہ سرکار ﷺ کے موئے مبارک کو توڑے۔ بڑے نے جب چھوٹے کی عقیدت ومحبت دیکھی تو کہا کہ اچھا تم یہ تینوں بال لے لو اور اپنی جائیداد کا ایک حصہ مجھے دے دو۔ چھوٹا عاشق رسول تھا اپنے بڑے بھائی کے اس فیصلہ پر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور فوراً راضی ہو گیا۔ دولت قربان کی اور تینوں موئے مبارک لے لئے (مؤمن کامل کے لئے یہ سب سے بڑی دولت ہے) اس نے ان مقدس بالوں کو نہایت احترام سے رکھا جب عشق غالب ہوتا تو ان کی زیارت کرتا اور خوب جھوم جھوم کر درود شریف پڑھتا۔ بڑا بھائی اپنی دولت کو بھی نہ سنبھال سکا چند دن بعد ہی کنگال ہو گیا اور اسے اللہ نے بڑی برکت دی اس کی دولت بڑھتی رہی اور یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ دولت مند ہو گیا لوگوں میں اسے عزت بھی حاصل ہوئی کیونکہ وہ عاشق رسول ﷺ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے دربار عالی میں تحفہ درود پیش کرتا تھا۔

موئے مبارک

اس واقعہ میں میرے آقا ﷺ کے موئے مبارک اور اس کی برکت کا ذکر آیا ہے تو ہم بے چین ہیں کہ چند سطور سرکار ﷺ کے مقدس بالوں سے متعلق لکھنے کا شرف حاصل کر لیں کیونکہ شاید اب تک ہم اس عنوان پر کچھ نہ لکھ سکے ہیں اور شاید آئندہ اوراق میں بھی کوئی ایسا موقع نہ ہوگا کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہو سکے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں کہ انہوں نے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علمی خزانہ ہی ہمیں منتقل نہ کیا بلکہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر لمحہ کے حالات ہم تک پہنچائے۔ مزید برآں یہ کہ انہوں نے ایک صحیح وارث کی حیثیت سے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متروکات آپ کے تبرکات کی حفاظت فرمائی اور ہم غلاموں کو ان کا بھی وارث بنایا۔ یہ میرے آقا ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ آپ کے تبرکات مقدسہ دنیا میں اب تک موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے کیونکہ جس طرح یہ غلام اپنے آقا ﷺ کے تبرکات شریفہ کی حفاظت کرتے ہیں کہ ان پر اپنی جان اپنا مال سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں مل سکتی اگرچہ یہ افسوس ہے کہ بعض مسلمان ہی ان مقدس تبرکات کے دشمن بھی ہیں حتیٰ کہ وہ جن آثار مبارکہ کے امین تھے انہیں مٹا کر ہی انہوں نے دم لیا لیکن پھر بھی اس کا ایک بڑا انمول حصہ اہل ایمان کے پاس محفوظ رہا۔ انہی میں سے آپ ﷺ کے مبارک بال بھی ہیں جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں اہل ایمان کے پاس محفوظ ہیں، الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حجام حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سر سے مقدس بال اتار رہا تھا اور ''اَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ'' صحابہ کرام آپ کے گرد گھوم رہے تھے۔ ''فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ'' وہ چاہتے تھے کہ آقا ﷺ کا کوئی بال بھی زمین پر گرنے سے پہلے ان کے ہاتھ میں ہو۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ عاشقانہ ادا تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بابرکت بالوں کو عام انسانوں کے بالوں کی طرح ضائع نہ ہونے دیتے تھے انہیں نہایت ادب و احترام کے ساتھ جمع کر لیتے اور اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے اور آقا ﷺ نے اپنے غلاموں کو اس جذبۂ عشق و محبت کی تکمیل سے کبھی نہ روکا بلکہ اسے پسند فرمایا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حلق کرایا تو آپ نے خود اپنے متبرک بال صحابۂ کرام میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے ان کو محفوظ کر لیا اور وہ اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور ان کا نہایت ہی احترام کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو ان مقدس بالوں کے احترام کی کیفیت۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانی کو بتایا کہ ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند مبارک بال ہیں جو ہمیں بواسطہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ملے ہیں اس پر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک بھی موئے مبارک ہو تو وہ ہمیں دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز اور پیارا ہو۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند موئے مبارک ایک شیشی میں محفوظ کئے ہوئے تھے جس کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو ام المومنین رضی اللہ عنہا صرف وہ شیشی پانی میں گھما کر پانی اسے دے دیا کرتی تھیں جس کے پینے سے مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔

اسی قسم کی روایت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہے کہ انہوں نے موئے مبارک ایک چاندی کی ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے اور جب ان کے پاس کوئی بیمار آتا تو وہ ڈبیہ پانی میں ڈالتیں اور پانی اسے دے دیتی تھیں جسے پینے سے اللہ اسے شفا بخشتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کا مقدس بال اپنی ٹوپی میں رکھا کرتے تھے اور جب جنگ میں جاتے تو وہی ٹوپی پہنا کرتے اور سرکار ﷺ کے اس موئے مبارک کی برکت سے دعائے فتح و نصرت کیا کرتے تھے اور اللہ ہمیشہ انہیں دشمنان اسلام پر غلبہ اور فتح عطا فرماتا تھا۔ اتفاق سے جنگ یمامہ کے دوران آپ کی یہ مقدس ٹوپی کسی طرح گر گئی۔ آپ شدید جنگ کے دوران ہی اپنی سواری سے اترے اور ٹوپی اٹھائی۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی کہ اتنے تجربہ کار جرنیل نے یہ غلطی کیسی کی کہ اگر ایسی حالت میں دشمن ان پر حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کو نہایت ہی عظیم نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لوگوں نے آپ سے اس غلطی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے کوئی غلطی نہ کی نہ ہی میری یہ ٹوپی اتنی قیمتی تھی جس کی وجہ سے میں نے ایسا کیا بلکہ میری فتح و نصرت کا بڑا ہتھیار اسی ٹوپی میں ہے اور وہ ہے میرے آقا ﷺ کا موئے مبارک جس سے میں کسی بھی قیمت پر محروم نہیں ہونا چاہتا تھا چاہے میری جان ہی چلی جاتی اور نہ ہی میں یہ برداشت کر سکتا تھا کہ یہ بابرکت بال دشمن کے ہاتھ لگے اور وہ اس کی بے حرمتی کرے۔ پس میں نے خطرہ مول لیا اور اس کی حفاظت کا حق ادا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے آقا ﷺ کا موئے مبارک تھا جسے وہ بڑی حفاظت اور بڑے ہی احترام سے رکھتے تھے انہوں نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد یہ مقدس بال میرے منہ میں رکھ دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرما دے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موئے مبارک اور تراشے ہوئے ناخن تھے۔ آپ بھی ان کا بے حد احترام اور ادب کرتے تھے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد یہ میری زبان کے نیچے رکھ دیئے جائیں کہ قیامت کے دن یہ میرے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شفاعت کا وسیلہ بنیں گے۔

ذرا ان حضرات کے عقیدے پر تو غور کیجئے کہ کوئی انہیں امراض سے نجات کا ذریعہ یقین کرتا ہے تو کوئی ان مقدس بالوں کو ذریعہ کامیابی و کامرانی سمجھتا ہے تو کوئی ان کو وسیلہ نجات وسیلہ شفاعت و مغفرت جانتا ہے اور احترام کا یہ حال ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں جسم کے اس محفوظ حصہ میں رکھنے کی وصیت کی جا رہی ہے جس تک مٹی کا اثر سب سے بعد میں بہت دیر سے ہوتا ہے۔ سبحان اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ واصحابہ وسلم وبارک۔

غرضیکہ ہمیں ممنون ہونا چاہئے ان اصحاب کرام کا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف خزانہ علمی اور عملی

ہی کو ہم تک نہ پہنچایا بلکہ آپ کے مقدس تبرکات کو بھی ہماری طرف منتقل فرمایا اور ان کا ادب واحترام کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

تنگی قرطاس

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ہدیہ درود وسلام پیش کرنے سے متعلق ہم کافی واقعات قلمبند کر چکے ہیں کتابیں ہمارے گرد پھیلی ہوئی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی چمنستان میں ہیں جس میں پھولوں سے لدی ٹہنیاں ہمیں دعوت دے رہی ہیں کہ ہم ان سے پھول چنتے ہی رہیں اس نظارے سے ہمارا ابھی دل نہیں بھر رہا لیکن کیا کیجئے تنگی وقت اور تنگی قرطاس جس کے سبب اب ہم اس باغیچہ سے باہر نکلنے پر مجبور ہو رہے ہیں خیر ہم باہر جاتے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ نہ تو یہ پھول کبھی مرجھائیں گے اور نہ ہی ان کی بھینی بھینی خوشبو کبھی ہمارے دل ودماغ سے ختم ہوگی تو چلتے چلتے چند پھول اور چن لیتے کیا عجب کہ انہی کی مہک ہمارے اندر کسی کے وصل کی کشش پیدا کر دے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

کسی عورت نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ میری بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے میں اسے خواب میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ نے بتایا کہ بعد عشاء چار رکعت نفل پڑھو اس طرح کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ تکاثر پڑھی جائے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جاؤ۔

اس عورت نے یہی عمل کیا پس اس نے خواب میں اپنی بیٹی کو نہایت ہی برے حال میں دیکھا کہ گندھک کا لباس پہنے ہے۔ ہاتھ اور پاؤں بیڑیوں سے جکڑے ہوئے ہیں وہ گھبرا کر اٹھی اور خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کچھ صدقہ وخیرات کرو شاید اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور معاف کر دے کہ صدقہ وخیرات دنیا وآخرت کی مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ رات کو خود حضرت خواجہ صاحب نے دیکھا کہ ایک لڑکی نہایت حسین وجمیل جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہے اس نے خواجہ صاحب سے پوچھا حضرت کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے بتایا میں وہی ہوں جس کی ماں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بیٹی! تیری ماں نے تو تیری بہت ہی بری حالت بیان کی تھی لیکن میں تو تجھے نہایت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ لڑکی بولی کہ حضور میری ماں نے تو صرف مجھے ہی برے حال میں دیکھا تھا جبکہ جس قبرستان میں مجھے دفن کیا گیا تھا اس کے ستر ہزار مرد وعورت میری ہی طرح عذاب الٰہی میں مبتلا تھے لیکن خوش قسمتی سے اس قبرستان میں ایک عاشق رسول پہنچ گیا جس نے چند مرتبہ درود شریف پڑھ کر ہمیں اس کا ثواب بخش دیا۔ پس اللہ نے رحم فرمایا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف کی برکت سے ہمیں معاف کر دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں درود شریف کے عنوان پر اپنی کتاب لکھ رہا تھا دیوار سے پشت لگائے قبلہ رو بیٹھا تھا۔ قلم اور کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا کہ ایسی حالت میں نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ میں ایک خالی زمین میں ہوں جہاں کوئی عمارت وغیرہ نہیں صرف ایک مسجد نظر آئی جس کے باہر تک لوگ جمع تھے جیسے تیسے میں مسجد کے اندر پہنچا لیکن کہیں بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی کہ ایک آدمی نے مجھے اشارہ کیا اور میں اس کے پاس تھوڑی سی جگہ پر بمشکل بیٹھ گیا۔ میرے

دائیں طرف ایک نورانی چہرے والا نہایت ہی حسین وجمیل نوجوان تھا جسے دیکھ کر میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اس کا نام ونسب پوچھوں تھوڑی دیر سوچا اور پھر میں نے اس سے کہا اے نوجوان تجھے اللہ اور اس رسول ﷺ کا واسطہ مجھے بتا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا تم میرا نام ونسب پوچھ کر کیا کرو گے لیکن میرے بے حد اصرار اور شوق کو دیکھ کر وہ بولا کہ میرا نام رومان ہے اور میں ایک فرشتہ ہوں اب تو میرا شوق اور بھی بڑھا۔ میں نے پھر اس سے کہا تجھے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کا واسطہ مجھے اپنا نام ونسب صحیح صحیح بتا دے وہ بولا میں صحیح بتا رہوں کہ میرا نام رومان اور نسب یہ ہے کہ میں ملائکہ میں سے ہوں۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر پوچھا اس نے پھر یہی جواب دیا اب تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی میں نے پوچھا لیکن آپ ان انسانوں میں کیا کر رہے ہیں انہوں نے کہا یہ جو آپ کو انسان نظر آ رہے ہیں سب ہی فرشتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں وہ بولا کیا ہمیشہ کے لئے میں نے اثبات میں جواب دیا اس نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا تم ہمارے ساتھ بس اتنی ہی دیر رہ سکتے ہوں جتنی دیر یہ محفل ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک جن اور جنیہ کے ساتھ کئے دیتا ہوں جب تک چاہو اس کے ساتھ رہنا۔ میں راضی ہو گیا اور سوچا کہ چلو جن کے ساتھ جب تک رہوں گا وہ میری حفاظت کرے گا اور خدمت کرے گا پس اس فرشتے نے دو جنوں کو آواز دی وہ جن اور جنیہ فوراً حاضر ہو گئے اس نے حکم دیا کہ ہمیشہ اللہ کے اس بندے کے ساتھ رہو۔ انہوں نے کہا لیکن اس کی نیت اچھی نہیں یہ ہمارے سہارے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا اور ان پر ظلم کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے نیز یہ قضائے الٰہی کے خلاف ہے مجھے یہ سن کر ان سے نفرت سی ہوئی اور میں نے کہا ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ میں نے اس فرشتے سے پوچھا کہ اس مجلس میں کون کون سے فرشتے موجود ہیں؟ اس نے بتایا کہ مقربین بارگاہ ملائک میں سے حضرت جبرئیل، حضرت میکائل، حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں نے اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر گزارش کی کہ آپ مجھے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرا دیں جو میرے آقا ﷺ کے خادم اور عاشق ہیں اچانک محراب کی طرف سے آواز آئی اے اللہ کے بندے میں جبرئیل ہوں میں نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین وجمیل ہیں پس میں نے سلام عرض کیا انہوں نے جواب دیا۔ میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعائے خیر کی میں نے قسم دے کر درخواست کی کہ مجھے آپ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا تیرے سامنے ایک بیہودہ امر آئے گا تو اس سے بچنا اور اللہ کی امانت ادا کرنا۔

پھر میں نے رومان فرشتے سے خواہش ظاہر کی کہ میں حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں فوراً ہی محراب کی طرف سے آواز آئی میں ہوں میکائیل۔ میں ان کے قریب ہوا اور سلام عرض کر کے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے کچھ نصیحت کریں ارشاد ہوا عدل کرو اور عہد پورا کیا کرو مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسرافیل کا سر آسمانوں سے اوپر اور پاؤں ساتویں زمین کے اندر ہیں میں نے جو نظر اٹھائی تو وہ اپنی اصلی صورت میں موجود تھے اور واقعی ان کا سر آسمانوں پر اور پاؤں زمین کے اندر دھنسے ہوئے تھے۔ میں نے کہا میں آپ کو انبیاء علیہم السلام کا واسطہ دیتا ہوں آپ اپنی پہلی صورت پر آ

جائیں میں مانتا ہوں کہ آپ ہی اسرافیل ہیں وہ پہلی صورت میں آ گئے میں نے گزارش کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں ارشاد ہوا دنیا کو چھوڑ دو اللہ کی رضا حاصل ہو گی۔

پھر میں نے حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنا چاہی تو وہیں سے آواز آئی میں عزرائیل ہوں اور وہ نہایت ہی حسین وجمیل نظر آ رہے تھے میں نے دعا کی درخواست کی انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی۔ میں عرض گزار ہوا اے اللہ کے مقرب فرشتے! جان آپ ہی نکالیں گے پس میں گزارش کرتا ہوں اور آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ پر کچھ نرمی فرمائیں۔ فرمایا ہاں میں نرمی کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آقائے کائنات ﷺ پر بکثرت درود شریف پیش کیا کریں۔ میں نے گزارش کی حضور آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے نصیحت کی فرمایا لذتوں کو توڑنے والی، بچوں کو یتیم کرنے والی بھائی، بہنوں کو جدا کرنے والی (موت) کو یاد رکھا کرو پھر میں بیدار ہو گیا اور میں سب نصیحتوں پر عمل کرتا ہوں بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر لمحہ درود پیش کرتا رہتا ہوں کہ اسی سے سکرات موت آسان ہوں گے۔

حضرت شیخ احمد بن ثابت مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ میں نے درود شریف کی جو برکات دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں دوزخ میں ہوں لیکن دوزخ کی آگ کا مجھ پر بالکل اثر نہیں ہو رہا کیونکہ میں درود شریف پڑھ رہا تھا میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جس کا شوہر میرا دوست تھا وہ کہنے لگی اے شیخ! کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں اور میرا خاوند دوزخ کی آگ میں تڑپ رہے ہیں مجھے بہت صدمہ ہوا میں اس عورت کے ساتھ اس مقام پر پہنچا جہاں ان دونوں پر عذاب ہو رہا تھا اور دیکھا کہ ایک ہنڈیا ہے جس میں گندھک کا پانی کھول رہا ہے۔ عورت نے بتایا یہ وہ پانی ہے جو آپ کے دوست کو پلایا جائے گا میں نے کہا آخر میرے دوست کو یہ سزا کیوں ملی حالانکہ وہ تو نیک آدمی تھا اس نے بتایا کہ وہ نیک تھا لیکن حلال وحرام کا امتیاز کئے بغیر دولت جمع کرتا تھا۔

اس کے علاوہ میں نے دوزخ میں سخت آگ کی خندقیں اور وادیاں دیکھیں پس میں نے آسمان کی طرف پرواز کی اور میں آسمانوں کے قریب پہنچ گیا میں نے فرشتوں کی آواز سنی کہ وہ اللہ کی توحید، تقدیس اور تسبیح بیان کر رہے ہیں کسی نے مجھ سے کہا کہ اے شیخ مبارک ہو تم اہل خیر میں ہو میں نیچے ایسی جگہ اترا جہاں وہ عورت کھڑی تھی دیکھا کہ اس کے ساتھ میرا دوست بھی ہے وہ بہت خوش تھا بولا اے شیخ! اللہ نے تمہاری وجہ سے ہماری بخشش کر دی اور درود شریف کی برکت سے نجات عطا فرما دی پھر میں وہاں سے چلا تو ایسی جگہ پہنچ گیا جس سے اچھی جگہ شاید ہی کسی نے دیکھی ہو۔ اس میں ایک بالا خانہ تھا جو نہایت عالی شان بلند اور خوبصورت تھا اس میں ایک حسین وجمیل عورت بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ میں نے اس آٹے میں بال دیکھا تو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے اس بال کو آٹے میں سے نکال دے۔ اس نے کہا میں یہ بال نہیں نکال سکتی یہ اللہ ہی نکال سکتا ہے کہ یہ بال تیرے دل میں دنیا کی محبت کا بال ہے تو چاہے تو اسے نکال دے اور چاہے تو رہنے دے اور پھر میں بیدار ہو گیا،

بہر حال:

درود شریف بکثرت پڑھنا دنیا وآخرت کی تمام پریشانیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

- درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور بخشش و مغفرت کا ذریعہ ہے۔
- درود شریف کی برکت سے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایمان کی گواہی نصیب ہوگی۔
- درود شریف کی برکت سے میدانِ حشر میں رضائے الٰہی نصیب ہوگی اور عرشِ الٰہی کے سایہ تلے پناہ ملے گی۔
- درود شریف کی برکت سے میزان پر اعمالِ صالحہ کا پلہ بھاری ہوگا حوضِ کوثر پر حاضری نصیب ہوگی۔
- درود شریف کی برکت سے جنت میں بلند مقام حاصل ہوگا۔
- درود شریف کی برکت سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔
- درود شریف کے صلہ میں سو سے زیادہ حاجات پوری کی جاتی ہیں۔
- درود شریف پڑھنے والا ہی قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے قریب تر ہوگا۔
- درود شریف قبر، حشر اور پل صراط پر نور بن کر پیش ہوگا۔
- درود شریف کی کثرت کرنے والے سے اہل ایمان محبت کرتے ہیں اور منافق اس سے دور ہو جاتے ہیں۔
- درود شریف کی برکت سے خواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت ہونا یقینی ہے اور اگر مزید کثرت اور خلوص سے اس کا ورد کیا جائے تو حالت بیداری میں بھی آپ کی زیارت ممکن ہے۔
- درود شریف پڑھنے والے کو تفکرات، الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات میسر آتی ہے زندگی پرسکون اور اطمینان بخش ہو جاتی ہے۔
- درود شریف بیشتر لاعلاج امراض کے لئے تریاق کا اثر رکھتا ہے۔
- درود شریف کی برکت سے رزقِ حلال کی کثرت اور وسعت ہوتی ہے۔
- درود شریف تمام اعمال میں سب سے زیادہ قابل قبول اور ذریعہ نجات ہے۔
- درود شریف قبولیت دعا کا یقینی وسیلہ ہے۔
- درود شریف تمام نفلی عبادات اور جملہ اوراد و وظائف سے افضل ترین عبادت و وظیفہ ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

طریقۂ درود

قرآن کریم نے انوکھے بے نظیر و بے مثال اور نہایت واضح الفاظ میں درود شریف پڑھنے کا اہل ایمان کو حکم دیا ہے نیز ہم کافی احادیث صحیحہ اور واقعات معتبرہ پیش کر چکے ہیں جو درود شریف کے فضائل اور ان کی برکتیں جاننے کے لئے کافی ہیں نیز احکام میں صرف یہی واحد حکم ہے جس کی تعمیل کا کوئی مخصوص طریقہ نہ اللہ نے متعین فرمایا اور نہ ہی شارع علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ تمام ہی عبادات و معاملات کے طریقے مقرر اور متعین ہیں جس کی تفصیل قرآن و

حدیث میں موجود ہے اور جن سے متعلق تفصیلی مسائل جاننے کے لئے ہم فقہ کے محتاج ہیں لیکن درود شریف پڑھنے کا حکم تو واضح ہے لیکن نہ اس کا کوئی طریقہ متعین ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی مسائل ہیں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مفسرین اور محدثین کا قلم سب سے زیادہ آیت درود ہی کی تفسیر کے موقع پر رواں دواں معلوم ہوتا ہے۔ اس عنوان پر ضخیم کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے لیکن کسی میں اس سے متعلق کوئی مسئلہ نہیں مسئلہ ہو کیسے جب اس پر عمل کا کوئی مخصوص طریقہ ہی نہیں ان ضخیم کتابوں کے اوراق صرف درود شریف کے فضائل اور اس کی برکتوں سے مزین و آراستہ ہیں اور ہر مصنف سے یہی پیغام ملتا ہے کہ

''درود شریف کی کثرت دنیا و آخرت کی بھلائی اور ہر قسم کی کامرانی و کامیابی کا ذریعہ ہے نجات اور شفاعت کا وسیلہ ہے۔''

اور کسی طریقہ کا تعین کیا بھی کیونکر جاتا کہ درود تو وہی پڑھتا ہے یا درود کا فیض اسی کو حاصل ہوتا ہے یا درود اسی کا قبول ہوتا ہے جو عاشق ہو اور عشق کسی طریقہ کا پابند نہیں ہو سکتا کہ مظاہرۂ عشق طریقوں کی پابندی کے ساتھ ہو ہی نہیں پاتا۔ بس محبوب کا حکم ہوتا ہے اور محبّ کی طرف سے عاشقانہ انداز میں مستانہ وار تعمیل ہوتی ہے۔ کوئی بھی ادا محبوب کو بھا جاتی ہے تو وہی ذریعہ وصل و قرب بنا دی جاتی ہے۔ اسی لئے مقربین بارگاہ کے واقعات میں بس کثرت درود کا ذکر ملتا ہے کسی خاص طریقہ کا نہیں جو جیسے چاہے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرے آزادی ہے کہ کہیں تو آزادی ہونا چاہئے آخر آزادی بھی تو اللہ ہی کی ایک نعمت ہے۔ چاہے بیٹھ کر درود شریف پڑھو یا لیٹ کر چلتے پھرتے پڑھو یا کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر پڑھو یا چھوڑ کر بس پڑھو۔ مقصود اہل ایمان کی زبانوں سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سننا ہے جو رب کو بہت اچھا لگتا ہے مطلوب غلاموں کی طرف سے آقا ﷺ کی محبت کا مظاہرہ کرانا ہے جو رب کریم کی محبت کا ذریعہ ہے ''یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما۔''

''اللهم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد معدن الجود و الکرم وعلی اله وصحبه اجمعین۔''

کچھ لوگوں کو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے پر اعتراض ہے معلوم نہیں کیوں ممکن ہے وہ خود معذور ہوں کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو دوسروں کا کھڑا ہونا بھی انہیں اچھا نہ لگتا ہو گمان غالب یہ ہے کہ ایسے لوگ جہالت میں مبتلا ہوتے ہیں یا جان بوجھ کر جاہل بنتے ہیں ورنہ ہم نے تو کہیں نہیں پڑھا کہ کسی حال میں بھی کھڑا ہونا شریعت مطہرہ نے ناجائز یا حرام قرار دیا ہو۔ ہاں بعض حالتوں میں صرف مکروہ تنزیہی ضرور ہے وہ بھی اس لئے کہ خلاف سنت ہے مثلاً کھڑے ہو کر پانی پینے، کھانا کھانے کی ممانعت یا پیشاب وغیرہ کرنے کی ممانعت صرف مکروہ ہے نہ حرام ہے نہ ہی ناجائز ہے جبکہ کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا ہمیں تو درود شریف پڑھنے کے طریقوں میں افضل ترین طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادب واحترام اور عقیدت و محبت کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ بہت سے مسائل کا تعلق صرف ادب واحترام سے ہے اور اس کا تعلق انسان کے اپنے جذبہ اور احساس سے ہے مثلاً تلاوت سے قبل قرآن کریم کو بوسہ دینا، قرآن کریم پر کوئی دوسری کتاب نہ رکھنا وغیرہ یا کعبہ اور روضہ مبارکہ کی طرف پیر نہ کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام مبارک لینے یا سننے پر انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگانا، جن

مصلوں پر کعبہ شریف، روضہ مبارک یا دیگر قابل احترام مقامات کے نقوش ہوں ان نقوش پر پیر رکھنے سے گریز کرنا، کھانا نیچے رکھا ہو تو اوپر نہ بیٹھنا اور کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ان تمام باتوں کا تعلق باب الآداب سے ہے جن پر عمل کو صرف مستحب اور افضل ہی قرار دیا جا سکتا ہے فرض یا سنت ہرگز نہیں۔ باادب لوگ ان پر عمل کرتے ہیں بے ادب ان کی پروا نہیں کرتے اسی لئے ان مسائل میں اختلاف بھی زیادہ ہوتا ہے مثلاً ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر اہل عرب قرآن کریم کے ساتھ ایک عام کتاب جیسا سلوک کرتے ہیں یا کعبہ و روضہ مبارک کی طرف پیر پھیلانے میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتی۔ باب الآداب سے متعلق جتنے احکام ہیں ان کی تلقین و تبلیغ تو کی جا سکتی ہے لیکن حکم نہیں دیا جا سکتا نہ ہی ان کے تارکین سے لڑا جھگڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے عاملین پر بدعت، شرک اور کفر کی گولیاں چلائی جا سکتی ہیں۔

کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا تعلق بھی ادب و احترام سے ہے نہ فرض ہے نہ سنت صرف باادب لوگوں کا طریقہ ہے اظہار محبت و عقیدت کا ذریعہ ہے لہٰذا اس کا حکم دینا اس پر عمل نہ کرنے والوں سے لڑنا جھگڑنا انہیں گمراہ کہنا یا ان پر کفر کا فتویٰ لگانا سخت حماقت اور جہالت ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی نہایت احمق اور جاہل ہیں جو اس مستحب عمل کو بدعت، شرک یا کفر قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ ان کے زیر اہتمام مساجد میں انہوں نے اس نیکی کو ممنوع قرار دے رکھا ہے اور جن مساجد میں یہ عمل ہوتا ہے ان میں وہ فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے کس قدر افسوسناک یہ صورت حال ہے ہم نے سنا کہ کسی مسجد میں ایک شخص نے اقامت میں "اشهد ان محمدًا رسول الله" سنا تو انگوٹھوں کو بوسے دے کر آنکھوں سے لگالیا برابر بیٹھے صاحب نے فوراً کہا یہ شرک ہے۔ اس نے کہا تو کیا میں مشرک ہوں بات اتنی بڑھی کہ لوگ نماز چھوڑ کر اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے امام صاحب نے حکم دیا اس بدعتی کو دھکے دے کر مسجد سے نکال دو اب کیا تھا نمازیوں کا رخ بجائے کعبہ کے اس مظلوم کی طرف تھا خوب مار پیٹ ہوئی اور بالآخر اسے مسجد سے نکال دیا کتنے جاہل تھے یہ لوگ ایک مستحب کام کو روکنے کے لئے کتنے ہی گناہ کر ڈالے اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دعویٰ اپنی جگہ برقرار رہا۔

بہرحال امت میں انتشار و افتراق کا سبب صرف جہالت ہے اور اس کے ذمہ دار وہ افراد ہیں جو جاہلوں کا ساتھ دیتے ہیں جبکہ کسی طبقہ کے اہل علم بھی اسے پسند نہیں کرتے اور نہ ہی کسی نے امور مستحبہ کو فرض و واجب یا ناجائز و حرام لکھا ہے کہ نہ تو فرض و واجب کی کوئی دلیل پیش کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ناجائز و حرام کی۔ ہاں ایسے امور کو "اصل الاشياء الاباحة" کے اصول کی بناء پر صرف جائز اور مستحب ہی کہا جا سکتا ہے اور ان امور پر لڑنا جھگڑنا، قتل و غارت کرنا، فتنہ و فساد پیدا کرنا یقیناً ناجائز و حرام ہے لہٰذا جو لوگ خصوصاً بعد نماز جمعہ مساجد میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں وہ بڑے شوق سے پڑھیں اور جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں ہرگز اپنے ساتھ شامل کرنے یا مسجد سے نکل جانے پر مجبور نہ کریں اسی طرح اللہ کے ذکر کے اس طریقہ پر کسی مسجد میں پابندی عائد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ایسا کرنے والے ظالم ہیں "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام کا اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں مساجد کی آبادی صرف چار فرض پڑھ لینے

سے نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت بارونق اور پر بہار ہوتی ہیں جبکہ ان میں اللہ کے ذکر کے دیگر طریقوں کو بھی اختیار کیا جائے۔ درس قرآن وحدیث ہو محافل میلاد و گیارہویں ہوں دیگر مقدس ایام پر علماء کرام کی تقاریر ہوں اظہار محبت وعقیدت کے لئے عوام کی کشش کے لئے ان پر چراغاں اور روشنی ہو صلوٰۃ وسلام ہو کہ یہی اللہ کی مساجد کا صحیح مصرف ہے اس سے روکنے والے بڑے ہی ظالم ہیں اللہ ہدایت دے، آمین۔

الفاظ درود

یہی صورت حال درود شریف کے الفاظ اور جملوں کی ہے بعض لوگوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہر موقع پر صرف درود ابراہیمی ہی پڑھا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صرف اسی کو پڑھنے کی تعلیم دی ہے جبکہ یہ خیال بھی بالکل لغو ہے کم علمی یا جہالت کی پیداوار ہے یا خواہ مخواہ امت مسلمہ میں افتراق پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کہ درود شریف کی روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرنا آپ کا نہایت ادب واحترام کے ساتھ ذکر مبارک کرنا ہے لہٰذا کوئی بھی ایسے الفاظ اور جملے استعمال کرنا جن سے یہ مقصد حاصل ہو ہرگز ہرگز قابل اعتراض قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس طرح درود شریف پیش کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی متعین اور مخصوص نہیں رہا معاملہ درود ابراہیمی کی عظمت وفضیلت اور حدیث شریف میں اس کے مذکور ہونے کا تو اس سے نہ کبھی کسی نے انکار کیا ہے اور نہ ہی انکار کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے افضل ترین عبادت نماز میں اس افضل ترین درود پڑھنے ہی کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہی موقع اس کے لئے موزوں ترین ہے کہ اس طرح اس کی حفاظت بھی یقینی ہے کہ کوئی اور درود شریف یاد ہو یا نہ ہو لیکن یہ درود ابراہیمی ضرور یاد ہوتا ہے کہ نماز کے ساتھ ہی بچوں کو یاد کرا دیا جاتا ہے نیز یہی طریقہ اس کے بکثرت پڑھے جانے کا ہے کہ دیگر درود شریف تو صرف محافل میں نمازوں کے بعد یا بطور اوراد ووظائف پڑھے جاتے ہیں گویا انہیں مخصوص لوگ ہی جانتے اور پڑھتے ہیں مثلاً آپ کتنے لوگ ایسے بتا سکتے ہیں جنہیں درود تاج یاد ہو اور وہ اسے روزانہ چند مرتبہ بھی پڑھتے ہوں لیکن درود ابراہیمی تو ہر نماز کے اختتام پر پڑھا جاتا ہے چاہے وہ فرض ہو سنت ہو یا نفل نماز ہو سوچ لیجئے دن رات میں یہ کتنا پڑھا جاتا ہوگا۔

علاوہ ازیں درود ابراہیمی بھی ایک نہیں، ایک تو صرف ان لوگوں کو یاد ہے جو ساری زندگی کے لئے اپنی ماں یا دادی کی یاد کرائی ہوئی نماز پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بس یہی سب کچھ ہے حالانکہ احادیث مبارکہ میں درود ابراہیمی کے لئے بھی متعدد الفاظ اور جملے منقول ہیں جنہیں اہل علم جانتے ہیں اور نمازوں میں پڑھتے ہیں تو بتائیے کہ صرف ایک درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود درود ابراہیمی کے علاوہ دوسرے درود تعلیم فرمائے جس کا مقصد امت کو یہی تلقین کرنا تھا کہ کسی مخصوص درود شریف پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہمارے دربار عالی میں اچھے اچھے، پیارے پیارے موتیوں جیسے چمکدار الفاظ کی لڑیاں پرو کر پیش کی جائیں۔ جن سے غلاموں کی عقیدت، محبت اور ادب واحترام کا بھرپور اظہار ہو سکے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے متعدد درود شریف خود مرتب فرمائے

اوران کی تعلیم دی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ صحابہ کے مختلف درود شریف نقل کئے ہیں جو اپنے الفاظ اور جملوں کے اعتبار سے واقعی چمکتے موتیوں کی لڑیاں نظر آتے ہیں۔

اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل نے یہ واضح کیا کہ درود شریف کے الفاظ و جملے عشاق جو چاہیں استعمال کر سکتے ہیں لہٰذا تابعین، تبع تابعین اور اسلاف نے عشق ومحبت کے سمندر میں خوب خوب غوطہ زنی کی اور نہایت قیمتی اور حسین موتیوں کا ایک خزانہ ہم گناہ گاروں کے لئے جمع کر دیا بیشک ہم اس بیش بہا خزانہ کے وارث ہیں ہم اگر اس سے فیض حاصل نہ کریں تو یہ ہماری کتنی بڑی محرومی اور بدنصیبی ہوگی اس موقع پر میں ایک عظیم گنجینہ درود کا تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں جو بلاشبہ امت مسلمہ کے لئے عظیم سرمایہ ہے اور اہل علم وعمل کے لئے دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ ہے اور وہ ہے۔

دلائل الخیرات شریف

اس کے مؤلف ہیں ولی کامل قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الحسنی الجزولی السملالی الشاذلی المالکی رحمۃ اللہ علیہ ۸۰۷ھ میں لیبیا کے مشہور شہر سوس میں پیدا ہوئے۔

حسنی کہلائے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے۔

جزولی کہلائے کہ افریقہ کی بربر قوم کے ایک بڑے قبیلہ جزولہ سے تعلق تھا۔

سملالی کہلائے کہ قبیلہ جولہ کی شاخ سملالہ سے تعلق تھا۔

شاذلی کہلائے کہ سلسلہ شاذلیہ سے روحانی وابستگی تھی اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ میں سے تھے۔

مالکی کہلائے کہ مسلکاً فقہ مالکیہ کے پیروکار تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل پر عامل تھے۔

شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے مراکش کے شہر فاس میں تعلیم حاصل کی جہاں آپ کی رہائش کا کمرہ آج تک محفوظ ہے۔
علوم ظاہری سے فارغ ہو کر شیخ محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے علوم باطنی حاصل کئے۔ چودہ برس روحانی تربیت کے لئے خلوت میں ریاض ومجاہدکیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت کا بلند مرتبہ عطا فرمایا تقریباً بارہ ہزار چھ سو پینسٹھ افراد بحیثیت مرید آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے۔

آپ کی وفات یکم ربیع الاول ۸۷۰ھ کو نماز فجر ادا کرتے ہوئے دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں ہوئی۔ جامع مسجد سوس کے صحن میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ ستر سال بعد مراکش کے شہنشاہ نے آپ سے بے پناہ عقیدت ومحبت کی بناء پر آپ کا جسد مبارک سوس سے مراکش منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے جب آپ کی ستر سالہ پرانی قبر انور کو کھودا گیا تو جسم اطہر بالکل تر و تازہ نکلا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سو رہے ہیں داڑھی اور سر کے بال بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ ابھی کسی نے آپ کا خط بنایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے ہمت کی اور جسم مبارک کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ خون بھی اسی طرح جاری ہے جیسے زندہ جسم میں ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں کے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ انہیں یقین کامل تھا کہ اللہ

قادر مطلق ہے اور وہ زندنبی کے صدقہ میں ان کے عشاق کے جسموں کو بھی زمین کی خرد برد اور اس کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے بہر حال آپ کو مراکش لے جا کر وہاں کے مشہور قبرستان ریاض العروس میں دفن کیا گیا۔ مزار مبارک کی عمارت نہایت ہی حسین وشاندار ہے جہاں ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے جو آپ کے مرتبہ مجموعہ دلائل الخیرات شریف کی تلاوت سے محظوظ ہوتے رہتے اور آپ کے فیوض وبرکات ان کی میزبانی کرتے ہیں۔ قبر انور سے کستوری کی مہک پھیلتی رہتی ہے جس کا احساس آنے والوں کو دور سے ہی ہو جاتا ہے اور وہ درود شریف کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپ کا عظیم کارنامہ امت مسلمہ کو درود شریف کا بیش بہا خزانہ یعنی دلائل الخیرات شریف عطا کرنا ہے اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور ہم پر بھی آپ کے فیوض وبرکات جاری فرمائے۔

دلائل الخیرات شریف ایک عام کتاب نہیں جو مصنف نے اپنی شہرت اور مفاد کے لئے لکھ دی ہو نہیں بلکہ مؤلف نے مدتوں خود اس کا ورد کیا اور الفاظ کو چمکتا دمکتا موتی بنا کر قرطاسِ ابیض پر جڑا یہ ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اس بیش قیمت خزانہ کا وارث بنایا۔ جو متلاشیان حق سے راستہ کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے جو طالبان عرفان کو ان کی منزل سے قریب کرتا ہے۔ عاشقان صادق کو وصل محبوب کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ جو حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہے جو دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا وسیلہ ہے۔ بلند درجات تک رسائی کا زینہ ہے اس کا ورد کرنے والوں کے چہرے پرنور ہو جاتے اور دل حلاوتِ ایمان سے لبریز ہو جاتے ہیں ان کے دن یادِ مصطفیٰ ﷺ میں گزرتے ہیں اور راتیں دربار مجتبیٰ ﷺ میں بسر ہوتی ہیں وہ ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اللہ اور رسول کی یاد میں مست رہتے ہیں ہر قسم کے خوف و ڈر اور حزن و ملال سے آزاد ہو جاتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے خزانوں کا مالک کیا وہ انہیں اپنے خزانوں کا مختار بنا دیتے ہیں ان کے محبوب کے بھکاری ان کے در پر جھولیاں پھیلاتے اور مرادیں پاتے ہیں غرضیکہ درود شریف کی تمام برکتیں اس مجموعہ درود میں موجود ہیں خوش نصیب ہیں اور قابل احترام ہیں قابل رشک ہیں قابل تقلید ہیں وہ جو اس مجموعہ متبرکہ کا ورد کرتے ہیں اور بلند مراتب پاتے ہیں۔

ہم شکر ادا کرتے ہیں اور ہر عاشق رسول کو شکر گزار ہونا چاہئے اس ولی کامل کا جس نے دریائے رحمت کی یہ نہر ہم تک پہنچائی۔ "فجزاه الله عنا جزاء الخير" اللہ ان پر تا قیامت اپنی انوار و تجلیات کی بارش برساتا رہے اور ہمیں اس نہر سے سیراب ہونے کی توفیق بخشے آمین۔

دلائل الخیرات شریف کا پورا نام "دَلَائِلُ الْخَيْرَاتِ وَشَوَارِقِ الْاَنْوَارِ فِيْ ذِكْرِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام" ہے اس کی تالیف کا سبب ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے شہر فاس کے ایک گاؤں میں پہنچے دوران سفر ہی میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ پانی کی تلاش میں وقت نماز تنگ ہوتا جا رہا تھا بالآخر ایک کنواں ملا لیکن مشکل یہ پیش آ گئی کہ پانی نکالنے کے لئے ڈول، رسی کچھ نہ تھا۔ آپ پریشان کھڑے سوچ رہے تھے کہ پانی حاصل کرنے کی کیا تدبیر کی جائے کہ اچانک

ایک آٹھ یا نو سالہ بچی کی آواز سنائی دی آپ کون ہیں اور اس قدر کیوں پریشان ہیں؟ فرمایا میں شیخ جزولی ہوں سخت پریشان ہوں نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے سب کو وضو کرنا ہے بیٹی! ہماری مدد کرو ڈول اور رسی لا دو تا کہ ہم پانی نکال کر وضو کر لیں۔ بچی دوڑی ہوئی قریب آئی بولی آپ تو بہت بڑے شیخ اللہ کے ولی ہیں میں نے آپ کی نیکیوں کا بہت چرچا سنا ہے۔ حیرت ہے ایک معمولی ضرورت آپ پوری نہیں کر پا رہے بچی کنوئیں کے قریب گئی اور اس میں تھوک دیا۔ آناً فاناً کنواں چشمہ بن گیا پانی اوپر تک آ کر بہنے لگا۔ حضرت شیخ پسینہ میں شرابور ہو گئے غلام انگشت بدنداں رہ گئے جیسے تیسے سب نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ شیخ نے بچی کو اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے کہا تھوڑی دیر یہاں ٹھہرو ہم نماز پڑھ لیں پھر تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ سب نے وضو کیا نماز پڑھی خوب پانی سے سیراب ہوئے (حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پانی سے صرف ایک مرتبہ وضو کیا اور راہ حق کے مسافر تا قیامت اس سے اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے اپنے گناہوں کو دھوتے رہیں گے اور منزل تک پہنچتے رہیں گے)۔

فارغ ہو کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بچی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹی! اللہ تمہیں جزائے خیر دے کہ تم نے نماز قضاء ہونے کے گناہ سے ہمیں بچا کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہیں اللہ اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم مجھے یہ بتا دو کہ اس عمر میں تمہیں یہ بلند مرتبہ و مقام کس عمل سے حاصل ہوا۔ بچی شرمندہ ہو کر بولی ایسا نہ کہئے میرے پاس نہ تو کوئی مرتبہ ہے نہ مقام۔ میں تو بکریاں چرانے والی ایک دیہاتی لڑکی ہوں ہاں یہ صدقہ اس آقا ﷺ پر بکثرت درود شریف پڑھنے کا ہے جس کے دامن رحمت میں صرف انسانوں ہی کو نہیں وحشی جانوروں کو بھی پناہ نصیب ہوتی ہے میں سارا دن بکریاں چراتے ہوئے اپنے اسی آقا ﷺ پر درود شریف پڑھتی رہتی ہوں انہوں نے بھی ایک موقع پر کنوئیں میں اپنا لعاب مبارک ڈال کر اس سے اپنے غلاموں کو سیراب کیا تھا میں نے انہی کی سنت پر عمل کیا اور ان ہی کے دریائے رحمت سے آپ سب سیراب ہوئے ہیں، صلی اللہ علیہ و الہ و اصحابہ اجمعین۔

حضرت شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر اپنے مجرب درود شریف کتابی شکل میں جمع کرنے کا فیصلہ کیا اور ''دلائل الخیرات شریف'' کی صورت میں ہمیں یہ خزانہ بخشا۔ آپ نے اس بچی کا بتایا ہوا درود شریف بھی اس کتاب کے ساتویں جز میں شامل کیا ہے اسے صلوٰۃ البیر کہا جاتا ہے مختصر لیکن بے حد مؤثر و مفید ہے ہو سکے تو آپ بھی یاد کر لیجئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً دَآئِمَةً مَّقْبُوْلَةً تُؤَدِّىْ بِهَا عَنَّا حَقَّهُ الْعَظِيْمِ○

اے اللہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر ایسا درود بھیج جو ہمیشہ باقی رہے اور مقبول ہو کہ ادا فرما دے تو اس کے سبب ہماری طرف سے اس کے حق عظیم کو۔

مندرجہ بالا واقعہ ان میں سے ایک ہے جنہیں واقعاتِ دعوت کہتے ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے تاکہ انہیں دیکھنے والے، سننے اور پڑھنے والے اپنا ایمان تازہ کریں اور ان اعمال کو اختیار کریں جو ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا باعث یا سبب قرار دیا گیا۔ اللہ دعوت الی الحق کے لئے جسے چاہتا ہے پسند فرما لیتا ہے چاہے وہ

بچی ہو یا بچہ، مرد ہو یا عورت، امت مسلمہ کو ایک نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمانا مقصود تھا جس کے لئے ایک بچی کو وسیلہ بنا دیا گیا کہ اگر یہ واقعہ شیخ جزولی کو پیش نہ آتا تو شاید ہمیں یہ عطیۂ الٰہی نصیب نہ ہوتا ہے، فالحمد للّٰہ رب العلمین۔

دلائل الخیرات شریف کے علاوہ بہت سے مختصر اور سہل درود شریف ہیں جو ہمیں ہمارے اسلاف نے بخشے صرف درود ابراہیمی پر اکتفاء کرنا قناعت نہیں بلکہ کفران نعمت کا ارتکاب ہوگا اور بڑی ہی محرومی ہوگی۔ ہم قارئین کے استفادہ کے لئے چند درود شریف پیش کرتے ہیں ہو سکے تو ان سب کو مختلف اوقات یا کسی ایک کو کسی بھی نماز کے بعد اپنا ورد بنا لیجئے اور ہمارے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں بھی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ساری زندگی درود پیش کرتے رہنے کی توفیق بخشے۔

اللہ اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے ہمارے اسلاف علماء و مشائخ پر جو ساری زندگی سمندرِ علم میں غوطہ زنی کرتے رہے اور ہمیں علم و عرفان کے ایسے ایسے موتی بخش گئے جن سے ہمارا ایمان چمک اٹھتا اور قلب روشن و منور ہو جاتا ہے۔ لیجئے ایک موتی آپ بھی لے لیجئے۔ حضرت الشیخ محمد بن علی نازلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خزینۃ الاسرار شریف میں لکھتے ہیں کہ:

درود شریف کی چار ہزار قسمیں ہیں اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر درود شریف امت مسلمہ کی کسی نہ کسی جماعت میں بے حد پسندیدہ ہے کیونکہ وہ آقا ﷺ اور غلاموں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے اور انہوں نے اس میں بے شمار اسرار و رموز، خواص اور منافع پائے ہیں جبکہ درود شریف کے ذریعہ حصول مقاصد اور مصائب و آلام سے نجات کا تجربہ عام ہے۔

ہمیں عمر نوح بھی نصیب ہو جائے تب بھی شائد ان بارہ ہزار درودوں تک ہماری رسائی نہ ہو سکے کہ یہ تو اہل اللہ ہی کا مقدر ہے ہمیں جو کچھ اپنے بزرگوں سے نصیب ہو سکا اگر قبول ہو جائے تو کافی ہے۔ بہر حال اپنے خزانہ کے چند موتی آپ کے لئے پیش ہیں۔

چند درود شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۵۶

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

یہی وہ درود مقدس ہے جو مجھے میرے پیر و مرشد کامل حضرت صوفی کفایت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بخشا۔

میرے استاد مکرم غزالی دوران شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے قضائے حاجات کے لئے درج ذیل نسخہ کیمیا مرحمت فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا

مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ علیکَ وَسَلَّمْ۔

میرے والد محترم شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا وظیفہ درج ذیل درود تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

چند دیگر علماء و مشائخ جو درج ذیل درود شریف کا ورد کیا کرتے تھے۔

قطب مدینہ منورہ حضرت شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدینہ منورہ درجہ ذیل درود شریف بکثرت پڑھتے تھے اور اپنے مریدین زائرین کو اسی کے ورد کی تلقین فرماتے تھے۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

ہمارے اکثر ہمعصر علماء کرام کا ورد بھی یہی درود شریف ہے۔

اب چند دیگر نہایت ہی مفید و مؤثر درود شریف ملاحظہ ہوں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَکُوْنُ لَکَ رِضَاءً وَلِحَقِّهٖ اَدَاءً۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا ومولانا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ تَسْلِیْمًا۔ بِقَدْرِ عَظْمَةِ ذَاتِکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَّحِیْنٍ۔

(اس درود شریف کا ثواب ایک ہزار درود کے مساوی ہے)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ عَدَدَ مَا عَلِمْتَ وَزِنَةَ مَا عَلِمْتَ وَمِلْءَ مَا عَلِمْتَ۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النُّوْرِ الذَّاتِیِّ وَالسِّرِّ السَّارِیْ فِیْ سَائِرِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ الْعَالِی الْقَدْرِ الْعَظِیْمِ الْجَاهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

....

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ صَلَاةً كَامِلَةً وَسَلِّمْ سَلَامًا تَامًّا عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الَّذِيْ تَنْحَلُّ بِهِ الْعُقَدُ وَتَنْفَرِجُ بِهِ الْكُرَبُ وَتُقْضٰى بِهِ الْحَوَائِجُ وَتُنَالُ بِهِ الرَّغَائِبُ وَحُسْنُ الْخَوَاتِمِ وَيُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ فِيْ كُلِّ لَمْحَةٍ وَّنَفَسٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ يَا اَللّٰهُ۔

اسلاف کے تجربہ کے مطابق یہ درود شریف نہایت ہی مفید و مؤثر ہے اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے غم واندوہ اور پریشانیوں کو دفع فرما دیتا ہے۔ دنیا و آخرت کے بلند مراتب عطا فرماتا ہے۔ رزق کی کشادگی کر دیتا ہے ہر قسم کے حوادث و مصائب سے آزاد کر دیتا ہے۔ مخلوق کے دلوں میں اس کی محبت اور عزت پیدا کر دیتا ہے۔ اس کو پڑھ کر جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھا جائے یا روزانہ اکتالیس مرتبہ یا سو مرتبہ پابندی سے پڑھا جائے اور کسی اہم ضرورت کے لئے چار ہزار، چار سو، چوالیس بار پڑھا جائے۔ اللہ توفیق دے تو پابندی سے اس کا ورد کیجئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَاةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَ تُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ يَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَيَا مُجِيْبَ الدَّعَوَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O

اس درود شریف کے متعلق ولی کامل شیخ صالح موسیٰ الضریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا اچانک اتنا خطرناک طوفان آیا کہ کسی کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہ رہی۔ لوگ بدحواس ہو گئے اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور تقریباً میں سو گیا کہ نبی رحیم و کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مسافروں سے کہو کہ وہ ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھیں۔ میں بیدار ہوا اور تمام مسافروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا عطا کردہ یہ نسخہ کیمیا بتایا اور ہم سب مل کر یہ درود شریف پڑھنے لگے۔ ابھی تین سو مرتبہ ہی پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے مصیبت کو دور کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں لکھتے ہیں کہ اس مبارک دورد کو سو مرتبہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سو حاجتیں پوری فرماتا ہے۔ جن میں ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی ہوں گی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس مسلمان کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو وہ اس درود شریف کو اپنی دعا میں پڑھے تو بلاشبہ یہ طہارت قلب کا ذریعہ بنے گا اور مؤمن تو اس وقت تک سیر نہیں ہوتا جب تک وہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَعَلٰی جَسَدِہٖ فِی الْاَجْسَادِ وَعَلٰی قَبْرِہٖ فِی الْقُبُوْرِ۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ پر ان الفاظ سے درود پڑھا اسے خواب میں میری زیارت نصیب ہوگی اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بروز قیامت مجھے ضرور دیکھے گا اور جس نے مجھے قیامت کے دن دیکھا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ وہ میرے حوض سے سیراب ہوگا اور اللہ اس کے لئے جہنم کی آگ حرام کردے گا۔

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث شریف کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا اور سونے سے پہلے اس کا وظیفہ کیا اور سو گیا۔ میں نے خواب میں اپنے آقا ﷺ کا نورانی چہرہ چاند کی صورت میں دیکھا مجھے آپ سے شرف کلام بھی نصیب ہوا اور پھر یہ حسین چہرہ چاند میں چھپ گیا۔ میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ مجھے ان بقیہ انعامات سے بھی سرفراز فرمائے جن کا حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس حدیث پاک میں وعدہ فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَ فِی الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مسجد شریف میں رونق افروز تھے کہ ایک شخص آیا اور عرض کیا "سلام ہو تم پر اے بلند عزت والے اور وسیع کرم والے" تو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے اپنے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا حاضرین کو بہت تعجب ہوا کہ یہ کون خوش نصیب ہے جسے اتنا اعزاز بخشا گیا۔ پس اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ یہ شخص مجھ پر ایسا درود شریف پڑھتا ہے جو آج تک اس سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا پھر آپ نے مذکورہ بالا درود شریف سنایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَا فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ صَلَاۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ۔

اسے ''صلوٰۃ سعادۃ'' کہا جاتا بقول بعضے مشائخ کرام یہ چھ لاکھ درود شریف کے مساوی ہے ہر جمعہ کو اسے ہزار بار پڑھنے کا بے حد ثواب بیان کیا گیا ہے۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ عَدَدَ کَمَالِ اللّٰہِ وَکَمَا یَلِیْقُ بِکَمَالِہٖ۔

یہ درود صوفیاء کرام میں درود کمالیہ کے نام سے مشہور ہے جس کا ثواب چودہ ہزار کے مساوی بیان کیا جاتا ہے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ یا سو بار پڑھا جائے۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ عَدَدَ اَنْعَامِ اللّٰہِ وَاَفْضَالِہٖ۔

شیخ احمد الصادی المصری کے ارشاد کے مطابق اس درود شریف کی برکت سے دنیا و آخرت کی بے شمار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اسے صلوٰۃ الانعام کہا جاتا ہے۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ اس کو پڑھنا امراض سے نجات کا ذریعہ ہے زعفران سے لکھ کر مریض کو گیارہ دن پلایا جائے یا کسی درد کی جگہ پر دم کیا جائے ان شاء اللہ شفا ہو گی۔

درج ذیل اشعار ہمارے رفیق خلوت اور سکون و سرور کا ذریعہ ہیں جنہیں ہم اکثر گنگناتے رہتے ہیں:

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے مخلوق میں سب سے زیادہ مہربان اور کرم کرنے والے میرے لئے کون ہے۔ آپ کے سوا جس کی پناہ لوں حادثوں اور بلاؤں کے پہنچنے کے وقت۔

وَلَنْ یَّضِیْقَ رَسُوْلَ اللّٰہِ جَاھُکَ بِیْ اِذَا الْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

میری شفاعت کرنے کے وقت حضور کا مرتبہ کم نہ ہو گا جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اسم منتقم کے ساتھ جلوہ افروز ہو گا۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

تو بیشک دنیا و آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے آپ کے علوم میں سے لوح و قلم ایک علم ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

یانَفْسِ لَا تَقْنَطِیْ مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ اِنَّ الْکَبَائِرَ فِی الْغُفْرَانِ کَاللَّمَمِ

اے نفس! جسم کے بڑے گناہوں کی وجہ سے ناامید نہ ہو بخشش کے سامنے کبیرہ گناہ چھوٹے ہوتے ہیں۔

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُھَا تَاتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقَسَمِ

امید کامل ہے کہ جب اللہ کی رحمت تقسیم ہوگی تو گناہوں کے اعتبار سے اس کی تقسیم ہوگی۔

مَوْلَایَ صَلِّی وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

ہم نے یہ چند درود شریف پیش کر دیے جو اپنے الفاظ کے اعتبار سے مختصر ہیں لیکن تاثیر و افادیت کے اعتبار سے نہایت ہی مؤثر اور مفید ہیں اہل ذوق انہیں بآسانی یاد بھی کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے بارہ ہزار درود تو ایک جگہ جمع کر دینا ممکن نہیں۔ ہاں ان سب سے افضل و اعلیٰ پھولوں کا مہکتا ہوا گلدستہ درود تاج ہے جسے ہر فاتحہ کے آخر میں پڑھئے یا ہر نماز کے بعد سات مرتبہ بالخصوص نماز فجر کے بعد گیارہ مرتبہ اس کی تلاوت نہایت ہی مفید ہے۔ تقریباً وظائف کی تمام ہی کتابوں میں موجود ہے۔ اب آپ غور فرمایئے ان حسین و جمیل گلدستوں کی مہک سے محروم رہنا بد ذوقی نہیں تو اور کیا ہے جبکہ درود ابراہیمی جو اس کا اصل اور اعلیٰ ترین مقام نماز پہلے ہی حاصل ہے۔ پس یہ اصرار کہ ہر موقع پر صرف اسی کو پڑھا جائے یقیناً بے جا ہے۔ ہم سنت رسول کو ترک کرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلاف کی سنت بھی درحقیقت سنت رسول ہے جس پر عمل سنت رسول پر عمل کا وسیلہ ہے۔ اللہ ہمیں دین کو کماحقہ سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقاماتِ درود

اب ہم مختصراً ان مقامات کا بھی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جہاں درود شریف پڑھنا نسبتاً افضل، مستحب اور بہتر ہے لیکن اس سلسلے میں بھی وہ بات ذہن میں رہے جو ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ درود شریف ہی وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں مقامات درود کے سلسلے میں بھی یہی صورت ہے کہ اس کے لئے کسی مخصوص مقام کا تعین نہیں چاہے آپ گھر میں اس کا ورد کریں یا گلی کوچوں اور بازاروں میں پہاڑ کی چوٹی پر یا سمندر کی تہہ میں کوئی پابندی نہیں لیکن چند اوقات اور مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنا افضل و بہتر ہے ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے نبی پر درود شریف پیش کرتے ہیں تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے وبال ہوگی چاہے تو اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور جب کھڑے ہوتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت میں وہ مجلس ان کے لئے باعث حسرت ہوگی

وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں گے تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں حسرت وندامت رہے گی۔

بعض روایات کے مطابق جس محفل کی ابتداء اور اختتام حمد وثناء اور صلوٰۃ وسلام سے ہو اللہ تعالیٰ اس مجلس میں کئے گئے فیصلے اس میں بنائے گئے پروگراموں پر عمل کو سہل فرما دیتا ہے اور اہل مجلس کو کامیاب وکامران کرتا ہے۔

ان ہی احادیث کے مطابق بحمد اللہ اہل سنت و جماعت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی ہر محفل کی ابتداء قرآن کریم کی تلاوت اور نعت رسول اللہ ﷺ سے ہی کرتے ہیں کہ نعت شریف چاہے عربی میں ہو یا فارسی میں اردو میں ہو یا کسی بھی زبان میں، درود شریف کی بہترین قسم ہے۔ جس سے سامعین محظوظ ہوتے ہیں ان کا ایمان تازہ ہوتا ہے ان کے دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد سے بے چین ہونے لگتے ہیں۔ نیز آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ ہر نعت شریف سے قبل درمیان میں اور آخر میں وہ درود شریف بھی پڑھے جاتے رہتے ہیں جو اسلاف نے ہمیں عطا فرمائے ہیں۔ یہ محافل چاہے سیاسی نوعیت کی ہوں یا مذہبی محافل میلاد ہوں یا اولیاء کرام کے عرس کی محفلیں ہوں یا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے جلسے ہوں غرضیکہ ہمارا معمول ہے کہ ہم اپنی ہر قسم کی محافل کی ابتداء اور ان کا اختتام حمد وثناء اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر درود شریف پیش کرنے سے کرتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے ان محافل پر بھی شرک و بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں جس سے ان کا مقصد شاید دین کے کاموں میں خلل پیدا کرنا ہو یا تبلیغ دین میں رکاوٹ ڈالنا ہو لیکن باوجود سخت کوششوں کے بحمد اللہ آج تک وہ کسی ایک محفل کو بھی بند کرانے میں نہ کامیاب ہو سکے ہیں اور نہ ہی کامیاب ہو سکیں گے۔ امت مسلمہ کو ثواب سے محروم کرنے کی کوشش کرنے والے یہ لوگ کس قدر ظالم ہیں کہ اپنے وقت اور دیگر وسائل کو نیک کاموں میں صرف کرنے کی بجائے انہیں روکنے میں صرف کرتے ہیں اللہ ہی انہیں ہدایت دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا "اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا" جب تم موذن سے اذان سنو تو اذان کے جملے دہراؤ اور پھر مجھ پر درود شریف پیش کرو کیونکہ جو مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ اذان کے وقت باتوں اور کاموں کو چھوڑ کر صرف مؤذن کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اور جو کلمات اذان مؤذن کہے انہیں دہرانا چاہئے۔ دوسری حدیث میں ہے جب مؤذن "حي على الصلوه" اور "حي على الفلاح" کہے تو تم کہو "لا حول و لا قوة الا بالله العلي العظيم" اس کے بعد درود شریف پڑھا جائے اور دعا کی جائے جو بمطابق احادیث صحیحہ اذان کے بعد کے لئے متعین ہے۔

ظاہر ہے دعا تو ہاتھ پھیلا کر ہی مانگی جاتی ہے لیکن اللہ کے بندے اس کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں۔ اختتام دعا کا جملہ نہایت ہی اہم ہے "وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" اے اللہ! قیامت کے دن ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت نصیب فرما۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن افسوس کہ اس اہم حصہ دعا

سے بھی اہل ایمان کو محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سعودی ٹیلی ویژن سے کبھی آپ نے اذان اور اس کے بعد دعا سنی ہوگی اس میں یہ آخری جملہ حذف کر دیا جاتا ہے۔ کس قدر جرأت ہے کہ ایک تو کھلم کھلا مسنون طریقہ کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ دوسری شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کا عملی طور پر انکار کیا جاتا ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جب ہم ایسا کرنے والوں پر شرعی فتویٰ لگاتے ہیں تو الٹا ہم ہی پر امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام دھر دیا جاتا ہے۔ مکر و فریب کی انتہا ہے چور خود ہی چور چور پکار کر دوسروں کو چور بنا دیتا ہے۔

خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا کہ ''اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلَیَّ وَسَلَّمَ'' جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو مجھ پر درود و سلام پڑھے پھر اس طرح دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے اور ''اِذَا خَرَجَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ'' اور جب کوئی مسجد سے نکلے تو مجھ پر درود شریف بھیجے اور اس طرح دعا کرے ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ'' اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور مجھ پر اپنا فضل و کرم فرما۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دعا میں جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

اسی لئے اہلسنت و جماعت کی مساجد میں آئمہ کرام اختتام دعا پر آیت درود پڑھتے ہیں اور سب مل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں عاجزانہ طور پر ہدیہ درود شریف پیش کرتے ہیں اس عمل سے تمام حاضرین کو اس میں شرکت کا موقع مل جاتا ہے کوئی نہیں بھولتا اور کسی کی دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق نہیں رہتی۔ یہ عمل نہ خلاف شرع ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خرابی نظر آتی لیکن کہنے والے اس کو بھی بدعت کہتے ہیں اگر مان لیا جائے کہ یہ بدعت ہے تو ہر بدعت ہرگز گمراہی اور ضلالت نہیں ہوتی۔ شرعاً بدعت حسنہ پر عمل کی اجازت ہے اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ اس کا ثواب اس بزرگ کو بھی پہنچتا رہے گا جس نے روز اول اس کو جاری کیا۔ جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے پابندی کے ساتھ باجماعت نماز تراویح کی بدعت حسنہ جاری فرمائی۔ امت بالاتفاق اس پر عامل ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی آٹھ رکعت تراویح پڑھے اور کوئی بیس رکعت لیکن بہر حال عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر ہی ہوتا ہے جو یقیناً باعث ثواب ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا قریب ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رونق افروز تھے جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو پہلے میں نے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہدیہ درود و سلام پیش کیا پھر میں اپنے لئے دعا مانگنے لگا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا ''سَلْ تُعْطٰی'' مانگ تجھے دیا جائے گا یعنی درود شریف کی برکت سے تمہاری ہر دعا قبول ہوئی۔

ظاہر ہے کہ اس نمازی نے اتنی آواز سے یہ عمل کیا تھا کہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سماعت فرمایا اور قبولیت دعا کا مژدہ دیا۔ اسی لئے ہم اہلسنت و جماعت کا بھی یہی معمول ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں اور باآواز بلند کلمہ شریف پڑھتے ہیں اور ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسولَ اللّٰہ'' کے محبوب ترین الفاظ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجتے ہیں جو لوگ اس سے بھی منع کرتے ہیں اور خود بھی عمل نہیں کرتے بلکہ اس عمل خیر سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ ذکر ہی کے دوران صف سے نکل کر اپنی نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں یا مسجد سے ہی چلے جاتے ہیں اللہ ان پر رحم کرے وہ یہ حدیث شریف غور سے پڑھیں۔ جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے محبوب آقا ﷺ کے گرد مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور بس دعا کرنے لگا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم نے بڑی ہی جلد بازی سے کام لیا (پھر آپ نے اپنے غلام کو طریقہ دعا تعلیم فرمایا تاکہ ہم بھی اس پر عمل کریں آپ نے فرمایا) جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد و ثناء کرو مجھ پر درود پڑھو پھر دعا مانگو۔ اتنے ہی میں ایک اور صاحب آ گئے انہوں نے بھی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر وہ بیٹھے اللہ کی حمد و ثناء کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجا اور پھر دعا کی تو آقا ﷺ نے فرمایا ''اَیُّهَا الْمُصَلِّی اُدْعُ تُجَبْ'' اے نمازی! دعا کرو تیری دعا قبول ہوگی۔

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں جن سے نماز کے بعد باآواز بلند ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا ثابت ہے اگر کوئی لاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس عمل خیر کے ثواب سے محروم ہو رہا ہو تو اس کے لئے یہی کچھ کافی ہے جو آپ نے پڑھ لیا اور ضد وہٹ دھرمی کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں۔

آخر میں عشق و محبت سے پُر ایمان افروز ایک واقعہ اور ملاحظہ فرما لیجئے پھر ہم مجبوراً آپ کو اس پھولوں بھرے مہکتے باغیچہ سے واپس خاروں بھری دنیا کی طرف لے چلتے ہیں اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کی برکت سے ہماری پوری دنیا کو مہکتا ہوا باغیچہ بنا دے کہ ہمیشہ ہم اس سے پھول چنتے رہیں اور اپنے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنے کا شرف پاتے رہیں۔

حضرت ابوبکر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں ابوبکر بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ آن پہنچے (حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ عشق و محبت میں دیوانے اور مجذوب تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصروں میں سے ہیں سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہمارے شجرۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ میں بھی ان کا نام موجود ہے۔ بغداد شریف میں ہی دفن ہیں۔ قبر انور پر ہمیں حاضری کا شرف حاصل ہے) تو حضرت ابوبکر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (جو خود اپنے زمانہ کے عظیم ولی اور بزرگ تھے) حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے ان سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے بہت حیرت ہوئی میں نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضور! یہ تو ایک دیوانہ و مست شخص ہے اور آپ بھی اس کے متعلق یہی فرماتے ہیں۔ پہلے بھی یہ آپ کے دربار میں آتے رہتے تھے آپ ان کی طرف کوئی خاص توجہ تک نہ فرماتے تھے آج آپ نے ان پر اتنی شفقت کیوں فرمائی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا ''میں نے ان کے ساتھ وہی کیا ہے جو آج رات میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرتے دیکھا تھا اور جب میں نے آقا ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شبلی کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد سورۂ توبہ کی آخری آیت ''لقد جاء کم رسول من انفسکم'' آخر تک پڑھتے اور پھر تین مرتبہ کہتے ہیں'' صلی اللّٰہ علیک یا محمد'' لہٰذا یہ ہمیں بہت محبوب اور پیارے ہیں اور اللہ کو ان کا یہ عمل بہت پسند ہے۔

اللہ اکبر غور تو فرمایئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو درود شریف کا یہ موقع اور یہ طریقہ کس نے بتایا نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کی تعلیم دی اور نہ ہی صحابہ و اسلاف میں سے کسی سے منقول ہے اور جو آیت وہ تلاوت کر کے درود شریف پڑھتے تھے وہ بھی آیت درود نہیں اس میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح ونعت ہے۔ ظاہر ہے یہ ان کا اپنا ہی طریقہ تھا ان کے عشق ومحبت کی ایجاد تھی جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پسند فرمایا اور اللہ رب العزت جل مجدہ کو بھی پسند آیا۔ پس معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ، وقت، طریقہ اور مقام کا تعلق صرف عشق سے ہے اور محبت سے ہے جب اور جس طرح عشق ومحبت کا تقاضا ہو پیش کیا جائے چاہے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز سے پہلے یا نماز کے بعد اسلاف کے الفاظ میں یا اپنے الفاظ میں درود ابراہیمی ہو یا کوئی بھی درود ہو۔ پس خلوص ہو اظہار عشق ومحبت ہو بس وہی مقبول ہے یہ تو ہے ہی خلوص ومحبت کا گلدستہ اسی کی مہک دل ودماغ کو معطر کرتی ہے اللہ ہمیں بھی ایسا ہی ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔

اے ایمان والو! اپنے آقا ﷺ پر بکثرت صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جو سنت الٰہیہ ہے کہ اللہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بکثرت درود وسلام کے پھول نچھاور کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی یہی گلدستے پیش کرتے رہتے ہیں اور اللہ تم سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ تم بھی اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اور کثرت سے درود شریف پڑھو یہی وہ واحد عمل ہے جس کے مردود ومسترد ہونے یا نامقبول ہونے کا شائبہ تک نہیں کیا جا سکتا اور سنو کہ یہی وہ واحد عمل ہے جس کے کرنے والوں پر آقائے رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خصوصی نظر کرم فرماتے ہیں کہ انہیں دیکھتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو خلوصِ نیت اور عشق ومحبت سے کیا جاتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اور یہی ایسا واحد عمل ہے جس کا کوئی طریقہ متعین ومخصوص نہیں پس جیسے چاہو جہاں چاہو جس وقت چاہو اور جن الفاظ کے ساتھ چاہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھو اور ان کے دربار عالی میں مہکتے پھولوں کے گلدستے پیش کرتے رہو اور یہی وہ واحد عمل ہے جس کے ایک مرتبہ کرنے سے اللہ کی طرف سے اس کا دس مرتبہ جواب ملتا ہے۔ یہی وہ واحد عمل ہے جو رفع درجات اور اللہ ورسول سے قرب کا ذریعہ ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو کوثر سے سیرابی کا وسیلہ میزان کا ثقیلہ اور پل صراط سے بسہولت گزرنے کا ذریعہ ہے۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے جنت وسیع اور قریب ہوتی ہے اور جہنم تنگ اور اس کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جو مغفرت وبخشش کا ذریعہ اور نارِ جہنم سے آزادی کا مژدہ بنتا ہے اور یہی وہ واحد عمل ہے جس سے ایمان تازہ، چہرہ پرنور اور زندگی پرامن وپرسکون ہو جاتی ہے۔ پس اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر خوب درود وسلام

بھیجو دیکھو یہی وہ واحد عمل ہے جس سے رحمت باری کے دروازے وا اور رزق کے دروازے کشادہ ہوتے ہیں اور یہی وہ واحد عمل ہے جو صدقہ وخیرات کا نعم البدل بنتا ہے اور جس سے آفات وبلیات دور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جو گھروں میں قندیل بن کر چمکتا ہے اور جس سے قبریں روشن ومنور ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ واحد عمل ہے جس سے سکراتِ موت سہل ہوتے ہیں اور فرشتوں کی صدائے ''یاتیھا النفس المطمئنة'' سنائی دیتی ہے۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علٰی سیدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہرِ یارِ ارم، تاجدارِ حرم — نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود — فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود — مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود — ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود — شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام
کنزِ ہر بے کس و نوا پہ لاکھوں درود — حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مولای صل وسلم دائمًا ابدًا — علٰی حبیبک خیر الخلق کلھم

آیت درود کے بعد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو تکلیف وایذاء پہنچانے کو گناہ عظیم قرار دیا جا رہا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے مقالہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٦٦

الاحزاب: ٦٩

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؀ (احزاب: ٦٩)

اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا پس اللہ نے انہیں بری کر دیا اس سے جو انہوں نے کہا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔

قرآنِ کریم امم ماضیہ بالخصوص بنی اسرائیل کے حالات تو نہایت تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے جبکہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کو خیر الامم ہونے کا شرف بخشتا ہے لہٰذا واضح ہے کہ ان حالات کے بیان کا مقصد بنی اسرائیل یا دیگر گزشتہ امتوں کی عظمت و فضیلت کا اظہار نہیں بلکہ یہ حالات ہمارے لئے درس عبرت ہیں تاکہ ہم ان کا بغور مطالعہ کریں اور اپنی فضیلت و رفعت کی حفاظت کریں کہ اگر ہمیں ان حالات کا علم نہ ہوتا تو شاید ہم بھی ان جیسی بدکاریوں میں مبتلا ہو کر اللہ جبار و قہار کے غیظ و غضب کے مستحق قرار پاتے اور انہی کی طرح ہمیں بھی نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اسی لئے ان

حالات کو بیان کرتے ہوئے ہمیں بار بار دعوت عبرت دی گئی ہے۔ ارشاد ہوا ''فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ'' اے اہل بصیرت عبرت حاصل کرو، اہل ایمان کو اللہ نے اپنے صاحبِ بصیرت نبی ﷺ کے طفیل بصیرت عطا فرمائی ہے پس انہیں چاہئے کہ ان واقعات کو قصہ کہانی نہ جانیں بلکہ ان پر غور کریں اور ان سے عبرت حاصل کریں کہ اسی لئے انہیں بیان کیا گیا ہے ورنہ قرآن کریم جیسی اہم کتاب میں ان کی گنجائش نہ تھی اور نہ ہی یہ کتابِ مقدس کوئی تاریخی و واقعاتی کتاب ہے پھر فرمایا گیا ''لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ'' امم ماضیہ کے واقعات میں اہل عقل وخرد کے لئے عبرت ہے۔ یہ واقعات قابل عبرت ہیں لائق لذت ومسرت نہیں۔ مزید ارشاد ہوا ''اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى'' بیشک ان واقعات میں اس کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ خشیت الٰہی جزوِ ایمان ہے جس کا ہر مؤمن کے قلب میں ہونا نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے بغیر حصول تقویٰ ممکن ہی نہیں قربِ الٰہی کی منزل کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث میں اس کی بے حد تاکید کی گئی ہے اس کی ابتداء ہی عبرت سے ہوتی ہے یعنی ان اعمال سے بچا جائے جو پہلوں کی تباہی وبربادی کا باعث بنے۔

وجیہ

حسین وخوبصورت، تندرست وصحت مند شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے پر جاذبیت ہو اس کی طرف خود بخود نظریں اٹھیں۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے خود ارشاد فرمایا کہ ''وکان عند اللّٰه وجیھا'' وہ اللہ احسن الخالقین کے نزدیک وجیہ تھے، حسین وخوبصورت تھے، تندرست وصحت مند تھے، ان میں جاذبیت تھی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن اللہ کے نزدیک وہ بلاشبہ ایسے ہی تھے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے ان کی مزید خوبیاں بیان کیں۔ فرمایا گیا ''اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا'' وہ مخلص یعنی باطنی اور قلبی اعتبار سے ہر معاملہ میں صاف ستھرے تھے اللہ نے نبوت ورسالت کا انہیں جو عظیم منصب سونپا اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں بھی وہ مخلص تھے اور لوگوں کے معاملہ میں بھی ان کے ہر کام میں اخلاص ہوتا تھا۔ وہ قلب کی گہرائیوں سے چاہتے تھے کہ اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور لوگ ان کی بات کو تسلیم کرکے دنیوی واُخروی عزت ونجات کے مستحق ہوسکیں اللہ نے انہیں اپنا رسول ونبی بنایا کہ اللہ جسے وجیہ ومخلص بناتا ہے اسی کو منصب نبوت ورسالت تفویض فرماتا ہے یعنی نبی ورسول ظاہری وباطنی اعتبار سے ہر عیب سے پاک وصاف ہوتا ہے اس کی صورت وسیرت میں کوئی ایسا عیب نہیں ہوتا جو قابل نفرت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے اس سے بھاگیں یا نفرت کریں کیونکہ نبی کا کام تو لوگوں کو اللہ کا پیغام سنانا اور انہیں اپنے گرد جمع کرکے اللہ کا سپاہی بنانا اور اللہ کے لشکر میں شامل کرنا ہوتا ہے وہ اپنی قوم کو اللہ کے دین کی حفاظت اور نشر واشاعت کی ذمہ داری سونپتا ہے اور ہر طرح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے تیار کرتا ہے حتیٰ کہ وابستگان نبوت ورسالت صرف اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے رسول ونبی کی عزت وناموس کے لئے بھی اپنی گردنیں تک کٹا دینے پر آمادہ رہتے ہیں وہ کسی بھی طوفان کے مقابلہ پر نہ جنبش کرنے والا ایک مستحکم پہاڑ بن جاتے ہیں۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ''اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ'' میں

نے تمہیں اپنی رسالت اور اپنے کلام کا شرف بخش کر لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی یعنی شرف رسالت اور شرفِ کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نبی و رسول امت میں مصطفیٰ ہو برگزیدہ ہو حتیٰ کہ امت کا کوئی فرد کسی بھی اعتبار سے اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے اس کے انسان و بشر ہونے کے باوجود کوئی مؤمن اسے اپنا جیسا انسان اور بشر نہ کہہ سکے۔ ایسا کہنا یا سمجھنا رسول کے اعلیٰ و بلند منصب کے انکار کے مترادف ہوگا اور دعوئے ایمان کے باوجود ایمان نہ ہوگا۔

یہ تو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا جو بلا شبہ اللہ کے جلیل القدر نبی و رسول ہیں کلیم اللہ ہیں کہ اللہ نے انہیں بلا واسطہ شرف کلام سے نوازا۔ وجیہ ہیں، مخلص ہیں، مصطفیٰ ہیں لیکن بات اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک اس کا ذکر نہ ہو جو موسیٰ علیہ السلام کی یہ خوبیاں دنیا والوں کے سامنے لانے کا وسیلہ بنے ان کی قوم نے تو ان کے ہوتے ہوئے بھی ان کی عزت و ناموس کی پرواہ نہ کی بلکہ ان پر اپنے ایمان کا احسان ہی جتاتے رہے ہر موقع پر نخرے ہی دکھاتے رہے حتیٰ کہ اس نجات دہندہ نے جب ان سے دین کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کو کہا تو انہوں نے نہایت ہی صفائی سے دوٹوک جواب دیا ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ'' تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہاں تماشائی بنے بیٹھے ہیں اللہ اکبر! کیسے بدنصیب تھے وہ جو اللہ و رسول کو تماشہ بنا رہے تھے اور کیسے خوش نصیب تھے وہ جنہوں نے اپنے جسم چھلنی کرا لئے لیکن اپنے آقا ﷺ پر آنچ تک نہ آنے دی انہوں نے دنیا کو تماشا بنا ڈالا اور وہ بد بخت خود تماشہ بن گئے اور آج تک تماشہ بنے ہوئے ہیں اور قیامت تک ان کا یہی حال رہے گا کہ اللہ علیم و خبیر کا اعلان ہو چکا ہے انہی کے لئے فرمایا گیا ہے ''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ'' مسلط کر دی گئی ان پر ذلت، غربت اور مستحق ہو گئے عذاب الٰہی کے ''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'' کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے ''وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ'' اور انبیاء (علیہم السلام) کو بلا وجہ قتل کرتے رہتے تھے۔ ''ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ'' وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کر جاتے تھے خود انہوں نے اللہ کے رسولوں کو تماشہ بنایا، تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی بات سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی بتائی گئی ہے۔ غرضیکہ بدنصیب تھے خود ہی تماشہ بن گئے اور خوش نصیبوں نے دنیا کو تماشہ بنا دیا (رضی اللہ عنہم) تو جو رسول کے ہوتے ہوئے اس کی عزت و ناموس پر اپنا بال بیکا نہ کرا سکے ان کی آنے والی نسلیں رسول کے لئے کیا ایثار و قربانی کر سکتی ہیں چاہے کتنے ہی رسول سے محبت و تعلق کا دعویٰ کرتے رہیں سب جھوٹے ہیں تماشہ ہی بنے ہوئے ہیں۔ فلسطینی خوب ان سے کھیل رہے ہیں اور ہم خوب تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

بہر حال بات پوری نہیں ہو سکتی جب تک اس آقا ﷺ کا ذکر نہ ہو جس کا ارشاد ہے ''لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗٓ اِلَّا اتِّبَاعِيْ'' اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنا پڑتی اور جو زندہ ہے جب وہ دنیا میں تشریف لائے گا تو انہی کی پیروی کرے گا وہ تو ایسے وجیہ ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کو ان کی وجاہت بیان کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی کہ خود ہی غلاموں نے اس کا اعتراف کر لیا۔ نیز اللہ جل مجدہ نے انہیں ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' کے اعلان کا حکم دیتے ہوئے خود فرمایا ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' ہم نے تم میں ایک نور مبعوث فرمایا جو ہماری

واضح اور روشن کتاب لے کر آیا ہے اس طرح آپ کے بشر ہونے کے باوجود آپ کے مادی ؤروحانی، ظاہری اور باطنی حسن کے کمال کا اظہار فرمادیا لہٰذا اب انہیں وجیہ کہنے کی ضرورت باقی نہ رہی کہ جو بشر ہوتے ہوئے نور ہو اس کی وجاہت کا کون انکار کر سکتا ہے اور کس کی وجاہت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے کہا ''كَاَنَّمَا الْقَمَرُ يَتَلَاءُ لَاءُ فِيْ وَجْهِهٖ'' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند میرے آقا ﷺ کے نورانی در کا بھکاری ہے اور غیروں کو تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کہیں ''وَجْهُهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٌ'' ان کے چہرۂ انور سے ہی حق وصداقت کے آثار نمایاں ہیں نیز انہیں سخت دشمنی اور عداوت کے باوجود تسلیم کرنا پڑا کہ ان جیسا امین وصادق زمانہ نے نہ دیکھا۔ اب ان کی وجاہت کے متعلق مزید کچھ کہنے کی کیا ضرورت باقی رہی۔

انبیاء تہ کریں زانو ان کے زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وجیہ تھے قرآن کریم نے ان کی وجاہت کا اعلان فرمایا اور ہر نبی ہی ظاہری و باطنی عیوب نیز قابل نفرت امراض سے پاک ہوتا ہے تاکہ امتی اس سے دور نہ بھاگیں رہا معاملہ سیدنا ایوب علیہ السلام کا کہ ان کو ایک شدید بیماری میں مبتلا ہونے کے باعث ان کے گھر والوں تک نے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ حصول برکت و عبرت کے لئے مختصراً آپ کا بھی ذکر کرتے چلیں۔

سیدنا ایوب علیہ السلام

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے نبی حضرت ایوب علیہ السلام کو باطنی و روحانی کمال کے ساتھ ساتھ مادی و ظاہری وجاہت سے بھی خوب خوب نوازا تھا اپنے وقت کے دولت مند ترین شخص تھے بعض روایات کے مطابق پانچ سو بیلوں کی جوڑیوں، ہزاروں اونٹوں، بھیڑ اور بکریوں کے مالک تھے۔ نہایت وسیع وعریض خطۂ ارض پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سات جوان بیٹوں اور سات جوان بیٹیوں کے باپ تھے بیوی کیا یا رحمت بھی نہایت ہی حسینہ و جمیلہ تھیں جو حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی صاحبزادی یا پوتی تھیں خود حضرت ایوب علیہ السلام نہایت ہی تندرست وتنومند اور حسین وجمیل نوجوان تھے آپ کی قوم بھی آپ کا بڑا احترام کرتی تھی لوگ ہر وقت آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ نے آپ میں تمام ہی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور خوب خوب اپنے انعامات سے نوازا تھا لیکن وقت آیا کہ دینے والے نے لینے کی صفت کا بھی انہی کو مظہر بنایا ظاہر ہے جسے دیا جائے گا اسی سے تو لیا بھی جائے گا، خوب دیا اور جب لینے کا فیصلہ کیا تو خوب لیا سب کچھ لے لیا۔ روایات تو بڑی لمبی لمبی ہیں لیکن مستند باتوں کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور مفسرین نے بھی قابل اعتبار قرار دیا۔

آہستہ آہستہ کھیتی باڑی ختم ہوئی جانور مرنے لگے ایک ایک کر کے سب بچے دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن پیکر صبر ورضا کے ہاتھ سے نہ تو صبر کا دامن چھوٹا اور نہ ہی اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنے میں کمی آئی۔ خود اپنا یہ حال ہوا کہ جسم پر دانے نمودار ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے پورا جسم نہ صرف پھول گیا بلکہ اس میں کیڑے بہنے لگے جنہیں مارنے کی بجائے اللہ کا یہ

صابر بندہ دیکھتا اور مسکراتا تھا جب کوئی کیڑا جسم سے گر جاتا تو بڑی ہی احتیاط سے اسے اٹھا کر پھر زخم میں رکھ دیتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی امانت ہے جس کی حفاظت کی جارہی تھیں اور واقعی امانت ہی تھی کہ اللہ کی عطا کردہ ہر چیز بندے کے پاس امانت ہی ہوتی ہے چاہے اچھی ہو یا بری، آرام دہ ہو یا تکلیف دہ اور اگر بندہ اپنے رب کا عاشق ہو تب تو اس کی عطا کردہ کوئی چیز بری یا تکلیف دہ نہیں ہوتی وہ ہر چیز سے پیار کرتا اور اسے عطیۂ الٰہی ہی جانتا ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کی یہی کیفیت تھی۔ آپ کو سب نے چھوڑ دیا صرف ایک بیوی نے ساتھ دیا خود گھر سے نکل کر کوڑے کرکٹ کی ایک گندی جگہ پر جا بیٹھے کہ اب تو میں بھی کوڑا کرکٹ ہی ہوں۔ بیوی اب بھی خدمت کرتی رہیں آخر نیک تھیں شوہر کا مقام و مرتبہ جانتی تھیں اور شوہر بھی وہ جو اللہ کا نبی ہے خود انبیاء کے خاندان سے تھیں۔ اپنے باپ یا دادا یوسف علیہ السلام کی آزمائش کا واقعہ سن چکی تھیں ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاہم بیوی نے کئی مرتبہ گزارش کی کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ آپ کی مصیبت کو دور کردے لیکن کبھی ہاتھ نہ اٹھائے کہ مصائب سے نجات کی دعا بھی تو بلند مرتبہ لوگوں کے اعلیٰ منصب کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پیشکش تک کو مسترد کر دیا تھا اور فرمایا تھا "حَسْبِیْ حَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ" اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے جو حال دیکھ رہا ہے شکر و صبر کا یہ اعلیٰ منصب ہے جس کی توفیق و ہمت اعلیٰ ہستیوں ہی کو بخشی جاتی ہے۔ میرے آقا ﷺ کے مصائب تو جملہ انبیاء علیہم السلام کے مصائب سے کہیں زیادہ تھے لیکن کوئی موقع ایسا نہ آسکا جو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا ہو۔ اللہ ہمیں بھی صابرین کے طفیل صابرین میں سے کردے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے بندے اور جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ والسلام کے حال امتحان و آزمائش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۟ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۟ (انبیاء: ۸۳، ۸۴)

اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے تو ہم نے قبول فرمالی ہے اس کی فریاد اور دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کئے اس کے گھر والے اسے نیز اتنے ہی اور ان کے ساتھ اپنی خاص رحمت سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لئے۔

قرآن کریم حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف کو ضُرٌ شدید مصیبت فرما رہا ہے تو واقعی اس کی شدت کا نہ جانے کیا حال ہوگا پھر بھی انتہائے صبر ملاحظہ ہو کہ دعا نہیں فرما رہے صرف اپنی شدت تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے رب کے ارحم الرحمین ہونے کا اعتراف کررہے ہیں۔ اب چاہتے کیا ہیں تو "حَسْبِیْ حَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ" رحم فرمانے والا خود دیکھ رہا ہے کہ بندہ قابل رحم ہے یا نہیں اب اس کی مرضی جو چاہے وہ فیصلہ فرمائے دعا کا اس سے بہترین طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

میں بھکاری ہوں اور تم سخی ہو آ گے بس ''حَسْبِیْ خَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ'' پس اللہ نے رحم فرمایا پہلے کرم تھا اب رحم ہو رہا ہے۔ وہی زمین، وہی جانور، صحت و تندرستی، جوانی اور شباب سب کچھ مل گیا کوئی حادثاتی موت کا شکار ہو جائے تو کہا جاتا ہے اور صحیح کہا جاتا ہے کہ اس کے بدلہ کچھ دے دیا جائے گا لیکن مرنے والا واپس نہیں آ سکتا لیکن جو پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ زندہ کرنے والا ہے یہ جملہ اس کے لئے نہیں بولا جا سکتا کہ وہ تو قادر مطلق ہے ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' اس کی شان ہے اسی کا مظہر حضرت ایوب علیہ السلام کو بنایا گیا تھا کہ سب کچھ دیا سب کچھ لے لیا اور پھر بہت کچھ دیا حتیٰ کہ جو مر چکے تھے انہیں بھی زندہ کر دیا ''واٰتینٰهُ اهلهٗ'' پر غور کیجئے اور روایات کے مطابق بوڑھی بیوی پر بھی دوبارہ شباب اور وہی حسن و جمال آیا اور جتنے بچے مرنے کے بعد زندہ ہوئے تھے اتنے ہی مزید عطا فرما دیئے ''وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ'' کا جملہ قابل غور ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام پر ان مصائب و آلام کا آغاز ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف ستر برس کی تھی اور سات برس آپ پر مصائب کا دور رہا اور پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اچانک جسم صاف ستھرا نظر آنے لگا، نہ خون تھا نہ پیپ اور نہ ہی کیڑے اور فرشتے نے جنت کا پانی پیش کیا آپ نے غسل کیا جنت ہی کا جوڑا پہنایا گیا۔ اب پہلے سے زیادہ حسین و جمیل اور نوجوان ایوب علیہ السلام ایک کونہ میں کھڑے بیوی کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں مصیبت زدہ غم و اندوہ میں غرق بیوی اپنے بھاری بھاری قدم اٹھاتی حسب معمول آئی تو دیکھا کہ لاغر کمزور شوہر جس سے ہلا بھی نہ جاتا تھا خلاف معمول اپنی جگہ سے غائب ہے۔ ادھر اُدھر نہایت پریشان ہو کر دیکھا تو ایک شخص کھڑا نظر آیا اس سے پوچھا کہ یہاں میرے شوہر ایوب علیہ السلام تشریف فرما تھے کیا تم نے دیکھا ہے وہ کہاں چلے گئے جبکہ یہ بھی تعجب ہے کہ کیسے چلے گئے چل تو سکتے نہ تھے اور ہاں اے شخص تم کون ہو؟ اس سے پہلے تو تمہیں کبھی نہ دیکھا یہاں سے تو اب کوئی گزرتا بھی نہیں۔ وہ بولے اے اللہ کی بندی میں ہی تیرا شوہر ہوں اور تو ہی میری خوش بخت بیوی ہے کیا تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے تجھ پر کیا حسن برس رہا ہے اور تو نے کیسا نورانی لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ بیوی نے کہا یہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ رب سے مانگ ہی لیا اور جب میں نے کہا تھا کہ مانگو تو نہ مانگا تھا فرمایا نہیں نہیں میں نے کچھ نہیں مانگا میں نے تو صرف ''ارحم الراحمین'' کہہ کر اپنے رب کی حمد و ثنا کی تھی بس اس نے اپنی رحمت کے دہانے کھول دیئے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اپنا پیر مارو آپ نے حکم کی تعمیل کی تو زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹا حکم ہوا اس پانی سے غسل کیجئے اور اس کو پیجئے، پیتے ہی اور غسل کرتے ہی آپ کی ساری بیماری ختم ہوگئی اور آپ نے اپنے اندر ایک قوت محسوس کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کا لباس بھیجا وہ آپ نے زیب تن فرمایا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں جو مر گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا تو سب دوبارہ زندہ ہو گئے اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی اور اولاد پیدا ہوئی جس کے لئے قرآن کریم نے ''وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ'' کا جملہ ارشاد فرمایا ہے۔

ایک روایت کے مطابق آپ اسی چشمہ کے پانی سے کھیتی باڑی کرنے لگے جو آپ کی ایڑی مارنے سے پھوٹا تھا جس میں کسی بھی دوسرے پانی سے زیادہ اگانے، بڑھانے اور قوت بخشنے کی تاثیر تھی۔

یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا مال و دولت اور اولاد وغیرہ سب کچھ لے لیا تو انہوں نے مزید اللہ کی یاد اور عبادت کرنا شروع کر دی اور آپ نے اپنے رب کے دربار میں عرض کی کہ مولا تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھ سے دنیا کی ہر چیز لے لی کہ اس کی محبت میرے دل کے ایک حصہ پر چھا گئی تھی اور مجھے تیری یاد میں کمی کا شبہ ہونے لگا تھا۔ میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ اب میں بالکل فارغ ہوں اب میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں اب میری زندگی کا ہر لمحہ تیری یاد اور عبادت میں صرف ہوگا۔

بغداد شریف سے کربلا جاتے ہوئے ایک غیر آباد اور سنسان علاقہ میں ایک نہایت ہی خستہ حال قبر ہے جہاں ہمیں بھی حاضری کا شرف حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی حضرت ایوب علیہ السلام کا مرقد انور ہے یہاں ایک کنواں بھی ہے زائرین اس کے پانی سے غسل کرتے، پیتے اور بھر بھر کر اپنے ملکوں کو آب زمزم کی طرح لے جاتے ہیں سنا ہے یہ وہی چشمہ ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے جاری کیا گیا تھا اور آپ نے اس کے پانی سے غسل کیا اور اسے نوش فرمایا جس سے آپ صحت یاب ہوئے۔ ہم غسل تو نہ کر سکے لیکن ہم نے بھی یہ پانی خوب پیا، نہایت صاف و شفاف ٹھنڈا، میٹھا اور لذیذ ہے کچھ ہم اپنے ساتھ بھی لائے اور بعض مریضوں کو پلاتے رہے اور انہیں شفا بھی ہوئی، واللہ اعلم۔

قرآن کریم نے امم ماضیہ اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات و واقعات صرف قصہ و کہانی یا بطور تاریخی حقائق ہمیں نہیں بتائے کہ قرآن نہ تو قصہ و کہانی کی کتاب ہے اور نہ ہی تاریخ کی ان حقائق کو ہم تک پہنچانے کا واحد مقصد ان واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور سبق لینا ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب علیہ السلام کا حال بیان کر کے آخر میں فرمایا گیا ''وذکریٰ للعٰبدین' کہ یہ عابدین کے لئے نصیحت ہے کہ یہی لوگ اہل بصیرت ہوتے ہیں اولوا الالباب ہوتے ہیں متقی ہوتے ہیں یہی نصیحت بھی حاصل کر سکتے ہیں لہٰذا انہیں نصیحت حاصل کرنا چاہئے کہ دنیا کی نعمتیں قوت بازو یا حسن تدبر سے حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ'' ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ '' یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے جس سے وہ جو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔'' وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ '' جس پر جتنا چاہتا ہے فضل فرماتا اور جسے جو چاہتا ہے خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ نیز یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اپنی قدرت کاملہ سے دینے والا ہی جب چاہے لے لینے پر قادر ہے آناً فاناً سب کچھ لے لیتا ہے حتیٰ کہ زندوں کو مار دیتا ہے اور چاہتا ہے تو دوبارہ زندہ بھی کر دیتا ہے۔ آج کل (اگست ۱۹۹۹ء) ترکی میں زلزلہ نے ایک کہرام مچایا ہوا ہے۔ اللہ نے ترکیوں کا کیا نہ دیا تھا خوب نوازا تھا لیکن زمین کے ایک جھٹکے کے ذریعہ سب کچھ لے لیا لیکن جو مر گئے وہ دوبارہ زندہ نہ ہوں گے کہ آج کسی کے'' انت ارحم الراحمین'' کہنے میں وہ اعتماد و یقین اور اثر نہیں جس نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحمت باری کے دہانے کھول دیئے تھے اور سبق حاصل کرنا چاہئے کہ انعامات الٰہیہ پر اللہ کا شکر ادا کرنا نعمتوں میں اضافہ اور ان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اگر بطور

امتحان وآزمائش یہ انعامات واپس لے لئے جائیں تو بھی تقاضائے عبدیت اور کمالِ عبدیت یہی ہے کہ بندہ رب کے حضور سجدے ہی کرتا رہے اس کا شکر ہی ادا کرتا رہے نیز مصائب وآلام پر صبر کرے اور ڈٹ کر ہر طوفان کا مقابلہ کرے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں کہ علیم وبصیر رب کے لئے تو ''حَسْبِیْ حَالِیْ عَنْ سَوَالِیْ'' ہی کا اندازِ عبدیت کافی ہے۔ جنہوں نے یہ نصیحتیں حاصل کر لیں ''فَاسْتَجَبْنَا فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ'' کی ضمائر کا مرجع وہی قرار پاتا ہے۔ مصائب وآلام کے گھیراؤ سے نجات کے لئے تیر بہدف عمل اللھم انت ارحم الرحمین'' کا ورد ہے،اللھم ارحمنا واعف عنا یا ارحم الرحمین بجاہ رحمۃ للعلمین ﷺ۔

غرضیکہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے دیگر انبیاء ورسل کی طرح وجیہ تھے جس کا قرآن کریم نے اعلان فرمایا لیکن پھر بھی آپ کو ستایا گیا، پریشان کیا گیا، تکلیفیں پہنچائی گئیں جس کا ذکر آیت مذکورہ میں کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ غیروں نے دشمنوں نے نہیں اپنوں ہی نے کیا۔ جس کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اپنوں کی ایذاء رسانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا ہر فرد بخوبی جانتا تھا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجیہ بنایا ہے بہت سوں نے سنا تھا اور ان کے عمر رسیدہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ظلم وستم کے اس دور میں پیدا ہوئے تھے جب ظالم فرعون اپنی بادشاہت کی بقاء کے لئے بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو ذبح کرادیا کرتا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے انہیں اس ظالم کے ظلم سے بچانے کی غرض سے دریا کی نظر کردیا۔ یہ ان کی وجاہت ہی کا اعلان تھا کہ اللہ نے انہیں ظالم ہی کے گھر میں پہنچایا وہیں ان کی تربیت ہوئی اور وہیں وہ عنفوان شباب تک شاہانہ زندگی بسر کرتے رہے جبکہ اس سے پہلے ایام شیر خوارگی میں جب انہیں دودھ پلانے والیوں نے دودھ پلانا چاہا تو وہ باوجود کوشش کے کامیاب نہ ہوسکیں۔ ''وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ'' اور ہم نے دودھ پلانے والیوں کا دودھ ان پر حرام کردیا اور وہ دودھ نہ پلاسکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنے شیر خوار بھائی کو اس گھر میں پہنچتے دیکھ لیا تھا تو وہ بھی یہاں آموجود ہوئیں اور جب انہوں نے یہ تماشہ دیکھا کہ ننھا بھائی کسی عورت کے پستان کو منہ نہیں لگا رہا تو فرعون کی بیوی سے ازراہِ ہمدردی انہوں نے کہا ''فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ'' میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاسکتی ہوں جو اس بچہ کی بخوبی کفالت بھی کرے گا اور اس کی بہترین تربیت بھی۔ کیا قدرت ہے میرے رب کی کہ اس نے اپنے ہونے والے نبی کو دشمن کے گھر تک پہنچا کر پھر ماں کی گود میں پہنچا دیا تاکہ ماں کا دل مطمئن ہوسکے۔ ''فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' پس ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمزدہ نہ ہو اور یہ بھی جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے ہی تو وعدہ کیا تھا سب سے اس کا یہی وعدہ ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی دشمنوں سے حفاظت فرماتا کہ اس کے لئے کوئی کام دشوار نہیں۔

غرضیکہ بنی اسرائیل نے خوب دیکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح دشمن کی گود میں پروان چڑھے پھر انہیں یہ واقعہ بھی معلوم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل ہی کی حمایت میں ایک قبطی، فرعونی کو قتل کر ڈالا تھا اس وقت بھی ان میں سے کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد نہ کی تھی صرف ایک اللہ کا بندہ تھا جسے اللہ ہی نے بھیجا تھا جو دوڑا آیا اور اس نے بتایا ''وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ''ایک آدمی شہر کے آخری گوشہ یعنی دور دراز سے دوڑا آیا'' قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ'' اس نے کہا کہ اے موسیٰ فرعون کے سپاہی تمہاری تلاش میں ہیں تا کہ تمہیں قتل کر ڈالیں، ''فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ''تم جلدی کرو اور یہاں سے چلے جاؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں میری بات مان لو اور جب موسیٰ شہر سے جانے لگے تب بھی کسی نے انہیں نہ روکا اور ان کی حفاظت کا وعدہ نہ کیا۔'' فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ''اپنی گرفتاری کے خوف سے بالآخر انہیں یہ دعا کرتے ہوئے شہر چھوڑنا ہی پڑا۔'' قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ''اے رب یہ سب ظالم ہیں مجھے ان ظالموں سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے سیدھے مدین پہنچے جہاں بالآخر اللہ کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں پناہ دی کہ مصیبت زدوں کو نبی ہی کے دامن میں پناہ نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا'' قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ''بالکل نہ ڈرو اب تمہیں ایک نبی نے پناہ دی ہے اب تمہارا کوئی ظالم کچھ نہیں بگاڑ سکتا کہ جو نبی کی پناہ پالے وہ ہر قسم کے خوف و حزن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نبی نے ایسی پناہ دی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا بنالیا اپنی ایک بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس احسان کا صلہ تھا جو انہوں نے اس لڑکی کی مدد کر کے کیا تھا کہ مردوں کے ہجوم میں گھس کر اس کے لئے پانی بھرا تھا کہ نبی کسی کا احسان مند نہیں ہوتا وہ تو سب پر احسان ہی کرتا ہے اور اگر اتفاق سے کوئی اس پر احسان کر بھی دے تو وہ اس کا اس سے بڑا صلہ دے دیتا تا کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو جائے صرف پانی کے صلہ میں اپنی بیٹی دے دینا کتنا بڑا احسان تھا جس کے بدلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزید دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ رہنا پڑا۔

انہوں نے دیکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام بحیثیت نبی ان میں واپس پہنچے تو انہوں نے کس طرح بلا خوف و خطر نہایت وجاہت کے ساتھ فرعون کو دعوت حق دی اس کے ربوبیت کے باطل دعوے کو واشگاف کیا اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت و حقانیت پر واضح دلائل پیش کئے حتیٰ کہ فرعون کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے عطا کردہ معجزات بھی دکھائے جن کا مقابلہ کرنے والے ماہرین وقت جادوگروں نے بھرے دربار میں اعتراف حق کیا۔'' فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ''اور وہ یہ کہتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے کہ ہم تو ہارون و موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے ہیں اور جب انہیں ہاتھ و پیر کاٹ دینے اور سولی چڑھا دینے کی سخت ترین سزا سنائی گئی تو انہوں نے نہایت ہی دلیری کے ساتھ واضح اعلان کیا'' قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا ''قسم ہے پیدا کرنے والے رب کی کہ ان واضح دلائل کے بعد ہم تجھے ہرگز ہرگز نہ مانیں گے اور رہا معاملہ سزا کا تو'' فَاقْضِ مَآ اَنْتَ

قَاضٍ ''تو جو چاہے کر نبی کے غلام کسی سے نہیں ڈرا کرتے تو کر کیا سکتا ہے صرف اتنا ہی کہ ''اِنَّمَا تَقۡضِیۡ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا'' صرف اس دنیاوی زندگی ہی کے متعلق تو فیصلہ کر سکتا ہے کہ چاہے تو جان لے لے اور چاہے تو زندہ چھوڑ دے پس کر جو کرنا ہے یہ فیصلہ تو قیامت کے دن ہمارے رب کے حضور ہی ہونا ہے کہ کون باغی ہے جس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور کون اللہ کا اطاعت شعار و فرمانبردار ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کے بلند درجات نصیب ہوں گے۔

سمندر خشک ہو گیا

نبی اپنی قوم کے لئے دنیا و آخرت میں نجات دہندہ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی اور انہیں مصر سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے اپنی قیادت میں لے کر نکلے تو فرعون اور اس کے لاؤلشکر نے ان کا پیچھا کیا حتی کہ سامنے بحر قلزم آ گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ذرا رکے کہ اللہ نے فرمایا ''فَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاکَ الۡبَحۡرَ ؕ'' پس ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ سمندر پر اپنا عصا مارو جونہی آپ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی ''فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ O'' پس سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا فرعون احمق نے اس کو بھی اپنی ہی حکمرانی جانا کہ ہر فرعون یہی سمجھتا ہے کہ سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے آج کل کے بھی احمق فرعونوں کا یہی حال ہے انہیں تو موسم کی تبدیلی اور اس کے اثرات بھی اپنے سائنسی تجربات کا نتیجہ نظر آتے ہیں۔ بہر حال جب فرعون نے سمندر میں راستہ دیکھا تو اپنے گھوڑے دوڑا دیئے بڑے فخر اور بڑے ہی تکبر کے ساتھ اور جب وہ بیچ سمندر میں پہنچا تو سمندر کے طوفان نے اس کو اپنی زد میں لے لیا کہ اللہ کا عذاب اسی طرح اچانک آتا ہے اور جب اللہ کسی کی گرفت کرتا ہے تو کوئی نجات دہندہ نہیں ہوتا۔ ''اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ'' بیشک تیرے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہوتی ہے اس سے نجات دلانے والا سوائے نبی کے کوئی نہیں ہوتا وہ بھی ایک وقت مقررہ تک۔ فرعون چلا رہا تھا ''اٰمَنۡتُ بِرَبِّ مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَ'' میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لایا فرمایا گیا ''آلۡئٰنَ وَقَدۡ عَصَیۡتَ مِنۡ قَبۡلُ'' اب اور اس سے پہلے بغاوت کرتا رہا تو اب تو بہت دیر ہو چکی۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو اس موقع پر بھی دیکھا اعتراف بھی کیا اپنی نجات اور دشمن کی ہلاکت پر خوش بھی ہوئے لیکن یہ بڑے ظالم اور احمق تھے۔ مقام سیناء سے ان کا گزر ہوا جہاں بت پرست پوجا پاٹ میں مصروف تھے تو یہ بھی بول اٹھے ''یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰهًا کَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ'' اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ان جیسے بت بنا دو، استغفر اللہ۔ غور فرمایا آپ نے میرے آقا ﷺ کے غلاموں سے کبھی ایسی کوئی حماقت سہواً بھی سرزد نہیں ہوئی۔ خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ڈانٹا غصہ میں تو بہت ہی سخت واقع ہوئے تھے۔ ''قَالَ اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ'' تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ ان لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہتے ہو جو بلا شبہ ہلاکت و تباہی کا طریقہ ہے ''اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡکُمۡ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ'' کیا میں تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود مقرر کر دوں اللہ کے سوا جبکہ اس نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت کا شرف بخشا ہے کہ تمہیں انسان اشرف المخلوقات بنایا اور بتوں کی پوجا انسانیت کی انتہائی ذلت و خواری ہے۔

اور پھر انہوں نے اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کو دیکھا جب یہ مقام تیہ کے بیابان میں پڑے تھے نہ پینے کے لئے پانی تھا نہ کھانے کے لئے کوئی غذا تھی اور نہ ہی دور دور دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ تھا۔ "وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ" جب قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا۔ "اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ" اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے وہی لاٹھی پتھر پر ماری جس سے سمندر کا پانی خشک ہوا تھا "فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا" تو پتھر سے بارہ چشمے بہنے لگے کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں منقسم تھے ہر ایک کا چشمہ الگ تھا تا کہ انہیں پانی حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی لڑائی جھگڑے کا امکان رہے چونکہ وہ اس کے عادی تھے ہر وقت آپس میں لڑتے ہی رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان صلح صفائی کراتے رہتے تھے جبکہ میرے آقا ﷺ کے دامن سے وابستہ غلام کبھی آپس میں نہ لڑے جس کا اعلان قرآن کریم نے بھی کیا کہ ان غلاموں کی شان تھی کہ "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہی رہتے تھے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتے رہتے تھے حتیٰ کہ زندگی بھر کے دشمنوں اوس وخزرج کی بھی یہی کیفیت تھی بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے پانی کے چشمے بہا دیئے اور وہ اس سے سیراب ہونے لگے پھر ان کے لئے سایہ کا انتظام بھی کر دیا گیا "وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ" کہ ان پر بادل چھایا رہتا تھا اور وہ خوب آرام کرتے رہتے تھے بھوک کا بھی انتظام ہو گیا یہ نہیں کہ وہ خود محنت و مشقت کر کے اپنے لئے کھانا پکائیں اور کھائیں، نہیں بلکہ "وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی" آسمان سے ان پر من و سلویٰ نازل ہوتا اور وہ کھاتے رہتے تھے ایسا کھانا کہ جس کی دنیا کے کسی کھانے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ گویا یہ سب مقام تیہ میں نبی کے مہمان تھے اور نبی نے اللہ کے عطا کردہ خزانوں سے ان کی خوب خوب میزبانی کی جبکہ میرے آقا ﷺ آج تک اپنے غلاموں کے لئے اللہ کے خزانوں کے دہانے کھولتے اور اپنی رحمت کی برکھا برساتے ہیں:

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا   موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

لیکن اب بھی موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا اور ان کے ایمان مضبوط نہ ہوئے چند دن یہ من و سلویٰ سے لطف اندوز ہوئے اور پھر نہ جانے ان ناشکروں کو کیا ہوا کہ کہنے لگے "فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا" اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے ساگ، ککڑی، لہسن اور پیاز جیسی چیزیں اگائے۔ بس اب ہم روز روز صرف من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا چکے ہیں عجیب حال تھا ان خبثاء کا موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اس مطالبہ پر بہت غصہ آیا آپ نے فرمایا "اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ" کیا تم اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کے خواستگار ہو تو اس کے لئے اللہ سے خصوصی دعا کی کیا ضرورت ہے وہ تو اللہ نے ہر انسان کے لئے مقدر کیا ہے۔ "اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ" کسی بھی آبادی میں چلے جاؤ جو چاہتے ہو مل جائے گا۔

گؤسالہ کی پوجا

اللہ کے نبی کی وجاہت کا کمال اور معراج دیکھنے کا وقت بھی آ گیا کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے

قرب خاص میں اپنے کلام سے بلاواسطہ مشرف فرمانے اور اپنی کتاب توریت عطا فرمانے کے لئے کوہ طور پر بلایا کہ ان کے منصب کی مناسبت سے یہی ان کی معراج تھی۔ بنی اسرائیل کو اس انعام الٰہی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا خوش ہونا چاہئے تھا اور نہایت ہی صبر سے اپنے نبی کی واپسی اور پیغام الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے تھا کہ نبی کی معراج درحقیقت امت کی معراج ہوتی ہے جس پر امت کو خوب جشن منانا اور اظہار مسرت و شادمانی کرنا چاہئے اسی لئے تو ہم ہر سال اپنے نبی کی معراج پر جشن مناتے ہیں فخر و مسرت سے اس کا ذکر اور چرچا کرتے ہیں کہ یہی سعادت مندی اور ثبوت محبت ہے۔ بنی اسرائیل کس قدر بدبخت تھے کہ انہوں نے نہ تو جشن معراج منانے کا اہتمام کیا اور نہ ہی رب کے پیغام توحید کا انتظار، بلکہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور گئوسالہ کی پوجا کرنے لگے۔ واپس آ کر اللہ کے نبی نے جب قوم کا یہ حال ملاحظہ فرمایا تو ان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی انہوں نے امت کو ڈانٹا اور کہا کہ ظالمو یہ تم نے کیا کیا تم سے چند روز بھی میرا انتظار نہ ہو سکا۔ میں تو نہایت ہی ریاض و مجاہدے اور مشقت کے بعد تمہارے لئے رب کا پیام رحمت لے کر آیا اور تم نے تو غضب ہی کر ڈالا کہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے بھائی ہارون پر خوب برسے ان کی داڑھی تک پکڑ لی اور کہا کیا میں تمہیں ان ظالموں کے پاس اسی لئے چھوڑ کر گیا تھا کہ یہ جو چاہیں کریں اور تم دیکھتے رہو۔ بھائی نے بڑے ہی احترام سے عذر پیش کیا کہ اگر میں ان کے معاملہ میں مداخلت کرتا تو مجھے یقین تھا کہ یہ میری بات ہرگز نہ سنتے کہ یہ تو مجھے بہت ہی کمزور سمجھتے ہیں ممکن تھا کہ مجھے قتل ہی کر ڈالتے پس میں خاموش رہا اور بے چینی سے آپ کا انتظار کرتا رہا۔ اسی کشمکش کی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے توریت کی الواح (تختیاں) بھی گر پڑیں جس کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ ان ظالموں پر عذاب الٰہی کا اعلان ہے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شیطان کی طرف متوجہ ہوئے جس کے کرتوت کا یہ نتیجہ تھا اس کا نام سامری تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا کیا اور کیسے کیا وہ بولا کہ غرق فرعون کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ تھے اور ان کے گھوڑے کا جہاں پیر پڑتا تھا اس جگہ گھانس اگ آتی تھی میں نے سمجھ لیا کہ اس مٹی میں قوتِ حیات پیدا ہو گئی ہے۔ پس میں نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر بحفاظت رکھ لی اور یہ حال سوائے میرے کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اب جب آپ کو کوہ طور پر دیر ہوئی تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بنی اسرائیل کے زیورات جمع کر کے انہیں پگھلا دیا اور سونے سے بالکل ایسی شکل و صورت کا بچھڑا بنا دیا جس کی پہلے ہم پوجا کیا کرتے تھے وہ خاک اس میں ڈالی تو واقعی اس میں جان پڑ گئی وہ بولنے لگا اور ہم نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اس کے لئے اللہ کا عذاب تجویز فرمایا اور اس سے کہا '' فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ '' جا، اب تو ساری زندگی لوگوں سے یہی کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ اپنے نبی کی بات اللہ کبھی نہیں ٹالتا اللہ اپنے نبی کو اختیار دیتا ہے کہ جسے وہ چاہے اللہ کی رحمت کا مژدہ سنا دے اور جسے چاہیں عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیں۔ پس سامری موسیٰ علیہ السلام کے تجویز کردہ عذاب میں مبتلا ہوا کہ وہ اپنا جسم کھجاتا رہتا اور لوگوں سے کہتا رہتا کہ مجھ سے دور رہنا مجھے چھونہ لینا ورنہ تم بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے حتیٰ کہ لوگ اس سے خود ہی دور بھاگنے لگے اس کے اعزاء و اقارب اور اہل و عیال تک نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ایسے بیابان میں جا

مرا جہاں اس کی لاش سڑ کر مٹی میں مل گئی جانوروں تک نے اسے نہ کھایا۔

پھر آپ نے گوسالہ کے متعلق حکم نافذ فرمایا کہ ''لَنُحَرِّقَنَّهٗ وَلَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا'' ہم اسے جلا کر رکھ کر ڈالیں گے اور راکھ سمندر کی طرف اڑا دیں گے کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا پھر قوم کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ''اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا O'' تمہارا معبود وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اب آپ نے اللہ کے حضور دعا کی مولی جو بد بخت شرک میں مبتلا ہوئے مجھے ان کی سزا بتا دے تا کہ میں تیرے حکم کی تعمیل کروں اور اپنی قوم سے شرک کے جراثیم کو ہمیشہ کے لئے مٹا دوں پس اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا اعلان فرمایا ''يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ'' اے لوگو تم نے گوسالہ کی پوجا کر کے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اللہ ہر قسم کا گناہ معاف فرما دیتا ہے لیکن شرک کی سزا ضرور دی جاتی ہے کیونکہ ''اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ'' شرک نہایت ہی بڑا ظلم ہے۔ پس آپ نے شرک کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ'' پہلے تو اپنے رب کے دربار میں توبہ کرو تا کہ آخرت میں نجات مل سکے اور دنیاوی سزا یہ ہے۔ ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کہ اپنے اپنوں ہی کو قتل کریں یعنی جو شرک سے بچے رہے وہ مشرکین کو قتل کریں۔ چاہے باپ بیٹے کو یا بیٹا باپ کو قتل کرے۔ توبہ کے باوجود یہ سزا اس لئے کہ بعد والوں اور دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور آئندہ کوئی اپنے نبی سے بغاوت نہ کرنے پائے کوئی شرک میں مبتلا نہ ہو سکے۔ پس اللہ نے اپنے نبی کے طفیل پھر بھی اتنا کرم فرمایا کہ دن میں تاریکی چھا گئی تا کہ کوئی اپنوں کو دیکھ نہ پائے۔ متبعین کو ایک طرف کیا گیا اور مشرکین کو ان کے سامنے دوسری طرف اور اللہ کے حکم کی تعمیل کا آغاز ہوا۔ خون کی ندیاں بہنے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں تیس ہزار مشرکین ہلاک کر دیئے گئے۔ اللہ اکبر کیا کیفیت ہو گی اس وقت جب بیٹا، باپ پر حملہ آور ہو رہا ہو گا۔ باپ، بیٹے پر اور بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہو گا اور موسیٰ علیہ السلام کس قدر افسردہ وغم زدہ ہوں گے کہ قوم پر عذابِ الٰہی کے وقت نبی کا یہ حال ہونا فطری اور یقینی امر ہے۔ بہر حال جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا انہیں بھگتنا ہی تھا کہ ظلم کا انجام عذابِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب اندھیرا چھٹا تو سب نے تلواریں روک لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ازراہ ہمدردی قتل کرنے والوں سے کہا ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ'' تمہارے رب کے نزدیک یہی تمہارے لئے بہتر تھا اور تم نے بھی گناہ کیا تھا کہ اپنے بھائیوں کو شرک سے روکنے کی کوشش نہ کی تماشائی بنے دیکھتے رہے لہٰذا یہ قربانی تمہارے گناہوں کی تلافی ہو گئی ''فَتَابَ عَلَيْكُمْ'' اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔ ''اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ'' بیشک وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اب بچے کھچے لوگوں میں سے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کو خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے منتخب کیا اور انہیں ہدایت کی وہ قوم میں جا کر تبلیغ حق کریں اور دیکھیں کہ اس عبرتناک سزا کے بعد بھی ان میں کوئی تبدیلی اور خوف خدا پیدا ہوا ہے یا نہیں یہ لوگ قوم کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ بلا شبہ موسیٰ اللہ کے نبی ہیں انہیں کوہ طور پر اللہ نے اپنے کرم سے اپنے کلام کا شرف

بخشا ہے اور وہ جو کتاب اپنے ساتھ لائے ہیں وہ اللہ ہی کی کتاب ہے جو ہماری رُشد و ہدایت کے لئے انہیں دی گئی ہے لہٰذا تم حق قبول کرلو اور اللہ کے نبی کے احکام کی تعمیل کرو لیکن ان ظالموں کا حال تو پہلے سے بھی زیادہ ابتر و بدتر تھا انہوں نے اللہ کی دی ہوئی سزا کو العیاذ باللہ اپنے خلاف موسیٰ علیہ السلام کی سازش سمجھا وہ اپنے اعزاء و اقارب کی ہلاکت پر بے حد سیخ پا نظر آتے تھے۔ کہنے لگے کیا موسیٰ ہمیں مصر سے اسی لئے لے کر آئے تھے کہ ہم ہی سے ہماروں ہی کو قتل کرائیں یہ بڑا ظلم ہوا۔ اس سے بہتر تو ہمارے لئے فرعون تھا اس آزادی سے بہتر تو فرعون کی غلامی ہی تھی اللہ نے ان کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً'' پھر تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے تو اللہ قادر مطلق نے ان کو پتھر ہی سے ڈرایا اور حکم ہوا کہ بغاوت چھوڑ دو سر تسلیم خم کر لو توریت کے احکام کی تعمیل کرو ہمارے نبی کی اتباع و پیروی کرو ورنہ یہ پورا کا پورا پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا اور تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ ''وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ'' اور تمہارے سر پر طور کو اونچا کیا اور کہا ''خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○'' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔

ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وجاہت کو بھی دیکھا خوف و ڈر کے مارے وقتی طور پر انہوں نے عہد کر لیا کہ ہم اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان بھی لاتے ہیں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا وعدہ بھی کرتے ہیں لیکن جس قوم کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جائیں انہیں بدعہدی اور وعدہ خلافی کرتے دیر نہیں لگتی جب عذاب کا پہاڑ سر سے ہٹتا ہے وہ پھر اپنے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عیش و عشرت کی زندگی میں مست ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہوا کہ جونہی کوہ طور ان کے سروں سے ہٹایا گیا ''ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ'' کا ارشاد اس پر شاہد ہے کہ پھر انہوں نے اپنی پہلی ہی جیسی بے راہ روی اختیار کر لی۔

جہاد سے انکار

سیناء جہاں بنی اسرائیل کا عارضی قیام تھا فلسطین سے قریب تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ، دادا حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام سے وعدہ فرمایا کہ یہ علاقہ ہم تمہاری اولاد کے سپرد کریں گے وہ یہاں کے حاکم ہوں گے اور نہایت خوشحالی کی زندگی بسر کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے اور قوم کے مستقل قیام کے لئے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فلسطین میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن ہر جگہ کو آباد کرنے کے لئے اس کی جھاڑیوں کو کاٹنا پڑتا ہے اور اسے ہموار کرنا پڑتا ہے۔ میرے آقا ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو اور آپ کے غلاموں کو بھی نہایت محنت و مشقت سے یہ کام کرنا پڑا کہ منافقین کی قوت کو پامال کیا۔ یہودیوں کو نکالا اور ایک صاف ستھرا چمکتا، دمکتا شہر بسا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل محبت کا مرکز بنا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمت برستی ہے جہاں کی ہر چیز میں برکت ہے جہاں کا گرد و غبار تک مہلک امراض کے لئے ذریعۂ شفا ہے۔ جہاں کی موت بھی دامن رحمت میں پناہ کی ضمانت ہے جہاں نور ہی نور ہے، مہک ہی مہک ہے:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند — سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت کی ہے
ناصح بھی ہیں چھپتے یہ طیبہ ہے زاہد و — مکہ نہیں جانچ جہاں خیر و شر کی
شان جمالِ طیبہ جاناں ہے نفع محض — وسعت جلالِ مکہ میں سود و ضرر کی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلا کر حاکم بنانا چاہا ایک باعزت و باوقار قوم بنانا چاہا اور ایک ایسی سرزمین کی طرف رہبری فرمائی جو انہی کی تھی کہ اللہ انہیں یہ علاقہ سونپ دینے کا وعدہ ان کے باپ دادا سے پہلے ہی فرما چکا تھا۔ وہاں مسرت کا مژدہ پہنچ بھی چکا تھا بس تھوڑی محنت ومشقت سے قبضہ کرنا تھا یہ تو ان کے باپ دادا کی میراث تھی یہ ... آپ ... نسل وارثین کی منتظر تھی صرف حرکت کی دیر تھی آگے بڑھنے کی دیر تھی۔ حکومت و سلطنت، وقار و عظمت اور خوشحالی و طمانیت کے لئے تو لوگوں کو نہ جانے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے، کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، کتنی جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں یہاں تو کچھ نہ کرنا تھا لیکن ہائے بدبختی یہ بزدل کچھ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور ہوتے بھی کیسے کہ انہوں نے تو ایک مدت غلامی کی زندگی بسر کی تھی اور غلامی کا دور قوموں کی جان نکال لیتا ہے ان کی غیرت وحمیت کا خاتمہ کر دیتا ہے، بزدل بنا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سرزمین کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ مقدس خطہ ارض تمہارا ہی ہے پس آپ نے فرمایا'' يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ '' اے لوگو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جس کو اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے اور دیکھو ہرگز پشت نہ پھیرنا ورنہ تم نقصان میں رہو گے اور جب ان کے ساتھیوں نے ان کی کم ہمتی کا احساس کیا تو ان میں سے یوشع اور کالب نے ان کی ہمت افزائی کے لئے انہیں کامیاب و کامران اور غالب ہونے تک کا مژدہ سنا دیا جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی سن چکے تھے اور اسی لئے ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب تھے۔ انہوں نے کہا'' اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ '' آگے بڑھو دروازے میں داخل ہو تم ہی غالب ہو گے بس اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ہو سچے ایمان میں سچے ہو لیکن ان ظالموں نے اپنے پیروں پر خود ہی کلہاڑی ماری بزدلی اور کم ہمتی کی حد کر دی بغاوت و نافرمانی کی انتہا کر دی۔ پہلے باہمی مشورے کے لئے جمع ہوئے محفل میں لمبی لمبی تقریریں ہوئیں اور طے پایا کہ اب ہم ہرگز اپنی جانوں کو خطرات میں نہ ڈالیں گے۔ اس سے پہلے موسیٰ ہمارے تیس ہزار آدمیوں کو ہماری تلواروں سے قتل کرا چکے یا وہ ہمیں خون بہانے اور زمین کنانے ہی کے لئے مصر سے لے کر آئے ہیں ہم بہت قربانیاں دے چکے لہٰذا اب انہیں صاف صاف جواب دے دو۔ پس وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور'' قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ '' بولے اے موسیٰ ہم اس سرزمین میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک موجودہ حکمران وہاں ہیں لہٰذا تم اور تمہارا رب جا کر ان سے جنگ کرے اور ہم یہاں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہیں۔ اللہ اکبر جب انسان پر بدبختی مسلط ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی فیصلے کرتا ہے کیسا بیہودہ جواب تھا کیا کسی سچے غلام سے ایسے جواب کی توقع کی جا سکتی ہے۔ سچے غلاموں کا جواب تو وہ ہوتا ہے جو میرے آقا ﷺ کو بدر روانگی کے وقت

ان کے غلاموں نے دیا تھا کہ "اے آقا! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہرگز نہ گھبرائیں نہ پریشان ہوں کوئی فکر کی بات نہیں آپ کے غلام آپ کے ساتھ ہیں جو ہمہ وقت آپ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں اگر آپ سمندر میں یا آگ میں کودنے کا حکم دیں تو غلام حاضر ہیں حکم کی تعمیل ہو گی حالانکہ یہ صرف تین سو تیرہ تھے بے سروسامان سپاہی تھے لیکن بہادر تھے، سچے عاشق تھے، غلامی اور مظلومی کی زندگی بسر کرنے پر جانوں کی قربانی دینے کو ترجیح دیتے تھے۔

اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی بدبختی اور اس بیہودہ جواب پر کتنا صدمہ ہوا ہو گا یہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی جانیں بہر حال اللہ کی طرف سے ان کی اس محرومی کی سزا محرومی ہی کی صورت میں دی گئی، فرمایا گیا "قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ" فرمایا اب یہ ارض مقدس ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے یہ اسی سینا، تیہ کے بیابان میں بھٹکتے رہیں گے اور اے محبوب تم ان فاسقوں کے جواب پر غمزدہ نہ ہو۔

غرضیکہ اللہ کے نبی کی بات انہوں نے نہ مانی اور اسی مقام تیہ میں مدتوں یہ پڑے رہے یہاں تک کہ غلامی کے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے مر گئے ان کی اولاد جوان ہوئی جس نے آزادی کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور ان میں قدرے حمیت و غیرت تھی انہیں احساس تھا کہ ان کے بڑوں نے اس سرزمین میں نہ داخل ہو کر بڑی غلطی کی تھی جس پر حکومت کرنا ان کا حق بنتا تھا جو اللہ کی طرف سے ان کا مقدر تھا لہٰذا اس نئی نسل نے فلسطین پر حملہ کیا اور وہ بآسانی اس کے حاکم بن گئے لیکن چونکہ ذلت و مسکنت یہودیوں کا مقدر بن چکی ہے لہٰذا تاریخ انسانیت میں کئی مرتبہ فلسطین کی حکومت حاصل کر لینے کے باوجود انہیں کبھی وہاں سکون، امن اور اطمینان کی نعمت میسر نہ آسکی آج تک یہی حال ہے وہاں موجود یہودی اگرچہ فلسطین پر قابض ہیں لیکن پچاس سال میں ایک رات بھی وہ سکون وراحت کی نیند نہ سو سکے۔

ذبح بقرہ

قرآن کریم حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور معجزہ بیان فرماتا ہے جو آپ کی وجاہت کا عظیم اور واضح ثبوت ہے۔ نہایت دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ ان آیات مبارکہ کا مطالعہ کیجئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۞ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۞ وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ

مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(البقرہ: ٦٧ تا ٧٤)

اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں میں وہ بولے دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے کہ وہ ہمیں بتائے وہ گائے کیسی ہے موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے ہے جو نہ بوڑھی ہو اور نہ ہی بالکل بچی ہو درمیانی عمر کی ہو تو کرو جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہنے لگے دعا کرو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی گائے جس کا رنگ خوب گہرا زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لئے اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لئے کہ گائے کیسی ہو بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو کہ ہل چلائے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب، بے داغ ہو انہوں نے کہا اب آپ صحیح پتہ لائے پھر انہوں نے ذبح کیا اسے اور وہ کرتے نظر نہ آتے تھے اور یاد کرو جب قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے یونہی زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی تو وہ پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کئی پتھر ایسے ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کاموں) سے جو تم کرتے ہو۔

قرآن کریم کی ان آیات اور صاحب قرآن عظیم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ذبح بقرہ کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک قتل کا حادثہ ہو گیا۔ جس سے ان میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی۔ ان میں سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر جلد ہی قاتل کا پتہ نہ چلا تو بہت ہی فتنہ پیدا ہو گا۔ اللہ کے نبی کو اپنی قوم کی اس افراتفری پر بے حد تشویش ہوئی اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ کسی طرح یہ فتنہ فرو ہو جائے اور اصل قاتل کا پتہ چل جائے۔ اللہ نے اپنے نبی پر کرم فرمایا ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کو بتاؤ کہ ایک گائے ذبح کر کے اس

کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر ماریں مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا پتہ بتادے گا۔
چاہئے تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل اپنے آقا کے عطا کردہ اس نسخہ کیمیا کو اپنے لئے رحمت جانتے اس کی قدر کرتے کہ یہ ان کو ایک بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ تھا لیکن ان ظالموں نے اپنی سرشت کے مطابق اسے ہنسی مذاق قرار دیا چونکہ وہ نبی کی وجاہت اور اس کے ارفع واعلیٰ منصب پر یقین نہ رکھتے تھے۔ وہ تو نبی کو اپنا جیسا عام انسان جانتے تھے لہٰذا بولے ''اتتخذنا ھزوا'' کیا اس الجھن و پریشانی کے موقع پر اے موسیٰ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو انہیں کیا پتہ کہ نبی اپنی قوم سے مسخرہ پن نہیں کرتا وہ تو قوم کا ہمدرد ہوتا ہے الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دہندہ ہوتا ہے، مشکلات کا یقینی حل بتانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، مصیبت زدوں کو اس کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا ''اعوذ باللّٰہ ان اکون من الجاھلین'' اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں تم جاہل ہو لہٰذا جہالت ہی کی باتیں کرتے ہو میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔
اب ان احمقوں نے گائے کے متعلق سوالات کرنا شروع کئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے جوابات وحی الٰہی کے مطابق دیتے رہے جو آیات مندرجہ بالا میں وضاحت سے موجود ہیں۔
نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل نے ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کر کے خود ہی اپنے لئے تنگی اور دشواری پیدا کی ورنہ اگر وہ پہلے ہی ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا مگر انہوں نے متواتر بیہودہ اور غیر ضروری سوالات کر کے اپنے اوپر پابندیاں لگوائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے غیر ضروری سوالات کرنے کی ممانعت فرمائی ارشاد ہوا:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ (البقرہ:۱۰۸)

کیا تم چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے۔

اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے آقا ﷺ سے بہت زیادہ سوالات کر کے اپنے لئے تنگی اور مشکلات پیدا نہ کرو کہ غیر ضروری سوالات کی کثرت بسا اوقات گستاخی اور ایمان سے محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے سوالات کئے اور بالآخر وہ گمراہ ہو گئے، ذلیل و خوار ہو گئے۔ اے ایمان والو! تمہاری شان تو یہ ہے کہ ''مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' کہ بس رسول تمہیں جو حکم دیں تم بلا چون و چرا اس کی تعمیل کر لیا کرو اور رسول جس کام سے تمہیں منع کر دیں بلا تامل اس کو چھوڑ دیا کرو اسی میں تمہاری خیریت و عافیت ہے یہی طریقہ ہے جس سے تم احکامِ شرع کی تنگی اور سختی سے بچ سکتے ہو ورنہ تو تمہارا حال بنی اسرائیل جیسا ہی ہو جائے گا کہ وہ کثرت سوال ہی سے دشواریوں میں مبتلا کئے گئے۔

بہرحال بنی اسرائیل ذبح بقرہ کے متعلق سوالات کرتے رہے اور وحی الٰہی سے انہیں جواب ملتا رہا اور جب وہ حکم کی تعمیل پر آمادہ ہوئے تو مطلوبہ گائے اتنی مخصوص ہو چکی تھی کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو گیا۔ ان خصوصیات کی حامل ایک گائے کا کسی نہ کسی طرح پتہ چلا جو ایک بوڑھے کی تھی۔ یہ شخص نہایت متقی اور نیک تھا۔ اس کی ایک ہی بیوی اور ایک ہی بیٹا تھا اور ان کے لئے اس نے یہ ایک ہی گائے چھوڑی تھی۔ مرتے وقت اس شخص نے دعا کی کہ مولیٰ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی اور بچے کے لئے سوائے ایک گائے کے اور کچھ نہ چھوڑا ہے، پس اس ہی میں ان کے لئے برکت عطا فرما۔ یہ گائے کھیتوں میں چرتی رہتی تھی کوئی اسے روکتا ٹوکتا نہ تھا اس میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جن کی بنی اسرائیل کو ضرورت تھی۔ پس مقتول کے ورثاء کسی نہ کسی طرح اس گائے کے مالک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اس سے کہا کہ ہمیں ایسی ہی گائے کی ضرورت ہے اگر تم اسے فروخت کر دو تو ہم پر تمہارا بڑا احسان بھی ہوگا اور ہم تمہیں اس کی منہ مانگی قیمت ادا کریں گے۔ نوجوان بمشکل تیار ہوا اور اپنی ماں کے مشورے سے اس نے گائے کی کھال بھر سونے کا مطالبہ کیا مجبور تھے کیا کرتے مطلوبہ قیمت پر رضامندی ہو گئی اور انہوں نے بالآخر اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔

آیات مذکورہ میں آخری سوال کے ساتھ "انا ان شاء الله لمهتدون" کا جملہ قابل غور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر یہ "انشاءاللہ" نہ کہتے تو اللہ کے حکم کی ہرگز تعمیل نہیں کر پاتے اسی لئے بوسیلۂ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں بھی حکم الٰہی ہے کہ کسی کام کو کرنے سے پہلے "انشاءاللہ" کہنا چاہئے تو اس کام کی تکمیل اور اس میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

غرضیکہ انہوں نے گائے ذبح کی اور حکم الٰہی کے مطابق اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارا تو مقتول بحکم الٰہی زندہ ہو کھڑا ہوا اور اس نے اپنے قتل کا پورا حال بیان کر دیا۔ ظاہر ہے اس قدر سچی اور صحیح شہادت کے بعد قاتل کے لئے اعترافِ جرم کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ پس قاتل کو شریعت موسوی کے مطابق سزا دی گئی اور پوری قوم پر فتنہ و فساد کے چھائے ہوئے بادل چھٹ گئے۔

یہ واقعہ بلاشبہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے اور ہر معجزہ محیر العقول ہی ہوتا ہے۔ جس کا مقصد نبی کی عظمت، وجاہت اور اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اپنی نبی کے اس معجزے کو دیکھا لیکن بدنصیبوں نے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت و عظمت کا اعتراف نہ کیا ظاہر ہے اولاد کی عزت، والدین کی [illegible]ت تسلیم کرنے سے ہوتی ہے اور قوم کی عزت قائد و نبی کے دامن عزت سے وابستہ ہے جو قو[illegible] اپنے نبی کی عزت و وجاہت پر یقین نہیں رکھتی بدنصیبی اور ذلت و خواری اس کا مقدر بنتی ہے اللہ محفوظ رکھے۔ اسی لئے یہودیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار کر دیا گیا اور دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی کے مستحق قرار دیئے گئے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کے غلاموں پر اللہ رب العزت جل مجدہ کا یہ خصوصی کرم ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے آقا ﷺ کے بلکہ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے مقام و منصب کو پہچانا اور ان کی عزت و وجاہت کے اقرار کو جزو ایمان جانا ہے نہ تو کبھی ہم نے ان کی اطاعت و فرمانبرداری سے اعراض و روگردانی [illegible] کی اور نہ ہی کبھی ان کے دربار عالی میں [illegible]

بختی کے مرتکب ہوئے۔ ہم نے ہمیشہ "ما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" کے قرآنی ارشاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے حضور سر تسلیم خم رکھا ہے اسی لئے اللہ نے ہم پر بڑا کرم فرمایا کہ اپنے عذاب کو ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ آج اگر چہ ہم اپنے عمل و کردار کے اعتبار سے نہایت ہی کمزور ہیں لیکن پھر بھی اقوام عالم میں ہمارا ایک مقام ہے اس کمزوری کے باوجود بھی اسلام کے دشمن بحمد اللہ ہم سے مرعوب و خوف زدہ رہتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمان آج بھی سب سے زیادہ اپنے نبی ﷺ سے محبت رکھتا اور ان کی عزت و ناموس کے لئے جان لینے اور جان دینے پر ہمہ وقت آمادہ تیار رہتا ہے۔ بخدا اگر ہم اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کے معترف نہ ہوتے تو اب تک دنیا سے ہمارا نام تک مٹ چکا ہوتا۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات ابتک بنی ہوئی ہے

ایذاءِ رسول

اللہ کے نبی و رسول کی عظمت و وجاہت کا یہ تقاضا ہے کہ امتی سے رسول کو سہواً یا قصداً کسی بھی طرح کوئی ایذاء اور تکلیف نہیں پہنچنا چاہئے کہ یہ بدترین جرم ہے جو تمام اعمالِ صالحہ اور عبادات کے ضیاع اور برباد ہو جانے کا باعث بنتا ہے جس کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے آیت زیر گفتگو میں بنی اسرائیل کی مسلسل اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء و تکلیف پہنچانے کی عادت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو ہدایت فرمائی کہ تم ہرگز اس جرم کا ارتکاب نہ کرنا جس کے مرتکب تم سے پہلے بنی اسرائیل ہوتے رہے اور اس کے سبب انہیں ذلیل و خوار کر دیا گیا تم خیر الانبیاء ﷺ کی غلامی کے صدقہ خیر الامم بنائے گئے ہو اس اعزاز کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اور ان کی عزت و وجاہت کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہیں۔

درج ذیل آیات مبارکہ پر غور فرمایئے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ ایذاء رسول اللہ کے نزدیک کیسا بدترین جرم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝۵۷ (احزاب: ۵۷)

بیشک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو انہیں اللہ اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا اور آخرت میں اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝۶۱ (توبہ: ۶۱)

اور جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جو قوم لعنت میں مبتلا ہو جائے اور عذاب مہین اور عذاب الیم کی مستحق قرار دے دی جائے دنیا و آخرت میں اس سے بدتر کوئی قوم نہیں ہو سکتی۔ باہمی انتشار و افتراق، معاشی بدحالی، بدعملی اور فتنہ و فساد، غلامی، ذلت و خواری غرضیکہ تباہی و بربادی کے جملہ اسباب اس کا مقدر بن جاتے ہیں نہ اس کا سیاسی و معاشی مقام رہتا ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب و تمدن وہ

بھکاری بن کر جانوروں کی طرح غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور یہی حال یہودیوں کا ہے جنہوں نے نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء پہنچائی بلکہ وہ اپنے تمام انبیاء کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے مقدس نبیوں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔

کفر و شرک وہ ظلم عظیم ہیں جو سب سے زیادہ رسول کی ایذاء کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے" وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا قلب مبارک تنگ ہوتا ہے (کفار کی) ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام" وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ" آپ غمزدہ نہ ہوا کریں (کفار کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ تنگ دل ہوا کریں (کفار کی) فریب کاریوں پر کہ اللہ کے رسول ﷺ جو بلاشبہ" رحمۃ للعلمین" ہیں یہی خواہش رکھتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا ہر بندہ اللہ کی بندگی کرے لہٰذا آپ کو کفار و مشرکین اور منافقین کی بغاوت اور بدگوئی سے شدید صدمہ ہوتا ہے اور غلاموں کی حکم عدولی، بدعملی آقا ﷺ کے لئے باعث ایذاء و تکلیف ہوتی ہے جس کا قرآن کریم اعلان فرماتا ہے" عزیز علیہ ما عنتم" تمہاری بدعملی سے رسول کریم کے قلب مبارک پر بار ہوتا ہے انہیں تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ وہ تو" بالمؤمنین رؤف رحیم" کی شان کے مالک ہیں رأفت و رحمت ان کی خصوصیت ہے وہ چاہتے کہ ان کا ایک ایک غلام متقی ہو، صالح ہو، اطاعت شعار ہو پس بے نمازی، بددیانت، بدعمل، بدکردار اور رشوت و سود کی دولت کھانے والے حرام خور رسول کو ایذاء پہنچانے انہیں تکلیف پہنچانے کے بدترین جرم میں مبتلا ہوتے ہیں اور اللہ کی لعنت، عذاب مہین اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں اللہ اس حکم عدولی اور بغاوت سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے کہ رسول کو دکھ پہنچانے والے کو کبھی سکھ اور چین کی زندگی میسر نہیں آسکتی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میرے آقا ﷺ کو کفار مکہ نے ستایا اتنے ظلم کئے کہ کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ راہِ طائف میں آپ ﷺ پر پتھروں کی اتنی بوچھاڑ کی گئی کہ جسم اطہر لہولہان ہو گیا۔ نعلین مبارک خون سے لبریز ہو گئیں۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ کو شدید تکالیف سہنا پڑیں حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا لیکن تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اُف تک نہ کی بلکہ مظالم و مصائب کو برداشت کیا اور ظالموں کو دعاؤں سے نوازا۔ لبہائے مبارک جنبش میں آئے تو یہی نکلا" اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون" اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ مجھے جانتے نہیں میرا پیغام تو امن و سلامتی کا پیغام ہے اور یہ احمق میرے پھولوں کا جواب کانٹوں سے دیتے ہیں میں تو ان کی نجات و عافیت کا طلب گار ہوں اور یہ اپنے لئے مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہیں لیکن جب بھی دشمن نے دین میں مداخلت کر کے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچائی تو آپ نے شدید حزن و غم کا اظہار فرمایا۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ ﷺ کی ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں قضا ہوئیں تو آپ نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا" ان ظالموں نے ہمیں نمازوں تک سے روک دیا" گویا میرے آقا ﷺ ہمیشہ اپنی ذات پر دین کو ترجیح دیتے رہے۔ جو غلاموں کے لئے بلاشبہ قابل تقلید نمونہ ہے۔

اے ایمان والو! اُمم ماضیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے رہو جس میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ بنی اسرائیل کا حال پڑھو ان ظالموں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اپنے دیگر انبیاء و رسول عظام علیہم السلام کے ساتھ کس طرح گستاخیاں کیں۔ وہ ان مقدس قائدین کی عزت و وجاہت کا ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے انہیں اپنے جیسا عام انسان ہی جانتے رہے۔ دیکھو تم ایسا نہ کرنا اپنے عقائد کی اصلاح کرو قرآن و حدیث کے مطابق اپنے آقا ﷺ کی عظمت و وجاہت کا اعتراف کرو۔ نبی کو اللہ کا بندہ اور اپنا آقا تسلیم کرو اور مانو کہ وہ ہر اعتبار سے تم سے ممتاز ارفع و اعلیٰ ہے تم کیا چیز ہو اللہ کے دیگر انبیاء و رُسل بھی اس جیسے نہیں نہ کسی مؤمن نے اس سے مشابہت و مماثلت کا کبھی دعویٰ کیا یہ تو کفار و مشرکین اور منافقین کا طرز رہا ہے کہ وہ ''نبی کو اپنے جیسا یقین کرتے رہے'' تم مؤمن ہو اپنے آقا ﷺ کے منصب و مقام کو پہچانو اور اپنا جیسا بشر سمجھ کر انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اسی میں تمہاری عزت ہے، عافیت ہے، آخرت کی نجات ہے، اے اللہ تو ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا غلام بنا اور ان کی عزت و وجاہت پر یقین کرنے کی توفیق عطا فرما آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

مقالہ ۶۷

الاحزاب: ۷۱،۷۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

(احزاب: ۷۰، ۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی بات کہا کرو تو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے تو وہی حاصل کرتا ہے بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کو خطاب فرماتے ہوئے تقویٰ اختیار کرنے اور سچ بولنے کا حکم دیا گیا اور ان دونوں کی تاثیر بیان کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ اس سے تمہارے اعمال درست ہو جائیں گے اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ نیز بتایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری ذریعۂ فوز و فلاح ہے۔

تقویٰ کیا ہے اس کے فوائد کیا ہیں مؤمن کے لئے اس کا اختیار کرنا کس قدر ضروری اور اہم ہے اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں یہ تمام تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں درج ذیل سطور میں دوسرے حکم سچائی کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں اگر چہ اس کو بھی تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے۔

سچائی یا صداقت

سچائی، صداقت، خاصۂ انبیاء ہے اسی لئے انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے بڑے الزامات عائد کئے گئے لیکن کسی بدترین دشمن نے بھی انہیں جھوٹا اور کاذب نہ کہا بالخصوص میرے آقا ﷺ کو دشمنانِ دین نے ساحر، مجنون، دیوانہ اور نہ جانے کیا کیا کہا لیکن ہر کسی نے آپ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف پھر بھی کیا۔

اعلان نبوت کے پہلے ہی دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اہل مکہ کو جمع کر کے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے جو تمہیں تباہ کر دے گا، تو کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے تو حاضرین نے بیک آواز جواب دیا ہم ضرور یقین کریں گے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

قیصر روم نے جب ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے کیا اس نے کبھی کسی معاملہ میں جھوٹ بھی بولا ہے ابوسفیان کو یہ کہنا پڑا کہ نہیں وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اسی لئے ہم سب اس کی صداقت کے معترف ہیں اور اسے صادق و امین کے نام سے پکارتے ہیں پس قیصر روم نے کہا تو وہ یقیناً اللہ کا رسول ہے کیونکہ اگر وہ اللہ کے معاملہ میں جھوٹا ہوتا تو یقیناً لوگوں کے معاملات میں بھی ضرور جھوٹ بولتا۔

ابوجہل جیسا بدترین دشمن رسول بھی کہا کرتا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) کو جھوٹا نہیں کہتے ہاں صرف اتنا کہتے ہیں کہ وہ جو آیات ہمیں سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے اللہ فرماتا ہے:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (انعام: ۳۳)

(اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی ہے آپ کو وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی کی تلقین و تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ ''مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بَنِيَ لَهٗ فِيْ رِبْضِ الْجَنَّةِ'' جس شخص نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا جو کہ باطل ہے۔ اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک محل تعمیر کیا جائے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَاجَآءَ بِهٖ'' جب بندۂ مؤمن جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ'' سچ بولا کرو کیونکہ ''فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ'' سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ ''وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ'' اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے پھر آپ فرماتے ہیں ''وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا'' اور جب بندہ سچ بولتا رہتا تو ایک دن اللہ کے یہاں اس کا نام سچوں کی فہرست میں شامل کرلیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں ''وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ'' تم جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ برائیوں کی طرف کھینچتا ہے اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔ ''وَاِنَّ الرَّجُلَ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا'' اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے یہاں وہ جھوٹوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نصیحت خوب یاد کرلی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ''دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ'' شک والی بات پر یقینی بات کو ترجیح دو کیونکہ ''فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ'' سچائی اطمینان وسکون کا ذریعہ ہے جبکہ ''اِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ'' جھوٹ شک وشبہ اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

بہرحال سچائی اور صداقت ایک خوبی ہے، حسن ہے جس سے انسان کا چہرہ پرنور ہوجاتا اور قلب مطمئن اور پرسکون ہوجاتا ہے اسی لئے مومن وغیر مومن سب ہی سچائی کو پسند کرتے ہیں اور جھوٹ اور کذب ایک برائی ہے۔ ایسا داغ ہے جس سے انسان کا چہرہ بدنما ہوجاتا ہے دل مضطرب اور بے چین رہتا ہے سچ بولنے والے کو اگر سچائی کی وجہ سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو اسے راحت محسوس ہوتی ہے جبکہ جھوٹ بولنے والے کو راحت وسکون کے باوجود شرمندگی وندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ہمیشہ خوفزدہ اور غمزدہ ہی رہتا ہے۔

سچائی کا سرچشمہ تقویٰ ہے اسی لئے اللہ رب العزت جل مجدہ نے تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے ''وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' فرمایا قَوْلِ سَدِيْد کا جملہ بھی قابل غور ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس میں کسی بھی طرح جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ سچ ہو حق ہو، صاف ستھری اور صحیح بات ہو جب بندۂ مومن تقویٰ اور قَوْلِ سَدِيْد کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کے دیگر اعمال خود بخود سدھرتے اور ٹھیک ہوتے چلے جاتے ہیں وہ خود بخود زندگی کے ہر معاملہ میں دین اور شریعت کی پابندی کرنے لگتا ہے اور اب اس کے اعمال صالحہ اس کے ماضی کے گناہوں کو مٹادیتے ہیں اس کی بخشش ومغفرت ہوجاتی ہے جو اس کے لئے پرسکون و پراطمینان زندگی کا باعث ہوتی ہے۔ اب دنیا کے کسی خوف سے وہ خوفزدہ نہیں ہوتا اور دنیا کا کوئی غم اسے غمزدہ نہیں کرپاتا ''لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے ''اللهم اجعلنا من الصّٰدقين۔''

اطاعت

غلام کے لئے اطاعت وفرمانبرداری ذریعہ فلاح وفوز ہے انسان اللہ کا بندہ اور رسول کا غلام ہے لہٰذا انہی کی بندگی

اور اطاعت شعاری کامیابی وکامرانی کا یقینی ذریعہ ہے جس کا قرآن کریم بار بار حکم دیتا ہے اس کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے مطاع بنا کر مبعوث فرمایا جاتا ہے اور امت کا ہر فرد پابند ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات اور اس کے عطا کردہ اصولِ زندگی کو اپنائے۔ میرے آقا ﷺ ایسے مطاع ہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کو علی الاطلاق امت پر لازم قرار دیا اور فرمایا ''مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے رسول تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ وہ تمہارے لئے ایک ماڈل ہیں ان کی زندگی کے سانچہ میں تم اپنی زندگی ڈھالو۔ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' بیشک رسول مکرم کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ''يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' جو کچھ تم نہیں جانتے وہ سب رسول تمہیں سکھاتے ہیں۔ نیز فرمایا گیا ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول ہی کی اطاعت وفرمانبرداری دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی اور اُخروی نجات کا یقینی ذریعہ ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مادی وظاہری وسائل کے فقدان کے باوجود زندگی کے ہر مرحلہ میں کامیاب و کامران رہے۔ تعداد کی کمی کے باوجود وہ دشمن پر غالب آتے رہے معاشی بدحالی کے باوجود وہ خوشحال رہے ہمہ وقت دشمن کی سازشوں کے باوجود وہ مطمئن اور پرسکون شب و روز بسر کرتے رہے۔ قیصر وکسریٰ کے جرار اور بہادر لشکر ان سے گھبراتے تھے۔ یہود، دولت مند قوم ہونے کے باوجود ان کے سامنے ذلیل وخوار تھے۔ اقوامِ عالم میں ان کا چرچا تھا ان کی عزت تھی، وہ بارعب اور باوقار قوم تھے، صرف اس لئے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے وفادار اور ان کے مطیع وفرمانبردار تھے۔

جعفر شاہ حبشہ کے دربار میں

جب بعض صحابہ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق حبشہ ہجرت کی تو کفار مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مہاجرین کو حبشہ سے نکال دینے پر نجاشی کو آمادہ کر سکے۔ یہ وفد پروگرام کے مطابق نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا۔ اولاً اسے نہایت بیش قیمت تحائف پیش کئے پھر اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا۔ شاہ حبشہ نے از روئے عدل وانصاف مسلمانوں کو طلب کیا تاکہ ان سے ہجرت کی وجہ اور مکہ کے حالات معلوم کئے جائیں۔ بالخصوص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں مسلمانوں نے اپنا ایک وفد مرتب کیا جو حضرت جعفر ابن طیار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دربار نجاشی میں حاضر ہوا یہاں ہم نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جرأت مندانہ گفتگو کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آقا ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری غلاموں کو کس طرح حق گو بنا دیتی ہے اور وہ ناسازگار حالات میں بھی کس طرح کامیاب وکامران اور سرخرو ہوتے ہیں۔

جب صحابہ کرام نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ دربار میں حاضر ہو کر کیا کہیں گے تو آپ نے جو جواب دیا وہ نہایت ہی قابل غور ہے فرمایا ''نَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَا وَمَآ اَمَرَنَا بِهٖ نَبِيُّنَا كَائِنًا فِيْ ذٰلِكَ هُوَ كَائِنٌ'' بخدا

میں وہی کہوں گا جو میں جانتا ہوں اور جس کا میرے آقا ﷺ نے حکم دیا چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو یہی غلام کا شعار ہے نتیجہ کی پروا کئے بغیر اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر آپ نے اس کے سوالات کو بغور سنا اور جواباً جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ بغور پڑھئے:

اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بدکاریاں کیا کرتے تھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے تھے ہم میں سے طاقتور غریب و کمزور کو کھائے جا رہا تھا ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہم میں ایسا رسول مبعوث فرمایا جس کے حسب نسب کو ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح واقف ہیں اس نے ہمیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لاشریک لہ مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ ہم اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ہر حال میں سچ بولیں امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ہمسایوں کے ساتھ بھلائی کریں برے کاموں اور خونریزی سے باز رہیں اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں نیز اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں لہٰذا ہم نے اس رسول مکرم ﷺ کی تصدیق کی ہم ان پر ایمان لائے اور اللہ کے جو حکم وہ لے کر آئے تھے ہم نے ان کو اپنایا اب ہم ہر اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جسے انہوں نے حرام قرار دیا اور ہمارے لئے ہر وہ چیز حلال ہے جسے انہوں نے حلال قرار دیا۔ بس ہمارا یہی جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم ہم پر ظلم کر رہی ہے ہمیں اس دین سے روگرداں کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتی ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بت پرستی کرنے لگیں پھر بدکاریوں اور برائیوں کے دلدل میں جا پڑیں پھر ناپاک چیزوں اور گندے اعمال کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اے بادشاہ! جب ان لوگوں نے ہمارا جینا حرام کر دیا تو ہم اپنا وطن چھوڑنے اور آپ کی پناہ میں آنے پر مجبور ہوئے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے سایہ میں ہمیں چند دن سکون کے میسر آئیں گے۔

نجاشی نے سب کچھ غور سے سنا اور کہا کہ کیا تمہیں اس کتاب کا کچھ حصہ یاد ہے جو اللہ نے آپ کے نبی پر نازل کی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کرنا شروع کیں تو بادشاہ جھومنے لگا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور جونہی حضرت جعفر خاموش ہوئے تو بادشاہ کی زبان پر حق گویا ہوا:

بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی شمع کی شعائیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پر از ایمان تقریر کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس نے کفار مکہ کے سفیروں سے کہا آپ لوگ واپس چلے جاؤ مسلمان ہمارے مہمان ہیں انہیں ہم ہرگز ہرگز اپنے ملک سے نہیں نکال سکتے یہ اب ہماری امان میں پر امن زندگی بسر کریں گے۔

غرضیکہ قابل غور یہ بات ہے کہ ایک مظلوم بے وطن پریشان مؤمن ایک بادشاہ کے بھرے دربار میں کس طرح اپنا موقف بیان کرتا ہے اور کسی جرأت و ہمت سے اپنا کیس پیش کرتا ہے۔ نتیجتاً وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے اور دشمن ذلیل و خوار ہوتا ہے یہ سب کچھ اس لئے کہ اسے اپنے آقا ﷺ کی تعلیمات پر مکمل اعتماد تھا۔ اطاعت و فرمانبرداری کے نشہ میں چور ہو کر اس نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کہنا چاہئے تھا اور جس سے وہ اپنے بارعب مخاطب کو مطمئن کر سکتا تھا، رضی اللہ عنہ۔

ایک اور ایمان افروز واقعہ ملاحظہ ہو جو مسلمان مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے تھے ان میں کچھ دوبارہ مکہ واپس آ گئے انہیں کفار مکہ میں سے کسی نہ کسی نے پناہ دی اور یہ ان کے مظالم سے بچے رہے انہی میں سے ایک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ولید بن مغیرہ کی پناہ میں ظلم و ستم سے محفوظ آرام کے دن گزار رہے تھے لیکن یہ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے بھائیوں پر کفار کے مظالم جاری ہیں ایک دن انہیں خیال آیا کہ آخر میں بھی تو اسی آقا ﷺ کا غلام ہوں جس کے یہ لوگ غلام ہیں جبکہ یہ تو نہایت صبر و استقلال سے غلامی کی سزا بھگت رہے ہیں آخر میں کیوں اپنے آقا ﷺ کے لئے ایثار و قربانی سے محروم ہوں پس آپ نے فیصلہ کیا اور ولید بن مغیرہ سے کہا میں آج سے تمہاری پناہ سے آزاد ہوتا ہوں۔ ولید نے حیرت زدہ ہو کر کہا آخر کیوں کیا تم پر کسی نے زیادتی کی ہے آپ نے فرمایا ''لَا وَلٰكِنِّيْ اَرْضٰى بِجَوَارِ اللّٰهِ وَلَا اُرِيْدُ اَنْ اَسْتَجِيْرَ بِغَيْرِهٖ'' نہیں کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس کے سوا کسی کی پناہ میں رہنا نہیں چاہتا اور آقا کا یہ غلام بھی دیگر غلاموں کے ساتھ مصائب و آلام کے سمندر میں کود پڑا۔

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمونہ اطاعت و فرمانبرداری تھے اسی لئے زندگی کے ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے اور اقوام عالم پر ان کا ایسا دبدبہ بیٹھا کہ آج تک دنیا کی طاقتور قومیں اہل ایمان سے مرعوب و خوفزدہ رہتی ہیں حالانکہ ہم آج اپنے آقا ﷺ کے باغی بدکردار اور بدعمل ہیں کاش ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح سچے غلام ہوتے تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا یقیناً ہم ہی اللہ کی اس سرزمین کے حکمراں ہوتے اور چار دانگ عالم میں اسلام کا پھریرا اڑتا نظر آتا۔ وہ آزادی جو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلامی کے طفیل ہمیں نصیب تھی آج باقی ہوتی اور دنیا میں سب سے بڑی حکومت ہماری ہی ہوتی ہم ہی سپر پاور کہلاتے۔

اے ایمان والو! اب بھی وقت ہے ''اِتَّقُوا اللّٰهَ'' تقویٰ اختیار کر لو ''وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا'' حق گوئی کی خوبی کو اپنا لو تمہارے مذہبی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، حالات درست ہو جائیں گے۔ گناہوں کے داغ دھل جائیں گے، تمہارے

چہرہ بارعب اور باوقار ہو جائیں کہ تمہارے دل نورِ ایمان سے روشن ومنور ہو جائیں گے پھر جس راہ بھی تم چلو گے فوز وفلاح تمہاری قدم بوسی کرے گی کامیابی وکامرانی تمہارا مقدر بنے گی۔

اللہ غور وفکر اور عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
68	7 تا 17
69	33 تا 38

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۸

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۷ تا ۱۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝
اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا
مَوْلٰى لَهُمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ
فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ

اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۗ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝

(محمد (ﷺ): ۷۔۱۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جنہوں نے کفر کیا اللہ کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال تو کیا انہوں نے زمین کی سیر و سیاحت نہ کی کہ خود دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان کا جو ان سے پہلے گزرے اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کافروں کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں یہ اس لئے کہ اللہ مددگار ہے ایمان والو کا اور کفار کا کوئی مددگار نہیں بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں جو قوت و شوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے لئے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی جو لذیذ ہے پینے والوں کے لئے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو) کیا یہ (لوگ) ان کی طرح ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (ذرا بتایئے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے۔ یہی وہ (بدبخت) ہیں کہ مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشات کی اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخش دیتا ہے۔

سورۂ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات سے متعلق ہمیں گفتگو کرنا ہے اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازتے ہوئے ایسے امور کا ذکر فرمایا ہے جن کے مطالعہ کے بعد ہر مؤمن کے دل میں اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ دین کی پابندی اور دین کی حفاظت واشاعت کے لئے وہ بڑی سے بڑی طاقت کی پروا کئے بغیر ہمہ وقت آمادہ وتیار رہتا ہے۔ وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف اللہ ورسول کی رضا وخوشنودی ہے۔ کفر وشرک اور بدعملی وبدکرداری کے خلاف جہاد اس کا وطیرہ بن جاتا ہے۔ آیئے ان آیات پر غور کر کے اپنا ایمان تازہ کریں۔

اللہ کی مدد

''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' اللہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کی مدد کرے گا۔ ایک کمزور کے لئے طاقتور کی طرف سے سہارے اور مدد کی یقین دہانی سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو سکتی ہے اگر کسی غریب کو کوئی دولت مند کچھ نہ دے صرف یہی یقین دلا دے کہ جب تمہیں ضرورت پڑے مجھ سے قرض لے سکتے ہو۔ اس غریب کے لئے یہی بہت بڑا سہارا ہوتا ہے ہم اگر چہ اپنی قوت وطاقت، دولت وثروت اور دیگر وسائل کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو نہ جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ہم بہت ہی کمزور ولاچار ہیں، اس حال میں ہمارے رب کا ہم پر کتنا بڑا کرم ہے کہ وہ ہماری مدد کا یقین دلا رہا ہے۔ اے ایمان والو! تم فکر مند نہ ہو پریشان نہ ہو اپنے آپ کو تنہا اور کمزور جان کر کسی کے در کے بھکاری نہ بنو، کسی سے نہ ڈرو، تم میرا کلمہ پڑھتے ہو، میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام ہو۔ پس تم میرے ہو مجھ سے زیادہ طاقتور کوئی نہیں۔ میرے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں پس میں ہر حال میں تمہارا مددگار ہوں چاہے تم میدان جہاد میں دشمن کا مقابلہ کر رہے ہو یا میدانِ عمل میں ہر لحہ نفس امارہ کی خواہشات پامال کرنے میں مصروف ہو لیکن میری مدد اس شرط پر ہو گی کہ تم بھی میری مدد کرو''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ'' سورۂ حج کی آیت ہے۔ جس میں الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اسی وعدے کا اعلان فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے''وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ'' اور اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے (دین) کی مدد کرے گا۔

غور فرمایئے ہمیں کتنا بڑا سہارا ملا ہے جس سے زیادہ مضبوط سہارا کوئی ہو ہی نہیں سکتا اس سہارے کو پانے کے لئے خواہشات نفس کی قربانی تو درکنار اگر جان بھی قربان کرنا پڑے تو کم ہے۔ اسی لئے تو ہمارے اسلاف میدان جہاد میں اپنی جانوں کی بازیاں لگاتے رہے پھر بھی ان کی جانیں ضائع نہیں ہوئیں اللہ نے ان کی مدد فرمائی کہ ان کو عزت وعظمت کا ایسا بلند مقام عطا فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے شہید کہلائے۔ ان کو مردہ کہنے پر یا مردہ خیال کرنے پر پابندی عائد فرمادی۔

سورۂ روم کی آیت مبارکہ ہے جس میں اسی مدد کا مزید یقین دلانے کے لئے ایک اور ایمان افروز انداز اختیار فرمایا گیا۔ ارشاد ہے''وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور اہل ایمان کی مدد فرمانا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے یعنی جو اللہ کے ہو گئے اب اللہ پر ان کا حق ہے کہ وہ ان کی مدد فرمائے۔ سوچئے تو صحیح کیا کبھی بھی کسی غلام کا اپنے مالک پر کوئی حق ہوتا ہے، غلام تو

غلام ہی رہتا ہے اس کا تو بس یہ کام ہے کہ وہ مالک کی خدمت کرتا رہے وہ کتنا بھی خدمت گزار ہو مالک پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا یہ مالک کی مرضی پر موقوف ہے کہ اسے نوازے یا نہ نوازے لیکن یہ ہمارے آقا ﷺ کا کرم ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک ایسے مالک حقیقی کا پتہ بتادیا جو غلاموں کو نوازتا ہے اور خوب نوازتا ہے حتیٰ کہ اپنی نوازش کو غلاموں کا حق قرار دیتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت کرتے ہوئے فرمایا ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَذُبُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس بچاتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے ہی سمجھ لیجئے کہ اللہ کی مدد کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ میدان جہاد میں دشمن سے مقابلہ کے لئے فرشتوں کو نازل کیا جائے اور ہمیں فتح و کامرانی کے تاج سے نواز دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کا ہر نیک کام اسے اللہ کی مدد کا حقدار بناتا ہے اور ان نیکیوں کے صلہ میں رب کریم دنیا و آخرت کے جن انعامات سے بھی نوازتا ہے وہ درحقیقت اس کی نصرت اور مدد ہی ہوتی ہے۔

اللہ کے دین کی مدد

یہ بات شرعاً و عقلاً واضح ہے کہ اللہ کی مدد کا مطلب اللہ کے دین کی مدد کرنا ہے یعنی اس دین کی مدد کرنا جو اللہ کو محبوب ہے پسند ہے اور جو حق ہے اور وہ اسلام ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' کہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ پس اے ایمان والو! تم مسلم ہو لہٰذا اسلام کی ہر طرح پاسبانی و حفاظت تمہاری ذمہ داری قرار پاتی ہے اگر اسلام کے احکام کو اسلام کے دشمن پامال کرنے کا ارادہ کریں تو اپنی ظاہری و مادی کمزوری اور دشمن کی ظاہری و مادی قوت کی پروا کئے بغیر تم اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے دشمن سے بھڑ جاؤ اور اگر تمہارا ہی نفس تمہیں احکام اسلام پامال کرنے پر آمادہ کرنے لگے تو کسی بھی نقصان کا خوف کئے بغیر ان خواہشات کو ایسا پامال کردو کہ دل میں کسی برائی کا خیال تک باقی نہ رہے جب تم ایسا کرو گے تو ''يَنْصُرْكُمْ'' ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جس سے ''يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ'' تمہارے قدم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی تمہیں نہ ہلا سکے گا کہ اللہ جس کا مددگار ہو جائے کوئی اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے ''اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ'' اگر اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور ساتھ ہی یہ بھی سن لو ''وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ'' اور اگر اللہ ہی تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد تمہاری کون مدد کرے گا لہٰذا ''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ'' اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

مؤمن کی مدد صرف اللہ قادر مطلق ہی کرتا ہے اس لئے کہ اولاً تو کسی میں وہ قوت و طاقت ہی نہیں کہ وہ کسی کی مدد کر کے یقیناً اس کا تحفظ کر سکے۔ ثانیاً یہ کہ کوئی غیر مؤمن کسی مؤمن کا دوست نہیں ہو سکتا۔ پس اگر وہ بظاہر مدد کا یقین بھی دلائے گا تو موقع ملنے پر ضرور وعدہ خلافی کرے گا تاکہ مؤمن ذلیل و خوار یا تباہ و برباد ہو جائے کہ اسلام کے دشمنوں کا تو مقصد ہی اسلام کے سپاہیوں کی تباہی و بربادی ہے۔ ان کی نظروں میں تو ایک ایک سپاہی کھٹکتا ہے وہ مسلمانوں کے مددگار بن کر کب

انہیں تقویت پہنچانا یا امن وسکون کی زندگی فراہم کرنا برداشت کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں سب سے بڑا دشمن تو وہ خالم شیطان ہے جو کسی نہ کسی طرح جنت کے مستحقین کو اپنے ساتھ جہنم کا ایندھن بنانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔ پس کلمہ پڑھنے والوں کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے سپاہی بنیں، مجاہد بنیں، دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہیں اور ہر لحہ شیطان لعین سے جہاد میں مصروف رہیں۔ اللہ ان کا مددگار ہوگا تو ان کے قدموں کو مضبوط کر دے گا ان پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے" وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، کیسے کافی ہوتا ہے، اس کو سمجھنے کے لئے بطور مثال آقائے رحمت ﷺ کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ "لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ" اگر تم اللہ پر ایسا بھروسہ کرو جیسا کرنا چاہئے۔ "لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَّ تَرُوْحُ بِطَانًا" تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندے کو دیتا ہے کہ پرندہ صبح کو بھوکا اڑتا ہے اور شام پیٹ بھر کر واپس آتا ہے،

(ابن ماجہ)

یہ تو ایک مثال ہے جس سے یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ بندہ جو کام بھی اللہ پر بھروسہ کر کے کرتا ہے اللہ اپنے وعدے کے مطابق اس کی مدد فرماتا ہے بایں صورت کہ وہ کام اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور اس میں مطلوبہ کامیابی نصیب ہوتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ توکل کے باوجود کام میں نہ تو آسانی معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی کامیابی اس کی وجہ العیاذ باللہ ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ اللہ نے ہم سے وعدہ پورا نہیں فرمایا بلکہ حقیقت میں اس کی وجہ بھی ہم پر اللہ کا کرم ہی ہے کہ جس چیز کے حصول کو ہم نے اپنے لئے اپنے ناقص علم کے مطابق بہتر ومفید جانا تھا اور ہم اس میں کامیابی کی دعائیں کر رہے تھے اللہ پر سچا توکل کر کے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اللہ ہی نے ہمیں عطا نہ فرمائی کیونکہ وہ رب کریم ہم سے زیادہ ہمارے حال کو ہماری ضرورت کو اور ہمارے فائدہ ونقصان کو جانتا ہے ہماری مطلوبہ چیز ہمارے لئے ضروری نہ تھی یا مفید نہ تھی یا اس کے مل جانے سے ہمیں کوئی نقصان ہو سکتا تھا۔ پس رب نے ہمیں عطا نہ فرما کر ہم سے وعدہ خلافی نہیں فرمائی بلکہ ہم پر بے حد کرم فرمایا۔

اس سلسلے میں ہم اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں ایک ملک کا دورہ کرنے کا بڑا ہی اشتیاق تھا۔ جیسے تیسے موقع ہاتھ آیا تمام سفری انتظامات مکمل ہو گئے۔ بس تاریخ مقررہ پر جہاز میں بیٹھنے کے لئے ہم مضطرب تھے بالآخر وہ دن بھی آ گیا اور ہم ایئرپورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ کاؤنٹر پر پہنچے تو پتہ چلا کہ جہاز تو پرواز کے لئے حرکت میں آ چکا اب سفر کا کوئی امکان نہیں۔ خیال فرمائیے کہ ہم پر کیا بیتی ہوگی کیونکہ نہ جانے کس طرح تو یہ موقع ملا تھا۔ علاوہ ازیں ہماری تو عادت ہے کہ ہمیشہ وقت سے کافی پہلے ہم ایئرپورٹ پہنچ جاتے ہیں اسی لئے اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا اور نہ آج تک ہمارا کوئی جہاز چھوٹا ہے لیکن اس دن واقعی کچھ عجب کیفیت تھی کہ باوجود اس کے کہ اس سفر کا ہمیں بے حد انتظار تھا لیکن طبیعت پر کچھ بار سا محسوس ہو رہا تھا اور ہر کام سست رفتاری سے ہوا تھا اسی لئے ہمیں دیر ہوئی بہر حال صبر کیا گھر واپس آ گئے ابھی کپڑے بھی تبدیل

نہیں کیے تھے کہ خبر ملی کہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا۔ اب سوچئے ہماری کیا کیفیت ہوئی ہوگی، سارا جسم کانپ گیا۔ جس حال میں تھے اسی حال میں ہم اور سب گھر والے سجدہ ریز ہو گئے۔ آج تک اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل حادثاتی موت سے بچایا۔

سمجھ لیا آپ نے کہ کبھی ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی اور توکل کے باوجود ہمیں کامیابی کیوں نہیں حاصل ہوتی اسی لئے کہ اللہ ہم سے بہتر ہمارے حال کو جانتا ہے۔

کفار کا حال

اہل ایمان پر اپنے انعام واکرام بالخصوص ان کی مدد کرنے کا مژدہ سنانے کے بعد ہی کفار کا حال بتایا جا رہا ہے تا کہ مؤمنین کی مزید ہمت افزائی ہو وہ کفر وشرک سے متنفر ہو کر صرف اللہ کی مدد کے مزید طلب گار بنیں صرف اسی کے سایۂ رحمت میں پناہ گزیں ہوں۔

جن لوگوں نے کفر کیا ان کا حال یہ ہے کہ ''فَتَعْسًا لَّهُمْ'' وہ جب بھی اسلام کے خلاف سازشیں کریں گے اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے پروگرام بنائیں گے اوندھے منہ ہی گرتے رہیں گے۔ ذلیل وخوار اور نامراد ہی ہوتے رہیں گے ''وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ'' اللہ دنیا میں بھی ان کی تدبیر کو ناکام کرتا رہے گا اور اگر وہ کوئی نیک کام کریں گے تو آخرت میں اس کا انہیں کوئی اجر وثواب نہ ملے گا کیونکہ اللہ تو صرف اہل ایمان ہی کا مددگار ہے اور اس کے دربار میں انہی اعمال کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے جن کی بنیاد ایمان پر ہو۔ کفار کی نامرادی وناکامی کا بنیادی سبب یہی کہ ''بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' وہ اللہ کے نازل کردہ احکام سے اعراض وروگردانی کرتے رہے، لہٰذا ان کا مقدر صرف جہنم کی آگ ہی ہے ''اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' اللہ نے کفار سے تو صرف جہنم کی آگ کا ہی وعدہ فرمایا ہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ یہ کفار کفر وشرک میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ ان میں عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی بھی صلاحیت نہ رہی ورنہ ان کے لئے ان اقوام ماضیہ کے آثار ونشانات دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا جن کو اللہ ان سے پہلے تباہ وبرباد کر چکا ہے جبکہ وہ مادی وسائل اور باعتبار قوت وطاقت ان سے بہت زیادہ تھے بہر حال یہ عبرت حاصل کریں یا نہ کریں تمام کافروں کا انجام ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔

اہل ایمان کو عزت وعظمت ملنے اور کفار کی ذلت وخواری کا اصل سبب یہ ہے کہ ''بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کہ اللہ اہل ایمان کا مددگار ہے جبکہ ''وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ'' اور کافروں کا تو کوئی مددگار نہیں۔ ہاں ان کا اگر کوئی مددگار ہے تو وہ طاغوت شیاطین ہیں جن کی اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں وہ تو خود جہنمی ہیں ان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کرنے والوں کا ٹھکانہ بھی جہنم ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں اسی حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'' اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ'' کفر کرنیوالوں کے ساتھ شیطان ہیں جو ''يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ'' انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ ''اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' یہی

لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ اور منافقین کا حال موجود ہے جن پر غور کرنے کے بعد ہمیں اللہ کا یہ پیغام ملتا ہے کہ اہل ایمان کو کسی بھی حال میں اللہ ورسول کے ان باغیوں پر نہ تو اعتماد کرنا چاہئے نہ ہی انہیں اپنا دوست بنانا چاہئے نہ اشد ضرورت کے باوجود ان سے مدد مانگنا اور ان کے در کا بھکاری بننا چاہئے کیونکہ یہ قومیں قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ یہ کبھی بھی مسلمانوں کو خوشحال اور پھلتا پھولتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کو ان کی تعداد، ظاہری و مادی وسائل اور قوت وطاقت سے بھی مرعوب وخوفزدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ سب اس ایک قوت کے مقابلہ پر ہیچ اور کالعدم ہے جو اہل اسلام کو میسر ہے اور وہ ہے ایمان کی قوت جس کے سبب انہیں ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ کی نصرت وحمایت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب تک اہل ایمان اطاعت شعار وفرمانبردار رہیں گے اس وقت تک وہ باعزت، بارعب اور پروقار زندگی بسر کرتے رہیں گے کوئی قوم ان پر غالب نہ آسکے گی کوئی انہیں منتشر ومتفرق کر کے بدحالی میں مبتلا نہ کر سکے گا۔

نیز قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ دنیا میں پرسکون اور باعزت زندگی اور آخرت میں جنت اہل ایمان کا مقدر ہے جبکہ غیر مسلم اقوام کے نصیب میں یہاں ذلت وخواری کے سوا کچھ نہیں جبکہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اہل ایمان اس دنیا میں ان کے ظاہری عیش وعشرت، قوت وطاقت سے ہرگز مرعوب نہ ہوں کیونکہ اولاً تو انہیں جو کچھ ملا ہے بس یہی ہے جس کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر وہ اس حقیقت کو بھلا بیٹھے ہیں کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے اس کے بعد کی زندگی دائمی ہوگی جس میں انہیں آگ کے انگاروں، خون، پیپ کے سوا کچھ میسر نہ آئے گا۔ جبکہ مؤمن تو خوب جانتا ہے کہ وہ اس دنیا میں مسافر ہے سفر کے یہ دن اچھے گزریں یا برے چند ہی تو ہیں گزر جائیں گے۔ فکر اس زندگی کی کرنا چاہئے جو ابدی ہوگی جہاں موت نہ ہوگی وہاں ہمارے لئے وہ جنت سجی ہوئی ہے جس کے حسن و جمال اور نعمتوں کی لذت کا اس دنیا میں رہتے ہوئے تصور بھی ممکن نہیں۔ یہاں کسی کو وہ کچھ میسر نہیں جو ہمیں وہاں نصیب ہوگا۔ ثانیاً جس طرح خودرو درختوں پر کچھ پھل، پھول آجاتے ہیں اسی طرح ان باغیوں کو اللہ کی کچھ نعمتیں ملی ہوئی ہیں لیکن نہ ان پھلوں اور پھولوں کی کوئی قدر وقیمت ہوتی ہے اور نہ ہی ان نعمتوں کی کچھ حیثیت ہے حتیٰ کہ ان کی تو انسانیت کی بھی کوئی حیثیت نہیں کہ انہیں انسان ہونے کے باوجود چوپایوں سے بدتر قرار دیا گیا ہے یہ صرف جہنم کا ایندھن ہیں انہیں دنیا میں صرف اس لئے پالا جا رہا ہے کہ ان سے جہنم کی آگ خوب بھڑک سکے جس طرح یہاں آگ جلانے کے لئے درخت اگائے جاتے ہیں۔

سورۂ محمد (ﷺ) کی ان آیاتِ مبارکہ پر دوبارہ غور کیجئے تو یہی حقائق آپ کو نظر آئیں گے اور آپ بآسانی اپنے مقام اور کفار کی حیثیت کو سمجھ سکیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝١٢ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝١٣

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○

(محمد: ۱۲۔ ۱۴)

بیشک اللہ داخل کرے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور کھانے میں مصروف ہیں چوپایوں کی طرح حالانکہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ ہے اور بہت سی ایسی بستیاں ہیں جو قوت وشوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے بسنے والوں) نے تمہیں نکالا ہم نے ان بستیوں کے باشندوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کی طرف سے اس شخص کی طرح ہے جس کے لئے اس کے برے کام مزین کر دیئے گئے ہیں اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔

اے ایمان والو! قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق کی روشنی میں تاریخ انسانیت اور خود اپنی پندرہ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ کرو تو واقعات کی صورت میں ہر حقیقت کو اپنے سامنے محسوس کرو گے اور اپنے مقام اور غیر مسلموں کی حیثیت کو بآسانی پہچان سکو گے اور سوچو گے کہ آج ہمیں اسلاف جیسی باعزت، باوقار اور پرسکون زندگی کیوں میسر نہیں۔ آخر ہم کیوں ذلیل و خوار ہیں، بدحال وکمزور ہیں، دشمن سے خوفزدہ ہیں اور اس کے در کے بھکاری بنے ہوئے ہیں۔ دوستو! یقین جانو یہ نتیجہ ہے ہماری اس بدکرداری اور بدعملی کا، جس کی راہ ہمیں ہمارے، عیاش و جاہل رہنماؤں، شہنشاہوں اور حکام نے دکھائی ہم انہی کی پالیسیوں کے احکام کی تعمیل کے سبب ذلت وخواری کے اس گڑھے میں گرے ہیں اور اب اس قعر مذلت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ہم ماضی کی غلطیوں پر تائب ہو کر انفرادی طور پر اپنی اصلاح کریں۔ اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کا آغاز کریں خود صالحیت اختیار کریں اپنے اہل خانہ کو شریعت کا پابند بنائیں اور اپنے معاشرے میں نیکیوں کو پھیلائیں یہی بڑا جہاد ہے جس کی آج ضرورت ہے۔ اگر ہم نے اس جہاد کا آغاز کر دیا تو یقین جانئے اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا، ہماری مدد کرے گا۔ برائیوں، بروں اور دشمنوں کے مقابلہ پر ہمارے قدم مضبوط کر دے گا حتیٰ کہ ہم پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت غالب نہ ہو سکے گی ہم ہی باوقار و بارعب ہوں گے، باعزت ہوں گے، ہماری زندگی کے شب و روز پرسکون ہو جائیں گے۔ آج جن سے ہم خوفزدہ ہیں کل وہ ماضی کی طرح ہمارا نام سن کر کانپتے نظر آئیں گے۔ آج جن کے در کے ہم بھکاری بنے ہوئے ہیں کل وہ ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہوں گے۔ آج جو ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کل وہ خود مضحکہ بن جائیں گے اور اس چند روزہ زندگی کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں ہم اپنے رب کریم کے مہمان ہوں گے اور وہ ہم سے اپنا وعدہ ''لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ'' پورا کرے گا کہ ہماری ہر خواہش اظہار سے پہلے پوری ہو گی اور ہر چیز مانگنے سے پہلے مل جائے گی۔ ''نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ'' یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے کیسا کریم مالک ہے جو غلاموں کو مہمان بنا رہا ہے اور ان کی میزبانی فرما رہا ہے۔ ہر میزبان اپنی شان کے مطابق

ہی اپنے مہمانوں کو نوازتا ہے میرے رب سے زیادہ بلند شان، وُسعت وقدرت والا کون ہوسکتا ہے۔ جنت میں اس کے دستر خوانِ کرم پر مہمانوں کی ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ مانگنے سے پہلے انہیں دے دیا جائے گا۔ بے شمار مہمان ہوں گے سب کی علیحدہ علیحدہ بے شمار خواہشات ہوں گی اور ہر خواہش پوری ہوگی۔ ''وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ'' اور وہاں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی جنتیوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہوگی اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی۔

اسی جنت کے بدلے اللہ نے ہمارے جان و مال کو خرید لیا ہے ''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ'' بیشک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ اب یہ جان و مال ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں جن کو ہمیں صرف اللہ ہی کی مرضی اور اجازت کے مطابق استعمال کرنے کا حق حاصل ہے تا کہ کل اللہ ہمیں اس کے بدلے جنت عطا فرمائے۔

جنت کی خوبیاں

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے اہل ایمان سے جو وعدے فرمائے ہیں ان میں سے ہر مشکل کو آسان کر دینے والا ایک ایمان افروز وعدہ جنت کا بھی ہے جسے وحی الٰہی میں مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورۂ محمد (ﷺ) کی جن آیات پر گفتگو جاری ہے ان میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جنت کا مژدہ دیتے ہوئے فرماتا ہے ''اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک کام کئے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ سورۃ النساء میں ہے ارشاد ہوا ''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا'' ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو ہم ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ''وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا'' یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا'' اور اللہ سے زیادہ سچ بات کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ سورۂ حج میں ہے ''اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝'' بیشک اللہ ایمان والوں اور نیکوکاروں کو ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سورۂ مجادلہ میں ہے ''وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا'' اور اللہ (اہل ایمان) کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی بے شمار نعمتوں میں سب سے زیادہ اہم وہ نہریں ہیں جو اس کے نیچے بہہ رہی ہیں کیونکہ تقریباً ہر جگہ جنت کا ذکر ان نہروں ہی کے ساتھ ہے یہ نہریں جنت کے حسن و جمال اور اس کی پرکشش فضا کا بنیادی حصہ ہوں گی۔ یہ چار نہریں ہیں۔ جیسا کہ اپنی دنیا کی آنکھوں سے جنت کو ملاحظہ فرمانے والے مخبر صادق ﷺ نے ہمیں بتایا کہ جنت کا بلندترین درجہ فردوس ہے۔ ''مِنْهَا تُفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةُ'' اس سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں۔ جنت الفردوس کے اوپر عرش الٰہی ہے۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا ''فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ

الفِرْدَوْس'' جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس ہی مانگو انہی چاروں نہروں کا حال زیر گفتگو آیات میں بیان ہو رہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ'' جس جنت کا وعدہ متقین سے یعنی اطاعت شعار اہل ایمان سے کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات یہ وضاحت کرتی ہیں کہ حقیقتاً جنت کے مستحق وہی مؤمنین ہیں جو زندگی کا ہر لمحہ، ہر لحظہ اللہ و رسول کے احکام کے مطابق بسر کرتے ہیں اور ان کے دامن پر گناہ کا کوئی معمولی داغ بھی نہ ہو۔ جبکہ آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد ہے ''من قال لا اله الا الله فدخل الجنة'' ہر کلمہ پڑھنے والا جنت میں جائے گا یہ اس محبوب ﷺ کا ارشاد ہے جن کی خوشنودی اللہ کو مقصود ہے لہٰذا ہم جیسے گناہگار بھی یقین رکھتے ہیں کہ جس آقا ﷺ کا کلمہ پڑھ کر ہم نے ان کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے وہ ضرور ہماری شفاعت فرمائیں گے کہ انہی کا وعدہ ہے۔ ''شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ'' اور رحیم و کریم رب ہمارے حق میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت ضرور قبول فرمائے گا اور متقین و صالحین کی معیت میں ہم بھی جنت میں داخل ہو سکیں گے بس اللہ کرے زندگی میں ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو کہ ہم بے سہاروں کے آسرا، شفیع المذنبین ﷺ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں اور ان کی نظر کرم سے محروم ہو جائیں کہ قیامت کے دن جس سے وہ نظر پھیر لیں گے اسے جنت ملنا تو در کنار اس تک جنت کی ہوا بھی نہ پہنچ سکے گی۔ اللہ محفوظ رکھے۔

غرضیکہ جنت ''اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' ان اہل ایمان ہی کے لئے ہے جو متقین ہیں، اطاعت گزار اور اطاعت شعار ہیں۔ جنت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں جو اس کے حسن و جمال کا ذریعہ ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی جنت کا ذکر آیا ہے تقریباً ہر جگہ ہی اس کے نیچے نہریں جاری ہونے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ نہریں کیسی ہوں گی اس سوال کا جواب ہمیں سورۂ محمد (ﷺ) کی اس آیت سے مل رہا ہے، فرمایا گیا۔

پانی کی نہریں

''فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ''...... جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس کی بو اور مزہ کبھی نہیں بگڑتا یعنی یہ نہر اگرچہ پانی کی ہو گی لیکن اس کا پانی اس دنیا کے پانی جیسا نہ ہو گا کہ دنیا کا پانی اگرچہ ہماری بنیادی ضرورت ہے۔ بے شمار فوائد سے پر ہے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے لیکن جنت کے پانی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں جس کی اہم ترین خصوصیت اس کا ''غَيْرِ اٰسِنٍ'' ہونا بیان کی جا رہی ہے کہ دنیا کے پانی میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد تغیر پیدا ہو جاتا ہے، رنگ بدل جاتا ہے، مزہ تبدیل ہو جاتا ہے، بدبو آنے لگتی ہے لیکن جنت کا پانی ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے یعنی زمزم جس کی خوبیوں اور فوائد سے ہم قدرے جنت کی اس نہر کے پانی کا اندازہ کر سکتے لیکن مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

دودھ کی نہریں

''وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ'' اور اس جنت میں ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ دودھ ہمارے دنیاوی دودھ سے کہیں زیادہ نفیس و اعلیٰ ہو گا جبکہ یہاں کا دودھ بھی ہمارے لئے نہایت اہم ہے کہ بچہ

ابتداءً اسی سے پرورش پاتا اور اپنی بنیاد یعنی ہڈیوں کو اسی سے مضبوط و مستحکم کرتا ہے پھر ساری زندگی ہماری غذا کا اہم ترین جز وہتا ہے۔ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے لئے فراہم کیا کہ مادہ جو غذا کھاتی ہے اسی سے فضلہ اور خون کے ساتھ دودھ بھی بنتا ہے اور پھر اللہ کی قدرت سے نہایت ہی صاف و شفاف صورت میں ہمارے لئے برآمد ہوتا ہے۔ سورۂ نحل میں اس کرشمۂ قدرت کا تذکرہ موجود ہے، فرمایا گیا ''وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ط'' اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں ایک عبرت ہے۔ ''نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ'' ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے شکموں میں ہے۔ گوبر اور خون کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو پینے والے کے لئے بہت ہی خوش ذائقہ ہے۔

اللہ اکبر، میرے رب کی کیا قدرت ہے کہ ایک ہی غذا سے حسب ضرورت تین چیزیں پیدا کی جارہی ہیں۔ نہ گوبر ضرورت سے زیادہ ہے اور نہ ہی خون اور دودھ پھر دودھ ہمارے حسین برتن میں آیا تو ہم نے نہ تو اس میں گوبر کی بو محسوس کی اور نہ خون کی رنگت دیکھی حالانکہ یہ فرث ودم کے درمیان تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی غافل و بے حس ہے کہ اللہ کی جن نعمتوں کو وہ ہر دم استعمال کرتا ہے ان کی حقیقت پر اسے غور کرنے کا کبھی خیال نہیں آتا ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ دولت ایمان سے محروم رہے۔ ''وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْۤ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ'' اہل یقین کے لئے قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں زمین میں بھی موجود ہیں اور تمہارے وجود میں بھی کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔

شراب کی نہریں

''وَاَنْھٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ'' اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہے۔ شراب تو دنیا میں بھی موجود ہے لیکن گندی ہے، نجس ہے، حرام ہے کہ اس میں لذت نہیں، ذلت ہے، خواری ہے، ہلاکت ہے، تباہی و بربادی ہے، فتنہ و فساد کی جڑ ہے، صحت و تندرستی، عقل و خرد، اخلاق و کردار، معاش و معاشرت غرضیکہ زندگی کے لئے زہر قاتل ہے۔ اللہ اپنے محبوب ﷺ کے محبوب غلاموں کے لئے ایسی مہلک چیز کو کب پسند فرما سکتا ہے۔ پس دنیا کی اسی شراب کو اہل ایمان کے لئے حرام و نجس قرار دیا گیا اور مژدہ سنایا گیا کہ ہم نے تمہارے لئے جنت میں شراب کی نہریں جاری کر رکھی ہیں۔ پس تم اس گندی شراب سے بچو اور ان چھلکتے جاموں کا انتظار کرو جو تمہیں جنت میں پیش کئے جائیں گے۔

قرآن کریم کارخانہ قدرت میں تیار شدہ جنت کی اس شراب کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس موقعہ پر ہم سورۂ دھر کی وہ اٹھارہ آیات نقل کرتے ہیں جن میں جنتی شراب کے ساتھ جنت کی دیگر نعمتوں کا ذکر ہے۔ بغور پڑھیے، جھومیے، ایمان تازہ کیجئے اور وہ اعمال اختیار کیجئے جو ان نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بن سکیں۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا ۚ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا ۝ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ۝ وَ

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۝ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝ وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۝ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ۝ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

(الدھر: ۵۔۲۲)

بیشک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں کافور کا پانی ملا ہوگا۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے (ابرار وہ ہیں) جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا اور وہ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ہی ترش (اور) سخت ہے پس بچالے گا انہیں اللہ اس دن کے شر سے اور عطا فرمائے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور اور عطا فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس وہ وہاں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ نہ دیکھیں گے وہاں سورج کی تپش اور سخت ٹھنڈک اور قریب ہوں گے ان کے اس کے (درختوں کے) سایہ اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے اور گھومائے جارہے ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشہ کے چمکدار گلاس (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پوری طرح بھرا ہوگا اور انہیں وہاں (ایسی شراب کے) جام پلائے جائیں گے جس میں زنجبیل ملی ہوگی (یہ زنجبیل) جنت کا ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے اور گھومتے رہیں گے ان کے اردگرد ایسے بچے جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہیں گے جب تم انہیں دیکھو تو گمان کرو کہ یہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور وہاں جدھر بھی تم دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت ہی نظر آئے گی ان کے اوپر لباس ہوگا باریک، سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا اور

انہیں پہنائے جائیں گے چاندی کے کنگن اور پلائے گا انہیں ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب (انہیں بتایا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں۔

جنت کی نعمت صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ہیں جن کا قرآن کریم میں جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے اور مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی موقع بہ موقع کچھ نعمتیں بتائیں۔ یہاں ہم جنتی شراب کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس فہرست میں شراب کی تین قسمیں بیان کی گئیں:

شراب کافور

کافور وہ نہیں جو ہم استعمال کرتے ہیں بلکہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جو پانی کی طرح سفید و چمکدار ہے۔ اس کی تاثیر بھی کافور کی طرح ٹھنڈی ہوگی اور مہک بھی کافور جیسی ہوگی جس کی ملاوٹ سے شراب کی لذت دوبالا ہو جائے گی اور اہل جنت اسے بہت پسند کریں گے۔

شراب زنجبیل

زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں۔ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کے پانی میں سونٹھ کی مہک اور ذائقہ ہے۔ اس چشمہ کا اصل نام قرآن کریم سلسبیل بتاتا ہے۔ سونٹھ کا شربت ہم بھی استعمال کرتے ہیں جو نہایت لذیذ اور مفید ہوتا ہے۔ جنت میں یہی پانی شراب میں ملا دیا جائے گا جس سے شراب نہایت ہی لذت دار ہو جائے گی۔

شرابِ طہور

یہ خالص شراب ہوگی جس میں نہ کافور کی مہک ہوگی اور نہ زنجبیل کا مزہ یہ اپنی دو خصوصیات کے سبب جنت کی سب سے اعلیٰ شراب ہے۔ اس کی ایک خصوصیت تو نہایت ہی پاکیزہ ہونا ہے اسی لئے اس کا نام ہی شراب طہور رکھا گیا ہے اور دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ جنتیوں کا میزبان رحیم و کریم آقا جل مجدہ بذات خود اپنے غلام مہمانوں کو اس شراب کے جام مرحمت فرمائے گا۔

حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مقربین اور محبوبین کو اپنے عرش کے نیچے شراب طہور کے بھرے جام خود بلاواسطہ پلائے گا جبکہ درمیانی درجہ والوں کو فرشتے شراب پلائیں گے اور عام جنتیوں کی اس خدمت پر غلمان یعنی نوجوان حسین لڑکے مامور ہوں گے۔

انہی غلمان کو آیات دہر میں ولدان فرمایا گیا جن کی ایک خوبی مخلّدون بیان ہوئی کہ وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہیں گے نہ کبھی ان کے جسم میں کوئی تبدیلی آئے گی نہ رنگ و روپ میں۔ دنیا جیسا حال نہ ہوگا کہ ہمارے بچے ہمارے ہی سامنے بڈھے ہو جاتے ہیں نہ بچپن جیسی شوخی رہتی ہے اور نہ بھولا پن، انہی ولدان کی دوسری خوبی لؤلؤا منثورا ہے یعنی اپنے چھوٹے چھوٹے قدوں، حسن و جمال، رنگ و روپ اور چمکتے دمکتے چہروں کے سبب بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح نظر آتے

ہوں گے۔ غلمان کا ذکر سورۂ طور میں اس طرح کیا گیا ہے کہ ''يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ'' اور چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام ایسے معلوم ہوتے ہوں گے جیسے وہ چھپے موتی ہیں۔

شہد کی نہریں

''وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى'' اور جنت میں شہد کی نہریں ہیں جو صاف ستھرا ہے۔ شہد اللہ کی نعمتوں سے ایک عظیم نعمت ہے جو ہمارے لئے لذیذ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ میرے آقا شافی الامراض ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلَاثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِّنَ الْبَلَاءِ'' جس نے ہر مہینہ صبح کے وقت تین دن شہد چاٹا اسے کوئی بڑی بیماری نہ ہوگی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ''عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ'' دو شفاؤں (دواؤں) کو اپنے لئے لازم کرلو (بلا ناغہ استعمال کیا کرو) شہد اور (تلاوت) قرآن مجید تحقیق کے مطابق شہد سو بیماریوں سے زیادہ کے لئے ذریعہ علاج ہے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے ہمارے لئے ایک مکھی کو کارخانہ شہد بنادیا جو پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے یہی رس چند دن بعد شہد کی صورت میں ہمیں فراہم کرتی رہتی ہے۔ قدرت کا عجوبہ یہ ہے کہ یہ مکھی دیگر مکھیوں کی طرح کبھی گندگی پر نہیں بیٹھتی نیز اس کثرت سے ہوتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک وشہر میں پائی جاتی ہے اور ساری دنیا اس سے فراہم کردہ شہد کو استعمال کرتی ہے۔ پر لطف بات یہ ہے کہ یہ بے حد زہریلی بھی ہوتی ہے اگر غضبناک ہوکر چند مکھیاں انسان کو چمٹ جائیں تو اس کی موت واقع ہوسکتی ہے اکثر یہ گلے پر چمٹتی ہے اس کے کاٹنے سے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے۔

سورۂ نحل کی یہ آیۂ مبارکہ ملاحظہ ہو جس میں اللہ قادر مطلق جل مجدہ نے اپنی اس عظیم مخلوق کا ذکر کرتے ہوئے اہل عقل کو کارہائے قدرت پر غور وفکر کی دعوت دی ہے ''وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ'' اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ''اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ'' وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے چھپروں (چھتوں) میں چھتے بنائے۔ ''ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ'' پھر ہر قسم کے پھلوں کا رس چوسا کرے۔ ''فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا'' پھر اپنے رب کی آسان کردہ راہوں پر چلتی رہا کرے (اس عمل کے بعد) ''يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ'' اس کے پیٹ سے ایک ایسا مشروب نکلتا ہے جس کا رنگ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگوں کے لئے شفا کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ''اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ'' بلاشبہ اس میں (ہماری قدرت کی) نشانی ہے عقل والوں کے لئے بلاشبہ یہ قدرت کی نشانی ہے کہ مکھی رس چوستی ہے اس کو شہد میں منتقل کرتی ہے۔ ہمارے لئے شہد کا خزانہ فراہم کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز سے نہایت محفوظ ومضبوط چھتا بناتی ہے۔ ایک ہی مخلوق سے برآمد ہونے والا یہ لعاب ایک ہی رنگ کا ہونا چاہئے تھا جیسے دودھ ہر عورت کا اور ہر جانور کا صرف سفید ہی ہوتا ہے لیکن شہد مختلف رنگ کا ہوتا ہے پھر مکھی کا یہ لعاب ہماری ایک بہترین غذا اور دوا بنتا ہے۔ کیا یہ سب باتیں قابل غور نہیں کیا ان سے ایک اللہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا کیا اس کی وسیع قدرت کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ ہاں یہ سب باتیں اہل عقل کے لئے قابل غور ہیں۔ پس جو عقلمند ہیں وہ ان پر غور

بھی کرتے ہیں اور اس کے نتائج کو قبول بھی کرتے ہیں اور جو صرف عقل کے دعویدار ہیں درحقیقت عقلمند نہیں وہ اللہ کی ان نعمتوں سے صرف فائدہ ہی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ جانوروں کی طرح انہیں استعمال تو کرتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ یہ نعمتیں انہیں کس کارخانہ سے فراہم کی جارہی ہیں اور وہ کارخانہ کس کی قوت وطاقت سے چل رہا ہے، کون اس کا مالک ہے اور وہ اپنی ان عجیب وغریب نعمتوں کے بدلے ہم سے کیا چاہتا ہے۔

جنت کے پھل

''وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ'' اور ان کے لئے جنت میں ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ ان پھلوں کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ بظاہر دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ سورۂ بقرہ میں اس کیفیت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ''وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) خوشخبری دیجئے اہل ایمان اور نیک کام کرنے والوں کو۔ ''اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ'' کہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ''كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا'' جب انہیں جنت کے پھلوں میں کوئی پھل کھلایا جائے گا۔ ''قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ'' (تو صورت دیکھ کر) وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے (دنیا میں) کھلایا جا چکا ہے۔ ''وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا'' حالانکہ انہیں صورتاً ملتا جلتا پھل دیا گیا ہے (جو ذائقہ میں مختلف ہے)۔

قرآن کریم میں ان جنتی پھلوں کا ذکر متعدد آیات میں مختلف انداز سے موجود ہے۔ سورۂ یٰس شریف میں ہے ''لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ'' ان کے لئے وہاں طرح طرح کے پھل ہوں گے اور انہیں ہر وہ چیز ملے گی جسے وہ طلب کریں گے۔ سورۂ زُخرف میں ہے ''لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ'' جنت میں تمہارے لئے بکثرت پھل ہوں گے جو تم چاہو گے کھاؤ گے۔ بعض ایسے پھلوں کے نام بھی بیان فرمادیئے گئے جو عموماً دنیا میں پسند کئے جاتے ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں ہے ''فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ'' جنت کے دو باغوں میں پھل ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سورۂ نباء میں ہے ''حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا'' (متقین کے لئے جنت میں) باغات اور انگور ہیں۔ غرضیکہ جنت میں ایک ہی شکل وصورت لیکن مختلف مزے والے پھل جنتیوں کو فراہم کئے جائیں گے۔

جنتیوں کی مغفرت:

''وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ'' اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کہ جو بوسیلہ شفاعت نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت کے مستحق قرار پائیں گے اور اللہ رحیم ورحمٰن اپنے فضل وکرم سے انہیں جنت میں داخل فرمانے کا مژدہ دے گا۔ ان کی مغفرت اور بخشش کا بھی اسی وقت اعلان کردیا جائے گا تاکہ انہیں دوبارہ اپنے حساب وکتاب کا خطرہ نہ رہے اور وہ مطمئن ہو کر جنت کی نعمتوں سے فیض حاصل کرسکیں۔ اعلانِ مغفرت سے پہلے جو ان پر ایک خوف طاری تھا اب وہ ختم ہوجائے گا اور ان کے دل مطمئن ہوجائیں گے کہ مؤمن کو سب سے زیادہ اپنی مغفرت اور بخشش ہی کی فکر رہتی ہے اسی لئے اہل ایمان دنیا میں ساری زندگی رب کے حضور روتے ہی رہتے ہیں اور اُس سے اپنی مغفرت کی بھیک مانگتے رہتے ہیں۔ مغفرت کی فکر ہی

کے باعث وہ دنیا کی بے شمار لذتوں کو ترک کر دیتے ہیں جب ان کے لئے جنت میں داخل ہونے کا فیصلہ ہوگا اور ساتھ ہی ان کی بخشش کا اعلان کیا جائے گا تو انہیں اطمینان و سکون نصیب ہوگا اسی لئے انہیں نفس مطمئنہ کے خطاب سے نوازا جائے گا۔ ''يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً'' اے نفس مطمئنہ واپس آ جا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے (اور) وہ تجھ سے راضی۔ ''فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ'' پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔ اسی بے فکری اور اطمینان و سکون کی وضاحت کرتے ہوئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا ''مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ وَلَا يَبْاَسُ'' جو جنت میں داخل ہوگا مطمئن ہوگا، غمگین نہ ہوگا۔ ''وَيَخْلُدُ وَلَا يَمُوْتُ'' اور ہمیشہ رہے گا اور موت نہ آئے گی۔ ''وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهُمْ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ'' اور نہ ہی ان کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ ہی جوانی فنا ہوگی۔

غور فرمایا جنت میں کیسا آرام و اطمینان ہوگا حتیٰ کہ اس نعمتوں بھری دنیا سے نہ تو کبھی نکلنے کا خوف ہوگا نہ موت کا ڈر ہوگا نہ کپڑے پرانے اور بوسیدہ ہو جانے کا ڈر ہوگا اور نہ شباب ڈھل جانے کا خطرہ ہوگا۔ بس جنتی رب کی عطا کردہ نعمتوں سے خوب خوب فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

جنت کی چند دوسری نعمتیں

آپ نے جنت کی نہروں اور کچھ نعمتوں کا حال پڑھا۔ انشاء اللہ ہم ''جنت و دوزخ'' کے عنوان پر جلد ہی ایک کتاب پیش کریں گے۔ یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے جنت کی چند دوسری نعمتوں کا ذکر کرتے چلیں تاکہ ہمارا یہ مضمون مزید پرلطف ہو جائے لیکن پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ جنت کی کسی بھی نعمت کی تشبیہ دنیا کی کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی اسی لئے اس کی کیفیت، صورت و شکل کا صحیح اندازہ کر لینا ممکن نہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا سورۂ سجدہ میں ہے ''فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ'' کوئی نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ حدیث قدسی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آقا ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اَعْدَدْتُ لِعِبَادِىَ الصّٰلِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ'' میں نے اپنے بندوں کے لئے کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھیں ہیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

مالک جنت ﷺ نے جب چاہا نظر اٹھائی اور جنت کو دیکھا بالخصوص سفر معراج میں آپ کو اس کا تفصیلی معائنہ کرایا گیا۔ آپ نے ہم غلاموں کا اشتیاق جنت بڑھانے کے لئے اس کی بعض کیفیات بیان فرمائیں۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ''مَوْضَعُ سَوْطٍ فِى الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا'' جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ سوط کوڑا رکھنے یا ایک چھوٹی سی جگہ کو کہتے ہیں۔ میرے آقا ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جنت کا ایک معمولی چھوٹا سا کونہ بھی دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے ورنہ جنت میں نہ کوڑا کرکٹ ہوگا اور نہ ہی

گندگی اور غلاظت۔ آپ فرماتے ہیں ''وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ'' جنت میں تمہاری کمان برابر جگہ بھی ان سب چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے یعنی جنت کی ایک چھوٹی سی جگہ بھی پوری دنیا سے بہتر ہے۔

قرآن کریم جنت کی وسعت وفراخی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے ''وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے ہمارے سمجھانے کے لئے جنت کی چوڑائی کا یہ ایک اندازہ بیان کیا گیا ہے حقیقت تو اللہ ہی جانے کہ اس کی چوڑائی کتنی ہوگی اور جب چوڑائی کا یہ حال ہے تو لمبائی کا کیا حال ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعٰلَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْۤ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ'' جنت میں سو درجے ہیں اگر سارے جہانوں کو جمع کرلیا جائے تو ان میں سے ایک میں سما جائیں گے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے جنتیوں کے لئے پاکیزہ حسین وجمیل بیویوں کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا، سورۂ بقرہ میں ہے ''وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ'' اور جنتیوں کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ایسی پاک وصاف ہوں گی کہ نہ تو انہیں جسمانی طور پر کوئی ناپاکی اور گندگی لاحق ہوگی اور نہ ہی ان کے اخلاق وکردار میں کوئی عیب ونقص ہوگا۔ سورۂ طور میں ارشاد ہے ''مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ وَّزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ'' جنتی (نہایت اطمینان ومسرت کے ساتھ) بچھی ہوئی مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور ہم گوری گوری حسین آنکھوں والیوں سے ان کا بیاہ کردیں گے۔ سورۂ صٓ میں فرمایا گیا ''وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ'' اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ایک جیسی عورتیں ہوں گی۔ ''قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ'' یعنی ایسی باحیاء وباشرم عورتیں جو اپنے خاوند کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گی۔ ''اَتْرَابٌ'' آپس میں محبت کرنے والی یا حسن وجمال اور عمر میں یکساں عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ دنیا کی نیک بیویاں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ ہی جنت میں جائیں گی۔ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ''اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ'' داخل ہو جاؤ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی۔

سورۂ رحمٰن میں جنتی بیویوں کی چند خوبیاں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ''فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ'' ان میں نیچی نگاہوں والی (شرمیلی حوریں) ہوں گی جنہیں ان (جنتیوں) سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ ہی کسی جن نے یعنی کنواری ہوں گی۔ پھر ارشاد ہوا کہ وہ ایسی حسین وجمیل ہوں گی ''كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ'' گویا (چمکتے دمکتے) یاقوت اور مرجان ہیں۔ ان کی عادات واخلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ''فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ'' ان میں اچھی سیرت والیاں اور اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ یعنی اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال ہوں گی اور ظاہری حسن وجمال میں بھی بے نظیر ہوں گی۔ یہ بیویاں آج کل کی عورتوں کی طرح اپنے حسن وجمال کی نمائش کرنے والی بے پردہ گھومنے

والی نہ ہوں گی بلکہ "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ" یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ہوں گی۔ حور اس جنتی عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھ کی سفیدی خوب سفید ہو اور پتلی خوب سیاہ ہو عورت کی یہ خوبی اس کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔

میرے آقا ﷺ نے جنتی عورتوں کے حسن و جمال کے متعلق فرمایا "وَلَوْ اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ نِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَآءَتْ مَا بَيْنَهُمَا" اگر جنتی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو (جنت و زمین) دونوں کی درمیانی جگہ چمک اٹھے گی۔ "وَلَمَلَاَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا" اور خوشبو سے بھر جائے گی۔ "وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا" اور اس کے سر کا دوپٹہ دنیا اور اس کی ساری متاع سے زیادہ قیمتی ہو گا۔

حوروں کے حسن و جمال کا تو کیا کہنا وہ جنتی عورتیں بھی جنت میں داخل ہو کر نہایت ہی حسین ہو جائیں گی جو اپنے شوہروں کے ساتھ جنت میں پہنچیں گی۔ ان جنتی بیویوں کی نورانیت ان کا حسن و جمال اتنا ہو گا کہ ہماری دنیاوی آنکھیں ان کی تاب نہ لا سکیں گی لہٰذا اللہ رب العزۃ ہماری آنکھوں اور دیگر قوتوں میں بھی اتنا اضافہ فرمائے گا کہ ہم جنتی عورتوں اور جنت کی دوسری نعمتوں کو بلا تکلف دیکھ سکیں گے اور استعمال کر سکیں گے۔

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے مہمانوں یعنی جنتیوں کی ہر خواہش پوری کرے گا۔ ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ رب رحیم و کریم کس حد تک جنتیوں کی خواہش پوری فرمائے گا:

> "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے سوال کیا کہ کیا جنت میں گھوڑا بھی مل سکے گا (شاید یہ صاحب گھڑ سواری کے شوقین ہوں گے) آقا ﷺ نے فرمایا اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے اور یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سواری کی تم خواہش کرو جو جنت کی تمہیں سیر کرائے تو اللہ تمہاری یہ خواہش پوری فرمائے گا پھر ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا وہاں اونٹ ملے گا تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک عام جواب عطا فرمایا "اِنْ يُّدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَّكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ" اگر اللہ تمہیں جنت میں داخل کر دے تو اس میں ہر وہ چیز ہو گی جسے تمہارا دل چاہے گا اور جس سے تمہاری آنکھ کو لذت حاصل ہو گی۔ یعنی گھوڑا اور اونٹ ہی کیا اس کے علاوہ بھی جنتی جو بھی خواہش کرے گا اور جو بھی دیکھنا چاہے گا اسے دیا جائے گا اور دکھایا جائے گا۔"

آخر میں ایک طویل حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جس میں جنت کی نعمتوں کا مزید ذکر ہے۔ راوی ہیں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اور تمہیں جنت کے بازار میں جمع کرے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا جنت میں بھی بازار ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بتایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں ان کے اعمال کے مطابق علیحدہ علیحدہ درجات میں رکھا جائے گا پھر وہ ہر جمعہ ایک جگہ جمع ہوا کریں گے جہاں وہ

اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اللہ کا عرش ان پر ظاہر ہو گا اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں اللہ ان پر تجلی فرمائے گا اور ان کے لئے نور، موتی، یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے منبر رکھے جائیں گے اور ان میں ادنیٰ درجہ والا مشک اور کافور کے ٹیلہ پر بیٹھے گا اور وہ یہ محسوس نہ کریں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں کیا تم سورج اور چودھویں کے چاند کو دیکھنے میں شک کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح تم جنت میں اپنے رب کو دیکھنے میں شک نہ کرو گے۔ اس مجلس میں کوئی شخص باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے موجود ہو گا پھر ان میں سے اللہ ایک شخص سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں کیا تو انکار کرتا ہے کہ تو نے دنیا میں ایک دن ایسا ایسا کہا تھا اور اللہ اسے اس کی نافرمانی کے چند واقعات یاد دلائے گا۔ وہ عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے بخش نہیں دیا۔ اللہ فرمائے گا کیوں نہیں میری مغفرت کی وسعت سے ہی تو تو اس مقام تک پہنچا ہے۔ اسی دوران ان پر ایک بادل چھا جائے گا اور بارش ہونے لگے گی جو ایسی خوشبودار ہو گی کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی کو میسر نہ آئی ہو گی۔ ہم اس بازار میں آئیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوا ہو گا کہ اس جیسا بازار نہ آنکھوں نے دیکھا ہو گا اور نہ کانوں نے سنا ہو گا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا ہم جو چیز چاہیں گے ہمیں دے دی جائے گی۔ اس میں خرید و فروخت نہ ہو گی بلکہ اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اس بازار میں ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے سے ملے گا جبکہ کوئی جنتی ادنیٰ نہ ہو گا وہ ادنیٰ درجہ والا اعلیٰ درجہ والے کا لباس دیکھے گا تو اسے بہت پسند آئے گا ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہو گی کہ اس کے اوپر اس سے بھی بہترین لباس ہو گا اور یہ اس لئے کہ وہاں کسی کو غمگین نہ ہونے دیا جائے گا پھر ہم اس بازار سے اپنی قیام گاہوں کی طرف واپس ہوں گے جہاں ہماری بیویاں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی وہ ہمیں دیکھ کر خوش ہوں گی اور حیرت سے کہیں گی آپ کا تو حسن و جمال اور بھی زیادہ ہو گیا تو ہم کہیں گے "اِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا اَنْ نَنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا" آج ہم اپنے رب کے پاس بیٹھے تھے اور ہمارا یہ حق تھا کہ اسی طرح لوٹتے جس طرح لوٹے ہیں (رب کے دربار میں حاضری کے سبب ہمارے حسن و جمال کی یہ کیفیت ہے جس پر تمہیں تعجب ہو رہا ہے)۔

اے ایمان والو! ہمارے رب کریم نے دنیا میں ہمیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کا یہ حال ہے کہ "اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو یہ ناممکن ہے پھر جنت جہاں نعمتوں کے سوا کچھ نہیں وہاں کی نعمتوں کو کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ نہ پوچھو کہ جنت میں کیا کیا ملے گا ہاں یہ پوچھو اور اس کی فکر کرو کہ جنت کیسے ملے گی تو جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمانے والے رب ہی نے بتا دیا کہ جنت متقین کے لئے ہے۔ پس تم متقی بن جاؤ یقیناً جنتی ہو جاؤ گے یہاں اللہ کی مانو، وہاں اللہ تمہاری مانے گا یہاں خواہشات کو دباؤ وہاں ہر خواہش پوری ہو گی، یہاں قاسم جنت ﷺ کے دامن سے وابستہ رہو۔ ان کی اتباع و پیروی کرو وہاں وہ تمہارے بغیر جنت میں داخل نہ ہوں گے، اللھم

اجعلنا من الصالحين وادخلنا الجنة مع الابرار بجاه سید الابرار ﷺ

جہنم کی ہولنا کیاں

''كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاءَ هُمْ''(سوچو) کیا یہ لوگ ان کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ دعوت فکر ہے کہ جن بندوں پر دنیا و آخرت میں اللہ کے خصوصی انعامات کی برسات برس رہی ہو کہ ہر حال میں خود اللہ ان کا معین و مددگار ہو اور آخرت میں نعمتوں سے بھری جنت ان کی منتظر ہو کیا وہ خوش نصیب ان بدبختوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ ہو جہاں انہیں سوائے کھولتے پانی کے کچھ نصیب نہ ہوگا لہٰذا اہل ایمان کو صرف اپنے اللہ پر توکل واعتماد کرنا چاہئے۔ اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا چاہئے تا کہ دنیا کا ہر مرحلہ ان کے لئے آسان ہو سکے اور آخرت میں وہ اللہ کے مہمان ہونے کا شرف پاسکیں۔

قرآن کریم میں جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد بار بیان کیا گیا تا کہ اہل ایمان اس سے اللہ کی پناہ مانگیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں ہر وقت اپنی اصلاح کرتے رہیں اور اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی کا حصول اپنا مقصد حیات بنا لیں۔ نیز کفر کرنے والو پر اتمام حجت ہو سکے کہ کل قیامت کے دن وہ جہنم اور اس کے ہولناک عذاب کو جاننے سے انکار نہ کر سکیں کہ دنیا ہی میں وحی الٰہی کے ذریعہ انہیں بتایا جا چکا ہے کہ اللہ و رسول سے بغاوت کا انجام کیا ہوگا۔ سورۂ توبہ ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت ہی بڑی رسوائی ہے، ذلت وخواری جن کا مقدر بن چکی ہے وہ ظاہری وسائل، دولت کی فراوانی، حکومت و اقتدار کی قوت کو اپنے لئے ذریعہ عزت جانیں یہ ان کی بڑی ہی بھول اور غلط فہمی ہے جن کا ابدی ٹھکانہ جہنم ہے وہ کیسے عزت والے ہو سکتے ہیں وہ اس زمین پر کتنا ہی اکڑ کر چلیں کتنے ہی ظلم و ستم کریں لوگوں سے اپنی قوت و طاقت کا لوہا منوانے کی کتنی ہی کوشش کرتے رہیں لیکن وہ ذلیل وخوار ہی رہیں گے عزت کی یہی غلط فہمی تو انہیں لے ڈوبی جب بھی انہیں دعوت حق دی گئی جھوٹی عزت ہی ان کے آڑے آئی۔ سورۂ بقرہ میں ہے'' وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ'' جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈرو تو گناہوں اور سرکشی کی عزت کے زُعم نے انہیں مزید گناہوں پر آمادہ کیا ایسے مغرور و متکبر لوگوں کے لئے (آج) جہنم کافی ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس جسے واقعی عزت کی خواہش ہے وہ اپنی غلط فہمی دور کر لے جھوٹی عزت کا لبادہ اتار پھینکے خود کو عزت والا سمجھنا چھوڑ دے، عزت بخشنے والے آقا ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرمانبردار بن جائے بڑی عزت ملے گی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سورۂ فاطر میں ہے'' مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ'' جو عزت کا طلب گار ہو (وہ خوب جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت بخش دیتا ہے اور

جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ''اسی کی شان ہے ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ''اور عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں ہی کے لئے ہے پس عزت طلب کرو اللہ کی اطاعت کر کے رسول کے غلام بن کر اور اہل ایمان کی صحبت اختیار کر کے۔

سوچنا چاہئے کہ وہ عزت والے کیسے ہو سکتے ہیں جن کا''فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ'' کوئی مددگار نہ ہو اور جن کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہو جس میں انہیں پانی تک ایسا کھولتا ہوا پلایا جائے گا جس سے ان کی آنتیں کٹنے لگیں گی۔ کیا یہی انجام ہوتا ہے عزت والوں کا بواسطہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان جھوٹی عزت کے دعویداروں کے لئے پیغام الٰہی ہے۔ سورہ آل عمران میں ہے: ''قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ'' آپ کفر کرنے والوں کو بتا دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور فرمایا گیا:''اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ''تو کیا رضائے الٰہی کی پیروی کرنے والا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو (اپنے کفر کے سبب) اللہ کی ناراضگی کا حقدار بن گیا ہے (جبکہ) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے او وہ بہت ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کفار کی تعریف

ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ کفار سے ہرگز مرعوب نہ ہوں بلکہ اللہ ورسول کے ارشادات کی روشنی میں ان کی حقیقت کو پہچانیں ان کے یہ مادی وظاہری وسائل جن پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں ''مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ '' یہ چند روز کے ہیں بالآخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ''وَبِئْسَ الْمِهَادُ ''اور یہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ قرآن کریم کی چند آیات نقل کی جاتی ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو کفار کی ذلت وخواری اور بدترین انجام کا اندازہ ہو سکے جو ان کے ظاہری کروفر اور شعبدہ بازی سے متاثر ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں جبکہ انہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ کفر ایک ایسا بدترین عقیدہ ہے جو ساری خوبیوں اور کمالات کے باوجود انسان کو جانور سے بدتر بنا دیتا ہے اور کسی بھی اعتبار سے کفر کرنے والا قابل تعریف نہیں رہتا اسی لئے کافر کی تعریف کرنا حرام ہے۔ حیرت ہے اللہ پر ایمان رکھنے والا اور اس کے فضل وکرم سے دنیا وآخرت میں عزت کا مستحق قرار دیئے جانے والا مؤمن کس طرح جہنم کے گڑھے میں دھکیلے جانے والے اللہ ورسول کے باغی اور اپنے دشمن کی تعریف کرتا ہے۔ ان کے ملکوں کے قصیدے پڑھتا ہے۔ اپنی آزادی پر ان کی غلامی کو ترجیح دیتا ہے، ان کی تہذیب پر فریفتہ ہوتا اور جان چھڑکتا ہے۔ یقین جانئے اس کا سبب کفار کی خوبیاں نہیں بلکہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمزوری بڑھتی رہے اور اللہ نہ کرے ہم دولت ایمان سے محروم ہو جائیں۔ پس ایسے مصلحین سے رابطہ قائم کیجئے جن کی صحبت وتربیت تقویت ایمان کا باعث بنے اور اللہ ورسول کے ارشادات پر غور کیجئے تاکہ کفار ومشرکین کی محبت سے دل پاک وصاف ہو سکے۔ فی الحال ان چند آیات پر غور کیجئے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء:۱۱۵)

اور جو مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لئے ہدایت کی راہ اور اس راہ پر چلے جو مسلمانوں کی راہ سے الگ ہے تو ہم اسے پھرنے دیں گے جدھر وہ پھرا اور (بالآخر) ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ بہت ہی بری پلٹنے کی جگہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًاۙ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا﴿۱۶۹﴾ (النساء:۱۶۸،۱۶۹)

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ نہ ان کی بخشش کرے گا اور نہ ہی انہیں سیدھی راہ دکھائے گا سوائے جہنم کی راہ کے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴿۴۱﴾ (اعراف:۴۱)

ان (کفار) کے لئے دوزخ (کی آگ کا) ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖؗ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۟ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۟ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴿۱۷۹﴾ (اعراف:۱۷۹)

اور بیشک ہم نے پیدا کئے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے (دلائل حق کو) دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے (حق کی باتوں کو) سنتے نہیں وہ حیوانوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ تو غافل ہیں۔

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴿۴۹﴾ (توبہ:۴۹)

بیشک جہنم گھیرے ہوئے کافروں کو۔

ان چند آیات پر غور کے بعد آخر میں اللہ کا یہ پیغام سن لیجئے:

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

پس تم ان سے منہ پھیر لو بیشک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

کفار سے نفرت کرو منہ پھیر لو قلبی دوست نہ بناؤ کیونکہ یہ ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے ناپاک ہیں، جہنمی ہیں جبکہ تم مؤمن ہو ایمان نے تمہیں ہر اعتبار سے پاک کر رکھا ہے اور تمہیں جنت کا حقدار بنا دیا ہے۔

عذابِ جہنم

قرآن کریم میں جہاں جنت اور اس کی پرکشش نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہیں جہنم اور اس کی ہولناک اور دردناک

عذاب کا بھی ذکر موجود ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ط ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ق وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾ (الحج:۱۹۔۲۲)

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے تیار کر دیئے گئے ہیں کپڑے (جہنم کی) آگ کے انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا رنج و تکلیف کے سبب اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھو۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ج لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ط كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَ هُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ج رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾ (فاطر:۳۶،۳۷)

اور کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے (اس میں) نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو بدلہ دیتے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں چیختے چلاتے ہوں گے (کہتے ہوں گے) اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال دے ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کرتے رہے (جواب دیا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کر لیتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (بھی) لیکن تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب مزہ چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ (صٰفٰت:۶۲۔۶۷)

بھلا یہ (جنت کی نعمتوں کی) دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسے ظالموں کے لئے آزمائش بنا دیا ہے بیشک وہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں اس کے شگوفے گویا سر ہیں شیطانوں کے پس

انہیں ضرور کھانا پڑے گا اس (زقوم) سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ پھر انہیں زقوم کھانے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(دخان: ۴۳-۵۰)

بیشک زقوم کا درخت گناہ گار کی خوراک ہوگا (وہ) پگھلے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے (حکم ہوگا) اس (بدبخت) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ وسط جہنم میں پھر انڈیلو اس کے سر پر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے لو چکھو تم بڑے معزز و مکرم (بنتے) ہو یہ وہ (عذاب) ہے جس میں تم شک کرتے تھے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

(الواقعہ: ۴۱-۵۶)

اور بائیں ہاتھ والے کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی (یہ بدنصیب) جھلتی لو اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ بیشک یہ لوگ پہلے (دنیا میں) بڑے خوش حال تھے اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے (اور) کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (زندہ کیا جائے گا یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والوں، اے جھٹلانے والوں، حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے اپنے پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے یہ ہوگی ان کی ضیافت قیامت کے دن۔

زَقُّوم ایک نہایت ہی بدشکل، کڑوا اور بدبودار جہنم کا درخت ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے بتایا ''لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَائِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامَهٗ'' اگر زقوم کے عرق کا ایک قطرہ بھی دنیا والوں پر ٹپکا دیا جائے تو ان کی زندگی برباد ہو جائے گی تو (سوچو) اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی یہ درخت ہوگا۔

زَقُّوم جیسا ایک درخت زمین پر بھی ہوتا ہے جسے تھوہر کہا جاتا ہے یہ خودرو، نہایت کڑوا اور زہریلا ہوتا ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کو جانور تک نہیں کھاتے چاہے وہ کتنے ہی بھوکے ہوں۔ جہنمیوں کو بھوک کی حالت میں یہی درخت کھلایا جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ بطور مشروب کھولتا ہوا پانی ملے گا۔

وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ (ص: ۵۵۔۶۴)

اور یقیناً سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہوگا (یعنی) جہنم وہ اس میں داخل ہوں گے تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں (پئیں) اور اس کے علاوہ اسی طرح کا دوسرا عذاب ہے یہ (لو) دوسری فوج گھس رہی ہے تمہارے ساتھ انہیں کوئی خوش آمدید نہیں بیشک وہ (بھی) ضرور آگ تاپنے والے ہیں (جہنمی) کہیں گے تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے ہی ہمارے لئے اس عذاب کو آگے کیا پس یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اور کہیں گے) اے ہمارے رب جس (بدبخت) نے یہ عذاب ہمارے لئے آگے کیا ہے پس اس کا عذاب آگ میں دوگنا بڑھا دے (اور) کہیں گے ہمیں وہ لوگ (یہاں) کیوں نظر نہیں آرہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے (اور) ہم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے یا ان کی طرف سے ہماری آنکھیں پھر گئی ہیں یقیناً یہ سچ ہے کہ دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ (النبا: ۲۱۔۲۶)

بیشک جہنم منتظر ہے (کفار کا) (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے (وہ) اس میں سالہا سال (ہمیشہ) پڑے رہیں گے وہ نہ چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پانی سوائے کھولتے پانی اور پیپ کے (یہ ہے ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔

غسّاق نہایت گندے بدبودار مواد کو کہتے ہیں جسے پیپ کہا جاتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غسّاق کی شدید بدبو کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ''لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِّنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَاَنْتَنَ اَهْلُ الدُّنْيَا'' اگر غسّاق کا ایک ڈول دنیا میں بہادیا جائے تو دنیا والے سارے بدبودار ہوجائیں۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جہنم کے ہولناک عذاب کو متعدد نام دیئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: عذابٌ الیم، عذابٌ عظیم، عذابُ یومٍ عقیم، عذابٌ مقیم، عذابُ الحریق، عذابٌ غلیظ، عذابُ یومٍ عظیم، عذابٌ مهین، عذابُ یومٍ محیط، عذابُ یومِ الظلہ، عذابُ السموم، عذابُ السّعیر، عذابٌ شدید، عذابٌ قریب، عذابُ الاکبر، سُوءُ العذاب، عذابُ الخُلد۔ یہ تمام الفاظ عذاب کی ہولنا کی اور شدت کو واضح کر رہے ہیں۔

اے ایمان والو! کفار و مشرکین تو جہنم کے ہولناک عذاب کا حال پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کے پاس نہ تو بصارت والی آنکھیں ہیں نہ حق کو سننے والے کان اور نہ ہی حق کو سمجھنے والے دل اسی لئے وہ کوئی اثر قبول نہیں کر پاتے بلکہ اللہ کے بیان کردہ ان حقائق کا مزید انکار کرتے ہیں۔ ہاں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور و روشن کیا ہے اسی لئے جب ہم جنت کی نعمتوں کا حال پڑھتے ہیں تو تڑپ اٹھتے اور اس میں داخل ہونے کے لئے مضطرب ہوجاتے ہیں۔ یہ دنیا اور اس کی تمام نعمتیں ہمیں ہیچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور جہنم کے دردناک و ہولناک عذاب پر غور کرتے ہیں تو خوف الٰہی سے ہمارے دل کانپنے لگتے اور جسم کا رونکٹا، رونکٹا کھڑا ہوجاتا ہے لیکن یہ کیفیت اسی وقت مفید ہوسکتی ہے جب ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوکر زندگی بسر کریں تو ہم یقیناً جہنم کی سزا سے نجات حاصل کرسکتے ہیں کہ جہنم کا تو معمولی عذاب بھی ناقابل برداشت ہوگا۔ میرے آقا ﷺ بتاتے ہیں ''اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَّهٗ نَعْلَانِ وَ شِرَا كَانِ مِنْ نَّارٍ'' جہنم کا سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے۔ ''يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ'' ان دونوں سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولے گا۔ ''مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا۔'' وہ نہیں سوچے گا کہ اس سے بہت سخت عذاب کسی کو ہو رہا ہوگا حالانکہ اس کا عذاب سب سے ہلکا ہوگا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

پس دوستو! ہمیں وہ تمام بدعملیاں قرآن و حدیث میں تلاش کرنا چاہیں جو مؤمن ہوتے ہوئے بھی ہمارے لئے عذاب جہنم کا سبب بن سکتی ہیں مثلاً میرے آقا ﷺ نے واضح طور پر بتایا کہ ''اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ'' کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ ایسی ہی اور بے شمار بدعملیاں ہیں جو آج ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں جبکہ ہم قرآن کریم کو پڑھتے بھی ہیں سنتے بھی ہیں۔ جنت کا ذکر ہو تو خوش بھی ہوتے ہیں جہنم کا ذکر ہو تو کانپنے بھی لگتے ہیں لیکن ہمارے دل اتنے سخت ہوچکے ہیں اور ہم پر بدعملی کا اتنا زنگ چڑھ چکا ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور برائیوں سے بچنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ پس ہمیں اللہ ہی سے دعا کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے دلوں میں اپنے کلام کا ایسا اثر پیدا فرما

دے جو اعمال کی درستگی اور گناہوں سے توبہ کا ذریعہ بن جائے۔

''وَمِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ'' اوران میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف یہ ان منافقین کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو دربار رسالت مآب ﷺ میں اہل ایمان کے ساتھ موجود ہوتے تھے اور آپ کے ارشادات بغور سنتے رہتے تھے لیکن پھر بھی مجلس سے باہر آ کر ازراہِ تمسخر یا بطور اظہارِ لاپرواہی صحابۂ کرام سے کہا کرتے تھے کہ ذرا بتائیے تو سہی یہ صاحب کیا کہہ رہے تھے ان کی باتیں ہماری سمجھ میں تو نہیں آئیں۔ ان کی اس لاپرواہی اور دین سے دوری کا انجام یہ ہوا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور یہ ساری زندگی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے انہیں کبھی تلاش حق کی توفیق نصیب نہ ہوسکی کہ سنت الٰہیہ یہی رہی ہے کہ جان بوجھ کر حق سے منہ پھیرنے والوں کو وہ ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے اور جہنم کو ان کا ٹھکانہ بنا دیتا ہے جبکہ ان لوگوں پر اللہ کرم فرماتا ہے جو متلاشی حق ہوتے ہیں کہ ان کے لئے راہ حق پر چلنا، دین کی پابندی کرنا آسان کر دیتا ہے۔ ان کے دل و دماغ کو ایسا روشن و منور کر دیتا ہے کہ وہ تاریکیوں کو چھانٹتے ہوئے بآسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں نیز مکر شیطان، گناہوں اور برائیوں سے رب کریم انہیں بچاتا رہتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا'' جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے کام کو آسان کر دیتا ہے۔ سورۃ انعام کی یہ آیت غور طلب ہے ''فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ'' اور جس (خوش نصیب) کے لئے اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ اسے ہدایت دے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے۔ یعنی جب اللہ اپنے فضل و کرم سے کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس کے سینہ کو قبول حق کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ دین پر عمل کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ مفسر قرآن ﷺ سے کسی نے سوال کیا ''كَيْفَ الشَّرْحُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' یا رسول اللہ ﷺ شرح صدر کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اَلْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ'' انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے ''وَالتَّجَا فِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ'' اس دنیا سے اس کا دل متنفر ہو جاتا ہے ''وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَآءِ الْمَوْتِ'' اور موت آنے سے پہلے وہ موت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اور جو لوگ خود ہی راہِ ہدایت کی طرف قدم نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی ضلالت و گمراہی ہی میں مست رہتے ہیں اور گناہوں کی دلدل سے نکلنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے ان کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ سورۃ انعام میں ہے ''وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ'' اور اللہ جسے گمراہ کر دینے کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اس کے سینہ کو تنگ اور بہت تنگ کر دیتا ہے (کہ وہ حق کی کوئی بات سمجھ ہی نہیں پاتا اور جب اس سے احکام دین پر عمل کرنے کو کہا جاتا ہے تو اسے اتنا بڑا کام معلوم ہوتا ہے) جیسے اس سے آسمانوں پر چڑھنے کے لئے کہہ دیا گیا ہو اور کفر و شرک تو ہے ہی بدترین غلاظت۔ پس جو بدنصیب اس غلاظت ہی میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انہیں دنیا و آخرت میں صرف نجاست و ناپاکی ہی ملتی ہے۔ ارشاد ہوا سورۃ انعام میں ہے ''كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ'' اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اے ایمان والو! ان آیات پر غور کرنے کے بعد اپنی حالت کا جائزہ لو ہم پر بلاشبہ یہ اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا لیکن مؤمن ہونے کے باوجود اگر ہماری حالت، ہمارے اعمال منافقین و کفار جیسے ہو جائیں تو اس سے بڑی ہماری بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے۔ دنیا کی دولت اور مال و اسباب جس شخص کے پاس موجود ہو اور وہ اس سے فائدہ حاصل نہ کرتا ہو، نہ اچھا کھاتا پیتا اور پہنتا ہو نہ رہنے کے لئے اس کو اچھا مکان اور سواری کے لئے اچھی گاڑی میسر ہو تو ہم اسے بڑا بدنصیب قرار دیتے ہیں تو اس شخص کو آپ کیا کہیں گے جسے اللہ نے دنیا کی ہر دولت سے بڑی دولت یعنی دولت ایمان سے نوازا ہوا اور وہ پھر بھی بدعملی، بدکرداری میں مبتلا ہو۔ وہ احکام شرع کی پابندی کو فرسودہ اور پرانا طریقہ قرار دیتا ہو ناصحین اور علماء دین کی باتیں اس کی سمجھ میں ہی نہ آتی ہو، جب اسے دین پر عمل کی دعوت دی جائے تو اس پر ایسا بوجھ ہو جیسے اسے آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا گیا ہے وہ نئی تہذیب و تمدن کا ایسا فریفتہ ہو کہ اسے دین کی ہر بات ناقابل عمل معلوم ہوتی ہے۔ اس شخص سے زیادہ اور کون بدنصیب ہوسکتا ہے۔ یہ بدنصیب لوگ اگر واقعی مؤمن ہیں تو ان کا ایمان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ضرور ہوگا اور جو بھی بعث بعد الموت پر یقین رکھتا ہے اسے اپنے اعمال کی جزاء و سزا کی فکر کرنا ضروری ہے کہ مرنے کے بعد وہ دن ضرور آئے گا جب ایک ایک عمل کا حساب ہوگا ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ'' اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

بلاشبہ جنت اہل ایمان کی منتظر ہے لیکن اس میں بلا سزا وہی داخل ہوسکیں گے جو متقین ہیں، صالحین ہیں، جن کے دامن دنیا میں گناہوں کے چھینٹوں تک سے پاک و صاف رہے۔ اللہ معاف کرے اگر مؤمن مجرم قرار دیا گیا اور اس کو جہنم کی معمولی سزا بھی بھگتنی پڑی تو وہاں کی معمولی سزا بھی کتنی دردناک ہوگی اس کا اندازہ دنیا کی بڑی سے بڑی سزا کو دیکھ کر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں جو مؤمن اللہ و رسول کے ارشادات کو حق جانتا اور ان پر اسے غور و فکر کی توفیق بھی نصیب ہے وہ بآسانی اندازہ کر سکتا ہے۔

غور کیجئے سورۃ الھمزہ پر جس میں ایسے دولت مند کی سزا کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مال و دولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر ہر شخص کو حقیر جانتا ہے، طعنہ زنی اور لوگوں کی عیب جوئی اس کی عادت بن گئی ہے۔ آج ہماری نگاہوں میں یہ جرائم، جرائم ہی نہ رہے جبکہ اس کے لئے جس سزا کا اعلان ہو رہا ہے اس سے ان کی سنگینی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ''لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ'' ایسے شخص کو (نہایت ہی ذلت و خواری سے) حُطَمَہ میں پھینک دیا جائے گا اور یہ حُطَمَہ کیا ہے۔ ''نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ'' وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی کہ جس کا اثر صرف جسموں پر ہی نہیں رہے گا۔ ''الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ'' جو دلوں تک جا پہنچے گی کہ اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔ اس آگ کی شدت کا مزید اندازہ لگاؤ کہ ''اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ'' بیشک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی کہ نہ تو آگ کی تپش اور حرارت کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا اور نہ ہی ان مجرموں کے لئے اس دردناک عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ ''فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ'' اس

کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے کہ نہ وہ بجھیں گے اور نہ ہی ان کے عذاب میں کمی کی کوئی صورت ہو گی، اللہ محفوظ رکھے۔

غور تو فرمایئے کس قدر سخت عذاب ہے۔ کیا یہ قابل برداشت ہو گا۔ عذاب کی اس شدت کے علاوہ مؤمن کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو کہ سزا یافتہ شخص مجرم ہی کہلاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ایسے شخص کی کوئی عزت باقی نہیں رہتی تو جنت کے معاشرے میں اسے کیا عزت مل سکے گی، لہٰذا

اے ایمان والو! ڈرو اس وقت سے جب اللہ تمہارے مسلسل اور متواتر گناہوں اور دین سے بیزاری کے سبب تمہارے دلوں کو سیل کر دے حتیٰ کہ تم میں قبولِ حق کی صلاحیت ہی باقی نہ رہے اور چلو توبہ و اعمال صالحہ کی اس راہ پر جو بلا سزا اور بلا داغ جنت تک پہنچا دے۔

''اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرما، آمین بجاہ شفیع المذنبین۔''

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۶۹

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۳ تا ۳۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔــلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۳-۳۸)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اور نہ ضائع کرو

اپنے اعمال کو بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے راہ حق سے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا (ایمان والو) ہمت نہ ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہ ہونے دے گا یہ دنیاوی زندگی تو صرف ایک کھیل اور تماشہ ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارا اجر عطا کرے گا اور نہ طلب کرے گا وہ تم سے تمہارے مال اگر اللہ تم سے تمہاری (سب) دولت طلب کرے اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو گے اور (یوں) وہ تمہاری ناگواریوں کو ظاہر کردے گا ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو غنی ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں پر کس قدر مہربان ہے کہ انہیں مختلف انداز سے اپنی اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف بلاتا اور دعوتِ حق دیتا ہے۔ نیز ان کی ہمت افزائی کے لئے ان کی نصرت وحمایت کے وعدے فرماتا ہے اور غلبہ وکامرانی کے پرمسرت مژدے سناتا ہے۔ کفار کی نامرادی اور ذلت وخواری کی یقین دہانی کراتا ہے تاکہ اہل ایمان کسی موقع پر بھی اپنے آپ کو بے سہارا اور کمزور نہ جانیں اور کبھی کفار کی کثرت، مادی وظاہری طاقت سے مرعوب ہو کر ان کے سامنے نہ جھکیں۔ سورۂ محمد (ﷺ) کی مندرجہ بالا آیات پر غور کیجئے۔ اپنے مقدر پر ناز کیجئے اور اپنے اعلیٰ وارفع مقام کو پہچانئے۔

اطاعت ذریعۂ کامیابی ہے

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ غلام کی کامیابی وکامرانی کا واحد ذریعہ مالک کی اطاعت وفرمانبرداری ہی ہے کہ ہر مالک اپنے غلام کو اسی وقت نوازتا ہے جب غلام اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ باپ، بیٹے پر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے لیکن اس صورت میں جبکہ بیٹا، باپ کا حکم مانے اور اپنی اطاعت سے اسے خوش رکھے اور اگر بیٹا باغی ہو جائے تو باوجود محبت کے باپ اسے عاق کردیتا ہے۔ فوج کی کامیابی کا بنیادی سبب صرف افسر اعلیٰ، کمانڈر اور قائد کی اطاعت ہی ہے اور یہ اطاعت شعار سپاہی صرف کامیابی سے ہی سرخرو نہیں ہوتے بلکہ انہیں افسر اعلیٰ کی طرف سے انعام واکرام سے بھی نوازا جاتا ہے کہ انہیں مختلف قسم کے تمغے دیئے جاتے ہیں۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جاتا ہے اور یہ دیگر بے شمار مراعات کے حقدار قرار پاتے ہیں حتیٰ کہ جانور بھی اپنے مالک کی مہربانیوں کا حقدار اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا رہتا ہے۔ کتا جس کا پالنا مختلف وجوہ کی بناء پر مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں میں نہایت مقبول جانور ہے صرف اور صرف اپنی وفاداری کی وجہ سے لیکن جب یہ وفادار و پسندیدہ جانور مالک کی حکم عدولی کرنے لگتا

ہے۔ مالک پر، مالک کے اہل خانہ یا مالک کے احباب پر بھونکنے لگتا ہے انہیں کاٹنے کے لیے لپکنے لگتا ہے یا شکاری کا کتا شکار میں خیانت کرنے لگتا ہے تو مالک اسے گولی مار دیتا ہے کہ جب وہ وفادار ہی نہ رہا تو کسی کام کا نہ رہا۔

مؤمن اللہ کا بندہ ہے جس نے اللہ ہی کے حکم سے رسول کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالا ہے پس اللہ ہم سے مطالبہ فرماتا ہے "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ قرآن کریم میں متعدد بار دعوتِ اطاعت دی گئی ہے لیکن کسی ایک مقام پر صرف اللہ کی اطاعت کا حکم نہیں اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم ضرور موجود ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ تمام احکام شرع رسول ہی کی وساطت سے ہمیں دیئے گئے اور ان پر عمل کا طریقہ رسول ہی کی معرفت سکھایا گیا۔ پس جب تک رسول کی اطاعت نہ ہوگی اللہ کی اطاعت ممکن نہیں۔ اسی لئے وحی الٰہی ایک موقع پر رسول کی اطاعت کو ہی اللہ کی اطاعت قرار دیتی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے فرمایا گیا "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ ہی کی اطاعت کی جبکہ نہ تو صرف اللہ کی اطاعت ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب الٰہی ہے۔

دین و دنیا میں کامیابی کا واحد یقینی ذریعہ اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔ سورۂ النور کی آیت ہے "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ" جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب قرآن ﷺ نے فرمایا: "جو شخص فرائض میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور سنتوں میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور ماضی میں وہ جو غلطیاں کر چکا ہے ان کی وجہ سے وہ اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ ہے جسے جہنم کی آگ سے آزادی نصیب ہوگئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ سورۂ احزاب میں ہے "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا" جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہی بڑی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ سورۂ آل عمران ہے "وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ" اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی باران رحمت کے نزول کا سبب اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اطاعت و فرمانبرداری ہی کامیابی و کامرانی یعنی عزت و آبرو اور باوقار و بارعب زندگی اور دشمن پر غلبہ کا ذریعہ ہے اور اطاعت شعار لوگوں ہی پر اللہ رحم فرماتا ہے کہ انہیں ہر قسم کے مصائب و آلام سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ باہمی اختلافات اور قومی انتشار ختم ہو جاتا اور پرسکون زندگی میسر آتی ہے نیز آخرت میں وہ جہنم کی آگ سے آزاد کر دیئے جاتے اور جنت کے حقدار قرار پاتے ہیں۔ پس اہل ایمان کو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کا مطیع فرمانبردار رہنا چاہئے۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہو اور "وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ" اور کسی حال میں بھی اپنے اعمال کو ضائع اور برباد نہ ہونے دو۔ اعمال صالحہ کے غیر مؤثر اور باطل ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ مؤمن العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو حالت ایمان میں اس نے جو نیکیاں کی تھیں وہ سب ضائع اور برباد ہو جائیں گی کہ عمل صالح

کا نتیجہ اور اثر ایمان سے متعلق ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی نیک کام نہ تو مقبول ہے اور نہ اس پر کوئی اجر و ثواب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نیکی کے ساتھ کوئی ایسا برا کام کیا جائے جو نیکی کے فائدے اور اثر کو ضائع کر دے کہ بعض نیکیاں بعض برائیوں سے برباد اور باطل ہو جاتی ہیں مثلاً جو کام ریاء و نمود کے لئے کئے جائیں ان کے متعلق قرآن کریم سورۂ ہود میں وضاحت موجود ہے کہ ایسے کاموں کا دنیا میں وہ اجر تو ضرور ملے گا جس کے حصول کے لئے یہ کام کئے گئے۔ زکوٰۃ دینے والوں نے زکوٰۃ دی مگر اس لئے کہ لوگ انہیں بڑا سخی اور دولت مند کہیں، یتیم خانے، ہسپتال اور مدارس وغیرہ قائم کئے تاکہ انہیں شہرت حاصل ہو۔ رفاہِ عامہ کے بہت کام کئے مگر صرف اس لئے کہ عوام ان کی عزت کریں وقت آنے پر انہیں اپنے ووٹوں سے اپنا نمائندہ منتخب کریں تو دنیا میں ان کے مقاصد ضرور پورے ہوں گے رہا معاملہ آخرت میں اجر و ثواب کا تو بتایا گیا ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ'' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں دنیا میں وہ جو کچھ کرتے رہے ضائع ہو گیا اور مٹ گیا باطل ہو گیا ریاء و نمود نے ان کے اعمال کو باطل کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاکاروں کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا ''صُمْتُمْ وَصَلَّیْتُمْ وَتَصَدَّقْتُمْ وَجَاهَدْتُّمْ وَقَرَأْتُمْ لِیُقَالَ ذٰلِکَ فَقَدْ قِیْلَ ذٰلِکَ'' تم نے روزے رکھے اور تم نے نمازیں پڑھیں تم نے صدقہ و خیرات کیا اور تم نے جہاد کیا اور تم نے تلاوتِ قرآن کریم کی صرف اس لئے کہ ان اعمال کے تعلق سے تمہارا نام لیا جائے تمہاری عزت و شہرت ہو تو یہ سب تمہیں دے دیا گیا۔ پس آج تمہارے لئے کچھ نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے رونے لگے اور فرمایا کہ انہیں لوگوں سے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''یَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ یَوْمَ یُجَازِی الْعِبَادَ اِذْهَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَآؤُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَآءً اَوْ خَیْرًا'' جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اپنے اعمال دکھاتے تھے دیکھو کیا ان کے پاس تمہارے لئے کوئی جزاء یا بھلائی ہے۔

ریاء و نمود کا سب سے زیادہ خیال انسان کو صدقہ و خیرات کے موقع پر آتا ہے وہ کبھی تو اپنی دولت خرچ کر کے لوگوں پر احسان جتاتا ہے اور کبھی ان پر طعنہ زنی کر کے انہیں تکلیف پہنچاتا ہے اور یہ خیال تک نہیں کرتا کہ وہ کس قدر بیوقوف ہے کہ اس نے اپنی دولت بھی خرچ کی اور خود ہی اپنی اس نیکی کو احسان و ایذاء سے باطل کر دیا، مٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر اس کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا سورۂ بقرہ میں ہے ''لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی'' اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر ضائع نہ کرو۔

غرضیکہ ریاء و نمود سے اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں باطل اور برباد ہو جاتے ہیں قیامت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں رہتا اور تیسری صورت اعمال صالحہ کے باطل و ضائع ہونے کی یہ ہے کہ انسان نیک کام کرے لیکن اس

میں شرعی احکام کی پابندی کا خیال نہ رکھے مثلاً نماز تو پڑھی جائے اور دیگر عبادات کی پابندی کی جائے اور ان پابندیوں کا لحاظ نہ کیا جائے جو ان کی قبولیت کا ذریعہ ہیں تو ایسے اعمال چاہے کتنے ہی خلوص سے کیے جائیں باطل وضائع ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بالخصوص ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے جو شرعی احکام و مسائل پر عمل کو غیر ضروری پابندی خیال کرتے ہیں اپنے خیال اور اپنے نظریہ کے مطابق وہ شریعت سے آزاد ہو کر عبادت کرتے ہیں شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اطاعت ظاہری اور صوری عبادت کا نام نہیں بلکہ اطاعت اللہ ورسول کی عائد کردہ پابندیاں اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادات کے جو طریقے تعلیم فرمائے ان پر عمل ہی کا نام اطاعت ہے۔ ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک غلام کو نماز پڑھتے ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے نہایت تیزی سے رکوع وسجود کیے نہ قومہ کا پتہ چلا اور نہ قیام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''صَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ'' دوبارہ نماز پڑھو کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ غور فرمایئے نماز تو پڑھی گئی تھی لیکن اس کو محض اس لئے کالعدم قرار دیا گیا باطل قرار دیا گیا کہ نمازی نے شرعی پابندیوں کا کما حقہ لحاظ نہیں کیا تھا، پس

اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرو۔ ایمان کے ساتھ، خلوص کے ساتھ اور احکام شرع کی پابندی کے ساتھ کہ اس کے بغیر تمہارا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا اپنے اعمال کو باطل نہ کرو کہ تم اپنا وقت بھی صرف کرو، دولت بھی صرف کرو اور آخرت میں تمہیں اس کا کوئی اجر وثواب نہ مل سکے اس سے زیادہ خسارہ ونقصان اور کیا ہو سکتا ہے اللہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام آخرت کی نعمتوں سے محروم رہیں اور جہنم کی آگ ان کا ٹھکانہ بنے۔

کفار کے اعمال

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کے احکام تسلیم کرنے سے روکتے رہے اور اسی حالت کفر پر انہیں موت نے آ دبوچا۔ ''فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ'' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا کہ جب ایمان ہی نہیں تو کسی بھی نیک عمل کی نہ تو کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اجر وثواب ان لوگوں کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ سورۂ محمد (ﷺ) ہی میں ہے ''فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ'' پس ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ ''ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَکَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ'' ان کا یہ انجام صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے وہ کام کیے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا اور اس نے (کفر کر کے) اپنے اعمال ضائع کر دیئے۔ سورۂ مائدہ ہے ارشاد ہوا ''وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو ضائع ہو گیا اس کا (ہر) عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

غرضیکہ کفار کتنے ہی رفاہی کام کریں کتنی ہی نیکیاں کریں سب ضائع ہیں اور وہ خسارے ہی خسارے میں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں اور متاثر بھی ہوتے ہیں کہ غیر مسلم بڑی نیکیاں کرتے ہیں غریبوں، محتاجوں کی خوب مدد کرتے ہیں، ان کی حکومتیں غریب ممالک کی خوب مدد کرتی ہیں لیکن ہم یہ نہیں سوچ پاتے کہ ان کی تمام نیکیاں اس درخت کے سبز پتوں کی طرح ہیں جس

کی جڑیں نہیں ایسا درخت کتنے دن سرسبز و شاداب رہ سکے گا یقیناً چند دن بعد ہی یہ آگ کا ایندھن بن جائے گا۔ بلاشبہ نیکیاں درخت کے سرسبز پتوں ہی کی طرح ہیں جو اپنے درخت ہی کو نہیں بلکہ اپنی پناہ میں آنے والے جانوروں تک کو اپنے سایہ میں پناہ دیتی ہیں۔ اگر یہ درخت جڑ والا یعنی ایمان والا ہے تو اس کا یہ فیض، یہ حسن و جمال کبھی ختم نہیں ہوتا ورنہ یہ ضائع ہو جاتا ہے، بیکار ہو جاتا ہے۔

کفار سے صلح

مؤمن تو اس درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں نہایت ہی مضبوط ہیں۔ اس پر کبھی پت جھڑ اور خزاں کا موسم نہیں آتا وہ سدا بہار رہتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ''فَلَا تَھِنُوْا'' پس ہمت نہ ہارو تم کیوں ہمت ہارتے ہو ہمت تو وہ ہارے جس کی جڑوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو اور ہواؤں کے معمولی تھپیڑوں سے اسے خطرہ لاحق رہتا ہو۔ تمہاری جڑیں تو بہت مضبوط ہیں ہر طوفان کے مقابلہ پر بلاخوف و خطر ڈٹے رہو، کفر کی آندھی کتنی ہی زبردست چلے پروانہ کرنا اور ہرگز ہرگز اس سے مصالحت کی پیشکش کر کے اپنی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا کہ ظاہری وسائل اور قوت پر گھمنڈ کرنے والوں کو صلح کی پیشکش کرنا ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے اور اپنی کمزوری کا اعتراف کر لینے کے مترادف ہے کیونکہ طاقت و قوت والے رب کا تم سے وعدہ ہے۔ ''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'' کہ تم ہی غالب ہونے والے ہو یہ طوفان گزر جائے گا اور تمہارا بال بھی بیکا نہ ہو گا نہ ڈرو۔ ''وَاللّٰہُ مَعَکُمْ'' اللہ تمہارے ساتھ ہے اس کی نصرت و حمایت تمہارا مقدر بن چکی ہے جس کے ساتھ اللہ ہے اس سے زیادہ مضبوط اور طاقتور کون ہو سکتا ہے کفر کے اس طوفان کی کیا حقیقت ہے۔ پس ہمت نہ ہارو یقین رکھو کہ ''وَلَنْ یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ'' کہ اللہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ ہونے دے گا۔

اسی اصول کو اپناتے ہوئے اور اسی وعدۂ الٰہی پر یقین کامل رکھتے ہوئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہمارے اسلاف نے ظاہری وسائل اور مادی قوت نہ ہوتے ہوئے بھی ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ کسی حال میں اور کبھی بھی ہمت نہ ہاری۔ انجام کار اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا ان کی مساعی کو ضائع نہ ہونے دیا۔ جس کا ثبوت اسلام کا وجود ہے جو ہم تک صرف اس لئے پہنچ سکا کہ اسلاف ڈٹ کر کفر کا مقابلہ کرتے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پہلی جنگ غزوۂ بدر ہی میں اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہوتا کہ یہی تو کفار کا مقصد تھا۔

اسی اصول کو پس پشت ڈال کر آج ہمارے حکام ذرا ذرا سی بات پر کفار کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے اور ان سے صلح کی بھیک مانگنے لگتے ہیں وہ اللہ کے تمام وعدوں کو بھول بیٹھے ہیں۔ انجام کار دشمن ہم پر دندنا رہا ہے اور ہم بلوں میں گھسے جا رہے ہیں۔ دشمن چاہتے ہوئے بھی ہم سے صلح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی چالبازی سے ہمیں ہی صلح میں پہل کرنے اور اس کی پیشکش کرنے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صلح کی پیشکش درحقیقت کمزوری کا اعتراف اور اعلان ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا اور ہم اس کی چالبازی کا بآسانی شکار ہو کر اپنی کمزوری کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

اگر ہم اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے کسی حال میں بھی صلح کے فارمولے کو نہ اپناتے اور جان کی بازیاں لگاتے

ہوئے آگے بڑھتے رہتے تو پچاس سال قبل ہی کشمیر ہمارا ہوتا نہ ختم ہونے والی جنگ کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اتنا خون نہ بہا ہوتا جتنا بہہ رہا ہے جبکہ ابھی روزِ اول ہی ہے نہ جانے اور کتنا خون بہے گا دوستو! اگر بغور دیکھا جائے تو سرزمین کشمیر پر پانی سے زیادہ خون کی نہریں بہہ رہی ہیں یہ صرف مکار دشمن سے صلح پسندی کا نتیجہ ہے۔ یہی حال افغانستان، فلسطین، چیچنیا اور بوسنیا کا ہو رہا ہے ہر جگہ صلح کی پیشکش نے دشمن کی نظروں میں ہمیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے جہاں چاہتا ہے ہم پر حملہ آور ہو جاتا ہے یا ہمیں دہشت گرد قرار دینے لگتا ہے۔ اب تو نوبت بایں جارسید کہ ہم سے ہی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم اپنی ہی سرزمین پر دینی جماعتوں پر پابندی لگا دیں۔ اللہ مزید ہمت دے عراق و لیبیا کو جس نے فاقوں کی زندگی گزارنا گوارا کر لی لیکن دشمن کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے آج تک صلح کی بھیک نہ مانگی۔ چند سال گزرے کہ ہمیں لیبیا کے دورے کا موقع ملا۔ ہم نے باوجود سخت گرانی، بے روزگاری کے وہاں کے لوگوں کو مطمئن پایا، ان کے چہروں پر ایمان کا نور دیکھا، ان سے گفتگو کے بعد ان کی بلند ہمتی اور بلند عزائم کا اندازہ کیا۔ اللہ ان کے رہنماؤں کو عمر دراز دے اور مزید ہمت دے کہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق کبھی کمزوری اور اپنی پستی کا اظہار نہ کریں اور اللہ دیگر مسلم حکمرانوں کو بھی ہدایت دے کہ اپنی بدعملی سے توبہ کریں اور دشمن کے خوف سے آزاد ہوں تاکہ پوری امت مسلمہ عزت و آزادی کی زندگی بسر کر سکے۔

دنیا کی زندگی

"اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ" یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشہ ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے بس کھیل و تماشہ کی طرح آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور گزر جاتا ہے کوئی اسے دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا ہے تو کوئی غمزدہ ہوتا اور روتا ہے نہ یہاں کی مسرت و شادمانی کو دوام ہے اور نہ ہی یہاں کا رنج والم ہمیشہ رہتا ہے۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد بار دہرایا اور بیان کیا ہے تاکہ ظلوم و جہول انسان اس عارضی کیفیت کو دائمی نہ سمجھ بیٹھے اور جو زندگی ابدی ہے اسے نہ بھلا دے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (ال عمران: ۱۴)

آراستہ کی گئی لوگوں کے لئے ان کی خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دنیاوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

(آل عمران: ۱۸۵)

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا جہنم کی آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیا کی یہ زندگی مگر دھوکے میں ڈالنے والا ساز و سامان۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (عنکبوت: ۶۴)

اور نہیں ہے یہ زندگی مگر لہو و لعب (تماشہ اور کھیل) اور بیشک آخرت کی زندگی ہی حقیقی (دائمی) زندگی ہے کاش وہ (لوگ) اس حقیقت کو جانتے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ (حدید: ۲۰)

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل اور تماشہ اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں فخر و مباہات ہے اور ایک دوسرے سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بادل برسے اور اچھی لگنے لگی کسانوں کو اپنی (سرسبز و شاداب) کھیتی پھر وہ (یکا یک) سوکھنے لگے تو، تو اسے دیکھے کہ اس (کسان) کا رنگ پھیکا پڑ گیا پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں (دنیا پرستوں کے لئے) سخت عذاب ہوگا اور (حق پرستوں) کے لئے اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہوگی اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر صرف دھوکا۔

بے ثباتی دنیا کی مثال

وحی الٰہی دنیا کے بے ثباتی اور اس کے لہو و لعب ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔ جس کو مثال سے بھی واضح کیا گیا کہ مثال انسان کی عقل نارساں کے لئے وضاحت کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ سورۂ حدید کی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ دنیا کی بے ثباتی ایسی ہی ہے جیسے بادل سے پانی برس کر کسان کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر دے وہ کسان کے لئے اس قدر پر کشش ہو جائے کہ بس وہ اسی سے اپنا دل بہلاتا رہے اپنی نظروں کو ٹھنڈا کرتا رہے اپنے مستقبل کو اسی سے وابستہ کر لے اسے اس کے ختم ہو جانے یا چھن جانے کا خطرہ تک لاحق نہ ہو اور پھر اچانک ایسا ہو کہ لہلہاتی کھیتی سوکھنے لگے اب کسان کو خطرہ لاحق ہو وہ اس کو بچانے کے لئے تڑپے لیکن اس کے بس میں کچھ نہ ہو۔ فکر و غم سے اس کا چہرہ زرد پڑ جائے اور کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا جائے اور ساتھ ہی کسان کی ساری امید بھی پامال ہو جائے۔ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ بارش کی طرح انسان پر برستا ہے اور اچانک ختم ہو جاتا ہے اور دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرنے والا بیوقوف انسان کف افسوس ملتا رہ جاتا

ہے۔اس کی ساری امیدیں چکنا چور ہوکر رہ جاتی ہیں کبھی تو یہ آئی ہوئی دنیا اس سے چھین لی جاتی ہے اور کبھی دنیا ملنے کے بعد وہ اس دنیا ہی سے چل بستا ہے۔اے کاش! وہ اس فانی دنیا سے اپنی توقعات وابستہ کرتا ہی نہیں تو دنیا سے سکون کے ساتھ تو جاتا اس کا نفس نفس مطمئنہ تو ہوتا۔

سورۂ یونس میں اس سے بھی واضح ایک مثال بیان کی گئی کہ بارش ہوئی جس سے زمین سرسبز وشاداب ہوگئی ہر طرف ہریالی ہی ہریالی نظر آنے لگی۔کسانوں کو یقین ہوگیا کہ چند روز بعد زمین کا یہ سونا ہمارا زیور بنے گا۔دولت سے ہماری جیبیں بھاری ہوجائیں گی لیکن اچانک رات یا دن میں ہم نے اپنے حکم سے ان لہلہاتے کھیتوں کو کھلیان بنا ڈالا اور امیدیں وابستہ کرنے والا مالک کچھ نہ کرسکا۔''كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ''اسی طرح ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی نشانیاں) غور وفکر کرنے والوں کے لئے اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو نہایت واضح مثال ہے کہ دنیا کی یہ دولت جب آتی ہے تو بارش ہی کی طرح برتی ہے اسے کمانے والا اپنی قوت بازو پر ناز کرتا ہے اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ یہ دولت میری ہے اب میں جو چاہوں گا کروں گا لیکن اچانک اس کی جیب خالی ہوجاتی ہے وہ سر پکڑ نے سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا آخر وہ آنا فانا کہاں گیا کون لے گیا۔سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور اگر دولت باقی رہتی ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پروگرام پر عمل سے پہلے انسان کی آنکھ بند ہوجاتی ہے اور مال یاروں کا ہوجاتا ہے۔

اس دنیا کی پستی و بے قدری کا اندازہ کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد پر غور کیجئے۔راوی ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بکری کے مردہ بچے کے قریب سے گزرے جس کے کان کٹے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم سے کون اس بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرتا ہے۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اسے کسی چیز کے بدلہ میں بھی لینا پسند نہیں کرتے پس آپ نے فرمایا''وَاللّٰهِ اَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ''بخدا اللہ کے نزدیک یہ دنیا اس سے بھی زیادہ بے قیمت ہے جتنا تمہاری نظروں میں یہ بکری کا مردہ بچہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ میرا مال میرا مال کہتا رہتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مال میں صرف تین قسم کا مال اس کا ہے۔''مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى''جو کھا کر ختم کر دیا۔''وَمَا لَبِسَ فَاَبْلٰى''اور جو پہن کر پرانا کر دیا۔''اَوْ اَعْطٰى فَاَقْتَنٰى''جو اللہ کی راہ میں دے کر جمع کر دیا۔''وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ''اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جانے والا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا''لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ''اگر اللہ کی نظر میں دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی۔''مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً''تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں''اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ''دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

اے ایمان والو! اس بے قدر و قیمت دنیا کے پیچھے پڑنا اس کی محبت میں مبتلا ہونا تمہارے لئے ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اس سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے اس کے کہ تمہارے اور کافروں کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہے گا ہاں۔ ''وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ'' اگر تم واقعی سچے اور کامل مؤمن بن جاؤ اور ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرنے لگو اس کے احکام کی بجا آوری کرنے لگو تو اللہ تمہیں تمہارے اعمال کا ضرور اجر عطا فرمائے گا کہ تمہاری دنیا بھی پرسکون ہو جائے گی تمہیں حیوۃ طیبہ نصیب ہو جائے گی اور آخرت میں بھی تمہارا مرتبہ ومقام بلند ہو جائے گا اور'' وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ'' اللہ تم سے تمہاری ساری دولت کا کبھی مطالبہ نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ یہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کے مطالبہ کے بعد تم بخل کرو اور تمہاری قلبی ناگواری ثابت ہو جائے کہ دولت سے فطری طور پر انسان کو لگاؤ ہوتا ہی ہے اگر اس سے ساری دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو اسے ضرور ناگوار معلوم ہوگا اور وہ بخل و کنجوسی میں مبتلا ہو جائے گا۔ ہر شخص تو ابوبکر صدیق نہیں ہوسکتا کہ اپنے آقا ﷺ کے اشارے پر سارا ساز وسامان اٹھا کر لے آئے اور ان کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی راہ میں دولت خرچ کرنے کا مطالبہ کیا ہے لیکن نہایت ہی معمولی کہ سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ فرض کی گئی وہ بھی نہایت معمولی، ضرورت سے زیادہ جمع شدہ مال پر صرف چالیسواں حصہ۔ اس کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ قربانی وصدقہ فطر، دیگر صدقات مثلاً مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام، علماء دین کی خدمت، دینی کتابوں کی اشاعت وغیرہ یہ سب تمہاری اپنی مرضی پر موقوف ہیں۔ مزید برآں یہ بھی قابل غور ہے کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ کہاں جاتا ہے۔ اس کا فائدہ کسے ہوتا ہے اگر تم سوچو تو اس سے تمہیں ہی فائدہ ہوتا ہے کہ تمہارے معمولی صدقات سے تمہارے ہی اعزاء واقارب اور معاشرے کے دیگر ضرورت مند افراد خوش حال ہو جاتے ہیں باعزت ہو جاتے ہیں اور تم پر ان کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی پھر یہ بھی تو سوچو کہ اللہ ان صدقات پر تمہیں اجر وثواب بھی دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو دنیا میں بھی وہ تمہیں اس سے زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ غور کرو اللہ نے ہی تمہیں جو دولت عطا فرمائی اس میں سے تم نے اسے کیا دیا۔ افسوس کہ ان معمولی صدقات کی ادئیگی میں بھی تم کنجوسی کرتے ہو تمہیں ان کا ادا کرنا بھی بار اور بوجھ لگتا ہے کہ تم زکوٰۃ مانگنے والوں کو حقیر سمجھتے ہوا پنے دروازے پر بھکاریوں کی طرح ان کی لائنیں لگواتے ہو۔ ان پر احسان جتلاتے ہو تو کان کھول کر سن لو۔

بخل

''وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ'' جو بخل کرتا ہے حقیقت میں وہ اپنی ذات ہی کے لئے بخل کرتا ہے کہ ان تمام صدقات کا فائدہ تمہاری اپنی ذات ہی کو ہوتا ہے پھر بھی تم بخل کرتے ہو تمہیں دولت سے اتنی محبت ہوگئی کہ تم اسے اپنی ذات پر بھی خرچ نہیں کرنا چاہتے پھر آخر تم اس کا کیا کرو گے۔ سنو! اس بخل کا کیا انجام ہوگا۔ اللہ تمہیں بتاتا ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؀ (آل عمران: ۱۸۰)

اور بخل کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ جو بخل کرتے ہیں اس (مال و دولت) میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے دے رکھا ہے کہ یہ بخل ان کے لئے بہتر ہے درحقیقت یہ ان کے لئے بہت ہی برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ (النساء:٣٧)

جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں جو کچھ دے رکھا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب۔

سخی اور بخیل کا فرق

اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے صدقات واجبہ تک کی ادائیگی پر ناگواری اور کنجوسی بھلائی نہیں بلکہ وبالِ جان ہے۔ یہ دولت قیامت کے دن طوق بنا کر گردنوں میں لٹکی بخیل کی ذلت و خواری کا اعلان کر رہی ہو گی۔ سخی اور بخیل کا فرق بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ (اللیل:۵۔۱۰)

جس نے (اللہ کی راہ) میں مال دیا اور ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راستہ اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروا بنا رہا اور جھٹلایا اچھی بات کو تو ہم اس کے لئے مشکل راہ آسان کر دیں گے۔

کس قدر واضح فرق ہے سخی اور بخیل میں کہ سخی کے لئے اس کے صدقہ و خیرات کے باعث دنیا و آخرت کے تمام مراحل سہل و آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "بادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا" صدقہ دینے میں جلدی کرو کیونکہ بلائیں اس کی وجہ سے سبقت نہیں کرتیں یعنی صدقہ کرنے والے سے اس کی بلائیں آنے سے پہلے ہی دور ہو جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ" بیشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور دردناک موت کو دور کر دیتا ہے۔ حضرت مرثد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کرام سے سن کر بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَتُهٗ" کہ قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہو گا۔

غرضیکہ صدقہ سہولت و آسانی کا ذریعہ ہے جبکہ بخل بخیل کو طرح طرح کی الجھنوں اور مشکلات میں مبتلا کرتا ہے قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد

ہے ''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَّلَا بَخِيْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ'' کہ جنت میں مکار، بخیل اور احسان جتانے والے داخل نہ ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ'' انسان کی دو عادتیں نہایت ہی بری ہیں، انتہائی بخل اور انتہائی بزدلی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ بدترین شخص کون ہے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ارشاد فرمایئے۔ پس آپ نے فرمایا ''اَلَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ'' جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔

آقا علیہ السلام کے چند ایسے ارشادات ملاحظہ ہوں جن میں آپ نے سخی و بخیل کا تقابل فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ جب بندہ صبح کرتا ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ''فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا'' تو ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما (مزید دولت سے نواز دے) ''وَيَقُوْلُ الْاٰخِرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا'' اے اللہ بخیل کے مال کو ہلاک و برباد کر دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ'' سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے (اس طرح کہ لوگ اس کی عزت کرتے اور اس سے محبت کرتے ہیں) ''بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ'' جہنم کی آگ سے دور ہے۔ ''وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ'' اور بخیل دور ہے اللہ سے، دور ہے جنت سے، دور ہے لوگوں سے (کہ وہ کسی کے کام نہیں آتا بوقت ضرورت کسی کی مدد نہیں کرتا تو لوگ بھی اس کی کوئی پروا نہیں کرتے اس کو جانتے پہچانتے تک نہیں ہیں) ''قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ'' وہ جہنم کی آگ سے قریب ہے۔ ''وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ'' اور اللہ کو سخی جاہل زیادہ محبوب ہے بخیل عبادت گزار سے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْٓءُ الْخُلُقِ'' ایک مرد مومن میں دو عادتیں جمع نہیں ہوتیں کنجوسی اور بداخلاقی (یہ دونوں عادتیں مومن کے شایان شان نہیں)۔

اے ایمان والو! ''وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ'' اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) ہاں تم ہی اس کے محتاج ہو۔ یہ صدقات و خیرات کا اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے مطالبہ نہیں فرماتا کہ وہ ان کا محتاج ہے۔ یہ تو حقیقت میں تمہاری احتیاج پوری کرنے اور تمہاری ہی مدد کا ایک ذریعہ ہے کہ تم اللہ کا حکم جان کر بآسانی اللہ کے نام پر اپنی دولت خرچ کر دیتے ہو۔ پس اللہ تمہاری اطاعت کے بدلہ تمہیں دنیا میں بھی اس کا صلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی تمہیں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ رہی دولت تو تم دیکھتے ہی ہو کہ وہ تمہارے ہی لوگوں کے پاس پہنچتی ہے جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو وہ تم سے محبت کرتے ہیں تمہاری عزت کرتے ہیں بوقت ضرورت تمہاری قوت و طاقت بنتے ہیں۔ وہ خوشحال ہوتے ہیں تو بھی تمہاری عزت ہی ہوتی ہے کہ تم ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ کہلاتے ہو۔ نیز بھوکوں کی آہ و زاری اور ضرورت مندوں

کی صداؤں سے تمہیں نجات ملتی ہے اور تم پرسکون ماحول میں سانس لیتے ہو۔ سوچو کیا یہ تمام فوائد تمہارے لئے کم ہیں۔ غور کرو تمہاری دولت کا فائدہ تمہیں ہی ہوا یا اس سے اللہ کی کوئی ضرورت پوری ہوئی وہ تو ہر ضرورت سے پاک ہے۔ پس یہ تمہارے ہی مفاد میں ہے کہ تم دین کی پابندی کرتے رہو اور اپنے وسائل سے ہمہ تن ہو کر دین کی خدمت و اشاعت میں مصروف رہو اگر تم نے ایسا نہ کیا اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں تساہل کیا، لاپرواہی اور سستی کی تو جو رب غنی ہے وہ قادر بھی ہے۔

''وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ'' اور اگر تم نے دین سے لاپرواہی اور روگردانی کی تو اللہ اپنے دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا جو تمہاری طرح لاپرواہ اور غیر ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس موقع پر ''ضیاء القرآن'' کا ایک حاشیہ قابل غور ہے۔ حضرت پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنے دین کا علمبردار بننے کی سعادت بخشتا ہے اور اصلاح عالم کا اہم اور عظیم فریضہ سونپتا ہے جب تک وہ قوم اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے شامل حال رہتی ہے۔ اس کی ہر تدبیر ہم آہنگ تقدیر ثابت ہوتی ہے اس کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھتا ہے اور ہر قسم کی عزتیں اور سرفرازیاں اس پر نچھاور کی جاتی ہیں لیکن جب کوئی قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتی ہے اور مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے لگتی ہے، اس کی قوت عمل میں کاہلی اور سستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو اس کو مناسب انداز سے اس کی کوتاہیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے اگر پھر بھی وہ اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اسے اس منصب جلیل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کسی دوسری قوم کو وہ منصب سنبھالنے کی عزت بخشی جاتی ہے۔ وہ نئی قوم نہ جان کی بازی لگانے میں پس و پیش کرتی ہے اور نہ مال خرچ کرنے میں دریغ کرتی ہے۔
>
> تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا جو قومیں بلکہ جو افراد اس منصب پر فائز ہیں انہیں اپنے اس منصب کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے اور انہیں ہر لحظہ چوکنا رہنا چاہئے کہ ادائے فرض میں ان سے کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سورۃ الحجرات"

مقالہ نمبر	آیات نمبر
70	1
71	2 تا 5
72	6 تا 10
73	11
74	12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۰

سورۃ الحجرات:۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝ (الحجرات:1)

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے

سورۃ الحجرات

یہ سورۃ مبارکہ آداب رسول، اور اہل ایمان کے اعتقادات اخلاق و اعمال اور کردار کا ایک باغیچہ ہے، جس کے پھولوں کی مہک ایمان کو تازگی، قلب کو فرحت و سرور اور چہرے کو نور و شگفتگی بخشتی ہے جبکہ اس کے کانٹے گستاخان رسول، بدباطنوں اور بدکرداروں کا مقدر ہیں جو انہیں خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔

بحمد اللہ ہم اپنا قلم لئے اس پر بہار گلستان میں داخل ہو رہے ہیں اللہ اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ

ہمیں ایسا پر بہار کر دے کہ ہم اس کی مہک سے اپنا اور قارئین کا ایمان تازہ کر سکیں ان کے دلوں کو آقائے رحمت ﷺ کی محبت و عقیدت سے لبریز کر سکیں، کہ ان کے اخلاق و عادات انسانیت کے لئے نمونہ بن جائیں ان کے نورانی چہروں کی کشش دعوت حق کا ذریعہ بن جائے، ان سے یہ خارزار دنیا گل گلزار ہو جائے، وہ رسول کی غلامی پر ناز کرنے لگیں، دنیا و آخرت کی نعمتوں کے حقدار بن سکیں، اے اللہ ہمیں وہ صلاحیت و استعداد عطا فرما کہ ہم ان پھولوں کو چن کر تیرے بندوں کی نظر کر سکیں، آمین۔

آئے اے کاش غلامانِ محمد کی طرح
ہر ادا سے مری تسلیم و رضا کی خوشبو

اے ایمان والو! لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، ایمان کا سب سے پہلا تقاضہ اور اس کی اول ترین تعلیم ادب و احترام ہے کہ بے ادب و گستاخ غلام اپنی انتہائی اطاعت گزاری کے باوجود بھی راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے، جس کی نظیر انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی قائم کر دی گئی، کہ شیطان کی اطاعت شعاری، اس کے علم اور کمال میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، لیکن اپنی ان تمام خوبیوں کے باوجود صرف ایک بے ادبی اور گستاخی نے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا، اس کے تمام اعمال اکارت و ضائع ہو گئے، رجیم و ملعون قرار پایا، "قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ" اللہ نے فرمایا، (اے بے ادب) یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے۔ "وَاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ" اور بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

شیطان میں انانیت تھی، تکبر و غرور تھا، جس نے اسے بے ادبی اور گستاخی کا مجرم بنایا، اور اس جرم کی سزا اللہ رب العزت کی طرف سے رجیم و ملعون قرار دیا جانا مقرر ہوئی، پس اللہ یہ گوارا نہیں فرماتا کہ اس کے بندے بے ادب و گستاخ بنیں، شرف انسانیت کی بقا اسی میں ہے کہ انسان اللہ کا ادب و احترام کرے کیونکہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور رسول کا ادب و احترام کرے کیونکہ اللہ نے اسے رسول کا غلام بنایا ہے، رسول ہی تو بندگی کے طریقہ سکھاتا ہے، پس اس کے احترام کے بغیر اللہ کے احترام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ و رسول کے احترام کے لئے پہلا حکم یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو، یعنی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو، اتباع و پیروی اختیار کرو، اپنی مرضی اور خواہش پر عمل نہ کرو۔ یہی تو بندگی ہے یہی تو غلامی ہے اور یہی ذریعہ فوز و فلاح ہے۔

تقدم کی صورتیں

تقدم یعنی اللہ و رسول سے آگے بڑھنے کی دو صورتیں ہیں جو ممنوع قرار دی گئی ہیں پہلی صورت یہ کہ اللہ و رسول کے احکام سے آگے نہ بڑھو، زندگی کے ہر معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے اللہ و رسول کے حکم پر غور کرو، نزولِ قرآن کے دور میں اس حکم کی صورت یہ تھی، کہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اس بات کے پابند تھے کہ زندگی کے کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کی جائے اگر اس معاملہ سے متعلق اللہ اور اس کے رسول کا حکم پہلے سے موجود ہے تو اس پر عمل کیا جائے ورنہ جو مسئلہ بھی پیش آئے اس کے حل کے لئے معلم کامل ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر معلوم کیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہرہ

میں صحابہ نے اس پر عمل کیا، وہ اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازخود یا نزولِ وحی کے بعد اس مسئلہ سے متعلق جو حکم صادر فرماتے اس پر عمل کیا جاتا تھا، کبھی ایسا نہ ہوا اور نہ کسی کی مجال تھی کہ وہ تقدم کا جرم کرتا اور اپنی مرضی یا عقل کے مطابق زندگی کے کسی معمولی معاملہ میں بھی کوئی قدم اٹھالیتا، نزولِ قرآن کے بعد قیامت تک کے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی اختیار کرنا چاہئے، چاہے وہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی چاہے ان کا تعلق عبادات سے سیاست وحکومت سے یا عائلی و تجارتی امور سے ہو، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ اور گوشہ میں آباد ہوں اور وہ کسی بھی دور سے گزر رہے ہوں بہرحال وہ پابند ہیں کہ اپنی زندگی کے کسی معاملہ میں مرضی اور عقل کا عمل و دخل نہ ہونے دیں بلکہ صرف اور صرف اللہ و رسول کے احکام پر عمل اختیار کریں، کہ ان کا دین مکمل ہے ہر موقع اور ہر جگہ اور ہر دور کے لئے اس میں رہنمائی موجود ہے۔ بس ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیم حاصل کریں حسب ضرورت اسے جانیں اور سیکھیں اور جن معاملات میں انہیں علم دین حاصل نہ ہو ان کے لئے وہ اپنے قوانین گڑھنے نہ بیٹھ جائیں اور اپنی مرضی و عقل کو دین پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اپنی کم علمی اور جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے اہل علم کی خدمات حاصل کریں اور ان سے مدد لیں۔ کہ یہی حکم الٰہی ہے فرمایا گیا، سورۂ نحل ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو، ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف، پس دریافت کرو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔'' وحی الٰہی کے ذریعہ انسان کی رہبری و راہنمائی کے لئے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے علم نازل کیا جاتا رہا ہے، دور انبیاء کے لوگ بلا واسطہ انبیاء سے یہ علم حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے رہے، انبیاء نے اپنی امت کو اس علم کا وارث بنایا اور انہیں پابند کیا گیا کہ وہ علم کا نور پھیلاتے رہیں، رشد و ہدایت کی ذمہ داری پوری کرتے رہیں، عام امتی اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ان اہل علم سے فیض حاصل کریں جانیں سیکھیں اور جو نہیں جانتے اس کے متعلق سوال کریں، علم کا یہ نور اسی لئے پھیل رہا ہے، یہ شمع علم اسی لئے منور ہے۔ کہ کسی دور میں بھی لوگ اپنی مرضی اور اپنی عقل سے رہنمائی حاصل کرنے پر مجبور نہ ہوں کہ عقل و خواہش کی پیروی ضلالت و گمراہی کا سبب ہوتی ہے۔

یہ اہل ذکر کون ہیں، واضح ہے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی حصولِ علم میں صرف کردی۔ ابتداءً انہوں نے یہ نورِ علم بلاواسطہ مخزن علم و عرفان، صاحبِ وحی ﷺ سے حاصل کیا، جس کی ضیاء باری ہر اس مقام پر ہوتی تھی جہاں رسول رونق افروز ہوتے تھے، اور علم کے پیاسوں کو ہر جگہ ہر لحہ سیراب ہونے اور اپنی پیاس بجھانے کے مواقع میسر آتے تھے، لیکن بالخصوص یہ شمع علم مسجد نبوی شریف کے ایک چبوترے پر روشن کی جاتی تھی جسے صُفّه کہا جاتا ہے اور جہاں آج تک علم و عرفان کا نور برستا نظر آتا ہے۔ اس پر نور چبوترے پر دن رات صرف کر کے جن خوش نصیبوں نے علم رسول ﷺ سے اپنے قلوب کو منور کیا، ان میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ربیعہ، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت خالد بن زید، حضرت مسعود بن ربیع، حضرت بلال، حضرت براء بن مالک، حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہم مشہور و معروف محدثین ہیں، حضرت علی رضی اللہ

عنہ نے فرمایا، نَحْنُ اَهْلُ الذِّكْرِ۔ ہم اہل ذکر ہیں۔ ہم سے پوچھو، ہم تمہاری راہنمائی کریں گے۔

یہ شمع علم رسول بجھی نہیں نہ بجھنے کے لئے روشن ہوئی تھی، آج تک روشن ہے قیامت تک روشن رہے گی علم وعرفان کا مرکز صفہ بھی موجود ہے۔ وہ منبر موجود ہیں جن سے شمع علم کا نور پھیلتا ہے۔ اس امت پر اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اپنے نبی کے علم کے وارثین کا سلسلہ امت میں جاری رکھا ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، یہ وارثین علم رسول نامساعد حالات کے باوجود اپنی ذمہ داری پوری کررہے ہیں اور نور علم کو پھیلانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں، یہی اہل ذکر ہیں، یہی اہل علم ہیں یہی امت کے مقتدی اور رہنما ہیں۔ انہیں سے منبر رسول آباد ہیں، انہی کے ذریعہ دین کی بقاء ہے، یہی لوگ ہیں جن سے دین سیکھا اور جانا جاسکتا ہے وہی لوگ اللہ ورسول پر تقدم کے جرم سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو ان علماء دین کو اپنا مقتدی اور رہنما تسلیم کریں اور ان کی ہدایت کے مطابق دنیا و دین کے تمام معاملات میں عمل پیرا ہوں۔

ہم مجرم تقدم ہیں

افسوس کہ آج ہم تقدم کے جرم میں ایسے مبتلا ہیں کہ اس کا احساس تک مٹ گیا ہے۔ دین کو صرف عبادات تک محدود کر کے اپنی زندگی کے لئے تمام اصول یا تو خود گڑھ لئے ہیں اور یا غیروں کے اصول زندگی اپناتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری زندگی اللہ ورسول کی نافرمانی کرتے ہوئے نہایت بے چینی اور بے آرامی سے بسر ہوتی ہے۔ ہمارے حکام جن کا کام صرف اللہ ورسول کے احکام کا نفاذ تھا ہمارے لئے احکام گڑھتے اور ہم پر اپنی مرضی اور خواہشات کو مسلط کرتے رہتے ہیں مسلم حکومت میں دستور ساز اسمبلیاں موجود ہیں جن کے ممبران ایسے لوگ ہیں جن کا علم وعمل سے دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ ہمارے معاشرے میں دستور ساز اسمبلیوں کا تصور تک نہیں کہ ہمارا دستور تو پہلے ہی موجود ہے ہاں صرف اس پر عمل اور اس کو نافذ کرنے کے لئے مشاورت کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت امت مسلمہ کے لئے قابل فخر رہا آپ کی حکومت کے حدود آج کی تمام حکومتوں سے وسیع وعریض تھے۔ لیکن کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کوئی دستور از خود مرتب کیا اور نافذ کیا ہو صرف مجلس شوری کے مشوروں سے آپ اس ہی دستور پر عمل کراتے رہے جو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر انسانیت کی ہدایت ورہبری کے لئے نازل فرمایا، کیونکہ یہ اتنا مکمل ضابطۂ حیات ہے کہ تعلیمات رسول کے مطابق اس پر عمل کے بعد مزید کسی دستور کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

یقین جانئے اگر ہمارے حکام اہل علم کے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر ہم پر اللہ ورسول کا دستور نافذ کریں تو ان کی اور ہماری موجودہ الجھنیں اور پریشانیاں یکسر، یقیناً ختم ہو سکتی ہیں، ذلت وخواری کے جس دلدل میں آج ہم پھنسے ہوئے ہیں اس سے بآسانی نجات مل سکتی ہے۔ خوف وہراس کے جو گھرے بادل ہم پر چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ سکتے ہیں، شاید حکام کا یہ خیال ہے کہ یہ دینی حقوق امور میں اہل علم کا تعاون حاصل کرنا ان کی شان اور آن کے خلاف ہوگا، ایسا ہرگز نہیں غیروں کے در پر ہماری مدد تو ... ان سے ... ہے۔ اپنے ہی سپاہیوں سے اپنی حفاظت کے لئے مدد طلب کرنا کس طرح خلاف شان ہو سکتا ہے۔

اجتماعی کوشش

آیئے اپنی لٹی ہوئی عزت وآبرو کو بحال کرنے کے لئے اجتماعی کوشش کریں اس طرح کہ اولاً ہم خود احکام دین کو اپنائیں پھر اپنے حکام کو دین کی دعوت دیں اور قرآن وسنت کے مطابق حکومت کرنے پر آمادہ کریں، کہ بحیثیت مسلم ہم سب اس کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہم اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے قاصر رہے تو سورۂ محمد (ﷺ) کی اس آیت پر پھر غور کر لیجئے جس کا مطالعہ آپ گذشتہ صفحات پر کر چکے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ۔ "اگر تم روگردانی کروگے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا، جو تمہاری طرح (نافرمان اور باغی) نہ ہوگی، اس تبدیلی کے ذمہ دار تم ہی ہوگے کیونکہ اللہ کا اصول ہے۔" ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں تبدیل فرماتا جب تک وہ خود ہی اپنے آپ کو نہ بدل ڈالیں، کہ اپنی لاپرواہی، بدعملی اور بدکرداری کے سبب وہ اس نعمتِ الٰہیہ کے اہل ہی نہ رہیں نااہل اسی کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان سے وہ تمام اعزازات چھین لئے جائیں جو انہیں دیئے گئے تھے، امت مسلمہ کے لئے یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اسے انسانیت کے لئے رہبر وراہنما اور مقتدیٰ بنایا گیا اگر وہ خود ہی دشمنوں کے در کے بھکاری بن کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو ان کے لئے اس اعزاز کو باقی رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ پس

اے ایمان والو! تم خوش نصیب ہو کہ تم میں تمہاری ہدایت وراہنمائی کے لئے وارثین انبیاء، علماء کرام موجود ہیں جن کے دروازے ہمہ وقت تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں ان کی قدر کرو، یہ تمہارے لئے اللہ کی بڑی رحمت ونعمت ہیں ان کا احترام کرو کہ یہ اللہ ورسول کے نزدیک بلند مرتبہ وبلند مقام ہیں، اپنے وقت اپنی جان اور اپنے مال سے ان کی مدد کرو، کہ یہ دین حق کے محافظ وپاسبان ہیں، ان سے فیض حاصل کرو کہ یہی تمہارے قلوب روشن ومنور کر سکتے ہیں، ان سے علم حاصل کرو، کہ اسی سے تمہاری تاریک دنیا روشن ہو سکتی ہے۔

ممنوعہ تقدم کی دوسری صورت عملی ہے، ظاہر ہے جس کا ابتدائی تعلق رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدسہ سے ہے کہ آپ سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کوئی عمل کرنے اور کوئی اقدام کرنے کی ممانعت کر دی گئی، لہٰذا صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے ساتھ چلتے ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ آپ سے آگے چلے، جب آپ مجلس میں رونق افروز ہوتے تو کسی کی ہمت نہ تھی کہ گفتگو میں پہل کرے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریک طعام ہوتے تو کوئی آپ سے پہلے نوالہ نہ توڑ سکتا تھا، یہی عمل اور دوسرے اعمال میں تھا۔

معلم کامل ﷺ نے اسی ادب واحترام کی تعظیم ہم غلاموں کو دی اور وضاحت سے بتایا کہ اہل علم اور دیگر قابل احترام شخصیات پر تقدم نہ کرو ان سے پہلے کوئی کام نہ کرو، ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چلتے دیکھا، تو انہیں روکا اور فرمایا یہ کیا، تم ایسے شخص کے آگے چل رہے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے، دنیا میں سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے

بہتر اور افضل ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں، کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد کے فیصلہ کے مطابق اپنے قلعہ سے اتر آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کو بلوایا، وہ اگرچہ زیادہ دور نہ تھے لیکن اپنے گدھے پر سوار ہو کر آئے، جب مسجد کے پاس پہنچے اور آپ نے ان کو دیکھا تو حاضرین کو حکم دیا، کہ "اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھے گفتگو فرما رہے ہوتے تھے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، نہ تو اس طرح کہ اپنے لئے خود اصول زندگی گڑھو اور انہیں اللہ و رسول کے احکام سے بہتر جانو، اور نہ اس طرح کہ کسی بھی کام میں رسول ﷺ سے پہل کرو، آپ کی حیات طیبہ کے بعد تمہارے لئے یہ حکم بایں صورت جاری ہے کہ نائبین رسول ﷺ اور دیگر قابل احترام شخصیات کا ادب کیا کرو، مثلاً جب تم کسی عالم، مرشد، اپنے باپ یا کسی بھی بزرگ کے ساتھ چل رہے ہو تو خیال رکھو کہ پیچھے پیچھے ہی رہنا آگے نہ چلنا کہ یہ بے ادبی ہوگی، جب تم ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں شامل ہو تو ان سے پہلے ہرگز کھانا شروع نہ کرنا، جب وہ گفتگو کر رہے ہوں تو ان سے پہلے گفتگو شروع نہ کر دینا، جب وہ کھڑے ہوں تو اس وقت تک تم نہ بیٹھنا جب تک وہ نہ بیٹھ جائیں یا تمہیں بیٹھنے کی اجازت نہ دیدیں۔ یا تم سے رخصت نہ ہو جائیں، اس طرح اگر تم بیٹھے یا لیٹے ہو اور کوئی بزرگ آپہنچے تو احتراماً فوراً کھڑے ہو جایا کرو، یہ تمام آداب ہیں جو مؤمن کے اخلاق کا حسن ہیں، لہٰذا ان کا بہت ہی زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ "اتَّقُوا اللّٰهَ" اللہ سے ڈرتے رہا کرو، کہ ادب و احترام نہ چھوٹنے پائے، اگر ایسا ہو گیا تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جو بڑا ہی جرم ہے۔ بیشک اللہ تمہاری ہر بات کو سنتا اور ہر ارادے اور عمل کو جانتا ہے۔

اے اللہ تقدم کے جرم سے ہماری حفاظت فرما اور اپنی اطاعت، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرما۔

وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۱۷

سورۃ الحجرات: ۲، ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (الحجرات:۲-۵)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نہ بلند کیا کرو نبی (کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو کہیں (اس بے ادبی سے) تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو، بیشک جو پست رکھتے ہیں اپنی

آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے انہی کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے، بیشک جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں اور اگر وہ صبر کر لیتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

ارے یہ جلوہ گہ جاناں ہے کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

آدابِ رسول ﷺ

گزشتہ اوراق پر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ غلاموں کو آقا ﷺ کے ادب و احترام کا کس طرح حکم دیا گیا، یہ حکم اگرچہ اللہ ورسول دونوں کے لئے مشترک تھا لیکن قول وعمل میں رسول پر تقدم کی ممانعت کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص تھا، جس کے لئے اہل ایمان کو بطور خاص مخاطب کیا گیا۔ اب جن آدابِ رسول کی تعلیم دی جارہی ہے ان کے لئے دوبارہ بطور تاکید خطاب کیا گیا کہ اے ایمان والو! خاص طور پر ان صورتوں میں اپنے آقا ﷺ کے احترام کا خاص خیال رکھنا کیونکہ اگر ذرا بھی لاپرواہی ہوگئی اور تم سے رسول کی گستاخی کا جرم ہوگیا تو اس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک ہوگا۔

تقدم کی ممانعت کے بعد دوسرا حکم دیا جارہا ہے کہ "لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" کہ اپنی آواز کو ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اونچا نہ ہونے دینا کہ یہ دربارِ شاہی ہے جہاں غلاموں کو آقا ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جب یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام پر ایک عجیب سی خوف کی کیفیت طاری رہنے لگی، یہ حضرات اگرچہ اس حکم کے نزول سے پہلے ہی اس شاہی دربار کے آداب کا کچھ کم خیال نہ رکھتے تھے لیکن اس حکم کے بعد مزید محتاط رہنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ وہ آپ ﷺ سے اس قدر آہستہ آواز میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ بسا اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پوچھنا پڑتا کہ تم نے کیا کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں خاص بے تکلفی کی اجازت تھی کیونکہ آپ کو اکثر وبیشتر باریابی کا شرف حاصل رہتا تھا۔ وہ بھی مزید محتاط ہو گئے اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، "میں تامرگ آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کیا کروں گا۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ معمول بنالیا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں شرفِ باریابی حاصل کرنے کے لئے کوئی وفد آتا تو بارگاہ میں حاضری سے پہلے اس وفد کے پاس ایک آدمی بھیج دیتے تھے جو انہیں آدابِ شاہی بتاتا اور اس پر عمل کی تاکید کرتا تھا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ قدرتاً بلند آواز تھے۔ اس آیت کو سن کر ان کی حالت تو بے حد غیر ہوگئی، انہوں

نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ اپنے کمرے میں تنہا عبادت میں مصروف رہتے اور توبہ کرتے رہتے، زار وقطار روتے اور عرض کرتے: اے اللہ، تو جانتا ہے کہ میری آواز قدرے بلند ہے، تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں میں ہی سب سے زیادہ اونچی آواز سے بولنے کا مجرم ہوں، لیکن میری مجبوری تھی قصد نہ تھا۔ میں نے کبھی اپنے آقا ﷺ سے گستاخی یا ان کو ایذاء رسانی کا تصور بھی نہ کیا۔ اے اللہ تو میری آواز کو اتنا پست کر دے کہ میرے اعمال محفوظ ہوسکیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو دن اپنے غلام کو اپنی بارگاہ میں نہ دیکھا تو دریافت فرمایا کہ تمہارا بھائی ثابت کہاں ہے؟ کیوں غیر حاضر ہے کیا بیمار ہے، یا کہیں چلا گیا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد سے ثابت نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا ہے اور وہ زار و قطار روتے رہتے ہیں، ان کے اہل خانہ تک پریشان ہیں، آقائے رحمت عالم ﷺ نے غلام کو دربار میں حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا تمہارا کیا حال ہے تم کیوں غائب رہے اور کیوں ہر وقت روتے رہتے ہو۔ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ ﷺ! میری آواز قدرتاً اونچی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ میرے ہی لئے نازل ہوئی ہے جس کے مطابق میرے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی اسی بدنصیبی پر اپنے رب کے حضور گریہ کناں ہوں اور توبہ کرتا رہتا ہوں۔ آقائے رحمت عالم ﷺ نے مسکراتے ہوئے غلام کو قریب بلایا، تسلی دی ان کے غم کی تلافی کے لئے مژدۂ جانفزا سنایا: ''اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا'' کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو۔ ''وَتُقْتَلَ شَهِيْدًا'' اور شہید کئے جاؤ، ''وَتَدْخُلِ الْجَنَّةَ'' اور جنت میں داخل کئے جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی آقا ﷺ کی اس عنایت بیکراں پر مست ہوتے ہوئے عرض کیا: ''رَضِيْتُ'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں راضی ہو گیا، خوش ہو گیا۔

قاسم انعاماتِ الٰہیہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت قیس رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی ''حمید'' پرسکون اور پرعیش بسر ہوئی وہ ہمیشہ صحت وتندرستی اور امن وامان کی نعمتوں سے مالا مال رہے۔ صحابہ کرام کی نظروں میں ان کے اعزاز واکرام کا یہ عالم تھا کہ وہ جدھر سے گزرتے لوگ ان کے لئے احتراماً کھڑے ہو جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ دیکھو جنتی گزر رہا ہے کہ مالک جنت ﷺ انہیں وَتَدْخُلِ الْجَنَّةَ کا مژدہ سنا چکے تھے اور صحابہ کرام ہر اس اعزاز پر کامل یقین رکھتے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بخشا جاتا تھا کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ اللہ کی نعمتیں تقسیم کرنے والے، جنت بانٹنے والے ہمارے آقا ﷺ ہی ہیں۔

لاورب العرش، جس کو جو ملا ان سے ملا ۔۔۔ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لئے یمامہ لشکرِ اسلام روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہو کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ مسیلمہ کا لشکر تعداد میں بہت زیادہ تھا اس لئے مسلمانوں کو اس کی طرف سے سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا اور ایک موقع ایسا بھی آیا کہ اسلامی فوج

کے نوجوان پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس خطرناک حالت کو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو بآواز بلند اپنے لشکر کو للکارا اور فرمایا: اے مجاہدو! ہم لوگ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں کفار سے مقابلہ کرتے تھے تو کبھی ہمارا قدم پیچھے نہ ہٹا، آج تمہیں کیا ہوا کہ تم پسپا ہو رہے ہو، بھاگنے کے لئے پر تول رہے ہو، آج تمہاری ایمانی غیرت وحمیت کیا ہوئی۔ یہ کہتے ہوئے آپ تنہا آگے بڑھے اور دشمن پر سخت بھرپور حملہ کیا، ایک بوڑھے جانباز، بہادر مجاہد کی اس پیش قدمی نے پورے لشکر اسلام میں جوش وجذبہ بیدار کر دیا اور یک دم پورا لشکر دشمن کی طرف بڑھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو کچل ڈالا۔ اسی مجاہدانہ حملے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق جام شہادت نوش فرمایا اور انہیں ان کے آقا ﷺ کا عطا کردہ اعزاز حیاتِ جاودانی نصیب ہوا۔

ایک کرامت

ابھی لشکر اسلام نے میدانِ جنگ چھوڑا بھی نہ تھا کہ ایک مجاہد نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نے اسے بتایا کہ وقت شہادت میرے جسم پر ایک قیمتی زرہ تھی جو ایک دشمن نے اتار لی۔ اس کے خیمہ کے سامنے ایک گھوڑا گھاس چر رہا ہے اور وہ زرہ اس نے ایک بڑی ہانڈی کے نیچے چھپا رکھی ہے میرے بھائی! تم امیر لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بتاؤ اور کہو کہ وہ ہر حال میں میری زرہ حاصل کر لیں تاکہ میرے کسی مجاہد بھائی کے کام آ سکے۔ نیز مدینہ پہنچ کر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میرا اسلام پہنچانا اور پیغام دینا کہ مجھ پر جن لوگوں کا قرض ہے وہ ادا کر دیں اور میرا ایک غلام ہے اسے آزاد کر دیں۔ اس مجاہد صحابی نے اپنا خواب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سنایا وہ اپنی تلوار لے کر اٹھے اور اس خیمہ کی تلاشی لی تو اسی جگہ زرہ موجود تھی جہاں بتائی گئی تھی اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا گیا تو آپ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق آپ کا قرضہ ادا کر دیا اور ان کے غلام کو آزاد کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ میرے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا گیا ہو۔

اور تاقیامت شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ وصیت اسی صورت میں نافذ العمل ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا اپنے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے بلند آواز کرنے کی ممانعت کے ساتھ ہی دوسرا ادب سکھایا گیا: ''وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ'' اور میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں اس طرح زور، زور سے بھی گفتگو نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہ یہ بے تکلفی شاہی دربار کی شان کے خلاف ہے۔

آقا کا اپنے دلوں میں احترام پیدا کرو، رعب پیدا کرو، غلامانہ انداز پیدا کرو، عجز وانکساری سے آہستگی سے اپنی معروضات پیش کیا کرو کہ ان کی سمع خراشی نہ ہونے پائے جو ایذاء کے مترادف ہے اور جانتے ہو اللہ ورسول کو ایذاء پہنچانے کا انجام کیا ہے۔'' اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا''

(احزاب:57) بیشک جولوگ اللہ اوراس کے رسول کوایذاء پہنچاتے ہیں ان لوگوں پر دنیاو آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اوران کے لئے دردناک عذاب تیارکررکھا ہے۔

الامان والحفیظ،سوچئے جب غلام ادب واحترام سے محروم ہواتو پوری طرح ہی بدنصیب قرار پایا،تمام نعمتوں سے محروم کردیا گیا،اللہ کی لعنت کا مستحق ہوگیا۔اب وہ شقاوت وبدنصیبی کے ایسے دلدل میں پھنس گیا جس سے نکلنا کسی کے بس کی بات نہیں،پس غلام کی نجات غلامی میں ہی ہے آقا کی ہمسری میں نہیں۔

وہ میٹھی نگاہ والا، خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

انجام

دونوں جرم،رفع صوت اورآقا ﷺ کی موجودگی میں بآواز بلند باتیں کرنا،تقریباً ایک جیسے ہی ہیں لہٰذا دونوں کی سزایادونوں کاانجام ایک ہی ہے۔''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ'' یہ کہ تمہارے اعمال ضائع اور باطل ہوجائیں نماز،روزے،حج و زکوٰۃ،تقویٰ،پرہیزگاری سب برباد ہوسکتے ہیں۔کیونکہ قبولیتِ اعمال کادارومدار صاحب شریعت ﷺ کی رضااورخوشنودی پرہی تو ہے اور جب تم نے انہی کے دربار میں بے ادبی اور گستاخی کی توتم اس لائق نہ رہے کہ اللہ رب العزت تمہاری کسی نیکی کو قبول فرمائے اللہ اکبر،کتنا بھیانک انجام ہے کتنی سخت سزا ہے جب ہی تواس کے تصور سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کانپ اٹھے تھے اور دیگر صحابہ محتاط ہو گئے تھے حالانکہ ان نفوس قدسیہ سے تو رضائے الٰہی پر نص قطعی موجود ہے:''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' اللہ ان سے راضی ہو چکا اور یہ اللہ سے راضی ہو گئے۔''کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی'' ہرایک سے اللہ جنت کا وعدہ فرماچکا ہے بلاشبہ صحابہ کرام سب جنتی ہیں ان میں کوئی شک نہیں حتیٰ کہ ان کے نقش قدم پر چلنا جنت کی ضمانت ہے لیکن یہ جنتی حضرات بھی اس گستاخی کی سزاسن کر کانپتے نظر آرہے ہیں تو پھر ہماشما کس گنتی میں ہیں۔ہمیں تو بہت ہی زیادہ ہوش میں آنے اوراحتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ہماری جھولیاں تو پہلے ہی خالی ہیں کہیں ذرااونچ نیچ ہوئی توجوکچھ بھی کیادھراہے سب بربادہوجائے گا۔سوچو پھرآقا ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے،پس:

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے آنکھوں سے بھی چلنا یہاں بے ادبی ہے

اے ایمان والو! دورِنزولِ قرآن میں ان احکام کے اصل مخاطب اگرچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے لیکن دیگراحکام قرآن کی طرح یہ آج تک جاری ہیں اور ہمیشہ جاری رہیں گے۔بایں صورت کہ آج بھی ہم پابند ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں جب شرف حاضری نصیب ہو،تو نہ تو بآواز بلند صلوٰۃ وسلام عرض کریں نہ نعت خوانی کریں،نہ ہی آپس میں اونچی آوازوں سے باتیں کریں اورصرف یہی نہیں بلکہ جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم ہورہی ہواحکام شریعت بیان کئے جارہے ہوں،کوئی عالم دین تقریر کررہا ہو،ان سب صورتوں میں بھی آواز بلند کرنا یا آپس میں باتیں کرنا حرام ہے۔نیزان احکام کی بنیاد پرعلماء نے تصریح کی ہے کہ وارثین انبیاء علماء کرام،مشائخ،پیروں اور دیگر بزرگوں کے

سامنے بھی بلند آواز کرنا یا آپس میں گفتگو کر رہا ہو تو درمیان میں بول پڑتا اور اونچی آواز سے باتیں شروع کر دینا بھی جائز نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ''اور اپنی آواز پست رکھو، بیشک سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے۔(سورہ لقمان)

انسان اور گدھے میں کیا نسبت ہے لیکن انسان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دے کر اور اس کے کراہت و دہشتنا کی ظاہر کر کے انسان کو بے سُری آواز سے باتیں کرنے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

یہ سب وہ معاشرتی آداب ہیں جن کی قرآن کریم نے تعلیم دی اور اسوۂ کامل ﷺ نے ان کی عملی وضاحت فرمائی۔ یہ مومن کے اخلاق کا حسن اور زیور ہیں۔ ایک شخص کتنا ہی باخلاق ہو لیکن اس کی بلند آواز اور گفتگو میں ترشی اس کے اخلاق کو بھدا بنا دینے کے لئے کافی ہوتی ہے، مخاطب کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص لڑ رہا ہے اور غصہ کر رہا ہے۔ بہرحال ہمیں ان تمام آداب کی پابندی کر کے اللہ و رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ نرم گفتگو پرکشش ہوتی ہے جسے لوگ بغور سنتے اور گفتگو کرنے والے کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

غرضیکہ رفع صورت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں اونچی آواز سے گفتگو کرنے والوں کی سزا نہایت ہی بھیانک ہے کہ ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں مزید برآں یہ کہ''وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ''کہ تمہیں اپنے اس بدانجام کا پتہ تک نہ چلے گا، آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ ہم جو کچھ کرتے رہے وہ تو سب ضائع ہو گیا اگر یہ انجام اس طرح ہوتا کہ دنیا ہی میں پتہ چلتا تو رو دھو لیتے، توبہ کر لیتے معافی مانگ لیتے لیکن یہ تو بڑا ہی حادثہ ہوا کہ برباد بھی ہو گئے اور پتہ تک نہ چلا، کس قدر خطرناک سزا ہے یہ اللہ محفوظ رکھے۔

امام مالک اور ہارون رشید

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ہارون رشید کا ایک واقعہ پڑھئے اور اندازہ لگایئے کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ دربارِ نبوی ﷺ کے آداب کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے۔

خلیفہ ہارون رشید دربار نبوی ﷺ میں جب حاضر ہوا تو روضۂ مبارک پر حاضری دینے کے لئے اس نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لے لیا تاکہ ان کے وسیلہ سے سرکار ﷺ کے دربار میں اس کا سلام قبول ہو سکے۔ مواجہ شریف پر حاضر ہو کر خلیفہ نے باآواز بلند صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کر دیا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، آپ نے خلیفہ کو روکا اور کہا کہ یہ شہنشاہوں کے شہنشاہ کا دربار ہے یہاں اتنی بلند آواز کرنے کی اجازت نہیں کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کا یہی حکم ہے۔ خلیفہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر کانپنے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گیا کہ اب وہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کس طرح دربارِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی معروضات پیش کرے۔ بالآخر کچھ دیر بعد نہایت ہی ادب واحترام سے آہستہ آہستہ سہمتے ہوئے اس نے کچھ کہنا شروع کیا، فارغ ہو کر اس نے نہایت ہی پست آواز کے ساتھ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اب میں دعا کعبہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر مانگوں یا دربار ہی کی طرف ہاتھ اٹھاؤں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب مرحمت فرمایا: "كَيْفَ تُوَلِّيْ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ" تم ان کی طرف سے کس طرح منہ پھیر سکتے ہو جبکہ یہ تمہارا بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ نیز اللہ نے تو خود انہی کے دربار میں حاضر ہو کر جھولی پھیلانے کا حکم صادر فرمایا ہے، کیا تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں پڑھی: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ آپ کے دربار میں حاضر ہو جائیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ مکان وجہت سے پاک ہے، جس سمت بھی منہ کر کے ہاتھ پھیلاؤ گے تمہارے ہاتھ اسی کے سامنے پھیلے ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں، پس جدھر بھی تم رخ کرو وہیں اللہ کی ذات موجود ہے، بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے۔ پس خلیفہ روضۂ مبارک کی طرف ہاتھ اٹھائے نہایت عجز و انکساری سے دعا مانگتے رہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ پہلو میں کھڑے آمین کہتے رہے۔

حقیقت سمت

ہم یہاں یہ بھی وضاحت کرتے چلیں کہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے سوال پر فی البدیہ فتویٰ دیا کہ دعا کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے رخ پھیر لینا حکم قرآن کے خلاف ہے، پس ہاتھ اٹھاؤ اور مانگو جو مانگنا ہے، آپ نے اپنے فتوے کی تائید میں قرآن کریم کی دو آیات بھی تلاوت کیں اس سلسلہ میں ہم پہلے تفاسیر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے فتوے کی وضاحت و تائید کرتے ہیں۔

صاحب تفسیر مظہری، حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> "وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ" یعنی کل زمین ملکیت اور پیدائش کے لحاظ سے اسی کی ہے اور تمام مخلوق اس کے وجود کے مظاہر میں ہے اور اس کے نور کی تجلیات ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، چیزوں کو درست کرنے اور رکھنے والا ہے وہ کسی جگہ میں مقید نہیں۔ قبلہ کی طرف تو اس کا حکم محض تعبدی ہے اور تکلیف بقدر طاقت ہے۔ اگر تم فرائض میں قبلہ کی طرف توجہ پر قادر نہ ہو سکو، دشمن کی وجہ سے یا اشتباہ کی وجہ سے باوجود تحری کے غلطی ہو جائے یا نوافل میں سواری پر سے اترنے، سفر میں حرج ہو اور چل نہ سکنے کا خطرہ ہو کیونکہ نوافل کا معاملہ فرائض سے کم ہے تو جس طرف بھی منہ پھیرو، اسی طرف اللہ کی توجہ ہو گی۔"

حضرت پیر کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں رقمطراز ہیں:

> "منتشر افراد قوم بنتے ہیں جب کہ ان میں یک جہتی ہو اور یک جہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت اپنی کسی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی ہے اس

آیت میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ ہی کی ہیں مشرق ہو یا مغرب، جنوب ہو یا شمال سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کے زیر نگیں ہیں، اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے، پورب اور پچھم سے تمہیں کیا سروکار، تم اس کے حکم کے بندے ہو، نیز چونکہ مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اس کے طلوع کی سمت ہے اس لئے خصوصی طور پر اس کے تقدس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مشرق کو مقدس مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں، ان کی حقیقت بس اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے اور اسی کا حکم ان میں جاری و ساری ہے۔''

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس آیۂ مبارکہ پر حاشیہ قابل مطالعہ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ایک اندھیری رات سفر میں تھے۔ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکی ہر ایک شخص نے جس طرف اس کا دل جما نماز پڑھی۔ صبح کو سید عالم ﷺ کی خدمت میں حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہت قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف دل جمے کہ یہ قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔

اس آیت کے شان نزول میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس مسافر کے حق میں نازل ہوئی جو سواری پر نفل ادا کرے۔ اس کی سواری جس طرف متوجہ ہو جائے، اس کی طرف اس کی نماز درست ہے۔ بخاری و مسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو یہود نے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بتایا گیا کہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے وہ جس طرف چاہے قبلہ معین فرمائے، کسی کو اعتراض کا کیا حق (خازن)۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت دعا کے حق میں وارد ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ کس طرف منہ کر کے دعا کی جائے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حق سے گریز و فرار میں ہے اور ''اینما تولوا'' کا خطاب ان لوگوں کو ہے جو ذکر الٰہی سے روکتے اور مسجدوں کی ویرانی میں سعی کرتے ہیں، وہ دنیا کی رسوائی اور عذابِ آخرت سے کہیں بھاگ نہیں سکتے کیونکہ مشرق و مغرب سب اللہ کا ہے، جہاں بھاگیں گے وہ گرفت فرمائے گا اس تقدیر پر وجہ اللہ کے

معنی خدا کا قرب وحضور ہے(فتح)۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کفار خانہ کعبہ میں نماز سے منع کریں تو تمہارے لئے تمام زمین مسجد بنادی گئی ہے، جہاں سے چاہو قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو۔"

اس آیت سے متعلق ایک اقتباس تفسیر معارف القرآن سے بھی ملاحظہ ہو۔جس کے مصنف مفتی محمد شفیع صاحب ہیں، جو دیوبندی مکتب فکر کی صف اول کے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

یہود نے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اس جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے۔ اس کا جواب حق تعالیٰ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اور اللہ ہی کی ہیں (سب جہتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی (اور وہ اس کا مکان نہیں)۔

پس وہ مالک ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کردیں، کیونکہ حکمت تعیین قبلہ میں مثلاً عابدین کا اتفاق ہیئت اور اجتماع خاطر ہے اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہوسکتی ہے۔جس کا حکم دے دیں وہی متعین ہوجائے گی ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی جہت خاص کے ساتھ مقید ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ عبادت بننے کا انحصار زیبا تھا لیکن وہ ذات پاک کسی جہت کے ساتھ مقید ومحدود نہیں جب یہ بات ہے، تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر (ہی) اللہ تعالیٰ (کی ذات پاک) کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (خود تمام جہات اور اشیاء کو) محیط ہیں جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن باوجود محیط وغیر محدود ہونے کے پھر بھی جہت عبادت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ کامل العلم ہیں کہ ہرشی کے مصالح کو خوب جانتے ہیں، چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصالح سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیا گیا.........(چند صفحات کے بعد)۔

اس لئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا کہ اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہوگیا تو اس میں فضیلت ہے آپ دلگیر نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کررہا ہو۔

چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم دے کر عملاً اور آپ نے قولاً اس بات کو واضح کردیا کہ کسی خاص مکان یا سمت کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ اس مکان یا سمت میں ہے دوسری جگہ میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے، کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب عمل کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرف چاہے رخ کرکے نماز پڑھے۔دوسرے یہ کہ سب کے لئے کوئی خاص سمت وجہت متعین کردی جائے۔ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک تشت وافتراق کا منظر سامنے آئے گا کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے

ہیں اور ہر ایک کا رخ الگ الگ اور ہر ایک کا قبلہ جدا جدا ہے اور دوسری صورت میں تنظیم واتحاد کا عملی سبق ملتا ہے۔ ان حکمتوں کی بناء پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔ اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ دونوں مقدس اور متبرک مقامات ہیں ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام دیئے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ تک بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی دلی خواہش کے مطابق اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کو قبلہ عالم بنادیا گیا۔

ایک اقتباس تدبر قرآن کا بھی پیش نظر ہے جو امین احسن اصلاحی صاحب کے ذاتی تدبر کا نتیجہ ہے۔ موصوف کوئی عالم نہ تھے بلکہ بنیادی طور پر صحافی تھے۔ فاران کے ایڈیٹر تھے ان کا شمار غالباً اہل حدیث مکتبہ فکر کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ ان کی تفسیر کے مطالعہ کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی مخصوص مکتبہ فکر نہ تھا۔ دینی امور میں یہ اپنی ذاتی رائے کے پیروکار تھے ایک زمانہ تک یہ مولانا مودودی کے رفیق کار اور معاون رہے۔ ان سے تفہیم القرآن کے بعض حصوں پر اختلاف رائے ہوا تو خود ہی اپنی تفسیر تدبر قرآن لکھ ڈالی۔ بہر حال موصوف جہت کعبہ سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> قرآن مجید نے یہاں اس سبب اختلاف ونزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی لغویت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ مشرق ہو یا مغرب، دونوں سمتیں اللہ ہی کی ہیں، ان میں جس سمت کو بھی انسان رخ کرے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس چیز کو یہود ونصاریٰ نے سر پھٹول اور ہدمِ معابد ومساجد کا سبب بنایا ہے تو یہ ان کی جہالت وحماقت ہے، سمتوں اور جہتوں میں سے کسی سمت اور جہت کو بھی خدا کے ساتھ اختصاص نہیں ہے وہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر جدھر بھی رخ کرتے ہیں۔ خدا ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کو محیط ہے۔
>
> ہر جا کلیم سجدہ بداں آستاں رسد (چند صفحات کے بعد)
>
> ''قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ'' (کہہ دو۔ مشرق و مغرب دونوں اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔) یہ یہود ونصاریٰ کے مذکورہ بالا اعتراضات کا جواب ہے، کہ تمہیں اب قبلہ سے کیا واسطہ، تم تو اہل قبلہ کے بجائے مشرق و مغرب کے چکر میں پھنس گئے ہو، نصاریٰ مشرق کو اپنا قبلہ قرار دے بیٹھے ہیں اور یہود مغرب کو، حالانکہ سمتوں میں سے کسی سمت کو بھی اللہ کے ساتھ کسی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو ہر سمت میں ہے مشرق ومغرب، شمال وجنوب سب اسی کی فرمانروائی میں ہیں، اس لئے اگر خصوصیت ہو سکتی ہے تو کسی ایسے گھر ہی کو ہو سکتی ہے جس کو وہ مخصوص فرمائے، اور قبلہ قرار دے یہ خصوصیت رکھنے والا گھر حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کا تعمیر کردہ گھر مکہ کا بیت اللہ ہے۔ وہی تمام اولاد ابراہیم کا قبلہ قرار پایا تھا

اور اسی کو قبلہ قرار دے کر بیت المقدس کی بھی تعمیر ہوئی تھی اب حقیقت کے نشانات و آثار تورات میں موجود تھے، لیکن تم نے تعصب کی وجہ سے یہ نشانات مٹا دیئے تھے، لیکن تمہاری ان مخالفانہ کوششوں کے علی الرغم اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے جن کو چاہا سیدھا راستہ دکھا دیا، اور اب وہ تمہارے پیدا کردہ پیچ و خم سے نکل کر ایک صراط مستقیم پر چل کھڑے ہوئے ہیں۔

ہمارا عقیدہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ اور مفسرین کی وضاحت کے مطابق ہمارا بھی ایمان و عقیدہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے بیت اللہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا ہے۔ اس کا تعلق جہت و سمت کے تقدس سے نہیں، جہات تو سب ہی ایک جیسی ہیں اللہ کی رحمت کسی ایک سمت سے متوجہ نہیں ہوتی، بلکہ ''فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' جس طرف بھی منہ کرو رحمت باری پاؤ گے اور قبلہ کے لئے ایک مرکز کا تعین بھی صرف عبادات سے متعلق ہے دعا کے لئے نہ کسی مرکز کی طرف رخ کرنا شرط ہے اور نہ ہی آسمانوں کی طرف ہاتھ اٹھانا لازمی ہے، کہ دعا تو دل کی صدا کا نام ہے اور جس سے دعا کی جاتی ہے وہ ''عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' دلوں کا حال جاننے والا ہے۔ اسی لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ کلماتِ دعا زبان سے باآواز بلند یا آہستہ کہے جائیں۔ بس بندہ اپنی ضرورت کا دل میں خیال کرے اور دلوں کا حال جاننے والا مالک وحدہ لاشریک بندے کی دعا کو شرف قبول عطا فرمائے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ دعا کے وقت سمت کعبہ سے افضل کسی دوسری جہت بائیں یا دائیں رخ کر لینا چاہئے ہاتھ صرف اس لئے اٹھائے جائیں کہ بندہ کی حالت دعا کا اظہار ہو اور آسمان کی طرف اس لئے بلند کئے جائیں کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق بندے کے رزق کا تعلق آسمان سے ہے۔ اسی عقیدے کی تائید مندرجہ بالا اقتباسات سے ہوتی ہے اور اس کی تصریح، روح البیان، روح المعانی، تفسیر کبیر اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں موجود ہے جن کی عبارتوں کو ہم نے بخوف طوالت نقل نہیں کیا ہے۔

سعودی فتویٰ

لیکن جو کچھ آپ نے پڑھا اس کے علی الرغم سعودی فتویٰ یہ ہے: ''کہ بوقت دعا سمت کعبہ کے سوا کسی دوسری طرف رخ کرنا نہ صرف حرام قطعی ہے بلکہ شرکِ عظیم ہے۔'' اس سلسلہ میں براہ راست ہمیں کسی سعودی عالم سے تو گفتگو کا موقع نہیں ملا لہٰذا ہم نہیں جانتے کہ ان کا فتویٰ کیا ہے۔ تاہم ہم نے مدینہ منورہ میں دیکھا ہے کہ سپاہی اور دیگر مذہب زدہ سعودی، عوام کو بڑی ہی حقارت کے ساتھ، بوقت دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ مبارکہ جنت البقیع کے مزارات اور دیگر متبرک مقامات کی طرف رخ کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ روکتے اور منع کرتے رہتے ہیں۔ ان کی سخت گیری اور دیدہ دلیری سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے علماء، اور حکام کی پوری طرح حمایت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم اپنے رفقاء سفر کے ہمراہ جنت البقیع کی قریب والی دیوار کے ساتھ کھڑے روضہ انور کی طرف رخ کئے نہایت احتیاط و انہماک کے ساتھ سر جھکائے دعا کر رہے تھے۔ ہم نے ہاتھ بھی نہیں اٹھائے ہوئے تھے تاکہ کوئی دیکھ نہ لے،

لیکن پھر بھی ہم نے سنا کہ کوئی چلا رہا ہے۔ ''لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، لَا اِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ. اللہ کے ساتھ شرک مت کرو کہ بیشک شرک بڑا ظلم ہے مسجد حرام کی طرف منہ پھیرو، نبی کی قبر کی طرف نہیں۔'' واضح رہے کہ سعودی روضۂ اقدس کو قبر کہتے ہیں۔ بہر حال آواز اتنی کرخت اور حقارت آمیز تھی کہ ہمیں اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور بے حد دکھ ہوا کہ غلام اور آقا کے درمیان یہ شیطان کہاں سے آ گیا، لیکن ہم خاموش کھڑے رہے، اتنی دیر میں دوبارہ وہی آواز آئی اور ہم نے اس خبیث کو بالکل اپنے قریب کھڑا پایا، اب ہم سے نہ رہا گیا لیکن آقا ﷺ کے دربار کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اپنے غصہ پر قابو رکھا اور پہلے اس شخص کو سلام کیا لیکن وہ سلام کا جواب دیئے بغیر غصہ میں لال پیلا ہوا اور اپنی بکواس کرتا رہا۔ ہم نے اسے بمشکل ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہم مؤمن ہیں، ایک اللہ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم بحمد اللہ شرک کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اپنے آقا کے دربار پر ہم اللہ کے حکم کے مطابق دعا کر رہے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں اور پھر ہم نے وہ تمام دلائل اس کے سامنے رکھے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس نے کوئی جواب دیئے بغیر ایک اشارہ کیا تو چند پولیس والے ہمارے قریب آ دھمکے۔ اب ہم نے عافیت اسی میں جانی کہ خاموش ہو جائیں پولیس سے معافی مانگی اور خاموشی سے چل دیئے۔ اس کے بعد غالبًا ہمارا چار دن قیام رہا لیکن ہم نے بہت احتیاط رکھی، کیونکہ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پوری طرح پولیس کی نظروں میں مشکوک تھے اور ہماری نگرانی ہو رہی تھی۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ایسا حادثہ پیش آئے کہ ہم اپنے آقا ﷺ کے دربار کی حاضری سے محروم کر دیئے جائیں۔ اللہ کبھی ایسا نہ کرے۔ آمین

ملاحظہ فرمایا آپ نے غور فرمایا آپ نے کیسی جہالت وحماقت ہے کہ دور، دور سے جو اہل ایمان، سرکار ﷺ کے دربار میں سلام عرض کرنے اور بھیک مانگنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ بدنصیب انہیں مشرک قرار دیتے ہیں لیکن ان ظالموں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ''عاشقوں کا رخ پھیرنے سے دل تو نہیں پھر جائے گا اور اصل حضوری تو دل کی حضوری ہی ہے''، قسم اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ہمارا رخ سمت کعبہ ہوتا ہے۔ ہمارا سجدہ صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن دل آقائے رحمت ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے   اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

علاوہ ازیں، میرے آقا ﷺ ایسے مقام پر رونق افروز ہیں کہ نمازیوں کی بڑی تعداد آپ ﷺ ہی کی اقتداء کرتی نظر آتی ہے۔ یہ قدرتی انتظام ہے کہ چند کے علاوہ باقی نمازیوں کا رخ بھی انہی کی طرف ہوتا ہے اور قلب بھی اور اگر غیر اللہ کو سجدہ حرام نہ ہوتا تو غلاموں کے سجدے بھی آقا ہی کی طرف ہو جاتے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم بڑے آرام سے اپنے آقا ﷺ کے حضور ہاتھ پھیلائے بھیک مانگتے ہوتے ہیں اور ظالم شرطی پیچ وتاب کھاتا دیکھتا رہتا ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

تین انعام

بے ادبی اور گستاخی کا انجام بیان فرمانے کے بعد اب ان باادب غلاموں پر اپنے انعامات کا مژدہ سنایا جا رہا ہے جو آقا ﷺ کے دربار کا بے حد احترام کرتے اور یہاں نہایت ہی عاجزی و انکساری سے حاضری دیتے ہیں۔ یہ تین انعامات ہیں: جن کے حقدار وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں جنہیں بار بار دربار شاہی میں حاضری کا شرف حاصل رہتا تھا اور ان میں قیامت تک آنے والے وہ خوش نصیب عشاق بھی ہیں جنہیں آقا ﷺ کے بظاہر پردہ فرما جانے کے بعد آپ کے روضۂ اقدس پر حاضری نصیب ہوتی رہے گی، اور وہ اہل ایمان بھی شامل ہی جنہیں اگرچہ حاضری کی سعادت نصیب نہ ہو سکی لیکن وہ دل و جان سے آقا ﷺ کا احترام کرتے ہیں۔ نہایت خلوص و محبت کے ساتھ ان پر درود کے پھول برساتے رہتے ہیں اور نہایت عجز و انکساری سے محافل نعت اور محافل ذکر میں شریک ہوتے ہیں۔ نیز وارثین انبیاء حضرات علماء کرام سے بے حد ادب و احترام کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے محبوب کے ان غلاموں کو تین قسم کے انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرماتا ہے۔

پہلا انعام یہ ہے کہ ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ و پرہیزگاری کے لئے خالص کر لیا ہے۔'' کہ اللہ کے اس فضل کے سبب ان کے دل آقا ﷺ کی محبت سے سرشار ہو گئے ہیں ان کا ہر عمل اپنے آقا ﷺ کی ادا کے مطابق ہوتا ہے۔ دین کی پابندی ان کے لئے سہل و آسان ہو گئی اور وہ اس کے عادی ہو گئے ہیں وہ ہر لحظہ ہر لمحہ خدمتِ دین میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ دین و دنیاوی امور میں انہیں رب کریم کی حمایت و نصرت نصیب ہوتی ہے اور ان کے تمام کام آسان ہو جاتے ہیں۔

دوسرا انعام یہ ہے کہ ''لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ'' کہ اللہ نے اپنے حبیب الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان کے ماضی کے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور مستقبل میں گناہوں سے ان کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مکر شیطان سے محفوظ و مامون ہو گئے ہیں۔ ''لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ'' کی ان پر چادر ڈال دی گئی ہے۔ کہ اب نہ انہیں ماضی کے اعمال کے حساب و کتاب کا ڈر ہے اور نہ ہی مستقبل میں قیامت کی ہولناکیوں سے متاثر ہونے کا کوئی غم رہا ہے۔ انہیں دنیا میں حیوٰۃ طیبہ کی دولت سے نوازا جا چکا ہے، اور بوقت موت انہیں ''یٰٓاَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ارۡجِعِیۡٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف اس حال میں واپس آ، کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے خوش ہے اور میرے خاص بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہ مژدہ دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مطمئن کر دیا جاتا ہے۔''

تیسرا انعام یہ ہے کہ ''وَّاَجۡرٌ عَظِیۡمٌ'' اور بڑا ہی اجر ہے بے ادبی و گستاخی اعمال کی بربادی کا ذریعہ ہے تو آقا ﷺ کا ادب و احترام کرنے والوں کے اعمال کا اجر و ثواب بطور انعام، کئی گناہ زیادہ کر دیا گیا ہے۔ بطور مثال آقا ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو راوی ہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ''لَا تَسُبُّوۡا اَصۡحَابِیۡ فَلَوۡ اَنَّ اَحَدَکُمۡ اَنۡفَقَ

مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهُ۔ ''میرے کسی صحابی کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی کوہِ احد کے برابر بھی اللہ کی راہ میں سونا خرچ کرے تو ان کے ایک صاع بلکہ نصف صاع کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔'' کہ میرے ان جانثاروں کو ان کے چھوٹے اعمال کا اجر بھی اللہ اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرماتا ہے کہ تمہارے بڑے سے بڑے اعمال کی بھی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ نیز عام غلاموں کو آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے: ''اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ'' (یہ خوشخبری بغور سنو) کہ تمہارے لئے دوگناہ اجر ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ''اَنْتُمْ خَيْرُهَا وَاَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ کہ تم اللہ کے نزدیک تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہو۔''

اے ایمان والو! دیکھا تم نے کیسا کرم ہے تم پر اللہ کا کہ اس نے ہم بے نواؤں، کمینوں اور ذلیلوں کو اپنے باختیار نبی کے صدقہ میں کس قدر خوش بخت اور بلند اختر بنا دیا۔ لہٰذا تم اس کی غلامی سے کبھی منہ نہ موڑنا کوئی کتنا ہی چاہے کہ ان کی طرف سے تمہارا رخ پھیر دے۔ تم کسی فتوے کی پروانہ کرنا، اسی میں تمہاری کامیابی و کامرانی اور معراج و ترقی ہے: ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری غلامی اختیار کئے رہو اللہ کے محبوب و پیارے بھی ہو جاؤ گے اور وہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔'' پس ہرگز پروانہ کرو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی، ان کے عشق و محبت میں سرگرداں رہو اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کا مظاہرہ کرتے رہو۔

سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

بے وقوف

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔'' جو آپ کو دروازوں کے پیچھے سے باآواز بلند پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں، بڑے ہی ناسمجھ، بے عقل اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جو آپ کے دروازے پر حاضر ہو کر بے ادبی اور گستاخی سے، یا محمد، یا محمد (ﷺ) چیخ چیخ کر پکارنے لگتے ہیں بالکل اس طرح جیسے وہ آپس میں ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں۔ یہ ان بدوؤں کا خصوصی ذکر کیا جا رہا ہے جن کا تعلق قبیلہ بنوتمیم سے تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ستر آدمی مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور درِ رسول ﷺ پر آپ کو زور، زور سے پکارنے لگے۔ دوپہر کا وقت تھا، حضور ﷺ حسب معمول قیولہ فرما رہے تھے۔ تہذیب و تمدن سے عاری ان بادیہ نشینوں نے آوازیں لگائیں: ''يَا مُحَمَّدُ (ﷺ) اُخْرُجْ اِلَيْنَا'' اے محمد (ﷺ) باہر آیئے اور جب اللہ کے رسول ﷺ رونق افروز ہوئے تو انہوں نے اپنی شیخی بگھارنا شروع کر دی اور بولے: ''يَا مُحَمَّدُ (ﷺ) اِنْ مَدَحْنَا زَيَّنَ وَاِنْ شَتَمْنَا شَيَّنَ وَنَحْنُ اَكْرَمُ الْعَرَبِ'' جب ہم کسی کی تعریف کرتے ہیں تو اسے مزین و آراستہ کر دیتے ہیں اور جب ہم کسی کی مذمت کرتے ہیں تو اسے ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور ہم تمام عربوں سے اشرف و اعلیٰ ہیں۔ آقائے رحمت ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''كَذَبْتُمْ بَلْ مَدْحُ اللّٰهِ زَيْنٌ وَشَتْمُهُ شَيْنٌ۔ تم غلط کہتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کسی کی مدح اس کے لئے باعث عزت و زینت ہے اور اللہ کی طرف

سے کسی کی مذمت اس کے لئے باعث ذلت وخواری ہے‘‘۔ ’’وَاَکۡرَمَ مِنۡکُمۡ یُوۡسُفُ۔ اور تم سے بہتر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔‘‘

اللہ واپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ بے ادبی اور عام لوگوں جیسا رویہ ناگوار ہوا۔ لہٰذا فرمایا: ’’وَلَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ۔ ‘‘اگر وہ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ خود ہی باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، یعنی ان کی بے عقلی وحماقت ظاہر نہ ہو پاتی۔

چونکہ یہ سب لوگ مشرف باسلام ہوئے شرف صحابیت سے نوازے گئے۔ معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم نے انہیں تہذیب سے آراستہ ومزین کیا، اور ان کی جہالت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب یہ بدو اشرف واعلیٰ ہو گئے، ہمارے سر کا تاج بن گئے۔ پس اللہ کریم نے ان کی قبولیت اور رفعت وبلندی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ’’وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔‘‘ دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی کے صلہ میں ان کی مغفرت وبخشش ہو چکی ہے اب کوئی انہیں بے عقل وبے وقوف نہ کہے اور نہ سمجھے۔

اے ایمان والو! آؤ، تم بھی دامن رحمت میں پناہ لے لو، ان کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو، عزت والے ہو جاؤ گے، عظمت والے بن جاؤ گے۔ بایں صورت کہ ان کے غلام بن کر ان کے پیاروں کا ادب کرو، ان کا احترام کرو اور ان کے دربار میں جب بھی حاضری کا موقع نصیب ہو۔ نہایت ہی عاجزی وانکساری سے حاضری دو، اپنے اسلاف کے نقوش ہائے قدم کو پہچانو اور ان کی پیروی کرو باعزت ہو جاؤ گے، خوب فیض یاب ہو گے۔

باب العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیم ہے کہ ’’جب تم کسی عالم کی خدمت میں حاضری دو تو پہلے عالم کو پھر دیگر اہل مجلس کو سلام کرو، عالم کے سامنے نہایت ادب سے بیٹھو، ہاتھوں سے اشارے نہ کرو، آنکھیں نہ پھیرو، عالم سے حجت نہ کرو، بحث نہ کرو، سوالوں سے پریشان نہ ہو، کہ عالم اس درخت کی طرح ہے جو پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اپنے میٹھے پھلوں کو برابر ٹپکاتا رہتا ہے۔ (یعنی ہر قسم کے سوال کا جواب نہایت میٹھے انداز سے دیتا ہے) اور عالم کے لئے ضروری ہے کہ باوقار اور سنجیدہ ہو، ادھر ادھر بلاضرورت نہ دیکھے، شور وغل نہ کرے، کھیل کود نہ کرے، روکھا اور بے مروت، بیہودہ باتیں کرنے والا نہ ہو۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا زاد بھائی) اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت کم عمر تھا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تشریف لے جا چکے۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ابھی آپ ﷺ کے صحابہ موجود ہیں۔ چلو ہم دونوں صحابہ سے علم حاصل کریں۔ میرے دوست نے میری بات نہ مانی اور لاپرواہی سے جواب دیا کہ ان بڑے بڑے عالموں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ پس اس نے تجارت شروع کر دی خوب دولت کمائی اور میں صحابہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب علم حاصل کرنے لگا۔ میں ہر اس جگہ پہنچتا جہاں مجھے کسی صحابی کی موجودگی کا پتہ چلتا۔ ایک ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے میں نے مہینوں کا سفر کیا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی صحابی کے گھر دوپہر کے وقت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ میں ساری

دوپہر سخت دھوپ میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہتا، جب وہ باہر آتے تو مجھے دیکھ کر فرماتے، اے اللہ کے رسول کے چچازاد بھائی، آپ ہمارے لئے قابل احترام ہیں آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ ہمیں کیوں نہ بلا لیا، ہم حاضر ہو جاتے، یا کم از کم اس دھوپ میں بیٹھ کر انتظار کی تکلیف نہ فرماتے ہمیں خبر کر دیتے تو ہم فوراً دروازہ کھول دیتے۔ میں عرض کرتا نہیں ادب واحترام کا تقاضا یہی ہے کہ طالب علم کو عالم کا نیازمند اور اس کے در کا بھکاری ہی ہونا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے آرام میں مخل ہوتا یہ تو خودغرضی بھی ہوتی اور بےادبی بھی، وہ خوش ہوتے میری اس عجز وانکساری کی قدر کرتے اور مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث بڑے ہی ادب واحترام اور محبت بھرے لہجے میں سناتے اس طرح میں نے علم کے موتی جمع کئے اور جب خزانہ بھر گیا تو وہ وقت آیا کہ میرے در پر بھکاری بڑے ہی ادب واحترام سے جھولیاں پھیلائے کھڑے ہوتے اور میں ان کو شب و روز موتی تقسیم کرتا رہتا۔ مجھے اللہ نے عزت دی خوب نوازا۔ میرے دوست کو جب میری شہرت کا پتہ چلا تو وہ بھی ایک دن جھولی پھیلائے میرے در پر حاضر ہوئے اور نہایت شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے: ''کاش میں تمہاری بات مان لیتا تو آج میں بھی تمہاری طرح باعزت زندگی بسر کرتا ہوتا، میں نے خوب دولت کمائی، لیکن نہ عزت پائی نہ تمہاری طرح شہرت پائی۔ بیشک اللہ نے تمہیں خوب خوب نوازا ہے: ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔''

بہرحال علماء دین کا ادب واحترام درحقیقت رسول ہی کا ادب واحترام ہے کہ معلم کامل ﷺ نے ان حضرات کو اپنے علم کا وارث، خادم اور پاسبان بنایا ہے اپنے مقدس منبر پر کھڑے ہونے اور نور علم پھیلانے کا اعزاز بخشا۔ دوستو! یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم آج علماء کی حیثیت قبول کرنے اور ان کی عزت کرنے سے محروم ہیں اگر یہ اعزاز ہمیں حاصل ہوتا تو ہم بھی باعزت ہوتے اس دور میں ہم اور ہماری نسل ذلت وخواری کا شکار محض اس لئے ہے کہ نہ صرف علماء بلکہ کسی بزرگ اور بڑے کا احترام ہمارے دل میں نہیں رہا۔ اے اللہ ہمیں دولت ادب واحترام سے نواز دے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۲

الحجرات: ٦ تا ١٠

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝ وَ اِنْ طَآىٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝

(الحجرات: ٦۔ ١٠)

اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر، تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم تکلیف پہنچا دو کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کئے پر پچھتانے لگو اور خوب جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ موجود ہیں اگر وہ اکثر معاملات میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے محبوب کر دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں (یہ سب) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے اللہ سب جاننے والا بڑا ہی حکمت والا ہے اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں پس صلح کرا دو ان دونوں کے درمیان اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو دونوں کے درمیان عدل سے اور انصاف کرو بیشک اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے بیشک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب واحترام سے متعلق احکام کے بعد آداب معاشرت بیان کئے جا رہے ہیں کیونکہ تہذیب وتمدن اور معاشرے کی تطہیر وتعمیر کا دارومدار معلم کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات پر ہی ہے، جس کے لئے ضروری ہے کہ غلام آقا ﷺ کا دل وجان سے ادب واحترام کریں تاکہ ان سے خوب خوب فیض یاب ہو سکیں، خوب خوب استفادہ کر سکیں کیونکہ ادب واحترام ہی معلم کے دل میں تلامذہ کی نسبت والفت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے جس کے بغیر شاگردوں کے لئے استاد سے استفادہ ممکن نہیں۔ آئیے اب آیات مذکورہ بالا پر غور کریں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے معاشرے کی تعمیر و تطہیر کریں تاکہ پرسکون اور باوقار زندگی میسر آ سکے۔

خبر فاسق کی تحقیق

اے ایمان والو! اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے فَتَبَيَّنُوْۤا اس خبر کی خوب تحقیق کر لو، کیونکہ فاسق کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی وہ تو بدعمل، خودغرض اور اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے۔ دوسروں کو لڑانا، ان میں انتشار وافتراق پیدا کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے جبکہ خبر انسانوں کی عزت وعظمت کا ذریعہ بھی ہوتی اور اسی سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بھی بن جاتے ہیں۔ مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اگر کوئی اچھی خبر ملے تو لوگ خوش ہوتے ہیں ان کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے وہ اس اچھی خبر پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں تو ن اگر کوئی بری خبر پھیلا دی جائے تو لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں آپس میں نفرت کرنے لگتے ہیں اور پورا معاشرہ انتشار وافتراق کا شکار بن کر جہنم ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارے معاملات کی بنیاد خبروں پر ہی ہوتی ہے۔ خبریں ہم سے بنتی ہیں اور ہم خبروں پر عمل کرتے ہیں لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہے اور اللہ ورسول کا بھی یہی حکم ہے کہ آنکھ بند کر کے ہم ہر خبر کی

تصدیق نہ کریں اور اس کے پیچھے نہ لگیں کہ ہماری یہ اندھی تقلید کبھی ہمارے گھر، ہمارے خاندان اور کبھی پورے معاشرے کے لئے سخت نقصان کا باعث ہوسکتی ہے۔ اس سے ہمارے درمیان دشمنیاں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوسکتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے، تجربہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات جھوٹی خبروں اور افواہوں کے سبب ہی قوموں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور نوبت بایں جارسید کہ دو طاقتیں آپس میں لڑ پڑیں، قتل و غارت کا سلسلہ شروع ہوگیا، مستحکم و مضبوط ممالک تباہ و برباد ہوگئے، عوام ناکردہ گناہ کی سزا میں مبتلا ہوئے اور ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا کہ جب تیر کمان سے نکل جائے تو واپس نہیں آسکتا اسی طرح جو نقصان ہوجائے اس پر کتنی ہی ندامت ہو، کتنا ہی پچھتاوا ہو سر تو پیٹا جاسکتا ہے لیکن تلافی نہیں ہوسکتی کہ یہ وہ وبال ہے جو خود ہی مول لیا تھا اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ''خود کردہ را چہ علاج۔''

کیونکہ قرآن کریم ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اہل ایمان کسی غلط فہمی کا شکار ہوکر باہمی انتشار و افتراق میں مبتلا ہوں اور پھر انہیں پچھتاوا اور ندامت کا دکھ سہنا پڑے کہ یہ نقصان تو اس کا مقدر ہے جسے کوئی باخبر کرنے والا نہ ہو امت مسلمہ تو خوش نصیب ہے کہ اسے ہر خطرے سے پہلے ہی وحی الٰہی نیز مخبر صادق ﷺ آگاہ کردیتے ہیں اور یہ دونوں اس قدر یقینی ذریعے ہیں کہ تمام خبر رساں ذرائع ان کے مقابلہ پر ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔ پس اہل ایمان کی عافیت و خیرت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ذرائع سے رابطہ قائم رکھیں اور ان کی راہنمائی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔ وہ ہر خطرے اور ہر بربادی سے یقیناً محفوظ رہیں گے۔

افواہ چونکہ ہلاکت و بربادی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لہٰذا ہدایت کی گئی کہ جب تمہیں کوئی خبر ملے تو'' فَتَبَيَّنُوْا'' پہلے خوب اس کی تحقیق کرو، خبر لانے والے کے حالات تفصیل سے معلوم کرو مثلاً وہ بے نمازی تو نہیں، شرابی یا جواری تو نہیں، راشی و مرتشی تو نہیں، حرام خور یا سود خور تو نہیں، حرام کا کاروبار تو کرنے والا نہیں، شرعاً مردود الشہادۃ تو نہیں اسی قسم کے دیگر عیوب کی تحقیقات کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ کسی کی عیب جوئی تو شرعاً ممنوع ہے کہ یہاں مقصود عیب جوئی نہیں بلکہ عیوب کے باعث ممکنہ نقصان سے خود کو یا قوم کو بچانا مقصود ہے۔ پس خوب تحقیق کرلو پھر یہ سوچو کہ خبر کی نوعیت کیا ہے بری خبر ہے یا اچھی اس کے پھیلانے اور اس پر عمل کرنے سے فائدہ ہوگا یا نقصان۔ نیز اس خبر کا اچھا یا برا اثر ذات پر ہوگا اہل خانہ یا خاندان پر ہوگا یا اس سے پوری قوم متاثر ہوگی مثلاً کسی قریبی عزیز کی موت کی خبر اس سے محبت کرنے والوں کو سخت صدمہ پہنچا سکتی ہے یا دوران جنگ کسی اہم سپاہی کی شہادت کی خبر پورے لشکر اسلام کے پیر اکھاڑ سکتی ہے یا کسی بیماری کی افواہ پورے کاروبار زندگی کو متاثر کرسکتی ہے یا کسی چیز کی ممکنہ گرانی کی غلط اطلاع معاشی نظام کو تہس نہس کرسکتی ہے یا دشمن کی قوت و طاقت اور اس کی کثرت تعداد کا چرچا پوری قوم کی ہمت و جرأت کے لئے زہر قاتل بن سکتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات اچھی خبریں، خوش خبریاں اور مژدے بھی خوش فہمی یا غلط فہمی کا سبب بن جاتے ہیں مثلاً بچے کو اس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا یقین دلانا درحقیقت اسے لاپرواہی میں مبتلا کرنا ہے۔ مریض کو اس کی قطعی صحت کا یقین دلا دینا اسے بداحتیاطی میں مبتلا کردینا ہے۔ یہ اور ان جیسے کثیر مشاہدات ہماری زندگی میں شب و روز دیکھے جاتے اور پیش آتے رہتے ہیں جو اس ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ

افواہ واخبار کا معاملاتِ زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے لہٰذا ہر خبر کی اشاعت اور اس پر عمل سے قبل اس کی تحقیق نہایت ہی محتاط انداز سے کر لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم حکم دے رہا ہے۔

تحقیق کا یہ حکم اگر چہ اس خبر سے متعلق ہے جس کا لانے والا فاسق ہو لیکن خبر لانے والے کے کردار و عمل کی تحقیق بھی درحقیقت خبر ہی کی تحقیق ہے علاوہ اس کے کہ کسی خبر لانے والے کی صالحیت مسلم اور یقینی ہو جیسے نبی کی عطا کردہ خبریں یا دیگر اتقیاء و صالحین کی لائی ہوئی خبریں بلا تحقیق قابل عمل ہوں گی چاہے ان خبروں کا تعلق دینی امور سے ہو یا دنیاوی معاملات سے ہو جبکہ نبی کی اخبار تو وحی الٰہی کے عین مطابق ہوتی ہیں لہٰذا ان میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔

باعثِ نزول

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک دور میں غلط خبر پھیلنے ہی کا ایک واقعہ اس آیہ مبارکہ کے نزول کا باعث بنا۔ ہوا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے مشرف باسلام ہونے اور ہماری ماں بن جانے کے بعد ان کے قبیلہ کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کے رئیس حارث بن ضرار تھے۔ یہ واقعہ خود حضرت حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ نیز گزارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں واپس ہو کر اپنے قبیلہ کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا اور ان سے زکوٰۃ بھی جمع کروں گا۔ آپ اس ماہ کے آخر تک اپنے کسی صحابی کو ہمارے یہاں بھیج دیں تا کہ میں زکوٰۃ کا جمع کردہ سامان ان کو دے دوں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت مقرر پر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ اپنے زمانہ کفر میں اس قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر چکے تھے۔ اب انہیں اسی قبیلہ کی طرف بھیجا جا رہا تھا، لاچار تعمیل حکم کی اور چل دیئے لیکن دوران سفر یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ وہاں مقتول کے ورثاء مجھے دیکھیں گے ممکن ہے بے قابو ہو جائیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے قتل کر ڈالیں۔ ولید نے بہت ہمت کی سفر جاری رکھا لیکن بالآخر جان کی محبت غالب آئی اور ہمت ہار بیٹھے راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میں وہاں گیا لیکن حارث نے مجھے زکوٰۃ کا سامان دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا میں جان بچا کر واپس آ گیا۔

یہ خبر پورے مدینہ منورہ میں آناً فاناً پھیل گئی لوگ مشتعل ہو گئے۔ حارث کے قبیلہ بنو مصطلق کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں کیونکہ افواہ کے مطابق انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت کی۔ ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی اس خبر پر بے حد غمزدہ تھیں کیونکہ یہ معاملہ انہی کے قبیلہ سے متعلق تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کا ایک دستہ لے کر بنو مصطلق کے پاس جانے کا حکم دیا اور ہدایت فرمائی کہ اس وقت تک حملہ آور نہ ہونا جب تک تحقیق نہ کر لو اور صورت حال واضح نہ ہو جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ ہی میں ان کی ملاقات حارث اور ان کے

قبیلہ کے لوگوں سے ہوگئی۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا کہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے تمام حالات بتائے اور پوچھا کہ کیا واقعی تم نے وعدہ خلافی کی ہے اور اسلام سے پھر گئے ہو۔ حارث نے کہا یہ عجب معاملہ ہے ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نمائندے کا انتظار کرتے رہے اور اب خود آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے جا رہے ہیں نیز انہوں نے بقسم کہا کہ ہم نے تو ولید بن عقبہ کو دیکھا تک نہیں۔ تعجب ہے کہ انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ وہ یہاں آئے اور ہم نے حسب وعدہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ دیکھئے زکوٰۃ کا سب مال ہمارے ساتھ ہے جو ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پیش کرنے ہی جا رہے ہیں۔ صورت حال واضح ہو جانے کے بعد یہ سب لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آپ کو تمام باتیں بتائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ولید رضی اللہ عنہ کی اس حرکت پر بے حد صدمہ ہوا۔ آپ نے انہیں طلب فرمایا اور غلط بیانی کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے اصل بات بتائی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اس قبیلہ کے ایک شخص کا قاتل ہوں۔ مجھے خوف ہوا کہ یہ لوگ مجھے قتل نہ کر دیں اس لئے میں راستہ سے ہی واپس آ گیا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ غلط تھا میں اپنی اس غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی مجھے معاف فرما دیں اور میرے لئے اللہ سے معافی کی دعا کر دیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بھی بولے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اپنے بھائی ولید سے اپنے مقتول کا خون معاف کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ گناہ زمانہ کفر کا تھا آپ بھی انہیں معاف فرما دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ولید کو معاف کیا اور ان کی توبہ قبول ہونے کا مژدہ سنایا۔

تعمیل قبل حکم

یہ تھا واقعہ جو آیہ مبارکہ کے نزول کا سبب بنا جس میں اہل ایمان کو ہدایت کی گئی کہ ”فاسق کی لائی ہوئی خبر کی پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ ”اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا ۢ بِجَهَالَةٍ“ خبر غلط ہو اور تم بلا تحقیق کسی پر حملہ آور ہو جاؤ اور اسے تکلیف پہنچا دو۔ ”فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ“ پھر ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہونا پڑے کہ پچھتاوے کا زخم بہت ہی گھائل ہوتا ہے مشکل ہی سے بھرتا اور مندمل ہوتا ہے۔“

یہاں ایک بات غور کرنے کی ہے جو بڑی ایمان افروز ہے کہ یہ واقعہ پہلے پیش آیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی اور جو حکم دیا گیا۔ اس پر پہلے ہی میرے آقا ﷺ عمل فرما چکے تھے کہ آپ نے مسلمانوں کو بنو مصطلق پر حملہ کرنے سے روکا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی معیت میں یہ ہدایت فرماتے ہوئے روانہ کیا کہ ”تحقیق حال کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا“ اور جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو بات غلط ثابت ہوئی۔ بنو مصطلق اسلام پر قائم تھے سب مل کر اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر تھے۔

یہ تعمیل قبل حکم میرے آقا ﷺ کی خصوصیت ہے جس کا ذریعہ وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا جو نبوت کا لازمی جز ہوتا ہے کہ اللہ جس کو مقام نبوت پر سرفراز فرماتا ہے اسے اس کی ضرورت کے مطابق ضرور علم غیب بھی عطا فرماتا ہے چونکہ میرے آقا ﷺ سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ ”کُنْتُ

نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ ''میں نبی ہو چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی ہی کے درمیان تھے۔ کے ارشاد کے مطابق اپنے تمام اوصاف اور کمالات کے ساتھ مقام نبوت سے سرفراز کئے جا چکے تھے لہٰذا آپ کے علم غیب کی ابتداء بھی ہو چکی تھی اور چونکہ آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں لہٰذا آپ کا دور نبوت و رسالت بھی جاری ہے۔ اس دور کی انتہا کب اور کہاں ہے یہ اللہ کے سوا کون جا سکتا ہے ہاں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام حالات و واقعات حتیٰ کہ اپنی امت کے اعمال سے بھی واقف ہو لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ان تمام حالات و واقعات پر آگاہ فرمایا جو آپ کی بعثت سے قبل ہو چکے اور جو قیامت کے دن وقوع پذیر ہونے والے ہیں''فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى''رب نے اپنے عبد مقدس کو جو چاہا عطا فرمایا، کے ذریعہ اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے''عالم ما کان و ما یکون'' ہونے کا اعلان فرمایا۔ اسی علم لامحدود کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماضی کے بے شمار واقعات بیان فرمائے اور مستقبل کی بے شمار خبریں دیں جو وقوع پذیر ہو چکی ہیں، ہو رہی ہیں اور قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک آپ کی تمام پیش گوئیاں وقوع پذیر نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں اسی علم کے مطابق آپ نے ان چیزوں کا حال بیان فرمایا وہ واقعات بتائے جن کا تعلق ہماری اس دنیا سے نہیں ہے مثلاً قبر کا حال، بعث بعد الموت کے حالات، جنت و دوزخ کا حال، فرشتوں کا حال، آپ کی اخبار بالغیب کا تذکرہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے اور آپ کا علم غیب واضح دلائل سے ثابت ہے:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا   جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب دانی کے پس منظر میں اگر آپ ایک مرتبہ دوبارہ مندرجہ بالا واقعہ پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ میرے آقا ﷺ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ عقبہ، بنو مصطلق سے خوفزدہ ہیں۔ وہ وہاں نہیں جائیں گے اور غلط بیانی کریں گے انہی کو روانہ کیا اور وہی ہوا جو آپ جانتے تھے صرف اس لئے کہ عقبہ اس واقعہ میں شامل ہو جائیں اور جب بنی مصطلق سے ہمارے دربار میں آمنا سامنا ہو تو وہ انہیں معاف کر دیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا خوف ختم ہو جائے ورنہ جب بھی بنو مصطلق کا کوئی آدمی مدینہ طیبہ آتا تو عقبہ چھپتے پھرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنو مصطلق اسلام پر قائم ہیں اور دربار میں حاضر ہونے والے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کی ہمراہی میں ان کی طرف روانہ کیا تا کہ اہل مدینہ کا وہ جوش ختم ہو جائے جو غلط خبر کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ ہمارے دربار میں لے کر حاضر ہوں کیونکہ اگر بنو مصطلق بغیر اطلاع کے مدینہ میں داخل ہوتے تو یقیناً اہل مدینہ ان کا کوئی عذر سنے بغیر ان پر حملہ آور ہو جاتے اور پھر ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا جو آقائے رحمت ﷺ کے لئے نہایت ہی رنج و الم کا سبب ہوتا۔

صحابہ سے امکانِ گناہ

آیت زیر گفتگو میں''فاسق کی لائی ہوئی خبر کی تحقیق کا حکم'' ہے جبکہ مذکورہ خبر دینے والے جلیل القدر صحابی حضرت

عتبہ بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ کیا صحابی بھی فاسق ہو سکتا اور کیا صحابی سے بھی گناہ سرزد ہونا ممکن ہے تو ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد مخلوق میں سب سے اشرف و اعلیٰ ہونے کے باوجود معصوم نہیں کہ معصوم تو صرف ملائکہ اور انبیاء و رسل ہی ہوتے ہیں لیکن صحابۂ کرام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت اور ان کے بلاواسطہ تعلق کی بناء پر یہ فضل خاص رہا کہ اللہ نے انہیں ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھا اور اگر کسی سے گناہ سرزد ہو بھی گیا تو اس سے یہی ثابت کرنا مقصود تھا کہ صحابی معصوم نہیں ہوتا۔ نیز ان کے گناہ کو کسی شرعی حکم کے نزول کا وسیلہ بنایا گیا تاکہ اس پر عمل کرنے والے تا قیامت محبوب کے ان خاص غلاموں کے مرہونِ منت رہیں اور جب بھی کسی صحابی سے کوئی گناہ ہوا اسے فوراً احساس گناہ بھی ہوا اور یا تو اس نے اللہ غفور و رحیم کی اجازت سے گناہ بخشنے والے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اعتراف کیا، توبہ کی اور بخش دیا گیا اور یا اس نے اپنے آپ کو اپنے آقا کے حضور پیش ہونے کے لائق نہ سمجھتے ہوئے خود کو اللہ کے سپرد کیا اور اللہ کو اس کی یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کی معافی کا واضح اعلان فرمایا۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر چند صحابہ نے رمضان کی رات میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی اور صبح ہوتے ہی اپنے آقائے رحمت کی پناہ لی، گناہ کا اعتراف کیا۔ ان کی بخشش بھی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے امت پر یہ کرم کر دیا گیا کہ رمضان کی راتوں میں جماع کو بلا کراہت جائز قرار دے دیا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان کی قبولیت توبہ کا گواہ آج تک وہ ستونِ توبہ ہے جہاں ہم گناہ گاروں کی توبہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ جن سے صحابہ کا معصوم نہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن انہیں فاسق یا گناہگار بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کا ہر موقع پر اعلان فرمایا۔ نیز جملہ صحابۂ کرام کے لئے اعلانِ عام ہے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" اللہ ان (صحابہ) سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اس اعلان کا مقتضیٰ یہی ہے کہ کسی صحابی کی موت اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک وہ گناہ سے پاک و صاف نہ ہو کہ نہ تو اللہ کسی گناہ گار سے راضی ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی بندہ۔ اللہ سے اس وقت تک راضی ہو سکتا ہے جب تک اسے رب معاف نہ کر دے۔ پس حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے ضرور غلط بیانی کا گناہ سرزد ہوا جو فسق تھا لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں معاف فرما دیا تو وہ دیگر صحابہ کی طرح چمکتے تاروں میں سے ایک تارہ ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ"۔

رسول کی اتباع کرو

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنو مصطلق سے متعلق جو افواہ پھیلی اس کی وجہ سے تمام صحابۂ کرام نہایت مشتعل ہوئے اور مطالبہ کرنے لگے کہ اس قبیلہ پر فوراً حملہ کیا جائے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا نہ ہونے دیا ان کا یہ اشتعال بنو مصطلق کے دربارِ نبوی ﷺ میں حاضری تک رہا اور دن رات جنگ ہی کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ اللہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں کی یہ عجلت اور ان کے واضح فیصلہ سے پہلے ہی جنگ کا مطالبہ کر دینا پسند نہ آیا۔ پس انہیں اور ان کی وساطت سے قیامت تک پیدا ہونے والے اہل ایمان کو ہدایت دی گئی کہ ہر حال میں اللہ کے رسول ﷺ کی رضا اور ان کے حکم کا خیال

رکھو'' وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ '' اور جان لو کہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں۔ رسول تمہاری رہبری وراہنمائی ہی کے لئے ہے تم پر اس کی اطاعت وفرمانبرداری لازم وفرض ہے۔ اس کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، پس تم ہر موقع پر رسول کے حکم کا انتظار کیا کرو اس کے حکم سے پہلے تمہیں کوئی فیصلہ کر لینے کا حق نہیں۔ یہ خواہش ہرگز نہ کرو کہ رسول تمہارا مطالبہ قبول کرے اور وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کرے۔ ''لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ'' اگر رسول اکثر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگیں تو تم ہی مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے، ناکامی ونامرادی تمہارا مقدور ہوگی۔

''لَعَنِتُّمْ'' تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے، رسول کی نافرمانی یا رسول کے احکام سے پہلے کوئی فیصلہ کر لینے سے رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا تم ہی مشقت میں مبتلا ہو گے۔ بایں صورت کہ تمہارے غلط فیصلے یا تو تمہارے جانی ومالی نقصان کا سبب ہوں گے یا کم ازکم تمہیں ندامت وشرمندگی کا غم سہنا پڑے گا اور یا تم میں انتشار وافتراق کی وبا پھوٹ پڑے گی۔ جس سے تمہاری عزت پامال ہو جائے گی غیروں کی نظروں میں تمہارا وقار اور رعب جاتا رہے گا کیونکہ تمہارے فیصلے تو اندھے کی لاٹھی کی طرح ہوں گے جو مارتا کہیں ہے پڑتی کہیں ہے جبکہ نبی تو تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اسے ماضی ومستقبل کا سب حال معلوم ہے اس کا کوئی تیر نشانہ سے نہیں ہٹ سکتا اس کا کوئی حکم تمہارے نقصان وخسارے کا باعث نہیں بن سکتا پھر رسول کا تو ہر حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى '' نبی کبھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کی ہر بات اللہ کی وحی ہی ہوتی ہے۔ پس اس کے کسی حکم یا فیصلے پر شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے احکام کی تعمیل میں فوری یا بدیر، تمہاری بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اہل ایمان بے قصور ہیں

بنومصطلق کی بدعہدی کی خبر پر صحابہ کرام کا مشتعل ہونا ایک فطری عمل تھا کیونکہ اللہ نے ہر مؤمن کے دل میں ایمان کی اتنی محبت پیدا کر دی اور اس کے قلب کو نور ایمان سے ایسا مزین ومنور کر دیا کہ اب وہ کفر، فسق وفجور کی کسی بات کو برداشت نہیں کر پاتا۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو وہ مؤمنین کاملین ہیں جنہوں نے اپنا مقصد زندگی ہی رسول کی خدمت ان کی اطاعت اور ان کی محبت بنا لیا ہے وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے ہوتے ہوئے کوئی رسول سے بدعہدی کرے یا کسی بھی نوع رسول کی توہین کرے پس بنومصطلق سے متعلق خبر پر ان کا جوش میں آ جانا اور فرطِ محبت میں اپنے آقا ﷺ سے ان پر حملہ آور ہونے کا مطالبہ کر بیٹھنا ان کے جذبۂ ایمان کا مقتضی تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ یہ صحابہ کرام سے اس متوقع داغ کو دھویا جا رہا ہے جو کسی بھی وقت کوئی بدعقیدہ اس واقعہ کا سہارا لے کر لگا سکتا تھا۔ ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ '' اور لیکن اللہ ہی نے (اے ایمان والو) تمہارے لئے ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے۔ ''وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ '' اور تمہارے لئے قابل نفرت بنا دیا ہے کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہ لوگ اسلام کے بعد نہ تو کفر کی کسی بات کو برداشت کر سکتے ہیں نہ کافروں کی ریشہ دوانیاں ان کے لئے قابل برداشت ہیں اور نہ ہی یہ کسی بھی فسق وفجور میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فسق وفجار کی حرکتیں یہ برداشت کر سکتے ہیں۔

بحمد اللہ ہر مؤمن کی یہی کیفیت ہے اور ہونی چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ محبت ایمان سے کرتا ہے اگر اس کے سامنے کوئی اللہ و رسول یا دیگر شعائرِ اسلام کی توہین کرے تو وہ مشتعل ہو جاتا، مرنے اور مارنے پر تیار ہو جاتا ہے لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ آج ہم فسق و فجور میں ایسے مبتلا ہو گئے کہ ہمیں برائی، برائی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ کاش ہم اپنی حالت پر غور کریں اور جس طرح ہمارے دلوں میں اللہ و رسول کی اور دیگر شعائرِ اسلام کی محبت موجزن ہے اسی طرح ہم اپنے اعمال کی اصلاح کر کے اپنے آپ کو فسق و فجور سے پاک کر لیں تو یقیناً ہم مؤمن کامل کہلانے کے مستحق ہوں گے اور ان بے شمار انعامات سے ہمیں نوازا جائے گا جن سے ہمارے اسلاف صحابۂ کرام اولیاء و علماء کو نوازا جاتا رہا ہے اور پھر ہم بھی ان لوگوں میں شمار کئے جائیں گے جن کے لئے مژدہ دیا گیا ''اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' یہ لوگ ہیں جو راہِ حق پر ثابت قدم ہیں۔

فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ'' اور خوب جان لو کہ بیشک رسول تم میں موجود ہیں۔ اس ارشادِ باری تعالیٰ پر ہم کچھ مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو ظاہری اور مادی ہے جو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ہی کے ساتھ خاص تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمہ وقت ان کی نظروں کے سامنے موجود رہتے تھے۔ صحابہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے رہتے تھے آپ کی تعلیم سے خوب فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کے عشق و محبت کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اپنے آقا ﷺ کے دربار میں گزارے۔ اس لئے ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ بس مسجد نبوی ﷺ سے قریب ترین اسے رہائش کا موقع میسر آ جائے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اللہ کے محبوب ﷺ کی زیارت اور صحبت تھی وہ کسی لمحہ بھی اس سے محروم ہونا نہ چاہتے تھے کسی لحظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی ان کے لئے قابل برداشت نہ تھی۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کا مشہور و مستند واقعہ ہے کہ وہ اکثر رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرایا کرتے تھے۔ ایک دن غلام کی اس خدمت پر آقا کو پیار آ گیا ارشاد فرمایا ''سَلْ تُعْطٰی'' اے ربیعہ جو چاہو مانگ لو، دیا جائے گا آج ہمارا دریائے کرم جوش پر ہے عاشق بھی خوب ہوتے ہیں اللہ ہمیں بھی ایسا ہی عشق دے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا کے اختیار کا بھی بخوبی اندازہ تھا اور ان کی وسیع ملکیت کو بھی خوب جانتے تھے وہ مانگا جو کوئی نہیں مانگ سکتا اور نہ ہی کوئی شہنشاہ و بادشاہ دے سکتا ہے یہ تو رب کے خزانوں کے مالک ہی کی شان ہے کہ وہ ''جو چاہو مانگو'' کی عام دعوت دے رہے ہیں اور یہ ربیعہ جیسے عاشق ہی کا کمال ہے کہ وہ عرض کرتے ہیں: ''اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ'' یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، جنت میں اپنی صحبت کا شرف عطا فرما دیجئے۔ سبحان اللہ! مانگا تو کیا مانگا ذرا انتخابِ نعمت پر تو غور کیجئے ذرا ذوق محبت تو دیکھئے جنت نہ مانگی کہ جسے بحالتِ ایمان اس دنیا میں صحبتِ محبوب نصیب ہوگئی وہ یقیناً جنتی تو ہو ہی گیا۔ ہاں رفاقت اسی کو نصیب ہوگی جسے آقا ﷺ منتخب فرما لیں۔ پس ربیعہ نے اُسی انتخاب کی درخواست پیش کر دی تا کہ جو آنکھیں اس دنیا میں محبوب کے حسن و جمال سے روشن و منور ہیں جنت میں بے نور نہ ہونے پائیں۔

غرضیکہ ''فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ'' کی ایک ظاہری و مادی صورت ہے جو وقتی تھی، عارضی تھی، ختم ہوگئی تو کیا (العیاذ

اللہ) رسول اب ہم میں موجود نہیں ۔ یہ وہی سوچ سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے جو رسول کو اپنا جیسا، عام انسان خیال کرے جبکہ حقیقت یہ ہے حق یہ ہے کہ رسول ہم میں موجود ہیں۔ ''فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰه'' کے ارشاد کا مقتضیٰ بھی یہی ہے اور قرآنی جملہ ''محمد رسول اللّٰہ'' کا مفہوم بھی یہی ہے جبکہ یہ جملہ مبارکہ کلمہ طیبہ کا جز ہے۔ پس ہم میں رسول کی موجودگی کی دوسری صورت یہ ہے کہ'' رسول ہم میں موجود ہیں'' بایں صورت کہ ہم سے پردہ کیے ہوئے ہیں لیکن اپنے دنیاوی جسم اطہر کے ساتھ اسی زمین پر رونق افروز ہیں کہ انہیں کا مستند ارشاد ہے:''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ'' کہ بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کو کھائے۔ ''فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ'' تو اللہ کا نبی زندہ ہے۔

ایک مومن کے لئے یہ ارشادِ رسول ہرگز باعث حیرت نہیں کہ وہ اللہ کے خالق ہونے پر یقین رکھتا ہے اور اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ اپنی مخلوق میں ایک مخصوص تاثیر پیدا کرنے والا وہی ہے نیز وہ جب چاہتا ہے جس چیز کی چاہتا ہے تاثیر تبدیل فرما دیتا ہے مثلاً آگ کی تاثیر جلا دینا ہی ہے لیکن یہ حکم رب ہی تھا:''يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ'' ''اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر''۔ پس ہر چیز کو خاکستر کر ڈالنے والی آگ اللہ کے خلیل کا بال بھی بیکا نہ کر سکی بلکہ سلامتی بن گئی، گلزار بن گئی اسی طرح جس کپڑے سے اللہ کے محبوب ہاتھ پونچھ دیں کیا مجال کہ آگ اسے جلا سکے جبکہ زمین کی تاثیر اپنے دفینوں کو کھا جانا ہی نہیں بلکہ وہ انہیں اگاتی بھی ہے اور ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ پس کوئی وجہ حیرت نہیں اس حقیقت پر کہ نبی کا جسم اطہر قبر میں بطور امانت محفوظ ہے کہ زمین کو اللہ کا یہی حکم ہے کیا مجال زمین کی کہ اللہ کے حکم کے خلاف نبی کا مقدس جسم رتی برابر بھی خراب کر پائے۔

علاوہ ازیں زمین میں دفن ہونے کے بعد ہر چیز ایک ہی مدت میں نہیں گلتی اور سڑتی بلکہ ہر چیز کی نرمی اور سختی کی مناسبت سے اس پر مٹی اثر کرتی ہے مثلاً گوشت، ہڈی سے پہلے گل جاتا ہے یا لوہا، ہڈی سے بھی زیادہ عرصہ زمین میں باقی رہتا ہے اور پلاسٹک پر تو ان دونوں سے بھی زیادہ مدت کے بعد مٹی اثر کرتی ہے۔ یہی حال اور بہت سے معدنیات اور جمادات کا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے اجسام کو ایک جیسا نہیں بنایا کہ بعض جسم عوارضات مثلاً موسم وغیرہ کے اثرات جلد قبول کرتے ہیں اور بعض بہت دیر میں متاثر ہوتے ہیں جبکہ نبی کا جسم مبارک تو ہر اعتبار سے عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے فضلات میں بھی تعفن نہیں ہوتا اسی لئے تو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیشاب پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر آپ نے مژدہ دیا کہ'' اے ام ایمن اب تمہارے جسم کو جہنم کی آگ نہ جلا سکے گی'' آپ ﷺ کا پسینہ ایک بے نظیر عطر تھا جس کے استعمال کر لینے والی عورت کے بچوں تک میں وہ مہک آتی تھی۔ آپ ﷺ کا تھوک، زخموں اور بیماریوں کے لئے مداوا تھا اور جس سے کھاری پانی میٹھا ہو جاتا اور خشک کنوئیں پانی سے لبریز ہو جاتے تھے۔ ایسا ممتاز و مقدس اور مخصوص جسم جب زمین کو نصیب ہو تو کیا زمین اس کو گلا دے گی، سڑا دے گی جبکہ اس حصہ زمین کو اسی مبارک جسم کے طفیل یہ عظمت حاصل ہوئی کہ اس کے خالق نے اس کو اپنے عرش کریم سے بھی افضل و اشرف قرار دے دیا ہے۔

یقیناً زمین ایسی ناشکری اور بدنصیب نہیں ناشکرا و بدنصیب تو وہ انسان ہے جسے نبی کے صدقہ تاج شرافت ملا،

انسانیت ملی، انسانی اقدار و اخلاق کی تعلیم ملی، عبادات کے طریقے ملے، معاملات کی گتھیاں سلجھانے کے نسخے ملے حتیٰ کہ خالق و مالک رب کا پتہ ملا، اس تک رسائی کی راہیں ملیں اب وہ خود تو متقی و پرہیز گار، متبع شریعت اور صالح ہونے کا دعویدار بن بیٹھا اور اپنے محسن، آقا ﷺ و اللہ کے نبی کو (العیاذ باللہ) مردہ کہنے لگا۔ عام انسانوں کی طرح اس کے جسم کے بھی خاک ہو جانے کا یقین کرنے لگا اب اسے یا رسول اللہ ﷺ کہنے میں شرم آنے لگی جو کہتے ہیں ان پر یہ ظالم شرک کا فتویٰ لگانے لگا، آہ! دیکھئے تو سہی اس پر اللہ کی کیسی پھٹکار ہے کہ اللہ کے رسول کے روضہ مبارک پر حاضری کے باوجود یہ ادب و احترام سے ہاتھ باندھ کر صلوٰۃ و سلام تک پیش کرنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بس اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف شرک، کفر اور بدعت کا بھوت ہے جو اس کی زبان سے اہل ایمان کو اہل عشق و محبت کو مشرک، کافر اور بدعتی کہلا تا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی بدبختی اور محرومی سے چھوڑیئے ان بدنصیبوں کی باتیں۔ آیئے ہم ناز کریں اپنے مقدر پر اللہ کا شکر ادا کریں اپنے نصیب پر کہ ہم بھی "فِيكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کے مخاطب ہیں اور ہم جب "محمد رسول اللّٰه" کہتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم زندہ محمد ﷺ واللہ کا رسول مانتے اور ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے، ایمان ہے کہ ہمارے آقا ﷺ اپنی قبر انور میں اس دنیاوی جسم مقدس کے ساتھ زندہ ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

اے ایمان والو! تم خوش بخت ہو بلند اختر ہو کہ ایسے زندہ نبی پر ایمان رکھتے ہو جو ہماری آوازوں و سنتے اور ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں جب بھی ہم یا رسول اللہ ﷺ کی صدا لگاتے ہیں، جب بھی ہم نعتیں پڑھتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں وہ بنفس نفیس سنتے دیکھتے اور ہماری طرف توجہ فرماتے ہیں۔ بس بات صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس وہ نظر نہیں جس سے ہم ان کی زیارت کر سکیں انہیں دیکھیں جبکہ اولیاء و اتقیاء اور صلحاء نے ان کو دیکھا بھی اپنے سلام کا جواب سننے کا شرف بھی حاصل کیا اور ان شاء اللہ اسی دنیا میں بعد موت ہم اپنی قبر میں سے اپنے آقا ﷺ کی زیارت کریں گے اور یہ عارضی حجاب اٹھا دیا جائے گا (درود شریف کے زیر عنوان ہم اس موضوع پر طویل گفتگو کر چکے ہیں)۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں اس طرح بھی موجود ہیں کہ ان کا عطا کردہ کلام الٰہی، ان کی شریعت اور ان کی تعلیم و تربیت ہر مومن کے گھر میں موجود ہے۔ مساجد میں ان کے غلاموں کا اژدہام ہے ان کے منبروں پر ان کے وارثین ان کے ارشادات سناتے نظر آتے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں پانچ وقت ان کا نام پکارا جاتا ہے۔ درس قرآن و حدیث اور نعت خوانی کی محافل منعقد ہوتی ہیں، ان کی سالگرہ پر ہر طرف نور کی بارش ہوتی نظر آتی ہے۔ اہل عشق و محبت ان کا وہی احترام کرتے ہیں جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کی ظاہری زندگی میں کرتے تھے۔ ان کا نام مبارک سنتے ہیں تو ازراہ محبت و عقیدت کے طور پر اپنے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ان کی موجودگی کے یقین کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے کھڑے ہو کر ان کے حضور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں غرضیکہ وہ زندہ ہیں کہ آج بھی ان کے احکام جاری ہیں، ان کی اتباع و پیروی ہو رہی ہے، ان کا ادب و احترام کیا جا رہا ہے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

صلح کرادو

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں کے درمیان اتفاق واتحاد،میل ومحبت ہو اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ سدا بہار ہو جس کی آبیاری وہ ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی سے کریں کہ کوئی کسی پر برتری کا مظاہرہ نہ کرے کوئی کسی کو حقیر نہ جانے کوئی کسی کے حسد وعناد اور بغض وکینہ میں مبتلا نہ ہو۔ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہوں، ایک دوسرے کی عزت وآبرو اور جان ومال کے محافظ ہوں حتیٰ کہ مرد وعورت، بوڑھے، بچے سب ہی بے خوف وخطر زندگی بسر کریں، رات کو آرام کی نیند سوئیں اور دن میں نہایت اطمینان کے ساتھ تلاش معاش میں مصروف رہیں۔ اس دوران کوئی جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا نہ دے کسی کا مال ہڑپ نہ کرے کسی کو ایذاء نہ پہنچائے لیکن باہمی اختلاف بھی انسان کی فطرت ہے لہٰذا ''وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا'' اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو مسلمان یہ نہ سوچیں کہ یہ ہمارا مسئلہ نہیں انہیں لڑنے دو ہمیں کیا سروکار نہ یہ خیال کریں کہ ہم کیوں بلاوجہ اپنا وقت ضائع کریں اور دوسروں کے معاملہ میں ٹانگ اڑائیں نہ یہ خوف کریں کہ اگر ہم اس جھگڑے میں پڑے تو شاید نوبت تھانہ، کچہری تک پہنچے تو ہمیں گواہیوں اور ضمانتوں کے لئے خوار ہونا پڑے گا یہ سب تو اپنے بھائیوں سے لاتعلقی کا مظاہرہ ہے لاپرواہی کا ثبوت ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی ہے کہ اس صورت میں اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ ''فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' ان دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرادو، تم الگ تھلگ کیسے رہ سکتے تمہارے بھائیوں کی جانیں خطرے میں ہیں تو تم تماشائی کیسے بنے رہ سکتے ہو اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ آئے دن لڑائی جھگڑے ہی ہوتے رہیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ سکتی ہے کہ تمہارے کاروبار میں خلل واقع ہو اور تمہیں مالی خسارے اور معاشی تباہی میں مبتلا ہونا پڑے۔ جنگ کی یہ آگ تمہارے دروازوں اور تمہارے گھروں تک پہنچ سکتی ہے۔ جس کی تپش سے تمہارا دن کا سکون اور رات کا آرام تباہ وبرباد ہو جائے گا پھر تم اپنی لاپرواہی پر پچھتاؤ گے لہٰذا اٹھو اپنے بھائیوں کے لئے کچھ ایثار کرو ابھی تھوڑی سی ہی قربانی دینے سے کام چل سکتا ہے۔ اٹھو! ان دست بگریباں ہونے والوں کے درمیان کود پڑو۔ ان کے ڈنڈے، لاٹھیاں اور ہتھیار چھین لو، ان کو نہتا کر دو، ان کو سمجھاؤ، ان کی خوشامد کرو، ان کے سامنے ہاتھ جوڑو انہیں اللہ و رسول کا واسطہ دو، قرآن وحدیث کے احکام سناؤ غرضیکہ جس طرح بھی بن پڑے اس جھگڑے کو روکو اور اگر جھگڑا ختم ہونے کی صورت ہی نظر نہ آتی ہو تو اب جائزہ لو ان دونوں میں سے کون زیادتی، ظلم اور حق تلفی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ''فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى'' پس اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کر رہا ہے۔ ''فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ'' تو زیادتی کرنے والے کا تم مقابلہ شروع کر دو اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ باغی سے، ظالم سے، طاقتور سے تم قتال کرو، جنگ کرو، مظلوم کا کمزور کا ساتھ دو غرضیکہ جس طرح بھی ممکن ہو جنگ کی اس آگ کو بجھاؤ اور ایسا ٹھنڈا کردو کہ پھر کبھی نہ بھڑک نے پائے۔ ''فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا'' پھر جب باغی وظالم گروہ باز آجائے اور جنگ ختم ہو جائے تو بھی اسی طرح نہ چھوڑ

دینا بلکہ دونوں گروہوں کو آرام سے سمجھاؤ کہ اس جنگ نے تم سے کیا چھینا اور کیا دیا کس کا کیا فائدہ ہوا اور کیا نقصان ہوا جب انہیں اپنی غلطی کا بخوبی احساس ہو جائے تو دونوں میں صلح کرادو کیونکہ اگر بغیر صلح وصفائی تم نے انہیں چھوڑ دیا تو پھر کسی بھی وقت دوبارہ جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے اور صرف صلح بھی کافی نہیں۔ ''بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا'' بلکہ صلح عدل وانصاف کے ساتھ کراؤ، یعنی وجہ اختلاف کا پتہ کرو اور اس بنیاد کو اکھیڑ پھینکو جس کی وجہ سے یہ ہنگامہ آرائی ہوئی تھی اور حقدار کو اس کا حق دلادو کہ اس کے بغیر صلح کا باقی رہنا ممکن نہیں۔

اے ایمان والو! صلح کے ساتھ عدل وانصاف کی ذمہ داری تم پر اس لئے عائد کی گئی ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، پس تم بھی ''مُقْسِطِيْنَ'' میں شامل ہو کر قرب الٰہی کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ نیز اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو انصاف کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا گیا سورۂ مائدہ ہے ''وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ'' اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان انصاف سے کیونکہ، ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ پس ہمیں بھی انصاف کرنے والوں میں شامل ہونا چاہئے۔ انصاف کی کوششوں سے گریز نہیں کرنا چاہئے بلکہ جب ایسا موقع ہاتھ آئے تو اسے غنیمت جان کر ہرگز نہ چھوڑو کیا عجب اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش وکاوش ہی کو اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل قبول فرمالے اور یہی ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے کہ میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ خوشخبری ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ''اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ'' بیشک انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے ایسے منبروں پر رونق افروز ہوں گے جو اللہ رحمٰن ورحیم کے دائیں طرف بچھے ہوں گے اسی لئے تو حاکم کو بحالت غصہ فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ارشاد ہوا، راوی ہیں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ''لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ'' فیصلہ کرنے والا بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے کہ یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے جسے بہت ہی غور وفکر کے بعد پورا کرنا چاہئے جبکہ غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ جس سے انسان کی غور وفکر کی صلاحیت عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور وہ خود نہیں جانتا کہ اس نے کیا کہا یا کیا لکھ دیا غصہ ختم ہونے کے بعد جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وہ شرمندہ ہوتا اور پچھتاتا ہے۔

مسلمان بھائی بھائی ہیں:

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں چاہے وہ کسی رنگ کے ہوں یا ان کا تعلق کسی نسل سے ہو وہ کسی بھی شہر یا ملک کے بسنے والے ہوں ان کی بولیاں کتنی ہی مختلف ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی بات تک نہ سمجھ پاتے ہوں اس کے باوجود بھی وہ بھائی بھائی ہیں کہ وہ ایک ہی درخت کے پھل ہیں ان کی جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے وہ سب ایک ہی رسی پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک ہی اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں، ایک ہی رسول ﷺ کی غلامی کا طوق سب کی گردنوں میں پڑا ہوں جو ان کے بھائی بھائی ہونے کا علم اور نشان ہے۔ وہ ایک قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان کی شریعت ایک ہی ہے، ان کا ضابطہ

حیات ایک ہی ہے، ان کے اصول زندگی ایک ہی ہیں، ان کی تہذیب ان کا تمدن ایک ہی ہے۔ اس رشتہ اخوت کی بقاء اور مظاہرے کے لئے ان کا رخ ایک ہی قبلہ کی طرف کیا گیا ہے۔ مختلف زبانوں کے باوجود سب عربی ہی میں تلاوت قرآن کرتے ہیں، عربی میں نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک ہیں، ان کا یہ رشتہ خونی رشتوں سے مضبوط تر ہے اسی لئے تو اگر ان کا باپ، بیٹا، بھائی یا کوئی بھی خونی رشتہ دار مسلمان نہ ہو تو وہ نہ دنیا میں ان کا ہے نہ ہی آخرت میں جبکہ جو بظاہر غیر ہو وہ ان کا ہے۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' بیشک مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اسی لئے تو ہمیں یہ دعا تعلیم فرمائی گئی ہے سورۃ الحشر ہے ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ'' اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب بیشک تو رؤف ورحیم ہے۔ یہ دعا ہم اپنے تمام مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے ہیں چاہے انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

نبی نعمت ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے جس کام کو اہمیت دی وہ مہاجر و انصار کے درمیان بھائی چارہ اور رشتہ اخوت و برادری قائم کرنا تھا۔ یہ کام اتنے پہلے اور جلدی کیا گیا کہ اب تک اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ اس کے بغیر تعمیر مسجد بھی ممکن نہ تھی اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائم کردہ اس رشتہ اخوت کو مہاجر و انصار دونوں نے ہی ایک نعمت غیر مرتبہ جانا اور اس کو اپنے عمل سے اتنا مضبوط مستحکم کیا کہ اس کے سامنے دیگر رشتوں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔ انصار نے مہاجروں کو اپنے گھروں میں رکھا، اپنی جائیداد، زمین، کاروبار میں شریک کیا حتیٰ کہ جس انصار کے پاس ایک سے زیادہ بیویاں تھیں وہ اپنے بھائی کے لئے اسے طلاق دینے اور ان کے ساتھ اس کا نکاح کردینے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں بھائی چارہ کا یہ ماحول اپنے آقا ﷺ کے وسیلہ سے اس وقت میسر آیا تھا جب دونوں ہی کو اس کی اشد ضرورت تھی کہ مہاجر اپنا وطن چھوڑ کر اپنے اعزاء و اقارب حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال سے بھی محروم ہو گئے تھے جبکہ انصار مشرف باسلام ہو جانے کے باعث اپنے رشتہ داروں سے الگ تھلگ ہو گئے۔ رشتۂ اخوت نے دونوں ہی کو ایک پر بہار معاشرہ دیا جس میں وہ زندگی کے شب و روز نہایت سکون کے ساتھ بسر کرنے لگے اور باہمی تعاون نے انہیں مطمئن کر دیا۔

اس بھائی چارے کی اہمیت پر غور کرنے کے لئے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ'' مسلمانوں کو دیکھو گے آپس میں مہربانی کرنے میں، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ''كَمَثَلِ الْجَسَدِ'' ایک جسم کی طرح ہیں۔ ''اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى'' جب ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو باقی تمام اعضاء بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اگر پیر کی چھنگلی کے ناخن میں بھی تکلیف ہو تو سر تک سارا جسم درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے انسان تڑپنے لگتا ہے، اس کی نیند اس کا سکون برباد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مسلمان بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہو کسی کے ظلم وستم کا شکار ہو تو پوری دنیا

کے مسلمانوں میں ہیجان اور بے چینی پیدا ہونا یقینی ہے کہ جس طرح جسم کے تمام اعضاء میں خونی تعلق ہے۔ اسی طرح دنیا کے تمام مسلمانوں میں مذہبی تعلق ہے یہ مصیبت زدہ و مظلوم مسلمان چیچنیا کے ہوں، فلسطین و کشمیر کے ہوں، عراق، ترکی یا کسی بھی جگہ کے ہوں ان کی امداد کے لئے دنیا بھر کے مسلمان تڑپنے لگتے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی مدد کرتے ہیں چاہے انہیں دہشت گرد کہا جائے یا ان کا معاشی، معاشرتی اور سیاسی بائیکاٹ کیا جائے وہ کسی بھی تکلیف کی پروا کئے بغیر اپنے مسلمان بھائیوں کو مصائب و آلام سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا'' اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ میں سے کسی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مظلوم کی تو میں مدد کرتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں۔ آپ نے فرمایا ''تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِکَ نَصْرُکَ اِیَّاهُ'' ظالم کو ظلم سے روک یہ اس کی مدد کرنا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا ''اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَايَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ'' مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ خود اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی وہ اسے ظالم کے سپرد کر دیتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے ''وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ'' اللہ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں ''اَلْمُؤْمِنُ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا'' ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے یعنی مسلمان جب تک متحد و منظم رہتے ہیں ایک دوسرے کو اپنا بھائی یقین کرتے ہیں وہ دشمن کے مقابلہ پر ایک مضبوط دیوار کی طرح ڈٹے رہتے ہیں اور اگر وہ خود ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے اور منتشر و متفرق ہو جاتے ہیں تو دشمن کو کچھ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو وہ کرنا چاہتا تھا خود ہی مسلمانوں نے کر لیا اب دشمن صرف تماشائی بن کر تماشہ دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور ان کو بندروں کی طرح اپنی انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے انہیں استعمال کرتا اور اپنا مقصد حاصل کرتا رہتا ہے۔

غرضیکہ معلم کامل ﷺ نے عملی اور تعلیمی دونوں طریقہ سے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم آپس میں جانثار بھائیوں جیسی زندگی بسر کریں اس سے ہمیں بھی فائدہ ہوگا اور ہمارے دین و مذہب کو بھی کہ اسلام کے دشمن ہماری طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکیں گے بالکل اسی طرح جس طرح چور وڈاکو اس مال پر نظر تک نہیں ڈالتے جس کے مالک چند بھائی ہوں اور وہ متحد ہوں منظم ہوں کہ اتحاد و اتفاق میں ایک ایسی قوت ہے جو پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔

لیکن افسوس ہماری حالت پر کہ آج ہم خود تو متفق و متحد ہو نہیں پاتے لیکن ہمارے قائدین و رہنما بھی ہمیں اتحاد کی تعلیم و تربیت نہیں دیتے بلکہ وہ تو ہمیں مزید لڑاتے ہیں ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ تھما دیتے ہیں کبھی وہ ہم میں فرقہ واریت پیدا کرتے ہیں تو کبھی لسانی و صوبائی تعصب کی آگ ہمارے درمیان بھڑکا دیتے تو کبھی وہ ہمیں سیاسی تنظیموں اور جماعتوں سے

مسلک کر کے لڑاتے ہیں، خوب لڑاتے ہیں، لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آزاد ہونے کے باوجود بھی اپنا غلام بنا لیتے ہیں ہمارے بنیادی حق تک غصب کر لیتے ہیں وہ غیر معینہ مدت تک ہمارے حکمران بنے رہتے ہیں اور جب ہم بحالت مجبوری اپنے کسی حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ ہم پر پولیس وفوج کی صورت میں کتے چھوڑ دیتے ہیں ہم تو پہلے ہی سے منتشر ومتفرق ہیں لہٰذا یہ کتے ہماری ایسی چیر پھاڑ کرتے ہیں کہ ہماری آواز تو نکلنا درکنار سانس تک نہیں نکل پاتی۔

جب ہم اپنے انتشار وافتراق کے باعث اپنوں ہی کے ظلم وستم کا شکار بنے ہوئے ہیں تو دشمن کو ہم پر مزید مظالم کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے وہ تو تماشائی بنا تماشہ دیکھ رہا ہے اور جب چاہتا ہے ہمارے ظالم حکمرانوں ہی کے ذریعہ وہ ہمیں اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال کر لیتا ہے کہ ان گمراہ حکمرانوں کو اللہ ورسول کی خوشنودی سے زیادہ ان کے دشمنوں کی خوشنودی مطلوب ہے اللہ ہمیں ایسے حکمرانوں سے نجات دے اور ہماری مدد فرمائے، آمین۔

اتحاد کا تحفظ اور بقاء

قرآن وحدیث کے ان ارشادات کے علاوہ اگر آپ تمام احکام شرع پر غور کریں تو ان میں ایک مقصد مشترک نظر آئے گا اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان احکام کی تعمیل کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کے سایہ دار درخت کو تن آور اور مزید سرسبز وشاداب دیکھنا چاہتے ہیں۔ نیز ان عبادات سے مقصود ان میں اتحاد واتفاق کو باقی رکھنا ہے اور اس کی حفاظت کرنا ہے مثلاً نماز کے وقت سب کا قبلہ رو ہونا، طہارت وپاکیزگی کے سب کے لئے ایک جیسے احکام، بالخصوص جماعت کی پابندی، نماز جمعہ کی جامع مسجد میں اور نماز عیدین کی عیدگاہوں اور میدانوں میں ادائیگی کا حکم، دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے صرف ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور سحری، افطار، تراویح وغیرہ کے لئے یکساں احکام۔ زکوٰۃ، صدقات، خیرات، قربانی اس لئے ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے رہیں تا کہ معاشرے میں کوئی ضرورت مند نہ رہے۔ زکوٰۃ کی مقدار اور اس سے متعلق دیگر احکام شرع سب کے لئے ایک جیسے ہیں۔ حج کی کیفیت تو سب سے ہی زیادہ اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ سب سے پہلے احرام کو دیکھئے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ صرف دو سفید کپڑے، یونیفارم پہنا کر انہیں متحد ومنظم رہنے کی تربیت دی جارہی ہے۔ نیز سب کے لئے اوقات، مقامات اور ارکانِ حج ایک ہی جیسے متعین ہیں کہ سب ہی کو مطاف میں اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگانے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، مقامِ ابراہیم پر نوافل ادا کرنے ہیں، زمزم پینا ہے، مسعیٰ میں سعی کرنا ہے، ایک ہی مقررہ تاریخ میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ پہنچنا ہے، رمی کرنا ہے، حلق یا قصر کرنا ہے، قربانی کرنا ہے۔ دوستو! یہ سب کیا ہے اتحاد واتفاق کے جذبات بیدار رکھنا اس کی حفاظت کرنا اور اسے باقی رکھنا ہی تو ہے۔

اب ایک نظر معاشرتی امور پر ڈالئے تو تمام معاملات میں ہمیں ایک ہی مقصد اور ایک ہی روح نظر آئے گی کہ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا انہیں ہر اعتبار سے بھائیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہئے انہیں چاہئے کہ بڑوں کا احترام کریں، چھوٹوں سے شفقت ومحبت کا مظاہرہ کریں، آپس میں سلام مصافحہ ومعانقہ کو عام کریں، ایک

دوسرے کو وقتاً فو قتاً ہدیئے اور تحائف دیتے رہا کریں، جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کریں، کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہوں، پسماندگان سے اظہار تعزیت کریں اور ہر حال میں ان کی مدد اور تعاون کرنے کی یقین دہانی کرائیں حتیٰ کہ اگر کسی بھائی کو چھینک بھی آئے تو سننے والا ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' کہتے ہوئے اپنے بھائی کو دعائے صحت دے اور اس کے جواب میں چھینکنے والا ''جَزَاکَ اللّٰہُ'' کہتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے جب ایک بھائی دوسرے بھائی کے سامنے آئے تو اس کی پیشانی پر مسرت وطمانیت کے آثار نمایاں ہوں۔ رنجیدہ وغمزدہ نظر نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو اس کی تکلیف کا پتہ نہ چل سکے اور وہ رنج وملال میں مبتلا نہ ہو اپنے گھروں میں خوشی اور مسرت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے شوہر اپنی بیوی سے محبت کرے اتنا اچھا برتاؤ اور سلوک کرے کہ وہ اپنی زندگی سے ہر وقت خوش اور مطمئن نظر آئے اگر کبھی شوہر و بیوی کے درمیان جھگڑے کی نوبت آ جائے تو اولاً تو اپنا معاملہ خود ہی طے کر لیں ورنہ اپنے خاندان کے بزرگوں سے فیصلہ کرالیں جو ان کے درمیان صلح وصفائی کرادیں کیونکہ بہر حال ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' رب کریم کا ارشاد ہے جدائی اور طلاق کا تو تصور تک ذہن میں نہیں آنا چاہئے کہ یہ 'اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ' ہے اور شیطان سب سے زیادہ اسی عمل سے خوش ہوتا ہے اور اگر خدانخواستہ طلاق تک نوبت آ ہی جائے تو ''تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ'' کے حکم باری تعالیٰ کی پابندی کی جائے۔ مکر وفریب، دھوکا بازی، جھوٹ، چغل خوری، عیب جوئی، غیبت، رشوت، سود، جواء، شراب، زنا، بدکاری و بدمعاملگی یہ سب ایسے بدبودار اور زہریلے کیڑے ہیں جو پورے معاشرے کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں لہٰذا یہ جب بھی پیدا ہوں ان کو اُسی جگہ مسل دیا جائے تاکہ معاشرہ متاثر نہ ہونے پائے۔ صالح حکمرانوں کی اطاعت کی جائے تاکہ ملک ہر قسم کی افراتفری سے محفوظ رہے اپنے مخالفین تک سے رواداری کا برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ اختلاف میں شدت اور نفرت پیدا نہ ہونے پائے حسن سلوک سے متعلق تفصیلی گفتگو آپ ہماری کتاب ''اچھا برتاؤ'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اے ایمان والو! ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس دینی رشتے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی وقت تمہارے بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا ہو جائے جو فطرتاً ہر وقت ممکن ہے تو تم تماشہ نہ دیکھتے رہو بلکہ جلد سے جلد ان کے درمیان صلح صفائی کرادو تاکہ نہ تو ان کا کوئی نقصان ہونے پائے اور نہ ہی تمہارے معمولات میں کوئی خلل واقع ہو ''فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ'' اس ارشاد باری تعالیٰ کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے کہ تم اپنے بھائیوں کی اصلاح کردو یعنی اگر کوئی کسی برائی میں مبتلا ہو تو جس طرح تم فوری طور پر اپنے گھر والوں اپنی اولاد اپنے خاندان کے لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ وہ برائی تمہارے گھر یا خاندان میں نہ پھیلنے پائے۔ اسی طرح تمہارا پڑوسی، شہری یا ملکی بھائی اگر رشوت، جوا، سود، شراب، زنا کے مرض میں مبتلا ہو جائے یا وہ حشیش ومروانہ پینے لگے تو تم فوراً اس کا علاج کرو اس کی اصلاح کرو تاکہ یہ متعدی امراض تمہارے پورے معاشرے میں نہ پھیلنے پائیں۔ بصورت تاخیر ان سے چھٹکارا مشکل ہو جائے گا۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ نے تم پر بھائیوں کے درمیان صلح کرانے یا ان کی اصلاح کرنے کی

جو ذمہ داری عائد کی ہے اس میں تم نے لا پرواہی سے کام لیا یا کوتاہی کی تو یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی جس کا انجام تمہاری تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں جبکہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے" لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" یہ تمہارے لئے مژدہ ہے، ایک خوشخبری ہے کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی تعمیل کرتے رہو گے تو رحمت الٰہی تم پر برستی رہے گی۔ بایں صورت کہ تمہارے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا رہے گا، عزت و عظمت نصیب ہوگی، تمہارے دینی و دنیوی کام آسان ہوں گے، تم خوش حال ہو جاؤ گے، تمہارے لئے معاش کے غیبی دروازے کھول دیئے جائیں گے مندرجہ ذیل چند احادیث سے اندازہ کیجئے کہ برائی کس طرح پھیلتی ہے ہم پر اس کو مٹانے کی کس قدر ذمہ داری ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتایا ہے" بنی اسرائیل جب گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اولاً تو ان کے علماء نے انہیں روکا جب وہ منع کرنے سے باز نہ آئے (اور برائیاں بہت ہی عام ہو گئیں تو) علماء بھی ان کی محفلوں میں شریک ہونے لگے (جیسا کہ آج عرب کے علماء و مشائخ کا حال ہے) اور ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے پس جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے سب ہی کو ایک جیسا کر دیا اور اللہ نے ان پر داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی (یعنی بواسطہ زبور و انجیل) ان کو لعنت کی اور یہ لعنت ان کے گناہ اور حد سے تجاوز کر جانے پر کی گئی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکیہ لگائے بیٹھے تھے پھر آپ سیدھے بیٹھتے ہوئے فرمانے لگے" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک عذابِ الٰہی سے نجات نہ پاسکو گے جب تک تم ظالموں اور فاسقوں کو گناہوں سے نہ روکو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا:" اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْ مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ" لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اس کو بدلنے (ختم کرنے) کی کوشش نہ کریں تو بہت ممکن ہے اس (لاپرواہی کی) وجہ سے اللہ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" وَمَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ" جب تم میں سے کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے۔" فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ" اگر ہاتھ سے مٹانے کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے مٹا دے۔" فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ" اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی برا جانے۔" وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" اور یہ ایمان کا نہایت ہی ادنیٰ درجہ ہے۔

حضرت جویر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ واسلام نے فرمایا:" جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہوں کا مرتکب ہوا اور قوم اس کے گناہوں کو روکنے کی قدرت رکھتی ہو اور پھر نہ روکے تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے ہی ضرور عذاب نازل فرمائے گا۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ" لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ" اچھائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے ہو۔" اَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ" ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے۔" ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ" پھر اس وقت تم دعا کرو گے اور

تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔

حضرت عرس ابن عمیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب دنیا میں برائی کی جائے تو جو شخص موجود ہے اور وہ اس کو برا سمجھے تو وہ اس کی طرح ہے جو موجود نہیں ہے مگر جو موجود نہ ہوتے ہوئے بھی اس برائی کو پسند کرے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو موجود ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ ''افضل ترین جہاد، ظالم و جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا'' اَلدِّيْنُ اَلنَّصِيْحَةُ'' دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پس ہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کس کی خیر خواہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:'' لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ'' خیر خواہی، اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی (اس طرح کہ دین کی پابندی اور تبلیغ و اشاعت کی جائے اور خیر خواہی مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی) اس طرح کہ حکمران اور عامۂ مسلمان اگر کس برائی میں مبتلا ہوں تو انہیں نصیحت کی جائے ان کی اصلاح کی جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی سے ہم اپنے تاریک ماحول کا جائزہ لیں تو ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے کہ آج ہم نہ صرف برائیوں میں مبتلا ہیں بلکہ برائی کو برائی جانتے اور مانتے تک نہیں۔ آخر یہ مرض ہم میں اس حد تک کیسے پھیلا ظاہر ہے کہ ابتداءً برائیوں کو چند ہی افراد نے اختیار کیا ہوگا جن کی طرف ہم نے توجہ نہ کی اسی وقت ہم نے انہیں نہ مٹایا۔ نتیجتاً یہ مرض پھیلتے پھیلتے کینسر کی صورت اختیار کر گیا اور اس نے ہمارے پورے معاشرے کو لپیٹ میں لے لیا حتیٰ کہ عوام، علماء، مشائخ، ناصحین، حکمران سب ہی اس کا شکار ہو گئے اور آج مختلف صورتوں میں یہ مرض ہم میں موجود ہے کہیں رشوت لینے دینے کی صورت میں تو کہیں سود خوری کی صورت میں کہیں جوئے اور شراب کا بازار گرم ہے تو کہیں زنا جیسی عام لعنت موجود ہے غرضیکہ ہمارا پورا کا پورا معاشرہ مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہے۔ زندگی اضطراب و بے چینی کا شکار ہے۔ ہر شخص ان امراض کے درد اور تکلیف میں تڑپ رہا ہے لیکن دور دور کوئی معالج اور ڈاکٹر نظر نہیں آتا جو ہمارا نجات دہندہ ہو کہ جن سے نجات کی توقع کی جاسکتی تھی وہ خود بیمار پڑے تڑپ رہے ہیں۔

ان امراض کو گھر گھر پھیلانے اور اس زہر کی بارش برسانے میں سب سے بڑا کردار ریڈیو، ٹی اور فحش لٹریچر کا ہے۔ کیا آپ نے ایسی کچھ فلموں کے اشتہارات نہیں دیکھے یا نہیں سنے جو فلمسازوں کے خیال کے مطابق قدرے کم فحش ہیں۔ ان اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی جاتی ہے کہ سب گھر والے اس فلم کو ضرور دیکھیں کہ یہ فیملی فلم ہے بلا جھجک اس کو پوری فیملی ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتی ہے اور اس ہدایت کو قبول کرتے ہوئے سب مرد و عورت، والدین و اولاد، چھوٹے بڑے، بچے بوڑھے سب ہی خوب دیکھتے ہیں۔ چاہے کسی کو اپنی آنکھیں بند کرنا پڑیں یا منہ پھیرنا پڑے۔ بعض بوڑھے لاحول اور استغفر اللہ بھی پڑھتے رہتے ہیں لیکن دیکھتے ضرور ہیں کیونکہ ہدایت پر عمل کرنا تو ضروری ہے نا کیسے چھوڑ دیں ہمارے اس عمل سے ہمارے

گھروں اور معاشرے میں بے غیرتی عام ہونے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

جب برائیاں اور بدکاریاں عام ہوجاتی ہیں تو پورے معاشرے پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت برسنے لگتی ہے۔ آج یہ لعنت پتھروں کی صورت میں نہیں برستی بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت میں برستی ہے کہ ہم ملعون ہوجاتے ہیں اور ہمیں پتہ تک نہیں چلتا ہمارے درمیان چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات اور جھگڑے ہونے لگتے ہیں جولوٹ مار اور قتل عام کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ معاشرے میں کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی۔ مرد تو درکنار ہماری ماؤں اور بہنوں تک کا گھر سے نکلنا دوبھر ہوجاتا ہے۔ باہمی نفرتیں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ ایک دوسرے کو سلام کرنا تک گوارا نہیں رہتا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے غم بلکہ جنازے تک میں شریک ہونا نہیں چاہتا ہمارے پرمسرت گھروں، محلوں، گلی، کوچوں، شہروں میں غم واندوہ کے بادل چھائے نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے لعنت ہی تو ہے ''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' کی یہی تو صورت ہے اس سب کے باوجود ہم بھی بڑے ہی سخت جان ہیں یا بے غیرت و بے شرم ہیں کہ تڑپنا تو گوارا ہے ذلت وخواری تو پسند ہے لیکن توبہ کی توفیق نہیں ہوتی حالانکہ توبہ ایک بڑا ہی آسان سا علاج ہے ہر مرض کا مداوا ہے ہر مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔ ''فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' پس جس نے اپنے ظلم (گناہ) کے بعد توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو بیشک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہ سورۂ مائدہ کی آیہ مبارک 39 ہے۔ سورۂ انعام کی آیت نمبر 54 میں ارشاد ہوا ''اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' تو تم میں جو کوئی نادانی کے باعث برائی کر بیٹھے پھر توبہ کرلے اس کے بعد اور اپنی اصلاح کرلے تو بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے۔

یہ صدقہ ہے آقائے رحمت ﷺ کا کہ رب رحیم وکریم نے ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے جو گناہوں کے دلدل سے نکلنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ پس مایوس و ناامید ہونے کے بجائے ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کرنا چاہئے تاکہ پرسکون واطمینان بخش زندگی ہمارا نصیب بن سکے، اللہ عمل کی توفیق دے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۳۷

الحجرات:۱۱

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝

(الحجرات:۱۱)

اے ایمان والو! نہ مذاق اڑائے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ مذاق اڑانے والیوں سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ کسی کو بُرے القاب سے بلاؤ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ باز نہ آئیں گے تو وہی بے انصاف ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسلامی معاشرے کی جان اور بنیاد مسلمانوں کا ایک دوسرے کو بھائی بھائی جاننا اور آپس میں

بھائیوں جیسا سلوک کرنا ہے جس سے ان کے درمیان اتحاد و اتفاق پروان چڑھتا ہے اور وہ سب مل جل کر اپنے تمام معاملات خود ہی طے کر لیتے ہیں چاہے ان کا تعلق معاشرت سے ہو، معاش سے ہو یا سیاست و حکومت سے ہو وہ انفرادی امور ہوں یا اجتماعی ہوں کسی معاملہ میں اپنوں سے یا غیروں سے مدد مانگنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

شریعت مطہرہ کے تمام احکام میں اتحاد و اتفاق کے تحفظ اور اس کی بقاء کو ملحوظ رکھا گیا ہے نیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسی تمام عادات و اطوار کو سختی سے ممنوع قرار دیا جن سے تمام شرعی احکام کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اور امت مسلمہ اتحاد و اتفاق کی برکتوں اور فوائد سے محروم ہو جائے۔ آیت مذکورہ بالا میں ایسے ہی تین امور کا ذکر کیا جا رہا ہے اور شدت کے ساتھ ان کو حرام قرار دیا گیا ہے جو اتحاد و اتفاق کے لئے زہر قاتل ہیں اگر مسلمانوں میں یہ امراض پیدا ہو جائیں تو دین کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور مسلم معاشرہ تتر بتر ہو کر رہ جاتا ہے وہ تین مہلک بیماریاں یہ ہیں: اِستہزاء یا تمسخر، عیب جوئی، برے القاب سے پکارنا۔

اِستہزاء یا تمسخر

کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اس کا مذاق اڑانا، اِستہزاء یا تمسخر کہلاتا ہے۔ چاہے یہ استہزاء اس شخص کی موجودگی میں ہو یا عدم موجودگی میں یہ ایک ایسا مرض ہے جو دلوں کو دکھاتا اور دور کر دیتا ہے حتیٰ کہ بھائی بھائی سے متنفر ہو جاتا ہے۔ شوہر، بیوی سے نفرت کرنے لگتا ہے والدین اولاد کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

یہ اِستہزاء چاہے کسی کے عارضی حال پر ہو مثلاً کوئی بے تکا لباس پہنے ہے بال وغیرہ بڑھائے ہوئے ہے یا فطری اور پیدائشی عیب کا مذاق اڑایا جائے مثلاً کوئی کانا، اندھا ہے یا کسی کا رنگ سخت سیاہ ہے یا وہ ہکلا کر بات کرتا ہے۔ ان تمام ذاتی و عارضی عیوب کے باعث کسی کو حقیر جاننا یا محفل میں اس انداز سے اس کا ذکر کرنا یا نقل اتارنا کہ لوگ قہقہے لگائیں ہنسیں اور اگر وہ شخص موجود ہے تو شرمندہ ہو یا غصہ کرے اور اگر موجود نہیں ہے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا مذاق اڑایا گیا ہے تو اسے تکلیف ہو یا مذاق اڑانے والوں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو اس قسم کی تمام صورتیں اِستہزاء یا تمسخر کہلاتی ہیں۔ جن کو قرآن کریم ممنوع اور حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ'' مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے کیونکہ اس طرح ایک تو دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور بھائی بھائی سے جدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کسی کے ایسے حال پر بلاضرورت توجہ کر کے اپنا قیمتی اور اہم وقت ضائع کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں کہ اللہ کسی کو اس کے ظاہری حال پر نہ تو اجر و ثواب دیتا ہے اور نہ ہی کوئی اپنے ظاہری حال کے سبب اللہ سے دور ہوتا یا اس کا قرب حاصل کرتا ہے: اللہ تو عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' دلوں کا حال جاننے والا ہے لہٰذا اس کے تمام احکام قلبی کیفیات پر ہی نافذ و جاری ہوتے ہیں۔'' اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ''(نساء: 146) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا (دامن رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لئے تو یہ ہی لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مؤمنوں

کو اجر عظیم عطا فرمائے گا پس اجر عظیم ملنے کا باعث تو توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ اور اخلاص اعمال ہے یہ مؤمنوں کی خوبیاں ہیں۔ ایسے ہی اہل ایمان کے لئے اجر عظیم ہے۔

اِستہزاء و تمسخر ظاہری حالت پر ہوسکتا ہے جبکہ ہم یہ نہیں جان پاتے اور نہیں جان سکتے کہ جس کا ہم مذاق اڑا رہے ہیں اس کا باطن کتنا حسین و جمیل، خوبصورت اور اللہ کا پسندیدہ ہے۔ ''عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ'' جن کا تم مذاق اڑاتے ہو ممکن ہے کہ وہ باعتبار باطن تم سے بہتر ہو۔ ان کے دل میں اخلاص ہو اللہ و رسول کی محبت سے ان کا قلب لبریز ہو۔
باطن کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ'' بہت سے بکھرے بالوں والے، دروازوں سے دھتکارے ہوئے، (بظاہر بدحال، تمہاری نظروں میں حقیر بھکاری جانتے ہو ان کو اللہ کا کتنا قرب حاصل ہے) اگر وہ کسی کام کے لئے اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی لاج رکھتا اور انہیں سچا کر دکھاتا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کے پیارے اور محبوب ہوتے ہیں اللہ اس قدر ان کی ناز برداری فرماتا ہے کہ ان کی قسموں کو ضرور پورا فرماتا لوگوں سے ان کے کئے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا فرماتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلی ہر بات تقدیر بن جاتی ہے یہ کسی کو عزت و دولت بخش دیں تو اللہ اسے عزت والا دولت والا بنا دیتا ہے یہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھ لیں تو اللہ اس کو حقیر و ذلیل کر دیتا ہے۔ ان کی ایک نظر سے لوگوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں ایسا انہیں اللہ کا قرب حاصل ہے۔

حضرت مصعب بن سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَآئِكُمْ'' ''تمہیں اللہ کی مدد اور رزق تمہارے کمزوروں ہی کے طفیل دیا جاتا ہے'' یعنی جن کے ظاہری حال کو دیکھ کر تم انہیں کمزور، حقیر، بھکاری سمجھتے ہو اپنے دروازوں سے انہیں دھتکار دیتے ہو ان کا اپنے قریب بھی آنا تمہیں گوارا نہیں اگر وہ تمہارے نزدیک سے گزر جائیں تو تم اپنی ناک بند کر لیتے ہو لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ان کا وجود کس قدر اہم ہے یہی بدحال فقراء و مساکین ہیں جن کے صدقہ میں اللہ بوقت ضرورت تمہاری مدد فرماتا ہے اور یہی ہیں جن کی برکت سے تمہیں رزق نصیب ہوتا ہے انہی کے طفیل اللہ کی رحمتیں برستی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفُ يَوْمٍ۔'' یعنی فقراء جنت میں دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جائیں گے جو جنت کا آدھا دن ہوگا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ'' مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کیا کرو کیونکہ تم اپنے کمزوروں ہی کے سبب روزی دیئے جاتے یا مدد کئے جاتے ہو۔

احادیث مذکورہ سے بات مزید واضح ہوگئی کہ ہم جن لوگوں کا ان کی ظاہری بدحالی یا ظاہری عیب کے سبب مذاق اڑاتے ہیں ہمیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور سوچ لینا چاہئے کہ کہیں یہی اللہ کا کوئی محبوب و پیارا نہ ہو اور اس کو ہمارا حقیر جاننا

ہمارے ہی لئے حقارت کا سبب نہ بن جائے۔ اللہ کا ارشاد ہے: "اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" سوال کرنے والے کو جھڑکو نہیں، تمہارے سامنے جو ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے بظاہر تم سے مانگ رہا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ تمہیں کچھ دے رہا ہو جس کو تمہاری ظاہر بیں نگاہیں نہیں دیکھ رہیں اس لئے سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دے دو اور اگر کسی سبب نہ دے سکو تو اس کو حقیر نہ جانو۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس قابل بنایا کہ کوئی تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے کیا یہ ممکن نہ تھا کہ تم اس کی جگہ ہوتے اور وہ تمہاری جگہ اور تمہارا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا ہوتا پس اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ سے ڈرو، سائل کو کچھ دے دو، نہ دے سکو تو معذرت کرلو، معافی مانگ لو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم استہزاء کے جرم سے کتنا خوف کرتے تھے اس کا بھی اندازہ کرتے چلئے۔ حضرت عمر بن شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتا دیکھ لوں اور مجھے خود بخود ہی ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی (غیر مہذب) نہ ہو جاؤں (کہ لوگ میرا مذاق اڑانے لگیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میں کتا ہی نہ بنا دیا جاؤں۔

بہرحال استہزاء و تمسخر ایسی بدترین عادت ہے جس کے دنیاوی و اُخروی دونوں ہی انجام خراب ہیں کہ ایسا شخص خود چند دن ہی میں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا اور اکثر اللہ اسے اسی بدحالی کا شکار کر دیتا ہے جس کا وہ تمسخر کیا کرتا تھا آخرت میں وہ ذلیل و خوار ہوگا۔ اللہ معاف کرے۔

عورتوں کو خصوصی ہدایت

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے خطاب میں ہر موقع پر اگرچہ عورتیں بھی شریک ہیں کہ وہ بھی تو اہل ایمان ہیں اور افراد قوم میں بھی عورتیں شامل ہیں لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو بھی مخاطب کیا جا رہا ہے "وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ" اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیونکہ عورتیں فطری طور پر مردوں کی بہ نسبت اس عیب میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے لباس، چال، میک اپ، انداز گفتگو کا مذاق اڑانا ان کی عادت ہوتی ہے، بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی نظروں سے دوسری عورت کا عیب چھپا رہے۔ عورت کی نظر صرف عیوب پر ہی پڑتی ہے انہیں کسی محفل میں دوسری عورتوں پر تنقید کرنے اور ان کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہوتا لہٰذا خاص طور پر انہیں ہدایت کی گئی کہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑایا کریں وجہ یہاں بھی وہی ہے کہ "عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ" کہ ممکن ہے کہ استہزاء کرنے والیوں سے وہ عورتیں بہتر ہوں جن کا یہ مذاق اڑا رہی ہیں۔

آج کل عام طور پر کسی عورت کے برقعہ اوڑھنے یا محفل میں نماز پڑھنے کا بہت مذاق اڑایا جاتا ہے جبکہ یہ دونوں باتیں عیب نہیں بلکہ خوبی ہیں۔ برقعہ عورت کے مؤمنہ و مسلمہ ہونے کی علامت ہے۔ باحیاء اور باغیرت ہونے کی دلیل ہے۔ جس سے اس کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے، حسن و جمال بڑھتا ہے اور نماز عورت و مرد سب ہی پر فرض ہے ایمان کی نشانی

ہے۔ کافرومؤمن کے درمیان امتیاز و پہچان کا ذریعہ صرف نماز ہی ہے۔ برقعہ ونماز دونوں ہی شعائر اسلام میں سے ہیں اور شعائر اسلام کا مذاق اڑانا انہیں حقیر جاننا کفر ہے حرام ہے۔

پس عورتوں کوخصوصی طور پر استہزاء وتمسخر کے جرم سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے خصوصی طور پر ان چیزوں کا مذاق اڑانے پر انہیں توبہ کرنا چاہئے جوشعائر اسلام میں سے ہیں وہ اگر خود پردہ نہیں کرتیں یا خود نماز کی پابند نہیں ہیں تو انہیں اپنے حال پر شرمندہ ونادم ہونا چاہئے اور پردہ نشیں، نمازی عورتوں کو احترام وعزت کی نظر سے دیکھنا چاہئے کہ شعائر اسلام کا احترام کرنا بھی علامت ایمان وتقویٰ ہے۔ ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ'' جوشعائر اللہ (شعائر اسلام) کا احترام کرتا ہے وہ یقیناً قلباً متقی و پرہیز گار ہے۔

اے ایمان والو! تم کسی کا مذاق نہ اڑاؤ کسی کو حقیر، کمزور، ذلیل نہ جانو بلکہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھو جب تم کسی کو بظاہر کسی عیب وکمزوری میں مبتلا دیکھو تو تم اللہ کی پناہ مانگو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم پر کتنا کرم فرمایا کہ تمہاری حالت ایسی نہیں ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا نہایت ہی قابل غور ارشاد ہے آپ نے فرمایا: ''اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ'' جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال اور اخلاق میں زیادہ ہو۔ ''فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ'' تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو تم سے کم تر ہو۔ نیز آپ نے فرمایا ''اُنْظُرُوْا مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اسے دیکھو جو تم سے کم تر ہے۔ ''وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ فَوْقَكُمْ'' اس پر زیادہ توجہ نہ دو جو بظاہر تم سے برتر ہے۔ ''فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'' یہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن سے اس نے تمہیں نواز رکھا ہے۔

غور فرمایئے میرے آقائے رحمت ﷺ سکون وعزت کی زندگی حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا نفسیاتی نسخہ عطا فرمارہے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کسی کو اچھے مکان میں پرعیش زندگی بسر کرتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو بھرے دسترخوان پر پرتکلف کھانے کھاتے دیکھتا ہے جب وہ کسی کو قیمتی وخوبصورت گاڑی میں سوار ہوکر اتراتے دیکھتا ہے تو اس کی نظروں میں وہ تمام نعمتیں حقیر اور ہیچ ہو جاتی ہیں جن سے اللہ نے اسے نوازا ہے جبکہ وہ یہ بالکل نہیں جانتا کہ اس ظاہری کروفر پر ناز کرنے والے کا حقیقتاً کیا حال ہے۔ بس اسی موقع پر شیطان اپنا کام کرتا ہے اور اس شخص کو بھڑکاتا ہے دنیا کی حرص وہوس میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ احمق برتر سے برتر ہونے کی ہوس میں دن رات دولت کمانے میں بھڑ جاتا ہے۔ یہ اندھی مصروفیت پہلے تو اس سے نمازیں چھڑاتی ہے پھر یہ اپنے اعزاء واحباب حتیٰ کہ معاشرے سے کٹتا چلا جاتا ہے اب اس کا مقصد زندگی صرف اور صرف دولت بن جاتا ہے۔ حلال وحرام کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ شرعی احکام کی پابندی تو درکنار کسی ناصح سے توبہ کرنے کی اور دین کی پابندی کرنے کی نصیحت بھی اس کے کانوں پر ناگوار ہوتی ہے اب یہ اسی دلدل میں پھنسا ہوتا ہے کہ ''فَلَا نَاصِرَ لَهٗ'' جہاں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اللہ محفوظ رکھے ایسی زندگی سے ایسی کیفیت سے بچانے کے لئے میرے آقا ﷺ نے ہمیں یہ نسخہ عنایت فرمایا کہ ''اُنْظُرُوْا مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ'' اسے دیکھو جو تم سے کم تر ہے اللہ کی نعمتوں کی

قدر کرتے رہو گے شکر گزار بنے رہو گے اور تمہارا رب تمہیں خوب خوب اپنی نعمتوں سے مزید نوازتا رہے گا سکون بھی نصیب رہے گا اور عزت بھی تمہارا مقدر رہے گی۔

عیب جوئی

''وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالْاَلْقَابِ'' تم اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی برے القاب سے پکارو۔ ایک ہی جملہ میں دونوں برائیوں یعنی عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کا ذکر ہے۔ پہلے ہم عیب جوئی پر گفتگو کرتے ہیں۔

لَمْزٌ یعنی کسی میں عیب نکالنا، کسی کا عیب ظاہر کرنا یا کسی کے عیب پر طعنہ زنی کرنا۔ ''وَلَا تَلْمِزُوْا'' سے تینوں طرح عیب جوئی کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے ''اَنْفُسَكُمْ'' اپنی ہی عیب جوئی قرار دے کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ جس کی تم عیب جوئی کر رہے ہو وہ تمہارا مسلمان بھائی ہے۔ پس اس میں عیب نکالنا درحقیقت اپنی ہی عیب جوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ'' اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرو کہ انہیں قتل کرنا اپنے آپ ہی کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور اکثر بظاہر بھی یہ صورت ہو ہی جاتی ہے کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء قتل کر دیتے ہیں اسی طرح دوسروں کو ذلیل وخوار اور حقیر کرنے والا، ان پر عیب لگانے والا، طعنہ زنی کرنے والا خود ہی ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ خود ہی لوگوں کی نظروں میں گر جاتا اور حقیر ہو جاتا ہے۔ ایک مقولہ ہے ''وَفِيْكَ عُيُوْبٌ وَلِلنَّاسِ اَعْيُنٌ'' تم میں بہت سے عیب ہیں اور لوگوں کے پاس آنکھیں ہیں یعنی عیب جوئی کرنے والے کو سوچنا چاہئے کہ کوئی انسان عیوب سے مبراء اور پاک نہیں جب یہ کسی کے عیب نکالے گا ان کی تشہیر کرے گا ان پر طعنہ زنی کرے گا تو یہ خود بھی نہیں بچ پائے گا لوگ اس کے ساتھ بھی یہی عمل کریں گے لہٰذا انسان کی عقلمندی یہی ہے اور اسی میں عافیت ہے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو تلاش نہ کرتا پھرے بلکہ اگر کسی کا عیب اسے معلوم بھی ہو جائے تو اسے چھپانے کی کوشش کرے کہ میرے آقا ﷺ کا مشہور ارشاد ہے ''مَنْ سَتَرَ النَّاسَ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقِيٰمَةِ'' جو دنیا میں لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے دن اس کے گناہ پر پردہ ڈالے گا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا ''مَنْ تَرىٰ عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ اَحْيٰى مَوْءُوْدَةً'' جس نے کسی مسلمان کا عیب دیکھ کر اسے چھپایا تو اس کا ثواب اس شخص کے برابر ہوگا جس نے کسی زندہ دفن کی گئی لڑکی کو بچایا۔ آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے ''وَلَا تَبَتَّغُوْا عَوْرَاتِهِمْ'' اپنے مسلمان بھائیوں کے عیبوں کو تلاش نہ کرو ''وَمَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمْ'' کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرتا ہے۔ ''يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ'' تو اللہ اس کے عیب ظاہر فرما دیتا ہے۔ ''وَمَنْ يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحُهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهِ'' اور اللہ جس کے عیب ظاہر کرتا ہے وہ ذلیل وخوار ہو جاتا ہے چاہے وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ چھپا پڑا ہو۔

ہندوستان کے آخری مسلم تاجدار شہنشاہ ظفر کے دو شعر کہیں پڑھے تھے یا سنے تھے، اچھے ہیں۔ حقیقت سے قریب تر ہیں، پڑھیے:

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر　　　رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

معلوم ہوتا ہے انہوں نے اپنے زمانہ قید میں یہ شعر کہے ہیں کہ انسان عیش وعشرت کے دور میں صرف دوسروں پر ہی نظریں جمائے رہتا ہے اور سوائے اپنے سب ہی اسے کمزور، حقیر اور عیب ناک نظر آتے ہیں اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ساری کمزوریاں اور عیوب تو خود مجھ میں ہیں ساری دنیا کے لوگ مجھ سے ہر طرح بہتر اور اچھے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بسلسلہ جہاد صحابہ کرام کو مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں چار ہزار درہم کا عطیہ پیش کیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ستر کلو کھجوریں پیش کیں۔ حاضرین میں موجود منافقین جل گئے اور انہوں نے ان حضرات پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہوئے ان کا مذاق اڑایا اور ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ لوگ اللہ کی رضا کے لئے یہ قربانی نہیں دے رہے بلکہ لوگوں پر اپنی دولت مندی اور سخاوت کا سکہ جمانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں پھر ایک غریب صحابی حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ ایک سیر کھجوریں لے کر حاضر ہوئے تو یہ منافق کہنے لگے ذرا ان کی قربانی تو دیکھو ان مٹھی بھر کھجوروں سے بھلا کتنے مجاہدین کا گزارہ ہوگا۔

منافقوں نے الزام تراشی کی، ریاکاری کا عیب لگایا، کسی غریب کی غربت کا مذاق اڑایا اللہ رب العزت جل مجدہ نے ایسی حرکتیں کرنے والوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اعلان فرمایا۔ سورۃ توبہ ہے: ''اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط'' جو لوگ بخوشی خیرات کرنے والے مسلمانوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں اور یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس اپنی محنت ومشقت کی مزدوری پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ ''سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ'' اللہ انہیں ان کے اس مذاق کی سزا دے گا جو یہ ہوگی کہ ''وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

غور فرمایا آپ نے عیب لگانے والوں اور مذاق اڑانے والوں کا بھیانک انجام اللہ محفوظ رکھے۔

بُرے القاب

کسی کی خوبیوں یا خامیوں کی بناء پر اسے کوئی نام دے دینا لقب کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے القاب دو قسم کے ہوتے ہیں اچھے القاب جیسے صدیق، فاروق، غنی، اسد اللہ یا ابوتراب، ابوہریرہ، سیف اللہ وغیرہ (رضی اللہ عنہم) یا غوث الاعظم، غریب نواز، داتا گنج بخش، شکر گنج وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اچھے القاب ایک اعزاز ہیں، قابل فخر ہیں، محبت والفت میں اضافہ کا ذریعہ ہیں جو شرعی نظام کا اولین مقصد ہے اور برے القاب وہ نام ہیں جو کسی کو اس کے عیب اور برائی میں مبتلا ہونے کے سبب دیئے جائیں جیسے کسی کو گنجا، کانا، لنگڑا، جاہل، احمق، کن کٹا، راشی، مرتشی وغیرہ جیسے بیہودہ نام دے دیئے جائیں۔ یہ برے القاب دینا ہی ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی میں یہ عیوب موجود بھی ہیں تب اسے ایسے نام سے اگر پکارا جائے گا تو اس کی دل آزاری ہوگی اسے صدمہ پہنچے گا وہ پکارنے والوں سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس کے دوست واحباب اعزاء واقرباء بھی اس

کی حمایت کریں گے اور ایک چھوٹی سی بات پھیل کر پورے معاشرے میں انتشار وافتراق اور لڑائی، جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔ مثلاً ہم نے کبھی اخبارات میں ایک ایسا ہی واقعہ پڑھا کہ لوگ اسے نہ جانے کیوں پھکوڑا کہتے تھے وہ اپنا یہ لقب سن کر نہایت سیخ پا ہو جاتا تھا۔ اس کی برادری کے لوگوں نے بہت چاہا کہ اسے اس نام سے نہ پکارا جائے لیکن کسی نے نہ سنی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گلی کوچوں میں بچے بھی اسے اسی نام سے پکارنے لگے اور اس بیچارے کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ جاہل یہ تماشہ دیکھ کر تالیاں بجاتے جبکہ سنجیدہ لوگ اس پر افسوس کرتے۔ بالآخر وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا کہ اس کے بھائیوں نے کسی نہ کسی طرح یہ پتہ چلا لیا کہ یہ نام کس نے دیا تھا اور ایک رات اس پر حملہ آور ہو گئے اسے اور اس کے تین بھائیوں کو قتل کر ڈالا۔

بھلا غور فرمایئے شریعتِ مطہرہ کس طرح ایسی بیہودگی کی اجازت دے سکتی ہے جبکہ شریعتِ اسلامیہ کا تو مزاج ہی یہ ہے کہ مرض پھیلنے سے پہلے ہی ان جراثیم کا خاتمہ کر دیا جائے جو سبب مرض بن سکتے ہیں اور فتنہ وفساد، انتشار وافتراق سے قبل ہی ان اسباب پر کنٹرول کیا جائے جو تباہی وبربادی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب دینا انہی اسباب میں سے ہے لہٰذا ان کی واضح ممانعت کے ساتھ ان سے مزید تنفر کرنے کے لئے فرمایا گیا ''بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ'' کتنا برا نام ہے فاسق کہلانا ایمان کے بعد یعنی یہ عمل تمہیں فاسق بنا دے گا۔ لوگ تمہیں فاسق کہا کریں گے۔ ہمارے محبوب کا غلام، بہترین امت کا ایک فرد فاسق کہلائے کس قدر باعثِ شرم ہے۔ جس زبان سے اپنے آقا کا کلمہ پڑھوا سی سے اپنے بھائیوں کی پگڑیاں اچھالو کس قدر باعثِ شرم ہے جس زبان سے پھول بکھرنے چاہئے تھے وہ انگارے برسائے کس قدر باعث شرم ہے جسے پوری دنیا میں محبت والفت کا نور پھیلانے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اپنے ہی معاشرے میں نفرت کی تاریکی پھیلائے کس قدر باعثِ شرم ہے جس کا کام غیروں کو اپنا بنانا تھا وہ اپنوں کو اپنوں ہی سے دور کرے کس قدر باعث شرم ہے۔ اے میرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں باز آ جاؤ۔ یہ حرکتیں چھوڑ دو اپنی اصلاح کر لو'' وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ '' اور جو باز نہیں آئیں گے وہی ظالم ہیں اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں اپنے بھائیوں کی عزت وآبرو اور سکون وچین برباد کر کے خود ہی بے آبرو، ذلیل وخوار اور بے چین ہو رہے ہیں اور آخرت میں اپنے آپ کو سخت عذاب کا سزاوار بنا رہے ہیں۔

بروایت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِناً اَوْمَكَرَ بِهٖ'' وہ شخص ملعون ہے جس نے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا يُرِيْدُ شَيْنَهٗ '' جس نے کسی مسلمان پر تہمت لگائی اسے بدنام (بے آبرو) کرنے کے لئے۔ '' حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ '' (قیامت کے دن اللہ اسے جہنم کے پل پر روک لے گا یہاں تک کہ وہ اپنے کہے کی ذمہ داری قبول کر لے (پھر اسے عذاب جہنم کی سزا ہو گی)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''اِنَّ مِنْ اَرْبَی الرِّبٰو الْاِسْتِطَالَةُ فِیْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَیْرِ حَقٍّ'' بدترین سود مسلمان کی عزت پر ناحق ہاتھ ڈالنا ہے (کہ سود حرام ہے کسی مسلمان بھائی کو بے آبرو کرنا اس سے بھی زیادہ برا اور حرام ہے)۔

غور فرمایا آپ نے ہمارے رؤف ورحیم آقا ﷺ کس طرح ہمیں تباہی کے گڑھے میں گرنے سے روک رہے ہیں اور آپ ﷺ کس قدر اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہم ان عیوب سے بچیں جو مسلمانوں کی باہمی محبت کو نفرت میں تبدیل کردیں۔ دوستی کو دشمنی میں بدل دیں۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ کردیں اور وہ دنیا میں بے عزت و بے آبرو ہو جائیں اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منہ تک دکھانے کے قابل نہ رہیں، اللہ ہمیں ان عیوب سے محفوظ رکھے (آمین)

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۴۷

الحجرات: ۱۲

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (الحجرات:۱۲)

اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ وہ گوشت کھائے اپنے مردہ بھائی کا تم اسے تو برا سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۱ کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں جس میں استہزاء، عیب جوئی اور برے القاب سے پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ آیت مندرجہ بالا میں بھی ایسے ہی عیوب کی ممانعت کی جارہی ہے جو مسلمانوں کی دل آزاری ان میں

باہمی منافرت وعداوت کا باعث بنتے ہیں اور جن سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تین عیوب کا ذکر ہے
سوءِ ظن وگمان، جاسوسی، غیبت۔

ظن کے معنی

اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ'' اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ '' بکثرت ظن سے بچتے رہو اس پر مزید گفتگو سے پہلے ظن کے معنی جان لینا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں لفظ ظن چار معنی میں استعمال ہوا ہے یقین، شک، تہمت اور وہم وگمان جیسے فرمایا گیا'' اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ '' جولوگ یقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ سورۂ بقر کی آیت ہے۔ یہاں ظن بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ سورۂ النساء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق واضح اعلان فرمایا:'' وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ '' نہ وہ انہیں قتل کر سکے اور نہ ہی سولی پر چڑھا سکے، جو اس حقیقت کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔'' لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ '' وہ ان کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔'' مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ '' ان کے پاس اس کا کوئی علم (یقینی ثبوت) نہیں وہ تو صرف شک کی پیروی کررہے ہیں۔'' وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا '' انہوں نے یقیناً اسے قتل نہیں کیا۔'' بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ '' بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف (زندہ ہی) اٹھا لیا۔ یہاں شک ویقین کے درمیان ظن بمعنی شک ہی استعمال ہوا ہے۔ نیز ارشاد ہوا:'' وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ '' یہ تمہارے اس ظن کی وجہ سے ہوا جو تم اللہ کے بارے میں کرتے تھے پس تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ یہاں ظن بمعنی تہمت ہے کہ کفار یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ ان کے بہت سے اعمال کو جانتا ہی نہیں تو وہ قیامت کے دن ان سے کس طرح اعمال کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا گویا یہ اللہ پر تہمت لگاتے تھے۔

'' اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ '' یہاں ظن بمعنی وہم وگمان ہے جس کی ممانعت کی جارہی ہے لیکن خیال رہے کہ مطلقاً ظن کی ممانعت نہیں کی جارہی بلکہ اکثر وہم وگمان کی پیروی اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے کی عادت کی ممانعت کی جارہی ہے کیونکہ اگر انسان وہم وگمان کا عادی ہو جائے تو اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آپس میں باتیں کررہا ہے بس خیال کر لیا کہ یہ میرے خلاف کوئی سازش ہورہی ہے اور فکر میں لگ گئے کہ کیا باتیں ہورہی تھیں دو آدمی کسی بات پر ہنس رہے ہیں اور خیال کر لیا کہ یہ میرا ہی مذاق اڑا رہے ہیں۔ غور فرمایئے اگر کسی کو وہم کی ایسی بیماری ہو جائے تو اس کی کیا کیفیت وحالت ہو جائے گی لہٰذا منع فرمایا گیا کہ اکثر وہم وگمان میں مبتلا نہ رہا کرو اس عادت کا ایک خراب پہلو یہ بھی ہے کہ'' اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ '' کہ بعض گمان گناہ کا باعث ہوتے ہیں اگر تم بکثرت ظن کے عادی ہو گئے تو ایسے گمان بھی کرنے لگو گے جن کا کرنا گناہ ہے۔ جو گمان باعث گناہ ہیں وہ بدگمانی کہلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا:'' الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ '' وہ اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں، پس ان کا انجام یہ ہے کہ'' عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ '' انہی پر ہے بری گردش۔'' وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ '' اور

اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا۔ ''وَلَعَنَهُمْ'' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ ''وَاَعَدَّلَهُمْ جَهَنَّمَ'' اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ ''وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اسی سورہ فتح میں مزید ارشاد ہوا: ''وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ'' تم بدگمانی میں مبتلا رہے انجام کار۔ ''وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا'' تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔

ظَنِّ سُوء، بدگمانی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے آپ کو گردش و آلام میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کو دعوت دینا ہے۔ بدگمانی کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ایسے لوگ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

بہر حال ظن و گمان تو انسان کی فطرت ہے اور اسلام کا یہ اصول ہے کہ وہ فطری تقاضوں کو نہ تو پامال کرتا ہے اور نہ ہی یکسر انہیں ختم کرتا ہے بلکہ ان کے پورا کرنے کے طریقہ اور ضابطہ مقرر و متعین فرماتا ہے۔ پس آیت زیر گفتگو میں بھی اسی اصول کے مطابق کثرت ظن کی عادت سے منع فرمایا گیا تا کہ اہل ایمان بدگمانیوں میں مبتلا نہ ہونے لگیں۔

بدظنی حرام ہے

مطلقاً بدگمانی کرنا، ممنوع و حرام قرار دیا گیا۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کی مذمت فرمائی ہے مثلاً جب ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس کا ایسے انداز پر پروپیگنڈا کیا کہ بعض صحابہ تک گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا'' جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیا ہوتا۔ تمہارے ایمان کا مقتضی یہ تھا کہ تم اس بیہودہ خبر کو سن کر کسی تردد میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ تمہیں تو فوراً بلا تامل اس کی تردید کر دینا چاہئے تھی۔ ''وَقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ'' اور (فوراً) کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ تم منافقوں کے فریب میں کیوں مبتلا ہوئے تم نے اپنی ماں کے متعلق کیوں بدگمانی کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ'' بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔

یہ بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ العِبَادَةِ'' نیک گمان، عبادت کا حسن ہے۔

بدگمانی کرنے والا اور اپنی بدگمانی کے مطابق افواہیں پھیلانے والا شخص مسلم معاشرے کا بدترین مجرم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے مسلمانوں کو بے آبرو کرتا پھرتا ہے۔ مثلاً وہ اپنے خیال بد کے مطابق کسی مرد و عورت کے ناجائز تعلق کی خبر پھیلا دیتا ہے۔ کسی کی کسی سے عداوت و دشمنی کی افواہ پھیلا دیتا ہے۔ کسی کے رشوت خور، سود خور یا جواری ہونے کی خبریں پھیلاتا رہتا ہے بس اس کا کام ہی بدگمانی کرنا اور اس کی تشہیر کرنا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ یہ ایک شخص مسلمانوں کے لئے کتنی اذیت اور تکلیف کا سبب بن سکتا ہے جبکہ وہ خود بھی اپنی حرکت سے نہ صرف لوگوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے بلکہ لوگ اس کے جانی دشمن تک ہو جاتے ہیں اور ایک نہ ایک دن اس کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑکنے لگتی ہے کہ باہمی قتل و غارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اس بدعملی سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے معلم کامل ﷺ نے کس قدر محتاط طریقہ اختیار کیا، ملاحظہ ہو۔

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور ﷺ اعتکاف میں تھے۔ میں ایک رات زیارت کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپ سے کچھ دیر باتیں کیں پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہوگئی۔ آپ ﷺ بھی مجھے رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے میں اور آپ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ اسی وقت انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو تیز چلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''عَلٰی رِسْلِکَ اِنَّهَا صَفِیَّةُ بِنْتُ حَیِّ'' آہستہ چلو، میرے ساتھ یہ تمہاری ماں صفیہ بنت حی ہیں۔ ان دونوں نے کہا: سبحان اللّٰه یا رسول اللّٰه (یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ شاید آپ ہمیں یہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ ہم کوئی بدگمانی نہ کرلیں، یہ ہرگز ممکن نہیں) پس آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ'' شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ''وَاِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یَّقْذِفَ فِیْ قُلُوْبِکُمَا شَرًّا'' تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی برا خیال نہ ڈال دے (یعنی تم بدگمانی میں مبتلا نہ ہوجاؤ)۔

تمام صحابہ کرام اس حقیقت کو بخوبی جانتے تھے کہ اللہ کے رسول کے متعلق کسی قسم کا برا خیال، بدگمانی کرنا حرام ہے اس کے باوجود آقائے رحمت ﷺ نے اپنے عمل سے اس حقیقت کو ثابت فرمایا تاکہ تا قیامت کوئی غلام اس گناہ کی جرأت نہ کرسکے نیز آپ نے واضح فرمادیا کہ بدگمانی ایسا جرم ہے جس سے نہ صرف بچنا ضروری ہے بلکہ لوگوں کو از خود کوئی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہئے جس سے شیطان فائدہ اٹھائے اور کسی مسلمان کو اس جرم میں مبتلا کردے اور وہ گناہگار ہو۔ اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ اہم شخصیات جن کا لوگ احترام کرتے ہیں اور ان پر لوگوں کی نظریں رہتی ہیں۔ مثلاً علماء، مشائخ، قائدین، حکام وغیرہ انہیں خصوصی طور پر محتاط رہنا چاہئے اور ہر ایسے عمل سے گریز کرنا چاہئے جو عوام کو بدگمانی میں مبتلا کرنے کا سبب بنے مثلاً نہایت شاہانہ طرز زندگی اختیار کرنا، عوام کی طرح گھومنا پھرنا اور سیر وتفریح کرنا، لوگوں کے گھروں پر بلاضرورت جانا کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے کام غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو جنم دیتے ہیں۔ عام مسلمانوں کو بھی ایسے کاموں سے بچنا چاہئے تاکہ باہمی نفرتیں اور انتشار پیدا نہ ہو۔

بدگمانی میں بدترین بدگمانی اللہ اور رسول ﷺ سے بدگمان ہونا ہے مثلاً اللہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ مجھ جیسے بدترین گناہگار کی وہ کیا بخشش کرے گا یا میری ساری زندگی تو غربت میں گزر گئی اب اللہ مجھے کیا فراخی رزق دے گا یا میں اتنے طویل عرصہ سے بیمار ہوں اب اللہ مجھے کیا شفا دے گا یہ اور اس قسم کے خیالات صرف بدظنی ہی نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے جو کفر ہے کہ قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے ''وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَایَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ'' رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو کہ رحمت الٰہی سے ناامید ہونا صرف کافروں ہی کا طریقہ ہے۔ نیز ارشاد ہوا ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ'' (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ) فرمادیجئے کہ اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندوں۔ ''لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا''

اپنے (مسلمان) بھائی کے ساتھ بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔"

حسن ظن

"اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" کچھ گمان گناہ ہیں جنہیں سوءِ ظن، بدظنی یا بدگمانی کہا جاتا ہے جن پر گفتگو کی جا چکی۔ بعض گمان گناہ قرار دیئے جانے کے بعد اکثر گمان حسن اچھے رہے جنہیں حسن ظن یا خوش گمانی کہا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں خوشیوں اور مسرتوں کے پھول کھلتے ہیں لوگ ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں ان میں باہمی محبت و الفت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے دعاؤں اور عبادتوں میں بھی اثر پیدا ہوتا ہے۔ "حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ حُسنِ ظن والے کی عبادت بھی حسین و خوبصورت ہو جاتی ہے کہ اللہ اسے پسند فرماتا اور قبول فرماتا ہے کیونکہ اگر عبادت گزار کا ذہن و قلب ہی بدگمانی کی نجاست میں ملوث ہو تو اس کی عبادت کیا قبول ہو گی۔

ہر مؤمن کے لئے واجب ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے متعلق حسن ظن رکھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وصال سے تین روز قبل فرمایا: "لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ" تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ رب العزت جل مجدہ کے متعلق اچھا گمان رکھتا ہو۔ پس مؤمن کو گمان رکھنا چاہئے کہ اللہ غَفَّارُ الذنوب ہے وہ ضرور میرے گناہ بخش دے گا، میرا کام توبہ کرتے رہنا اور گناہوں سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرنا ہے۔ اللہ رحیم و کریم ہے وہ ضرور میری الجھنوں اور پریشانیوں کو دور کر دے گا، میرے کام ضرور بنا دے گا، میرا کام صرف اس سے دعا کرنا اور بھیک مانگتے رہنا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے آقا ﷺ نے بتایا جو بلاشبہ حق ہے کہ تمہارے رب کریم کا ارشاد ہے: "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ" کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان ہی کے مطابق معاملہ کرتا ہوں یعنی اگر بندے کو میری عطاء و دین اور مغفرت کا حسن ظن ہوتا ہے تو میں اس کو اس کی ضرورت سے زیادہ عطا فرماتا ہوں اور اگر وہ میرے متعلق بدگمانیوں میں مبتلا رہتا ہے تو میری رحمت اس سے دور ہو جاتی ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظن، جان ایمان اور روح ایمان ہے کہ جن کے دامن رحمت میں پناہ لی ہے۔ ان سے رحمت کا گمان نہ رکھا جائے تو پھر پناہ کہاں نصیب ہو سکے گی۔ پس ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق حسن ظن رکھے۔

؎ تم وہ کہ کرم کو نام تم سے — میں وہ کہ بدی کو عار آقا
جس کی مرضی خدا نہ ٹالے — میرا ہے وہ نامدار آقا
ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ — میرا ہے وہ کامگار آقا

؎ جنہیں مرقد میں تاحشر امتی کہہ کر پکارو گے — ہمیں بھی یاد کر لو ان میں صدقہ اپنی رحمت کا

؎ نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا — ساتھ ہی منشی رحمت کا قلمدان گیا

؎ اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے — میرا کون ہے تیرے سوا آہ لے خبر

مرے گرچہ گناہ ہیں حد سے سوا مگر ان سے امید ہے تجھ سے رجا
تو رحیم ہے ان کا کرم ہے گو اوہ کریم ہیں تیری عطا کی قسم

مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اگر آپ غور فرمائیں تو حق یہ ہے کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ایمان کی ترجمانی کرتے ہوئے ان اشعار میں واضح کر دیا ہے کہ آقائے رحمت ﷺ سے غلاموں کو کس طرح حسن ظن رکھنا چاہئے جو ان کی رحمت میں پناہ وامان کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

نیز عام مسلمانوں بالخصوص اہل تقویٰ، علماء ومشائخ اور صالحین سے حسن ظن رکھنا باعث برکت ہے۔ صالحیت و عافیت کے حصول کا ذریعہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں ان نیک بندوں ہی کے طفیل نصیب ہوتی ہیں۔

جاسوسی نہ کرو

دوسرا عیب جس سے باز رہنے کی اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے وہ جاسوسی کرنا ہے۔ ''وَلَا تَجَسَّسُوْا'' اور جاسوسی نہ کرتے رہا کرو۔ یعنی کسی کے ذاتی معاملات اور کردار کو جاننے کے درپے نہ رہو کیونکہ تمہاری یہ حرکت لوگوں کا چین و سکون برباد کر ڈالے گی اور جسے بھی تمہاری اس بری عادت کا پتہ چلے گا وہ تم سے نفرت کرے گا دوسروں کو تم سے بچتے رہنے کی تاکید کرتا رہے گا اور تم معاشرے میں تنہا رہ جاؤ گے تمہاری مدد تو درکنار کوئی تمہارے قریب آنا بھی گوارا نہ کرے گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد خود سنا ہے: ''اِنَّکَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّهُمْ'' اگر تم نے لوگوں کے عیوب تلاش کئے تو تم ان کو ضائع کر دو گے۔ یعنی وہ تم سے دور ہو جائیں گے اور تم خود ذلیل و خوار ہو کر تنہا رہ جاؤ گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تُؤْذُوْا'' لوگوں کو ایذاء نہ دو۔ ''وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ'' اور انہیں شرمندہ نہ کرو۔ ''وَلَا تَطْلُبُوْا عَوْرَاتِهِمْ'' اور ان کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ نہ لگاؤ۔ ''فَاِنَّهٗ مَنْ طَلَبَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰى يُفْضِحَهٗ فِيْ بَيْتِهٖ'' کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان کا عیب تلاش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کر کے اسے اس کے اپنے ہی گھر میں ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ عیب تو ہر شخص میں ہوتے ہیں یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی ایک دوسرے کا پردہ فاش نہ کریں لیکن جو باز نہیں آتا اور دوسروں کو ذلیل وخوار کرنے کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ اللہ اسے بھی دنیا و آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے وہ عیب تک ظاہر کر دیتا ہے جو اس نے اپنے اہل خانہ سے چھپا رکھے تھے اور اس طرح وہ اپنے گھر والوں تک کی نظروں سے گر جاتا ہے اس کی اولاد تک اس کا احترام نہیں کرتی۔

حضرت ابن منازل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اَلْمُؤْمِنُ يَطْلُبُ مَعَاذِيْرَ اَخِيْهِ'' مؤمن تو اپنے مسلمان بھائی کا عذر تلاش کرتا ہے جبکہ ''وَالْمُنَافِقُ يَطْلُبُ عَثَرَاتِ اِخْوَانِهٖ'' منافق اپنے بھائیوں کی غلطیاں تلاش کرتا پھرتا ہے یعنی ایمان کی علامت لوگوں کے عذر قبول کرنا ہے جبکہ ان غلطیوں کو تلاش کرنا نفاق کی نشانی ہے۔

عوام کے لئے ہی نہیں، امیر وحاکم تک کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کریں اور

ان پر جاسوس مسلط کریں تا کہ انہیں پکڑا جائے اور سزائیں دی جائیں۔حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْاَمِیْرَ اِذَا ابْتَغَی الرِّیْبَۃَ فِی النَّاسِ اَفْسَدَھُمْ'' جب امیر لوگوں کے عیب تلاش کرے گا تو وہ انہیں ضائع کردے گا یعنی امیر ہی اگر لوگوں کی جاسوسی کے لئے جال بچھادے تو پوری قوم ضائع اور برباد ہوجائے گی۔ اولاً تو اس طرح کہ امیر کے انعام واکرام کے لالچ میں مبتلا ہو کر ہر شخص اس کا جاسوس بننا چاہے گا اور جال کے یہ پھندے اتنے پھیل جائیں گے کہ ہر گھر میں جاسوسی ہونے لگے گی حتیٰ کہ باپ بیٹے کی، بیٹا باپ کی، شوہر بیوی کی اور بیوی شوہر کی جاسوسی کریں گی۔ ثانیاً اس طرح کہ جب ہر شخص جاسوسی کے جال میں پھنسا ہوگا تو باہمی اعتماد اٹھ جائے گا اس کی جگہ ہر شخص ایک دوسرے سے خائف نظر آئے گا نتیجتاً کوئی اپنے گھر کی چہار دیواری میں بھی اطمینان کی سانس نہ لے سکے گا۔ آزاد ہونے کے باوجود آزادی سلب ہو کر رہ جائے گی جس کا انجام افراتفری ہوگا بغاوت ہوگا جو کچھ کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظام میں ہوتا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اسلام آزادی کا علمبردار ہے وہ عوام کو شخصی غلامی کی زنجیروں سے نجات دلاتا ہے۔

جاسوسی نہیں تبلیغ

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ امیر المؤمنین کی ذمہ داری اسلامی احکام کا نفاذ بھی ہے اور ان پر عمل کی نگرانی کرنا بھی ہے۔ جس کے لئے ہمارے دور میں غیر مسلموں کی تقلید کرتے ہوئے جاسوسی نظام کا جال پھیلایا جاتا ہے۔ محکمۂ جاسوسی آج کی مسلم حکومتوں کا ایک اہم محکمہ ہوتا ہے لیکن یہ غلط ہے خلافِ شرع ہے۔ خلافِ شرع اقدام کے ذریعہ شریعت کی پابندی کرانے کی کوششیں نہ کامیاب ہوئی ہیں اور نہ ہی ہوسکتی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تبلیغی نظام جاری کیا جائے محکمہ تبلیغ قائم کیا جائے۔ علمائے دین کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جو لوگوں کو احکام شرع اور ان کی برکتوں سے واقف کرائیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا پیغام گھر گھر پہنچائیں کہ جاسوسی کا ردِّ عمل بغاوت ہے جبکہ تبلیغ دل میں اللہ کا خوف اور اللہ کے رسول کی محبت والفت پیدا کرتی ہے حتیٰ کہ ہر شخص اپنی حکومت میں بھی احکام شرع کا پابند ہوجاتا ہے۔ وہ خلافِ شرع کام کرنے کا خیال تک نہیں کرسکتا۔

جاسوسی کرنے والے اپنے عمل کے جواز کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سہارا لیتے اور کہتے ہیں کہ وہ بھی تو رات کو گشت کیا کرتے تھے لیکن ان کا گشت لوگوں کے عیوب جاننے کے لئے ہرگز نہ ہوتا تھا بلکہ وہ لوگوں کے دکھ درد جاننے کے لئے گشت کرتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے اس کے مطابق وہ رعایا کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔ آج کے حکام وامراء اپنے جاسوسوں کو کبھی یہ ہدایت نہیں کرتے کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کر کے انہیں بتائیں تا کہ انہیں پورا کیا جائے اگر ایسا ہوتا تو مسلم معاشرہ میں غربت وافلاس کب کی ختم ہوچکی ہوتی۔ آج عوام کے لئے جاسوسی نہیں بلکہ اپنے مفاد، اپنے اقتدار کی بقاء کے لئے جاسوسی کی جاتی ہے۔ اسی لئے صرف انہی لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے جو حکومتی پارٹی سے باہر ہوتے ہیں جبکہ حکومتی پارٹی سے متعلق لوگ جو چاہتے ہیں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ ملک کے بینکوں کی دولت ہڑپ جائیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں وہ ہسپتالوں، پارکوں کے لئے مخصوص زمینوں پر بنگلے بنالیں تو کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ وہ عوام کی عزت وآبرو سے کھیلتے

رہیں تو کوئی جاسوسی کرنے والا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاکم نہیں دین کے خادم تھے۔ وہ دین کی برکتیں گھر گھر پہنچانے کے لئے گشت کیا کرتے تھے۔ اپنے آقا ﷺ کے غلاموں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

تبلیغی نظام رائج کیا جائے تو حکام وعوام سب کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہوگا کوئی نہ دولت لوٹے گا، نہ زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کرے گا، نہ کوئی طاقت ور کسی کمزور کو اپنی ہوس کا شکار نہ بنا سکے گا۔ یہی مبلغین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح راتوں کو گشت کر کے لوگوں کی ضروریات معلوم کریں گے ان سے حکام کو آگاہ کریں گے اور یہ نگرانی بھی کریں گے کہ حکام عوام کے جن حقوق کے امین ہیں وہ حقوق عوام کو دے رہے ہیں یا نہیں پھر دیکھئے ہر طرف کیسی بہار نظر آتی ہے۔ یہی عوام جو آج حکام سے نفرت کرتے ہیں کل حکام پر اپنی جانیں نچھاور کریں گے اپنے ملک ووطن کی حفاظت کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک رات حسب معمول گشت پر تھے۔ ایک گھر سے آپ کو روشنی نظر آئی کچھ قریب ہوئے تو گانے کی آواز آئی۔ پس برائی روکنے کے جذبہ میں آپ نے دیوار پھاندی اور گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے اس کے قریب شراب رکھی ہے اور ایک عورت گا رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کو مزید غصہ آیا اور چلاتے ہوئے فرمایا: ''یَا عَدُوَّ اللّٰہ'' اے اللہ کے دشمن۔ ''اَظَنَنْتَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْتُرُکَ وَاَنْتَ عَلٰی مَعْصِیَتِہٖ'' کیا تو نے یہ خیال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی فرمائے گا اور تو اس کی نافرمانی کرتا رہے گا۔ اس شخص نے کہا امیر المؤمنین! غصہ نہ کیجئے حرام ہے مزید غور فرمایئے۔ میں نے ضرور اللہ کی نافرمانی کی ہے لیکن آپ بھی اس کے تین حکموں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا کہ بتاؤ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ وہ بولا اللہ کا حکم ہے: ''لَا تَجَسَّسُوْا'' جاسوسی نہ کیا کرو۔ جبکہ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ دوسرے اللہ کا حکم ہے: ''وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا'' گھروں میں دروازہ سے داخل ہوا کرو۔ جبکہ آپ دیوار پھاند کر میرے گھر میں آئے ہیں۔ تیسرے اللہ کا ارشاد ہے: ''لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا'' اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو جبکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے میرے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت نہیں لی۔ آپ نے فرمایا میں شرمندہ ہوں۔ اللہ سے توبہ کرتا ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں۔ وہ شخص بولا میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا گناہ کبھی نہ کروں گا نیز آپ کو گواہ بنا کر توبہ کرتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ بھی معاف کر دے۔

صحافی اور جاسوسی

جاسوسی حرام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی۔ اس کے باوجود دیگر جرائم کی طرح ہمارے معاشرے میں یہ بھی عام ہے بالخصوص ہمارے ایک معزز طبقہ نے جسے ہم صحافی کہتے ہیں اس گھناؤنے جرم کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا ہے جبکہ ان کا پیشہ صحافت معزز پیشوں میں سے ایک ہے اور ان کی ذمہ داریاں نہایت ہی نازک اور اہم ہیں کہ ان

کی نوک قلم سے ان کی قوم کا مقدر وابستہ ہے کہ وہ چاہیں تو قوم پر پھول برسائیں اور چاہیں تو اس کے لئے کانٹے بچھا دیں وہ چاہیں تو قوم کی ڈوبتی ناؤ ترا دیں اور چاہیں تو پوری قوم کو کسی دلدل میں پھنسا دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو با کردار بنا دیں اور چاہیں تو اسے بدعملی کے جہنم میں ڈھکیل دیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو ایک دھاگے میں پرو کر متحد و منظم کر دیں اور چاہیں تو ان موتیوں کو بکھیر ڈالیں وہ چاہیں تو پوری قوم کو عزت و وقار کا تاج پہنا دیں اور چاہیں تو اس کی گردن میں ذلت وخواری کا طوق لٹکا دیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تحریر وتقریر سے حکام کو رعایا کے صحیح حالات اور ضروریات سے باخبر کریں اور اپنے ہم وطنوں کو حکام اور ملک کے صحیح حالات بتاتے رہیں۔ حکام کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔ ان کی غلطیوں اور لاپرواہیوں کی نشاندہی کریں۔ انہیں قوم وملت کی خدمت پر آمادہ کریں اور عوام کو اولی الامر کی اطاعت کا پیغام دیں وہ قوم سے جہالت دور کرنے اور اس کی ذہنی تربیت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا کام اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا علماء دین سے استفادہ کرنا ہے تاکہ وہ اپنے ہم وطنوں کے لئے شمع علم روشن کرسکیں اور ان کی ذہنی جلا اور راہنمائی کی ذمہ داری نباہ سکیں۔

ہماری تاریخ میں ایسے بے شمار صحافیوں کے نام موجود ہیں جن کو آج بھی ہم سلام کرتے اور ان کے کارناموں کی قدر کرتے ہیں وہ بے باک تھے، حق گو تھے، دیانت دار تھے، ان کا سرمایہ سوائے قلم کے اور کچھ نہ تھا، ان کا لکھا ہوا ایک ایک حرف دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا جسے وہ قوم کی نذر کرتے تھے اور وہی قوم کا سرمایہ ہوتا تھا ان کے نوک قلم سے نور کی ضیاء پاشی ہوتی تھی جس سے لوگوں کے دل روشن ومنور ہو جاتے تھے۔ ماضی قریب ہی کی تو بات ہے کہ ہندوستان کا کامیاب انقلاب جس کا اچھا انجام تقسیم ہند کی صورت میں ظاہر ہوا ان صحافیوں ہی کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

آج کے اکثر صحافیوں کا کارنامہ ہے صرف سنسنی خیز خبریں پھیلانا ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنوں ہی کے گھروں میں گھس کر ان کے سنسنی پھیلانے والے ذاتی حالات معلوم کریں ہو سکے تو بطور ثبوت فوٹو بھی بنالیں اور ان کی عام تشہیر کر کے اپنوں کو بے عزت کریں، بے آبرو کریں، اپنوں ہی سے متنفر کریں اور لڑائیں اب ان کا سب سے بڑا کارنامہ جاسوسی رہ گیا ہے، خبریں جاسوسی ہوتی ہیں ان کے مضامین جاسوسی ہوتے ہیں، کہانیاں جاسوسی ہوتی ہیں اور جب جاسوسی میں کامیاب نہیں ہوتے تو جھوٹ کے طومار باندھتے ہیں، خبر گڑھتے ہیں، ناول اور افسانے لکھتے ہیں۔ گویا اب ان کا پیشہ ہی جاسوسی ہو گیا ہے جبکہ ان کا وطیرہ چاپلوسی اور خوشامد ہے جو اقتدار میں ہوتا ہے اس کے گرد گھومتے ہیں اس کو چھینک آجائے تو یہ بھی ان کے نزدیک ایک خبر ہوتی ہے جسے وہ اخبار کی زینت بنا دیتے ہیں شاید اس لئے کہ پوری قوم یرحمک اللہ کہے لیکن وہ قوم کا جواب سنتے نہیں اس کی خبر نہیں بناتے حکمرانوں کے سامنے ان کے قلم تسلیم خم رہتے ہیں یہ وہ لکھتے ہیں جو وہ چاہتے ہیں اب ان کا مقصد صرف دولت کمانا ہو گیا ہے جس کی تکمیل کے لئے وہ دولت مند لیڈروں کے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں ان کے بدنما فوٹو اور لایعنی خبریں قوم تک پہنچاتے اور اس کارگزاری کی بھاری رقمیں وصول کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب صحافی ہی دولت کے رسیا ہو گئے تو غربت وافلاس زدہ عوام کی خبریں، ان کی حق تلفیوں اور ان پر مظالم کی سچی داستانیں کس طرح شائع ہوسکتی اور

کیسے حکام تک پہنچ سکتی ہیں۔ اسی لئے بے خبر حکام جتنا چاہتے ہیں عوام پر ٹیکس لگا دیتے ہیں، اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں، جو چاہتے ہیں قوانین نافذ کر دیتے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ عوام کس ضیق اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں انہیں تو یہ بد دیانت صحافی صرف ٹھیک ہے کا گرین سگنل دکھاتے ہیں۔ اسی لئے تو حکام ایٹمی تجربوں میں مصروف ہیں اور عوام غربت و افلاس، جہالت اور مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔

سوچئے ان صحافیوں کی بد کرداری نے قوم کو تباہی کے گڑھے پر کس طرح لا کھڑا کیا ہے یہ تو چند دیانت دار صحافیوں کا دم غنیمت ہے۔ جن کی وجہ سے اب تک قوم میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے۔ اللہ انہیں استقلال و استقامت عطا فرمائے کہ وہ ناسازگار ترین ماحول میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں اسی طرح وہ ڈٹے رہیں اور اپنا کام کرتے رہیں۔ دعا کیجئے کہ اللہ ان کے دیگر ہم پیشہ افراد کو بھی ہدایت دے کہ ان میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو اور وہ دیانت سے ملک وملت کی خدمت انجام دیں۔ علماء اور صحافی یہ دونوں طبقہ اپنے منصب اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اس قدر اہم ہیں کہ اگر یہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں یا بد کرداری کا شکار ہو جائیں تو پوری قوم کی حالت ناگفتہ ہو جاتی ہے۔

جاسوسی کا جواز

شریعت مطہرہ نے مخصوص صورتوں میں بعض جرائم کو جائز قرار دیا ہے مثلاً بروایت حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا يَحِلُّ الْكِذْبُ اِلَّا فِيْ ثَلٰثٍ'' تین صورتوں کے سوا کسی صورت میں جھوٹ جائز نہیں۔ ''كِذْبُ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَهٗ'' شوہر کا اپنی بیوی سے جھوٹ بولنا (یعنی اسے خوش کرنے اور اس کے دل میں اپنی مزید محبت پیدا کرنے کے لئے یا آپس کے کسی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے) ''وَالْكِذْبُ فِي الْحَرْبِ'' اور جنگ کی حالت میں جھوٹ بولنا۔ (مثلاً اپنوں کو دشمن کی تعداد وقوت غلط بتانا تا کہ ان میں مزید جوش پیدا ہو یا دشمن کو دھوکا دے کر اس پر حملہ آور ہونا یا اسی قسم کی دوسری صورتوں میں) ''وَالْكِذْبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ'' اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ آپ جانتے ہیں کہ کذب کتنا شدید جرم ہے لیکن بعض صورتوں میں جائز قرار دیا گیا۔

اسی طرح جاسوسی، جس کی حرمت اور اس کے نقصانات ابھی آپ پڑھ چکے ہیں بلاشبہ یہ شدید جرم ہے لیکن ملک و ملت کے مفاد میں بعض مخصوص صورتوں میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ مثلاً ایسے مجرموں کی جاسوسی جائز ہے جن کے جرائم معاشرے میں پھیلنے کا خطرہ ہو یا وہ دوسروں کی تکلیف و پریشانی کا باعث ہوں۔ مثلاً وہ لوگ جو شراب یا منشیات کا کاروبار کرتے ہیں، رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے، جواری، سود خور، سمگلر، بچوں کو اغواء کرنے والے، عورتوں کا کاروبار کرنے والے اور اسی قسم کے تمام مجرموں کی جاسوسی نہ صرف جائز بلکہ حکام کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے متعلق شبہ ہو کہ قوم میں انتشار و افتراق پیدا کرتے ہیں یا ملک کے باغی ہیں یا دشمن سے ان کا رابطہ ہے دشمن کی طاقت اس کی سازشوں وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بھی جاسوسی کی اجازت ہے۔ جس کے لئے سربراہ مملکت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ محکمہ جاسوسی قائم کرے یا کوئی دوسری صورت اختیار کرے لیکن یہ واضح رہے کہ اس جاسوسی کا اختیار حکام کو ہے

عوام کو نہیں کہ اگر عام لوگ یہ کام کریں گے تو انہیں مجرموں کی دشمنی اور دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس طرح امن و امان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا ہاں اگر حکام لاپرواہی یا بدعنوانی میں مبتلا ہوں اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی ذمہ داری سے گریز کرتے ہوں بلکہ وہ ان مجرموں سے خود ہی بھتے وصول کرتے ہوں تو بایں صورت عوام کو منظم ہوکر اپنے وسائل واختیار کے مطابق برائی کو مٹانے اور مجرم کو سزا دلوانے کی ذمہ داری پوری کرنی ہوگی لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ عوام کو صرف اتنا اختیار ہے کہ وہ مجرموں کے چہروں سے نقاب اٹھا دیں اور حکام سے انہیں سزا دینے کا مطالبہ کریں عوام کو یہ اختیار ہرگز نہیں کہ وہ خود ہی سزا بھی نافذ کردیں کہ یہ صورت دہشت گردی اور لاقانونیت کی ہوگی۔

غیبت

آیت زیر گفتگو میں تیسرا حکم غیبت کی ممانعت کا ہے" وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا " اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے یہ کس قدر مکروہ، غلیظ اور گندا عمل ہے اس کا اندازہ اس مثال سے کرلو۔" اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْهُ " کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا (ہرگز نہیں) تم اسے برا ہی سمجھتے ہو۔ ذرا مثال پر غور فرمایئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ غیبت کی شدت کراہت کو کس انداز سے بیان کیا جارہا ہے کہ ایک تو انسان کسی انسان کا گوشت کھانا کب برداشت کرسکتا ہے پھر وہ بھی اپنے بھائی کا اور وہ بھی مردہ بھائی کا کس قدر گھناؤنی بات ہے اور غیبت کرنے والا گویا مردہ بھائی کا گوشت ہی کھاتا ہے۔

غیبت کے لئے اس تشبیہ پر مزید غور فرمایئے کہ جس طرح مردہ بھائی کی لاش سے گوشت نوچنا اور اسے چبانا اس بھائی کی انتہائی تذلیل ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنا اس کو انتہائی ایذاء پہنچانا اور بے آبرو کرنا ہے۔ اس تذلیل اور بے آبرو کرنے ہی کے لئے تو ہندہ نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہوجانے کے بعد ان کے ناک، کان وغیرہ کاٹے اور ان کا کلیجہ نکال کر چبایا اور اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن تک کی لاش کو مثلہ کرنے یعنی اس کے قتل کے بعد اس کی شکل وصورت بگاڑ دینے سے منع فرمایا کہ اسلام کسی بھی طرح کسی انسان کو بے آبرو اور ذلیل کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہے اس کا مردہ جسم نوچ کھسوٹ کر اسے ذلیل کیا جائے یا اس پر کوئی تہمت لگا کر اس کی غیبت کرکے اس کے اخلاق وکردار کو نوچا اور کھسوٹا جائے۔

دور رسالت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھی غیبت کی مذمت فرمائی اس مثال قرآنی کو پیش نظر رکھا۔ مثلاً حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب احادیث میں محفوظ ہے کہ انہوں نے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں از خود حاضر ہوکر اپنے زنا میں ملوث ہوجانے کا اعتراف کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر حد جاری فرمائی اور اسی دوران وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد ہی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور چند صحابہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے آپ نے دو آدمیوں کو کہتے سنا کہ ماعز کی موت پر بڑا افسوس ہے۔ اللہ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا تھا لیکن اس نے خود ہی اس کا اعتراف کرلیا اور پھر اسے اس طرح سنگسار کیا گیا۔ جس طرح کتے کو

کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے تھوڑی دور مزید چلنے کے بعد آپ ﷺ رک گئے جہاں ایک گدھا مرا پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو طلب فرمایا۔ حاضر ہونے پر ان سے کہا اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ اسے کون کھا سکتا ہے: ''فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اَشَدُّ مِنْهُ'' تم مردہ گدھا کھانے سے تو نفرت کرتے ہو لیکن تم نے اپنے بھائی کی عزت پر جو حملہ کیا وہ مردار کھانے سے بھی بدتر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهُ الْاٰنَ لَفِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا'' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے (اور یہاں تم اس کی غیبت کر رہے ہو)۔

ایک موقع پر بعض صحابہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی غیبت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم نے ابھی گوشت کھایا ہے۔ وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمیں تو کئی دن سے گوشت میسر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تھوکو۔ انہوں نے تھوکا تو یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے کہ اس میں گوشت کے ریشے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ابھی زید کا گوشت کھایا کیونکہ تم نے ان کی غیبت کی ہے۔

غیبت کی تعریف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ'' کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: ''اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعلم'' اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بتایا ''ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ'' اپنے مسلمان بھائی کے ان عیوب کا ذکر کرنا جس کا ذکر کرنا وہ ناپسند کرتا ہو (غیبت ہے) کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ''اَفَرَاَيْتَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ'' اگرچہ میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جس کا میں ذکر کروں (کیا یہ بھی غیبت ہے) فرمایا: ''اِنْ كَانَ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ'' اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہے تب ہی تو تم نے اس کی غیبت کی۔ ''وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ'' اور اگر اس میں وہ عیب نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

حدیث مبارکہ سے غیبت کی تعریف واضح ہوگئی کہ کسی کی عدم موجودگی میں کسی کا ایسا عیب بیان کرنا یا اس کے متعلق کوئی ایسی بات کہنا غیبت ہے۔ جسے وہ سنے تو اس کی دل آزاری ہو اور کہنے والے سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو اور اگر واقعی اس میں وہ عیب موجود نہیں تو اس کا اس کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے، تہمت ہے جو اپنی جگہ ایک بڑا گناہ ہے کہ حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُّرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ'' جو کسی مسلمان کو بدنام و بے آبرو کرنے کے لئے اس پر کوئی تہمت لگائے تو ''حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ'' تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ (سزا پوری ہونے کے بعد) اپنی کہی ہوئی بات سے بری ہو کر نکلے گا یعنی کسی کی طرف کوئی ایسا عیب یا بری بات منسوب کرنا جس سے اس کا تعلق تک نہ ہو نہایت ہی برا اور گناہ کا کام ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے رمی کا لفظ استعمال فرمایا۔ رمیٌ کے معنی تیر پھینکنا یا پتھر مارنا اسی لئے

جمرات پر سنگساری کو رمی کہا جاتا ہے۔ آقا ﷺ نے یہ لفظ استعمال فرما کر بتایا کہ بہتان درحقیقت کسی کی عزت و آبرو کو سنگسار کرنے کے مترادف ہے۔ اندازہ کرلو یہ عمل کس قدر برا ہے۔

غیبت کی تعریف کی وضاحت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے بھی ہوتی کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں ایک پستہ قد عورت حاضر ہوئی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے ازراہِ تمسخر کہا کہ یہ عورت کتنی چھوٹی سی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے تم توبہ کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے کوئی غلط بیانی تو نہیں کی وہ واقعی پستہ قد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگرچہ تم نے سچی بات کہی ہے لیکن اگر وہ سن لیتی تو اسے ضرور تکلیف ہوتی کہ یہ اس کا ایک عیب ہے لہٰذا یہ غیبت ہوئی۔

حضرت علامہ ابن اثیر جذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''هُوَ اَنْ تَذْكُرَ الْاِنْسَانَ فِيْ غَيْبَتِهٖ بِسُوْءٍ وَ اِنْ كَانَ فِيْهِ'' غیبت یہ ہے کہ تم کسی شخص کا عیب دار ہونا اس کی عدم موجودگی میں بیان کرو اور وہ عیب اس میں ہو۔ ''فَاِذَا ذَكَرْتَهٗ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ الْبَهْتُ وَالْبُهْتَانُ'' اور اگر تم اس کی طرف کوئی ایسا عیب منسوب کرو جو اس میں نہیں ہے تو یہ بہتان ہے۔

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' وَالْغِيْبَةُ اَنْ يَّذْكُرَ الْاِنْسَانُ غَيْرَهٗ بِمَا فِيْهِ مِنْ عَيْبٍ مِنْ غَيْرِ اَنْ اُحْوِجَ ذِكْرَهٗ'' اور غیبت یہ ہے کہ آدمی کسی کا بلاضرورت ایسا عیب بیان کرے جو اس میں موجود ہو۔

حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اَلْغِيْبَةُ اَنْ تَذْكُرَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُهٗ لَوْ بَلَغَهٗ'' غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے متعلق کوئی ایسی بات بیان کرو کہ اگر وہ اسے سن لے تو بری لگے۔ ''سَوَاءٌ ذَكَرْتَهٗ بِنَقْصٍ فِيْ بَدَنِهٖ'' چاہے اس کے جسم کا کوئی عیب ذکر کیا ہو (جیسے وہ کانا، اندھا یا لنگڑا وغیرہ ہے) ''اَوْ نَسَبِهٖ'' یا اس کے نسب کا (جیسے کہا کہ اس کا باپ تو حبشی، موچی، دھوبی وغیرہ تھا یا اس کی ماں تو فاحشہ، بدکار وغیرہ تھی) ''اَوْ فِيْ خُلُقِهٖ'' یا اس کے اخلاق کا (کہ وہ شرابی، جواری یا رشوت خور ہے یا لوگوں سے قرضہ لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا بڑا ہی متکبر یا مغرور ہے وغیرہ) ''اَوْ فِيْ فِعْلِهٖ اَوْ فِيْ قَوْلِهٖ'' یا اس کے افعال کا عیب یا اس کے اقوال کا عیب ''اَوْ فِيْ دِيْنِهٖ'' جن کا تعلق اس کے دین سے ہو (جیسے وہ بے نمازی ہے، چور ہے، ناپاک رہتا ہے، جھوٹا ہے، لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے، شراب و دیگر حرام چیزوں کا کاروبار کرتا ہے۔ ''اَوْ فِيْ دُنْيَاهُ'' یا اس عیب کا تعلق دنیاوی امور سے ہو (جیسے وہ بہت کاہل ہے بہت مکار ہے، بہت کھاتا ہے، ہر کسی سے لڑتا، جھگڑتا ہے)۔'' حَتّٰى فِيْ ثَوْبِهٖ اَوْ فِيْ دَارِهٖ اَوْ فِيْ دَابَّتِهٖ'' یہاں تک کہ کسی کے کپڑوں یا گھر یا سواری کی برائی کرنا بھی غیبت ہے (کپڑے خراب سلے ہوئے تھے، بہت میلے تھے یا اس کا گھر بہت خراب جگہ واقع ہے، اس کی گاڑی بہت ہی کھٹارا ہے)۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے ہمیں نہایت ہی وضاحت سے غیبت کی تعریف معلوم ہوگئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''کسی کے کسی بھی عیب اور برائی کا اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرنا غیبت ہے، جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔''

غیبت کی مذمت

اگرچہ غیبت کی مذمت کے لئے قرآنی تشبیہ اور وہ احادیث مبارکہ ہی کافی ہیں۔ جو بیان کی جا چکیں لیکن اس کی

مزید وضاحت کے لئے چند ارشادات نبوی ﷺ مزید نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ''اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ'' غیبت زنا سے زیادہ شدید (گناہ) ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ''كَيْفَ الْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ'' غیبت، زنا سے کس طرح زیادہ ہے۔ آپ نے جواب عطا فرمایا: ''اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ'' اگر کوئی زنا کرتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ''وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ'' اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشا جاتا جب تک وہ نہ معاف کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

غیبت، زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔ حق فرمایا میرے آقا ﷺ نے اولاً اس لئے کہ یہ حق اللہ اور حق العباد دونوں کو ضائع کرنا ہے۔ حق العباد کو اس طرح کہ جس نے کسی کا عیب بیان کیا اس نے یا تو اس عیب کو ظاہر کیا جس پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوا تھا اور یا اس عیب کو برا جانا جو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا مثلاً کسی کا اندھا یا لنگڑا ہونا ضرور عیب ہے لیکن اس میں بندے کا کیا قصور ہے اور دیکھنے والوں کو اس عیب کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے بلکہ عبرت لینا چاہئے اور شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے انہیں اندھا یا لنگڑا نہ کیا۔ ثانیاً اس لئے کہ زنا کے اثرات محدود ہیں جبکہ غیبت سے پورے معاشرے میں لڑائی جھگڑے کا امکان ہوتا ہے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں قتل و غارت تک نوبت پہنچتی ہے۔ نیز اس لئے کہ بسا اوقات غیبت کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ کتنے بڑے جرم کا مرتکب ہو رہا ہے وہ اپنے تئیں خیال کرتا ہے کہ یہ حق گوئی ہے جو میری ذمہ داری ہے میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ معاف کرے بڑے بڑے علماء، اتقیاء تک اس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں عوام کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر تھے کہ اچانک ایک بدبو پھیلی آقا ﷺ نے فرمایا ''اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا'' ہم نے عرض کی نہیں۔ پس آپ نے بتایا: ''قَوْمٌ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ اغْتَابُوْا اُنَاسًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' ابھی کچھ منافقوں نے کچھ مسلمانوں کی غیبت کی ہے۔

اللہ اکبر! خیال فرمایئے غیبت کیسا بدبودار جرم ہے کہ اس کی بدبو اہل ایمان کو محسوس بھی ہوتی ہے لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتی اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ عام طور پر انسان کو اپنی بدبو محسوس نہیں ہوتی اپنے عیوب نظر نہیں آتے۔ ہمارے تو گھر دن گلی، کوچوں اور بازاروں کی ہواؤں میں غیبت کی بدبو بھری پڑی ہے۔ جس نے ہمارے معاشرے کو ناتواں اور کمزور کر ڈالا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ (کسی) ایک دن روزہ رکھیں لیکن جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لیں افطار نہ کریں۔ پس ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک شخص حاضر ہوا اور افطار کی اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر ایک صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے گھر کی دو کنیزیں روزے سے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ وہ افطار کر لیں آپ ﷺ نے منہ پھیرتے ہوئے فرمایا: ''مَا صَامَتَا'' ان دونوں نے روزہ رکھا ہی نہیں (افطار کیسا) پھر آپ نے فرمایا: ''وَكَيْفَ صَامَ مَنْ ظَلَّ يَاكُلُ

لُحُوْمَ النَّاسِ'' ان لوگوں کا روزہ کیسے ہوسکتا ہے جو سارا دن لوگوں کا گوشت کھاتے رہے ہوں (غیبت کرتے رہے ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ ان دونوں سے کہو کہ قے کریں۔ ان صاحب نے گھر آ کر اپنی دونوں بیٹیوں کو ساری بات بتائی وہ اٹھیں اور دونوں نے قے کی تو دونوں ہی کی قے میں جمے ہوئے خون کے لوتھڑے نکلے۔ وہ صاحب گھبرائے دوڑتے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں کا حال بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَوْ مَاتَا اَوْ بَقِيَا فِيْهِمَا لَا كَلَتْهُمَا النَّارُ'' اگر وہ دونوں مر جاتیں یا دونوں میں یہ خون باقی رہ جاتا تو دونوں کو دوزخ کی آگ کھا جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی اور وہ روزے دار بھی تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نماز پوری فرمالی تو ان دونوں کو طلب فرمایا اور حکم دیا ''اَعِيْدُوْا وُضُوْءَ كُمَا، وَصَلٰوتَكُمَا وَامْضِيَا صَوْمَكُمَا وَاقْضِيَاهُ يَوْمًا اٰخَرَ'' اپنا وضو اور نماز دہراؤ، روزے پورے کرلو اور دوسرے دن قضا کرو۔ دونوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ ﷺ نے بتایا: ''اِغْتَبْتُمْ فُلَانًا'' تم نے فلاں کی غیبت کی تھی۔

یہ غیب داں آقا ﷺ کا کمال علم ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ کس نے غیبت کی اور کس نے کیا کہا آپ نے تا قیامت آنے والے غلاموں کو اس فعل شنیع سے متنفر کرنے کے لئے عملی طور پر اس کی غلاظت اور گندگی کو ظاہر فرمایا لیکن یہ آپ ﷺ کا امت پر کرم ہے کہ آپ نے اپنے اس عمل کو شریعت مطہرہ کے قانون کی حیثیت نہ دی اور غیبت کرنے والوں کے لئے وضو کا نماز کا اعادہ لازمی قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایسے لوگوں کے لئے روزے کی قضا کا حکم صادر فرمایا۔ ورنہ سوچئے ہم جیسے لوگ کس قدر دشواری میں مبتلا ہوجاتے بالکل اسی طرح جیسے آپ ﷺ نے اپنی بعض پسندیدہ چیزوں کو واجب قرار نہ دیا مثلاً مسواک، نماز عشاء کی تاخیر سے ادائیگی، رمضان کی خصوصی نماز تراویح، آپ ﷺ کے پسندیدہ اعمال تھے لیکن امت ان کی پابندی سے آزاد رہی صرف اس لئے کہ آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں مشقت میں مبتلا کرنا پسند نہ فرمایا تاہم فقہاء نے فرمایا کہ غیبت کے بعد دوبارہ وضو کرلینا مستحب ہے تاکہ نماز میں کراہت پیدا نہ ہو اور بحالت روزہ، غیبت، جھوٹ اور ہر قسم کے لغو بیہودہ اعمال سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ان سے اگرچہ روزہ ادا ہوجاتا ہے لیکن مکروہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں تھے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کسی کے متعلق کہا: ''مَا اَعْجَزَ اَوْقَالَ مَا اَضْعَفَ فُلَانًا'' کہ وہ کس قدر عاجز ہے یا کہا وہ کس قدر کمزور ہے۔ پس آپ نے فرمایا: ''اِغْتَبْتُمْ صَاحِبَكُمْ وَاَكَلْتُمْ لَحْمَهَا'' تم نے اپنے ساتھی کی غیبت کی اور اس کا گوشت کھایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا معراج کے دوران میرا گزر ایک ایسی قوم پر سے ہوا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور ان سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھسوٹ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا: ''هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ'' یہی تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزت پامال کرتے رہتے ہیں یعنی غیبت کرتے اور انہیں بے آبرو کرتے ہیں گویا

ان کا گوشت کھاتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تَغْتَابُوْا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَرُدُّوْا الْهَدِیَّةَ وَلَا تَضْرِبُوْا الْمُسْلِمِیْنَ۔ ''مسلمانوں کی غیبت نہ کرو ہدیہ واپس نہ کرو اور مسلمانوں کو نہ مارو۔

اس حدیث مبارکہ میں غیبت کی واضح ممانعت کے ساتھ آقا ﷺ نے مزید دو باتوں کو منع فرمایا جب تمہیں کوئی تحفہ دے تو اسے رد نہ کرو، نہ لوٹاؤ کیونکہ ایک دوسرے کو ہدیہ و تحائف دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ اسے واپس کرنے سے دینے والے کی دلآزاری ہوگی اسے رنج ہوگا جو روحِ اسلام کے منافی ہے کہ احکامِ اسلام کا مقصد تو امت کے درمیان محبت پیدا کرنا ہے لہٰذا ایسا ہر عمل ممنوع ہے جو باعث نفرت ہو اسی لئے دوسری ممانعت یہاں مسلمانوں کو مارنے ان سے لڑائی جھگڑا کرنے کی گئی ہے۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک دن میں نے بطور استہزاء اپنی بالشت کا اشارہ کرتے ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیا کہ بس آپ کو تو اتنی سی صفیہ ہی کافی ہے (ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد بہت چھوٹا تھا) پس آقا ﷺ نے فرمایا: ''لَقَدْ قُلْتِ کَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ'' اے عائشہ تم نے ایسی بات کہہ دی کہ اگر اسے دریا میں گھول دیا جائے تو دریا رنگین ہو جائے۔

منشاء ارشاد نبوی ﷺ یہ ہے کہ تم نے غیبت کی ہے جس کا رنگ اتنا گہرا ہوتا ہے کہ پورے دریا کو رنگ سکتا ہے تو سوچو تمہارے دل کا کیا حال ہوا ہوگا۔ حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کی برائی زبان سے نہیں بلکہ صرف اشارے سے کی جائے تب بھی گناہ ہے اسے آپ غیبت بالاشارہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میری ماں نے کہا تھا کہ زبان سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پستہ قد نہیں فرمایا بلکہ بالشت کا اشارہ کر کے ان کا عیب ظاہر کیا۔

غیبت سننا

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا، اس میں شریک ہونا، اس سے راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام ہے۔ جس کی بنیاد نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد ہے جو بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہم تک پہنچایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ''تم میں جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ کرنا بھی ممکن نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: ''مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیْهِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُّغَیِّرُوْا عَلَیْهِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتُوْا ''کسی قوم کا کوئی آدمی اگر ان میں گناہ کرتا ہے اور وہ اسے گناہ سے روکنے کی طاقت کے باوجود نہ روکتے

یقیناً اللہ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔'' اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ '' بلاشبہ وہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ان واضح ارشادات کے باوجود بھی کسی کا اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور بدگمانی میں مبتلا ہونا کس قدر بدنصیبی اور محرومی ہے۔ اللہ معاف کرے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدگمانی مثلاً یہ خیال کرنا کہ میں ان پر درود شریف تو پڑھتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میرے درود پر توجہ فرمائیں۔ میں انہیں پکارتا ہوں لیکن میں اس لائق کہاں کہ وہ میری صدا سنیں اور میری فریاد کو پہنچیں یا میں تو اتنا گناہگار ہوں کہ شفیع المذنبین ﷺ بھی میری شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ یہ اور اس قسم کی دوسری بدگمانیاں اس آقائے رحمت ﷺ کے لئے جس کا رحمۃ للعٰلمین ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے بڑی ہی ضلالت وگمراہی اور سخت گناہ ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں کے متعلق بدظنی کرنا حرام ہے جو بظاہر نیک اور متقی ہوں عام لوگ ان کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہوں جیسے اولیاء کرام، علماء کرام، مشائخ عظام اور دیگر صالحین۔

'' اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ '' سے مراد یہی بدگمانیاں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق یہی '' اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ '' ہے۔ یعنی بدگمانی کا عادی شخص کتنا ہی حاجی، نمازی اور متقی کیوں نہ ہو لیکن '' کَذَّاب '' سب سے بڑا جھوٹا ہے جبکہ اللہ معاف کرے ہم میں سے اکثر لوگ اس گناہ کے مرتکب ہیں۔

ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی کے جرم میں کتنے مسلمان مبتلا ہیں لیکن ہاں ہم یہ جانتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بدظنی کرنے والوں کی کمی نہیں۔علم وتقوی کے بہت سے دعویداروں نے اپنی اس بدظنی کا اظہار اپنی کتابوں میں بھی کیا ہے۔تقریروں میں بھی کرتے رہتے ہیں اور اپنے ان برے خیالات کی باقاعدہ منظم صورت میں تبلیغ بھی کرتے ہیں اور علماء ومشائخ نیز صالحین سے بدگمانی تو ایک فیشن سا ہوگیا۔ لیجئے ایک لطیفہ ملاحظہ فرمایئے۔

ہم ایک مسلمان بھائی کی دوکان پر کپڑا خریدنے چلے گئے۔سیٹھ صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہی سوال کر ڈالا کہئے مولانا صاحب کیسے آنا ہوا۔آپ کوئی مسجد بنارہے ہیں یا مدرسہ کھول لیا ہے۔ہم پہلے تو سٹ پٹا گئے کہ یہ حضرت کیا پوچھ رہے ہیں اور کیوں پوچھ رہے ہیں لیکن فوراً ہی ان کا مطلب سمجھ گئے لہٰذا ہم نے جواب دیا بھائی ہم مسجد یا مدرسہ کے لئے نہیں اپنے لئے کپڑا خریدنے آئے ہیں۔اب سیٹھ صاحب کچھ مطمئن ہوکر بولے معاف کیجئے۔ میں سمجھا آپ چندہ لینے آئے ہیں۔ آیئے آیئے کپڑا دیکھئے، جتنا چاہیں خریدیئے۔ او، فلاں مولانا صاحب کو کپڑا دکھا ہم نے کہا نہیں، نہیں تکلیف نہ کیجئے۔ ہم دوسری دوکان پر جارہے ہیں۔سلام کیا اور دوکان سے باہر آگئے۔

فرمایئے یہ بدظنی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ دوستو! آج کل مولویوں اور پیروں کے متعلق یہ ایک عام بدگمانی ہے کہ یہ لوگ تو صرف چندے ہی کرتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے اور معاف کرے۔

بروایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:'' جس شخص نے

ہوں تو اللہ ان سب پر موت سے پہلے عذاب نازل فرمائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مطابق ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ منکر برائی کو ہاتھ سے روکے یا زبان سے روکے اور اگر یہ دونوں صورتیں اس کے لئے ممکن نہ ہوں تو دل سے ضرور برا جانے یعنی برائی کرنے والے سے نفرت کرے۔ جس محفل میں برائی ہوتی ہو اس میں شریک ہونے سے گریز کرے۔ ظاہر ہے غیبت کوئی معمولی قابل درگزر برائی نہیں۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں غیبت کرنے والا درحقیقت اپنے بھائی کی عزت و آبرو کو پامال کرتا ہے اور جو اس غیبت میں اس طرح شریک ہو کہ کم از کم غیبت کرنے والے سے نفرت نہ کرنے لگے تو وہ بھی اس جرم میں برابر کا شریک قرار پائے گا اور ذلت وخواری اس کا بھی مقدر بنے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوطلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس محفل میں کسی مسلمان کی بے عزتی اور آبروریزی کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بھی موجود ہوگا اور اپنے بھائی کی بے عزتی پر راضی ہوگا اللہ اسے اس مقام پر ذلیل ورسوا کرے گا جہاں وہ باعزت بننا چاہتا ہو اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے عزتی اور توہین کی جارہی ہو وہاں جو مسلمان بے عزتی کئے جانے والے مسلمان کی حمایت کرے گا اللہ اس کی وہاں مدد کرے گا جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہوگا۔

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِّنْ مُنَافِقٍ بَعثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ'' جس شخص نے کسی منافق کے مقابلہ میں کسی مسلمان کی حمایت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو مسلمان کی مدد کرنے والے کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا (یعنی جو اپنے مسلمان بھائی کا مددگار ہوگا قیامت کے دن اللہ اس کی مدد فرمائے گا)۔

نیز قرآن کریم میں ہے: ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ غیبت کے ذریعہ اپنے بھائیوں کی آبروریزی کرنے والوں سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں کی محفل میں شریک ہونے کی بھی ممانعت ہے۔

ان ارشادات کی روشنی میں علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیبت کرنے والے کو سختی سے روکیں، منع کریں۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اور اس کی باتوں کو برا جانیں اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے دل میں اس کے صحیح ہونے کا رتی برابر بھی خیال نہ آنے دیں اور اگر یہ غیبت کرنے والا کسی محفل میں غیبت کررہا ہے تو اس محفل کو چھوڑ دیا جائے اور کسی مجبوری کے سبب محفل سے باہر آنا ممکن نہ ہو تو اس کی باتوں کی طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ اللہ کا ذکر کرنا یا درود شریف وغیرہ پڑھنا شروع کردیا جائے اور اس کی طرف پوری توجہ سے مائل ہوجانا چاہئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض محفلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں مقررین ہمارے آقا ﷺ کے صفات وکمالات کا انکار کرتے۔ صحابہ کرام پر نقائص وعیوب کا بہتان باندھتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر قرآن وحدیث نیز واقعات سے دلائل بھی پیش

کرتے ہیں یہی حال بعض کتابوں کا بھی ہے۔ پس ان محافل کو بھی محافل غیبت کہا جائے گا اور ایسی کتابوں کو غیبت کا پلندہ لہٰذا ایسی محافل میں شریک ہونا ایسے گمراہ لوگوں کی تقاریر سننا اور ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی عام لوگوں کے لئے جائز نہیں۔ جیسا کہ آپ اللہ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں: ''فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' پتہ چل جانے کے بعد ظلم کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور وہ شخص تو یقیناً بدترین ظالم ہے جو اللہ کے رسول ﷺ، آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آپ کی ازواجِ مطہرات نیز اولیاء کرام اور صالحین کے متعلق بدگوئی یا بدنویسی کا مرتکب ہو۔

غیبت میں شرکت سے متعلق فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا عیسٰی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص سوتا ہوا اور اس کے جسم کا پوشیدہ حصہ تھوڑا سا کھلا ہو تو تم اس کو ڈھانپ دو گے یا مزید کھول دو گے۔ سب نے جواب دیا یقیناً ہم اس کی ستر پوشی کریں گے کیونکہ کسی کو ننگا کردینا اور دیکھنا تو نہایت ہی بے عزتی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ سو رہا ہو اور اسے اپنی حالت کا پتہ ہی نہ ہو۔ پس حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تو اگر کوئی شخص کسی کی عدم موجودگی میں اس کی غیبت کرتا ہے تو تم لوگ کیوں اس کے ساتھ شریک ہو جاتے ہو۔ اس کے ساتھ مل کر ہنستے ہو اس کی باتوں کی تائید کرتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہو کیا تم اس طرح ایک سوتے ہوئے کے باقی ستر کو نہیں کھولتے جو یقیناً بے شرمی کی بات ہے تمہیں تو چاہئے کہ غیبت کرنے والے کو منع کرو اس سے نفرت کرو اور جس کی غیبت کی جارہی ہو اس کی تعریف کرو اور اس کی حمایت کرکے اس کا باقی ستر بھی ڈھانپ دو۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں کسی شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی غیبت کی۔ آپ نے اس کو روکا اور فرمایا تم ایک ایسے شخص کی غیبت کر رہے ہو جو فقیہ اعظم ہے جو متقی اور پرہیز گار ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک وضو سے پانچ وقت کی نمازیں پڑھا کرتے تھے اور ان کا یہ معمول پینتیس برس تک رہا۔

خالد بن ربعی کی موجودگی میں لوگوں نے کسی کی غیبت کی آپ نے انہیں منع فرمایا دوبارہ پھر ایسا ہی ہوا لیکن خالد خاموش سنتے رہے نہ منع کیا اور نہ محفل سے اٹھے جب رات کو سوئے تو خواب میں انہیں کسی نے سور کا گوشت کھلایا۔ خالد پریشان حال اٹھے، بے حد روئے اور اللہ سے توبہ کی۔

میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے ''مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَذَابَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' جو کسی مسلمان کی عزت ریزی سے لوگوں کو منع کرے اللہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے گا (یعنی اس کے گناہوں کو معاف فرمادے گا)۔

نیز آپ نے فرمایا ''مَنْ نَصَرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِالْغَيْبِ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' جس نے اپنے مسلمان بھائی کی مدد کی اس کی عدم موجودگی میں، اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا۔

آپ نے فرمایا: ''مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ'' جس نے لوگوں کو غیبت کے ذریعہ اپنے بھائی کی بے عزتی کرنے سے روکا اس کا اللہ پر حق ہو جاتا ہے کہ اللہ اسے جہنم کی آگ سے

آزاد کر دے۔

اور میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ اَذَلَّ عِنْدَهٗ وَهُوَ يَقْدِرُ اَنْ يَنْصُرَهٗ فَلَمْ يَنْصُرْهُ اَذَلَّ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْاَشْهَادِ'' جس شخص کے سامنے کسی مسلمان کی ذلت ہوئی اور اس نے قدرت کے باوجود بے عزتی کرنے والے کو نہ روکا تو اللہ اسے قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے ذلیل وخوار کرے گا (چاہے وہ حاکم ہو، عالم ہو یا کتنا ہی بڑا متقی ہو)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلسَّاكِتُ شَرِيْكُ الْمُغْتَابِ'' خاموش بیٹھ کر غیبت سننے والا اتنا ہی گناہگار ہے جتنا غیبت کرنے والا۔

مُردوں کی غیبت

جس طرح زندوں کی غیبت حرام ہے اس سے بھی زیادہ مُردوں کی غیبت کرنا ہے کیونکہ زندوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کی غیبت کی گئی ہے تو وہ اس کی مدافعت کر سکتے ہیں اور غیبت کرنے والے سے باز پرس بھی کر سکتے ہیں نیز مردے کی غیبت کر کے بلا وجہ اس کے وارثین کا دل دکھانا اور اپنی طرف سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ہے۔ علاوہ ازیں موت تو زندوں کے دلوں میں مرنے والے سے ہمدردی پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے کسی کے مرنے پر اس کے دشمنوں کے دل بھی نرم ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے جنازے میں بھی شریک ہوتے ہیں اور اس کے متعلقین سے اظہار افسوس بھی کرتے ہیں پس وہ شخص کس قدر سخت ہوگا کہ مرنے والے کی طرف سے اس کا دل اب بھی صاف نہ ہوا موت بھی بغض وکینہ ختم نہ کر سکی اور وہ اب تک مردے کی غیبت میں مبتلا ہے ایسے شخص کی حالت اس کی اپنی موت کے علاوہ کون بدل سکتا ہے۔ نیز احادیث مبارکہ کے مطابق مردے دنیا والوں اور ان کے حال سے باخبر رہتے ہیں اور اس شخص کو پہچانتے ہیں جو ان سے اچھا سلوک کرتا جو ان کے لئے اچھی باتیں کرتا اور ثواب پہنچاتا رہتا ہے مردہ ایسے شخص سے خوش ہوتا اور اس کے ایصال ثواب سے اسے سکون میسر آتا ہے۔ اس کا عذاب قبر دور ہوتا ہے یا اس کے مراتب میں بلندی ہوتی ہے اور جب کوئی مردے کے متعلق بدگوئی کرتا ہے تو مردے کو تکلیف ہوتی ہے۔ پس کتنا برا ہے یہ شخص جو مردے کی غیبت کر کے اسے دکھ پہنچاتا ہے، مردے کو دکھ پہنچانے والا یہ شخص خود زندگی میں سکھ کیسے پا سکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اسے چین کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

مردوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَدَعُوْهُ وَلَا تَقَعُوْا فِيْهِ'' جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی سے اس کے معاملہ میں مداخلت نہ کرو (اس کی غیبت نہ کرو اگر ہو سکے تو اس کے لئے ایصال ثواب کرو ورنہ خاموشی اختیار کرو)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا'' جو لوگ مر گئے انہیں برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے اعمال کے حساب وکتاب کی جگہ پہنچ چکے ہیں (اب ان کا معاملہ ان کے رب سے ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس حال میں ہیں)۔

ارشاد ہوا: ''اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ'' اپنے مردوں کی اچھائیاں بیان کرو، ان

کی برائیوں سے اپنی زبان رکو(کہ اب ان کی برائیاں بیان کرنا نہایت ہی خساست ' ورذالت ہے کہ مردوں سے زندوں کو فائدہ تو ہوتا ہے، نقصان نہیں)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اکثر قبرستان جایا کرتے اور بہت دیر تک وہاں بیٹھے رہتے تھے۔ آپ سے کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا پسند کرتا ہوں کہ جن سے مجھے فائدہ تو ہوتا ہے لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے مجھے اپنی موت یاد آتی ہے جو ایک بڑا فائدہ ہے جبکہ وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ آپ نے وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا اہل مقابر ہمیں آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس طرح وہ ہمیں فائدہ پہنچاتے ہیں جبکہ وہ نہ تو ہماری شکایتیں کرتے ہیں اور نہ ہی عیب بیان کرتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے ممنوع قرار دیا ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد لوگ اس کا کوئی برا حال بیان کریں جو انہوں نے دیکھا مثلاً مردے کا چہرہ سیاہ ہو جانا یا بگڑ جانا یا اس کو غسل دیتے وقت غسل کرانے والوں کو کوئی عیب نظر آئے۔ ہاں اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بیان کرنا چاہئے مثلاً مرتے وقت کسی کا کلمہ پڑھنا یا درود شریف پڑھنا، کسی کا چہرہ چمکنا، کسی کے جسم سے خوشبو آنا وغیرہ۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا تَذْكُرُوْ اَمْوَاتَاكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّهُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ تَاثَمُوْا وَاِنْ يَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَحَسْبُهُمْ مَافِيْهِ'' اپنے مردوں کو صرف اچھائی سے یاد کرو کیونکہ اگر وہ جنتی ہیں تو تم ان کے غیبت کر کے گناہ گار ہو گے اور اگر وہ جہنمی ہیں تو ان کے لئے یہی کافی ہے (تم بلاوجہ اپنی زبان کیوں گندی کرتے ہو)۔

غیبت سے توبہ اور اس کا کفارہ

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اگر خدانخواستہ وہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کرے اس طرح کہ اس گناہ کو ترک کر دے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرے اور اپنے گناہ پر نادم وشرمندہ ہو نیز شریعت مطہرہ نے جن گناہوں کا کفارہ مقرر کیا ہے ان کا کفارہ ادا کرے۔ غیبت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک گناہ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی شدید مذمت فرمائی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس جرم میں مبتلا ہو جائے تو اگر اس نے غیبت تنہائی میں کی ہے تو تنہا توبہ کر لے اور اگر کسی محفل میں کی ہے تو جن لوگوں کی موجودگی میں یہ جرم سرزد ہوا تھا انہی کی موجودگی میں اس پر اظہار ندامت کرے اور انہیں گواہ بنا کر توبہ کرے۔ نیز اگر اس کی خبر اس شخص تک پہنچ چکی ہے جس کی غیبت ہوئی تھی تو اس سے معافی کا خواستگار ہو کہ اس صورت میں جب تک وہ شخص معاف نہیں کرے گا اللہ بھی اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا کہ حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک اہل حقوق کی طرف سے معافی نہ ہو جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا كَانَتْ لِاَخِيْهِ عِنْدَهٗ مُظْلِمَةٌ فِيْ عِرْضٍ اَوْ مَالٍ'' اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جس پر اس کے بھائی کی عزت یا مال کا کوئی حق تھا۔ ''فَجَاءَهٗ فَاسْتَحَلَّهٗ '' تو وہ حق والے کے پاس آیا اور اس سے حق معاف کرا لیا۔ ''قَبْلَ اَنْ يُّؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ

وَلَا دِرْهَمٌ ''اس سے پہلے کہ اس کو وہاں پکڑا جاتا جہاں نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ درہم (کہ وہ خرچ کر کے چھوٹ سکتا، سوائے اس کے کہ)،'' وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ ''اگر اس کے پاس کوئی نیکیاں ہوں گی تو وہ حقدار کو دے دی جائیں گی۔'' وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ حَسَنَاتٌ حُمِلُوْا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ '' اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو اس پر حقدار کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ كَفَّارَةِ الْغِيْبَةِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَهٗ ''غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم طلب مغفرت کرو اس کے لئے جس کی تم نے غیبت کی ہے (اس طرح) ''تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ '' کہ تم کہو اے اللہ ہمیں اور اسے بخش دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''مَنْ ذَكَرَ خَطِيْئَتَهٗ فَوَجَلَ مِنْهَا قَلْبُهٗ مُحِيَتْ عَنْهُ فِيْ اُمِّ الْكِتَابِ'' جو شخص اپنے گناہ کو اس طرح یاد کرے کہ (اللہ کے خوف سے) اس کا دل کانپنے لگا تو نامہ اعمال سے اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

تحقیق یہی ہے کہ غیبت گناہِ کبیرہ ہے اس سے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے اور اگر کوئی غیبت کر ہی بیٹھے تو اسے توبہ کرنا چاہئے اور جس کی غیبت کی گئی ہے اس کو اگر خبر ہو چکی تو اس سے بھی معافی مانگنا چاہئے اور اگر خبر نہیں ہوئی تب بھی غیبت کے بدلے اس کی خوبیاں بیان کرنا چاہئے اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے لئے کچھ ایصال ثواب کرنا اور دعائے مغفرت کرنا چاہئے۔

اے ایمان والو! آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد سنو اور اچھی طرح غور کرو۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ'' بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ''وَلَا تَحَسَّسُوْا'' اور ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو۔ ''وَلَا تَجَسَّسُوْا'' اور جاسوسی نہ کرو۔ ''وَلَا تَنَاجَشُوْا'' اور برتری نہ جتاؤ۔ ''وَلَا تَحَاسَدُوْا'' اور حسد نہ کرو۔ ''وَلَا تَبَاغَضُوْا'' اور کینہ نہ رکھو۔ ''وَلَا تَدَابَرُوْا'' اور پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو۔ ''وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا'' اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

ان ارشادات کے مطابق ہمیں ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو مسلمان بھائیوں کی دلآزاری ان کی آبروریزی اور ان کے درمیان منافرت کا باعث ہو کہ اہل ایمان کی باہمی الفت و محبت اور ان کے درمیان اتحاد و یگانگت ہی سب سے بڑی دولت ہے جو ان کی عزت کی ضامن ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

۱۲۔ آیات، ۱۲۔ احکام

سورۃ الحجرات کی ۱۲ آیات ہیں ۱۲ احکام دیئے گئے ہیں جن کی تفصیلات کا آپ نے پانچ مقالوں میں مطالعہ کیا۔

وہ احکام یہ ہیں:

(۱) اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) رسول کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ ہونے دو۔

(۳) رسول سے اس انداز پر بات نہ کرو جیسے تم آپس میں گفتگو کرتے ہو۔

(۴) خبر فاسق پر بلا تحقیق عمل نہ کرو۔

(۵) مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔

(۶) اپنے بھائیوں کی اصلاح کرتے رہو۔

(۷) ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔

(۸) عیب جوئی نہ کیا کرو۔

(۹) کسی کو برے القاب سے نہ پکارا کرو۔

(۱۰) بدگمانی نہ کیا کرو۔

(۱۱) جاسوسی نہ کیا کرو۔

(۱۲) غیبت نہ کیا کرو۔

"اے اللہ ہمیں ان پر اور جملہ احکامِ شرع پر عمل کی توفیق نصیب فرما تاکہ ہم مؤمن کامل بن سکیں۔"

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الحدید''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
75	28 تا 29

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۵

الحدید: ۲۹،۲۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ (الحدید: ۲۹،۲۸)

اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخشش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے تا کہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے۔

اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے اور رسول مکرم ﷺ پر کما حقہ ایمان لانے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ تقویٰ کیا ہے، اس کے کیا فائدے ہیں۔ گزشتہ صفحات پر آپ تفصیل سے مطالعہ کر چکے یہاں صرف اتنا عرض کرتے چلیں کہ اللہ پر صرف ایمان لانا اور اس کے وجود و صفات کو تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مؤمن دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اللہ کے دربار میں حاضری اور اپنے اعمال کے حساب و کتاب پر بھی یقین رکھے اور وہ دنیا ہی میں یہ کوشش کرے کہ اللہ کے دربار میں اسے سرخروئی نصیب ہو۔ اپنے اعمال پر نادم و شرمندہ اور پشیمان نہ ہونا پڑے۔ دنیا میں یہی سعی کرنا اور اس کے لئے اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے ہی کا نام تقویٰ ہے۔

رسول پر ایمان لاؤ

اہل ایمان ہی کو ''اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' کی ہدایت کی جارہی ہے کہ جو لوگ اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے وہ رسول پر کیسے ایمان لائیں گے اور اگر کوئی احمق عملی طور پر رسول پر ایمان لے بھی آئے یعنی رسول کا احترام بھی کرتا ہو، اس کی تعلیمات کو پسند کرتا ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو تو اس کا یہ ایمان اکارت اور بیکار ہے کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں یعنی اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا۔ ان دونوں ہی کا اقرار ایمان ہے کسی ایک کا انکار اور کسی ایک کا اقرار لایعنی اور غیر مفید ہے۔

غرضیکہ رسول پر ایمان لانے کی ہدایت اہل ایمان ہی کو کی جارہی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ صرف محمد رسول اللہ کہہ دینا یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لینا کافی نہیں یہ تو ایمان کی ابتداء ہوئی اب تکمیل ایمان کے لئے محمد ﷺ کی ذات و صفات کو جانو اور مانو یعنی یہ جانو کہ مقام رسالت و نبوت کیا ہے اور اس مقام پر فائز ہونے کے باوجود بھی آیا رسول کو ایک عام انسان ہی کی طرح سمجھا جا سکتا ہے اور اپنا جیسا خیال کیا یا کہا جا سکتا ہے۔ نیز رسول اور امت کے درمیان کیا تعلق اور کیا نسبت ہوتی ہے۔ آیا یہ رشتہ عارضی ہے کہ رسول کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے یا دائمی ہے کیا رسول سے امت کو دنیا ہی میں فیض حاصل ہوتا ہے یا یہ فیض قیامت میں بھی نصیب ہوگا۔ یہ بھی جانو کہ حضرت محمد ﷺ اور انبیاء سابقین علیہم اسلام میں کیا فرق ہے۔

ان تمام سوالات کے جوابات اگرچہ گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر آچکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے مختصراً ان کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مقام نبوت و رسالت

مقام الوہیت کے بعد بلند ترین منصب و مقام نبوت و رسالت ہے جو معبود و عبد کے درمیان تعلق کا ذریعہ اور قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ انسانیت کا سرچشمہ اور انسانی زندگی کے اصول و ضوابط کی تعلیمات کا خزینہ ہے۔ انسانی شرف و عظمت کی پناہ گاہ ہے، کفر و ضلالت کے اندھیروں سے نجات دہندہ ہے، وہ نور ہے جس سے تہذیب و تمدن کی راہیں نظر آتی ہیں، دلوں کی تاریکیاں چھٹتی ہیں، اللہ اور بندوں کے درمیان کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور قلب انسان تجلیات باری کا مرکز بن

جاتا ہے۔ یہ علم و عمل کا وہ خزانہ ہے جس کے بیش بہا موتی انسان کو قیمتی اور اشرف و اعلیٰ بنا دیتے ہیں۔ جس سے حیوانیت و انسانیت کے درمیان امتیاز اور فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر منصب و مقام انسان کو اس کی اپنی محنت و مشقت اور کوشش سے حاصل ہو سکتا اور ہوتا ہے لیکن منصب نبوت و رسالت صرف ان نفوس قدسیہ ہی کو حاصل ہوا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لئے منتخب فرمایا جن لوگوں نے اس منصب کا ذریعہ عمر یا مال و دولت کو قرار دیا۔ انہیں جواب دیا گیا۔ سورۂ انعام ہے: ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ'' اللہ بہتر جانتا ہے جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو مقام رسالت پر اسی کو فائز کیا جاتا ہے۔ جسے اللہ اس کا اہل بناتا ہے۔ یہ مقام خالصتاً وہبی ہے نہ عمر سے حاصل ہوتا ہے نہ فضل سے نہ مال سے نہ دولت سے اور نہ ہی محنت و مشقت سے مقام نبوت ہی سرچشمہ فضل و کمال ہے میرے استاد غزالی دوراں حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر بارگاہ نبوت سے کسی کو فیض نہ پہنچے اور آفتاب نبوت کی شعاعیں کسی کے دل کو نہ چمکائیں تو اس کو ہرگز کوئی فضل و کمال حاصل نہیں ہو سکتا نہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ ہر فضل و کمال کا سرچشمہ صرف نبوت اور رسالت ہے۔''

تو اے ایمان والو! ''اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' رسول پر ایمان لاؤ اس طرح کہ مقام رسالت و نبوت کو اچھی طرح سمجھ لو تب ہی تو تم اپنے رسول کا اعلیٰ و ارفع مقام سمجھ سکو گے کہ ہر شخص کی حیثیت اس کے مقام کی حیثیت ہی سے سمجھ میں آتی ہے۔

رسول عام انسان نہیں

بلاشبہ ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' فرمانِ الٰہی ہے اور رسول کی بشریت پر ہمارا ایمان ہے لیکن قرآن کریم ہی بتاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء و رسل کو کفار و منافقین کے سوا کبھی کسی نے عام انسان نہ کہا اور نہ سمجھا اور ضلالت و گمراہی کی بنیادی وجہ رسول کو عام، اپنے جیسا انسان خیال کرنا ہی ہے جبکہ منصبِ نبوت پر فائز ہونے اور نعمتِ وحی سے سرفراز ہو جانے کے بعد کسی بھی اعتبار سے رسول ہم جیسا نہیں رہتا سوائے ایک قدر مشترک کے ''اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' کہ صرف تمہارا اور میرا معبود ایک ہے لیکن عبدیت اور بندگی ایک جیسی نہیں۔ نیز انعاماتِ الٰہیہ کے حصول میں بھی رسول کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ رسول بندوں میں اللہ سے قریب تر ہے۔ جو رب سے بلاواسطہ انعامات الٰہیہ حاصل کرتا اور اپنے امتیوں میں تقسیم کرتا ہے جو بلاواسطہ احکامِ الٰہیہ لیتا اور بندوں کو پہنچاتا ہے جو علم الٰہیہ کا مخزن ہوتا ہے۔ اللہ کی عطا سے اللہ کے خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔ جس کا مربی و معلم براہ راست اللہ وحدہ لاشریک ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ جس کی رضا اللہ ہی کی رضا ہوتی ہے۔ رسول کی ہر ادا پر عمل کرنا عبادت اور رضائے رب کا وسیلہ ہے۔ وحی الٰہی رسول کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ بشر ہونے کے باوجود بھی ایک عام، ہم جیسا انسان نہیں رہتا۔ رسول، بے عیب ذات اللہ کے فضل و کرم سے ہر عیب و نقص سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عطا کردہ قدرت سے انسانوں کے دلوں کا حال جانتا ان کے ارادوں کا علم رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول کی تعلیم و تربیت انسان کی فطری خواہشات کی رہبری و راہنمائی کرتی ہے اس کی اصلاح کرتی ہے۔

؎ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

؎ ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں تو ہی سرورِ دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

رسول اور امتی کا تعلق

ایمان کی تکمیل کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اور امتی کا کیا رشتہ ہوتا ہے۔ رسول اور امتی کے درمیان کیا تعلق ہوتا ہے۔ پس اللہ ورسول کے ارشادات اور عمل صحابہ کرام سے واضح ہے کہ رسول، امت کا حاکم، رہبر، راہنما اور مطاع ہوتا ہے۔ رسول آقا اور امتی غلام ہوتا ہے۔ رسول کے احکام کی تعمیل اور اس کی اتباع و پیروی ہر امتی کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ رسول سے امتی کا تعلق خونی رشتوں کے تعلق سے بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ رسول باپ ہوتا ہے لیکن کوئی اسے باپ کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کبھی آپ ﷺ کو باپ نہ کہا۔ رسول شوہر ہوتا ہے لیکن کوئی بیوی اسے شوہر کہہ کر نہیں پکارتی، میری ماؤوں میں سے کسی نے کبھی آپ ﷺ کو شوہر کہہ کر نہ پکارا۔ رسول بھائی ہوتا ہے لیکن کوئی اسے بھائی کہہ کر نہیں پکارتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی آپ کو بھائی نہ کہا۔ رسول دوست ہوتا ہے لیکن کوئی اسے دوست کہہ کر نہیں پکارتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رفیق غار ہونے کے باوجود آپ کو کبھی دوست نہ کہا۔ رسول امت کا معلم ہوتا ہے امت کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کا نور بخشتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے جو کوئی نہیں سکھا سکتا ہے۔ وہ بتاتا ہے جو کوئی نہیں بتا سکتا۔ رسول امت کا مربی ہوتا ہے۔ ایسی تربیت کرتا ہے کہ طبیعتوں کا میلان اور خواہشات کا رجحان تک تبدیل ہو جاتا ہے۔ غیر مہذب کو مہذب بنا دیتا ہے۔ غیر متمدنِ کو تمدن کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔ رسول اپنی امت میں محبت والفت اور یگانگت پیدا کرتا ہے۔ وہ جہالت وغربت کو دور کر دیتا ہے۔ اس کے عطا کردہ اصول زندگی اپنانے والے جسمانی وروحانی صحت وعافیت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ رسول امتیوں کو شجاعت و بہادری عطا کرتا ہے کہ اس کے غلاموں کی نظروں میں مادی وظاہری قوت و طاقت ہیچ ہو جاتی ہے۔ رسول کی غلامی دنیا وآخرت کی شہنشاہی کا تاج ہے کہ اس کے غلاموں کے حضور دنیا کے سلاطین و بادشاہ کانپتے اور تھرتھراتے نظر آتے ہیں۔ رسول ہر امتی کے لئے ایسا رحیم ہوتا ہے کہ اپنے غلاموں کو دنیا وآخرت کی ہر تکلیف ومشقت سے محفوظ رکھتا ہے۔ رسول امتیوں کے اعمال اور ان کی توبہ واستغفار کی قبولیت کا وسیلہ ہوتا ہے۔ رسول اپنے رب کے سوا کسی کا محتاج نہیں ہوتا جبکہ ہر امتی دنیا وآخرت میں اس کا محتاج ہے۔ رسول کی اطاعت غلاموں کے لئے کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اسی لئے رسول کا ادب واحترام جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس کے دربار میں اونچی آواز سے بات کرنا تک حرام ہے۔ اس کے لئے ان عام الفاظ کا استعمال کرنا جو آپس میں استعمال ہوتے ہیں حرام ہیں۔ مختصر یہ کہ: ؎

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے حسن و ادا کی قسم

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عزوعلا کی قسم

رسول سے رشتہ دائمی ہے

رسول سے امت کا رشتہ دائمی ہے اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک امتی کے گلے میں رسول کی غلامی کا طوق لٹکا

رہتا ہے۔یہی طوقِ غلامی دنیا میں امتی کے لئے ذریعۂ عزت ہے اور آخرت میں وسیلۂ نجات ہے۔رسول کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی یہ رشتہ باقی رہتا اور امت پر رسول کی نظر کرم اور اس کا فیض جاری رہتا ہے۔ربِ محمد ﷺ ہی کا حکم ہے کہ جب غلام کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے یا کسی ظلم کا شکار ہو۔اپنے رحمت والے آقا کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ بوساطت رسول توبہ واستغفار کرے جونہی اس پر رسول کا فیض جاری ہو گا اس پر ان کی نظر کرم ہو گی۔اس مجرم پر اللہ کی رحمت برسنے لگے گی۔گناہ گار محبوب ومقرب ہو جائے گا۔مضطرب مطمئن ہو جائے گا۔رسول اپنے غلاموں کے اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ان کے درود وسلام کو مسموع فرماتا ہے،چاہے وہ دربار میں حاضر ہو کر پیش کئے جائیں یا دنیا کے کسی بھی گوشہ سے پیش ہو رہے ہوں۔رسول حاضرین دربار کے سلام کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں خوش نصیب اور مقربین بارگاہ اسے سنتے اور محسوس کرتے ہیں۔رسول کو اپنے غلاموں کے اعمالِ صالحہ سے خوشی ہوتی ہے جبکہ ان کی برائیوں سے تکلیف پہنچتی ہے۔۔

رسول ﷺ کا یہ فیض یہ تعلق اور یہ رشتہ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ ہمارے مر جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے کہ رسول و امتی کے درمیان حائل حجابات اٹھا دیئے جائیں گے۔آقا ﷺ کے نور سے غلام کی تاریک قبر روشن ومنور ہو جائے گی۔نکیرین کے سوالات کا جواب سہل وآسان ہو جائے گا۔اسی لئے تو سوال اشارہ قریب ھٰذَا الرَّجُل کہہ کر کیا جاتا ہے کہ اب آقا و غلام میں کوئی ظاہری بعد بھی باقی نہیں رہتا،صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰه۔

ے
یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو — شادیٔ دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات — ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

رسول و امتی کے درمیان مضبوط دھاگے کی ڈور میں بندھے غلام حشر کے دن بھی اپنے آقا کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔جب سورج اپنی پوری تمازت وحرارت کے ساتھ سوا نیزے پر ہو گا،پیاس سے زبانیں باہر لٹک رہی ہوں گی،اعزاء و اقرباء میں سے کوئی مدد نہ کر پائے گا تو رسول ہی ایک ایک غلام کو بلا بلا کر اپنے حوضِ کوثر سے ایسا سیراب کریں گے کہ" لَا یَظْمَاءُ بَعْدَهٗ اَبَدًا"اس کے بعد کبھی کوئی پیاسا نہ ہو گا اور جب میزان پر اعمال تولے جا رہے ہوں گے اور ہر ایک کا دل خوف سے کانپ رہا ہو گا تو رسول ہی نگرانی کرتے نظر آئیں گے جب انتظار شفاعت تڑپا رہا ہو گا اور کوئی شفاعت کرنے کو تیار نہ ہو گا تو رسول ہی کے لب ہائے شفاعت حرکت میں آئیں گے۔جب تلوار سے تیز تر اور باریک تر پلِ صراط کو دیکھ کر ہر ایک کانپ رہا ہو گا تو رسول ہی کی ڈھارس کام آئے گی:ے

یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر — امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے — صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو
یاالٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر — سیدِ بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی گرمیٔ محشر سے بھڑکیں بدن — دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یاالٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستار خطا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندہ بیجا رُلائے
چشم گریان شفیع مرتجٰی کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب میری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یاالٰہی جب چلوں تاریک راہ پل صراط
آفتاب ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پہ چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّمْ کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے رَبِّ سَلِّمْ صدائے محمد ﷺ

انبیاء سابقین اور حضور علیہ الصلوٰۃ السلام

جملہ انبیاء ورسل پر ہمارا ایمان ہے کہ ان کی عظمت کا اعتراف ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن یہ جاننا اور یقین کرنا ضروری ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین، حضرت محمد ﷺ ہیں وہی اول بھی ہیں اور آخر بھی، خلقت میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب سے آخر ہیں۔ ان کا خاتم النبیین، رحمۃ للعلمین ہونا قرآن کریم سے واضح ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کی نبوت مخصوص زمانہ اور صرف اپنی امت کے لئے تھی جبکہ ہمارے آقا ﷺ تمام انبیاء ورسل اور بنی نوع انسان کے لئے رسول ہیں۔ ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ'' صرف انہی کا منصب عالی ہے جس کو جو کچھ ملا ہے اور جو کچھ ملتا ہے انہی کے وسیلہ جلیلہ سے ملتا ہے۔ وجہ خلقت زمین وآسمان آپ ہی کی ذات ہے، اظہارِ ربوبیت آپ ہی کے لئے ہوا، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام انبیاء ورسل کے علم سرنگوں ہو گئے۔ اب متلاشیان نجات کے لئے ان ہی کا دامن رحمت پناہ گاہ ہے، اب کسی نبی ورسول سے وابستگی قابل قبول نہیں صرف انہی کی غلامی کا طوق جہنم سے آزادی کا ضامن ہے، اب سوائے ان کے دین کے تمام ادیان باطل ہیں، اب سوائے قرآن کے کوئی کتاب باقی نہیں، اب سوائے ان کی شریعت کے کوئی شریعت قابل عمل نہیں، اب سوائے ان کے چرچے کے کسی کا چرچا نہیں: ؎

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیاء میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

انہی کو بو مایہ سمن ہے انہی کا جلوہ چمن چمن ہے
انہی سے گلشن مہک رہے ہیں انہی کا رنگ گلاب میں ہے

اے ایمان والو! رسول معظم ﷺ پر'' ایمان لاؤ'' جیسے ایمان لانے کا حق ہے۔ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' تو سبھی کہہ لیتے ہیں لیکن محمد (ﷺ) کی حقیقت جانو۔ رسول کے اعلیٰ منصب ومقام کو پہچانو تب تمہارا ایمان کامل ہوگا پھر ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کہنے کا لطف آئے گا پھر اس کی برکتوں سے تم مالا مال کئے جاؤ گے۔ کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے لیکن

بے سمجھے پڑھتے تھے۔ پس ان کا مقام ان کا ٹھکانہ درک اسفل ہی رہا تم اپنے آقا ﷺ کی خوبیوں کو پہچانو ان کے اختیارات کو جانو، ان سے تعلق اور ان کی محبت کا حق ادا کرو پھر تمہارے لئے ''کِفْلَیْنِ'' دو حصے ہیں: ''نور'' ہے، ''مغفرت'' ہے۔

کِفْلَیْنِ

جو رسول پر ایمان لائے، ان کے صفات و کمالات کو بخوبی پہچان کر، وہ آقا ﷺ کے غلام بنا نہیں دیئے گئے بلکہ انہوں نے اپنی مرضی اور خوشی سے ان کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں لٹکایا اور اسے تاج شاہی جانا۔ اس پر انہوں نے فخر و ناز کیا، دنیا کی ہر دولت سے بیش قیمت اور دنیا کی ہر عزت سے بالاتر یقین کیا وہ اللہ کے محبوب ہو گئے اور محبوبین و مقربین کو ان کے کسی عمل پر ایک اجر ایک حصہ نہیں دیا جاتا۔ وہ تو مستحق ہوتے ہیں کِفْلَیْنِ کے، ڈبل حصے کے دوگنے اجر کے، یہ چاہیں اہل کتاب ہوں کہ کسی سابقہ نبی کی غلامی کے بعد انہوں نے سید الانبیاء ﷺ کی غلامی قبول کی ہو یا کفار و مشرکین ہوں کہ بت پرستی سے آزاد ہو کر یہ ہمارے محبوب ﷺ کے دامن رحمت سے وابستہ ہوئے ہوں۔ کِفْلَیْنِ ان سب کا حق ہے کیونکہ ''کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہوا ہے انہی کے لئے خوشخبری ہے کہ ''اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ'' یہی لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا اور یہ ہم سے اسی کے تو طلب گار ہیں کہ ہر وقت کہتے ہیں ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہتے ہیں ''رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی کیونکہ انہوں نے ہمارے رسول کے دامن سے وابستگی اختیار کی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے رسول ﷺ کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ'' تین خوش نصیب ہیں جنہیں اللہ دو مرتبہ ان کا اجر عطا فرمائے گا، ایک وہ جس کے پاس کوئی باندی ہو وہ اس کو بہترین تعلیم دے اور اس کی بہترین تربیت کرے پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کر لے، دوسرے وہ اہل کتاب جو ایمان لائے اپنے نبی پر پھر انہوں نے زمانہ پایا نبی آخر الزمان ﷺ کا تو ان پر بھی ایمان لائے۔ پس ان کے لئے دونبیوں پر ایمان لانے کا اجر ہے، تیسرے وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے (دین کا پابند ہے) اور اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ اسی لئے بعض غلاموں کو آزادی ملنے پر خوش ہونے کے بجائے روتے دیکھا گیا کہ اب ان کے لئے صرف شریعت کی پابندی ہی کا اجر رہ گیا۔ خدمت آقا کے ثواب سے محروم ہو گئے۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے بطفیل سید الانبیاء ﷺ ان کے غلاموں کو خیر امم قرار دیا اور ان کے اعمال پر انہیں گوناگوں اجر و ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے ثابت و واضح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مدت نماز عصر سے غروب آفتاب تک کی مدت جتنی ہے (یعنی تمہاری عمریں بہت کم ہیں لیکن) تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال

ایسی ہے جیسے کسی مزدور کو کام پر لگایا گیا۔ پس اس سے کہا گیا کہ کون ایک قیراط کے بدلے میرا کام دوپہر تک کرتا ہے۔ پس یہود نے ایک قیراط کے بدلے دوپہر سے نماز عصر تک کام کیا پھر کہا گیا کون میرا کام نماز عصر سے غروب آفتاب تک دو قیراط پر کرتا ہے۔ ''فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ'' پس نماز عصر سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے وہ تم ہو۔ ''اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ'' آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ پس یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے ہم نے کام زیادہ کیا اور مزدوری تھوڑی ملی۔ اللہ نے فرمایا کیا میں نے تمہارے حق سے کچھ کم کیا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاِنَّهٗ فَضْلِيْ اُعْطِيْهِ مَنْ شِئْتُ'' تو یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں عطا کردوں۔

نور

وہ نبی ﷺ جس کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ'' بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا اور واضح کتاب آ گئی۔ اس نبی ﷺ کی غلامی کرنے والوں سے بھی نور کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جس نبی ﷺ کے نورانی چہرے کی ضیاء آفتاب و مہتاب کی چمک کو ماند کر دیتی ہیں۔ اسی نبی ﷺ کے غلاموں کے چہرے بھی نورانی ہوتے ہیں۔

اگر آپ میرے آقا ﷺ کی نورانیت سے اپنے قلب کو منور کرنا چاہیں تو عاشق صادق امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نوراللہ مرقدہ کا قصیدۂ نور پڑھئے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آیۂ نور کا — غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنی نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا
قبر انور کہیے یا قصر معلّٰی نور کا — چرخ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا

اور اسی نور سے فیض یاب میرے آقا حضور غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانی اپنی نورانیت کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا — كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالٖ
میں اللہ کے تمام ملکوں کو دانۂ رائی کے برابر — اللہ کے حکم سے متواتر دیکھتا رہتا ہوں

غرضیکہ نورانی آقا ﷺ کی غلامی اہل ایمان کے چہروں کو روشن و منور کر دیتی ہے اور یہ جب حشر کے دن اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کی عجب شان ہوگی۔ سورۃ الحدید میں ہے: ''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی اور انہیں جنتی ہونے کا مژدہ سنایا جا رہا ہوگا۔ ''بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا'' تمہیں آج ان باغوں کا مژدہ ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اب) تم ہمیشہ ان میں رہو گے۔ ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'' یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے، جس کے لئے ''اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ'' کی خصوصی ہدایت

دی گئی کہ جب تک رسول کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ایمان ہونے کے باوجود نور ایمان کی ضوفشانی نہیں ہوتی۔چہرے پر وہ چمک نہیں آتی جو کمال ایمان کی علامت اور نشانی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بدعمل لوگوں اور فاسق و فاجر لوگوں میں علماء و مشائخ علیحدہ ہی چمکتے نظر آتے ہیں۔ان کے چہرے نورانی اور پرکشش ہوتے ہیں۔اہل محبت کے دل خود بخود ان کی طرف کھنچتے ہیں جبکہ کینہ و عناد رکھنے والوں پر ان کا ایسا رُعب طاری ہوتا ہے کہ زبانیں گونگ ہو جاتی ہیں۔اسی لئے ہمارا تجربہ ہے کہ علماء کی شان میں دن رات بدگوئی کرنے والے جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کی نظریں جھکی ہوتی ہیں۔وہ دل میں علماء سے نفرت کے باوجود ان کی دست بوسی کرتے ہیں۔ہاتھ باندھے بڑے ادب و احترام سے کھڑے ہوتے ہیں۔یہ آقا ﷺ کی اتباع و پیروی کا نور ہے جو غلاموں کے چہروں کو پرنور پرکشش اور بارعب بنا دیتا ہے اور یہی نور قیامت کے دن بھی غلامی کی پہچان ہوگا۔

حضرت ابودرداء اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدے سے سر اٹھانے کا اذن ہوگا۔میں آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔عرض کیا گیا اے اللہ کے نبی ﷺ امتوں کے اتنے بڑے ہجوم میں آپ اپنے غلاموں کو کس طرح پہچان لیں گے۔فرمایا: ''اَعْرِفُهُمْ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ وَلَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ لِغَيْرِهِمْ'' میں انہیں پہچانوں گا کیونکہ ان کے اعضاء وضو چمک رہے ہوں گے کہ یہ چمک کسی دوسری امت کو نصیب نہ ہوگی۔''وَاَعْرِفُهُمْ يُعْطَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ'' اور میں انہیں پہچانوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔''وَاَعْرِفُهُمْ بِنُوْرِهِمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ'' اور میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔

اے ایمان والو! اعضائے وضو چمکاؤ کہ پنجگانہ نمازوں کی پابندی کرو اور اپنے آقا ﷺ کی اداؤں، سنتوں کو اپناؤ تاکہ تم پرنور کی برکھا برسے کہ یہی ذریعہ ہے قیامت کے دن آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ حاصل کرنے کا۔جس دن ان کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔سب کی پکار نفسی، نفسی ہوگی۔جبکہ ہمارے آقا ﷺ کی صدا اُمتی، اُمتی ہوگی۔اے اللہ ہمیں دنیا و آخرت میں وہ نور نصیب فرما جو ہمارے کمال ایمان کی علامت بنے اور روز قیامت آقائے رحمت ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کا ذریعہ بنے۔

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور	اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا	کیسا لیتے ہو حساب اس پر تمہارا کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار	اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

مغفرت

مغفرت و بخشش اللہ کی وہ نعمت ہے جس کو طلب کرنے اور حاصل کرنے کی دعوت قرآن کریم میں متعدد بار طرح،

طرح کے انداز سے دی گئی اور جس کا وسیلہ صرف رسول کی اتباع و پیروی کو قرار دیا گیا۔ سورۂ آل عمران میں ہے۔ ارشاد ہوا: ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ'' اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی فرما دیجئے کہ اگر اللہ سے واقعی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو یعنی میری غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لو کہ اگر تم میرے سچے غلام بن جاؤ گے تو ''يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ گزین ہوا، ان کا غلام بنا، اللہ کا محبوب ہو گیا، مغفور ہو گیا۔ کسی کو ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کا مژدہ سنایا گیا تو کسی کو ''لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' کی پرطمانیت ضمانت دی گئی۔ گناہگاروں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو جانے والوں تک کو مغفرت و بخشش کی یقین دہانی کرائی گئی۔ ''قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ'' پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی اپنے غلاموں کو یہ مژدہ دیجئے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والو۔ ''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تم پر مغفرت و بخشش کا بادل منڈلا رہا ہے، ہاتھ اٹھاؤ گناہوں پر نادم ہو جاؤ، توبہ کرلو، آنکھوں سے آنسو بہاؤ پھر دیکھو یہ بادل تم پر کیسا برستا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا'' بیشک اللہ سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ ''اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے گناہگاروں مایوس نہ ہو بس تم صرف اتنا کرلو۔ ''وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ'' اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، بغاوت چھوڑ دو سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ کے لئے ''وَاَسْلِمُوْا لَهٗ'' اس کے احکام کی تعمیل کا مصمم عزم کرلو اور دیکھو دروازہ رحمت کھٹکھٹانے میں ٹال مٹول اور دیر نہ کرو، جلدی کرو۔ ''مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ'' اس سے پہلے کہ تمہاری بدعملیاں تم پر نزول عذاب کا ذریعہ بن جائیں اور پھر کوئی تمہارا مددگار نہ ہو۔

رب غفور و رحیم ہے: ''نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بیشک بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہوں۔ پس

اے ایمان والو! اسی رب سے ڈرتے رہو اور اسی کے محبوب کے دامن رحمت میں پناہ لئے رہو۔ مغفرت و رحمت کی برکھا تم پر برستی رہے گی اور جو میرے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ سے دور رہ کر نجات یافتہ ہونے کے زعم باطل میں مبتلا ہیں انہیں پتہ چل جائے گا کہ فضل و کرم کا مالک حقیقی صرف اللہ ہی ہے۔ ''يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ یہود و نصاریٰ بڑے ہی محروم و بدنصیب ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گن گاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے ہیں اور وہ بھی ان کی تعلیمات کے برعکس کہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور اس عقیدے کے باوجود بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھائے جانے کے قائل ہیں۔ گویا اللہ (العیاذ باللہ) اپنے بیٹے کو بھی دشمنوں سے نہ بچا سکا۔ کس قدر فضل و کرم ہے اللہ کا اہل ایمان پر کہ وہ خیر الانبیاء ﷺ کے غلام بن کر خیر امت قرار پائے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سورۃ المجادلہ“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
76	9تا10
77	11
78	12تا13

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا

مقالہ ۷۶

المجادلہ:۹،۱۰

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (المجادلہ:۹،۱۰)

اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی سے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں تمہیں جمع کیا جائے گا (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اہل ایمان کو۔

اسلام ایسے تمام امور کو ممنوع قرار دیتا ہے جو انسانوں کے درمیان باہمی انتشار و اختلاف اور منافرت کا باعث ہو سکتے ہیں مثلاً ظن و گمان پر کوئی رائے قائم کر لینا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کا مذاق اڑانا، کسی پر الزام تراشی کرنا حتیٰ کہ کسی کا کوئی ایسا نام رکھ دینا جو اسے ناگوار ہو۔ یہ اور ان جیسی تمام باتیں جن لوگوں میں عام ہو جائیں انہیں کبھی سکون و اطمینان کی زندگی میسر نہیں آ سکتی۔ اسی قسم کی ایک بری عادت نجویٰ ہے۔ جس سے متعلق آیت مذکورہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کے ساتھ حکم دیا جا رہا ہے۔ آیئے ان آیات پر غور کریں جن میں نجویٰ کا ذکر ہے۔

نجویٰ

نجویٰ کے لغوی معنی کسی چیز کو خالص کر لینا اور علیحدہ یا منفرد کر لینا ہے۔ کسی مجلس میں دو آدمیوں کا اس طرح گفتگو کرنا کہ دوسرے لوگ ان کی بات نہ سنیں نجویٰ کہلاتا ہے۔ جسے خفیہ مشورہ بھی کہا جا سکتا ہے یا سرگوشی کرنا کہتے ہیں۔ اگر چہ مطلقاً یہ جائز ہے لیکن بعض صورتوں میں ممنوع ہے۔

نجویٰ اگر دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے ہو تو اس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ سورۃ النساء میں ہے: ''لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ'' ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں (کیونکہ وہ نیکیوں کے لئے نہیں)۔ ''اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ'' ہاں جس خفیہ مشورے کا مقصد صدقہ و خیرات یا لوگوں کی بھلائی کے پروگرام بنانا ہو یا عوام میں موجود کسی اختلاف کو دور کرانے کی تدابیر تلاش کرنی ہوں۔ ایسا نجویٰ نہایت ہی بابرکت ہوتا ہے۔ شریعت نہ صرف اس کی اجازت دیتی ہے بلکہ قرآن کریم اس پر اجر عظیم کا مژدہ سناتا ہے۔ ''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔'' جو اللہ کی رضا کے لئے یہ کام کرے گا تو ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

کبھی نجویٰ کا مقصد محض لوگوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا انہیں ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا یا خوف و ہراس پھیلانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ منافقین و مشرکین یہود و نصاریٰ کیا کرتے تھے کہ جب بھی وہ کسی مسلمان کو آتا دیکھتے یا مسلمانوں کی محفلوں میں شریک ہوتے تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے تاکہ مسلمان ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں اور انہیں یہ وہم ہو کہ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلام یا مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کی اس حرکت سے بے حد رنج و الم ہوتا تھا اور ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے خیالات آتے رہتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منافقین و یہود کو ایسا کرنے سے منع بھی فرمایا لیکن وہ کہاں باز آنے والے تھے۔ سورۂ مجادلہ کی آیت نمبر ۷، ۸ میں اسی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا گیا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

(مجادلہ: ۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی کوئی سرگوشی

تین آدمیوں میں مگر وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ (اللہ) ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں پھر وہ انہیں بتائے گا جو وہ کرتے رہے قیامت کے دن بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

کیا سرگوشیاں کرنے والے اس حقیقت کو نہیں تسلیم کرتے کہ وہ اللہ سے کوئی چیز نہیں چھپا سکتے کہ وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ پس اگر کوئی تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو انہیں یقین رکھنا چاہئے کہ وہاں چوتھا اللہ ہے اور اگر پانچ آدمی سرگوشی کررہے ہیں تو چھٹا سننے والا اللہ ہے۔ اسی طرح خفیہ باتیں کرنے والے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں۔ اللہ موجود ہے ان کی باتوں اور سازشوں کو جانتا ہے اور ایک دن انہیں اپنے خفیہ ارادوں کا پتہ بھی چلے گا اور انجام بھی معلوم ہوگا۔ یہ دن قیامت کا دن ہوگا۔ اس حقیقت کے باوجود بھی یہود و منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی'' ان لوگوں کو دیکھو جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا۔ ''ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُھُوْا عَنْہُ'' پھر بھی وہ باز نہیں آتے۔ ''وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ'' اور وہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔ گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں اور یہ اس قدر گستاخ ہیں۔ ''وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ'' کہ جب (اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) یہ آپ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ کے مقررہ کردہ طریقہ کے مطابق آپ کو سلام تک عرض نہیں کرتے۔

یہودیوں کی گستاخی کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عالی میں حاضر ہوتے تھے تو معروف اور شرعی طریقہ کے مطابق سلام تک نہ کرتے تھے بلکہ ''اَلسَّامُ عَلَیْکَ'' کہتے تھے، ''اَلسَّامُ'' کے معنی ہیں موت جبکہ السلام کے معنی ہیں سلامتی و عافیت اور وہ یہ لفظ اس طرح بولا کرتے تھے کہ عام طور پر سننے والوں کو اس کا اندازہ بھی نہ ہو پاتا تھا۔ ایک مرتبہ چند یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ''اَلسَّامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا الْقَاسِمُ'' کہا آپ ﷺ نے حسب معمول فرمایا ''وَعَلَیْکُمْ'' یعنی جو تم میرے لئے کہتے ہو وہی تمہارے لئے ہے۔ یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ آپ سے نہ رہا گیا اور فرمایا: ''اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰہُ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ'' موت تمہیں آئے تم پر اللہ کی لعنت اور اللہ کا غضب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَھْلاً یَا عَائِشَۃَ، عَلَیْکِ بِالرِّفْقِ، وَاِیَّاکِ وَالْعَنَفِ وَالْفُحْشِ'' اے عائشہ چھوڑو، نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ نے غور نہیں فرمایا کہ ان لوگوں نے کیا کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے سنا اور جواب میں کہا ''وعلیکم'' جب ایک لفظ سے ہی مقصد پورا ہوگیا تو بدکلامی کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال یہودی گستاخ ہی نہ تھے بلکہ اپنی گستاخیوں پر اتنے جری تھے ''وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ'' کہ آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے رسول ہیں۔ ''لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ'' تو ہماری اتنی گستاخیوں کے باوجود اللہ ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں فرماتا۔ اللہ فرماتا ہے: ''حَسْبُھُمْ جَھَنَّمُ ج یَصْلَوْنَھَا ج فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ'' انہیں جہنم کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے (اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوسکتا ہے۔)

رسول کی گستاخی ایسا بدترین جرم ہے جس کے لئے اس دنیا میں کوئی سزا کافی نہیں ہوسکتی۔ ان مجرموں کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوسکتا ہے۔ جو بدترین ٹھکانہ ہے اللہ ہر مؤمن کو اس جرم سے محفوظ رکھے۔

نجویٰ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''اِذَا کُنْتُمْ ثَلٰثَةً'' جب کسی جگہ تین آدمی جمع ہوں۔ ''فَلَایَتَنَا جَا رَجُلَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ'' تو دو آدمی تیسرے سے علیحدہ ہوکر سرگوشی نہ کریں۔ ''حَتّٰی یَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ'' جب تک کچھ اور لوگ جمع نہ ہو جائیں۔ ''فَاِنَّ ذٰلِکَ یُحْزِنُهٗ'' کیونکہ اس سے اس (تیسرے) کی دل شکنی ہوگی۔

آقائے رحمت ﷺ کے اس ارشاد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو مسلمانوں کا باہمی میل ومحبت کس قدر مطلوب ہے کہ آپ کوئی ایسا معمولی سا بھی عمل پسند نہیں فرماتے جس سے مسلمان بھائی کی دل شکنی یا دل آزاری کا امکان ہو۔ سرگوشی کی یہ صورت کہ تین افراد ایک ساتھ ہوں اور ایک کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی کرنے لگیں، ممنوع قرار دی گئی۔ صرف اس لئے کہ اس سے تیسرے بھائی کی دل آزاری کا امکان ہے۔ بایں صورت کہ وہ خیال کرسکتا ہے کہ ان دونوں نے مجھے اپنا نہ سمجھا یا اسے بدگمانی ہوسکتی ہے کہ یہ دونوں میرے خلاف کوئی سازش کررہے ہیں۔ گویا ایک معمولی سی سرگوشی اس مسلمان بھائی کو دو ساتھیوں سے، دو دوستوں سے، یا دو عزیزوں سے بہت دور کرسکتی ہیں۔ پس اس نجویٰ یا اس جیسے نجویٰ کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی قسم کے نجویٰ کو قرآن کریم، اثم، عدوان اور معصیت الرسول قرار دیتا ہے اور اہل ایمان کو خصوصی طور پر خطاب کرتے ہوئے اس سے منع فرماتا ہے۔ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ'' اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو خیال رکھنا کہ ''فَلَا تَتَنَا جَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ'' اثم، عدوان اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی نہ کرو۔

نجویٰ بالاثم، یعنی وہ تمام خفیہ مشورے اور سرگوشیاں جو ذاتی طور پر خود گناہ کرنے کے لئے کئے جائیں یا معاشرے میں گناہوں اور برائیوں کو پھیلانے اور عام کرنے کے لئے کئے جائیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ خود گناہ کرنے سے بدتر گناہ، معاشرے میں گناہ اور برائیوں کا پھیلانا ہے مثلاً اپنی محفل میں مسلم یا غیر مسلم مہمانوں کے لئے شراب کا انتظام کرنا یا شراب کا کاروبار کرنا یہی حال تمام ممنوعات اور برائیوں کا ہے۔

نجویٰ بالعدوان یعنی کسی پر ظلم کرنے کی تدابیر کے لئے خفیہ مشورہ اور سرگوشی کرنا اس میں چوری، ڈاکہ، کسی کا مال غصب کرنا، کسی کو دھوکا دینا وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔

معصیتِ رسول کے لئے خفیہ مشورے کرنا یا سرگوشی کرنا یعنی حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام سے بغاوت کرنے کے لئے یا ایسے قوانین مرتب کرنے کے لئے جو آپ کے احکام کے خلاف ہوں مشورے کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس کو خصوصیت سے بیان کیا گیا کیونکہ دین اطاعت رسول ہی کا نام ہے اور اگر مؤمن زندگی کے کسی شعبہ میں بھی رسول سے بغاوت کا مرتکب ہو جائے تو اس کی دینداری کا دعویٰ محض دعویٰ ہی ہوکر رہ جاتا ہے۔

اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ، منافقین اور فساق وفجار کی طرح گناہ، ظلم اور اپنے آقا ﷺ کی نافرمانی کے

لئے کبھی مشورے نہ کرنا تمہارے لئے تو ایسی محافل میں بھی شریک ہونا جائز نہیں جہاں بدکاریوں اور برائیوں کے منصوبے بنائے جارہے ہوں۔ بحیثیت مؤمن تمہاری ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ لہٰذا ایسی ذمہ داری کو پورا کرنے پر غور کرتے رہا کرو۔ "وَتَنَا جَوا بِالۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی" نیکی اور تقویٰ کے متعلق مشورے کیا کرو آپس میں جب مل کر بیٹھو اپنے گھریلو حالات کی اصلاح پر غور کرو۔ اپنے پڑوس، اپنے شہر اور اپنے ملک میں نیکیاں پھیلانے اور لوگوں کو نیک بنانے کی تدابیر پر غور کرو۔ اپنے معاشرے سے برائیوں کو مٹانے اور اسے پرسکون بنانے کے منصوبے بنایا کرو۔ تمہیں اس اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہر لحہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ جس کے دربار میں ایک دن ضرور حاضر ہونا ہے۔ پس اس چندروزہ زندگی میں کوشش کرو کہ تم رب ذوالجلال والاکرام کے دربار میں مجرموں کی طرح نہیں بلکہ محبوبین، مقربین اور صالحین کی طرح حاضر ہو۔

اے ایمان والو! جو لوگ تمہارے خلاف سازشیں کرتے ہیں تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں تم ان کی پرواہ ہرگز نہ کرو۔ ان سے ہرگز خوفزدہ نہ ہو ان کا نجویٰ تو شیطانی نجویٰ ہے۔ محض اس لئے کہ وہ تمہیں رنج والم میں مبتلا رکھیں اس کے علاوہ کوئی مقصد نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ "لَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡئًا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ" کہ اذن الٰہی کے بغیر اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ "وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ" تو اہل ایمان کو صرف اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہئے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق اگر ہم اپنے ماحول پر غور کریں تو ہم اس حقیقت کو موجود پائیں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور منصوبہ بندیوں کے لئے دشمنوں نے کتنے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں اور کیسی کیسی نت نئی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ "لِيَحۡزُنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا" کہ وہ صرف اہل ایمان کو حزن و ملال میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں تا کہ وہ خوفزدہ رہیں اور اپنے دینی و مذہبی وقار کو داؤ پر لگا کر مکار دشمن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں اور ایسا ہی ہو رہا ہے کیونکہ ہم مؤمن ہونے کے باوجود اس حقیقت کو بھول گئے کہ "لَيۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَيۡئًا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ" کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اور اگر ہم اللہ کے حکم کے مطابق اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں تو اللہ کسی کو ہم پر غالب آنے، ہمارا نقصان کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا وعدہ ہے۔ "وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ" جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

"تَوَكُّلۡ عَلَى اللّٰهِ" کے فوائد، اہل ایمان کے لئے نصرتِ الٰہی، اہل ایمان کے لئے فتح و کامرانی وغیرہ پر تفصیلی گفتگو گزشتہ اوراق پر ہو چکی ہے جس کا اعادہ کئے بغیر بس اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم کے احکام حالات کے ساتھ بدلتے نہیں بلکہ ان کی تعمیل حالات کو بدل دیتی ہے۔ پس آج ہم جن حالات میں مبتلا ہیں وہ احکام الٰہی سے روگردانی اور اغراض کے سبب پیدا ہوئے ہیں اور ان سے نجات کا واحد ذریعہ حقائق کو تسلیم کر لینا ہے اللہ و رسول کے عطا کردہ نظام کو اختیار کر لینا ہے۔ اللہ ہمیں کمال ایمان عطا فرمائے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۷

المجادلہ:۱۱

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝ (المجادلہ:۱۱)

اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کردو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہاری لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم دیا گیا ہے درجات بلند فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔

ہر مجلس و محفل کے کچھ آداب، قواعد و ضوابط ہوا کرتے ہیں جن کا ملحوظ رکھنا اور ان کی پابندی کرنا اہل مجلس اور شرکاء محفل کے مہذب ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اسلام وہ دین متین ہے جو ضابطہ اخلاق و آداب کو نہایت اہمیت دیا ہے اور

اپنے ماننے والوں کو ایسی مہذب ترین قوم بنانا چاہتا ہے کہ وہ انسانیت کے لئے تہذیب وتمدن کا نمونہ بن سکیں۔لوگ انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو سدھاریں۔ان کے عمل سے ان کے مذہب کی عظمت وحقانیت کو تسلیم کیا جا سکے کہ مسلمان کی تو شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے قول وعمل سے ممتاز نظر آئے اور دیکھنے والے اس کے سامنے اپنی نظریں جھکالیں۔اس کے ایسے گرویدہ ہو جائیں کہ اس جیسا بننا اپنے لئے ایک اعزاز سمجھنے لگیں۔

آدابِ مجلس

مجلس کے آداب کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نواز کر ادبِ مجلس کا حکم دیا۔آیت زیر گفتگو میں اس عنوان سے متعلق دو حکم دیئے گئے ہیں: تفسُّح یعنی جگہ کشادہ کرو اور نُشوز یعنی اٹھ کھڑا ہونا۔

اے ایمان والو! ''اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا'' جب تم سے مجلس میں جگہ کشادہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کہنے والے کی بات مانو اور جگہ کشادہ کردو۔اللہ اپنے فضل وکرم سے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو ضرور اجر عطا فرماتا ہے۔لہٰذا تم اس حکم کی تعمیل پر بھی مستحق اجر ہوگے اور اجر یہ ملے گا کہ ''يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ'' کہ اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمادے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی محفل یا مجلس میں شرکاء کی کثرت ہو اور منتظمین، حاضرین سے دوسروں کو جگہ دینے کی اپیل کریں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنی جگہ سے ہلیں ایک دوسرے سے قریب ہوں اور اپنے بھائیوں کے لئے جگہ کریں کیونکہ یہ اسلامی اخوت، بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ جو لوگ آرام سے بیٹھے ہیں وہ تکلیف میں کھڑے ہونے والوں کو بھی اپنے آرام میں شریک کریں چاہے انہیں اس ایثار کے لئے خود قدرے تکلیف اٹھانا پڑے۔

یہ حکم ان لوگوں کے لئے نہایت ہی قابل غور ہے جو مجلسوں میں یا مسجدوں میں نہایت آرام سے پھیل کر یا دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ اپنے بھائیوں کو کھڑا دیکھتے ہیں یا جگہ تلاش کرتا دیکھتے ہیں۔منتظمین کی بار، بار اپیل بھی سنتے ہیں لیکن اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔منتظمین کتنا ہی چیختے رہیں لوگ ان کو پھلانگ، پھلانگ کر جگہ تلاش کرتے رہیں انہیں قطعاً احساس نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ اگر کسی جلسہ میں یا مسجد میں اللہ ورسول کے نام پر حاضر ہوئے ہیں تو آداب مجلس کی تعلیم بھی اللہ ورسول نے ہی دی ہے۔اس پر عمل کرنا تمام حاضرین مجلس کی ذمہ داری ہے۔

تَفَسُّح، مجلس میں دوسروں کے لئے جگہ کرنا بظاہر ایک معمولی عمل معلوم ہوتا ہے لیکن اس حکم کی تعمیل کرنے والوں کے لئے قرآن کریم جس اجر کا اعلان فرمارہا ہے۔اس سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں۔''يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ'' کہ تم اللہ کے بندوں کے لئے کشادگی کروگے تو اللہ تمہارے لئے کشادگی کرے گا۔

اللہ اکبر، ہمارے پاس کشادگی کرنے کے لئے ہے ہی کیا جو ہم کشادگی کریں گے۔تھوڑی سی جگہ تھی جو ہم نے اللہ کے کسی بندے کو یا اپنے کسی بھائی کو دے دی۔کریم کو ہمارا یہ معمولی سا عمل ایسا بھایا کہ اس نے ہم سے کشادگی کا وعدہ فرمالیا۔

یہ کشادگی کیا ہوگی، کیسے ہوگی، اس کا اندازہ تو جب لگایا جا سکتا ہے جب وعدہ فرمانے والے کے خزانوں کا اندازہ ہو۔ جو ہمارے بس میں نہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ہم رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کے لئے کشادگی کریں اور اس سے ہر قسم کی کشادگی کی بھیک مانگیں۔ وہ دنیا میں بھی ہم پر کشادگی فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔ ''یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ'' کا وعدہ عام ہے تو اس کو عام ہی جانئے جان، مال، اولاد، علم، عمل، عزت، شہرت غرضیکہ ہر چیز میں کشادگی کی امید رکھئے کہ جیسی امید ہو گی ویسا ہی کرم ہوگا۔ بس اتنا یاد رکھئے کہ یہ وعدہ وہ کر رہا ہے جس کی شان ہے ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔''

اے ایمان والو! ''وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا'' اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو یعنی جب منتظمین کی طرف سے حاضرین کو کھڑے ہونے کو کہا جائے تو انہیں ان کی بات ماننا چاہئے اور کھڑا ہو جانا چاہئے۔ بایں صورت کہ منتظمین کچھ خاص لوگوں کو آگے بلانا ضروری سمجھیں اور آگے بیٹھے لوگوں کو پیچھے جانے کے لئے کہیں یا کسی معزز شخصیت کی آمد پر لوگوں سے احترام و استقبال کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا محفل کے اختتام پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے لئے کھڑے ہونے کو کہا جائے یا کوئی بھی صورت ہو۔ بہر حال شرکاء محفل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آداب محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے نُشُوز یعنی کھڑے ہونے کی ہدایت پر عمل کریں۔ اس صورت میں کسی کو اپنی مرضی پر عمل کی اجازت نہیں کیونکہ نظم و نسق کا تقاضا یہی ہے کہ ایک محفل کے شرکاء جو کام کر رہے ہیں سب اس میں شریک ہوں۔ اللہ و رسول کی نظر میں وہ شخص مجرم قرار پائے گا اور عام لوگ ایسے شخص کو غیر مہذب اور بدتمیز کہیں گے جو محفل میں شریک بھی ہو اور سب سے علیحدہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے کہ سب بیٹھے ہوں اور اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دیں اور وہ کھڑا ہی رہے یا سب کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا رہے جسے من مانی کرنی ہو اس کا کسی محفل میں شریک نہ ہونا ہی بہتر ہے تاکہ وہ لوگوں میں افتراق کا باعث نہ بنے۔

بعض لوگ یہ حرکت خصوصیت کے ساتھ اس وقت کرتے ہیں جب کسی عالم یا بزرگ کی آمد پر یا صلوٰۃ و سلام کے وقت شرکاء مجلس کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بیٹھے ہی رہتے ہیں اور جب ان سے کہا جائے کہ آپ بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوں تو وہ نہایت ڈھٹائی سے مسلمانوں کے اس مستحب و جائز عمل کو بدعت اور شرکت قرار دینے لگتے ہیں اور ذرا سی دیر میں محفل کا سارا مزہ لڑائی جھگڑے کی نظر ہو جاتا ہے۔ اللہ ہدایت دے ایسے لوگوں کو کاش وہ سمجھ لیں کہ شرک و بدعت کسے کہتے ہیں یا کم از کم ان کو اتنی ہی عقل آ جائے کہ وہ ایسی محفلوں میں شریک ہی نہ ہوں جہاں ان کے بقول شرک و بدعت کا عمل ہو رہا ہوتا کہ وہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے اور ان کے درمیان لڑائی جھگڑے کا سبب تو نہ بنیں۔

اطاعتِ امیر

اگر ہم آیت مبارکہ پر مزید غور کریں تو اس سے ہمیں یہ ہدایت بھی مل رہی ہے کہ مجلس کے نظم و نسق کے لئے ضروری ہے کہ داعی مجلس کو امیر یا قائد تسلیم کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے کہ وہ جب تَفَسُّحْ یا نُشُوْز کا حکم دے تو اس کی تعمیل کی جائے۔ علاوہ ازیں محفل کی ضرورت کے مطابق منتظم محفل کے ہر حکم کی تعمیل آداب محفل ہی میں شامل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے علاوہ اطاعت امیر کا حکم اسی لئے دیتا ہے

تا کہ امت مسلمہ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم ونسق کی پابند رہے۔ ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'' اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔

یہ اُولی الامر صرف وہ حکام نہیں جو انسان کے گڑھے ہوئے قوانین کے مطابق عوام پر مسلط ہوتے ہیں ان کی بھی اطاعت کی جائے لیکن صرف اس صورت میں جب یہ خود اللہ ورسول کے احکام کے پابند ہوں اور ان کا کوئی حکم قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ بصورت دیگر یہ اس لائق نہیں کہ عوام ان کو اپنا حاکم بھی تسلیم کریں کہ مسلمانوں کو اطاعت کا عادی تو بنایا جاتا ہے لیکن اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ'' جو احکام اللہ کے حکم کے خلاف ہوں وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

اُولی الامر ہر وہ شخص ہے جس پر کسی دوسرے کی کوئی ذمہ داری عائد ہو وہ پابند ہے کہ شریعت کے مطابق حکم دے اور ہر شخص پابند ہے کہ اس کے احکام کو تسلیم کرے۔ اس میں علماء، مشائخ، آئمہ، اساتذہ، والدین، شوہر سب ہی شامل ہیں۔ سب اُولی الامر ہیں اور ان کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے جس قوم کے افراد، مذہبی، سیاسی، معاشی ومعاشرتی امور میں انفرادی واجتماعی طور پر اطاعت کے پابند ہوں گے وہ نظم ونسق کے اتنے عادی ہو جائیں گے کہ ان کی زندگی کے کسی شعبہ میں بدنظمی کا تصور تک نہیں کیا جا سکے گا اور اہل ایمان کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور اسی سے مسلمانوں کا معاشرہ پرسکون اور پرلطف ہوتا ہے۔

بہر حال مجلس کے منتظم کے احکام کی تعمیل، آداب مجلس کا ایک حصہ ہے۔ جس کے بغیر مجلس کا نظم ونسق باقی نہیں رہ سکتا۔ پس جب امیر مجلس حاضرین کو تَفَسُّح کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جب نُشوز کا حکم دے تو اس پر عمل کیا جائے اور جن لوگوں کو امیر مجلس کے احکام سے اختلاف ہو یا امیر مجلس پر اعتماد ہی نہ ہو۔ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس مجلس سے دور ہی رہیں تا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔

اے ایمان والو! احکام شرع کی پابندی کر کے کمال ایمان حاصل کرو کہ جن لوگوں کا ایمان کامل ہوتا ہے اللہ ان کو رفعت وبلندی عطا فرماتا ہے۔ ''يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ'' اس طرح کہ اللہ ورسول کی نظروں میں انہیں خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ ان کے چہرے ایسے نورانی اور پرکشش ہو جاتے ہیں کہ ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے۔ ان کو مجلسوں میں خصوصی مقام دیا جاتا ہے۔ لوگ ان کے ہاتھ پیر چومنے لگتے ہیں۔ ان کے مطیع وفرمانبردار ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کو کمال ایمان کے ساتھ علم دین کی نعمت میسر ہوتی ہے۔ ان کا تو کہنا ہی کیا۔ ''وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ'' ان کے لئے درجے ہی درجے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کا حق ہے کہ انہیں مجالس میں نمایاں مقام دیا جائے اور ان کے احترام کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ جیسا کہ بحمد اللہ ہمارے معاشرے میں ہوتا بھی ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق ہی ہمارے اسلاف کو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہوئیں۔ جس پر تاریخ گواہ ہے ان کے نورانی چہروں سے متاثر ہو کر بے شمار فساق وفجار نے توبہ کی۔ ان کی درد بھری آواز میں اللہ ورسول کے احکام سن کر

بے شمار کفار مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے دربار میں امراء و حکام، شہنشاہ و سلاطین سرِ تسلیم خم کئے نظر آتے ہیں۔ ظالم و جابران کے سامنے کانپتے نظر آتے ہیں اور آج بھی جو ان کے دامن سے وابستہ ہیں، جو ان کے غلام ہیں انہیں جو رفعتیں اور بلندیاں نصیب ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بے دینی و بدعملی کے اس اندوہناک دور میں بھی علماء و مشائخ اور صالحین کی عزت وعظمت، وعدۂ الٰہی کی حقانیت کا ثبوت ہے وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو اللہ کے اس ارشاد کے مطابق صالحین کا احترام کرتے اور ان کے بلند درجات کو تسلیم کرتے ہیں۔

اے ایمان والو! نیک لوگوں کے دامن سے وابستہ ہوتا کہ تم بھی نیک بن جاؤ۔ بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ رہو تا کہ تم بھی بلند مرتبہ ہو جاؤ۔ اہل علم کی صحبت اختیار کرو تا کہ تمہارے دل بھی نورِ علم سے روشن ہو جائیں۔ اہل عمل کے ساتھ رہا کرو تا کہ تمہیں بھی صالحیت نصیب ہو جائے۔ اُولی الامر کی اطاعت کرو گے تو اُولی الامر بن جاؤ گے۔ دوسروں کا احترام کرو گے تو محترم ہو جاؤ گے، اللہ توفیق عمل دے۔

دیگر آدابِ مجلس

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ'' تم میں سے کوئی کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ ''وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا'' ہاں جگہ نکال دو اور جگہ دے دو (تا کہ تمہارا کوئی بھائی کھڑا نہ رہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ'' جب کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ کر کسی ضرورت کے لئے چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔

آج کل لوگ اپنی جگہ کی حفاظت کے لئے اپنا رومال وغیرہ رکھ کر جاتے ہیں پھر بھی واپسی پر ان کی جگہ پر کوئی دوسرا قبضہ کر لیتا ہے اور قبضہ کرنے والا اپنی اس حرکت کو اپنا حق قرار دیتا ہے اور نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی ہے۔ کاش ہم اپنے آقا معلمِ کامل ﷺ کے ارشادات کو جانیں اور ان پر عمل کریں تو ایسے بیشمار اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں جو صرف ہماری جہالت کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوتے تھے تو ''جَلَسَ اَحَدُنَا حَیْثُ یَنْتَهِیْ'' تو ہم میں سے ہر ایک جہاں جگہ پاتا بیٹھ جاتا تھا یعنی نہ تو ہٹو اور بچو کا شور ہوتا تھا نہ کوئی اپنے مرتبہ و منصب کے مظاہرے کے لئے گردنیں پھلانگتا آگے پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہاں اگر کسی کو کوئی خاص اہمیت یا ضرورت ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی اسے اپنے قریب پہنچنے کا شرف بخشتے تھے۔ جیسا کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو اور بعض دیگر صحابہ کرام کو اکثر یہ اعزاز حاصل ہوا کرتا تھا۔ جس کا مقصد دیگر صحابہ کرام پر ان کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا نیز اس طرح ان حضرات سے بوقت ضرورت آپ کو مشورہ کرنے میں بھی سہولت ہوتی تھی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اُتُّخِذَ جِسْرًا اِلٰی جَهَنَّمَ'' جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا وہ جہنمیوں کے لئے پل بنا دیا گیا۔ محدثین کرام نے صراحت کی ہے کہ جمعہ کے دن گردنیں پھلانگنے والے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ وعید صرف اس خصوصیت کی بناء پر ہے کہ کثرت اژدہام کے باعث اکثر لوگ جمعہ ہی کی نماز کے لئے گردنیں پھلانگ کر اگلی صفوں میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل ہر نماز اور ہر مجلس کے لئے مذموم اور برا ہے۔ بعد میں آنے والوں کو گردنیں پھلانگنے سے بچنے کے لئے انتظار کرنا چاہئے کہ لوگ خود ہی آگے بڑھ جائیں اور ان کے لئے جگہ ہو جائے اور مسجد میں یا کسی بھی مجلس میں پہلے پہنچ جانے والوں کو بیٹھتے وقت ہی یہ خیال کرنا چاہئے کہ ان کے بعد آنے والوں کو پریشانی نہ ہو۔ مسجدوں میں تو اگلی صفوں کو پہلے پر کرنا چاہئے ویسے بھی اگلی صف میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کا ثواب زیادہ ہے اور عام محفلوں میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ یا تو آگے بیٹھا جائے اور یا بعد میں آنے والوں کے لئے راستہ چھوڑا جائے تا کہ انہیں تکلیف بھی نہ ہو اور وہ گردنیں پھلانگنے کے گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوں۔ قابل غور ہے کہ معلم کامل ﷺ کو ہم غلاموں کی بہترین تربیت کا کس قدر احساس ہے، ﷺ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: ''لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ بِاَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ اثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا'' کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس کر بیٹھ جائے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ صفوں میں یا دیگر مجالس میں دو بھائی، دو عزیز یا دو دوست مل کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اللہ کو اپنے بندوں کی یہ محبت پسند ہے۔ اسی لئے معلم کامل ﷺ نے ان دونوں کے درمیان عارضی اور وقتی تفریق کی ممانعت فرمائی۔ بایں صورت کہ کوئی ان کے درمیان گھس کر بیٹھ جائے۔ ہاں اگر درمیان میں جگہ خالی ہو تو ان دونوں سے اجازت لے لی جائے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ''وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ'' اور صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ ''فَقَالَ مَا لِیْ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ'' کیا بات ہے۔ میں تمہیں علیحدہ علیحدہ بیٹھا دیکھ رہا ہوں یعنی یہ بھی مجلس کے آداب میں سے ہے کہ حاضرین قریب قریب بیٹھیں۔ ایک تو اس لئے کہ دوسرے لوگوں کو جگہ مل سکے۔ دوسرے اس لئے کہ مجلس میں سب ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ایک دوسرے کے شناسا نظر آئیں کہ ایسی ہی محبت کرنے والی جماعت پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا'' بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ و فراخ جگہ میں منعقد کی جائے یعنی مجلس منعقد کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حتی الوسع اپنے مہمانوں کے آرام کا خیال رکھیں اور جتنے لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے جگہ کا بھی انتظام کریں یا جگہ کی وسعت کے مطابق لوگوں کو مدعو کریں تا کہ بدنظمی اور بدانتظامی کا مظاہرہ نہ ہو اور منتظمین کو بھی پریشانی نہ ہو۔

مجلس سے متعلق معلم کامل ﷺ کی اس تعلیم سے ہم ایک طرف تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم وتربیت کے کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم ناز کر سکتے ہیں اس حقیقت پر کہ بحمد اللہ ہم ایک ایسے دین کامل کے ماننے والے ہیں جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ ونظام ہے جسے اپنا کر ہم یقیناً دیگر اقوام کے لئے انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور خود باعزت و پر سکون زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق دے، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۸

المجادلہ: ۱۲، ۱۳

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(المجادلہ: ۱۲، ۱۳)

اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول سے تو صدقہ پیش کیا کرو سرگوشی سے پہلے۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والا ہے اور اگر تم (استطاعت) نہ پاؤ تو بیشک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ جب تم ایسا نہ کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس تم نماز ادا کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور [illegible]

کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ جاننے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ اپنی خفیہ باتیں آپ سے علیحدگی میں عرض کرنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے وہ آپ ﷺ سے اجازت چاہتے اور آپ ازراہ کرم ان کو اجازت مرحمت فرماتے تو لوگ آپ ﷺ سے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے لیکن یہ صورت حاضرین محفل پر بار گزرتی تھی۔ اس صورت حال کو مزید منافقین کی حرکت نے بگاڑ دیا تھا کہ وہ جان بوجھ کر صرف لوگوں کو تنگ کرنے کی غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرگوشی کی اجازت لیتے اور کافی، کافی دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔ حاضرین محفل، سرکار ﷺ کی گفتگو سننے کے لئے بے چین ہوتے رہتے تھے۔ مجلس کا دورانیہ طویل ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی لوگوں کو اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبع مبارک پر یہ کیفیت بار ہوتی تھی لیکن آپ اپنے اخلاقِ کریمانہ کے باعث کسی کسی بات سننے سے انکار نہ فرماتے تھے۔

یہ صورتِ حال بآسانی یوں بھی ختم ہو سکتی تھی کہ وحی الٰہی کے ذریعہ اسے ممنوع قرار دے دیا جاتا یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ممانعت کا اعلان فرما دیتے لیکن اس طرح منافقین اور اسلام کے دشمنوں کو اعتراض کا موقع فراہم ہوتا اور پیکر اخلاق ﷺ کے خلق حسن کو داغدار کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ رب العزت جل مجدہ نے حکیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے اہل ایمان کو خصوصی طور پر حکم دیا: ''اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً'' کہ اگر تم (ہمارے) رسول سے (خصوصی وقت لو اور) سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ پیش کر دو۔ ''ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ'' یہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ اس طرح تمہیں خصوصی گفتگو کا موقع بھی مل جائے گا اور صدقہ کا ثواب بھی ہوگا اور یہ طریقہ دلوں کو پاک کرنے والا بھی ہے کہ اس سے پتہ چل جائے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق ہے۔ ''فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا'' اگر کوئی صدقہ پیش کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ حکم نازل ہوتے ہی منافقین نے تو طے کر لیا کہ وہ صدقہ دینے کی بجائے سرگوشی کا سلسلہ ہی ختم کر دیں گے اور اہل ایمان میں سے ابھی کسی کو ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔ ہاں کچھ غریب صحابہ کو یہ خیال ضرور ہوا کہ اس حکم کی وجہ سے ہمیں تو کبھی اپنے آقا ﷺ سے تنہائی میں گفتگو کا موقع ہی میسر نہ آ سکے گا۔ اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ'' کیا تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے سے تم گھبرا گئے اور اس ارشاد کے فوراً بعد ہی اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی گھبراہٹ کو دور فرماتے ہوئے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔ فرمایا گیا: ''فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا'' پس جب تم ایسا نہ کر سکے۔ ''وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ'' تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی یعنی سرگوشی سے قبل صدقہ پیش کرنے کا حکم منسوخ فرما دیا۔ اب تم حسب معمول ''فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' نماز ادا کرو۔ ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' اور زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ ''وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'' اور (ہر معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور یقین رکھو کہ ''وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ

نجویٰ سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم نازل ہوا اور منسوخ ہو گیا کسی صحابی کو اس حکم پر عمل کا موقع نہ مل سکا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہ یہ حکم نازل ہوتے ہی آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک دینار پیش کیا اور آپ ﷺ سے سرگوشی کا شرف حاصل کیا لیکن یہ خفیہ گفتگو کسی ذاتی عنوان پر نہ تھی بلکہ آپ نے نہایت اہم دس سوالات کئے اور ان کے جوابات حاصل کئے۔ حضرت صدر الا فاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ تفسیر مدارک اور خازن ان سوالات و جوابات کو بیان فرمایا ہے۔ آپ بھی استفادہ کیجئے۔

عرض کیا:	فرمایا:
وفا کیا ہے؟	توحید اور توحید کی شہادت دینا
فساد کیا ہے؟	کفر و شرک
حق کیا ہے؟	اسلام، قرآن اور ولایت، جب تجھے ملے
حیلہ (تدبیر) کیا ہے؟	ترک حیلہ (تدبیر چھوڑ دینا)
مجھ پر کیا لازم ہے؟	اللہ اور رسول کی اطاعت
اللہ سے کیسے دعا مانگوں؟	صدق و یقین کے ساتھ
کیا مانگوں؟	عافیت، ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے
اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟	حلال کھا اور سچ بول
سرور کیا ہے؟	جنت
راحت کیا ہے؟	اللہ کا دیدار۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اس انفرادیت وخصوصیت پر ناز تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی عمل کرے گا (کیونکہ اس کا حکم منسوخ ہو گیا)

بہر حال تقدیم صدقہ کے حکم میں جو مصلحت تھی وہ پوری ہو گئی کہ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلاضرورت سرگوشی کا سلسلہ ختم کر دیا۔

مسئلۂ نسخ پر ایک نظر

یہاں ایک حکم منسوخ کا ذکر آیا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ مسئلۂ نسخ پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں کہ اب تک اس کتاب میں ہم اس عنوان پر گفتگو نہیں کر سکے۔ اللہ جل مجدہ کا ارشاد ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝۱۰۶ (البقرہ:۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرادیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) اس سے بہتر یا اس جیسی کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

نسخ کے معنی ہیں زائل کرنا، باطل کرنا۔ تمام مفسرین امت کا اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا ہے یعنی منسوخ کرنا۔ اسی لئے کتاب وسنت کی اصطلاح میں نسخ ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چاہے دوسرا حکم پہلے حکم کی نسبت آسان ہو یا دشوار چونکہ مسئلہ نسخ قرآن کریم سے ثابت ہے اور بعض احکام شرع کا بعض احکام سے منسوخ ہونا بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ لہٰذا اس کی کوئی تاویل کرنا یا اس کا انکار کرنا غیر ضروری اور کھلی گمراہی ہے۔ اس لئے سوائے معتزلہ کے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا یا وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو علوم قرآن سے نابلد ہونے کے باوجود فہم قرآن کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام کے وکیل بننے کے شوق میں اپنی جہالت کے سبب دشمنان اسلام کی بیساکھیاں بن جاتے ہیں۔ جبکہ مسئلہ نہ الجھا ہوا ہے نہ پیچیدہ ہو صرف سمجھنا شرط ہے۔ قرآن کریم نسخ کا بیان جس انداز سے کر رہا ہے اگر اسی پر غور کر لیا جائے تو اس کے انکار یا اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اولاً ننسخ اور ننسھا کے الفاظ سے واضح کر دیا گیا کہ کسی آیت کو منسوخ کر دینے یا بھلا دینے کا اختیار صرف اسی مالک حقیقی کو ہے جو تمہیں احکام دیتا ہے۔ پس وہی اپنی عطا کردہ شریعت کو یا اس کے کسی حکم کو جب مناسب جانتا ہے زائل کر دیتا ہے چونکہ وہ تمہارے ارتقائی مرحلوں اور فطری تقاضوں سے واقف ہے۔ لہٰذا اس کے مطابق وہ تمہیں احکام دیتا رہتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی سے بہن کا نکاح حلال تھا جو نوح علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں سب چوپائے حلال تھے لیکن دین موسویٰ میں ان میں سے بہت سے حرام کر دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے احکام سخت تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے منسوخ ہو گئے کہ شریعت عیسوی آسان ترین شریعت تھی اور نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد تمام ادیان سابقہ کو منسوخ قرار دے کر بنی نوع انسان کو اس دین متین پر عمل کی دعوت دی گئی جو دین کامل ہے، جو دین فطرت ہے۔ اب چونکہ سلسلۂ وحی ونبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لہٰذا سلسلۂ نسخ بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ ''اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ'' کا اعلان اس حاکم حقیقی نے فرمایا ہے جو خوب جانتا ہے کہ اب جو احکام انسان کو دیئے جا چکے ہیں وہ اس کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہیں۔ اس کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کی ضرورت کو پورا کرتے رہیں گے۔ پس اب دروازۂ نبوت کے ساتھ، دروازۂ نسخ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا لیکن بہر حال نزول وحی کے دور میں اس کے وقوع سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ علماء کرام نے اس کی معرفت اور اس کی تفصیلات کا جاننا اہل علم کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ مثلاً امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَعْرِفَةُ هٰذَا الْبَابِ اَكِيْدَةٌ وَفَائِدَتُهٗ عَظِيْمَةٌ

باب نسخ کی معرفت نہایت ہی ضروری ہے اور اس کا فائدہ بہت ہے۔

وَلَا یُنْکِرُہٗ اِلَّا الْجَھَلَۃُ الْاَغْبِیَاءُ

اور بیوقوف جاہلوں کے علاوہ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اسی مقام پر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو کوئی آدمی وعظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ صاحب وعظ ونصیحت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ کوئی وعظ ونصیحت نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ مجھے پہچانو (یعنی لوگوں سے عزت وشہرت حاصل کرنے کے لئے یہ وعظ کر رہا ہے) پھر آپ نے اس شخص کو بلوایا اور پوچھا کیا تم قرآن وحدیث کے ناسخ ومنسوخ احکام کو پہچانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں، میں نہیں جانتا۔ پس آپ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ آئندہ کبھی یہاں وعظ نہ کہنا۔

اس واقعہ سے علم نسخ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی جانا جا سکتا ہے کہ وعظ وتبلیغ ہر ایرے غیرے اور نتھو خیرے کا کام نہیں۔ اس منصب کا اہل صرف وہی ہو سکتا ہے جو علوم قرآن وحدیث پر پوری طرح عبور رکھتا ہو حتیٰ کہ ناسخ ومنسوخ کے احکام سے بھی واقف ہو کہ ایسا ہی شخص خود بھی گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

نسخ کی حقیقت

سلاطین وحکام کے جاری کردہ احکام میں تبدیلی اور عمل نسخ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد اس کے نقصانات اور مضرتوں کا اندازہ ہوتو اس کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کرنا پڑا یا یہ کہ حالات کی مناسبت سے ایک حکم جاری کیا گیا تھا اور حالات بدل جانے کے بعد اس کی جگہ دوسرا حکم لانا پڑا یا جاری کردہ حکم کو محکومین یعنی عوام نے مسترد کر دیا تو مجبوراً حاکم کو اپنے حکم میں تبدیلی کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ تمام وجوہ نسخ انسانی احکام میں ہو سکتی ہیں کیونکہ انسان کا علم ناقص ہے لہٰذا اس کے حکم میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نکل آتا ہے جسے دور کرنے کے لئے اسے عمل نسخ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن خالق انسان اللہ علیم وخبیر اس سے پاک ہے وہ تو روز اول ہی سے جانتا ہے کہ اپنے بندوں کے لئے جو حکم نازل فرما رہا ہے وہ ان کے موجودہ حالات اور موجودہ ضرورت کے مطابق ہو۔ جب حالات تبدیل ہوں گے تو ان کے لئے حکم میں بھی تبدیلی کر دی جائے گی جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن بھائی کے نکاح کا حکم اس وقت کے حالات کے اعتبار سے تھا پھر جب حالات بدلے انسانوں کا کنبہ وسیع ہو گیا تو ضرورت نہ رہی کہ بہن سے بھائی کا نکاح ہو۔ لہٰذا پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا اور وضاحت کر دی گئی کہ کس کا نکاح کس سے ہو سکتا ہے اور کس سے نہیں ہو سکتا۔

نسخ کی اس حقیقت کو مزید ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً ڈاکٹر اپنے مریض کے لئے ایک دوا تجویز کرتا ہے لیکن دو دن بعد ہی وہ اس دوا کو بدل کر دوسری دوا دیتا ہے۔ آپ اس کے فیصلہ کو بغیر کسی اعتراض یا ڈاکٹر کی فنی مہارت پر شک کئے بغیر نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس تبدیلی کو مریض کی صحت کے لئے بہتر جانتے ہیں کیونکہ آپ کو یہ حقیقت تسلیم ہے کہ

ڈاکٹر نے پہلی دوا مریض کی اس وقت کی حالت کے مطابق دی تھی اور جونہی مریض کے مرض میں تبدیلی آئی تو ڈاکٹر نے دوا بھی تبدیل کر دی۔ اللہ جو نہ صرف انسان کا طبیب حقیقی ہے بلکہ خالق بھی وہی ہے خوب جانتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے لئے انسان کو کیسے احکام دینا ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں ان احکام کو منسوخ کر کے اس وقت کی ضرورت کے مطابق شریعت نازل فرمانی ہے اور وہی جانتا ہے کہ جب سلسلۂ نبوت اپنی انتہا اور کمال کو پہنچا تو انسان بھی ارتقاء کی اس منزل پر آ چکا ہے کہ اب اس کو وہ احکام دیئے جا سکتے ہیں جن میں کسی تبدیلی اور نسخ کے عمل کی ضرورت باقی نہ رہے۔ وہ شریعت مکمل ہو، دائمی ہو، ہر دور اور مقام کے لئے قابل عمل ہو اور انسان کی فلاح و بہبود کی ضامن ہو۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے "لَمْ تَكُنْ نَبُوَّةٌ قَطُّ اِلَّا تَنَاسَخَتْ" یعنی کبھی کوئی نبوت نہ آئی جس نے سابقہ احکام میں تناسخ اور رد و بدل نہ کیا ہو حتیٰ کہ نبوت آخر الزمان ﷺ کا دور آیا جس نے سابقہ احکام کو منسوخ کیا اور خیر امت کے لئے مکمل نظام حیات فراہم کر کے اعلان فرمایا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری فرما دی اور تمہارے لئے بطور نظام حیات اسلام کو پسند فرمایا۔

نسخ کی صورت

دوران وحی احکام شرع میں نسخ کا عمل جاری رہا جو یا تو بایں صورت ہوا کہ کسی پہلے حکم کی جگہ دوسرے حکم نے لے لی اور یا اس طرح کہ پہلے حکم میں جزوی تبدیلی کر دی گئی۔ کبھی یہ نسخ صرف احکام کا ہوا کہ آیاتِ منسوخہ قرآن کریم کا جز رہیں۔ ان کی تلاوت باقی رہی لیکن ان کے احکام منسوخ ہو گئے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اس سے متعلق آیت کو بھی صاحب وحی ﷺ کے ذہن سے نکال لیا گیا یا فراموش کرا دیا گیا اور ایسا بھی کیا گیا کہ آیت مبارکہ کو تو فراموش کرا دیا گیا لیکن اس کا حکم باقی رہا ان صورتوں کی وضاحت کے لئے چند احکام منسوخہ ملاحظہ ہوں۔

ابتدائے اسلام میں وارثوں کے لئے وصیت کرنا مستحب تھا پھر اسے فرض قرار دے دیا گیا لیکن آیتِ میراث کے نزول کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا اور اب دائمی قانون یہ باقی رہا کہ صاحب مال کو اپنی دولت کے صرف ایک تہائی حصہ میں وصیت کا حق ہے۔ اس سے زیادہ پر وصیت کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ تمام وارثین کو قرآن کریم کے مقرر کردہ حصص خود بخود منتقل ہو جائیں گے ان میں کمی، زیادتی کا کسی کو اختیار نہیں۔

ابتداءً روزے کے احکام ہمارے لئے وہی تھے جو ہم سے پہلی امتوں کے لئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کہ روزے تم پر اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ بعد افطار وقت عشاء سے پہلے کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا لیکن وقت عشاء شروع ہوتے ہی یہ اعمال ممنوع ہو جاتے تھے گویا روزہ وقت عشاء ہی سے شروع ہو جاتا تھا۔ مزید برآں اگر کوئی شخص افطار کے بعد سو کر عشاء کا وقت شروع ہونے سے قبل جاگ بھی گیا تو بھی اس کا روزہ شروع ہو جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے "كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کا ارشاد منسوخ فرما دیا اور ہمارے لئے روزے کی موجودہ صورت دائمی ہو گئی۔

ابتداءً ''اَشْهُرِ حُرُمٌ'' حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا ممنوع تھا لیکن پھر حکم دیا گیا ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ'' کہ مشرکین وکفار کے ساتھ حسب ضرورت بلا قید زمان و مکان جہاد کرو۔

بیس آیتوں کے احکام منسوخ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جن میں سے چند کا ہم نے ذکر کیا۔ یہ آیات منسوخہ قرآن کریم میں موجود ہیں جن کی تلاوت دورانِ نماز اور بیرون نماز ہوتی ہے اور ان کی تلاوت کا اجر وثواب یقیناً وہی ہے جو قرآن کریم کا ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد صرف احکامِ شروع کا نزول ہی نہیں بلکہ بندوں کو کلام الٰہی کی تلاوت کا شرف بخشا اور اس پر اجر وثواب مرحمت فرمانا بھی ہے۔

نسیان کی صورت

تفسیر عزیزی اور بعض دیگر مفسرین نے ایسی آیات کو بھی جمع فرمایا ہے جو حکماً اور تلاوتاً منسوخ ہیں یا صرف تلاوتاً منسوخ ہیں۔ گویا اللہ علیم وخبیر نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان آیات کو عارضی طور پر نازل فرمایا تھا اور جب ان کے نزول کا مقصد پورا ہو گیا تو انہیں اپنی حکمت کے مطابق فراموش کرا دیا گیا اور وہ اس قرآن کریم کا حصہ نہ رہیں جس کی حفاظت کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل وکرم سے خود ذمہ لیا ہے کہ ان کو نازل ہی فراموش کرا دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا'' یعنی نسخ بھی ہماری حکمت ہے اور کسی آیت کو فراموش کرا دینا بھی ہماری حکمت ہے۔ اس سے نہ تو وعدۂ الٰہی ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' پر کوئی شک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ وعدۂ الٰہی بے اثر ہوتا ہے جو اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے کیا کہ ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى'' ہم خود آپ کو پڑھائیں گے۔ پس آپ اسے نہ بھولیں گے۔ ''اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ'' مگر جو اللہ چاہے۔ پس صاحب وحی ﷺ وحی الٰہی کا ایک حرف بھی نہ بھولے سوا اس کے جو خود اللہ ہی نے بھلوا دیا۔ پس نسخ کی یہ صورت کہ بعض آیات کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور ان آیات کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی یا تلاوت آیات تو منسوخ ہوئی لیکن حکم باقی رہا۔ اللہ کی حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہے اور اہل علم، اہل ایمان کے لئے قطعاً نہ تو الجھن و پریشانی کا سبب ہے اور نہ ہی کسی قسم کے شک وشبہ کا باعث۔

ذرائع نسخ

عمل نسخ کا ذریعہ ایک تو یہ ہے کہ آیت قرآن کے حکم کو آیت قرآنی ہی سے منسوخ کیا گیا۔ جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے۔ دوسرے حدیث کا نسخ حدیث سے بھی واقع ہوا جیسے احناف کے نزدیک، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے یا رفع یدین کرنے کی احادیث ان حدیثوں سے منسوخ قرار پائیں جن میں اس عمل کی ممانعت موجود ہے کہ ابتداءً امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی اس کو ممنوع قرار دے دیا۔ ارشاد ہوا: ''لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْءٍ'' امام کے ساتھ کسی بھی نماز میں قراءت جائز نہیں خواہ وہ نماز جہری ہو یا سری ہو۔ نیز فرمایا: ''مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ'' جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت

ہے۔ اسی طرح رفع یدین جو ابتداءً جائز تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ تیسرے کسی آیت کا نسخ حدیث سے بھی ہوا مثلاً قرآن کریم کے ارشاد "اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ" سے ثابت تھا کہ ماں، بہن وغیرہ چند عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: "لَا تُنْکَحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِھَا وَلَا عَلٰی خَالَتِھَا" اس ارشاد کے مطابق پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی دیگر احادیث مبارکہ بھی ملتی ہیں۔ جن سے قرآنی احکام کی تخصیص وتوضیح ہوتی ہے۔ چوتھے حدیث کا نسخ قرآن سے بھی کیا گیا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ہی کے مطابق مدینہ پہنچنے کے بعد کعبہ کی جگہ بیت المقدس، اہل ایمان کا قبلہ قرار پایا تھا لیکن چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا کا لحاظ فرماتے ہوئے دوبارہ ہمیشہ کے لئے کعبہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ "فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"۔

آیات ناسخ ومنسوخ

مختصراً یہ بھی بتا دینا مناسب ہوگا کہ قرآن کریم کی کتنی سورتوں میں آیات ناسخ ومنسوخ موجود ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف سورتوں کی تعداد پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کریم میں پینتالیس سورتیں تو ایسی ہیں جن میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ چالیس سورتوں میں صرف آیاتِ منسوخہ ہیں، ناسخہ کوئی نہیں۔ چھ سورتوں میں صرف آیاتِ ناسخہ ہیں۔ پچیس سورتوں میں آیاتِ ناسخہ ومنسوخہ دونوں ہیں۔

بحمد اللہ نسخ کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا وہ اگرچہ مختصر ہے لیکن ایک اہم قرآنی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ نیز ان شکوک وشبہات سے بچنے کے لئے بھی کافی ہے جو اس عنوان سے متعلق جاہلوں کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو اپنے تخیلات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی گمراہی ہے۔ جیسے کہ بعض لوگوں سے آپ سنتے ہوں گے کہ "میرے خیال سے قرآن کریم کی اس آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا" یہ میرے خیال والا خیال ہی حماقت اور گمراہی ہے اور یہ اظہارِ خیال بھی وہی حضرات کرتے ہیں جنہیں کبھی قرآن کریم میں فکر وتدبر کا خیال نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے اور قرآن کریم کو صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی توفیق بخشے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سورۃ الحشر''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
79	18 تا 19

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۷۹

الحشر: ۱۸، ۱۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (الحشر: ۱۸، ۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو جانا ان کی طرح جنہوں نے بھلا دیا اللہ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش کر دیا یہی نافرمان لوگ ہیں۔

یہ صدقہ ہے آقائے نعمت ﷺ کا کہ آپ کا ربِ کریم آپ کے غلاموں کو غفلت اور ناعاقبت اندیشی سے بچنے کی مختلف انداز پر بار بار دعوت دیتا ہے اور وہ طرزِ زندگی اپنانے کی ہدایت فرماتا ہے جس سے دنیا میں عزت و عظمت حاصل رہے اور آخرت میں نجات و سرخروئی مقدر ہو۔ آقا کا غلام پر اس سے بڑا کرم اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ غلام کو ایسے کاموں کی

ہدایت کرتا رہے جو اس پر آقا کے انعام واکرام کا ذریعہ بنیں۔ گویا اس طرح مالک خود ہی غلام کو اپنی رحمت کے خزانوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ بس غلام کو اس خزانے کی طرف بڑھنا اور اپنی جھولی بھر لینا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں رحمت کے خزانوں تک پہنچنے کے درج ذیل ذرائع بیان کیے جا رہے ہیں۔

تقویٰ، فکر غد، اللہ کے خبیر ہونے کا یقین، یادِ الٰہی سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا۔

اِتَّقُوا اللّٰہ

اللہ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ ایک ایسا عنوان ہے جس پر کتنا ہی لکھا جائے کتنا ہی بیان کیا جائے کم ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ درحقیقت یہ تمام اعمال کی اصل، روح اور جان ہے۔ انسان کے قلب میں ابتداءً تقویٰ ہی کی کرن چمکتی ہے جو ایمان کی شعاع بنتی ہے پھر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تاریکی سے نکالے اعمالِ حسنہ کو تلاش کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک روشن ومنور تارہ بن جائے۔

گزشتہ اوراق پر ہم اس اہم عنوان پر کافی لکھ چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں "اِتَّقُوا اللّٰہ" کا جملہ دس بیس مرتبہ نہیں بلکہ پچپن مرتبہ ملتا ہے۔ گویا اللہ رب العزت جل مجدہ نے پچپن مرتبہ اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صیغوں سے بھی متعدد بار اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے فوائد کو بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ یہ بھی فرما دیا کہ "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ" بیشک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ" بیشک اللہ متقین کو پسند فرماتا ہے۔ اہل خرد کے لئے تقویٰ کا یہی انجام کیا کم ہے کہ مالک حقیقی کی رحمت ومحبت کا مژدہ نصیب ہو جائے۔ اللہ کی معیت ومحبت سے بڑھ کر کامیابی وکامرانی کی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس قدر تاکید کے باوجود بھی اگر ہم دولت تقویٰ سے محروم رہیں تو یہ یقیناً ہماری بدنصیبی ہے۔

فکرِ غد

"وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" اور ہر کسی کو دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔ غد آنے والی کل کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ قیامت کو غد فرما کر یہ بتانا مقصود ہے کہ قیامت کا آنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا ہر دن کے بعد آئندہ دن کا سورج طلوع ہونا یعنی کل کا آنا یقینی ہے۔ اس کل کے آنے کا کوئی کتنا ہی انکار کرتا رہے اس کا آنا اٹل ہے، یقینی ہے۔ اسی طرح منکرین قیامت کے انکار سے اہل ایمان کو اس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ غد کی طرح آئے گی اور ضرور آئے گی۔ جس طرح آنے والی کل کا منکر دیوانہ و پاگل کہلائے گا۔ اسی طرح قیامت کا انکار بھی دیوانگی و پاگل پن کے سوا کچھ نہیں نیز قیامت اتنی قریب ہے جتنا ہر دن سے آنے والا دن قریب ہوتا ہے۔ تقاضۂ ایمان یہ ہے کہ ہر مؤمن اس یقینی اور قریبی آنے والے دن کی فکر کرتا اور سوچتا رہے کہ اس نے اس غد کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

فکرِ غد، انسان کی فطرت ہے ہر شخص اپنے آنے والے دن کو موجودہ دن سے بہتر بنانا چاہتا ہے۔ ہر شخص کی یہی

کوشش ہوتی ہے کہ اس کا مستقبل اس کے ماضی و حال سے بہتر ہو اور ایسے ہی شخص کو عقلمند کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ جس کی نظر حال سے زیادہ مستقبل پر ہو۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی یقین کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے مستقبل کا کل تو درکنار مستقبل کا لمحہ بھی نصیب ہوگا یا نہیں اور مستقبل کی بہتری کے وہ جو خواب دیکھتا ہے اس کی تعبیر پا سکے گا یا نہیں یا مستقبل کے لئے اس نے جو کچھ جمع کر رکھا ہے اس کا وہ فائدہ حاصل کر پائے گا یا نہیں۔ نیز مستقبل کی فکر میں پریشان یہ انسان کیوں نہیں سوچتا کہ اس کی فکر اور ساری تدبیریں رائیگاں اور بیکار ہیں اگر اس کا بھروسہ اور اعتماد اللہ پر نہ ہو۔ نیز وہ اس دنیا کی کل کے لئے آخر کیوں اتنا حریص ہے جبکہ یہ کل بھی آج کی طرح عارضی ہوگی، چند گھنٹوں کی ہوگی۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے، ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مؤمن کو اس کل کی فکر کرنا چاہئے جس کے بعد کوئی کل نہ ہوگی۔ جس کا آنا یقینی ہے جو قریب ہی ہے۔

اے ایمان والو! یہ دنیا جس کی کل کی تمہیں بہت فکر رہتی ہے۔ اس کی محبت میں مبتلا ہو جانا ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ جیسا کہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ''حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ'' دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ'' دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ پس اس دنیا کی کل کی فکر میں تم جتنے زیادہ مبتلا ہو گے اتنے ہی اس کی دلدل میں پھنستے چلے جاؤ گے۔ یہ تو تمہارے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ کی کل کو کتنا ہی بہتر بنانے کی کوشش کرو، رہو گے قیدی ہی۔ لہٰذا چھوڑو اس فکر کو اور سوچو اس کل کے متعلق جس کے بعد کوئی کل نہیں ہوگی۔

سوچو، تم نے اس کل کے لئے کیا جمع کیا ہے؟

سوچو، وہ کل تمہارے لئے کس طرح زیادہ سے زیادہ آرام دہ ہو سکتی ہے۔

سوچو، تمہیں اس کل کا دائمی عیش و آرام کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔

سوچو، اس جیل سے جب تم آزاد ہو گے تو تمہارا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

سوچو، کیا یہ جیل خانہ ہی تمہارا مقصد زندگی اور تمہاری منزل ہے۔

سوچو، آج تم جو کچھ کر رہے ہو کل اس کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔

سوچو، دنیا کی یہ چمک دمک کب تک تمہاری آنکھوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

سوچو، تمہاری دولت کے ڈھیر کیا ایک دن دوسروں کے نہیں ہو جائیں گے۔

سوچو، تمہارے پاس کوئی ایسا ذخیرہ بھی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو۔

سوچو، دنیا کی آزادی تمہارے کام آئے گی یا اللہ کی بندگی۔

سوچو، تم نے ایمان لا کر کیا اللہ سے جنت کے بدلے اپنی جان و مال کا سودا نہیں کیا۔

سوچو، اطاعت و فرمانبرداری ذخیرۂ کل ہے یا غفلت و کوتاہی کل کام آئے گی۔

سوچو، اگر تم اللہ کو حاکم حقیقی اور مالک حقیقی جانتے ہو تو دن رات میں اس کے کتنے احکام پر عمل کرتے ہو۔

سوچو، اگر رسول مکرم ﷺ سے تمہیں سچی محبت ہے تو تم ان کی تعلیم و تربیت کو کتنا اپنائے ہوئے ہو۔

سوچو، اگر تم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرتے ہو تو کتنا ان کے نقش قدم پر چلتے ہو۔

سوچو، تم اور تمہارے اہل خانہ شریعت کے کتنے پابند ہیں۔

سوچو، چوبیس گھنٹے میں کتنا وقت تم دین سیکھنے یا دین کی خدمت کرنے پر صرف کرتے ہو۔

سوچو، اپنی کمائی کا کتنا حصہ تم دین کے لئے نکالتے ہو۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا جمع کیا ہے۔

سوچنے کی یہ جتنی باتیں ہم نے عرض کیں یہ تو چند ہیں جو صرف اس لئے پیش کی گئیں کہ کاش ان کے سوچنے سے سوچ کا رخ بدل جائے اور ذہن مستقل وہ سوچنے لگیں جو مؤمن کے ذہن کو سوچنا چاہئے کہ صحیح سوچ ہی ان اعمال کا ذریعہ ہے جو کل کام آسکتے ہیں۔ اس کل، جس میں انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوتو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ آیت مبارکہ سن کر کھانا چھوڑ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس دن ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ما رأيتَ مِمَّا تُكْرَهُ فَهُوَ مَثَاقِيْلُ ذَرِّ الشَّرِّ'' اس دنیا میں جو بھی تمہیں تکالیف پہنچتی ہیں یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ''وَيُدَّخَرُ لَكُمْ مَثَاقِيْلَ ذَرِّ الْخَيْرِ حَتّٰى تُعْطُوْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی۔

اے کاش ہم اپنے حال پر غور کرنے کے عادی ہو جائیں اور کل کے لئے کچھ ذخیرہ کرنے اور پہلے سے بھیج دینے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہماری بڑی ہی کامیابی و کامرانی ہوگی۔ پس اے ایمان والو! ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' نماز کی پابندی کیا کرو زکوٰۃ ادا کرتے رہا کرو۔ ''وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ'' (نماز و زکوٰۃ کے علاوہ) جو بھی (چھوٹی بڑی) نیکیاں تم اپنے لئے آگے بھیجو گے۔ ''تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ'' ان کا ثمر تم اللہ کے یہاں ضرور پاؤ گے ہر نیکی کا اجر و ثواب کل تمہیں دیا جائے گا۔ ''وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ'' اور تم جو کچھ (نیکی بھی) اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس (کل) موجود پاؤ گے۔ ''هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا'' یہی بہتر ہے اور اس کا اجر بہت بڑا ہوگا کہ دینے والا اپنی شان رفیع کے مطابق ہی عطا فرمائے گا جو بہت بلند و اعلیٰ ہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

اللہ خبیر ہے

''اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ بعینہٖ یہ جملہ مبارکہ قرآن کریم میں چونتیس مرتبہ موجود ہے۔ جو یہ جان لینے کے لئے کافی ہے۔ اللہ ذوالجلال والاکرام کے خبیر ہونے کا یقین کرنا ہر مؤمن کے لئے کس قدر اہم اور ضروری ہے کہ بار بار یہ یاددہانی کرائی گئی ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے یہ تو بات صرف اعمال کی ہے جبکہ وہ تو ''عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' ہے یعنی دلوں کے حالات و خیالات کو بھی جانتا ہے اور صرف جانتا ہی نہیں بلکہ وہ اللہ سمیع، سننے والا۔ بصیر، دیکھنے والا بھی ہے اور کل ہر کسی کو اسی خبیر کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس کا ذریعہ موت ہے جس سے کسی کا بچنا ممکن نہیں۔ ''قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ'' آپ بتا دیجئے بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو ضرور آ کر رہے گی۔ ''ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ'' پھر تمہیں لوٹایا جائے گا (حاضر کیا جائے گا) اس کی طرف جو ہر پوشیدہ و ظاہر کو جاننے والا ہے۔ ''فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' تو وہ تمہیں خبر کرے گا ان اعمال کی جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ کے خبیر ہونے پر جس شخص کو کامل یقین ہو اس سے اللہ کی بندگی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوتاہی و سستی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسے کہ وہ ملازم اپنے کام میں کبھی سستی نہیں کرتا جو جانتا ہے کہ اس کا مالک یا اس کا حاکم اس کی نگرانی کر رہا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔ اس صورت میں اسے خوف ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی سی سستی یا لاپرواہی اس کے مستقبل کی تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی ہے کہ اسے ملازمت سے بھی نکالا جا سکتا ہے یا کوئی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے کام میں مستعد رہتا ہے اور مزید محنت و مشقت کا مظاہرہ کرتا ہے اس لالچ میں کہ اس کے کام کو دیکھنے والا حاکم شاید اس سے خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دے یا اسے کسی اعزاز سے نواز دے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ محنت و مشقت کرنے والا ملازم، مالک و حکام کی نظر میں محبوب ہوتا ہے اور خصوصی اعزاز و اکرام کا حقدار قرار پاتا ہے۔

یہی کیفیت ان اللہ کے بندوں کی ہوتی ہے جنہیں ان ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے جو مالک حقیقی کی طرف سے انہیں سونپی گئی ہیں نیز انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ مالک حقیقی ان کے ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے اور ان کے ہر لمحہ سے باخبر اور آگاہ ہے۔ سورۃ السجدہ کی ان آیات پر غور کیجئے۔ کیسے پیارے انداز میں ان پیاروں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝ (السجدہ:۱۵)

صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔

یعنی صرف دعویٰ ایمان ہی نہیں ہے بلکہ بحیثیت مؤمن ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں جاننے کے لئے وہ

آیات ربانی کو بغور سنتے ہیں اور پھر اظہارِ اطاعت وفرمانبرداری کے لئے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ مالک حقیقی کی تسبیح وتحمید میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ باغیوں اور سرکشوں کی طرح تکبر وغرور نہیں کرتے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے پابند ہو جاتے ہیں اور مالک حقیقی سے خوف اور اس کے رحم وکرم کے لالچ میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○

دور رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب دنیا کے چند روزہ عیش وآرام میں مست لوگ گہری اور میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہوتے ہیں تو اللہ کو علیم وخبیر یقین کرنے والے مؤمنین کاملین اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ اطاعت شعاری وفرمانبرداری میں گزارنے کے باوجود ان پر مالک کا خوف طاری رہتا ہے۔ وہ اس کے فضل وکرم کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کی رضا وخوشنودی کے حصول کے لئے اسی کی عطا کردہ دولت اور دیگر نعمتوں سے صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسرے ضرورت مندوں کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

تو کوئی شخص نہیں جانتا جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی ہیں ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اہل ایمان بحالت خوف وطمع اپنا کام کرتے رہتے ہیں، محنت ومشقت کرتے ہیں۔ بس انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ صلہ ملے گا، بدلہ ضرور ملے گا، کیا ملے گا اس کا انہیں پتہ نہیں تو ہم انہیں مژدہ سناتے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایسی ایسی نعمتیں چھپا رکھی ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بس جب وہ انہیں پائیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، وہ خوش ہو جائیں گے۔

مخبر صادق ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ''يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اعددتُ لعبادِىَ الصَّالحين'' میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔''مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَعَلٰى قَلْبِ بِشَرٍ'' جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کوئی انسان اپنے دل میں ان کا تصور کرسکتا ہے۔

اے ایمان والو!''اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر واقعی تم نے اس کو تسلیم کرلیا ہے تو تم کبھی عبادات میں غفلت وسستی کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ کبھی معاملات میں اللہ ورسول کے احکام سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ کبھی اپنی دینی ودنیوی ذمہ داریاں پوری کرنے میں لاپرواہی کا شکار نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا اپنے ایمان کے کمال کے لئے

اس حقیقت پر ایسا ہی یقین رکھو جیسا تم ان چیزوں پر یقین رکھتے ہو جنہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ'' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا۔

اللہ کو بھلا دینا

کسی کا اپنے محسن کو بھول جانا ہر شخص کے نزدیک نہایت ہی معیوب اور برا سمجھا جاتا ہے اور ایک معمولی سا احسان کرنے والا اپنا یہ حق سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے احسان کے بدلے کم از کم ہمیشہ اس کو یاد کیا جاتا رہے لیکن یہی انسان محسن حقیقی اللہ وحدہٗ لاشریک کے معاملہ میں اس قدر ظالم ہے کہ ہر لحہ اس کے احسانات اور انعامات کے باوجود کبھی اسے یاد نہیں کرتا۔ ان احسان فراموشوں کے متعلق فرمایا گیا: ''اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ'' شیطان نے ان پر تسلط جما لیا ہے۔ پس اس ہی نے انہیں محسن حقیقی کی یاد سے غافل کر دیا ہے کہ یہ دن رات اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں مست تو رہتے ہیں لیکن شیطان انہیں کبھی یہ خیال تک نہیں آنے دیتا کہ ان نعمتوں کا عطا فرمانے والا کون ہے اور ہم پر اس کا کیا حق بنتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ'' یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ احسان فراموشی کے باوجود بڑی اچھی اور کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں نہیں یہ ان کی خام خیالی اور خود فہمی ہے۔ ''اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ'' شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔ دولت، عزت، شہرت کے نشہ میں مست اللہ کو بھلا دینے والے خسران و نقصان میں ہیں۔ ''وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا'' اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لے تو وہ کھلے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ یہ ظالم شیطان اللہ کے بندوں کو اپنے ٹولے میں شامل کرنے کے لئے پہلا کام یہی کرتا ہے کہ ان کے دل و دماغ سے اللہ کا خیال تک نکال دیتا ہے اور خود ان کا ان داتا بن کر انہیں اپنے جھوٹے وعدوں اور کبھی پوری نہ ہونے والی امیدوں سے بہلاتا رہتا ہے۔ پس یہی اس کا کام ہے ''يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ'' ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا ہے اور انہیں (غلط) امیدیں دلاتا ہے۔ ''وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا'' اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا شیطان کے جن وعدوں نے ان لوگوں کو اللہ فراموش بنا دیا۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں صرف فریب ہی فریب ہے، مکر ہی مکر ہے۔

خدا فراموشی کی سزا

اللہ کو بھول جانا ہی کفر، شرک، نفاق، بدعقیدگی اور بدعملی کا باعث اور سبب ہوتا ہے۔ ان امراض میں مبتلا شخص کی عقل پر ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ کسی لحہ بھی یہ نہیں سوچ پاتا کہ اسے وجود بخشنے والا اور اس کے وجود کو باقی رکھنے والا پھر اسے معدوم، ختم کر دینے والا کون ہے اور اس کا کیا حق ہے نیز میں اس کا حق ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ ایسے بدترین جرم کی سزا یقیناً سخت ترین ہی ہونا چاہئے۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس سزا کو بیان کرتا ہے تاکہ اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والے اور قرآن کو اپنا نظام حیات تسلیم کرنے والے اس جرم سے دور رہیں۔ فرمایا گیا: ''فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ'' پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یعنی اللہ کو بھول جانے کی یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول جاتا ہے۔ ''خدا فراموش

خود فراموش" ہو جاتا ہے۔ خود فراموش اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جو دیوانہ و پاگل ہو جائے اسے اپنے تن، من، دھن کی خبر نہ رہے۔ اسے اپنے عمل کے انجام کا احساس نہ رہے اسے اپنی منزل کا پتہ نہ رہے۔

تاریخی واقعات و حقائق پر ذہن دوڑائیے تو آپ پر یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی کہ "خدا فراموش خود فراموش" ہو جاتا ہے یعنی اسے اپنی حقیقت، حیثیت اور قوت و طاقت تک کا اندازہ نہیں رہتا۔ بس ایک اندھے کی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے وہ بھی بغیر لاٹھی کے اپنے خیال میں وہ اپنی منزل کی طرف چلتا ہے لیکن انجام کار ایسا ٹکراتا ہے کہ چور چور ہو جاتا ہے، نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ پڑھیے فرعون، نمرود، قارون و ہامان کے حالات جنہیں قرآن کریم نے اسی لئے بیان کیا کہ ان سے عبرت حاصل کی جائے پھر مطالعہ کیجئے اپنی تاریخ کے خدا فراموشوں کی زندگی کا مثلاً ابوجہل، ابولہب، یزید وغیرہ وغیرہ کے حالات اور پھر نظر ڈالئے اپنے ماحول پر، اپنے ملک، اپنے شہر، اپنے محلہ اور اپنے گھر کے خدا فراموشوں کو دیکھئے کیسے خود فراموش ہو گئے ہیں۔ دیکھئے:

ان حکام کو جو نشۂ اقتدار میں مست، عوام کا خون چوس رہے ہیں، ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں انہیں نہ تو یہ احساس ہے کہ ایک حاکم کی حیثیت سے ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں نہ انہیں یہ یاد ہے کہ عوام سے ووٹوں کی بھیک مانگتے وقت انہوں نے کیا وعدے کئے تھے اور نہ ہی انہیں یہ خیال کہ بہر حال ایک نہ ایک دن اقتدار کی یہ کرسی کسی دوسرے کو منتقل ہونا ہے پھر ان کا کیا انجام ہوگا۔

دیکھئے، ان رشوت خوروں کو جن کی عیاشی نے انہیں بھکاری بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی باعزت کرسی پر بیٹھے صبح سے شام تک لوگوں سے بھیک مانگتے رہتے ہیں اور پھر بھی خود کو معزز سمجھتے ہیں۔ باوقار یونیفارم میں لوگوں کو لوٹتے رہتے ہیں اور پھر بھی قانون کے محافظ کہلاتے ہیں۔

دیکھئے، ان غنڈوں اور لٹیروں کو جو اپنے سرداروں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ ان کی نظروں میں کسی کی جان، مال، عزت، آبرو کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں نہ انہیں افراد کی ایذاء رسانی کی پروا اور نہ ہی قومی وقار کو پامال کرنے پر افسوس۔

دیکھئے، ان سود خوروں کو جو صرف اپنی شان و شوکت بڑھانے اور اپنی دولت مندی کے مظاہرے کے لئے سودی کاروبار کرتے ہیں۔ خود بھی حرام خور ہیں اور اپنی نسل کو بھی حرام خوری میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔

دیکھئے، اس جواری کو جو اپنی ساری دولت، اپنی بیوی کے کان کے بندے تک ہار بیٹھا اور اب اسے کوئی ایک وقت کی روٹی کھلانے والا نہیں۔ کم بخت خود بھی خوار ہوا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ذلیل کرا بیٹھا۔

دیکھئے، اس شرابی کو جو اپنے ہی گھر کے دروازے پر کھڑا اپنے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے۔

دیکھئے، ان گھروں میں آفات و بلیات، امراض اور بے برکتی جن میں کبھی نہ تو قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے اور نہ ہی سجدہ کیا جاتا ہے، مصائب و آفات کے باوجود بھی انہیں کبھی اللہ کا نام لینے کا خیال نہیں آتا۔

اللہ محفوظ رکھے اسے بھلانے کی یہ سزا سخت ترین ہے کہ انسان خود فراموش ہو جاتا ہے، ذلیل ہوتا ہے، خوار ہوتا

ہے، دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی ذلت وخواری اس کا مقدر ہوگی۔

اس سنگین جرم کی ایک اور سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ'' انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یعنی اللہ بھی ان لوگوں کو بھلا دیتا ہے جو اللہ کو بھلا دیتے ہیں اور جسے اللہ ہی نے بھلا دیا وہ یقیناً برباد ہو گیا۔ پس:

اے ایمان والو! ''لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ'' ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور ان کا انجام یہ ہوا: ''فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ'' کہ اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا کہ انہیں اپنی حقیقت وحیثیت ہی کا پتہ نہ رہا۔ ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہ رہا۔ یہ بھٹکتے پھرتے اور ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ذلت کو عزت، نامرادی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیارے غلاموں کو اس حال میں دیکھنا پسند نہیں فرماتے۔ ان کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ باعزت ہوں، باوقار ہوں، بارعب ہوں۔ انہیں اپنے دیکھیں تو ان کا احترام کریں، غیر دیکھیں تو کانپنے لگیں۔ ان کے درمیان میل محبت ہو۔ ان کی زندگی کے شب وروز پرامن اور پرسکون ہوں۔ یہ اپنی دینی اور دنیاوی ذمہ داریاں بآسانی پوری کرتے ہوں۔ یہ سب کچھ جب ہی نصیب ہوتا ہے اور انہی کو نصیب ہوتا ہے جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی کرتے ہیں اور پیکرِ اطاعت وفرمانبرداری بن کر وہ عملی ثبوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مالک حقیقی کو یاد رکھتے ہیں اور جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں اللہ بھی انہیں یاد رکھتا ہے۔ ''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ'' اس کا اعلان ہے اور یہی لوگ صالحین، متقین، محسنین، صادقین اور مقربین کہلاتے ہیں جن سے اللہ محبت فرماتا ہے، اللهم اجعلنا منهم۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سورۃ الممتحنۃ“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
80	1 تا 9
81	10 تا 11
82	13

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۰

الممتحنہ: ۱ تا ۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ
قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫
كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا
عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ عَسَى اللّٰهُ
اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ
اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ
اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ: 1 تا 9)

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (جگری) دوست، تم تو ان سے اظہار محبت
کرتے ہو حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے انہوں نے نکالا ہے رسول کو اور تمہیں
بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے اگر تم جہاد کے لئے نکلے ہو
میری راہ میں میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست نہ بناؤ تم بڑی رازداری سے ان کی طرف پیغام
محبت بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو ایسا
کرے گا تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں
گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ اور وہ تو چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ نہ نفع
پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا
تمہارے درمیان (اس دن) اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے بیشک تمہارے لئے بہترین
نمونہ ہے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی میں) جب انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے
کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں
اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ
ایک اللہ پر مگر ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ سے یہ کہنا (مستثنیٰ ہے) کہ میں ضرور مغفرت طلب
کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا اے ہمارے
رب ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف ہمیں پلٹ کر آنا ہے
اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی
عزت والا اور حکمت والا ہے بیشک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور

روز قیامت کا امیدوار ہے اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بیشک اللہ ہی بے نیاز سب خوبیوں والا ہے یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم دشمنی رکھتے ہو محبت اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اللہ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تمہیں روکتا ہے صرف ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور مدد کی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے ہیں۔

بنیادی ہدایت

سورۃ الممتحنہ کی یہ نو آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بنیادی ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ "دشمنان اسلام سے چاہے کتنا ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ کیوں نہ ہو کسی حال میں بھی اہل ایمان کے لئے ان کو دوست بنانا جائز نہیں کہ وہ بظاہر دوست ہوتے ہوئے بھی اسلام اور مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے"

یہ ممانعت اگر چہ قرآن کریم میں متعدد بار آ چکی ہے لیکن یہاں اس کا انداز بیان قدرے مختلف ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے: "لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ" میرے اور اپنے دشمن کو ولی نہ بناؤ۔ جبکہ دیگر مقامات پر اسی حکم کو اس طرح دیا گیا: "لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ" کافروں کو ولی نہ بناؤ۔ ظاہر ہے کہ انداز بیان کی یہ تبدیلی لایعنی اور بیکار نہیں کہ قرآن کریم کا ہر جملہ ذو معنی اور پر از حکمت ہے۔ پس اگر آپ غور کریں تو "عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ" کا جملہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مزید وسیع ہے یعنی صرف کفار کو اولیاء بنانے ہی کی ممانعت نہیں بلکہ جو بھی اللہ کا اور تمہارا دشمن ہو اس کو ولی نہ بناؤ کہ کفار کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں جو تمہارے ہی لبادے میں ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ بھی اس لائق نہیں کہ تم ان پر اعتماد اور بھروسہ کر کے انہیں اپنا ہمدرد جانو اور راز داں بنا لو۔ یہ وہ ہیں جو تمہاری ہی طرح کلمہ پڑھتے ہیں، تمہاری طرح نمازیں پڑھتے ہیں، تمہاری ہی طرح مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسلام کے بنیادی احکام میں سے کسی ایک کے بھی منکر ہیں تو یہ تمہارے نہ رہے بلکہ اللہ کے بھی دشمن ہو گئے اور تمہارے بھی۔ یہ تو کفار سے بھی بدتر ہیں مار آستین ہیں ان سے بچتے رہنا یہ مرتد ہیں، واجب القتل ہیں ان سے کسی کا تعلق جائز نہیں کہ اللہ انہی سب سے اپنی عداوت اور دشمنی کا واضح اعلان فرما چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ

(البقرہ:۹۸)

جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کا تو

اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا

اور یہی کفار جو اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ ان کا دشمن ہے، تمہارے بھی دشمن ہیں۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (النساء:۱۰۱)

بے شک کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

منافقین و مرتدین کے لئے خصوصی اعلان فرمایا گیا اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (المنافقون:۴)

یہی حقیقی دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو ہلاک کرے انہیں اللہ کیسے مارے مارے پھرتے ہیں۔

انہی دشمنوں کے خلاف جنگی تیاریوں کا حکم دیتے ہوئے اس کا مفاد بتایا گیا:

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ

(انفال:۶۰)

تاکہ تم خوفزدہ کر دو اپنی جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ۔ تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ انہیں جانتا ہے۔

اہل ایمان کو طاقتور دشمن کے خوف سے مطمئن کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مؤمنین کو اپنی مدد اور ان پر غلبہ کا یقین دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۝ (النساء:۴۵)

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے (تمہاری) حمایت کے لئے اور کافی ہے (تمہاری) مدد کے لئے۔

تم تو اپنے دشمن کے ظاہری کروفر اور قوت طاقت ہی کو جانتے اور اسی سے مرعوب ہو جاتے ہو جبکہ اللہ اچھی طرح ان کی حیثیت و حقیقت سے واقف ہے۔ تمہیں ان کے سامنے جھکنے، بھیک مانگنے یا ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارا تو ولی اور ناصر و مددگار وہ اللہ ہے جو بڑا ہی قوت و طاقت والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ ولی و ناصر اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے دشمن کے مقابلہ پر تمہاری مدد کی ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ (الصف:۱۴)

پھر ہم نے مدد کی دشمنوں کے مقابلہ میں ایمان والوں کی بالآخر وہی غالب رہے۔

اگر قرآن کریم کی ان آیات کا پورے ایمان و ایقان کے ساتھ مطالعہ کر لیا جائے تو کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ مؤمن کسی بھی طرح اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر دشمن کے در کا بھاری بنے۔ اسی لئے ماضی میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ مسلم حکام یا عوام نے کسی

بھی مرحلہ پر دشمن کا تعاون حاصل کرنے کی ضرورت محسوس کی ہو۔ انہوں نے ہمیشہ دشمن کو دشمن ہی جانا اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے خود ہی اپنے معاملات کو سدھارا اور اپنی ضروریات کو پورا کیا۔ نتیجتاً وہ ہمیشہ باعزت و باوقار رہے جبکہ دشمن اپنی ظاہری قوت و طاقت کے باوجود ان کے سامنے جھکا ہی رہا لیکن آج کے شہنشاہ و حکام نے پوری امت مسلمہ کو دشمن کی نظروں میں ذلیل و خوار بنا رکھا ہے۔ وہ اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اندر ایمانی قوت پیدا کرنے کے بجائے صرف دشمن پر اعتماد کرتے اور اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی اس کا سہارا لیتے ہیں پھر بھی ان کی پیشانی پر بل نہیں آتا۔ بڑے بڑے لمبے لمبے دعوے کرتے نہیں تھکتے، کبھی اپنی مکاری پر شرمندہ نہیں ہوتے، ان کا ضمیر تک مر چکا ہے، کبھی انہیں اپنے کئے پر پچھتاوا نہیں ہوتا اللہ ان کو ہدایت دے اور امت مسلمہ کو ان سے نجات عطا فرمائے، آمین۔

اے ایمان والو! پس تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن سے دور رہو اس کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ اس پر اعتماد و بھروسہ ہرگز نہ کرو۔ اللہ کی اس واضح ہدایت کے باوجود تمہیں کیا ہوا کہ تم دشمن سے اظہار محبت کرتے ہو۔ ''تُلْقُوْنَ اِلَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ'' دشمن کو محبت و دوستی کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہو جبکہ تم یہ بھی خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ و رسول اور تمہارے کھلے دشمن نے مکی زندگی کے ایام میں تمہارے آقا ﷺ کو کس طرح ستایا اور پریشان کیا، ان پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے۔ شعب ابی طالب میں انہیں محصور رکھا، عرصہ دراز تک ان کا ہر طرح بائیکاٹ کیا، بچوں کے بلبلانے اور بھوکوں کے تڑپنے تک کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اللہ کے گھر میں انہیں سجدہ کرنے کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ اللہ کے دشمنوں نے تمہارے دشمنوں نے اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا گھر، اپنا وطن عزیز چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور پھر انہیں مدینہ منورہ میں بھی سکون کا سانس نہ لینے دیا۔ بار باران پر حملہ آور ہوتے رہے، منہ کی کھاتے رہے پھر بھی باز نہ آئے۔ وہ یہ سب کچھ تم سے کسی ذاتی عناد کی بناء پر نہ کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ''اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ'' کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے۔ تمہارے مؤمن ہو جانے کے باعث ہی وہ تمہارے دشمن ہوئے ہیں جبکہ تم اللہ کے محبوب و پسندیدہ ہو گئے ہو۔ پس تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے ان سے باخبر رہو، ان کی ہر سازش کا مقابلہ کرتے رہو، انہیں کمزور و بے ضرر جانو کہ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ تمہارا ولی و مددگار تو اللہ ہے۔ پس تم اللہ کے سپاہی بن کر دشمن کو کچلنے اور اس کے جہاد کرنے کی تیاری میں مصروف رہو اور جب جہاد کے لئے نکل پڑو تو دشمن سے صلح اور مصالحت کی راہیں تلاش نہ کرو ورنہ وہ تم پر غالب ہونے کے خواب دیکھنے لگیں گے اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے۔ پس تم اپنے ظاہر کو ایسا سنوارو کہ تم پر دشمن کی نظر نہ جم سکے اور باطن کی اصلاح کا خیال رکھو تا کہ تمہاری ایمانی قوت و طاقت میں فرق نہ آنے پائے اور اگر تم نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو یاد رکھو کہ تم گمراہ ہو جاؤ گے، اپنی حقیقی منزل سے دور ہو جاؤ گے، عزت و شہرت سے محروم ہو جاؤ گے اور واقعی دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور اگر ایسا ہوا تو دشمن خوب تمہارا مذاق اڑائے گا، خوب تمہیں ذلیل و خوار کرے گا۔ ''وَيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ'' اور وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں گے، تم پر ظلم و ستم ڈھائیں گے، جسمانی اذیت پہنچائیں گے۔ ''وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ'' اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ کہ تمہیں غلاموں کی طرح حکم دیا کریں گے اور جب تم سے ان

کے احکام کی تعمیل میں کچھ بھی کوتاہی ہوگی تو وہ تمہیں گالیاں دیا کریں گے تاکہ تم مصائب و آلام اور ذلت وخواری سے تنگ آکر اپنا دین چھوڑ بیٹھو اور یہی تو ان کا مقصد ہے اور خوب یاد رکھو کہ تمہارے اہل وعیال اور اعزاء واقارب جو دشمن کے قبضہ میں ہیں اور جن کی محبت کے سبب تم دشمن سے نرم برتاؤ کا خیال کرتے ہو، اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہو، وہ اعزاء واقارب وہ اہل وعیال قیامت کے دن ہرگز تمہارے کام نہ آئیں گے۔ ''يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ'' کہ اس دن تو اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان ایسی دوری کردے گا کہ نہ تم ان کی مدد کرسکو گے اور نہ ہی وہ تمہارے مددگار بن سکیں گے۔ اس چندروزہ زندگی کے لئے تم کیوں اللہ ورسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتے اور اپنی عزت وآبرو کا دشمن سے سودا کرتے ہو تمہاری عزت اسی میں ہے، عافیت اسی میں ہے کہ تم اللہ کی ہدایت پر عمل کرو اور ہاں اگر تم نے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دشمن سے کوئی ساباز کر بھی لی، کوئی غیر شرعی معاہدہ کر بھی لیا تو خوب جان لو کہ تمہاری اس حرکت کو اگرچہ کوئی نہیں دیکھ پایا لیکن جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا اور سب کی خبر رکھتا ہے۔

اے ایمان والو! ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور پہنچو ہمارے خلیل ونبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک اور دیکھو ہمارے خلیل نے کس طرح ہماری رضا کے لئے اپنے اہل وعیال کی قربانی دی، ان کے ساتھیوں نے کس طرح ہماری اطاعت وفرمانبرداری کا حق ادا کیا اور تمہارے لئے ''اسوۂ حسنہ'' بہترین نمونہ قائم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ ہم تمہیں اس لئے یاد دلارہے ہیں کہ ان کی زندگی کا یہ مخصوص حصہ نہایت ہی اہم تھا۔

پس آیئے، اس موقع پر ہم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے متعلق چند سطور پیش کردیں کہ اگرچہ جملہ انبیاء ومرسلین کی عزت اور ان کا احترام ہمارے ایمان کا جز ہے لیکن اللہ کے خلیل علیہ السلام سے ہمارا خصوصی تعلق ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدامجد ہیں، ہمارے آقا ﷺ آپ ہی کی نسل مبارک سے ہیں، اسی لئے شریعت مطہرہ نے ان کی اور ان کے اہل وعیال کی بہت سی اداؤں کو ہمارے لئے قابل عمل بنایا ہے۔ قربانی آپ کی ہی یادگار ہے، حج کے اکثر و بیشتر اعمال، آپ ہی کی اداؤں کے مطابق ادا کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

انہی آیات میں ارشاد ہے: ''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ'' ''تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔'' کہ تم غور کرو انہوں نے محض ہماری رضا وخوشنودی کے لئے کس طرح اپنی قوم سے برأت وعلیحدگی کا اظہار کیا اور اعلان کیا: ''اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ'' ''یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا'': ''اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' ''ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔'' ''كَفَرْنَا بِكُمْ'' ''ہم تمہارا انکار کرتے ہیں تمہیں چھوڑتے ہیں۔'' ''وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا'' اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی پیدا ہوچکی ہے کیونکہ تم اللہ کے اور ہمارے دشمن ہو اب تم سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔۔ اب تو اسی صورت میں رابطہ ہوسکتا ہے۔'' ''حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ'' کہ تم ایک اللہ پر ایمان

لے آؤ۔ ساری دشمنیاں ختم ہو جائیں گی، سب بھائی بھائی ایک ہو جائیں گے کہ انسانوں کے رشتہ کا تعلق خون سے بعد میں ہے پہلے یہ تعلق اللہ کے تعلق سے بنتا ہے جو اس کا ہے وہی سب اہل ایمان کا ہے جو اس کا نہیں اس سے کسی ایمان والے کا کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (۲۶) (زخرف: ۲۶)

اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

پھر آپ نے چاند، سورج کو غروب ہوتا ہوا دیکھ کر فرمایا:

يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (انعام: ۷۸)

اے میری قوم میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

یہی حکم اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور نبی مکرم علی الصلوٰۃ والسلام کو دیا۔ ارشاد ہوا:

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۱۶) (الشعراء: ۲۱۶)

(حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے میں ان کاموں سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو۔

کیونکہ اللہ رب العلمین نے ان کفار و مشرکین سے لاتعلقی اور برأت کا خود بھی اعلان فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ (توبہ: ۳)

اللہ بری ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی۔

یہ اعلان عام ہے کہ مشرکین سے اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔ پس جب اللہ کا خلیل، اللہ کا محبوب اور خود اللہ وحدہ لاشریک لہٗ مشرکین و کفار اور دیگر دشمنان اسلام سے بیزار ہیں تو اہل ایمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا راز دار بنائیں، ان سے نرمی کا برتاؤ کریں، ان کے در پر کاسہ لیسی کریں، بالخصوص حالت جنگ میں تو ایسا کوئی اقدام نہایت ہی مضر اور خطرناک ہو سکتا ہے جبکہ کافروں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے مفاد کے لئے مسلمانوں سے بظاہر دوستی کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں ان کی مدد کا بھی وعدہ کرتے ہیں اور جب اپنا کام نکال لیتے ہیں تو انہی کے مقابلہ پر سینہ سپر ہو کر آجاتے ہیں۔ پس:

اے ایمان والو! ''لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ''

مختصر حالات زندگی

یہاں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات زندگی پر بھی مختصر نظر ڈالتے چلیں تا کہ آپ کی خصوصیات

کا مزید اندازہ ہو سکے۔ جن کی بناء پر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس امت کا نمونہ قرار دیا گیا۔ جس کے لئے اللہ کے حبیب نبی آخر الزماں ﷺ کی زندگی بہترین ''اسوۂ'' بہترین نمونہ ہے۔

اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت، کوفہ و بصرہ کے درمیان واقع شہر ''بابل'' میں ہوئی۔ جو آج کل عراق کی حدودِ مملکت میں ہے، یہ نمرود کا دور تھا، یہاں کے سب لوگ مشرک اور بت پرست تھے، مشرکانہ عقائد کے متعفن ماحول اور ایک جابر و ظالم حکمران کے دور میں اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

اعلان نبوت کے بعد آپ نے اپنے مشن کا آغاز اپنی قوم کے عقائد باطلہ کے رد کے ساتھ نہایت ہی فطانت اور ذہانت سے فرمایا کہ جب آپ نے تاروں، چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ ڈوبنے والے میرے یا کسی کے معبود کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر اسی وقت پہلی مرتبہ آپ نے قوم کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓ ءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔''

آپ نے فرمایا، اے میری قوم میں بری ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

میں تو صرف اس اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس کے علاوہ ہر عقیدہ باطل اور جھوٹا ہے۔

اور جب پہلی مرتبہ نمرود کے دربار میں جانے کا آپ کو موقع ملا تو اس کے سوالات کے آپ نے ایسے مسکت جواب دیئے ''فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ'' کہ کافر مبہوت و پریشان ہو کر رہ گیا۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر چند عقائد باطلہ سے تائب ہو کر حق قبول کرنے کی دعوت دی لیکن ان ظالموں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ پس ایک موقع ہاتھ آیا تو آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ ان کے عقائد کی قلعی کھولی۔ ہوا یوں کہ جب ساری قوم آبادی سے باہر جشن منانے چلی گئی اور آپ معذرت کر کے یہاں تنہا رہ گئے تو آپ ان کے بڑے بت کدے میں پہنچے اور سب سے بڑے بت کو ایک کلہاڑے سے ریزہ ریزہ کر ڈالا، واپس آ کر لوگوں نے جب اپنے معبود کا یہ حال زار دیکھا تو چلا اٹھے کہ یہ ضرور ابراہیم ہی کا کام ہے۔ لہٰذا آپ کی شاہی دربار میں طلبی ہوئی اور پوچھا گیا ''ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰاِبْرٰهِيْمُ'' اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں کی یہ درگت بنائی ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: اے عقل کے اندھو! کیا تم نے نہ دیکھا کہ بڑے بت نے مٹھائی کے سارے تھالوں پر قبضہ کیا ہوا ہے اور کلہاڑا اسی کے ہاتھ میں ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ظلم اسی نے ڈھایا ہے۔ یہ سن کر سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں سب کے سر لٹک گئے اور شرمندگی کی کیفیت میں ڈوبے، بولے اے ابراہیم ''لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ'' تم تو بخوبی جانتے ہو کہ یہ بیچارے بول نہیں سکتے تو ہم ان سے ان کا حال کس طرح پوچھ سکتے ہیں۔

اب کیا تھا وہی کیا گیا جو ظالموں کا سب سے بڑا اور آخری حربہ ہوتا ہے۔ اللہ کے خلیل علیہ السلام کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، ایسی آگ جلائی گئی جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہ تھی ادھر ابراہیم کو اس آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی نذر کیا جا رہا تھا اور ادھر قدرت کا فیصلہ جاری ہو رہا تھا۔ ''يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ'' اے آگ ہمارے خلیل کی آمد ہے

سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو کر انہیں اپنے آغوش میں لے لے۔ میرے خلیل کا بال بیکا نہ ہونے پائے ورنہ تو ہمیشہ کے لئے حرارت اور جلانے کی قوت سے محروم ہو جائے گی۔ اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کے سوا آگ کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ پس گلزار بن گئی اور وہاں پہنچ کر اللہ کا خلیل اپنے رب کی یاد میں بڑے ہی سکون واطمینان کے ساتھ محو ہو گیا اور دشمن کی یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہو سکی اب اللہ کے دشمنوں سے اللہ کے نبی کی ایک طویل جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ہمہ وقت آپ ظلم وستم کا شکار رہنے لگے کوئی اذیت ایسی نہ تھی جو آپ کو نہ دی جاتی ہو۔ اسی دوران حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہو گئی اور آپ نے اللہ کی اجازت سے اپنی قوم اور وطن کو خیر باد کہہ کر ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔

حیران ہوتے ہوئے آپ مصر پہنچے تو یہاں بھی آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا کہ یہاں کے ایک فرعون بادشاہ کو جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے حسن وجمال کی خبر ملی تو اس نے انہیں طلب کیا اور بدنیتی کے ساتھ ان کو ہاتھ لگانا چاہا لیکن اللہ نے یہاں بھی اپنے خلیل کی عزت وآبرو کی حفاظت فرمائی کہ فرعون کا وہ ہاتھ ہی شل ہو گیا جس سے وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو چھونا چاہتا تھا۔ بلبلا کر آپ ہی سے درخواست دعا کرنے لگا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی: "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ صَادِقًا فَاَطْلِقْ يَدَهٗ" اے اللہ اگر تو سچا ہے تو اس کا ہاتھ ٹھیک کر دے، ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے بطور شکرانہ خوش ہو کر اپنی کنیز حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو ہدیتاً پیش کیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آزاد کر کے اپنے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیش کیا اور ان سے نکاح کی درخواست کی۔ ابھی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہ تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام "اسماعیل" رکھا گیا۔ انہی کی نسل پاک میں ہمارے آقا نبی آخر الزماں سید الانبیاء والمرسلین ﷺ تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بھی بیٹا عطا فرمایا۔ جن کا نام "اسحٰق" رکھا گیا انہی کی نسل پاک میں بنی اسرائیل کے ہزاروں انبیاء ورسل پیدا ہوئے۔

اب اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی لیکن ابتلاء وآزمائش کا دور اب تک ختم نہ ہوا تھا۔ اسی پیرانہ سالی میں آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ اپنی زوجہ ہاجرہ اور ننھے اسماعیل کو وادی "غیر ذی ذرع" میں تنہا چھوڑ دو، یہاں آبادی تو درکنار کسی چڑیا کی آواز تک سنائی نہ دیتی تھی۔ چند دن بعد جب ساتھ لایا ہوا کھانا پانی ختم ہو گیا تو نوبت بایں جا رسید کہ ماں کی چھاتیوں میں بچے کے لئے دودھ کا ایک قطرہ تک نہ رہا، بچے نے رونا اور بلبلانا شروع کیا تو دیوانہ وار صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں کہ شاید کہیں پانی نظر نہ آئے۔ انہیں تو پانی نہ ملا لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ کے ہونے والے جد امجد کی ایڑیوں کی رگڑ سے قیامت تک کے لئے "ماءِ زمزم"، "آب شفا"، "آب برکت" کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اسی نے "وادی غیر ذی ذرع" کو ایک مقدس شہر میں تبدیل کر دیا۔ اسی کے کنارے اللہ نے باپ بیٹے کو ایسا گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا جو اس زمین پر "اول بیت" کہلائے جو قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے جائے امن بنے، جو اہل ایمان کے مضطرب دلوں کو سکون بخشے، جہاں مرادیں پوری ہوں اور خالی جھولیاں بھری جائیں جہاں ایک سجدے کا ثواب

ایک لاکھ کے برابر ہو اور جس کی قسم ارشاد فرماتے ہوئے اللہ یہ واضح کر دے کہ اس گھر کی ساری عظمتیں، برکتیں اور اس کا تقدس صرف اس لئے ہے کہ یہ میرے محبوب نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا مولد جائے پیدائش ہے۔''لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ یہ آپ کا حل ہے، آپ یہاں رونق افروز ہیں۔

یہی دور ہے جب بوڑھے ابراہیم کو نوجوان اکلوتے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے''خلّت''سچی دوستی اور خلوص کا بہترین نمونہ قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور جب باپ بیٹے اس عظیم امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں''ذبح عظیم''کا فدیہ دیا جاتا ہے۔ بایں صورت کہ ہمیشہ سال میں ایک مرتبہ ان کی اس ادا کو تازہ کیا جاتا رہے اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں۔''اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۔''

اس مختصر تحریر کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے خلیل علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی انہی خوبیوں کو ہمارے لئے''اسوۂ حسنہ''قرار دیا اور ہم سے مطالبہ کیا کہ ہر حال میں ہم اللہ اور اس رسول ﷺ کی رضا کے خواہاں رہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دی گئی لیکن ان کا ایک عمل اس سے مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے لئے استغفار کیا:''اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ''مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کون تھے جن کے لئے آپ نے وعدۂ استغفار فرمایا کیونکہ اگر ان کا باپ''آزر''ہی تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو ایک نبی کا کافر باپ کے لئے استغفار کرنا کس طرح موزوں ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ اس حقیقت کے بھی خلاف ہوگا کہ کسی نبی یا رسول کے آباء و اجداد میں، کسی شخص کا بت پرست، مشرک یا کافر ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کی قدرے وضاحت کر دی جائے تا کہ اللہ کے خلیل علیہ السلام کا پاک دامن۔ بت پرستی کے داغ سے محفوظ رہے۔

حضرت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس مسئلہ پر خاصی تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ علماء اہل سنت کی اکثریت اس امر پر متفق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے کیونکہ انہی کی نسل سے ہمارے آقا ﷺ ہیں جبکہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں کوئی کافر یا مشرک نہ تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا''لَمْ اَزَلْ اَنْقُلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ''میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہوں اور مشرک نجس ہیں۔ اللہ نے جن کے اہل بیت تک کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرمایا ہوں ان کا دامن کس طرح شرک کی نجاست سے ملوث ہو سکتا ہے۔ پس علماء کا اتفاق ہے کہ آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا کہ اہل عرب اکثر چچا کے لئے''اب''کا لفظ

استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ کہا گیا۔ جبکہ یہ واضح ہے کہ وہ ان کے چچا تھے باپ نہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک موقع پر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے ''اَبْ'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ''رُدُّوْا عَلَیَّ اَبِیْ۔''

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ صدر الا فاضل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء اہلسنت نے بھی یہی صراحت کی ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس باپ سے وعدۂ استغفار فرمایا وہ آزر تھا لیکن وہ حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا تھا جس سے اس امید پر وعدہ فرمایا کہ شاید وہ ایمان قبول کر کے بت پرستی سے تائب ہو جائے کہ ہر شخص کے تائب ہونے اور مؤمن ہو جانے ہی کی امید رکھنا چاہئے، چاہے حالات کتنے ہی اس کے برعکس ہوں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ الزام کہ انہوں نے اپنے باپ یا چچا کے لئے وعدۂ استغفار کیا یہ جانتے ہوئے کہ وہ حالت شرک ہی میں مریں گے، کسی طرح ثابت نہیں ہوتا یہ ایک غلط فہمی ہے جو توہین رسالت و نبوت کے عادی لوگوں کی طرف سے پیدا کی گئی ہے۔ اہلسنت کو اس سے اپنے اسلاف کی تقلید و اتباع کرتے ہوئے بچنا چاہئے۔

قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متعدد دعائیں نقل فرماتا ہے تا کہ ہم بھی یہ اور ان جیسی دعا کیا کریں۔ یہاں بھی ایک دعا بتائی جا رہی ہے۔ ''رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَاغۡفِرۡلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ'' اے ہمارے رب ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ کیسی اہم دعا ہے کہ کفار کے غالب ہو جانے کے سبب، مولا! ہمیں فتنہ سے محفوظ رکھنا اور اس سلسلہ میں ہم سے جو غلطی ہو جائے اسے معاف کر دینا یہ بھی حقیقتاً کافروں سے بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان ہے، پس

اے ایمان والو! تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کافروں سے ایسے ہی بیزار اور لاتعلق ہو جاؤ کہ تمہاری دعاؤں میں بھی اس کا اظہار ہونے لگے کہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں سے بیزاری اور لاتعلقی ہی ایمان کی روح اور جان ہے۔ اسی سے ایمان کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت کے پیدا ہو جانے کے بعد اللہ تمہارا ناصر و مددگار ہوتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم کے اولین مخاطبین حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور ان کے بعد اسلاف کرام نے کفار و مشرکین کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ جس کا خود قرآن کریم نے اعلان فرمایا: ''اَشِدَّآءُ عَلَی الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ'' کہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ کفار پر نہایت ہی سخت ہیں جبکہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت مہربانی اور محبت کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سختی کے باوجود ایمانی تقاضہ کے مطابق صحابہ کی بھی یہی خواہش رہتی تھی اور آج تک ہر مؤمن یہی چاہتا ہے کہ کفار ایمان قبول کر لیں جہنمی جنتی ہو جائیں جو دور ہیں وہ حقیقت میں قریب ہو جائیں نفرتیں محبتوں میں بدل جائیں اور ایک اللہ کے بندے ایک اللہ پر ایمان لا کر ایک ہو جائیں۔ قرآن کریم ان جذبات کا احترام کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے: ''عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّجۡعَلَ بَیۡنَكُمۡ وَبَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً'' یقیناً اللہ تمہارے اور ان کے درمیان (کل) دوستی پیدا فرما دے گا، جن سے (آج) تم دشمنی رکھتے ہو۔

اگر یہ نہیں تو کل ان کی نسلیں ایمان قبول کر کے ضرور تمہاری نسلوں سے قریب ہو جائیں گی اور ایسا ہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نور ایمان نے کفر کی تاریکی کو چھانٹا اور عداوت و دشمنی مَوَدَّۃ و محبت میں تبدیل ہوئی جو دور تھے وہ قریب ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ کل جو دشمن تھے وہ آج دوست ہیں اور جو آج کافر ہیں وہ کل مومن ہوں گے۔

اے ایمان والو! تم ہماری ہدایات پر سختی سے عمل پیرا رہو۔ یہ ہم ہی جانتے ہیں کہ کب کسے کس سے دور ہونا ہے اور کسے کس سے قریب ہونا ہے کب آج کا دشمن، دوست اور آج کا دوست دشمن ہو جائے گا کہ ہم ہی ''مُقَلِّبُ الْقُلُوْب'' ہیں اپنی حکمت کے مطابق ہم لوگوں کے دلوں کا حال ادل بدل کرتے ہیں۔

مشرکین و کفار سے قطعی بیزاری اور لاتعلقی کی ہدایت کے باوجود ایسے کفار سے حسن سلوک جاری رکھنے اور ان کے معاملات میں انصاف اختیار کرنے کی اجازت دی جارہی ہے جو نہ تو اہل ایمان کے دینی معاملات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ان پر ظلم و ستم ڈھا کر انہیں ترک وطن پر مجبور کرتے ہیں فرمایا گیا ''اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ'' تم ان پر احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو کہ وہ کفر کے باوجود تمہارے دشمنوں کے زمرے میں نہیں آتے اور اسلام کسی سے دشمنی کی اور نفرت و بیزاری کی بلاوجہ اجازت نہیں دیتا۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ'' بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اسلام کی یہ وہ بے نظیر تعلیم ہے جو کوئی دین و مذہب نہیں دیتا کہ جن سے کوئی دینی تعلق نہیں ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور انصاف کی ہدایت کی جارہی ہے کہ اسلام فتنہ و فساد پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ دشمنی اور عداوت کی نمو نہیں کرتا۔ اسلام تو محبت کا، امن کا مذہب ہے۔ بیزاری اور لاتعلقی کا سبب تو کفار کی اپنی دشمنی اور سازش بنی۔ اگر وہ مسلمانوں سے دشمنی نہ کریں اور اسلام کے خلاف سازش نہ کریں تو اسلام انہیں بھی جینے کا حق دیتا ہے۔ اسلام کے دامن امن میں ان کے لئے بھی پناہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی ''قتیلہ'' تھی۔ جسے آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے طلاق دے دی تھی۔ اسی کے بطن سے آپ کی ایک صاحبزادی ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا'' تھیں۔ ہجرت کے بعد قتیلہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ تحائف لے کر مدینہ منورہ آئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کے تحائف قبول نہ کئے اور اسے اپنے گھر کے اندر تک نہ آنے دیا پھر اس واقعہ کا ذکر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اسماء تم نے ٹھیک نہیں کیا وہ تمہاری ماں ہے اس نے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اسے گھر بلاؤ اس کے تحائف قبول کرو اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

اسلام کی اس ہدایت کی مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر کفار ایمان لائیں اور دوری قرب میں تبدیل ہو نفرتیں ختم ہوں کفر و شرک کا اندھیرا چھٹ جائے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ان آیات سے متعلق حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کرتے چلئے جس سے معلومات میں یقیناً اضافہ ہوگا۔ یہ واقعہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے:

بنو ہاشم کے خاندان کی ایک باندی "سارہ" مدینہ منورہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں، اس وقت آپ فتح مکہ کی خاموش تیاری کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سختی سے ہدایت فرمائی تھی کہ یہ راز اہل مکہ پر فاش نہیں ہونا چاہئے۔ "سارہ" دربار میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے۔ اس نے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہجرت کر کے آئی ہے۔ کہا نہیں۔ فرمایا: پھر یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ اس نے عرض کی: محتاجی سے تنگ ہو کر آئی ہوں کچھ امداد کی درخواست ہے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر صحابہ نے اس کی مدد کی اور کہا اب تو چلی جا۔ حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ اس سے ملے اس کو دس دینار دیئے اور چادر دی اور کہا یہ میرے اہل خانہ کو پہنچا دینا اور ایک خط دیا اور کہا یہ اہل مکہ کے لئے ہے۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم پر حملہ کی تیاری میں مصروف ہیں لہٰذا تم اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو۔"

سارہ خط لے کر ابھی روانہ ہی ہوئی تھی کہ غیب داں آقا ﷺ کو علم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ کو جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: کہ "مقام روضہ خاخ" پر تمہیں ایک مسافر عورت (سارہ) ملے گی جو اہل مکہ کے لئے حاطب کا خط لے کر جا رہی ہے تم اس کا تعاقب کرو۔ اس سے وہ خط لے لو اور اگر انکار کرے اور کسی طرح بھی خط نہ دے تو اس کو قتل کر دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا تھا۔ اس سے خط طلب کیا لیکن اس نے سختی سے انکار کی اور کہا کہ میں تو خط کے متعلق کچھ جانتی ہی نہیں مجبوراً صحابہ واپس ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر پھر اس عورت کو روکا اور فرمایا میرے آقا ﷺ کی خبر خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی، لہٰذا تو خط نکال ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا اور آپ نے اپنی تلوار تان لی، مجبوراً عورت کو وہ خط دینا پڑا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں یہ خط پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے ملاحظہ فرمایا تو سخت افسوس ہوا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا ابھی گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: "یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں" آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے تو اہل بدر کے حق میں فرمایا ہے۔ "کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے" (حضرت حاطب بھی بدری تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے حاطب کیا یہ تمہارا ہی خط ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایک اہم راز دشمن پر افشا کرنے کا جرم کیوں کیا۔ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ ﷺ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آپ میرے لئے جو سزا بھی تجویز فرمائیں آپ کو اختیار ہے اور مجھے قبول ہے لیکن میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ایمان کے بعد میں نے کبھی کفر نہیں کیا اور نہ ہی کفار کو پسند کیا اور نہ ہی کبھی آپ سے کوئی خیانت کی اللہ گواہ ہے کہ جب سے میں نے مکہ چھوڑا ہے کبھی مجھے اہل مکہ کی محبت کا خیال تک نہ آیا لیکن یا رسول اللہ ﷺ! واقعہ یہ ہے کہ میں قریش کے ساتھ رہتا تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں ان کے خاندان سے نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل خانہ کی نگرانی کرتے ہیں، ان کا ہر طرح تعاون کرتے ہیں، میرا وہاں کوئی نہیں۔ لہٰذا مجھے اپنے گھر والوں

کی فکر ہوئی اور میں نے چاہا کہ میں اہل مکہ پر کچھ احسان کر دوں تا کہ وہ میرے اہل خانہ کا خیال رکھیں اور پھر ان پر حملہ ہو تو وہ میرے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ دیں جبکہ مجھے یقین ہے کہ عنقریب اہل مکہ پر اللہ کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ میرا یہ خط تو کیا ساری دنیا ان کی مدد کرے لیکن انہیں کوئی نہ بچا سکے گا اور ایک دن مکہ ضرور فتح ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور انہیں معاف کر دیا جبکہ اللہ پہلے ہی انہیں معاف فرما چکا ہے کہ وہ بدری ہیں۔

سورۃ الممتحنہ کی ان آیات میں جو اشکال تھے۔ الحمد للہ وہ ہماری اس تحریر سے دور ہو گئے اور حق واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقائد حقہ پر ثابت قدم رکھے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۱

الممتحنہ: ۱۰ تا ۱۱

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ (الممتحنہ: ۱۰، ۱۱)

''اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کرلو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن ہیں تو انہیں کفار کی

طرف مت واپس کرو نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے اور کوئی حرج نہیں تم پر کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور تم بھی نہ روکے رکھو کافر عورتوں کو (اپنے نکاح میں) اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے اور اگر بھاگ جائے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آئے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیویاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں تو انہیں دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔''

آیات مذکورہ کا تعلق صلح حدیبیہ کے بعد پیش آنے والے حالات سے ہے کہ کفار نے اس صلح کو اپنی فتح و کامیابی جانا اور مکہ میں بقیہ مسلمانوں کو مزید تنگ اور پریشان کرنے لگے۔ نتیجتاً یہ مظلوم مسلمان مرد و عورت کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچنے لگے تاکہ بے سہاروں کو سہارا دینے والے آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں آرام و سکون سے زندگی بسر کرسکیں لیکن مختار شریعت ﷺ کی شرعی پابندی اس معاملہ میں حائل ہوئی اور وحی الٰہی کے مطابق مؤمن عورتوں کو تو پناہ مل سکی لیکن مؤمن مرد وقتی اور عارضی طور پر دریائے رحمت سے سیراب نہ ہو سکے اور انہیں آقا کے فیصلہ کے مطابق دشمنوں کے چنگل میں واپس ہونا پڑا۔ وضاحت آگے آتی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ پہلے واقعہ صلح حدیبیہ عرض کریں تاکہ اس شرف سے بھی ہم محروم نہ رہیں کیونکہ غالباً گزشتہ اوراق میں کسی جگہ بھی یہ واقعہ تفصیلاً پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا نیز یہ واقعہ پڑھ لینے کے بعد آپ آیات کی تشریح بآسانی سمجھ سکیں گے۔

صلح حدیبیہ

حدیبیہ، مکہ مکرمہ سے ملحق ایک گاؤں کا نام ہے جس کا کچھ حصہ حرم مکہ میں اور کچھ اس سے باہر ہے۔ ۶ ھ کا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمرے کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو کافی دن سے یہ خوشخبری سننے کے لئے مضطرب تھے۔ لہٰذا مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے غلام نہایت ذوق و شوق کے ساتھ اس سفر میں شرکت کے لئے اپنے آقا ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ تقریباً پندرہ سو افراد کا یہ قافلہ اللہ کے گھر کی طرف، اللہ کی تسبیح و تحمید کرتا روانہ ہوا۔ ان کے ہمراہ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ جن کے گلے میں قلادے پہنا دیئے گئے تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ جانور قربانی کے ہیں۔ قافلہ کے پاس سوائے ایک، ایک تلوار کے کوئی اسلحہ نہ تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے سات میل باہر مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو آپ نے احرام باندھا اور اپنی اونٹنی ''قصویٰ'' کا منہ کعبہ کی طرف کر کے اس پر سوار ہوئے عمرے کی نیت کی اور بآواز بلند تلبیہ کہا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کی اتباع کی۔

قریش کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو مکہ کی گلی کوچوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ سب

ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہتے ''اپنی حفاظت کرلو کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) مکہ پر حملہ اور ہمیں تہس نہس کرنے کے لئے آ رہے ہیں'' جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ کے اس حال کی اطلاع ملی تو آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں تو حملہ کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ آپ ﷺ نے بطور احتیاط مکہ میں داخل ہونے کے لئے ایک غیر معروف راستہ اختیار فرمایا تا کہ اہل مکہ کا کوئی لشکر مقابلے کے لئے نکلا ہو تو اس سے تصادم نہ ہو۔ جب قافلہ مقام حدیبیہ پر پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی ''قصویٰ'' بیٹھ گئی لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے ایسا ہوا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اِنَّمَا حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ عَنْ مَكَّةَ''

اسے اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا۔

حدیبیہ میں قیام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کو حدیبیہ میں قیام کا حکم دیا۔ یہاں قیام کے دوران سب سے زیادہ تکلیف پانی کی رہی جس کو رحمت عالم ﷺ معجزانہ طور پر دور فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ غلاموں نے پانی کی تکلیف کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنا ایک تیر، اپنے ایک غلام کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ کسی خشک کنوئیں میں اتر کر اس کو گاڑ دو حکم کی تعمیل ہوتے ہی کنواں پانی سے لبریز ہو گیا، ﷺ۔

ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وضو فرما رہے تھے کہ چند صحابہ عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! اس پانی کے سوا اور پانی نہیں کہ ضرورت پوری کی جا سکے۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں پر پانی بہایا تو چشمہ جاری ہو گیا۔ خوب بہا کہ پندرہ سو افراد نے اپنی ضرورت پوری کی، اونٹوں کو پانی پلایا برتن بھر کر رکھ لئے اور کئی دن تک خوب سیراب ہوتے رہے کہ جہاں میرے آقا ﷺ کی رحمت برسے وہاں کون پیاسا رہ سکتا ہے۔

مذاکرات کا آغاز

اہل مکہ کی تشویش ہر آن بڑھ رہی تھی۔ خوف و ہراس نے ان کی نیند تک غائب کر دی تھی۔ بالآخر انہوں نے از خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے نمائندوں کو بھیجنا شروع کیا۔ یہاں جو آتا وہ حال دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا اور واپس ہو کر یہی مشورہ دیتا کہ ''ان لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں، وہ ہم پر حملہ کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتے، نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں اور نہ ہی دیگر سامان جنگ، قربانی کے اونٹ، قلادے پہنے ان کی چراگاہ میں چر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں عمرے کی اجازت دینا چاہئے اور اللہ کے گھر کے زائرین کو زیارت سے نہیں روکنا چاہئے لیکن قریش ان صحیح مشورہ دینے والوں کی گفتگو سن کر کچھ غور کرنے کی بجائے مزید برافروختہ ہوتے اور کعبۃ اللہ کے مسافروں پر حملہ کرنے کا ہی فیصلہ سناتے۔''

عروہ بن مسعود ثقفی سے قریش نے کہا کہ آپ جائیں اور مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح واپس چلے جانے پر آمادہ کریں۔ عروہ ایک معمر نہایت تجربہ کار شخص تھا۔ قریش اور دیگر قبائل عرب اس کا احترام کرتے اور اس پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس نے قریش کو جواب دیا کہ تم میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرو گے جیسا پہلے نمائندوں کے ساتھ کرتے آ رہے ہو۔ لیکن قریش

نے بے حد اصرار کیا، لہٰذا عروہ جانے پر تیار ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر اس نے طویل گفتگو کی، دوران گفتگو عرب کے دستور کے مطابق وہ میرے آقا ﷺ کی مقدس داڑھی کو بار بار ہاتھ لگاتا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے کئی مرتبہ منع کیا۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے سخت لہجہ میں اس سے کہا: ''اگر اب تو نے یہ حرکت کی تو تیری یہ انگلیاں کاٹ دوں گا۔'' دوران گفتگو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ ''تمہاری قوم جس نے تمہیں اہل مکہ پر حملہ کرنے کے لئے یہاں روکا ہوا ہے، وقت پڑنے پر سب بھاگ کھڑے ہوں گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو گرجتے ہوئے بولے: ''او! لات کا غلیظ چیچڑا چاٹنے والے، ہم اپنے آقا ﷺ کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز بھاگنے والے نہیں عروہ نے یہ سنا تو حیرت زدہ رہ گیا۔'' عروہ کو صحابہ کرام کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت و اطاعت شعاری اور اتباع پیروی نے بے حد متاثر کیا۔ اس نے واپس آ کر اہل مکہ کے سامنے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا وہ سیرت و احادیث کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے:

''اے اہل قریش تم جانتے ہو کہ میں بارہا، قیصر و کسریٰ اور دیگر بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں لیکن جاں نثاری و جاں بازی اور عقیدت و محبت کی جو کیفیت میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے غلاموں میں پائی ہے مجھے اس کی نظیر کہیں نظر نہ آئی وہاں تو یہ حال ہے کہ اگر محمد بن عبداللہ (ﷺ) تھوکتے ہیں تو ان کے غلام اسے ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو یہ عشاق پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے بلکہ اسے ذریعہ شفا جان کر پی لیتے ہیں اپنے چہروں، سینوں اور جسم پر ملتے ہیں جب وہ کسی کام کا اشارہ کرتے ہیں تو سب دوڑتے ہیں تاکہ ان کے حکم کی تعمیل کا شرف حاصل کر سکیں۔ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کھڑے ہوتے ہیں تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے آقا (ﷺ) کے اشارۂ ابرو پر جان کی بازی لگا دینے کے منتظر رہتے ہیں، لہٰذا تمہارا یہ خیال خام اور لغو ہے کہ ایسے غلام اپنے آقا کو برے وقت میں چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے۔ پس میری رائے ہے کہ تم انہیں اللہ کے گھر کی زیارت سے روکنے کی غلطی ہرگز نہ کرو۔ اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا بلکہ انہیں خوش دلی سے اجازت دو۔ ان کا استقبال کرو، کعبۃ اللہ کے خدام کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری کرو اور اللہ کے مہمانوں کی خاطر مدارت کرو۔ تمہارے اس احسان کا وہ تمہیں کسی نہ کسی وقت پورا پورا بدلہ دیں گے کہ وہ دوسروں پر احسان کرنے والے لوگ ہیں۔''

لیکن کفار مکہ کے دل مسلمانوں کی عداوت و نفرت سے اس قدر بھرے ہوئے تھے کہ وہ صلح و آشتی کی کوئی بات کسی سے سننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں دشمنی کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں انہیں وہ کسی نہ کسی طرح جنگ کے بھڑکتے شعلوں میں تبدیل کر دینا چاہتے تھے چاہے وہ انہیں ہی خاکستر کر ڈالے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے معتمد و محترم شخص عروہ کی بھی کسی بات پر دھیان نہ دیا اور اہل ایمان کو خوفزدہ کرنے اور جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے مزید حرکتیں کرنے لگے۔ کبھی

ان پر پتھراؤ کرا دیتے تو کبھی ان کی چراگاہ میں گھس کر اونٹوں کو بھگاتے اور دوڑاتے تھے۔ اس دوران صحابہ کرام نے متعدد کفار کو گرفتار بھی کیا لیکن حضور ﷺ نے سب کی رہائی کا حکم دیا کہ آپ کسی بھی نوعیت کفار کو جنگ کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ غلام ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار و آمادہ تھے۔

سفیر اسلام کی روانگی

مصلحتاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے نمائندے اور سفیر کو مکہ بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ جس کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا گیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل مکہ پر بہت احسانات تھے۔ ان کا قبیلہ بھی وہاں آباد تھا لہٰذا یہ توقع تھی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بات پر غور کریں نیز انہیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچا سکیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے آپ نے انہیں نہایت وضاحت اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ ہم اور ہمارے آقا ﷺ صرف اور صرف اللہ کے گھر کی زیارت کے لئے آئے ہیں جنگ کا کوئی وہم و گمان تک نہیں لہٰذا ہمیں ہمارا کام کرنے دیا جائے۔ ہم چند دن یہاں رہ کر واپس ہو جائیں گے لیکن عقل کے اندھوں نے آپ کی بھی کسی بات پر غور نہ کیا۔ بس اتنا کہا کہ ''عثمان اگر چاہو تو تم عمرہ کر لو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے برملا جواب دیا ایسا جواب جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل ایمان کے دلوں کو اپنے آقا ﷺ کی محبت و الفت سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''مَا كُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

میں اس وقت تک طواف کعبہ نہیں کروں گا جب تک میرے محبوب اللہ کے رسول ﷺ نہیں کریں گے۔

اللہ اکبر، کیسا عجیب جواب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حالت احرام میں، حرم میں موجود ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر مؤمن پر اللہ کے گھر کا طواف لازم ہے، اب کوئی رکاوٹ بھی باقی نہیں پھر بھی انکار فرما رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بھی تو جانتے ہیں کہ ایمان، روح ایمان، جان ایمان، مغز ایمان آقا کی غلامی ہے ان سے عشق و محبت ہے۔ جس کا تقاضا یہی ہے کہ مؤمن یہ یقین رکھے کہ کوئی عبادت رسول کی اطاعت و پیروی کے بغیر قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے۔ اگر میرے آقا ﷺ کو اللہ کے گھر میں حاضری کا موقع حاصل نہیں تو میری حاضری کس کے وسیلہ سے قبول ہوگی۔ جب محبوب رب ﷺ کی قیادت ہی نہیں تو رب کعبہ کی طرف سے اجابت کیوں کر ہوگی۔

ادھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں باتیں کرنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قابل رشک ہیں۔ انہیں خوب موقع ہاتھ آیا وہ تو روزانہ ہی اللہ کے گھر کا طواف کر رہے ہوں گے خوب خوب لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

آقا ﷺ نے غلاموں کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مَآ اَظُنُّهٗ طَافَ بِالْبَيْتِ وَنَحْنُ مَحْصُوْرُوْنَ''

میرا خیال ہے کہ عثمان کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے جبکہ ہمیں اللہ کے گھر میں داخل ہونے سے روک دیا

کیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا اعتماد ہے آقا کو اپنے غلام پر جو قابل رشک بھی ہے اور غلام کی عظمت و رفعت کو سمجھنے کے لئے کافی بھی ہے۔ جو آقا ﷺ کی نظروں میں اس قدر قابل اعتماد ہے وہ امت کی نظروں میں کیوں کر قابل احترام نہ ہو۔

بیعت رضوان

بیعت رضوان یعنی وہ بیعت جس کے کرنے والوں سے اللہ راضی ہو گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مطمئن وخوش ہو گئے۔ اسی کو بیعت شجرہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک درخت کے نیچے رونق افروز ہو کر یہ بیعت لی۔ قرآن کریم، سورۃ الفتح میں اس بیعت کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (الفتح: ۱۸، ۱۹)

یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مؤمنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی۔ درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور ایمان انہیں قریبی فتح بخشی اور (عطا کیں) بہت سی غنیمتیں بھی جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ افواہ پھیلی کہ انہیں کفار مکہ نے شہید کر دیا ہے۔ نیز انہیں غیر متوقع تاخیر ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام میں اضطراب پیدا ہوا اور وہ مکہ پر حملہ کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرنے لگے۔ آپ نے ان کو مطمئن کرنے کی غرض سے فرمایا: "اگر عثمان کو اہل مکہ نے شہید کر دیا تو ان کا بدلہ لئے بغیر ہم یہاں سے نہ جائیں گے۔" آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو حکم دیا کہ آؤ بیعت کرو "عَلٰی اَنْ لَّا یَفِرُّوْا" اس بات پر کہ حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، دشمن کا دباؤ کتنا ہی سخت ہو جائے۔ سر کٹا دیں گے جان دے دیں گے لیکن بھاگیں گے نہیں۔ اب کیا تھا غلاموں کی قطاریں بن گئیں، جان کی بازی لگانے کا عہد کرنے کے لئے سب ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سنان ابن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کی اور عرض کی "یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُبَایِعُکَ عَلٰی مَا فِیْ نَفْسِکَ" جو آپ کے جی میں ہے میں اسی پر بیعت کرتا ہوں۔ (یہ جذبہ ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ غلام یہ جاننا ہی نہیں چاہتا کہ مجھے کس بات پر سر کٹانا ہے بلکہ وہ اپنی جان بلاشرط اپنے آقا کے سپرد کر رہا ہے کہ آپ جب چاہیں اور جس کام کے لئے چاہیں مجھے قربان کر دیں) حضور ﷺ کو سنان کا یہ جملہ بے حد پسند آیا اور آپ نے تمام غلاموں سے اسی شرط پر بیعت لی۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ابتداء، درمیان اور آخر میں تین مرتبہ بیعت کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے اعزاز

جب صحابہ کرام کی بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو آقا ﷺ نے اپنے اس غلام کو یاد فرمایا جو پہلے ہی اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل میں دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ فِىْ حَاجَتِكَ وَحَاجَةِ رَسُوْلِكَ۔''

اے اللہ، یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے جو تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں گیا ہوا ہے۔

صحابہ کرام کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ہم سے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہادت عثمان کے انتقام کے لئے بیعت لے رہے ہیں اور خود عثمان کی طرف سے بیعت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان کی شہادت کی خبر غلط ہے۔ یہ بیعت صرف ہمیں مطمئن کرنے اور کفار مکہ کو مرعوب کرنے اور یہ پیغام پہنچانے کے لئے کی گئی ہے کہ ہم اپنے قائد و آقا ﷺ کو چھوڑ کر کبھی نہیں بھاگ سکتے۔ ان کے حکم پر سر کٹانا ہی ہمارا حاصل زندگی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ میں یہ دوسری مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے کلی اعتماد کا اظہار فرمایا۔ ایک اس وقت جب صحابہ کو خیال ہوا کہ عثمان تو کعبہ کا خواب طواف کر رہے ہوں گے اور دوسرے اس موقع پر یہ تو انتہائے اعتماد ہے کہ عثمان کی طرف سے خود ہی ان کا سر کٹانے کی بیعت لے لی۔ عزیزو! اس سے بڑھ کر ایک غلام کے لئے اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ آقا اس سے پوچھے بغیر اس کے سر کا سودا کر دے اور وہ اس پر راضی ہو۔ صحابہ کرام میں یہ شرف صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔

صلح حدیبیہ

جب بیعت شجرہ کی خبر اہل مکہ کو پہنچی تو ان کے دل لرز اٹھے۔ اب انہیں یقین ہی ہو گیا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کئے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بعافیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں کو بے حد خوشی اور مسرت ہوئی۔ انہوں نے اہل مکہ کے خوف و ہراس اور بدحواسی کا حال سنایا تو مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ ہوئی اور اب وہ صرف جنگ کے لئے آمادہ نظر آنے لگے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ابھی ہمیں قریش کے آئندہ اقدام کا انتظار کرنا ہے۔ جنگ یا صلح کا فیصلہ انہی کی پیش رفت کے مطابق ہوگا۔

ادھر کفار مکہ اب سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے اور مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے جمع ہوئے اور طویل مذاکرات کے بعد فیصلہ ہوا کہ سہیل بن عمرو کو محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے گفتگو کے لئے بھیجا جائے تا کہ وہ صلح کا کوئی راستہ نکالیں۔ سہیل قریش کی ہدایات اور شرائط صلح لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا ''قد سهل امركم'' اب تمہارا کام آسان ہو گیا (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمائندے کے نام کی مناسبت سے نیک فال لی) سہیل نے حاضر دربار ہو کر صلح کی پیش کش کی۔ جس پر طویل گفتگو ہوئی۔ دوران گفتگو کبھی کبھی سہیل کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ عباد بن بشر نے اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: آواز اونچی کر کے بات نہ کر کہ یہ ہمارے

آقا ﷺ کے دربار کے آداب کے خلاف ہے۔ اب سہیل سہم گیا اور دھیمی آواز سے گفتگو کرنے لگا۔ شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد معاہدہ لکھنے کا اعزاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بخشا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "علی، لکھو" بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سہیل تڑپا۔ کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے (العیاذ باللہ) علی وہ لکھو جو ہم لکھا کرتے ہیں یعنی "بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ" مسلمانوں کو سہیل کی یہ بات نہایت ہی بری معلوم ہوئی لیکن پیغمبر امن وسلامتی ﷺ نے غلاموں کو خاموش کیا اور فرمایا: علی وہی لکھ دو جو سہیل کہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے آگے لکھو" ھٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی۔ سہیل "رَسُوْلُ اللّٰهِ" کے لفظ پر بھی بھڑکا۔ اور کہنے لگا اگر آپ کو ہم اللہ کا رسول ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا رہتا اب تو مسلمانوں کی برافروختگی انتہا کو پہنچ گئی۔ وہ سراپا احتجاج بن گئے کچھ نے صلح سے انکار کیا تو کچھ مکہ پر حملہ کرنے اور سہیل کو قتل کر دینے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ شیطان لعین نے غلامان مصطفیٰ کے درمیان بھی اختلاف پیدا کر دیا حتیٰ کہ وہ آپس ہی میں تلخ کلامی پر اتر آئے۔ سہیل اس منظر کو دیکھ کر پیکر حیرت بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا: "مَا رَأَیْتُ قَوْمًا اَحْوَطَ لِدِیْنِھِمْ مِنْ ھٰؤُلَاءِ" میں نے کسی قوم کو اپنے دین میں ان لوگوں سے زیادہ محتاط نہ دیکھا۔ بالآخر آقائے رحمت ﷺ نے غلاموں کو تسلی دی صبر و استقامت کی تلقین کی اور فرمایا: "عَلِیُّ، اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَاکْتُبْ" علی میں محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہوں لہٰذا تم یہی لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔

معاہدے کی جو شرائط طے ہوئیں وہ بحمد اللہ احادیث کی کتابوں میں ہو بہو محفوظ ہیں۔ جن کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

> "اے اللہ تیرے نام سے، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی پر دست درازی نہ کرے گا، کوئی چوری اور خیانت کا مرتکب نہ ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کے راز افشا نہیں کریں گے اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کرے، مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس پہنچے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور اگر آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص قریش کے پاس پہنچے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے اور محمد (ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال اپنے صحابہ سمیت عمرہ ادا کرنے آئیں گے اور مکہ میں تین روز قیام کریں گے اور تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔"

معاہدہ قابل غور ہے جسے کفار اپنی کامیابی و کامرانی اور مسلمانوں پر غلبہ کا وثیقہ سمجھ کر فخر کر رہے تھے جبکہ نتائج سے بے خبر عشاق افسردہ وغمزدہ تھے اور ان کے آقا ﷺ کے چہرۂ مبارک پر طمانیت کے آثار نمایاں تھے۔ اہل ایمان کو افسوس اس بات پر تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے آقا ﷺ کو ایک ایسا معاہدہ قبول کرنا پڑا جس کے شرائط میں بظاہر کافروں کی بالادستی نظر آ رہی تھی جبکہ غلاموں کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس قدر رنجیدہ خاطر تھے کہ

ایک کونہ میں خاموش بیٹھے آنسو بہا رہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور بولے "اَلَیْسَ ھٰذَا نَبِیُّ اللّٰہِ حَقًّا" اے ابوبکر، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سچے نبی نہیں، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک طویل گفتگو کر ڈالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا اور جذبات پر قابو پانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: "اَیُّھَا الرَّجُلُ اِنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَلَیْسَ یَعْصِیْ رَبَّہٗ وَھُوَ نَاصِرُہٗ" اے شخص، بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا مددگار ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن سے آخر دم تک وابستہ رہو اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا اور اپنی غلط سوچ پر نادم و شرمندہ ہوئے انہیں ساری زندگی اپنی اس غلطی کا احساس رہا جس کے لئے وہ ہمیشہ بکثرت نوافل پڑھتے، صدقہ و خیرات کرتے، غلاموں کو آزاد کرتے اور اللہ سے معافی کے طلبگار رہتے تھے جبکہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے تو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کی معافی کا عام اعلان قرآن کریم کے ذریعہ پہلے ہی کر دیا ہے۔ "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔"

معاہدے کی پابندی

معاہدے کے دوران ہی اہل ایمان پر افسردگی کے بادل چھانے لگے تھے کہ اسی دوران ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے جذبات کو مزید بھڑکا دیا۔ ہوا یہ کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل مسلمان تھا۔ مکہ میں قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا تھا وہ کسی نہ کسی طرح زنجیروں میں جکڑا۔ حدیبیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جونہی اس پر صحابہ کی نظر پڑی وہ دوڑے آئے اس کو گلے لگایا اور زنجیریں کھولیں۔ آقا ﷺ کے دربار میں حاضر کیا۔ ابوجندل نے پناہ کی بھیک مانگی ظالم باپ نے اسے دیکھا تو بھڑک اٹھا بولا اے محمد (ﷺ) معاہدہ ہو چکا ہے۔ جس کی رو سے آپ ہمارے کسی شخص کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے۔ لہٰذا ابوجندل کو مکہ واپس جانا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں یہ معاہدہ اسی وقت ختم کرتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس احمق کو بہت سمجھایا کہ ابھی تو معاہدہ پورا نہیں ہوا ہے۔ اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے ہیں تو اس پر عمل کی ابتداء کیسے ہو سکتی ہے لیکن سہیل نے ایک نہ سنی اور اپنی بات پر اصرار کرتا رہا۔ بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوجندل کو سمجھایا اور فرمایا: "اے ابوجندل، صبر کرو اور اس کے اجر کی اللہ سے امید رکھو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے مظلوم ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے۔ ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا۔ اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے۔" غلام نے اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے گئے۔

حدیبیہ سے واپسی

جیسے تیسے معاہدے کی تکلیف دہ الجھنوں کا خاتمہ ہوا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ کرتے ہوئے احرام کھول دینے اور حلق و قربانی کی ذمہ داری پوری کرنے کا اعلان فرمایا لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے جنبش تک نہ کی۔ گویا انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اس کا سبب نافرمانی و حکم عدولی یا احتجاج کا خیال ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان وفا شعار اور

اطاعت گزار غلاموں کی یہ کیفیت محض غم واندوہ کے باعث تھی جس نے انہیں اتنا نڈھال کر دیا کہ آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل تک کا احساس نہ رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے غلاموں کی اس کیفیت پر افسوس بھی ہوا اور رحم بھی آیا۔ آپ ﷺ اپنے حرم شریف میں تشریف لے گئے اور ہماری ماں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سب حال بتایا۔ غمگسار زوجہ محترمہ نے مشورہ دیا کہ آپ کسی سے کچھ کہے بغیر احرام کھول دیجئے، قربانی کیجئے اور حلق کرا لیجئے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا جونہی غلاموں نے آقا کو معمول کے مطابق لباس پہنے دیکھا۔ سب دوڑے، احرام کھولا اور آقا ﷺ کی اتباع میں دوسرے کام انجام دیئے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آقا ﷺ نے حلق کرایا۔ غلام آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ کے مقدس بالوں کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں لیتے اور آپس میں تقسیم کرتے رہے۔ قیام حدیبیہ میں یہ مسرت وخوشی کا پہلا موقع تھا کہ ایک عظیم دولت ان کو میسر آ رہی تھی۔ جس کو جتنے زیادہ بال ملتے وہ اتنا ہی زیادہ خوش نظر آتا اور دوسرے بھائی اس کو گلے لگاتے اور مبارکباد دیتے۔ غلاموں کی یہ کیفیت دیکھ کر آقا ﷺ کی تمام کلفت دور ہو گئی۔ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر بھی مسرت وخوشی کے آثار نظر آنے لگے۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ بال میسر آئے تھے جنہیں آپ نہایت حفاظت سے رکھتی تھیں اور جب کسی کے بیمار ہونے کا آپ کو پتہ چلتا تھا تو آپ اسے بالوں کا دھون پلا دیا کرتی تھیں۔ مریض فوراً شفایاب ہو جاتا تھا۔

مژدہ فتح

کھجاؤ اور تناؤ کے انیس یا بیس دن گزرنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا حکم دیا۔ صحابہ افسردہ وغم زدہ یہاں سے رخصت ہوئے۔ رب کریم کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب غلاموں پر رحم آیا۔ ابھی تھوڑی ہی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام "ضجنان" پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ جس کی پہلی ہی آیت مبارکہ مژدۂ فتح تھی: "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح عطا فرما دی) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد باری تعالیٰ غلاموں کو سنایا تو ان کی خوشی ومسرت کی انتہا نہ رہی آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ جس صلح کو اہل ایمان کے لئے ناکامی اور مغلوبیت کا سبب سمجھا جا رہا تھا وہی حقیقت میں ان کے لئے فتح مبین ثابت ہوئی۔

نتائج صلح

جس صلح نے صحابہ کرام کو رنجیدہ وغم زدہ اور نڈھال کر دیا تھا، چند دن بعد وہ اپنے نتائج واثرات کے اعتبار سے اللہ رب العزۃ جل مجدہ کے ارشاد کے مطابق "فتح مبین" ثابت ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

معاہدہ کر کے قریش نے مسلمانوں کو ایک آزاد قوم اور مدینہ منورہ کو ایک آزاد اسلامی حکومت تسلیم کر لیا تھا۔ قریش کی وجہ سے مسلمانوں کی اس سیاسی حیثیت کو دیگر قبائل عرب کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس صلح سے پہلے کفار کی طرف سے لوٹ مار، چوری ڈکیتی اور قتل وغارت کا عام سلسلہ رہتا تھا۔ اب جنگ کی سی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ راستے پر امن ہو

گئے اور مسلمان بلاخوف وخطر قبائل عرب سے رابطے کرنے لگے اس طرح تبلیغ اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اس اہم کام میں سہولت پیدا ہوئی۔ تاریخ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معاہدہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی قیصر وکسریٰ، شاہ مصر، حارث بن ابی شمر، شہنشاہ ایران اور دیگر قبائل کے سرداروں کو پیغام ارسال فرمائے اور انہیں دعوت اسلام دی۔ نیز یہود کی سرکوبی فرمائی کہ خیبر اور یہودیوں کے دوسرے قلعے فتح ہوئے۔ اگر غور کیا جائے تو گزشتہ انیس سال کے مقابلے، صلح کے بعد دو سال میں بہت زیادہ کام ہوا۔ اسی صلح سے متاثر ہو کر قبائل کثرت سے مدینہ منورہ آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ اندازہ کیجئے کہ حدیبیہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی تعداد صرف چودہ سو کے قریب تھی۔ جبکہ دو سال بعد ہی فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا تو لشکر اسلام میں دس ہزار سپاہی نظر آتے ہیں۔

اس معاہدے کی دوسری اہم شق جو صحابہ کرام پر نہایت بار گزر رہی تھی کہ ''اگر مکہ سے بھاگ کر کوئی مسلمان یا کافر مدینہ منورہ پہنچے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جبکہ مدینہ سے آنے والے کسی شخص کو کفار مکہ واپس نہیں کریں گے'' اس کے بھی نہایت اچھے نتائج برآمد ہوئے کہ مکہ میں مقیم مسلمانوں میں مزید استقلال پیدا ہوا۔ وہ نہایت صبر واستقامت کے ساتھ ظلم وستم کا مقابلہ کرتے رہے اور جو مسلمان مدینہ پہنچتے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایات کے مطابق مکہ آ کر مزید ہمت کے ساتھ خدمت دین انجام دیتے اور جو کفار مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچتے، صحابہ کرام ان کی خاطر ومدارت کرتے جس سے متاثر ہو کر ان کی آتش غیظ وغضب مدہم پڑ جاتی اور وہ اہل مکہ کے سامنے مسلمانوں کے حسن اخلاق کے گن گاتے رہتے اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کے کسی نہ کسی طرح معاون ومددگار بن جاتے تھے۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ سے کوئی مسلمان فرار ہو کر کفار کی پناہ حاصل کرنے مکہ نہیں پہنچا جس سے دنیا نے اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ اپنے آقا ﷺ کے دامن میں اتنے مطمئن ہیں اور اس قدر پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں کہ انہیں کسی کی پناہ لینے کا خیال تک نہیں آتا۔

صلح حدیبیہ کا یہ مختصر حال پیش کیا گیا جس کے مطالعہ کے بعد ہمارے لئے آیات زیر گفتگو کو سمجھنا بہت آسان ہوگا۔ پس ہوا یہ کہ اس معاہدے کے دوران ہی چند مسلمان عورتیں بھی اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے بھاگیں اور آقائے رحمت ﷺ کی پناہ کی طلب گار ہوئیں کفار کے خیال میں ازروئے معاہدہ مسلمانوں کے لئے ان عورتوں کو بھی واپس کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا انہوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا مثلاً عقبہ ابن معیط کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مدینہ پہنچیں۔ عقبہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور اس نے اپنی بیٹی کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ اسی طرح سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے کافر شوہروں کے مظالم سے تنگ آ کر دربار رحمت میں پناہ گزیں ہوئیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ نبی رحمت ﷺ کو ان عورتوں کے حال پر بے حد رحم آیا اور چاہا کہ ان کو پناہ دی جائے لیکن معاہدے کی خلاف ورزی بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔ پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق حکم نازل فرمایا:

''اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو تم ان کی جانچ پڑتال کرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی

طرف مت واپس کرو۔"

اس ارشاد کے مطابق ان مظلوم عورتوں کو اپنے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ نصیب ہونے لگی۔

ارشاد باری تعالیٰ میں یہ ہدایت قابل غور ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے مؤمن ہونے اور بوجہ ایمان ترک وطن کرنے پر اطمینان حاصل کرلیا جائے کہ اگر ان عورتوں نے مکہ صرف مال ودولت کے حصول، عیش وعشرت کی زندگی یا کسی کی محبت والفت کے سبب چھوڑا ہے تو نہ تو ان کی ہجرت قابل قبول ہے اور نہ ہی یہ دامن رحمت میں پناہ لینے کے قابل ہیں۔ ایسی عورتوں کو فوراً ان کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ہاں جن کا ترک وطن صرف اور صرف اسلام کے سبب ہو، اللہ اور رسول کی رضا کے لئے ہو، انہیں پناہ نصیب ہوگی کہ مدینہ منورہ صرف مظلومین کے لئے پناہ گاہ ہے۔ باغیوں اور بھگوڑوں کے لئے نہیں۔

اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ترک وطن کر کے آنے والی عورتوں سے باقاعدہ اس طرح حلف لیا کرتے تھے: "بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَاخَرَجْتُ مِنْ بُغْضِ زَوْجِیْ" اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اپنے شوہر سے بغض و عداوت کے سبب اپنے وطن سے نہیں نکلی۔ "بِاللّٰهِ مَاخَرَجْتُ رَغْبَةً عَنِ الْاَرْضِ" اللہ کی قسم میں صرف اس زمین کی پسندیدگی کے سبب یہاں نہیں آئی۔ "بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلْتِمَاسَ الدُّنْیَا" اللہ کی قسم میں دنیا کی تلاش میں یہاں نہیں آئی۔ "بِاللّٰهِ مَا خَرَجْتُ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" اللہ کی قسم میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے سبب اپنا وطن چھوڑا ہے۔ اس حلف کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مظلومہ کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دینے کا اعلان فرمادیا کرتے تھے۔

یہاں ہم اس غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں "کہ ان مکی عورتوں کو پناہ دینا بہر حال معاہدے کی خلاف ورزی تھی" نہیں ایسا نہیں کیونکہ یہ تو اللہ کی طرف سے استثناء تھا اور اجازت تھی جس کے بعد کسی معاہدے کی پابندی لازمی نہیں رہتی اور اس حقیقت کو کفار مکہ نے بھی تسلیم کیا کہ مسلمان وحی الٰہی کے بعد ہمارے کسی مطالبہ پر غور نہیں کر سکتے۔ اسی لئے انہوں نے ان مہاجرات کو تو چھوڑ دیا لیکن معاہدہ نہ توڑا۔ کفار کے اس عمل کے بعد اہل ایمان کا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہونا حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری کی ایک روایت سے عجیب انکشاف ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرائط معاہدہ کو بیان کرتے ہوئے اس شق کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے "عَلٰی اَنْ لَّا یَاْتِیَکَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دِیْنِکَ اِلَّا رَدَدْتَهٗ عَلَیْنَا" اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے۔ اس عبارت میں "رَجُلٌ" (مرد) کا لفظ موجود ہے۔ گویا رب کریم نے بوقت معاہدہ صنف نازک یعنی عورتوں کو کفار کے پنجہ سے نجات دلانے کا دروازہ کھلا رکھا تھا جس کا سہیل کو احساس تک نہ ہو سکا۔ پس جب مظلوم عورتوں کے مدینہ منورہ آنے کا سلسلہ شروع ہوا اور کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ نکلوا کر پڑھوایا۔ اس میں "رَجُلٌ" کا لفظ سن کر آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ان عورتوں کو پناہ دینے کا اعلان فرمادیا۔

اسی عمل رسول ہی کی تائید کے لئے وحی باری تعالیٰ کا نزول ہوا جس کے بعد کسی کے لئے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور کفار کے لئے اپنے ہی معاہدہ میں یہ لفظ ''رَجُلٌ'' سن کر کف افسوس ملنے اور حیرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

کفار و مؤمنین کے درمیان ازدواج

''لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ''

نہ وہ حلال ہیں کافروں کے لئے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مؤمنات کے لئے۔

یہ حکم بالکل واضح ہے اور دیگر احکام شرع کی طرح ہر دور، ہر جگہ اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ ''مسلمان عورتیں کافروں کے لئے حلال نہیں اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں'' یہ حکم بھی ہے، اسلامی شریعت کا قانون بھی ہے اور مؤمنات مہاجرات کو کفار کے سپرد نہ کرنے کی وجہ بھی کہ جب یہ عورتیں کفار کے لئے حلال نہیں تو انہیں کس طرح کفار کو واپس کیا جا سکتا ہے۔

اس حکم الٰہی کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج قائم تھا لیکن اس قانون کے بعد یہ رشتہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ یہی حکم مرتدین کا بھی ہے کہ نہ تو مسلمان مرد کے لئے کسی مُرتَدَّہ سے نکاح جائز ہے اور نہ مسلمان عورت کے لئے کسی مرتد سے اگر وقت نکاح دونوں مسلمان تھے اور پھر کسی وقت ان دونوں میں کوئی ایک مرتد ہو گیا تو نکاح از خود فاسد ہو جائے گا۔ اس رشتہ کو ختم کرنے کے لئے طلاق کی شرط باقی نہ رہی۔

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان رشتہ ازدواج کی ممانعت کی وجہ واضح ہے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کے لئے ایک علیحدہ ضابطہ حیات ہے جو ان کا اپنا وضع کردہ نہیں بلکہ آفاقی ہے منجانب اللہ ہے۔ ان کے تمام رشتوں اور تعلقات کی بنیاد یہی نظامِ حیات ہے۔ اگر کوئی غیر اس نظام کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اپنا ہے اور جو اپنا اس سے فرار اختیار کرتا ہے۔ اس کا انکار کرتا ہے تو وہ غیر ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی ملک کے قانون کو قبول کرنے والے اسی ملک کے ہیں۔ چاہے ان کے درمیان رنگ ونسل، زبان وغیرہ کا فرق کیوں نہ ہو لیکن جو شخص اس ملک کے قانون کی پابندی سے انکار کرتا ہے وہ باغی کہلاتا ہے۔ وہ ملک کے لئے خطرناک قرار دے دیا جاتا ہے اس کے ہر عمل پر نظر رکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر ضرورت ہوتی ہے تو اسے ملک کی سرحدوں سے باہر دھکیل دیا جاتا اور ہمیشہ کے لئے ملک میں اس کا داخلہ بند کر دیا جاتا ہے تو اگر اسلام رشتہ ازدواج جیسے اہم رشتہ پر پابندی عائد کرتا ہے اور اپنوں کو باغیوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے منع کرتا ہے تو کیا بے جا کرتا ہے۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کفار ومرتدین کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کئے ہوئے ہیں لیکن ان کے گھروں میں ہر وقت آگ اور پانی کی جنگ ہوتی رہتی ہے جو مسلمان ہے وہ نماز پڑھتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، جو کافر ہے وہ بتوں کی پوجا کرتا ہے، بھجن گاتا اور گیتا پڑھتا ہے اور اولاد، اماں، ابا کا منہ دیکھتی رہتی ہے۔ بچے سوچتے ہی رہتے ہیں کہ وہ کیا کریں، باپ کا راستہ اختیار کریں یا ماں کا یاد رکھئے اور اچھی طرح یاد رکھئے کہ جو مسلمان مرد یا عورت اس رشتہ میں منسلک ہے اگر وہ اللہ کے واضح حکم کا انکار کرتا ہے تو مرتد ہے اور اگر حکم شرع کا اقرار کرتے ہوئے اس رشتہ کو باقی رکھے ہوئے ہے تو وہ

زنا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اگر ایسا مجرم اسلامی حکومت میں پایا جاتا تو اسے مرتد ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جاتا اور زانی ہونے کی صورت میں اس پر شرعی حد جاری کی جاتی اسی لئے حکومت اسلامیہ یا مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود نہیں۔ ہاں یہ لوگ غیر مسلم ممالک کی غیر مہذب سوسائٹی میں موجود ہیں، لہٰذا یہاں کے مسلمانوں کو ان سے ہر قسم کا رشتہ اور تعلق منقطع کر لینا فرض ہے ورنہ وہ بھی گناہ میں شامل ہوں گے اور گنہگار ہوں گے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم نے کفار کو ولی اور راز دار بنانے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں جبکہ شوہر و بیوی سے زیادہ ایک دوسرے کا راز دار کون ہو سکتا ہے۔ پس کسی غیر مسلم سے رشتہ ازدواج قائم کرنا، اللہ کے اس واضح حکم کی بھی نافرمانی ہے، اسلام تو غیر مسلموں سے دوستی بڑھانے، ان کے گھروں میں آنے جانے پر پابندی اسی لئے عائد کرتا ہے کہ دوستی کے یہ تعلقات کہیں رشتہ داری میں تبدیل نہ ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنات کو پناہ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی جو اپنے کافر شوہروں کے ظلم و ستم کا محض اپنے دین کے سبب شکار ہو رہی ہوں لیکن اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ اس نے اپنے معیار عدل کو اس موقع پر بھی برقرار رکھا اور مظلوم عورتوں کو پناہ دینے والے مسلمانوں کو حکم دیا۔ ''وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا'' اور کفار کو مہر کی وہ رقم ادا کر دو جو وہ خرچ کر چکے ہیں یعنی عورتوں کو ادا کر چکے ہیں۔ اس رقم کی ادائیگی حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے جو بیت المال سے ادا کی جائے گی اور اگر بیت المال سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو مسلمان چندہ کر کے رقم جمع کریں اور ادا کر دیں کہ یہ مظلوم کی مدد ہے جو مسلمانوں کی ذمہ داری ہے چاہے اس ذمہ داری کو مسلمان حکام پورا کریں یا خود عوام کو پورا کرنا پڑے۔

ایک اہم اجازت

ایسی عورتوں کو پناہ دینے کے بعد صرف ان کی کفالت کرنا ہی کافی نہیں بلکہ ان کو باعزت زندگی ملنا ان کا حق ہے۔ نیز ان کے فطری تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے ورنہ معاشرے میں گناہ و بدکاری پھیل جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، لہٰذا اہل ایمان کو اجازت دی گئی کہ '' جن عورتوں کو تم نے اپنی پناہ میں لے لیا ان سے باقاعدہ مہر مقرر کے تم نکاح کر سکتے ہو'' اب یہ پناہ مکمل پناہ ہوگی کہ شیطان کے وسوسوں تک سے پناہ مل جائے گی اور معاشرے میں کسی قسم کی برائی پھیلنے کا خطرہ نہیں رہے گا۔

مہر کی ادائیگی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان عورتوں کی مجبوری کے باعث ان سے باندیوں والا طریقہ اختیار نہ کیا جائے یہ آزاد، باعزت عورتیں ہیں۔ لہٰذا ان سے نکاح انہی قواعد کے مطابق کیا جائے گا جو آزاد عورتوں کے لئے شریعت مطہرہ نے مقرر فرمائے ہیں اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ پہلے حکم کے مطابق ان کے مہر ادا کئے جا چکے ہیں اب دوبارہ ادائیگی کی کیا ضرورت ہے جبکہ پہلے مہر تو ان کے کفار شوہروں کو دیئے گئے جو وہ دے چکے تھے گویا ان کا قرض تھا جو ادا کیا گیا۔ اب ان سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ ان کا مطلوبہ مہر ادا کر کے ہی نکاح کر سکتا ہے۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کفر وارتداد کی صورت میں رشتہ ازدواج قائم ہی نہیں ہوتا یا منقطع ہو جاتا ہے یعنی اگر کسی مسلمان مرد نے کافر یا مرتد عورت سے نکاح کیا یا کسی مسلمان عورت نے کافر یا مرتد مرد سے نکاح کیا تو یہ نکاح ہوا ہی نہیں

یا بوقت نکاح مرد و عورت دونوں مسلمان تھے لیکن پھر کسی وقت ان دونوں میں سے کوئی ایک مرتد ہو گیا مثلاً مرزائی ہو گیا تو نکاح فاسد ہو گیا۔ دونوں صورتوں میں عورت آزاد ہے جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

''وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ''

اور تم اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو روکے نہ رکھو۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے مسلمانوں کے لئے کافر عورتوں سے نکاح جائز تھا یا کچھ لوگ ایسے تھے جو مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے لئے خصوصی طور پر ہدایت کی جا رہی ہے کہ اب ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہو چکا لہٰذا جن کے گھروں میں کافر عورتیں موجود ہیں۔ وہ ان سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔

اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صحابہ کرام نے ان کافر عورتوں کو جو سابق میں ان کی بیویاں کہلاتی تھیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور ان کے ورثاء کو ان سے اپنی لاتعلقی کی خبر دی، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو کافرہ بیویاں مکہ میں تھیں۔ آپ نے انہیں خبر دی کہ یا تو مسلمان ہو کر مدینہ آنے کی کوشش کرو اور اگر اسلام قبول نہیں تو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا لہٰذا آپ نے ان سے تعلق ختم کر لیا۔

جس طرح مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ جن عورتوں کو پناہ دیں، ان کے مہر کی رقم کفار کو ادا کر دیں اسی طرح انہیں یہ بھی اجازت دی گئی کہ جب وہ کافر عورتوں کو آزاد کر دیں تو مہر کی جو رقم وہ ادا کر چکے ہیں۔ اس کی واپسی کا وہ بھی مطالبہ کریں اور اگر کفار یہ رقم ادا کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو اس رقم سے لی جائے گی جو کفار کو ان عورتوں کے مہروں کی ادا کرنا ہے جنہیں مسلمانوں نے پناہ دی ہے یا مسلمانوں کا کافروں پر یہ قرضہ باقی رہے گا جس کو موقع ملنے پر وہ وصول کریں گے۔

''وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ''

اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں میں سے کفار کی طرف۔

یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی مسلمان کی مسلمان عورت ایسی آوارہ اور عیاش ہو کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی کافر کے پاس چلی جائے۔ پس قرآن کریم نے ایسی صورت کے لئے بھی قانون عطا فرمایا کہ کفار سے اس عورت کے مہر کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر کوئی کافرہ عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائے تو وہ اس کے ذریعہ اپنی رقم کا حساب چکا لیں گے۔

تاریخ صحابہ میں صرف ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ حضرت عیاض بن غنم قریشی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الحکم بنت ابی سفیان مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلی گئیں لیکن فتح مکہ سے قبل ہی اللہ نے انہیں ہدایت دی اور انہوں نے تائب ہو کر اسلام قبول کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ قانون عطا فرما دیا تا کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اہل ایمان کو قانون شریعت میں کسی کمی کا احساس نہ ہونے پائے کہ بحمد اللہ ہمارا نظام شریعت نہایت مکمل ہے۔ پس

اے ایمان والو! تم فخر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنے محبوب نبی آخر الزمان ﷺ کی غلامی کا شرف بخشا۔ جن کے وسیلہ جلیلہ سے تمہیں ایسی کامل و مکمل شریعت نصیب ہوئی جس کی زمانہ بھر میں تمہیں نظیر نہیں مل سکتی، لہٰذا

تمہیں ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا کہ تم اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے غیروں کے قوانین زندگی کو اپناؤ جو آفاقی نہیں بلکہ ان کے اپنے گڑھے ہوئے ہیں جو انہیں خود باعزت نہ بنا سکے تو تمہیں ان کو اپنا کر کیسے عزت میسر آ سکے گی۔ ذرا اپنے نظام حیات پر غور کرو اس کی خوبیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو تو تم اس میں اپنے لئے رحمت و راحت اور عزت و عظمت، سکون و طمانیت کے سوا کچھ نہ پاؤ گے کہ تمہارا دین، دین امن ہے، دین عدل ہے۔ ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ ''اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ'' کیا تم اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہوئے تو تم اچھی طرح جان لو کہ ''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' جو اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا (اختیار کرے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص قیامت کے روز خسارے اور نقصان میں رہے گا۔ ہائے، ہائے، وائے وائے کرتا ہوگا لیکن اس کی سنوائی نہ ہوگی، پس

اے ایمان والو! ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ'' اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو کہ ایمان کا مقتضی یہی ہے اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاهِ رحمةٌ للعلمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖۤ اَجْمَعِیْنَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۲

الممتحنہ: ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ (الممتحنہ: ۱۳)

اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں۔

آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی طور پر اس قوم سے دوستی کی ممانعت کی جا رہی ہے جس پر اللہ کا غیظ و غضب نازل ہو چکا ہے جبکہ کفار سے دوستی مطلقاً حرام ہے۔ جس کی تفصیل آپ گزشتہ اوراق پر کئی جگہ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ دوستی سے مراد عام تعلقات نہیں یعنی کاروباری یا تجارتی تعلقات کی ممانعت نہیں ہے نہ ہی بوقت ضرورت ان کی امداد کرنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت ولی یعنی اپنا راز دار دوست بنانے کی ہے کیونکہ اس قسم کی دوستی کی بنیاد اعتماد ہوتا ہے جبکہ کوئی کافر قابل اعتماد نہیں وہ موقع ملنے پر مسلمان کو نقصان پہنچانے سے ہرگز نہیں چوک سکتا جیسا

کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

اب ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جس قوم پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے اور جس سے دوستی کی یہاں خصوصی ممانعت کی گئی وہ کونسی قوم ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء کرام نے صراحت کی ہے کہ قوم مغضوب علیہم، یہودی ہیں۔ ملاحظہ ہو اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (البقرہ:٦١)

اور مسلط کر دی گئی ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (البقرہ:٩٠)

پس وہ مستحق ہو گئے مسلسل غضب کے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (اٰل عمران:١١٢)

مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں یہ پائے گئے سوا اس کے کہ اللہ کے عہد سے یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضب الٰہی کے اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ (المائدہ:٦٠)

وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾ (اعراف:١٥٢)

بیشک جنہوں نے بنالیا بچھڑے کو معبود جلد ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔

ان آیات مقدسہ پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ کس قدر رشد ومد کے ساتھ یہودیوں پر لعنت، غیظ وغضب اور ذلت و مسکنت کا اعلان کیا جا رہا ہے تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں ان کی ظاہری سج دھج اور عارضی ووقتی حکومت وطاقت دیکھ کر ان کے باعزت اور دولت مند ہونے کا شائبہ تک نہ آنے پائے بلکہ وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ان کی ذلت وخواری پر یقین رکھیں اور انہیں کسی بھی صورت قابل اعتناء اور قابل توجہ نہ جانیں۔

اے ایمان والو! "وَلَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ" جس قوم پر اللہ کا غضب ہے اسے اپنا دوست نہ

بناؤ۔ وہ تو ملعون و مغضوب ہیں کہ کبھی انہیں بندر تو کبھی خنزیر بنایا گیا وہ تو شیطان کے پجاری ہیں، وہ بدترین و گمراہ قوم ہیں جبکہ تم تو میرے محبوب سید الانبیاء ﷺ کے غلام ہو۔ جس کی غلامی نے تمہیں ''خیر امت'' ہونے کا شرف بخشا تمہارے سر پر تو ان کی سرپرستی کا وہ تاج ہے جو دنیا کے کسی شہنشاہ بادشاہ کو بھی میسر نہیں۔ تمہارے رب نے تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا مژدہ دیا تمہارے دامن سے عزت و عظمت اور فلاح دارین کو وابستہ کیا۔ اس نے ہر حال میں تمہارا حامی و ناصر ہونے کا تم سے وعدہ فرمایا ہے تو تم ایک بدترین و مغضوب قوم سے کیوں مرعوب ہوتے ہو۔ اطمینان رکھو یہ تمہارا کبھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس ہم یہ پسند فرماتے ہیں کہ تم ہر وقت حتیٰ کہ اپنی نمازوں میں بھی دعا کرتے رہا کرو۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۝

(اے ہمارے رب) ہمیں ہدایت عطا فرما سیدھے راستہ کی ان کے راستہ کی جن کو تو نے انعامات سے نوازا ہے ان کے راستہ کی نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی گمراہوں کے راستے کی۔

یہود کی ذلت کے اسباب

بنی اسرائیل جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کی اولاد ہیں۔ جس کا نام ''یہودا'' تھا۔ اسی نسبت سے یہودی کہلاتے ہیں جب کہ آج کل کے یہودی بھی بنی اسرائیل ہی کی اولاد ہیں۔ انسانی تاریخ میں اس سے زیادہ باغی و سرکش قوم نظر نہیں آتی۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی سب سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر پانچ سو چودہ مقامات پر موجود ہے۔ اس کثرت ذکر کی وجہ اس قوم کی عزت و رفعت نہیں بلکہ وہ بدعملی و بغاوت ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو کبھی بندر بنایا تو کبھی سور اور کبھی ان پر جوؤں کا تو کبھی مینڈکوں کا عذاب نازل فرمایا۔ اسی پے در پے غضب الٰہی کے باعث یہ نمونہ عبرت و بصیرت بن گئے اور ہمیشہ کے لئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں محفوظ کر دیا گیا تاکہ قیامت تک قرآن کریم پر ایمان رکھنے والے ان سے عبرت حاصل کرتے رہیں۔

یہودیوں کی بدکرداری اور بغاوت کا اندازہ مختصراً اس سے کیا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے انہیں اس ظلم و باغی فرعون سے نجات دی۔ جس نے ایک عرصہ دراز سے انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور ظلم و ستم کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جو ان پر نہ آزمایا جاتا ہو حتیٰ کہ اس نے اپنی سلطنت کو بچانے کی غرض سے ایک مدت تک بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ کا قتل عام کیا لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلائی، مصر سے نکالا اور ان کا پیچھا کرنے والے ظالم فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے اور اپنے نبی کی اطاعت قبول کرنے کے بجائے ناشکری کی اور طرح طرح سے اپنے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ انہوں نے غرق فرعون کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس پر تو انہوں نے اظہار شکر نہ کیا بلکہ تھوڑی ہی دور پہنچ کر جب انہوں نے ''سینا'' کے بت کدے میں بتوں کی پوجا ہوتے دیکھی تو ''قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَةٌ'' کہنے لگے اے موسیٰ جیسے ان لوگوں کے

معبود بت ہیں ایسے ہی ہمارے لئے معبود بت بنا دے۔

فرعون کی غرقابی اور اس سے نجات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مقام ''تیہ'' پہنچے۔ یہ ایک بیابان جنگل تھا، جہاں دور دور سبزہ اور پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس میدان میں قیام کے دوران اس ناشکری قوم نے جس طرح اپنے نجات دہندہ اور اللہ کے نبی کو ستایا اور پریشان کیا۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام میزبان تھے اور پوری قوم ان کی مہمان وہ بھی اس طرح کہ ہر مہمان یہی سمجھتا تھا کہ اس نے اپنے میزبان کی دعوت قبول کر کے اس پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ لہٰذا جس کا جو جی چاہتا وہ مطالبہ کر بیٹھتا۔ ذرا پانی کی تکلیف ہوئی چیخ اٹھے اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی سفارش کے سبب، ان کے بارہ قبیلوں کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری کر دیئے تو کیا مجال کہ اس پانی سے سیراب ہوتے ہوئے ان بدنصیبوں کی زبان پر ایک لفظ بھی شکرِ الٰہی کا آیا ہو یا ان کے دل میں نبی کی محبت کا جذبہ پیدا ہوا ہو۔ پھر جب انہیں یہاں کھانا پکانے میں دشواریاں ہوئیں تو نبی ہی کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے غیب سے کھانے پینے کا انتظام فرما دیا اور ''مَنٌّ و سَلوىٰ'' نازل ہونے لگا۔ دھوپ کی تمازت اور گرمی کی شدت سے بچانے کے لئے ربّ کریم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا۔ جس سے ہر وقت ان کو راحت وسکون میسر رہتا تھا حتیٰ کہ ان کا کوئی قافلہ اس میدان سے باہر سیر وتفریح کے لئے بھی نکلتا تو بادل اس پر سایہ فگن ہوتا تھا۔

ان انعاماتِ الٰہیہ کی ان بدبختوں نے اس طرح قدر کی چند دن بعد ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم یہ آسمانی کھانا، کھاتے کھاتے اب اکتا گئے۔ ''فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا'' اے موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ زمین سے ہمارے لئے ساگ، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز جیسی چیزیں اگا دے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا: ''اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ''، کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا چیزیں چاہتے ہو تو جاؤ۔ ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَا سَاَلْتُمْ'' شہر چلے جاؤ تمہاری سب مطلوبہ اشیاء وہاں مل جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بحکم الٰہی طور پر تورات لینے گئے۔ ادھر ان بدبختوں نے گائے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ انجام کار ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا کہ انہیں خود ہی اپنے اعزاء واقارب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا پڑا۔ باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے قتل کیا۔ اس طرح تین ہزار مجرم جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، چند گھنٹوں میں قتل کر دیئے گئے۔ بالآخر نبی ہی کو ان پر رحم آیا اور اس نے ہی اپنے ربّ رحیم وکریم سے ان کی جان بخشی کی دعا کی۔ اللہ نے اپنے نبی کی دعا کو قبول فرمایا۔ قتل کا عمل رک گیا اور پھر ایک مرتبہ ان کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کا موقع فراہم کیا گیا۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اللہ نے طور پر مجھے تمہارے لئے کتاب ''تورات'' عطا فرمائی ہے جو تمہاری زندگی کے لئے ایک نظام ہے اب تمہیں اسی کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ

لوگ اللہ کی کتاب کو دیکھ کر خوش ہوتے اللہ کی اس نعمت کے حصول پر جشن مناتے، اپنے نبی کا شکریہ ادا کرتے اور اس کتاب کا علم حاصل کر کے اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیتے لیکن ہائے، شومئ قسمت شدید سابقہ سزاؤں کے باوجود ان کی سرشت میں ذرہ بھر تبدیلی نہ آئی اور انہوں نے اپنے نبی سے کج بحثی شروع کر دی حتیٰ کہ کہنے لگے: ''لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً'' اے موسیٰ ہم اس وقت تک تمہاری بات پر یقین نہیں کر سکتے جب تک اللہ کو کھلم کھلا، بے حجاب نہ دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں نرمی وسختی سے سمجھانے کی ہر چند کوشش کی اور بہت چاہا کہ یہ اس جاہلانہ مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں لیکن ان احمقوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر آپ نے اتمام حجت کے طور پر ان میں سے ستر افراد کو چنا جو معمر بھی تھے اور انہیں عقلمند بھی سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو لے کر آپ کوہِ طور پر دوبارہ تشریف لائے اور اللہ کے دربار میں دعا کی کہ مولیٰ تو ان لوگوں کی موجودگی میں مجھ سے اس طرح کلام فرما کہ یہ لوگ بھی تیرے کلام کو سن سکیں، دعا قبول ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک نور نے گھیر لیا۔ رب ہمکلام ہوا انہوں نے بھی غائبانہ آواز سنی اور جب نور کی چادر اٹھ گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے رب کا کلام سن لیا انہوں نے اقرار کرتے ہوئے پھر اپنا مطالبہ دہرا دیا کہ آواز تو ہم نے سن لی لیکن ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک رب کو بلا حجاب نہ دیکھ لیں۔ اس احمقانہ اصرار پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ایک ہیبت ناک چمک، کڑک اور زلزلہ آیا اور یہ ستر کے ستر جل کر خاک ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر سجدہ ریز ہو کر عرض گزار ہوئے: مولیٰ تو اس قوم کا حال مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اب یہ ظالم مجھے قاتل کہیں گے اور الزام لگائیں گے کہ تم ہمارے سرداروں کو قتل کرنے ہی کے لئے اوپر لے گئے تھے۔ پس اے اللہ تو اپنے عذاب کو روک لے اور ان ظالموں کو دوبارہ اپنی قدرت سے زندہ فرما دے۔ اللہ اپنے نبی کی دعا کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ پس عذاب کو روک دیا گیا اور انہیں دوبارہ زندہ کر دیا گیا اور جب وہ زندہ ہو رہے تھے تو ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

بنی اسرائیل پر کوہِ طور

ان سرداروں نے قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ دیکھا اور واپس آ کر قوم کو سارا حال بتایا لیکن ان ظالموں نے اب بھی سرکشی اور بغاوت سے توبہ نہ کی اور تورات کو کتاب الٰہی ماننے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انجام کار پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا کہ اسی کوہ طور کو سائبان کی طرح ان کے سروں پر لا کھڑا کیا۔ اب خوف کے مارے ان کی حالت بری ہوئی اور لگے واویلا کرنے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکار پکار کر کہنے لگے اب ہم حق قبول کرتے ہیں آپ کو اللہ کا رسول اور تورات کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ نبی کو پھر ایک مرتبہ ان کی حالت پر رحم آیا اور دعا کی۔ اللہ نے پہاڑ کو ہٹا دیا لیکن ظالم چند ہی دن بعد پھر اپنی سرشت پر آ گئے۔ ''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً'' پھر تمہارے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

بنی اسرائیل اب تک سینا کے جس میدان میں مقیم تھے۔ یہ فلسطین سے قریب تھا اللہ نے جس کا مالک بنانے کا وعدہ ان کے آباء واجداد، حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام سے کیا تھا۔ لہٰذا بوسیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے

بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم اس بستی میں داخل ہو کر وہاں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو نکالو تاکہ اللہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔ یہ حکم سنتے ہی ان بزدلوں کی ہوا خراب ہوگئی اور پھر انہوں نے اپنے نبی کی تعمیل سے انکار کیا، صرف انکار ہی نہیں بلکہ گستاخی بھی کی اور کہنے لگے: ''فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ'' (اے موسیٰ) تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (یعنی تماشہ دیکھیں گے) پس ان پر اللہ کا سخت ترین عذاب نازل ہوا کہ یہ اس ارض مقدس سے محروم کر دیئے گئے اور اسی مقام تیہ میں چالیس برس تک ذلت و خواری کی زندگی بسر کرتے رہے کہ نبی کی گستاخی غضبِ الٰہی کا ہی سبب ہوتی ہے۔

واقعہ ذبح بقرہ

یہ واقعہ ہم لکھ چکے ہیں لیکن تسلسل کے لئے اس کا مختصراً اعادہ ضروری ہے۔ ہوا یہ کہ بنی اسرائیل کے کسی شخص کو انہی میں سے کسی نے قتل کر دیا۔ مقتول کے ورثاء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ قاتل کا پتہ چلایا جائے اور اسے قتل کیا جائے۔ آپ نے بمطابق وحی الٰہی ان سے کہا ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم سے ملو، مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام و پتہ بتا دے گا۔ انہوں نے اپنی فطرت خبیثہ کے مطابق اولاً تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مسخرہ پن قرار دیا۔ لیکن جب آپ نے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ'' میں جاہلوں میں ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں یعنی احکامِ الٰہیہ میں مذاق اور تمسخر جہالت ہے اور نبی کا جاہل ہونا ممکن نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس یقین دہانی کے بعد بھی انہوں نے آپ کی فرمانبرداری اختیار نہ کی بلکہ گائے کے متعلق بار بار سوالات کر کے اپنے لئے دشواری پیدا کرتے رہے اور انجام کار انہیں ایک ایسی مہنگی ترین گائے خریدنا پڑی جس کے بدلہ انہیں گائے کی کھال بھر کر بطور قیمت سونا دینا پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون

قارون، بنی اسرائیل ہی کا ایک بہت دولت مند شخص تھا۔ جس نے لالچی کتوں کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا اس کی قوت دن بدن بڑھ رہی تھی حتیٰ کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کی ٹھانی۔ یہ آپ کا مذاق اڑاتا رہتا اور قوم کو آپ کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کچھ دوسرے ارباب بصیرت نے اس کو بہت سمجھایا۔ لیکن اس پر دولت و ثروت کا ایسا نشہ طاری تھا کہ یہ ہر کسی کو ذلیل و خوار کرتا رہتا اور کسی کی بات پر دھیان نہ دیتا تھا۔ جب اس کا تکبر و غرور عروج پر پہنچ گیا تو غیرت باری تعالیٰ حرکت میں آئی۔ ''فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ'' پس ہم نے قارون اور اس کے سرمایہ کدہ کو زمین کے اندر دھنسا دیا کہ قادر مطلق جس کو جتنا چاہتا عطا فرماتا ہے۔ جب کہ شکر گزاروں پر اس کی رحمت کی بارش زیادہ ہی ہوتی رہتی ہے اور ناشکروں، تکبر و غرور کرنے والوں، احسان فراموشوں کو تباہ و برباد کر دینے ان کو زمین میں دھنسا دینے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دینے میں اس مالک الملک کو دیر نہیں لگتی۔

اے ایمان والو! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف سے ایذاء و تکالیف جھیلتے گزری ''لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى'' تم ان بدبختوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے ہمارے نبی موسیٰ علیہ

السلام کو تکالیف پہنچائیں، ستایا اور پریشان کیا۔ ''فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قوم کی الزام تراشیوں سے بری فرما دیا، ان کی عزت وآبرو کی حفاظت فرمائی۔ کیونکہ ''وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا'' وہ اللہ کے نزدیک صاحب وجاہت، صاحب عزت تھے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام تو دنیا سے تشریف لے گئے۔ قرآن کریم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے بلند مقام کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ''يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ'' اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی ہے اور تمہیں چن لیا ہے اپنی رسالت دے کر اور ہم کلامی کا شرف بخش کر اور یہ شرف سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کو نصیب ہے کہ وہ جملہ انبیاء ورسل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی عزت وآبرو کے محافظ اور ان کے بلند مراتب کے مبلغ ہیں، الحمد للّٰہ علی احسانہ۔

یہودیوں کی ذلت

اللہ تعالیٰ ظالم نہیں جو کسی قوم کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرے بلکہ بندوں کے اعمال وکردار کی بے راہ روی ہی انہیں اللہ کے غیظ وغضب کا مستحق بناتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے گزشتہ اوراق کے مطالعہ سے اندازہ کر لیا کہ یہودیوں کی ذلت وخواری کا سبب ان کی سرکشی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی ان ظالموں کو ہوش نہ آیا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نافرمانیوں اور بغاوتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ قرآن کریم ان کی انتہائی سرکشی ہی کو ان پر دائمی ذلت وخواری مسلط کئے جانے کا سبب قرار دیتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۠ (بقرہ:۶۱)

(یہ عذاب الٰہی ان پر) اس لئے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق (اور یہ سب کچھ) اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جایا کرتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے محبوب وبرگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کی بعثت امت کے لئے رحمت الٰہی اور فضل الٰہی کا وسیلہ ہوتی ہے انہی کے ذریعہ اللہ بندوں کو اپنے احکامات وپیغامات سے نوازتا ہے۔ یہ اللہ اور بندوں کے درمیان لین دین کا وسیلہ ہوتے ہیں کہ جو کچھ بندوں کو ملتا ہے انہی کے ذریعہ ملتا ہے۔ پس بندوں پر ان کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان کے احکام بلکہ ان کی اداؤں کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جبکہ ان کی محبت اور ان کا احترام باعث نجات ہے۔ قوم کی عزت وآبرو انہی سے وابستہ ہے۔ یہ قوم کے وہ محسن ہیں جو ہر آڑے وقت میں قوم کا سہارا بنتے اور ان کی ڈوبتی کشتی کو تراتے ہیں، یہی ہیں جو عذاب الٰہی سے نجات دلاتے ہیں، یہی ہیں جو مصائب وآلام میں کام آتے ہیں، یہی ہیں جن کے ہاتھوں رحمت باری تقسیم ہوتی ہے، بھکاریوں کی جھولیاں بھرتی ہیں۔ پس وہ بڑا ہی بدنصیب ونامراد ہے جو ان سے بغاوت

کرے، ان کی حکم عدولی کرے، ان کو ستائے، پریشان کرے، حتیٰ کہ ظالم ان کا قاتل بن جائے۔ پس ایسے ہی بدنصیبوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور یہی لوگ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ذلت و مسکنت دائمی ان کا مقدر بنتی ہے۔ پس

اے ایمان والو! ''لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو عذاب الٰہی اور غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے ہیں کہ تمہارا رحیم و کریم رب تمہیں ان کے قریب بھی دیکھنا پسند نہیں فرماتا کہ کہیں تم بھی ان کے ساتھ عذاب کا شکار نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا تم ان سے دور اپنے آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ لئے رہو جو دامن رحمت ہے، دامن عزت و فرحت ہے، دامن سکون و طمانیت ہے۔ اس دامن میں تمہارے لئے سب کچھ ہے تو تمہیں غیروں کو دوست بنانے، ان کی عزت کرنے، اپنے دلوں میں ان کو جگہ دینے یا ان کے در کا بھکاری بننے کی کیا ضرورت ہے۔ کس چیز کی کمی ہے میرے کریم آقا ﷺ کے خزانہ میں جو میں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا — دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں (ﷺ)

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے — دینے والا ہے سچا ہمارا نبی (ﷺ)

غرضیکہ یہودیوں میں ازل سے بغاوت و نافرمانی کا خبیث عنصر پایا جاتا ہے۔ انہوں نے ہر دور میں انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی ہی نہ کی بلکہ ان کو ستایا، پریشان کیا اور بے شمار انبیاء کے خون سے یہ اپنے ہاتھ رنگتے رہے۔ انعامات الٰہیہ کی ان پر بارش ہوتی رہی لیکن یہ ظالم ہمیشہ ناشکری اور بغاوت کرتے رہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہر چند انہیں ضلالت و گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ اللہ کے احکام پر عمل کی دعوت دی لیکن ان کی سرشت میں صرف اور صرف انکار تھا، بغاوت تھی۔ پس انہوں نے ہزاروں انبیاء میں سے کسی کی نہ سنی۔ سرکشی ہی کرتے رہے، بغاوت میں مبتلا رہے۔ انجام کار ذلیل ہوئے خوار ہوئے اور آج تک ان کا یہی حال ہے۔ وہ لوگ جاہل ہی کہلائیں گے جو یہود کی سودی دولت کے سبب انہیں دولت مند کہنے لگیں یا ان کی عارضی حکومت کے باعث انہیں باوقار اور حاکم سمجھنے لگیں اور یہ بھول جائیں کہ جو قوم اپنے دشمن عیسائیوں کے در کی بھکاری ہے، ان کی محتاج ہے، ان کے اشاروں پر ناچتی ہے، وہ کیسے باعزت ہو سکتی ہے، کیسے خوشحال اور حاکم ہو سکتی ہے۔ ہم اس کی قوت و طاقت کو کیسے تسلیم کر لیں جو درحقیقت کمزور ترین ہے۔ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہیں، جن کے لئے اللہ رب العزت جل مجدہ کا واضح اعلان ہے کہ

''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ''

اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر ذلت اور غربت اور مستحق ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے

اے ایمان والو! ''لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ'' اس قوم کو دوست نہ بناؤ جس پر اللہ نے غضب فرمایا ہے اور وہ دنیا کے ظاہری و عارضی عیش و عشرت میں ایسے کھو چکے ہیں کہ ''قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ'' آخرت سے مایوس و ناامید ہو چکے ہیں کبھی خیال تک نہیں آتا کہ انہیں ایک اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ وہ تو اس قدر اور ایسے ناامید ہو چکے ہیں۔ ''كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ'' جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں، جو

قبروں میں ہیں کہ وہ کفر پر مرے اب ان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو چکا، توبہ کا دروازہ ان کے لئے بند ہو چکا ہے۔ اب ان کے لئے سوائے مایوسی کے کیا چارہ، یہ ظالم یہودی ان مردہ کفار ہی کی طرح ہو گئے ہیں حالانکہ یہ تو ابھی زندہ ہیں۔ ان کے لئے تو ابھی توبہ کا موقع موجود ہے لیکن یہ احمق، مردہ کافروں کی طرح بالکل ہی مایوس و ناامید ہو چکے ہیں۔

غرضیکہ آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب کرتے ہوئے یہود کو دوست نہ بنانے یعنی ان سے لاتعلق رہنے اور دور رہنے کی واضح ہدایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ واضح ہے کہ یہود ایک مکار، ذلیل و خوار قوم ہے۔ جبکہ اہل ایمان اپنے آقا ﷺ کے طفیل ایک بہترین باعزت اور باوقار قوم ہیں جو اپنے بلند مقام و مرتبہ کی حفاظت صرف اسی طرح کر سکتے ہیں کہ غیروں کے در کے بھکاری بننے سے گریز کریں اور ذلیلوں سے دور رہیں۔ یا اللہ! نبی معظم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے تو ہی ہماری عزت و ناموس کی حفاظت فرما۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

’’سورۃ الصّف‘‘

مقالہ نمبر	آیات نمبر
83	2تا3
84	10تا13
85	14

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۳

الصّف: ۲، ۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصّف: ۲، ۳)

اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں بڑی ہی ناراضگی کا سبب ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔

اہل ایمان کو قول و فعل کے تضاد سے بچنے کی خصوصی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ایسا بدترین عمل ہے جو اللہ کو نہایت ہی ناپسندیدہ اور ناگوار ہے کیونکہ ایمان ایسا نور ہے جو قلب مومن کو روشن و منور کر دیتا ہے اور اس کی زبان پر صرف حق اور سچ بات ہی آتی ہے چاہے وہ کتنی ہی تلخ اور سننے والوں کے لئے کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ پس مقتضائے ایمان یہی ہے کہ مومن حق گو ہو، صاف گو ہو، جو کہے وہ کرے اور جو کرے وہی کہے، جو اپنے لئے پسند کرے اسی کی دوسروں کو دعوت دے اور جس کی دعوت دے اس پر خود عمل کرے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّهٰٓؤُلَآءِ بِوَجْهٍ

تم قیامت کے دن سب سے برا دو منہ والے کو دیکھو گے جو ایک کے منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے کے منہ پر کچھ۔ (بخاری شریف)

مؤمن نہ دو منہ والا ہوتا ہے اور نہ ہی وہ قیامت کے دن بدترین ہو سکتا ہے۔ وہ تو حق بات کہتا ہے، سچ بولتا ہے چاہے کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔

قول وفعل کا تضاد

قول وفعل کا یہ تضاد اہل ایمان کی عادت نہیں اس میں تو یہودی مبتلا رہے ہیں اور آج تک ان میں یہ کینسر موجود موجود ہے صرف عام لوگ ہی نہیں بلکہ علماء یہود تک اس مرض کا شکار رہے ہیں۔ قرآن کریم ان کی اس عادت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

(بقرہ:۴۴)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔

یہ ماہرین تورات علماء کا حال تھا جو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنی قوم کو تورات کے احکام سناتے اور انہیں اس پر عمل کی دعوت دیتے تھے اور اپنے آپ کو ایسے بھلائے ہوئے تھے جیسے یہ احکام صرف عوام ہی کے لئے نازل ہوئے ہوں اور ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔ اگر اس مہلک مرض میں مبتلا نہ ہوتے تو تورات ہی کے حکم کے مطابق سب سے پہلے یہی نبی آخر الزماں ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ گزین نظر آتے۔

علماء یہود کی یہ دو رخی پالیسی قصہ پارینہ نہیں بلکہ آج بھی یہ اسی پالیسی میں مبتلا ہیں جب ہی تو وہ اپنے سب سے بڑے دشمن عیسائیوں کو دوست بنائے ہوئے ہیں اور ان ہی کے سہارے زندہ ہیں حالانکہ انہی کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے (بزعم خود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ پُر لطف بات یہ ہے کہ یہودی آج تک اپنے اس دعوے سے دستبردار نہیں ہوئے ہیں پھر بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے، ان کے امتی ہونے کا دعویٰ رکھنے والے، اپنے نبی کے قاتلوں کے معاون و مددگار بنے ہوئے ہیں جبکہ ان دونوں ہی کو مسلمانوں کا سہارا لینا اور ان کی طرف مائل ہونا چاہئے تھا کہ صرف مسلمان ہی ہیں جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی عزت و ناموس کے محافظ ہیں اور مسلمان ہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے ابن اللہ ہونے کو مسترد کرتے اور انہیں اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں گے۔

غرضیکہ یہودی اور عیسائیوں کی دشمنی ازلی ہے اس کے باوجود بھی وہ آج ایک دوسرے کے دوست اور اہل اسلام

کے دشمن ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ مخبر صادق ﷺ تو پہلے ہی اس حقیقت کو آشکارا فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ'' کفر ملت واحدہ ہے۔ کفار آپس میں کتنا ہی لڑیں مریں، ایک دوسرے سے نفرت کریں لیکن مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں بن سکتے۔ وہ مسلمانوں کو اپنا دشمن ہی گردانتے ہیں۔ ان کے مقابلہ پر وہ آپس میں ایک دوسرے کو پسند کرتے رہیں گے اور ان کے خلاف گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے۔ یہ تو آج احمق مسلمان ہیں جو حقیقت جانتے ہوئے بھی اپنے ان دشمنوں سے نرم برتاؤ کرتے انہیں اپنا دوست بناتے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے سامنے جھولیاں پھیلاتے ہیں، اللہ انہیں عقل دے۔

بہر حال بھو و نیکی کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو بھلا دینا اہل ایمان کی نہیں اہل یہود کی عادت ہے۔ مسلمانوں کو اس فعل شنیع سے جس تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے اُس کا اندازہ آقا ﷺ کے اس ارشاد سے کیجئے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ شب معراج ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا۔ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا ''هٰؤُلَاءِ الْخُطَبَاءُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا'' یہ دنیا کے وہ خطیب ہیں۔ ''يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ اَنْفُسَهُمْ'' جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھلائے رکھتے تھے۔ ''وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ'' حالانکہ وہ اللہ کی کتاب پڑھا کرتے تھے۔

اگر آج ہم اپنی حالت پر غور کریں تو شاید اسی کیفیت میں ہم بھی مبتلا ہیں کہ ہمارے دور میں اگرچہ ذرائع ابلاغ کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، جو کام ماضی میں برسوں میں ہوتا تھا آج وہ منٹوں میں ہوتا ہے۔ ہمیں پیغام رسانی کے تیز ترین ذرائع حاصل ہیں اور ہم ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں خوب تبلیغ کرتے ہیں، لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں، میدان تحریر میں بھی ہم کسی سے کم نہیں۔ اس کے باوجود نتائج پر غور کیجئے تو صفر ہی نظر آئے گا۔ آخر ایسا کیوں ہے کیا ہماری بات پر قوم دھیان نہیں دیتی یا ہم میں کوئی کمی ہے تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ ہم علماء یہود کی طرح ''تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ'' کے مرض میں مبتلا ہیں۔ جس کا اندازہ ہم اپنے قول وفعل کے تضاد سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ پس ہمارا رب ہم ہی سے سوال کرتا ہے کہ

اے ایمان والو! ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ آخر تمہیں کیا ہوا ایسا تو نہیں کہ تم اپنے رب کے سچا ہونے میں شک کرنے لگے ہو۔ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو پھر تم اپنی حالت کو سدھارو اور اچھی طرح جان لو کہ ''كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' اللہ کے نزدیک یہ عمل نہایت ہی ناپسندیدہ ہے کہ تم جو کرتے نہیں وہ کہو۔ مومن کو تو چاہئے کہ وہ اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم کو اپنائے جو اہل ایمان کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں کہ آپ ﷺ کے قول وفعل میں کبھی تضاد نہ تھا جو فرمایا وہی کر دکھایا۔ قرآن کریم کے احکامات سے تو ان پر خود عمل کرکے دکھایا۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق وعادات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک ہی جملے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن'' آپ کے اخلاق و اعمال ہی قرآن تھے

قرآن کریم میں موجود ہیں، یعنی یہ پوچھنے کی بات ہی نہیں جو احکام الٰہی آپ نے سنائے انہی کو اپنے عمل سے دکھایا تاکہ ہمارے لئے ان پر عمل آسان ہو جائے اور ہم قول وفعل کے تضاد سے محفوظ رہیں۔

میرے آقا ﷺ جب غریبوں اور مسکینوں کی امداد واعانت کا حکم دیتے ہیں تو خود بھوکے رہ کر اس پر عمل فرماتے ہیں، اللہ کی عبادت کی تاکید فرماتے ہیں تو خود ساری رات نوافل میں گزارتے ہیں حتیٰ کہ پائے مبارک سوج جاتے ہیں، سخاوت کی تلقین کرتے ہیں تو خود دریائے سخاوت نظر آتے ہیں، دشمنوں اور قاتلوں کو معاف کر دینے کی تعلیم دیتے ہیں تو "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم" فرما کر اس پر عمل کر دکھاتے ہیں۔ ہندہ جیسی بدترین دشمن بھی اس اعلان کا فائدہ حاصل کر لیتی ہے۔ عورتوں کے متعلق "عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" کا حکم الٰہی سناتے ہیں تو خود اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایسا اچھا برتاؤ کرتے ہیں کہ تنگی وتنگدستی کی زندگی کے باوجود میری کوئی ماں آپ ﷺ سے علیحدگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ عدل و انصاف کا درس دیتے ہیں تو اپنوں تک سے غیروں کا حق دلاتے ہیں، توکل کی تلقین فرماتے ہیں تو خطرناک ترین موقع پر بھی "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" فرما کر رفیق غار کو اس طرح مطمئن کر دیتے ہیں جیسے خوف وخطر کی کوئی بات ہی نہیں۔ صبر وشکر کی تلقین فرماتے ہیں تو پتھر برسائے جانے اور جسم اطہر سے خون بہنے کی حالت میں بھی "اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" فرماتے ہیں اور فتح خیبر ومکہ کے موقع پر بھی اپنے رب کے حضور سر جھکائے نظر آتے ہیں۔ ایثار کی تلقین فرماتے ہیں تو ضرورت مندوں کی جھولیاں بھرتے نظر آتے ہیں لیکن اپنی جگر گوشہ کی گھریلو کاموں میں محنت ومشقت کو خاطر تک میں نہیں لاتے، مہمان نوازی کا درس دیتے ہیں اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی بھی، خود بہ نفسِ نفیس خاطر ومدارت کرتے نظر آرہے ہیں گھر میں جو کچھ ہوتا مہمانوں کی نذر ہو جاتا اور اہل خانہ بھوکے سوتے ہیں، سادگی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے محض اس لئے واپس ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حجرے کی دیواروں پر پردے ڈال لئے تھے۔ خود شہنشاہِ دوعالم کا بستر کمبل کا کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوتی تھی اور کبھی معمولی کپڑے کا ہوتا تھا جسے دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ مساوات کا درس دیا جاتا ہے تو خود آپ کے دربار میں محض رنگ ونسل وامارت و غربت کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فوقیت نہیں دی جاتی۔ حضرت ابوبکر وعمر، سلمان وصہیب اور بلال (رضی اللہ عنہم) سب ہی بھائی بھائی نظر آتے ہیں، ایک اعلیٰ خاندان قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوتی، آپ ﷺ سے اس کی سزا معاف کر دینے کی سفارش کی جاتی ہے تو جواب ملتا ہے کہ "خدا کی قسم محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی اس جرم کی مرتکب ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے" آپ ﷺ نے تواضع اور انکساری کی تعلیم دی تو اس پر عمل کرتے ہوئے آپ ہمیں بوقت ضرورت اپنے گھر کا کام کاج خود کرتے نظر آتے ہیں، اپنے کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، ضرورت پڑتی تو گھر کی صفائی ستھرائی خود کر لیتے، اپنے کپڑے دھو لیتے، بازار سے سودا سلف خرید کر لے آتے، اپنا کام خود ہی کرتے، اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، غریب سے غریب شخص کی بیماری کی خبر ملتی تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، اپنے لئے متکبرانہ اور شاہانہ الفاظ پسند نہ فرماتے، بیواؤں اور بے سہارا عورتوں کا بوجھ اٹھا کر ان کے گھر تک پہنچا آتے اور ہر

طرح ان کی مدد کرتے ، اپنے خادموں پر کبھی ناراض نہ ہوتے ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے کبھی مجھ سے ترش لہجہ میں بات نہ کی اور نہ ہی کبھی مجھے کسی کام کرنے کے لئے مجبور کیا ، ﷺ

یہ ہیں میرے وہ آقا ﷺ جن کو ہمارے لئے '' اسوۂ حسنہ '' قرر دیا گیا ۔ انہی کے غلاموں کو خطاب کرتے ہوئے رب کریم فرماتا ہے: ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ '' جو تم کرتے نہیں وہ کہتے کیوں ہو ۔ تم تو ایسے آقا کے غلام بنائے گئے ہو جس کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا تو تمہیں کیا ہوا تم قول و فعل کے تضاد میں کیوں مبتلا ہو گئے ۔ اے میرے محبوب کے غلاموں مجھے تمہارا یہ عمل سخت ناپسند ہے اپنے آقا ﷺ کے نقش قدم پر چلو اور ان کی ہدایات پر عمل کرو ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

راوی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ''تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَأْتِىْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَّهٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ '' تم قیامت میں سب سے برا دو منہ والے کو دیکھو گے جو (دنیا میں) ایک منہ پر کچھ کہتا ہے اور دوسرے منہ پر کچھ ۔ (بخاری شریف)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ '' جو دنیا میں دو منہ والا ہو تو قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی ۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَلَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَّاَنْتَ كَاذِبٌ '' یہ بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو تو وہ تمہیں سچا جانتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو ۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا کہ: ''يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُلْقٰى فِى النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُ بَطْنِهٖ فَيَدُوْرُ بِهَا كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ فِى الرَّحَآءِ فَيَجْتَمِعُ اِلَيْهِ اَهْلُ النَّارِ فَيَقُوْلُوْنَ يَا فُلَانُ مَالَكَ اَلَمْ تَكُنْ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُوْلُ بَلٰى كُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِيْهِ وَاَنْهٰى بِالْمُنْكَرِ وَاٰتِيْهِ '' قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر آگ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل پڑیں گی وہ انہیں لٹکائے ایسے گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے ، جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے اے فلاں شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو دنیا میں نیکیوں کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے منع نہ کرتا تھا وہ کہے گا ہاں میں نیکیوں کا حکم کرتا تھا لیکن ان پر خود عمل نہ کرتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کرتا تھا ۔ (مسلم شریف)

بہر حال ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ مؤمن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو جو لوگ اس تضاد کا شکار ہوتے ہیں انہیں اس سے ذلت و خواری کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا ۔ وہ جب تنہا ہوتے ہیں تو ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے اور وہ خود کو ایک عجب سے اضطراب اور بے چینی میں مبتلا پاتے ہیں جس سے وہ کتنا ہی بچنا چاہئیں لیکن نجات نہیں پاتے ۔ اللہ محفوظ رکھے ، آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۴

الصّف: ۱۰ تا ۱۳

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (الصف: ۱۰ تا ۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں آگاہ کردوں ایسی تجارت جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو اللہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ

مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور فتح جو قریب ہی ہے اور (اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) مؤمنوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے۔

آیت بالا میں اہل ایمان پر خصوصی کرم فرمایا جارہا ہے کہ انہیں ایسی تجارت کا طریقہ تعلیم کیا جارہا ہے جو حقیقتاً ان کے لئے ہر اعتبار سے مفید اور بہتر ہی بہتر ہے۔ جس میں خسارے اور نقصان کا قطعاً کوئی امکان ہی نہیں اور وہ ہے اللہ ورسول پر ایمان لانا اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا اس کے بدلہ میں اللہ وعدہ فرماتا ہے اور اس کا وعدہ حق ہی ہوتا ہے، سچ ہی ہوتا ہے۔ وہ اہل ایمان سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ان کے گناہوں کو بخش دے گا انہیں جنت میں بہترین مقام عطا فرمائے گا اور دنیا میں ہر طرح ان کا حامی و ناصر اور مددگار ہوگا۔

آیئے، آیت مذکورہ سے متعلق چند امور پر غور کریں:

تجارت

تجارت پر معاش کا دارومدار ہے جو نظام عالم کی بنیاد ہے اس دنیا کی سج دھج اور رونق کا ذریعہ یہ تجارت ہی ہے۔ بڑا ہی کرم ہوا رب کریم کا کہ اس نے نہ صرف تجارت کو جائز قرار دیا بلکہ اسے اپنی سنت اور اپنے انبیاء ورسل کی سنت بنا کر مقدس ترین پیشہ قرار دیا۔ خود رب نے اہل ایمان سے ایک تجارت کی۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:111)

بیشک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال اس عوض میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔

حضرات انبیاء کرام ورسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انسانیت کے لئے ہادی ورہبر اور معلم بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی کو بتایا گیا تا کہ امتی اس ذریعہ کو اپنا کر اپنی روزی بھی کمائیں اور سنت انبیاء پر عمل کر کے مستحق اجر وثواب بھی قرار پائیں۔

چونکہ انبیاء سابقین علیہم السلام مخصوص اوقات اور مخصوص اقوام کے لئے مبعوث ہوئے تھے، لہٰذا ان کے حالات زندگی کی حفاظت کا منجانب اللہ کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ پس یقین کے ساتھ یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ کون، نبی کیا تجارت کیا کرتے تھے تاہم یہ طے ہے کہ سب ہی انبیاء کرام علیہم السلام خود کفیل تھے وہ اپنے فرائض نبوت پورے کرتے رہے اور قوم سے کبھی کسی اجر واجرت کے طلب گار نہ ہوئے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے۔ فرمایا گیا:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء:109)

''اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں طلب کرتا میرا اجر تو رب العلمین کے ذمہ ہے۔''

صرف سورۃ الشعراء میں پانچ مقام پر یہ آیہ مبارکہ موجود ہے۔ آیت نمبر 109، حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے۔

آیت نمبر ۱۲۷، حضرت ہود علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۴۵، حضرت صالح علیہ السلام کا قول ہے۔ آیت نمبر ۱۶۴، حضرت لوط علیہ السلام کا اور آیت نمبر ۱۸۰، حضرت شعیب علیہ السلام کا قول ہے۔ ان آیات کے علاوہ متعدد مقامات پر متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال مختلف الفاظ میں مذکور ہیں۔ جن سب کا مفہوم یہی ہے کہ ''ہم تم سے تبلیغ پر کسی اجرت کے طلب گار نہیں، ہاں اللہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ضرور اجر عطا فرمائے گا''

انبیاء سابقین علیہم السلام سے متعلق قرآن کریم کے بیان کردہ حالات کے علاوہ جو تفصیلات ملتی ہیں ان کا ماخذ غیر مسلسل اور منقطع تاریخ کے سوا کچھ نہیں جبکہ صرف نبی آخر الزماں ﷺ کی حیات طیبہ ہی ہے جس سے متعلق ہر بات باوثوق قابل اعتماد اور یقینی ذرائع سے ہمارے پاس محفوظ ہے کہ آپ کی ''رسالت عامہ'' اور آپ کے ''اُسوۂ حسنہ'' ہونے کا یہی مقتضی تھا۔ پس ہم یقین کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ سید الانبیاء ﷺ نے بھی کسبِ معاش کے لئے اولاً بکریاں چرائیں اور پھر پیشہ تجارت اختیار فرمایا۔

بکریاں چرانا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آئے جو کثیر العیال بھی تھے اور قلیل المال بھی، چچا کی تنگی و تنگدستی آقائے رحمت ﷺ کے لئے طبعًا ناقابل برداشت تھی۔ لہٰذا آپ نے نو سال کی عمر میں ہی عرب کے دستور کے مطابق بکریاں چرانا شروع کر دیں تاکہ اپنے چچا کا کچھ معاشی تعاون کر سکیں۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَاعِيَ غَنَمٍ وَقَالَ لَهٗ اَصْحَابُهٗ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنَا رَعَيْتُهَا لِاَهْلِ مَكَّةَ بِالْقَرَارِيْطِ۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے بھی فرمایا: میں بھی قراریط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (قراریط، قیراط کی جمع ہے جو ایک عربی سکہ ہے)

اس موقع پر ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ''بکریاں چرانا'' نہ تو کوئی عیب ہے اور نہ ہی کوئی گھٹیا اور معمولی پیشہ بلکہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں موجود ہے: حضرات انبیاء کرام کو بلاشبہ یہ ذمہ داری اللہ ہی کی طرف سے سونپی جاتی رہی تاکہ اعلانِ نبوت سے قبل ہی ان کے کامیاب ہادی ہونے کا مظاہرہ ہو سکے کہ جو شخص بکریوں کے گلہ کی حفاظت کر سکتا ہے وہ یقیناً ہر اعتبار سے اپنی قوم کا محافظ بھی ہو سکتا ہے۔ پس میرے آقا ﷺ کو بھی یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ کو تو پوری انسانیت کی رہبری اور رہنمائی کا فریضہ انجام دینا تھا۔ پس درحقیقت اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل آپ کی قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ تھا، مجبوری یا بے کسی نہ تھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے متعدد مواقع پر بلا جھجک بیان فرمایا جس کا اہل ایمان کو بھی بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ ان کے لئے بکریاں پالنا

اورانہیں چرانا معیوب نہ رہا بلکہ آقا ﷺ کی سنت ہونے کے سبب ذریعہ اجر وثواب بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے اکثر نے اس پیشہ کو اختیار کیا یا کم از کم سنت پر عمل کی نیت سے بکریاں پالیں اور انہیں چرایا۔ ہم نے اپنے اکثر اساتذہ کو بھی اس سنت پر عمل کرتے دیکھا۔

آغازِ تجارت

لیکن بکریاں چرانا ہمارے آقا ﷺ کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا بلکہ ایک وقتی مشغلہ کے طور پر آپ ﷺ نے اسے اختیار فرمالیا تھا اور آپ تجارت کا کوئی موقع ہاتھ آنے کے منتظر تھے۔ لہٰذا جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف سفرِ تجارت کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے بھی ساتھ جانے کا اصرار کیا تاکہ آپ ﷺ تجارت کا تجربہ بھی حاصل کرسکیں اور اپنے چچا کا عملی تعاون بھی کرسکیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف بارہ برس کی تھی۔ اسی سفر کے دوران مقام ''بُصریٰ'' پر ''بَحیریٰ'' راہب کا مشہور واقعہ پیش آیا کہ

اس عیسائی راہب نے اس قافلہ کو سخت دھوپ میں اپنے گرجا کی طرف آتے دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ قافلہ کے ایک نوجوان پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ راہب نے اپنی علمی بصیرت سے پہچان لیا کہ یقیناً یہ نوجوان مستقبل کی کوئی اہم شخصیت ہے۔ اس نے فوراً ہی اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اسے پتہ چلا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام، بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اس کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ اس پر بادل سایہ فگن رہے گا۔ اس نے دیگر علامات جاننے کے لئے پورے قافلہ کو اپنے گرجا میں دعوت دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تنہائی میں گفتگو کرنے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے ہر سوال کا جواب سن کر اسے آپ کے نبی آخر الزماں ہونے پر یقین ہوتا رہا اور پھر فرطِ جذبات میں اس نے پشتِ مبارک سے آپ ﷺ کا کرتہ اٹھایا اور اس مہر نبوت کو دیکھا، جس کا نقشہ اس کی کتابوں میں موجود تھا۔ مہر کو چوما اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر پوچھنے لگا: ''مَاهٰذَا الْغُلَامُ مِنْكَ'' اس بچے کا تم سے کیا رشتہ ہے۔ یہ تمہارا بیٹا تو ہو نہیں سکتا کیونکہ ''وَمَا يَنْبَغِيْ لِهٰذَا الْغُلَامِ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْهُ حَيًّا'' اس بچے کا باپ زندہ نہیں ہونا چاہئے۔ ابوطالب نے حیرت زدہ ہوکر جواب دیا: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے باپ ''مَاتَ وَاُمُّهٗ حُبْلٰى'' کا انتقال اسی وقت ہوگیا تھا جب یہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ پس بَحیریٰ چلا اٹھا:

هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هٰذَا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔

اور پھر اس نے ابوطالب سے کہا: ''اس بچے کو شام لے کر ہرگز نہ جانا بلکہ جلد ہی تم مکہ واپس چلے جاؤ کہ اگر میری طرح اسے یہودیوں نے پہچان لیا تو وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے'' (کیونکہ یہودی تو ہمیشہ انبیاء کے دشمن رہے ہیں)

لیکن حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنا سفر تجارت پورا کرنے پر مجبور تھے۔ لہٰذا وہ شام آ گئے اور دوران سفر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری طرح حفاظت کی اور وقت سے پہلے ہی مکہ آ گئے۔

بہرحال یہ میرے آقا ﷺ کا پہلا سفر تجارت تھا۔ جس کے بعد آپ ﷺ نے اسی پیشہ کو اپنے کسب معاش کا ذریعہ بنایا اور ایک کامیاب تاجر نوجوان کی حیثیت سے آپ ﷺ تاجر برادری میں پہچانے جانے لگے۔ امانت، دیانت اور پاکبازی میں آپ ﷺ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا ذکر مکہ کی ایک کامیاب ومتمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حلقہ میں ہوا جن کا مال تجارت، تجار قریش کی نسبت سب سے زیادہ ہوتا تھا چونکہ وہ خود ایک بیوہ اور طاہرہ خاتون تھیں لہٰذا عملی طور پر تجارت نہ کر سکتی تھیں۔ ملازمین یا شراکت داروں سے اپنا کام کرایا کرتی تھیں، وہ دیانت دار افراد کی تلاش میں رہتی تھیں، محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی خوبیاں سن کر انہوں نے آپ کو اپنا شریک کار بنانے کا فیصلہ کیا۔ جسے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بخوشی قبول کیا اور آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو نہایت احترام کی نظروں سے دیکھا اور اپنا شریک تجارت بنانے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری درخواست قبول کر لیں تو جو منافع میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا آپ کو پیش کروں گی کیونکہ آپ جیسے دیانت دار اور محنتی شخص کی ہی مجھے ضرورت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی پیشکش قبول فرمائی اور اپنی نگرانی میں آپ ﷺ مال تجارت لے کر شام روانہ ہوئے۔ واپس آ کر جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حساب دیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس سے پہلے انہیں کبھی اتنا منافع نہ ہوا تھا۔

اسی سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کے لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے خاص غلام میسرہ کو مقرر کیا تھا۔ جس نے سفر سے واپس آ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عفت و دیانت، امانت، حسن اخلاق و کردار لوگوں سے گفتگو کا انداز اور آپ کے حسن معاملہ سے متعلق تفصیلی حالات اپنی مالکہ کو سنائے اور وہ حیرت انگیز باتیں بھی بتائیں جو میسرہ نے اس سے پہلے نہ کبھی سنی تھیں اور نہ دیکھی تھیں۔ ان تفصیلات ہی کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریک حیات بننے کا خیال پیدا ہوا اور بالآخر وقت آنے پر مکہ کی یہ دولت مند ترین عفت مآب خاتون امت مسلمہ کی پہلی ماں بن گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔

غرضیکہ تجارت ایک مقدس ترین پیشہ ہے جو خود کفالت کے علاوہ ملک و ملت کی خدمت کا ذریعہ ہے۔ جس سے قوم کو خوشحالی اور آسودگی میسر آتی ہے، ملکی استحکام حاصل ہوتا ہے، معاشرہ پُر امن و پُر سکون ہوتا ہے، برائیوں اور بدکاریوں سے نجات میسر آتی ہے، تہذیب و تمدن کی فضا نصیب ہوتی، نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سدھر جاتی ہے لیکن اہل ایمان کو یہ تجارت جب راس آتی ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے اصول تجارت کو اپنایا جائے اور شرعی احکام کی پابندی کی جائے۔

ایسے ہی تجارت کرنے والوں کے لئے آقائے رحمت ﷺ مژدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ

سچا اور امانت دار تاجر (بحیثیت خادم) انبیاء صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

اَلصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ

آقائے رحمت ﷺ کے ارشاد کے مطابق تاجر برادری کے لئے یہ ایک عظیم اعزاز ہے کہ ''اَلصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ'' تاجر قیامت کے دن انبیاء وصدیقین اور شہداء کے خدام میں سے ہوگا کیونکہ صبح سے شام تک تجارت کے دوران صدق و امانت کی پابندی سہل وآسان نہیں اور جو اس پابندی کا عادی ہو گیا وہ بڑا ہی متقی، پرہیزگار اور صالح ہو گیا۔ پس وہ جنت میں اعلیٰ مقام کا مستحق قرار دیا گیا۔

بلاشبہ وہ شخص بڑا ہی کامیاب وکامران ہے جو اپنے کسب معاش میں صدق وامانت کو اختیار کرے کہ یہ کوئی معمولی عمل نہیں بلکہ تمام حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ اسی سے حلال وحرام میں امتیاز ہوتا ہے، اسی سے معاملات میں حسن پیدا ہوتا ہے، معاشرے میں ہردلعزیزی کا مقام حاصل ہوتا ہے، غرباء ومساکین کی خدمت کا موقع حاصل ہوتا ہے، عوام کی ضروریات پوری کرنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہوا وہوس، طمع، حرص، مکر وفریب جیسے مہلک امراض سے نجات ملتی ہے۔ غرضیکہ سکون ہی سکون، خوشیاں ہی خوشیاں مقدر بنتی ہیں اور بعدِ مرگ کی پروا بھی نہیں کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انبیاء وصدیقین اور شہداء کی غلامی نصیب ہوتی ہے۔

اے ایمان والو! تجارت کرو لیکن ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ'' بنو جس کا ذریعہ یا بنیاد سورۃ النساء کی وہ آیات مبارکہ ہیں جن کی تفصیل اس کتاب کی جلد اول میں گزر چکی ہے یہاں ہم صرف ان آیات کا اعادہ کرتے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو جلد اول مقالہ ۲۱ کا مطالعہ کر لیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

(النساء: ۲۹، ۳۰)

اے ایمان والو، نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری باہمی رضامندی سے اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو بیشک اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی کرنے والا ہے اور جو شخص ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم سے تو ڈال دیں گے ہم اسے آگ میں اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے۔

ان آیات میں تجارت کے وہ بنیادی اصول بتائے گئے جن کو اپنانے والا تاجر کامیاب وکامران ہو سکتا ہے اور ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ'' کا اعزاز پا سکتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہوں، سوۃ النور کی آیات جن میں کامیاب تاجروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوا:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ (النور: ۳۷، ۳۸)

وہ لوگ جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید وفروخت یادالٰہی سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزاء دے انہیں اللہ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

یہ ایسے اہل ایمان کا تذکرہ ہو رہا ہے جن پر تجارت یا دولت کا نشہ نہیں چڑھ جاتا، ان کی مصروفیت انہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہونے دیتی، کسی حال میں ان کی کوئی نماز چھوٹنے نہیں پاتی، وہ پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر بھی ان کے دل اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ کیفیت اس امید پر ہے کہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزاء دے اور ان پر فضل مزید فرمائے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔

تجارت کے بنیادی اصول

درحقیقت یہی تجارت کے بنیادی اصول ہیں جنہیں اپنا کر اہل ایمان تاجر پیشہ تجارت کے تقدس کو بھی برقرار رکھ سکتے ہیں اور اس میدان میں کامیاب ہو کر ''اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ'' کہلانے کے لائق ہو سکتے ہیں ان بنیادی اصول تجارت کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک مؤمن تاجر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونے پائے یعنی اس کا ہر عمل اور ادا احکام شرع کے عین مطابق رہے، اس کی دولت سود سے پاک ہو وہ اپنی محنت کی حلال کمائی کو مکروفریب، جھوٹ اور دھوکہ دہی سے حرام نہ بنائے اپنی بدزبانی اور بدمعاملگی سے لوگوں کا دل نہ دکھائے، بددیانتی اور حق تلفی سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، لوگوں کی مطلوبہ اشیاء کو جمع کر کے اور مصنوعی قلت سامان پیدا کر کے ملک وملت کو نقصان نہ پہنچائے جسے فقہی اصطلاح میں احتکار کہا جاتا ہے جو حرام ہے۔

اس اصول کی مزید وضاحت کے لئے معلم کامل ﷺ کے چند ارشاد ملاحظہ ہوں:

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا:

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهٗ.

جس نے کوئی عیب دار چیز عیب بتائے بغیر فروخت کی وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا یا اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا دست مبارک داخل فرمایا تو مبارک انگلیوں میں تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے دریافت

فرمایا: غلہ گیلا کیوں ہے؟ تاجر بولا: حضور ﷺ بارش کا چھینٹا پڑ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے گیلا غلہ اوپر کیوں نہ کر دیا تا کہ خریدار اسے دیکھ لیتا پھر فرمایا: ''مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ۔

(باہر سے) غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا اور روکنے والا لعنتی ہے۔ (ابن ماجہ)

یعنی جو تاجر بیرون ملک یا بیرون شہر سے غلہ لا کر فروخت کرے اور اپنے ہم وطنوں یا شہریوں کی ضرورت پوری کرے اللہ اس کی روزی میں برکت دے گا لیکن جو ظالم اشیاء ضرورت اس نیت سے جمع کرے کہ جب لوگوں کی طلب بڑھے گی تو وہ زیادہ قیمت وصول کر کے دولت کمائے گا ایسے تاجر کو برکت نصیب ہونا تو درکنار اس پر تو اللہ کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء ضرورت پر کنٹرول

ہمارے دور کے خود ساختہ ناکام تجارتی اصولوں میں سے ایک ''کنٹرول'' بھی ہے کہ کسی چیز کی قلت پیدا ہونے کے باعث اس چیز کی قیمت مقرر کر دی جاتی ہے جسے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق نہیں بلکہ انتظامیہ کی مقررہ مقدار ہی کے مطابق حاصل کر سکتے ہیں چاہے ضرورت پوری ہو یا نہ ہو۔ جس کا ظاہر ہے نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ چیز عام بازار میں مزید گراں ہو جاتی ہے، اس کی طلب بڑھ جاتی ہے، چھپا کر چوری سے بکتی رہتی ہے چونکہ یہ اصول یعنی کنٹرول خلاف شرع ہے لہٰذا ناکام ہے، بلا مقصد ہے، عوام کی پریشانی میں اضافے کا باعث ہے۔ میرے آقا ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک مرتبہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا تو بعض لوگوں نے مشورۃً عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ''سَعِّرْلَنَا'' آپ حکماً بھاؤ مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ'' بیشک اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے، وہی تنگی و فراخی فرمانے والا ہے، وہی روزی عطا فرمانے والا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے رب سے اس طرح ملنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ناانصافی کا مطالبہ نہ کر سکے۔ (ترمذی)

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہمارے ان کارندوں کے لئے خصوصی طور پر قابل غور ہے جو خود ہی اشیاء ضرورت کی قلت پیدا کرتے ہیں اور پھر کنٹرول کے ذریعہ اس کی طلب میں اضافہ کرتے ہیں تا کہ عوام تڑپیں اور یہ ظالم انہیں خوب لوٹیں۔ یہی ہیں وہ تاجر جو تاجر برادری پر کلنک کا ٹیکہ ہیں اور پیشہ تجارت کی بدنامی و خواری کا سبب ہیں۔

اِحْتِکار کا وبال

اِحْتِکار یعنی اس مقصد سے غلہ، چینی وغیرہ مارکیٹ سے خرید کر چھپا لینا اور جمع کر لینا کہ مارکیٹ میں اس چیز کی کمی واقع ہو تو پھر من مانی قیمت پر اسے فروخت کر کے دولت کمائی جائے اور لوگوں کی ضرورت سے خوب فائدہ حاصل کیا جائے۔ یہ استحصال بھی ہے، ظلم بھی ہے اور عوام کے ساتھ دھوکہ بھی، اس کی اجازت تو دنیا کا کوئی بھی قانون نہیں دیتا تو شریعت مطہرہ

کس طرح اسے جائز قرار دے سکتی ہے۔ یہ صرف ممنوع ہی نہیں بلکہ نہایت ہی وبال اور بلاء ومصیبت کا باعث ہے۔

اس سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات پر غور کیجئے:۔

حضرت معمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہگار ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْاِفْلَاسِ۔

جو مسلمان پر روزی تنگ کرے (احتکار کرے) اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ۔

جس نے چالیس دن غلہ روکے رکھا مہنگا ہونے کے انتظار میں تو وہ اللہ سے دور ہو گیا اور اللہ اس سے بیزار ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ اِنْ اَرْخَصَ اللّٰهُ الْاَسْعَارَ حَزِنَ وَاِنْ اَغْلَاهَا فَرِحَ۔

احتکار کرنے والا بہت ہی برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستا کردے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کر دے تو خوش ہو۔

(بیہقی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةً۔

جس نے احتکار کیا اور پھر سارا غلہ خیرات کر دیا تب بھی اس کے لئے کفارہ نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

اے مسلمان تاجرو! غور کرو مخبر صادق ﷺ کے ارشادات حقہ پر کس قدر بھیانک انجام بتا رہے ہیں آقائے رحمت ﷺ محتکر کا، ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا کہ اس شخص نے یہ جرم محض چند پیسوں کے لالچ میں کیا لیکن اس نے یہ نہ سوچا کہ وہ اپنے ہی بھائیوں پر کتنا بڑا ظلم کر رہا ہے، وہ بھوکوں مر رہے ہیں اور یہ ان کی اشیاء ضرورت پر سانپ بنا بیٹھا ہے، قوم کے بچے بلک رہے ہیں آہ و بکا کر رہے ہیں اور اس ظالم کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، پورا ملک معاشی بدحالی کا شکار ہوا جا رہا ہے اور یہ بدبخت ذرا بھی احساس نہیں کر رہا، دولت کے لالچ نے اس کو اندھا اور بہرا کر دیا ہے نہ اس میں اللہ و رسول کا ڈر رہا، نہ ایمانی غیرت، نہ ملک وملت کی محبت۔ کیا سوچا ہے اس نے یہی نا کہ جب گرانی مزید بڑھے گی اور لوگوں کی طلب میں مزید اضافہ ہوگا تو یہ اپنا ذخیرہ مارکیٹ میں لائے گا اور خوب خوب دولت بنئے گا کاش یہ اس کے برعکس بھی سوچتا کہ اگر گرانی ختم

ہوگئی، چیزوں کے بھاؤ گر گئے تو اس کے ذخیرے کا کیا حشر ہوگا پھر کون پوچھے گا اس کی جمع کردہ اشیاء کو پھر تو جو قوم کی بدحالی پر ناچ رہا تھا آج قوم نہ صرف اس کا مذاق اڑائے گی بلکہ اس پر لعنت کرے گی، خوب خوش ہوگی اور ایسا ہونا ہی تھا کہ آقا ﷺ نے اسے ''ملعون'' قرار دے ہی دیا ہے۔ یہ اب بھی ملعون ہے اور اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تب بھی ملعون ہی رہتا۔ اس کے اس جرم نے اللہ سے اسے دور کردیا تو اللہ نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔ اس کی رسی ڈھیلی کردی اب یہ لوگوں کا تماشا ہی بنا رہے گا اب تو اس کا صدقہ وخیرات بھی اسے فائدہ نہ پہنچا سکے گا، چاہے یہ اپنا ذخیرہ پورا کا پورا خیرات کردے اب لوگ اسے فیاض نہیں بلکہ مجبور اور مجرم ہی کہیں گے۔ دونوں ہاتھوں سے اس کی دولت بھی لوٹیں گے اور بجائے شکر گزار ہونے کے خوب مذاق بنائیں گے۔ صدقہ ایک پائی کا ہو یا ہزاروں کا گناہوں کو مٹاتا ہے، بلاؤں کو دور کرتا ہے لیکن مُحتکر ایسا مجرم ہے کہ اس کے صدقہ کا اسے نہ دنیا میں فائدہ ہوگا نہ آخرت میں بلکہ ''ضَرَبَ اللّٰهُ بِالْجُزَامِ وَالْاِفْلَاسِ'' یہ کوڑھی ہوکر مفلسی اور غربت کی حالت میں تڑپ تڑپ کر مرے گا اور آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہی علیم وخبیر ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے دولت کی مار نے اسے کیسے مارا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ یہ شخص اپنے یا دنیا والوں کے گڑھے تجارت کے اصول اپنا کر تجارت کر رہا تھا جس سے اس کا مقصد صرف دولت کمانا تھا۔ اس نے تجارت کے لئے عطا کردہ پہلا ہی اصول فراموش کردیا تھا یعنی یہ دولت کے نشہ میں مست ہوکر یا دولت کے لالچ میں مبتلا ہوکر اللہ کو بھلا بیٹھا اسے خیال نہ رہا رزق دینے والا، میری حرکتوں کو دیکھ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بدعملی رزاق حقیقی کے غیض وغضب کا سبب بن جائے اور صرف میری تدبیریں ہی الٹی نہ ہوجائیں بلکہ اصل پونجی سے بھی مجھے ہاتھ دھونا پڑیں اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ محفوظ رکھے۔

تجارت کا دوسرا شرعی اصول ''اِقَامَ الصَّلٰوۃِ'' ہے یعنی نماز کی پابندی کرنا کیونکہ نماز وسیلہ قرب الٰہی ہے۔ قُرَّۃُ عَین رسول ہے، وطیرۂ انبیاء ومرسلین ہے، طریقہ اولیاء وصالحین ہے، نمازیوں پر اللہ کی رحمت برستی ہے، انعامات واحسانات کی برکھا برستی ہے، نماز مُنکرات و فحشاء سے روکتی ہے، نماز متقی بناتی ہے، نماز سے سکون میسر آتا ہے۔ نماز مسلمانوں کے درمیان محبت والفت پیدا کرتی ہے، نماز پابندیٔ وقت اور مساوات بین المسلمین کا درس دیتی ہے، نماز سے گھروں کی آفات وبلیات دور ہوتی ہیں، بیماریوں سے نجات ملتی ہے، نمازی کا چہرہ نورانی ہوجاتا ہے، نماز قبر کی تاریکی دور کرتی ہے، نماز ہی قیامت کے دن مؤمن کی پہچان ہے۔ نماز ہی مسلم وکافر کے درمیان ذریعہ امتیاز ہے۔

وَاَنْ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوۡہُ ؕ وَھُوَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝

اور یہ کہ پابندی سے نماز ادا کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

(القرآن)

وَمَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّداً فَقَدْ کَفَرَ۔

اور جس نے قصداً نماز چھوڑی بیشک اس نے کافروں جیسا کام کیا۔ (الحدیث)

پس اے تاجرو! تم کتنے ہی خرید وفروخت میں مصروف ہو کتنے ہی گاہک یا سودا گر تمہارے اردگرد جمع ہوں، کتنا ہی

تمہیں مالی نقصان کا اندیشہ ہو، نماز سے ہرگز غافل نہ ہو جونہی مؤذن کی آواز تمہارے کانوں میں پڑے جونہی تم ''حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة'' کی صدا سنو اللہ کے حکم ''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' پر عمل کرو اور نماز کی طرف دوڑو، قریبی مسجد کی طرف جاؤ یا جہاں ہو مصلیٰ بچھاؤ اور رزق دینے والے رب کے حضور حاضر ہو جاؤ۔ مطمئن رہو کوئی نقصان نہ ہوگا بڑے فائدے میں رہو گے بغیر حساب رزق دینے والا رزّاق حقیقی خوب خوب رزق دے گا۔ ایسی راہ سے دے گا کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا اور ہاں سنو نماز عصر کا وقت خصوصی طور پر بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے حساب و کتاب کرنے کا وقت ہوتا ہے، دن بھر کی آمدنی گننے کا وقت ہوتا ہے، رب کریم کا یہ ارشاد خوب یاد رکھو:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔

سب نمازوں کی پابندی کرو بالخصوص نماز عصر کی۔ (القرآن)

اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ اس کے خزانہ میں نہ کبھی کمی ہوئی نہ کمی ہوگی اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ وہ تمہیں مالا مال کر دے گا، خوب دے گا، آسانی سے دے گا، اس کی شان ہے۔ ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' خوب دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے۔ وہ تمہاری کمائی میں برکت بھی دے گا، سکون بھی اور روزی کمانے کے لئے، تمہارے بازاروں، گلی کوچوں اور شہروں میں امن بھی میسر آئے گا۔ تمہارے چہرے پر نور ہو جائیں گے، پرکشش ہو جائیں گے، پس نمازوں کی پابندی کرتے رہو۔

تیسرا شرعی اصولِ تجارت ہے: ''اِيْتَآءُ الزَّكٰوةِ'' پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ زکوٰۃ جو مال کا میل کچیل ہے، کوئی چیز بھی ایک جگہ رکھی رہے، اس کی جھاڑ پھونک نہ کی جائے۔ اس کا میل کچیل دور نہ کیا جائے تو اس پر زنگ آ جاتا ہے۔ وہ چیز بدنما نظر آنے لگتی ہے، آنکھوں کو بھدی لگنے لگتی ہے، مال پر میل کچیل جم جائے تو اللہ کو برا لگنے لگتا ہے۔ اس کے مال کو اللہ ناقدرا جانتا ہے اور ناقدروں پر اس کی نعمتوں کی بارش بند ہو جاتی ہے۔ جو کچھ مل چکا ہے بسا اوقات وہ بھی چھین لیا جاتا ہے۔ پس ناقدرے نہ بنو، اللہ کی دی ہوئی دولت کو صاف و ستھرا کرتے رہو یہی اس کی قدر ہوگی۔ اس کا میل کچیل دور کرتے رہا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور دیکھو یہ میل کچیل کچھ زیادہ نہیں ہوتا صرف مال کا چالیسواں حصہ۔ یہ پھونک کر اڑا نہیں دیا جاتا دھو کر بہا نہیں دیا جاتا۔ یہ چالیسواں حصہ تمہارے لئے میل کچیل قرار دیا گیا ہے لیکن تمہارے ہی معاشرے کے پسماندہ افراد کے لئے یہ تم پر حق ہے تم کسی کی حق تلفی نہ کرنا کہ جب تم کسی کا حق مارو گے تو سب کے حقوق کی حفاظت کرنے والا تمہیں محروم کر دے گا۔ پس حق ادا کرو کہ تم پر تمہارے اہل خانہ کے علاوہ اعزا و اقارب، پڑوسیوں، غرباء و مساکین اور یتیموں کے بھی حقوق ہیں، دین کا بھی حق ہے۔ مدارس قائم کرنا، مساجد بنانا، رفائی و سماجی اداروں کی تعمیر اور اس سے متعلق افراد کی امداد، دین کی اشاعت یہ سب تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔ تم یہ ذمہ داری محسوس نہ کرو گے تو کون یہ سب کام کرے گا؟ کون دین کی بقاء کے لئے تڑپے گا؟ کون بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کے دکھ درد بانٹے گا؟ کون معاشرے سے جہالت و غربت کی لعنت کا خاتمہ کرے گا؟ پس زکوٰۃ ادا کرو ہر سال پابندی سے ادا کیا کرو۔ تمہاری انفرادی دولت قومی خزانہ بنتی ہے، تمہاری حکومت اسی سے

مالا مال ہو جاتی ہے، تمہارا ملک معاشی اعتبار سے مستحکم ہو جاتا ہے پھر نہ تو کسی دوسرے ملک کی وصولیابی کی ضرورت پیش آتی ہی اور نہ ہی ملکی وقومی ضروریات کے لئے غیروں کے در کا بھکاری بننے اس سے قرضے لے کر اپنی سیاسی و مذہبی آزادی کا سودا کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور ہاں دیکھو زکوٰۃ کے مصارف تو شریعت مطہرہ نے متعین کر دیئے ہیں۔ اپنی مرضی سے ان کو صرف نہیں کیا جا سکتا لہٰذا زکوٰۃ کے مخصوص مصارف کے علاوہ ضروریات کے لئے ہمیں صدقہ و خیرات کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ ہمارے آقا ﷺ کا مژدہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں "اَلصَّدَقَةُ رَدُّ الْبَلَاءِ" صدقہ آفات و بلیات دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس زکوٰۃ کے علاوہ خوب صدقہ کیا کرو تا کہ دوسروں کی ضرورت پوری ہو اور تمہیں آفات سے نجات ملے، بلائیں دور ہوں، بیماریاں دور ہوں۔ دیکھو صدقہ انشورنس ہے، تمہارے جسم و جان اور مال و دولت کا انشورنس جو دولت تم انشورنس کمپنی کو دیتے ہو وہ اللہ کے نام پر صدقہ کر کے اپنا انشورنس کرا لو۔ انشورنس تو شاید صرف تمہارے نقصان کی تلافی کرتا ہے لیکن نقصان سے تو نہیں بچا جا سکتا، دکھ درد اور صدمہ سے تو نہیں بچا جا سکتا جبکہ اللہ سے کرایا ہوا انشورنس، دوستو! یقین رکھو نقصان ہی نہیں ہونے دیتا۔ دکھ درد قریب نہیں آنے دیتا، خوشیاں ہی خوشیاں برساتا ہے، سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کرتا ہے۔ امن و امان بخشتا ہے۔ جسے قرآن کریم "حیٰوۃ طیبہ" کا نام دیتا ہے، پس زکوٰۃ ادا کر کے، صدقہ و خیرات بانٹ کر وہ انشورنس کراؤ جس میں ماہانہ یا سالانہ ادائیگی کی پابندی نہ ہو کوئی مخصوص رقم نہ دینا پڑے، جتنا چاہو اور جب چاہو صدقہ و خیرات کر دو اپنی استطاعت اور سہولت کے مطابق۔ پس ایمانداری کا خیال رکھنا کہ اگر دس دینے کے قابل ہو تو ایک نہ دینا ورنہ دینے والا تمہیں ایک دینے کے لائق بھی نہ رکھے گا۔ دینے والوں کی صف سے نکال کر کہیں مانگنے والوں کی لائن میں نہ بٹھا دیئے جاؤ، اللہ محفوظ رکھے۔

رب کریم کا خصوصی کرم تو ملاحظہ ہو کہ ہمیں زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا گیا۔ اس کے فوائد و اثرات بھی ہمیں ہی بتائے گئے اور پھر اسے قرض قرار دیا گیا کہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں اس کی رضاء و خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو وہ در حقیقت تم اپنے مالک کو قرض دیتے ہو، جس کو وہ کئی گنا بڑھا کر تمہیں دنیا میں بھی واپس فرما دیتا ہے اور رہی بات آخرت کی تو یہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے جس کو جتنا چاہے واپس کر دے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (مزمل: ۲۰)

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہو گا اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ سے بیشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "من اتاہ اللّٰه مالا ولم یؤد زکوتہ" جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی "مثل له یوم القیمة شجاعا اقرع له زبیبتان" تو (وہ

مال) قیامت کے دن ایسے گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ ''ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يعني شِدْقَيْهِ'' پھر وہ (صاحب مال کی) دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: ''اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ'' میں تیرا مال ہوں، میں ترا خزانہ ہوں پھر آقا ﷺ نے درج ذیل آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (آل عمران: ۱۸۰)

اور ہرگز گمان نہ کریں جو بخل کرتے ہیں اس (مال) میں جو دے رکھا ہے انہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے کہ (بخل) بہتر ہے ان کے لئے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے طوق پہنایا جائے گا انہیں وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لئے ہی ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ (بخاری شریف)

چوتھا شرعی اصول تجارت یہ ہے کہ تاجر دولت کی فراوانی وکثرت کے باوجود بداخلاق، بدزبان اور گھمنڈی نہ ہو نہ اپنے گاہکوں سے ترش روئی کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی اپنے ملازمین اور شرکاء کار سے بدسلوکی اختیار کرے کہ متکبر ومغرور شخص سے سب ہی نفرت کرتے ہیں اور دور بھاگتے ہیں۔ کوئی ایسے شخص سے معمولی سا بھی معاملہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، للہذا بدخو تاجر کبھی کاروبار میں کامیاب نہیں ہوسکتا کہ تاجر کے لئے تو وسیع تعلقات اور کثیر لوگوں سے میل جول ضروری ہے۔ پس اس کی کیفیت یہ ہونا چاہئے کہ اس کا دل قیامت کے دن اللہ کے حضور حاضر ہونے کے خوف سے دھڑکتا ہو اور نظریں جھکی رہتی ہوں اس کی یہ حالت اسے نرم مزاج بنائے گی، خوش اخلاق بنائے گی۔ اب وہ جس سے گفتگو کرے گا وہ اس پر اعتماد سے کرے گا کہ اس کی زبان سے بصورت الفاظ پھول جھڑتے محسوس ہوں گے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہوں گے، ملازمین مزید محنت ومشقت سے اس کا کام کریں گے، شراکت دار اس کے مزید تعاون پر آمادہ نظر آئیں گے۔ ہر طرف اس کی خوش خلقی کا چرچا ہوگا، ہر کوئی اس کا تعاون کرنا پسند کرے گا ''قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' لوگوں سے اچھی گفتگو کرو۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفاد واثر یہی تو ہے کہ اچھی گفتگو کی تاثیر سے تو دشمن بھی اپنے بن جاتے ہیں۔

درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ پر غور کیجئے اور خلق حسن کی تاثیر کا اندازہ لگائیے۔ فرمایا گیا:

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ: ۱۹۵)

اور احسان کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران: ۱۷۲)

ان کے لئے جنہوں نے احسان کیا اور تقویٰ اختیار کیا بڑا اجر ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ (بنی اسرائیل: ۷)

اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے ہی نفس کو ملے گی۔

اور فرمایا میرے آقا ﷺ نے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنِكُمْ اَخْلَاقاً۔

مجھے تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہو۔ (موطا)

راوی ہیں حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ۔

جنت میں بد خلق، بدخو اور سخت گو شخص داخل نہ ہوگا۔ (بخاری شریف)

راوی ہیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِيْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَاِنَّ اللّٰهَ يَبْغَضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ۔

وزنی ترین چیز جو قیامت کے دن مؤمن کی ترازو میں رکھی جائے گی حسن خلق ہے اور بیشک اللہ ناپسند فرماتا ہے فحش اور بیہودہ گو کو۔ (ترمذی شریف)

اور اب یاد کر لیجئے میرے آقا ﷺ کی عطا کردہ ان دعاؤں کو، راوی ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَآءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے زوال سے اور عافیت کے ختم ہو جانے سے اور تیرے ناگہانی عذاب سے اور تیرے غصہ سے۔ (مسلم شریف)

راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفِقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلِمَ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں افلاس سے نیکیوں یا مال کی کمی سے اور ذلت سے اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ (ابوداؤد شریف)

راوی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْخُلُقِ۔

اے اللہ میں تیرے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں انتشار و افتراق نفاق اور برے اخلاق سے۔ (نسائی شریف)

تاجر بھائیو! مصروفیت کے باوجود اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو، نماز پابندی سے ادا کیا کرو، زکوٰۃ، صدقات و خیرات

میں کمی نہ کرو اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں حاضری سے ڈرتے رہو کہ جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ہمیں اس کا حساب دینا ہوگا اس دن پتہ چلے گا کہ ہم ساری زندگی کیا کرتے رہے۔ ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ط وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ '' جس نے ذرہ برابر بھی (اچھا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر (برا) کام کیا وہ اسے دیکھ لے گا۔ پس تم اعمال صالحہ کرتے رہو، ریاء نمود کے لئے نہیں دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے تاکہ وہ تمہیں اپنے مزید انعامات سے نوازے، تمہارے کاموں کو سہل و آسان کر دے تمہاری روزی میں برکت دے۔ ''وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ '' اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا فرماتا ہے۔

اے ایمان والو! اللہ تمہیں تجارت کی دعوت دیتا ہے وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے اور وہ تجارت یہ ہے کہ ''تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ '' تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اس طرح کہ تجارتی و معاشی امور اور زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ و رسول کے احکام کی پابندی کرو۔ ''وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ '' اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہو۔ کہ جب اللہ کے دین پر عمل یا اس کی حفاظت و اشاعت کے لئے تمہارے مال و دولت کی ضرورت پیش آئے تو تم اپنے اسلاف کی طرح بلا دریغ اپنی دولت صرف کرو، چاہے وہ زکوٰۃ ہو یا صدقات و خیرات کی شکل میں ہو اور اگر ایسا موقع پیش آ جائے کہ دین کو تمہاری جانوں کی ضرورت ہو تو اس وقت بھی پیٹھ نہ پھیرنا، منہ نہ موڑنا، بہانے تلاش نہ کرنا، دشمن کے خوف سے پیچھے نہ ہٹنا بلکہ مادی و ظاہری وسائل کی پرواہ کئے بغیر سینہ تانے پوری ایمانی قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر پڑنا۔ مجاہدین بدر و اُحد اور حنین کی طرح شہداء کربلا کی طرح۔ دیکھو تمہارا اسی میں بھلا ہے یہی تمہاری بڑی کامیابی و کامرانی ہے ''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ '' یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ''اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ '' اگر تم یقین ساتھ جان لو۔ اگر تم نے یہ طریقہ تجارت اپنایا تو اس دنیائے فانی کی بے شمار نعمتوں کے علاوہ تمہیں اُخروی انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔ ''يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ '' تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تم رب کے حضور سرخرو حاضر ہو گے۔ ''وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ '' ربِّ کریم تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ''وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ '' اور تمہیں ایسے پاکیزہ حسین و جمیل محل عطا ہوں گے جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ ''ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ '' یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ کہ یہ انعامات الٰہیہ لازوال ہیں، دائمی ہیں۔ ''خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا '' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ دنیا میں چاہے کتنی ہی نعمتیں مل جائیں، حسین و جمیل بیوی، بچے، مال و دولت کے ڈھیر، شاندار گاڑیاں، خوبصورت و وسیع محلات، کچھ مل جائے چند روزہ ہے، فانی ہے، چھن جاتے ہیں یا بندہ چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ پس تقاضائے عقل و ایمان یہی ہے کہ دنیائے فانی میں جو کچھ نصیب ہو جائے اس پر بندہ شکر ادا کرتا رہے اور آخرت کی نعمتوں کی فکر کرتا اور ان کی بھیک مانگتا رہے۔

اے ایمان والو! اگر تمہارا ایمان کامل ہے تم نے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر پوری طرح بھروسہ اور توکل کر لیا ہے تو تمہیں ایک عظیم نعمت سے مزید نوازا جائے گا، جس کے تم محتاج بھی ہو اور وہ نعمت تمہیں بے حد محبوب ہے پسند ہے۔

''وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا'' ایک اور چیز جو تمہیں بہت پسند ہے اور وہ ''نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ'' اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح و کامرانی ہے۔ تم ہر حال میں مدد الٰہی کے محتاج رہتے ہو کہ اس کی مدد کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتے، کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم نصرت الٰہیہ کے محتاج ہو اور اسی لئے وہ تمہیں محبوب و پسند بھی ہے پھر تم ہر کام اسی امید پر کرتے ہو کہ جلد از جلد اس میں کامیابی ہو اور اس کا نفع بخش نتیجہ سامنے آئے۔ پس ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر حال میں تمہاری مدد بھی کریں گے اور فتح قریب سے بھی تمہیں نوازیں گے۔

''وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' اور اے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ہی ہمارے انعامات کی اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ آپ کا کام ہی مؤمنین کو خوشخبریاں دینا ہے۔ ہم نے آپ کو ''مُبَشِّرْ'' ہی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ نیز ہمارا اصول یہی ہے کہ ہم اپنے پیغامات اپنے بندوں کو رسولوں ہی کی معرفت پہنچاتے ہیں اور اپنے بندوں کو ہر نعمت آپ ہی کے وسیلہ جلیلہ سے عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے تو ہم نے آپ کو اپنے خزانوں کی کنجیاں بخش دی ہیں کہ آپ اپنی مرضی سے جسے جو چاہیں قیامت تک عطا فرماتے رہیں حتیٰ کہ قیامت میں آپ کو اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں اپنے حوض سے سیراب کر دیں، جس کی چاہیں سفارش فرمائیں، جس کے اعمال کا پلہ چاہیں وزنی کر دیں اور جسے چاہیں اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیں کہ ہم آپ سے وعدہ فرما چکے ہیں ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ
عجب کیا اگر رحم فرمالے ہم پر — خدائے محمد برائے محمد ﷺ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۵

الصّف : ۱۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ۝

(الصّف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی بلانے میں حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے۔

اہل ایمان کو اللہ کا مددگار بننے کی ہدایت کی جارہی ہے ظاہر ہے اللہ وحدہ لاشریک لہ خود سب کا حامی و ناصر ہے،

سب اس کے محتاج ہیں، وہ بلاشبہ کسی کا محتاج نہیں۔ پس اس کا مددگار وہ ہے جو اس کے دین کی مدد کرے یعنی دین کی تبلیغ و اشاعت اور حفاظت کے لئے دین کا خادم بنے۔ اس مقصد کے لئے خدام دین، علماء و مشائخ کا تعاون کرے، اپنی دولت صرف کرے، اپنا وقت صرف کرے حتیٰ کہ دین کو جان کی ضرورت پیش آئے تو اپنے رہنماؤں کے اشارے پر اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام اور ان کے بعد اسلاف قائم کرتے آرہے ہیں کہ انہی کے ایثار و قربانی نے ہمیں دین کا وارث بنایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہم سے پہلے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں سے دین کی خدمت لیتے رہے، خصوصاً حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حواریوں کو اس بڑی ذمہ داری کی دعوت دی جیسا کہ آیت زیر گفتگو میں مذکور ہے۔

اللہ کی مدد

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اللہ ہماری مدد کا محتاج نہیں ہاں اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے دین کی مدد اور خدمت کرنے کا اعزاز بخشا ہے جو ہمارے ہی مفاد میں ہے کہ دین کی بقاء ہی سے ہماری بقاء ہے، دین کے غلبہ ہی سے ہمارا غلبہ ہے، دین ہی کی عزت میں ہماری عزت ہے۔ ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ'' فرمان الٰہی ہے اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا یعنی اگر تم اللہ کے دین کے مددگار بنو گے تو اللہ تمہارے دینی و دنیوی امور میں مدد کرے گا۔ اس طرح کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے محتاج نہ رہو گے اور یہی تو بڑی عزت ہے کہ انسان کسی کا محتاج نہ رہے اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کے سوا، اس کی گردن میں کسی کا طوق نہ لٹک رہا ہو وہ کسی کے در کا بھکاری نہ ہو دوسرے اس کے در پہ جھولیاں پھیلائے کھڑے ہوں۔

تاریخ پر نظر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دور میں بھی انسان اپنے دین سے لاپروا ہوا ذلیل و خوار ہو کر رہ گیا، مصائب و آلام کا شکار ہوا اور جب اس نے دین کی غلامی اختیار کر لی، اللہ اس کا مددگار بن گیا۔ بھکاریوں کو بھیک دینے والا بنا دیا، غلاموں کو آقا کر دیا، چرواہے حاکم بنا دیئے گئے، کمزور طاقتور ہو گئے، مظلوم نجات دہندہ ہو گئے، جاہل معلم بن گئے۔ بھولے بسرے بام شہرت پر پہنچ گئے، بے سہارا دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو گئے۔ ناقابل ذکر تاریخ کا حصہ بن گئے، جو خود تماشہ بنے ہوئے تھے وہ دوسروں کو تماشہ بنانے لگے، غیر مہذب، تہذیب و تمدن کا نمونہ بن گئے، مغلوب و مظلوم غالب ہو کر ظلم سے نجات دلانے لگے، جو کچھ نہ تھے وہ سب کچھ بن گئے۔ شہنشاہوں اور بادشاہوں کے دربار میں ان کا ذکر اور چرچا ہونے لگا، قیصر و کسریٰ کے دل ان سے لرزنے لگے، اسلحہ و ہتھیار اور مادی وسائل پر بھروسہ کرنے والی فوج پر ان کا خوف طاری ہو گیا، دشمن ان سے کترانے لگے اور وہ دشمنوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملانے کے لائق ہو گئے۔ دوستو! یہ تلوار کا زور نہ تھا، مادی وسائل کا سہارا نہ تھا، کثرت تعداد کی قوت نہ تھی بلکہ یہ سب کچھ انہیں خدمت دین اور اللہ و رسول کی غلامی کے صلہ میں نصیب ہوا وہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی دین کے خادم رہے، وہ ہمیشہ اپنا سب کچھ دین پر قربان کرتے رہے، وہ دشمنوں پر ہمیشہ سخت رہے، آپس میں میل و محبت کی زندگی بسر کرتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ'' کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہونا ان کی شان رہی۔

غرضیکہ خدمت دین اور بقائے دین ہی اہل ایمان کی بقاء وعزت کا ذریعہ ہے جس سے اللہ ورسول سے وابستگی اور تعلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہی وابستگی وسیلہ عزت بنتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ (النساء:۱۳۹)

وہ جو کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں تو وہ (سن لیں) عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے سب کی سب۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ (فاطر:۱۰)

جو عزت کا طلب گار ہو (وہ جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾ (منافقون:۸)

اور ساری عزت صرف اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ہے مگر منافقوں کو (اس حقیقت کا) علم ہی نہیں۔

اے ایمان والو! ہر کوئی عزت کا طلب گار رہتا ہے، ہر ایک کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے، جن کے پاس عزت نہیں بھی ہوتی وہ کہتے ہیں کہ ہم جان دے دیں گے لیکن اپنی عزت پر آنچ نہ آنے دیں گے تم تو مؤمن ہو تمہاری عزت کا تو اعلان قرآن کریم کر رہا ہے۔ تمہیں تو قرآن نے ''خیر امت'' کہا ہے پھر تم آج بے عزت کیوں ہو، ذلیل وخوار کیوں ہو رہے ہو، آج تو ہر دور سے زیادہ تمہارے پاس مادی وسائل موجود ہیں، جاہ ومال کی بھی کمی نہیں، تمہارے جسموں پر زرق برق لباس بھی نظر آتا ہے، تم شاندار محلوں کے مالک بھی ہو، ساز وسامان کی بھی کمی نہیں، بہترین گاڑیاں تمہاری سواریاں ہیں۔ پھر کیا ہوا تمہاری عزت کہاں گئی، تم ذلیل وخوار کیوں ہو رہے ہو، غیروں کے در پر لائن لگائے کیوں کھڑے ہو، کیوں کمزور نظر آتے ہو، کیوں مغلوب ہو، کیوں بے وقار اور بے رعب ہو، کیا ہوا تمہیں، کس نے ڈاکہ ڈالا تمہاری عزت وآبرو پر کبھی سوچا تم نے؟ ہم بتاتے ہیں اور ہماری بات ماننے کے قابل ہے، مان لو اسی میں تمہاری عافیت ہے۔ دیکھو عزت کا تعلق دین کی غلامی سے ہے اور تم دین سے دور ہو گئے، دین کے خادم نہ رہے اگر تم اللہ کے دین کے معاون ومددگار رہتے تو اللہ تمہارا معاون ومددگار ہوتا، وہ تمہاری عزت وآبرو کی حفاظت فرماتا، کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ تمہاری طرف نظر اٹھا کر دیکھ پاتا۔ اب بھی وقت ہے توبہ کر لو بدعملی، بدکرداری سے، رشوت خوری، شراب نوشی، ایذاء رسانی اور ان جیسی تمام برائیوں سے تائب ہو جاؤ اللہ کی دعوت کو قبول کر لو، قرآن کی پکار پر لبیک کہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ.

اے ایمان والو اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ۔

ایسے ہی ''كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ'' جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے اللہ کے لئے میرا مددگار تو حواری برملا لبیک کہتے آگے بڑھے ''نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ'' ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار ہمارے محبوب نبی آخر الزماں ﷺ بھی تمہیں پکارتے ہیں، ان کے بعد ان کے نائبین، تمہیں یہی دعوت دے رہے ہیں، موذنین کی میناروں سے یہی آوازیں آرہی ہیں، خطباء ممبروں سے یہی تلقین کر رہے ہیں اور تمہارے اسلاف اسی دعوت پر لبیک کرتے رہے، کیوں نہیں تم بھی اس دعوت حق کو قبول کر کے ''انصاری'' بن جاتے تا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہاری بھی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے اور دنیا ہی میں تمہیں بھی آخرت کی نجات کا پروانہ مل جائے، اللہ توفیق دے اور وہی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

حواری

''اَلْحَوَارِیُّوْنَ'' حَوَارِیُّوْنَ جمع ہے حواری کی جو حوار سے مشتق ہے، حوار سفیدی کو کہتے ہیں۔ عربی میں حواری دھوبی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ کپڑوں کو اجلا اور صاف کرتا ہے، اسی کے قریبُ المخرج، حُور ہے جو جنتی عورتوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوری چٹی اور حسین و جمیل ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے، لہٰذا ان کے مخلصین کو ''حواری'' کہا جانے لگا۔ جبکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور جانثاروں کو ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ السلام کے کل بارہ حواری تھے جن پر انہیں اعتماد تھا اور انہوں نے ان کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔ میرے آقا ﷺ کے صحابہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار تھے جو انبیاء سابقین کی کل تعداد بنتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کی یہ خصوصیت رہی کہ آپ کو انہیں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ''مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ'' کہہ کر نہ پکارنا پڑا کیونکہ وہ تو آپ ﷺ کے اشارہ ابرو پر اپنی گردنیں کٹاتے اور اپنی جان و مال سے دین کی خدمت کرتے رہے۔

قرآن کریم میں کل پانچ مقامات پر حواریوں کا ذکر کیا گیا۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات مبارکہ:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ (آل عمران: ۵۲)

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں کہا حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی) آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (مائدہ: ۱۱۱)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے اللہ) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ (مائدہ: ۱۱۲)

جب حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر ایک خوان آسمان سے اتارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (الصف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۲ ہم نے اوپر لکھی۔ اس میں غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص و مقرب ساتھی، حواری اپنے نبی سے کس قسم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اللہ قادر مطلق کے لئے "هَلْ يستطيع" کا جملہ استعمال کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کے جواب میں نبی کو یہی کہنا تھا کہ "اگر تم مؤمن ہو تو اللہ سے ڈرو" کہ اللہ کیلئے تمہارا یہ جملہ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ تاہم نبی نے دعا کر دی اور آسمان سے مائدہ نازل ہونے لگا۔ جسے یہ چند دن سے زیادہ برداشت نہ کر پائے اور پھر اپنی اوقات پر آ کر وہی دال، لہسن اور پیاز مانگنے لگے لیکن سیرت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپ مطالعہ کیجئے تو آپ کو اندازِ غلامی اور کمالِ ایمان کا اندازہ ہوگا کہ اول تو ان حضرات نے بصورت مطالبہ کبھی کچھ طلب ہی نہ کیا اور اگر اشد ضرورت پیش آنے پر کچھ مانگا بھی تو غلامانہ طریقہ پر اشارتاً نہایت ادب و احترام کے ساتھ مانگا۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حواریوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لئے پکارا تو وہ اس پر آمادہ تو ہو گئے لیکن چند ہی دن بعد ان کے درمیان اپنے نبی ہی کی شخصیت پر اختلاف ہو گیا اور لڑنے جھگڑنے لگے "فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ" تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کر دیا۔ اس اختلاف کی تفصیل بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کچھ اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے کہا کہ وہ خود خدا ہی تھے آسمان پر چلے گئے، دوسرے فرقہ نے کہا وہ خود تو خدا نہیں تھے خدا کے بیٹے تھے، اللہ نے ان کو اٹھا لیا اور دشمنوں پر فوقیت دی، تیسرے فرقہ نے وہ بات کہی جو سچ اور حق ہے کہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں پر فوقیت بخشی اور دشمن سے حفاظت اور رفعتِ درجات کے لئے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہی لوگ صحیح مؤمن تھے انہی کے عقائد کی تائید و حمایت نبی آخر الزماں ﷺ کی وساطت سے قرآن کریم کرتا ہے۔ ان تینوں فرقوں نے اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ و اشاعت کی اور بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور باہمی نزاع و اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ موجودہ عیسائیوں میں بھی یہ گروہ موجود ہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ فرقہ بندی میں اضافہ ہوتا گیا اور آج بھی سب باہم دست بگریباں رہتے اور لڑتے مرتے رہتے ہیں۔

کیامذہب باعث انتشار ہے؟

ہر مذہب اور ہر دین میں فرقہ بندی اور گروہ بندی موجود ہے۔اس حقیقت کا کوئی انکارنہیں کرسکتا ہمارے علم کے مطابق موجودہ عیسائیوں میں بائیس سے زیادہ فرقے ہیں جبکہ مسلمانوں میں بھی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق بہتر فرقے پائے جاتے ہیں۔ بے دینوں اور دھریوں کی طرف سے بڑے زوروشور کے ساتھ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیامذہب انسانوں میں انتشار واختلاف کا باعث ہے اور اگر ایسا ہے تو مذہب کواختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ سوال حقیقت میں مذہب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش اور اہل مذہب کو گمراہ کرنے کی نہایت خطرناک لیکن قطعاً ناکام کوشش ہے۔ ہم اس سوال کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔

اولاً، یہ کہ جن لوگوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے وہ خود ایک گروہ بنے ہوئے ہیں اور اس قسم کے سوالات سے وہ لوگوں میں مزید انتشار وافتراق پیدا کرنے کے سوا انسانیت کی کوئی خدمت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ان کا اپنا وجود گروہ بندی اور فرقہ بندی کا باعث ہے۔

ثانیاً، اگر یہ تسلیم کربھی لیا جائے کہ مذہب باعث انتشار ہے تو اس سے مذہب اور اہل مذہب کی حیثیت واہمیت گھٹتی نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی جتنی زیادہ اہمیت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں، اتنی ہی اس کے متعلق باتیں کی جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس کی تعبیر وتعریف کرتا ہے کوئی صحیح تو کوئی غلط اور ہر ایک محبوب کی محبت والفت کے سبب اپنے نظریہ میں اتنا پختہ ہوتا ہے اور اس قدر مستحکم دلائل سے اس کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے لئے کسی دوسرے نظریہ کوحق تسلیم کرنا تو درکنار وہ اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی سچا عاشق نہیں صرف وہی اپنے محبوب کا قدرداں ہے، وہی اس کے حسن وجمال کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہے اور صرف وہی حق پر ہے۔ مذہب ایک محبوب ہے اور وہ بھی غیر مرئی محبوب جس کی تعبیر وتعریف بے حد مشکل اور دشوار ترین ہے۔ اس کے باوجود یہ مذہب کا کمال حسن ہے کہ اس کی طرف ہر نظر اٹھتی ہے اور اس کے دیکھے بغیر ہر کوئی اس سے متعلق اپنا نظریہ قائم کرتا اور اپنی محبت اور اپنے عشق کا اظہار کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے نظریہ کا حامی وہمنوا بنانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے پر آمادہ رہتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو برداشت کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی تیار نہیں ہوتا، حتیٰ کہ وہ ان سے لڑتا ہے، جھگڑتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے نظریہ کی حفاظت واشاعت کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مذہب صرف اپنے ماننے والوں ہی کو متاثر نہیں کرتا بلکہ اس کے حسن وجمال کی جھلک منکرین تک کو متاثر کرتی ہے جس سے ان کی نظریں چندھیا جاتی ہیں اور وہ بیہودہ گوئی میں مبتلا ہوجاتے اور مذہب کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔ گویا یہ تسلیم کرنا ہوگا منکرین معاندین بھی ایک مذہبی فرقہ ہیں چاہے وہ فرقہ اعداء وحاسدین ہی سہی لیکن مذہب سے بہرحال ان کا کچھ نہ کچھ تعلق بنتا ضرور ہے۔ پس خود انہی کو یہ سوچنا ہوگا کہ مذہب کے خلاف سازش کرکے اور طرح طرح کے اعتراضات گھڑ کے اور ان کی تبلیغ واشاعت پر اپنا وقت اور اپنی دولت صرف کرکے وہ مذہب سے لاتعلق ہوسکیں گے یا ان کا مزید تعلق ہوگا، قطع نظر اس کے کہ یہ منفی تعلق کہلائے گا یا

مثبت۔غرضیکہ محبوب کا حسن و جمال عشاق کی کثرت کا سبب ہوتا ہے اور کثرت میں انتشار وافتراق فطری عمل ہے۔ہاں حق پر صرف وہی ہوتا ہے جو عقل سلیم اور ذوق صحیح کے ساتھ قائد ورہبر کا مطیع ہو اور اس کے دامن سے وابستہ ہو۔

تیسرے،غور فرمائیے کہ یہ کائنات جو کرشمہ قدرت ہے اس کے حسن و جمال کا دارومدار ہی اختلاف پر ہے۔رنگ و بو کا اختلاف،مزوں کا اختلاف،بولیوں کا اختلاف،مزاجوں کا اختلاف،موسموں کا اختلاف،آگ و پانی کا اختلاف،تہذیب وتمدن کا اختلاف،حسن و جمال کا اختلاف،چال ڈھال کا اختلاف،پھولوں پھلوں کا اختلاف غرضیکہ ہر چیز میں اختلاف موجود ہے کوئی ہے جو اس فطری وقدرتی اختلاف پر اعتراض کرے تو پھر کیوں مذہبی اختلاف پر اعتراض جڑا جاتا ہے۔کوئی ہے جو اس اختلاف سے نجات دلائے تو پھر مذہبی اختلاف سے تنگ ہونے اور نجات حاصل کرنے کی باتیں کیوں کی جاتی ہیں۔ صرف اور صرف اسی لئے کہ مزید انتشار وافتراق پیدا کیا جائے،عشاق کو لڑایا جائے انہیں ان کے محبوب سے متنفر اور دور کیا جائے لیکن نہ آج تک ایسا ہوسکا اور نہ کبھی ہو سکے گا بلکہ جتنی مخالفت بڑھتی گئی جتنی سازشوں میں اضافہ ہوتا گیا اتنی ہی حرارتِ عشق زیادہ ہوتی رہی اتنی ہی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔

ہمارے خیال سے موجودہ دور مذہب کے خلاف سازشوں کا خطرناک ترین دور ہے کہ اکثر ذرائع ابلاغ عامہ دشمن کے پاس ہیں جس کے ذریعہ مختلف انداز سے مذہب کی مخالفت کی جارہی ہے اور اہل مذہب کو متنفر کیا جارہا ہے لیکن ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ان کی تمام کوششوں کے برعکس بحمد اللہ مذہب سے عوام کے تعلق میں اضافہ ہی ہورہا ہے،مذہب کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے والے بڑھتے ہی جارہے ہیں۔صرف آج سے دس سال قبل جہاں اللہ کا نام لیوا کوئی نہ تھا آج وہاں مذہب کی بہار نظر آرہی ہے۔سب سے زیادہ قابل تعریف مسلمان ہیں جو اپنے اختلافات کے باوجود اپنی معاشی بدحالی کے باوجود خدمت واشاعتِ دین میں مصروف ہیں۔ہمیں مغربی دنیا کے ان ممالک کا دورہ کرنے کا موقع ملا ہے جن میں مسلمانوں کی آمد آمد کا دور چل رہا ہے وہ ابھی وہاں سیٹ بھی نہ ہو پائے ہیں،رہائش وروزگار کے مسائل کا شکار ہیں لیکن تمام پریشانیوں کے باوجود وہ مساجد ومدارس کے قیام کا کام بھی کررہے ہیں،مذہبی تہوار بھی مناتے ہیں،علماء دین کی میزبانی بھی کرتے ہیں،تبلیغی جلسوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں،لٹریچر کی اشاعت پر بھی توجہ دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ محبوب سے عشق ومحبت اور مضبوط تعلق ہی سکون وطمانیت کا ذریعہ ہے۔اسی سے عزت وعظمت متعلق ہے وہ جانتے ہیں کہ ہم کہیں بھی ہوں اپنے دین کے سفیر ہیں اور اس منصب کی مناسبت سے ہم دین کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے ذمہ دار ہیں چاہے اس میں کتنی ہی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں۔کتنا ہی ایثار اور کتنی ہی قربانیاں کرنی پڑیں،کام میں رکاوٹیں ضرور ہیں لیکن اتنی نہیں جتنی ہمارے اسلاف کے لئے تھیں۔منزل دور ضرور ہے لیکن اتنی نہیں کہ اس کی طرف پرواز کی ہمت ہی نہ کی جاسکے۔

مانا کہ راہ دراز ہے اور مشکلیں ہزار   عزم صمیم و ہمت عالی ہے ہم سفر

(حیرت سیفائی)

مسکراتا ہی رہے کاش امیدوں کا چمن   ناامیدی کا سفر دل کو بہت کھلتا ہے

(ذاکر)

بحمد اللہ ہم سید الانبیاء ﷺ کے ماننے والے اور ان کے غلام ہیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے جملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمیں ایمان لانے، ان کا ادب واحترام کرنے کی تعلیم دی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ ربّ العزت جل مجدہ کی قدرت کاملہ کا عظیم نمونہ ہیں۔ ان کے متعلق قرآن کریم نے واضح اعلان فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ (آل عمران:۵۵)

یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہیں پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ان لوگوں (کی تہمتوں) سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا اور قیامت تک غالب کرنے والا ہوں کافروں پر ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی پھر میری طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے۔

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۵۸﴾

(النساء:۱۵۷،۱۵۸)

اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو اللہ کا رسول ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی وہ اسے سولی چڑھا سکے بلکہ ان کے لئے (حقیقت) مشتبہ ہوگئی اور جنہوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک وشبہ میں ہیں ان کے پاس اس معاملے کا کوئی یقینی علم نہیں وہ تو صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد

آیات مذکورہ میں غور کا شرف حاصل کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو عقائد قائم کئے گئے اور جن کی بناء پر بنی اسرائیل فرقہ بندی، انتشار وافتراق کا شکار ہوئے اور آج تک ہیں اللہ تعالیٰ نے ان تمام عقائد کو یکسر مسترد کرتے ہوئے بلا علم، غیر یقینی اور محض ظن وگمان پر مبنی قرار دیا اور ان کے متعلق عقائد حقہ بیان فرمائے تاکہ نبی آخر

الزماں ﷺ کے غلام بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہوں اور ایک جلیل القدر رسول کی عزت و ناموس کے تحفظ کا انہیں شرف حاصل ہو سکے چونکہ یہ عقائد نہایت ہی اہم اور بنیادی ہیں لہٰذا ہم انہیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ا۔عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق زمانہ قدیم سے آج تک اختلاف چلا آ رہا ہے کوئی یوسف نجار کو ان کا باپ قرار دے کر حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت کا مجرم ہے تو کوئی انہیں اللہ کا بیٹا خیال کر کے کفر میں مبتلا ہے۔قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم مبارک پچیس مقامات پر مذکور ہے، جن میں سے سولہ مقام پر انہیں "عیسیٰ ابن مریم" کہا گیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا بلکہ وہ توالد و تناسل کے عام طریقہ کے برعکس اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کئے گئے اور ان کی ماں مریم تھیں، اس طرح وہ قدرت قادر مطلق اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کا ایک عظیم نمونہ بنائے گئے تھے بالکل حضرت آدم علیہ السلام کی طرح۔ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

(ال عمران:۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم جیسی ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

یعنی ایک مؤمن جو یہ مانتا ہے کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے اس کے لئے یہ ماننا کوئی مشکل نہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا اسی طرح رب قدیر نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیا۔

حضرت مریم علیہا السلام وہ واحد عورت ہیں جن کا قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا حال بیان کرتے ہوئے یہاں تک بتا دیا گیا کہ جب حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کو لے کر گھر آئیں تو لوگ جمع ہو گئے اور انہیں متہم کرنے لگے، اپنی ماں کی پاکیزگی اور طہارت کو ایک نوزائیدہ بچے نے بیان کرتے ہوئے اپنی حیثیت اور اپنے بلند مقام کا اعلان کیا فرمایا گیا:

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿ۙ﴾ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۪ۖ﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿ؕ﴾ (مریم:۲۸ تا ۳۵)

اے ہارون کی بہن (مریم) نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ یہ تیری ماں بدچلن تھی، پس اشارہ کیا مریم نے بچے کی طرف (کہ اس سے حقیقت معلوم کر لو) لوگ کہنے لگے ہم اس سے کیسے پوچھیں جو گہوارہ

میں (کمسن) بچہ ہے۔ وہ بچہ خود ہی بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے مجھے جابر نہیں بنایا اور نہ ہی بد بخت کیا اور مجھ پر سلامتی ہو جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا یہ ہے (حقیقت) عیسیٰ ابن مریم (کی) (اور یہ ہے وہ سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں اللہ کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ تو پاک ہے وہ جب فیصلہ فرمالیتا ہے کسی کام کا تو بس اتنا حکم دیتا ہے اس کے لئے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ اللہ نے اپنے اس جلیل القدر نبی کو اپنی قدرت کا نمونہ بنایا جس کا اس بچہ نے بچپن ہی میں خود اعلان فرمایا۔

۲۔ آیات بالا میں یہ عقیدہ بھی وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ ہی اس کے ساجھی یا شریک بلکہ وہ دیگر انسانوں کی طرح صرف اللہ کے بندے ہیں، جس نے انہیں رسالت کا عظیم منصب عطا فرما کر اپنی کتاب، معجزات اور دیگر ایسے کمالات سے نوازا جو نبوت کا خاصہ ہیں اور اسی لئے وہ عام انسانوں سے ممتاز اور بلند مرتبہ قرار پائے کہ نبوت اور اس کے خواص انسان کو عام انسانوں سے ممتاز کر ہی دیتے ہیں۔

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے یا شریک نہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے اور وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا یا شریک ہو، یہی بنیادی تعلیم ہے۔ جس کے لئے اس نے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری کیا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن کریم نے اس عقیدۂ حقہ کی تعلیم دی اور "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" بیشک شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ فرما کر شرک کی مذمت کر دی گئی نیز اسے گناہ عظیم، ضلالت بعیدہ اور جنت سے دائمی محرومی کا سبب قرار دیا۔ نیز غَفَّارُ الذنوب رب ہر گناہ معاف کر دینے کا بار بار اعلان فرماتا ہے لیکن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ صرف ایک گناہ ہے جو ہرگز معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد ہوا: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" بیشک اللہ ہر کسی کو معاف فرما دیتا ہے سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ" سوائے اس کے کوئی عبادت کے لائق نہیں پاک ہے اس سے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ "سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ" اللہ پاک اور بلند ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی نبی اللہ کا ساجھی و شریک نہیں ہو سکتا چاہے وہ کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو۔

قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متعدد مقامات پر تعارف کراتا ہے ان میں سب سے واضح تعارف سورۂ مائدہ کی آخری آیات سے کرایا گیا ہے۔ جس کی ابتداء آیت نمبر ۱۰۹ سے ہوتی ہے، آیت نمبر ۱۱۶ میں اس اہم سوال کا ذکر ہے جو رب ذوالجلال اپنے اس جلیل القدر نبی سے کرے گا۔ "ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کیا تم

نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو اللہ کے سوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواباً عرض گزار ہوں گے۔ ''قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ'' تو ہر شریک سے پاک ہے میری کیا مجال تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ ''اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ'' اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی تو تو اسے ضرور جان لیتا کہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے جبکہ میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ ''اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ'' بیشک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا۔ پھر آپ عرض کرتے ہیں کہ میں نے تو ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ ''اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ'' کہ ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور میں اس وقت تک ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگران تھا۔ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور تو ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والا ہے (اب تیری مرضی ہے ان کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے) اگر انہیں تو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے بلا شبہ تو ہی سب پر غالب ہے اور بڑا دانا ہے۔

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یا اللہ کا شریک و ساجھی بنانا، شرک عظیم ہے جو صرف قرآن کریم ہی کی تعلیمات کے خلاف نہیں بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور مرضی کے بھی خلاف ہے۔ اب غور کریں اور فیصلہ کریں وہ ظالم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی اور عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر انہیں اللہ کا بیٹے کہتے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کی ماں کو بھی العیاذ باللہ اس میں شریک کرتے ہیں۔ قرآن کریم ان ظالموں کو دعوت ہدایت دیتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڞ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

(النساء:۱۷۱)

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق صرف سچی بات ہی کہو (جو یہ ہے کہ) بے شک مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف پہنچایا تھا اور ایک روح تھی اس کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آ جاؤ (اپنے عقیدۂ باطل سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے بیشک اللہ تو ایک ہی معبود ہے پاک ہے وہ اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اسی کا (سب ہے) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی ہے کارساز۔

۳۔ قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اور ان کے سولی پر چڑھا دینے سے متعلق باطل و بیہودہ اور صرف ظنی عقائد و خیالات کی نہایت ہی شدت کے ساتھ تردید کر رہا ہے اور واضح اعلان فرماتا ہے: ''وما قتلوہ وما صلبوہ'' اور

انہوں نے اسے قتل نہ کیا اور نہ ہی انہوں نے اسے سولی پر چڑھایا۔ اتنا ارشاد کافی تھا کہ حقیقت واضح ہوگئی لیکن صرف اس پر اکتفا نہیں کیا گیا کیونکہ معاملہ نہایت ہی نازک ہے۔ نبی کی عزت اور اللہ کی قدرت کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا ارشاد ہوا" وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ "لیکن ان پر حقیقت حال مشتبہ ہوگئی۔ اصل حقیقت کو وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ مزید فرمایا جا رہا ہے:" وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ "اور بیشک جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کے پاس اپنے دعویٰ کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل بلکہ" مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ "وہ بلا علم ظن وگمان میں مبتلا ہیں۔" وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا "دوسرے مقام پر ارشاد ہے اور ان کے اکثر صرف گمان کی اتباع کرتے ہیں۔ جبکہ" اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا "حق کے مقابلہ پر گمان سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جبکہ گمان کرنے والوں کا انجام نہایت ہی بھیانک ہو گا۔ فرمایا گیا:" الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ط "جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ ان کا انجام یہ ہے کہ" عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ "انہی پر بری گردش ہے۔" وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ "اور ان پر اللہ کا غضب ہوا ہے یعنی وہ ان بدنصیبوں میں شامل ہیں جنہیں" مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ "کہا گیا" وَلَعَنَهُمْ "اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔" وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ "اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب۔" وَسَآءَتْ مَصِيْرًا "اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ظن وگمان کو لایعنی اور غیر مفید قرار دیتے ہوئے اس میں مبتلا لوگوں کی شدید مذمت کی ہے۔

" وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا "اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہ کیا۔ شبہ، شک اور ظن کے بعد یقین کا لفظ استعمال فرما کر مزید تاکید کی جا رہی ہے۔ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی عقیدۂ حقہ ہے اس کے علاوہ دعوے باطل، بلا علم ودلیل ہیں۔ ان کا دارومدار صرف اشتباہ پر شک اور ظن وگمان پر ہے جس کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا یہ بھی نہایت آسان جملے سے واضح کیا گیا۔" بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ "بلکہ اللہ قادر مطلق نہیں انہیں اپنی طرف اٹھا لیا۔ قبل موت اور قبل سولی، زمین پر چلتا پھرتا اٹھا لیا کہ جو اللہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ دشوار و مشکل نہیں پس اس نے اپنی قدرت کاملہ کے اس نمونہ کو اپنی قدرت سے اوپر اٹھا لیا تا کہ اس نمونہ قدرت کو قتل کر دینے اور سولی پر چڑھا دینے کے بعد کوئی اللہ کی قدرت پر غالب آ جانے کا دعویٰ نہ کر سکے۔ نیز اللہ اپنے نبی ورسول کی جان، عزت وآبرو کا اپنے فضل وکرم سے خود ہی محافظ ہوتا ہے۔ پس اس نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی۔ جیسے اس نے سید الانبیاء نبی آخر الزماں ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ جبکہ آپ ﷺ کو زہر بھی دیا گیا، آپ ﷺ پر جادو بھی کیا گیا، میدان طائف میں آپ ﷺ پر پتھراؤ بھی ہوا۔ غزوۂ احد میں تو آپ ﷺ کی شہادت تک کی افواہ پھیلی اور شدید جسمانی اذیت ہوئی، دشمن نے آپ ﷺ کو تنہا پا کر آپ پر وار بھی کئے لیکن یہ آپ ﷺ پر اللہ ہی کا فضل وکرم تھا کہ خطرناک سے خطرناک ترین موقع پر آپ ﷺ دشمن کے شر سے محفوظ رہے۔" وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ "اور اللہ لوگوں کے شر سے آپ کی حفاظت فرمائے گا، اپنے محبوب ﷺ سے رب کریم کا وعدہ ہے سو اس نے ہر حال میں آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اپنا وعدہ پورا کیا۔

غرضیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ وہ نہ تو ابن اللہ ہیں نہ وہ اوران کی ماں اللہ کی شریک وساجھی ہیں، عقیدۂ تثلیث قطعاً باطل وبیہودہ ہے۔ نیز بتاکید واضح کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک موت نہیں آئی ہے نہ ہی انہیں پھانسی دی جا سکی ہے۔ بلا شک وشبہ یقیناً وہ زندہ ہیں، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا ہے۔ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیام قیامت سے کچھ ہی پہلے تشریف لائیں گے۔ ان کا نزول دمشق کی جامع ملک بن مروان کے ایک مینارہ پر ہوگا، یہ مخصوص مینارہ جامع مسجد میں موجود ہے، جسے زائرین دیکھتے ہیں۔ اسی جامع مسجد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی، اللہ کے نبی حضرت یحیٰ علیہ السلام کا مزار مبارک بھی موجود ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ وقت عصر یا مغرب کا ہوگا، مسجد میں موجود لوگ ان کے نزول کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور سبحان اللہ، اللہ اکبر کے نعرے بلند کر کے اللہ کی قدرت کا اعتراف کریں گے۔ بعض لوگ یہ منظر دیکھ کر بیہوش ہو جائیں گے، یہیں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی موجود ہوں گے۔ نماز کے لئے صفیں کھڑی ہو جائیں گی، امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے یا نبی اللہ اب امامت آپ فرمائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: مہدی میں اب اللہ کا نبی نہیں میری نبوت کا دور ختم ہو گیا۔ میں وہ واحد نبی ہوں جسے سید الانبیاء، نبی آخر الزماں ﷺ کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پس امامت آپ فرمائیں تاکہ عوام میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ امام مہدی امامت کریں گے، نماز کے بعد امام مہدی، حضرت عیسیٰ السلام کو اس وقت کے تمام حالات بتائیں گے۔ آپ امام مہدی کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ الحق کریں گے۔ یہ دجال کا دور ہوگا جو اپنی قوت وطاقت اور شعبدہ بازی سے لوگوں کو گمراہ کر رہا ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے۔ مخبر صادق ﷺ فرماتے ہیں: ''اذ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَآءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ'' جب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح ابن مریم کو بھیجے گا تو وہ ایک سفید مینارے پر نازل ہوں گے جو شرقی دمشق میں ہے۔ ''بَيْنَ مَهْرُوْذَتَيْنِ'' وہ دو زعفرانی کپڑے پہنے ہوں گے۔ ''وَاضِعاً كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ'' دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ ''اذا طاطار اسهٗ قطر وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانَ كَاللُّؤْلُؤِ'' ان کا سر جھکا ہوگا جس سے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں گے اور جب وہ اپنا سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ ''فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيْحِ نَفْسِهٖ اِلَّا مَاتَ'' جس کافر تک ان کے سانس کی خوشبو پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ ''وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ'' اور ان کی سانس ان کی حد نظر تک پہنچے گی۔ ''فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ'' پھر آپ دجال کو تلاش کریں گے تو وہ باب لُد کے قریب ملے گا، پس آپ اسے قتل کر دیں گے۔ (لُد بیت المقدس کے قریب واقع ایک بستی کا نام ہے۔)

یہ طویل حدیث ہے جس کے راوی حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی حدیث شریف میں یاجوج وماجوج کے خروج کا بھی ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی بددعا سے ان کی گردنوں میں ایک ایسا کیڑا پیدا ہوگا جس سے وہ سب ایک ساتھ مر جائیں گے۔ ان کی لاشوں سے زمین کا چپہ چپہ بھرا پڑا ہوگا کہیں پیر رکھنے کی جگہ نہ ہوگی، فضا بدبو سے بھری

ہوگی، اللہ کے نبی دعا کریں گے پس اللہ ایسے پرندوں کو بھیجے گا جو ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دے گا۔ ان کی کمانیں، نیزے اور ترکش اتنے ہوں گے کہ مسلمان سات سال تک ان کو بطور ایندھن استعمال کریں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا جو زمین کو دھو کر شیشے کی مانند چمک دار کر دے گی، ہر طرف سبزہ زار ہوگا، پھل اور سبزیاں ہوں گی، جانوروں کے دودھ میں برکت ہوں گی وہ تر و تازہ ہو جائیں گے (وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) نیز آپ صلیبیں توڑیں اور خنزیروں کا خاتمہ کر دیں گے۔

غرضیکہ اس حدیث پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے نیز پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے نبی کا مقام کس قدر بلند و بالا ہے۔ اس کے وسیلہ ہی سے دنیا کی مصیبتیں ٹلتی اور ان سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اس امت کے نجات دہندہ ہیں۔ اسی لئے سید الانبیاء ﷺ سے قریب تر ہیں۔ زمانہ کے اعتبار سے بھی کہ آپ انبیاء سابقین میں آخری نبی ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ آپ نے واضح طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا اعلان فرمایا اور اپنی قوم کو آپ پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔ نیز آپ ﷺ نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نکاح کریں گے ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال یہاں قیام فرما کر وفات پائیں گے۔ ''فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ'' وہ میرے ساتھ ہی میرے روضہ میں دفن کئے جائیں گے۔ ''فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ'' پس میں اور عیسیٰ ابن مریم دونوں ایک ہی قبر سے ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھیں گے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ انور میں تین قبریں ہیں جبکہ ایک قبر کی خالی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اسی جگہ دفن کرنے کی اجازت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مانگی گئی تو آپ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے انہیں وہاں دفن نہ ہونے دیا پھر لوگوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہاں دفن کرنا چاہا لیکن نہ کر سکے پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہاں دفن کیا جائے تو آپ نے منع فرمایا جو جگہ اللہ کے نبی کے لئے محفوظ ہے اللہ نے اسے خالی رکھا ہے تاکہ اللہ کی مرضی پوری ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو دفن کیا جائے اور مخبر صادق ﷺ کا ارشاد حق اور سچ ثابت ہو سکے۔

خلاصہ

بہر حال قرآن و حدیث کی روشنی میں ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد کو بیان کر دیا جو نہایت ہی واضح ہیں اور چونکہ ان کا دارومدار اللہ و رسول کے ارشادات پر ہے، لہٰذا ان میں نہ تو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہے نہ ہی یہ ظن و گمان پر موقوف ہیں، پس یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ ہر عقیدہ باطل ہے، مسترد ہے، مردود ہے، ناقابل توجہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے آمین۔

اس وضاحت کے باوجود بھی جو لوگ بدعقیدگی میں مبتلا ہیں، اللہ کے زندہ نبی کو مردہ قرار دیتے ہیں، کشمیر میں کسی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتاتے ہیں جبکہ ان کی خود بھی اتنی ہمت نہیں کہ وہاں جا کر کسی کشمیری سے اس قبر کا پتہ معلوم کر سکیں

کہ وہ اس کا جواب صرف بندوق کی گولی ہی سے دے گا۔ یا اللہ کے نبی کو سولی یافتہ کہتے اور محض ظنی دعویٰ کرتے ہیں کہ سولی کے بعد اللہ نے انہیں آسمانوں کی طرف اٹھالیا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ العیاذ باللہ جب اللہ اپنے نبی کی جان ہی نہ بچا سکا تو پھر لاش کو آسمان پر اٹھانے کی کیا ضرورت باقی رہی۔ اسی طرح جس نبی نے اپنے اعلان نبوت سے پہلے اپنی بندگی کا اعلان کیا اور قیامت میں بھی وہ اپنی اور اپنی ماں کی براءت کا اظہار کریں گے پھر ان کے متعلق اللہ کا بیٹا ہونے یا اس کا شریک سا جھی ہونے کا عقیدہ رکھنا وہ بھی بلا دلیل حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی جہالت وحماقت اور بدنصیبی پر سوائے ماتم کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا یا پھر دعا کیجئے کہ اللہ جو ہدایت دینے والا ہے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صدقہ میں انہیں ہدایت عطا فرمادے۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی نیز ایسے نبی کا غلام بنایا جس نے ہمیں انبیاء سابقین علیہم السلام کی عزت وناموس کے تحفظ کی تعلیم دی اور اللہ نے اس معلم کامل ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس تعلیم پر ہمیں عمل کی توفیق بخشی کہ ہم نے جملہ انبیاء کرام بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام ومراتب کو کما حقہ جانا پہچانا، والحمد للّٰہ رب العلمین۔

''فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاَصْبَحُوْا ظَاهِرِيْنَ'' ہم نے اہل ایمان کی مدد کی کہ بالآخر وہی دشمنوں پر غالب رہے۔ یہ ارشاد اس جماعت اور گروہ کے متعلق ہے جس نے کما حقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مرتبہ ومقام کو پہچانا اور ان پر ایمان لائے اور بحمد اللہ اپنے آقا ﷺ کی وساطت سے ہم ان ہی اہل ایمان میں سے ہیں۔ پس تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں اللہ رب العزت جل مجدہ نے یہود ونصاریٰ مرتدین اور دیگر کفار پر ہمیں غالب رکھا اور ان کے شر وفساد سے محفوظ رکھا اے اللہ آئندہ بھی تو ہی ہمارا حامی وناصر ہونا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سورۃ الجمعہ“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
86	9تا11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۶

الجمعہ: ۹ تا ۱۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (الجمعہ: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور اللہ کی یاد کرتے رہو کثرت سے تاکہ تم فلاح پاؤ اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشہ کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا

فرما دیجئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کھیل اور تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

سورۃ الجمعہ کی آیات مذکورہ کی تشریح و مفہوم عرض کرنے سے قبل ضروری ہے کہ جمعہ کی فضیلت اور نماز جمعہ کی اہمیت بیان کی جائے۔

فضیلت جمعہ

''جمعہ'' یعنی اجتماع کا دن، زمانہ جاہلیت میں اس دن کو ''عروبہ'' کہا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے کعب بن لوئی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا کہ اس زمانہ میں قریش ایک جگہ جمع ہوتے تھے اور کعب خطبہ دیا کرتے تھے جس میں اکثر وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں نبی آخر الزماں کی آمد اور ان کی خوبیوں کا حال بیان کیا کرتے تھے۔ خصوصاً یہ ثابت کرتے تھے کہ اس عظیم انسان کی ولادت بنو اسماعیل کے قبیلہ قریش ہی میں ہوگی۔ وہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ اپنی نسل کو وصیت کرتے رہنا کہ تم میں سے جو بھی اس نبی کا دور پائے وہ اس پر ایمان لائے۔

بہرحال ''عروبہ'' کے لئے لفظ جمعہ کا اہتمام زمانہ جاہلیت ہی میں ہو چکا تھا لیکن یہ لفظ عام عرب میں مشہور نہ تھا۔ صرف قریش کے درمیان ہی اس کا استعمال تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور نزول قرآن کے بعد اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ عروبہ کا لفظ تقریباً لغت عرب سے ختم ہو گیا اور اسے جمعہ ہی کہا جانے لگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ''خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ'' بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا ہے۔ ''فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ'' اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ ''وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ'' اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے۔ ''وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا'' اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ ''وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ'' اور قیامت جمعہ ہی کے دن آئے گی۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہی بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَّا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْراً اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ'' بیشک جمعہ کے دن ایک وقت ایسا ہے کہ اگر مسلمان اس میں دعائے خیر کرے تو اللہ اسے ضرور عطا فرماتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو بردہ ابن ابی موسیٰ نے بتایا کہ میرے باپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جمعہ کی مخصوص ساعت کے متعلق فرماتے سنا: ''هِيَ مَا بَيْنَ اَنْ يَّجْلِسَ الْاِمَامُ اِلٰى اَنْ تُقْضَى الصَّلٰوةُ'' جمعہ کی مخصوص ساعت امام کے (منبر پر) بیٹھنے کے وقت سے نماز ختم ہونے تک ہے۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِيْ تُرْجٰى فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ'' جمعہ کے دن قبولیت دعا والی ساعت کو عصر سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ''لاَیِّ شَیْءٍ سُمِّیَ یَوْمُ الْجُمُعَةِ'' کہ اس دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''لِاَنَّ فِیْھَا طُبِعَتْ طِیْنَةُ اَبِیْکَ اٰدَمَ'' کیونکہ اسی دن آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر کی گئی۔ ''وَفِیْھَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ'' اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ''وَفِیْھَا الْبَطْشَةُ'' اور اسی دن سخت پکڑ ہوگی۔ ''وَفِیْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْھَا سَاعَةٌ مَّنْ دَعَا اللّٰهَ فِیْھَا اُسْتُجِیْبَ لَهٗ'' اور اسی دن کی آخری تین ساعتوں میں سے ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعا قبول کی جاتی ہے۔ (احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''اَکْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ'' جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔ ''فَاِنَّهٗ مَشْھُوْدٌ یَشْھَدُهُ الْمَلٰئِكَةُ'' کیونکہ یہ یوم مشہود ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ''وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا'' اور بیشک مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ اس موقع پر راوی نے آپ سے پوچھا: ''وَبَعْدَ الْمَوْتِ'' اور آپ کی موت کے بعد بھی (ایسا ہی ہوتا ہے)۔ ''قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ'' آپ نے فرمایا بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کے جسم کو کھائے۔ ''فَنَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ یُّرْزَقُ'' پس اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِكُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ'' تمہارے دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ ''فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ قُبِضَ'' اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انہیں موت آئی۔ ''وَفِیْهِ النَّفْخَةُ وَفِیْهِ الصَّعْقَةُ'' اسی دن صور پھونکا جائے گا اور یہی ہلاکت کا دن ہو گا۔ ''فَاَكْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْهِ'' پس اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ ''فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ'' کیونکہ تمہارا درود مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ''وَكَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا وَقَدْ اَرِمْتَ'' آپ پر درود کس طرح پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں گل چکی ہوں گی۔ ''قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ'' آپ نے فرمایا: بیشک اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا: ''اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُ الْاَیَّامِ وَاَعْظَمُھَا عِنْدَ اللّٰهِ'' بیشک جمعہ کا دن سید الایام ہے اور اللہ کے نزدیک عظمت والا ہے۔ ''وَھُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحٰی وَیَوْمِ الْفِطْرِ'' وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے زیادہ عظمت والا ہے۔ ''فِیْهِ خَمْسُ خِلَالٍ'' اس میں پانچ اہم باتیں ہیں۔ ''خَلَقَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ'' اللہ نے اس دن آدم کو پیدا فرمایا۔ ''وَاَھْبَطَ اللّٰهُ فِیْهِ اٰدَمَ اِلَی الْاَرْضِ'' اور اسی دن اللہ نے آدم کو زمین پر اتارا۔ ''وَفِیْهِ تَوَفَّی اللّٰهُ اٰدَمَ'' اور اسی دن اللہ نے آدم کو وفات دی۔ ''وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَّا یَسْاَلُ الْعَبْدُ فِیْھَا شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَا لَمْ یَسْاَلْ حَرَامًا'' اور اسی میں ایک ساعت ہے جس میں بندہ اللہ سے جو چیز بھی مانگتا ہے وہ اسے دیتا ہے جبکہ وہ کسی حرام چیز کا سوال نہ کرے۔ ''وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ'' اور اسی دن قیامت

آئے گی۔ ''مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَّلَا سَمَآءٍ وَّلَا اَرْضٍ وَّلَا رِيَاحٍ وَّلَا جِبَالٍ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ'' نہیں ہے کوئی مقرب فرشتہ، نہ آسمان، نہ زمین اور نہ ہوا اور نہ پہاڑ اور نہ سمندر مگر وہ جمعہ کے دن سے لرزتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَمَا دَابَّةٍ اِلَّا وَهِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلَعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ'' اور کوئی جاندار ایسا نہیں جو قیامت قائم ہونے کے خوف سے لرزتے ہوئے جمعہ کے دن کا منتظر نہ ہو طلوع آفتاب تک سوائے جن اور انسان کے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ'' جو مسلمان بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اللہ اسے فتنۂ قبر سے محفوظ فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

فضائل جمعہ پر ایک نظر

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کثیرہ میں سے یہاں ہم نے چند احادیث مبارکہ قلمبند کیں جن سے معلوم ہوا کہ:۔

> جمعہ سید الایام ہے، ہفتہ کے سات دنوں میں سب سے افضل ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کیے گئے۔ اسی دن زمین پر اتارے گئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق اسی دن زمین و آسمان اور تمام کائنات کی تخلیق مکمل ہوئی، اسی دن قیامت آئے گی، اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی ہر دعا قبول فرماتا ہے۔ جمعہ کے دن یا رات میں جسے موت آجائے اللہ اسے اپنے فضل وکرم سے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی دن بکثرت فرشتے دنیا میں آتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کے اعمال دیکھتے اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر ان کے گواہ بنتے ہیں۔

جمعہ کے دن کی ایک عظمت یہ معلوم ہوئی کہ ''اس کے چوبیس گھنٹوں میں ایک وقت دعا کی قبولیت کا ہے'' ہمارا عقیدہ وایمان ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے ہمیں جو کچھ بتایا وہی حق ہے، سچ ہے۔ یہ آپ کا کرم خاص ہے کہ آپ نے ہم گنہگاروں کی دعاؤں کی قبولیت کے لئے کچھ مخصوص اوقات، راتوں اور دنوں اور بعض خاص مقامات کا پتہ دیا لیکن ان میں سے اکثر کو مبہم رکھا۔ مثلاً شب قدر جس کا رمضان المبارک میں ہونا تو یقینی ہے کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس مقدس شب کا رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہونا یقینی ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے بتایا لیکن ان پانچ راتوں میں سے کسی ایک کا تعین کر لینا صرف ظنی ہے۔ اسے علماء کرام کا صرف تخمینہ اور اندازہ ہی کہا جا سکتا ہے اس کے سوا کچھ

نہیں۔ یہ ابہام اس لئے نہیں کہ بتانے والے آقا ﷺ کو بھی متعینہ وقت کا علم نہ تھا۔ یہ بات علم و عقل دونوں کے خلاف ہے ایسا ہرگز نہیں۔ یہ عقیدہ باطل اور محض وہم و گمان ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابہام کسی چیز کی اہمیت زیادہ کرنے اور اس کی کشش میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً جب آپ کسی کو کوئی تحفہ دیتے ہیں تو آپ اسے اس طرح لپیٹتے اور پیک کرتے ہیں کہ جب تک لینے والا خود اس کو نہ کھولے اس وقت تک نہ تو لینے والے کو پتہ چل سکے اور نہ ہی دیگر حاضرین کو جونہی آپ یہ تحفہ محفل میں لے کر پہنچتے ہیں ہر ایک کی نظر اس کی طرف اٹھتی ہے اور لینے والا بھی اس کو کھولنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ ابہام نہ ہوتا تو یہ کشش ہرگز نہ ہوتی۔ میرے آقا ﷺ نے جن چیزوں میں ابہام رکھا صرف ان کی کشش میں ہی اضافہ نہ ہوا بلکہ اس ابہام کے باوجود اسے تلاش کرنے والوں کا اجر و ثواب بھی بڑھا۔ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب ہی شب قدر ہے تو غلاموں میں اس کو پانے کے لئے کوئی اضطراب نہ رہتا۔ بس وہ اس شب عبادت کرتے اور ہزاروں راتوں کی عبادت کا ثواب پا لیتے لیکن اس شب کو پانچ راتوں میں مبہم کر کے غلاموں پر رحمتِ الٰہی برسنے کا سبب بنا دیا کہ اب جو ان پانچ راتوں میں خصوصی عبادت کرتے ہیں انہیں ایک شب قدر نہیں بلکہ پانچ شبِ قدر کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسی لئے ساعت جمعہ مبہم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ساعت کے متعلق چالیس اقوال بیان کئے ہیں تاہم دو قول قابل ترجیح ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساعت خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک کے درمیان ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بردہ ابن موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ ساعت جمعہ کی آخری گھڑی ہے یعنی عصر و مغرب کے درمیان کا کوئی حصہ۔ جیسا کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں پڑھا اور اکثر علماء نے اسی وقت کو ترجیح دی ہے جو مقربین بارگاہ الٰہی ہیں وہ جمعہ کا سارا دن ہی اس ساعت کو پانے کے لئے ذکر و عبادت اور دعا میں گزار دیتے ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں کو کم از کم عصر و مغرب کے درمیان ہی بھیک مانگنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق "قیامت بھی جمعہ ہی کے دن آئے گی" یہاں بھی ابہام رکھا گیا سال اور مہینہ نہ بتایا گیا جبکہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے واقعات تک بیان کر دیئے گئے، صرف تاریخ نہیں بتائی۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر یہاں ابہام نہ رکھا جاتا اور تاریخ کا بھی تعین کر دیا جاتا تو ہمارا کیا حال ہوتا۔ یہ نظام عالم کیسا درہم برہم ہو جاتا۔ اس کا تھوڑا سا اندازہ اس مریض کی حالت دیکھ کر کیا جا سکتا ہے جو کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو اور ڈاکٹر محض اپنے ظنی علم کی بنیاد پر اسے یا اس کے رشتہ داروں کو یہ بتا دے کہ چند ہفتوں یا چند مہینوں میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایک فرد کی موت کی تاریخ کا پتہ چل جائے وہ بھی صرف ظن و گمان کی بنیاد پر تو وہ، اس کا پورا خاندان، اس کا حلقہ احباب سب مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ان کی زندگی ناہموار ہو جاتی ہے، ان پر قنوطیت اور مایوسی طاری ہو جاتی ہے تو اگر قیامت کی مقررہ تاریخ کا اعلان کر دیا جاتا تو کیا بنتا۔ تاہم آقائے رحمت ﷺ نے قیامت کا دن بتا کر ہم غلاموں پر بڑا کرم کیا کہ اس طرح آپ نے ہمیں توبہ و استغفار کا وہ موقع فراہم کر دیا جو موت سے پہلے نصیب ہو جانا، اہل ایمان ہی کا مقدر ہے۔ پس ہمیں جمعہ کے دن خصوصیت کے ساتھ توبہ و استغفار اور بکثرت ذکر و عبادت میں گزارنا چاہئے۔

میرے آقا ﷺ نے جمعہ کے مقدس دن کے لئے ایک نہایت مؤثر عمل بھی بتادیا کہ اس دن غلام آقا کو بکثرت یاد کیا کریں یعنی ان پر درود کے پھول برسایا کریں۔ یوں تو اس دن کے لئے احادیث مبارکہ میں دیگر اعمال کا ذکر بھی موجود ہے لیکن بہرحال ان میں افضل ترین عمل نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا ہے۔ جو نفلی عبادات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ عبادت ہے۔ اس عنوان پر ہم تفصیلی گفتگو مقالہ نمبر ۶۵ زیر عنوان ''درود شریف'' کر چکے ہیں۔ اہل ذوق کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

نماز جمعہ کی اہمیت

نماز جمعہ کی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا ذکر اور اس کی پابندی کرنے کا واضح حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں معلم کامل ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس کی پابندی کی تعلیم دی اور اس سے لاپرواہی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی۔ آقا ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منبر شریف پر رونق افروز ہوکر فرماتے سنا: ''لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ'' لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں۔ ''اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَیَکُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ'' ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم)

حضرت ابوالجعد ضمیری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَرَکَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِه'' جس نے (متواتر) تین جمعہ محض سستی (لاپرواہی، بلاعذر) کی بناء پر چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پہ مہر لگادے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَةَ بِغَیْرِ ضَرُوْرَةٍ کُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ کِتٰبٍ لَّا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ'' جو شخص بلاضرورت ومجبوری جمعہ ترک کردے۔ وہ ایسی کتاب میں منافقوں میں لکھ دیا جاتا ہے جو نہ مٹائی جاسکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے (یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اللہ کے نزدیک منافقوں کی فہرست میں شامل کردیا جاتا ہے۔) (مشکوٰۃ)

تارکین جمعہ کا انجام

غور فرمایا آپ نے کہ مخبر صادق ﷺ بلاعذر شرعی بغیر کسی مجبوری کے محض لاپرواہی اور سستی کے جمعہ کی نماز چھوڑ دینے والوں کا کیا بھیانک انجام بیان فرمارہے ہیں کہ جس نے متواتر تین جمعہ چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگادیتا ہے کہ انہوں نے کھلم کھلا اللہ کے حکم کی تعمیل سے لاپرواہی کی، سستی کی۔ پس یہ فسق وفجور میں مبتلا ہوگئے یہ لوگ نہایت ہی سرکش ہیں: ''کَذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ'' ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگادیتے ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے جس کے دل پر یہ مہر لگ جاتی ہے یعنی اللہ کی رحمت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اس کو جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا

ہے۔ایسے شخص کے دل میں پھر کبھی دین کی طرف مائل ہونے کی امنگ پیدا نہیں ہوتی حتی کہ وہ ۔۔۔ سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے اور ان لوگوں کا تو مزید بدتر انجام ہے جو کبھی نماز جمعہ پڑھتے ہی نہیں کہ انہیں ہمیشہ کے لئے منافقوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے، چاہے انہیں شرعاً منافق کہہ کر نہ بلایا جا سکے لیکن بہر حال اللہ ۔۔۔ یہاں ان کا انجام منافقوں ہی کے ساتھ بتایا گیا۔

افسوس ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں مدتیں گزر جاتی ہیں ان ظالموں کا اللہ کے ۔۔۔ میں سر نہیں جھکتا۔ان میں بہت سے تو ایسے بدنصیب ہیں جو نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی محروم رہتے ہیں کہ یہ ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے پھر ایسے لوگ اس قدر بے شرم اور بے حیا ہوتے ہیں کہ اپنی مرضی اور اپنی سہولت کے مطابق عید مناتے، زرق برق لباس پہنے، تحفے تحائف لینے دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں کہ یہ عید کو بس ایک تہوار کے سوا کچھ نہیں سمجھتے اللہ اس بدعملی اور کج فہمی سے محفوظ رکھے،آمین۔

نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنا

میرے آقا ﷺ نے نماز جمعہ کے لئے تاخیر سے آنے کو بھی سخت محرومی اور بدنصیبی قرار دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ'' جب جمعہ کا دن آتا ہے۔''كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلٰئِكَةٌ'' تو مسجد کے دروازوں سے ہر دروازے پر فرشتہ مقرر ہوتا ہے، جو''يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ''(مسجد میں داخل ہونے والوں کو) لکھتے رہتے ہیں ترتیب وار۔''فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوُوا الصُّحُفَ''پس جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) بیٹھتا ہے تو وہ اپنی فائلوں کو بند کر دیتے ہیں۔ ''وَجَآءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ''اور خطبہ سننے لگتے ہیں (یعنی جو لوگ خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد دوڑتے، ہانپتے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، وہ محروم رہتے ہیں کہ ان کے نام اس مبارک فہرست میں شامل نہیں ہو پاتے)۔''وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِي الْبُدْنَةَ''اور جلدی آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں ایک اونٹ صدقہ کرتا ہے۔''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً''اس کے بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جو گائے صدقہ کرتا ہے۔''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الْكَبْشَ''اس کے بعد آنے والا اس کی طرح ہے جس نے مینڈھا صدقہ کیا۔''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الدُّجَاجَةَ''پھر اس کی طرح ہے جس نے مرغی صدقہ کی۔''ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِي الْبَيْضَةَ''پھر اس کے بھی بعد آنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے اللہ کی راہ میں انڈا صدقہ کیا۔ (مسلم)

حدیث مبارکہ پر غور فرمائیے اور نماز جمعہ کی اہمیت کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ادا کرنے والوں کی فہرست مرتب کرنے کے لئے فرشتے نازل ہوتے ہیں، وہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ہمارے نام لکھتے رہتے ہیں اور پھر ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں وہ ہماری آمد کا اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک امام خطبہ کے لئے منبر پر نہ بیٹھ جائے۔اب یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اتنی دیر سے آئیں کہ ملائکہ اپنے کاغذات اور قلم اٹھا چکیں اور ہم نمازیوں کی اس فہرست میں نہ آ سکیں۔

جیسا کہ آج کل عام رواج ہو گیا ہے کہ جب امام خطبہ ختم کرنے کے قریب ہوتا ہے تو لوگ دوڑتے ہوئے آتے نظر آتے ہیں ان میں سے بھی کچھ تکبیر تحریمہ کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ کاش ہم اپنے آپ کو اس محرومی سے بچانے کی کوشش کریں۔

جو لوگ وقت پر آتے ہیں ان کی بھی ایک ترتیب ہے وہ بھی ایک دوسرے سے افضل ہیں کہ جو اپنے وقت کی جتنی قربانی کرتا ہے اتنا ہی ثواب پاتا ہے کسی کے لئے ایک اونٹ کی قربانی کے ثواب کا مژدہ ہے تو کسی کو گائے کی قربانی کا ثواب ملتا ہے، کسی کے لئے مینڈھے کا ثواب ہے تو کوئی صرف مرغی اور کوئی انڈا صدقہ کرنے کا ثواب پائے گا۔ یہ ثواب ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے جو امام کے منبر پر آنے سے پہلے آ چکے ہوں اور جو اس کے بھی بعد آئے ان کا حال تو اوپر بیان ہو ہی چکا کہ وہ محرومین میں ہیں کیونکہ اب تو فرشتے اعمال نامے بند کر چکے ہیں، پس جو چاہے محروم رہے اور جو چاہے جتنا چاہئے ثواب حاصل کر لے۔ ہماری نصیحت تو یہی ہوگی کہ مسجد میں کم از کم اذان اول کے وقت پہنچ جایا کیجئے اور اذان ثانی تک نوافل پڑھا کیجئے، تلاوت کیا کیجئے، درود شریف پڑھا کیجئے اور اگر تقریر ہو رہی ہو تو دین کی باتیں سیکھئے کہ تمام نفلی عبادتوں سے افضل دین سیکھنا ہے۔

خطبہ جمعہ

خطبہ جمعہ، نمازِ جمعہ کی شرط ہے۔ جس طرح دوگانہ جمعہ فرض ہے اسی طرح خطبہ بھی فرض ہے کہ جمعہ نماز ظہر کی جگہ پڑھا جاتا ہے۔ ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں جبکہ جمعہ کی دو رکعتیں ہیں اور دو رکعتوں کی جگہ خطبہ ہے کیونکہ خطبہ نماز ہی کی طرح فرض ہے اس لئے خطبہ کے آداب بھی تقریباً نماز جیسے ہی ہیں کہ دوران خطبہ کھانا پینا، بات چیت کرنا حرام ہے۔ دو زانو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھنا مکروہ قرار دیا گیا۔ آنے والوں کے لئے سلام کرنا اور سننے والوں کے لئے جواب دینا ممنوع۔

خطبہ جمعہ کی اہمیت و احکام سے متعلق شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ'' خطبہ کے لئے حاضر ہو اور امام کے قریب بیٹھو (یعنی پہلی یا اگلی صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرو)۔ ''فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَاِنْ دَخَلَهَا'' کہ انسان دور ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جنت میں داخل ہونے کے باوجود بلند مراتب سے محروم رہتا ہے۔ (ابوداؤد)

اکڑوں بیٹھنا، لاپرواہی اور بے توجہی کی نشست ہے جبکہ دوران خطبہ پوری طرح امام کی طرف توجہ ہونا چاہئے، چاہے خطبہ عربی میں ہونے کے سبب سمجھ میں نہ آئے کہ سمجھنا یا نہ سمجھنا ضروری نہیں بلکہ اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل مقصود ہے۔ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اس میں جو کچھ پڑھتے ہیں اسے ہم میں سے اکثر نہیں سمجھتے لیکن حکم شرع کی تعمیل کرتے ہوئے پوری توجہ سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَى

الجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَا قُدِّرَلَهٗ'' جو غسل کر کے نماز جمعہ کے لئے آیا اور (وقت کی گنجائش کے مطابق) جو مقدر ہو نماز پڑھے (تحیۃ المسجد، چار رکعت سنت قبل جمعہ یا مزید نوافل)۔ ''ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ'' پھر (امام منبر پر بیٹھا تو یہ) خاموش رہا حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہو گیا۔ ''ثُمَّ يُصَلِّىْ مَعَهٗ'' پھر وہ امام کے ساتھ نماز ادا کرے۔ ''غُفِرَلَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلٰثَةٍ'' تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اذا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ'' جب تم نے دوران خطبہ اپنے ساتھی سے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' تو تم نے لغویات کی۔
(بخاری، مسلم)

یہ حدیث مبارکہ انتہائی تاکید ہے دوران خطبہ خاموش رہنے کی کہ خود کلام کرنا تو در کنار کسی کو کلام کرنے سے روکنا بھی ممنوع ہے کہ جونہی امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف آئے کلام و طعام حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ دو ہی رکعتوں پر سلام پھیر دے اسی طرح کوئی دوسرا ذکر یا وظیفہ کرنا بھی جائز نہیں۔ جب امام دوران خطبہ آیت درود پڑھے تو یہ خاموشی کے ساتھ درود شریف پڑھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور ارشاد ہے جو اس سے بھی واضح ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوةَ وَلَا كَلَامَ'' جب امام خطبہ کے لئے آ جائے تو پھر نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام جائز ہے یہ حکم سب کے لئے ہے ان کے لئے بھی جو خطبہ سن رہے ہیں اور ان کے لئے بھی جن تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچ رہی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''من تكلم يوم الجمعة والامام يَخْطُبُ فهو كمثل الحمار يحمل اسفارا'' جس نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کلام کیا وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ ''والذى يقول له انصت ليس له الجمعة'' اور جس نے اس سے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' اس کے لئے نماز جمعہ کا کوئی ثواب نہیں۔
(مشکوٰۃ)

یہ ارشاد دوران خطبہ کلام ممنوع ہونے کی مزید تاکید کرتا ہے یہاں کلام کرنے والے کی مثال گدھے سے دی جا رہی ہے کہ اگر گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تو وہ عالم نہیں بن سکتا اسی طرح یہ شخص جس نے خطبہ امام کے دوران لاپرواہی کا مظاہرہ کیا اور خطبہ پر غور نہ کیا گدھے ہی کی طرح ہے۔ نیز اس نے جمعہ کے لئے آنے میں محنت و مشقت تو کی لیکن یہ گدھے کی طرح کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا اور وہ شخص بھی خسارے میں رہا جس نے باتیں کرنے والے کو روکنے کے لئے کہا ''خاموش ہو جاؤ'' کہ یہ خطبہ کے ثواب سے محروم رہے گا۔

غرضیکہ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کی ایک شرط ہے، فرض ہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے اس کے خصوصی آداب کا تعین کیا ہے۔ یہ عام تقریروں کی طرح کوئی تقریر نہیں جبکہ تقریر کے دوران بھی گفتگو کرنا یا کسی دوسرے علم سے لاپرواہی کا مظاہرہ کرنا

خلافِ ادب ہے۔ خطبۂ جمعہ کی تقریر سے بہت زیادہ ہے، لہٰذا اس کے مخصوص آداب کی پابندی جملہ حاضرین کے لئے ضروری ہے۔ ان آداب کے تعین میں بے شمار حکمتیں ہیں جن میں ایک ظاہری حکمت یہ ہے کہ اس طرح اجتماعِ جمعہ، اہلِ ایمان کے انتہائی نظم وضبط، باادب اور باوقار ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے بلاشبہ وہ لوگ نہایت ہی خسارے میں ہیں اور قابلِ افسوس ہیں جو مسجد میں ایسے وقت داخل ہوتے ہیں کہ صرف دوگانہ جمعہ ہی ادا کر پاتے ہیں اور اسی کے ایک حصہ یعنی خطبہ کی وہ پرواہ بھی نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم اوپر بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہئے اور اللہ ورسول کے احکام کی عملی بغاوت سے باز آنا چاہئے، مؤمن کے ایمان کا مقتضی یہی ہے کہ احکام شریعت پر اسی طرح عمل کیا جائے جیسے عمل کا حق ہے۔

نمازِ جمعہ کا اہتمام

یوں تو ہمیں ہر نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے لئے وضوء وغیرہ کرنا درحقیقت اس کے اہتمام ہی کا ایک طریقہ ہے لیکن نمازِ جمعہ کے لئے خصوصی اہتمام کا حکم اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے کہ جب سَیِّدُ الایام اور افضلُ الایام قرار دیا گیا تو اس کی مخصوص عبادت بھی نہایت اہم قرار پائی اور اس کے اہتمام کے لئے خصوصی ہدایات دی گئیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ يَّاْتِیَ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ '' جب تم میں سے کوئی شخص نمازِ جمعہ کے لئے جانا چاہے تو غسل کرے۔ (مسلم)

حضرت عبید بن سباق (تابعی) رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جمعوں میں سے ایک جمعہ فرمایا: ''يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا'' بیشک اللہ نے اس دن (جمعہ) کو عید بنایا ہے۔ ''فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّهُ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ'' پس (اس دن) غسل کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو تو کوئی حرج نہیں کہ وہ لگائے اور مسواک ضرور کیا کرو۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا عَلٰی اَحَدِکُمْ اِنْ وَّجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰی ثَوْبَیْ مِهْنَتِهٖ'' تم میں سے کسی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ جمعہ کے لئے دو کپڑے بنالے ان دو کپڑوں کے علاوہ جو وہ ہر وقت کام کاج میں استعمال کرتا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ان احادیث مبارکہ سے جمعہ کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، حسبِ استطاعت بہتر کپڑے پہننا ثابت ہوا۔ ان امور کے علاوہ بال بنوانا، بالوں میں تیل لگانا، سرمہ لگانا بھی جمعہ کے مستحبات میں سے ہے۔ یہ سب احکام اس لئے ہیں کہ لوگ یوم جمعہ اور نماز جمعہ کو خاص اہمیت دیں اور انہیں ہفتہ کے باقی دنوں کی طرح نہ جانیں۔ اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ نماز جمعہ سے قبل تمام کاروبار بند رکھنا چاہئے تاکہ لوگ شریعت مطہرہ کے مطابق نماز جمعہ کا اہتمام کر سکیں اور یہ ظاہر ہو سکے کہ یہ دن مسلمانوں کی ہفتہ وار عید کا دن ہے۔ دیگر دنوں کا سردار اور ان سے افضل ہے اور اگر عوام کی سہولت وآسانی کے لئے ہفتہ کے کسی دن کو یوم تعطیل قرار دیا جائے تو مسلم حکام کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ جمعہ کو عام تعطیل کا قانون نافذ کریں۔ سنیچر یا اتوار کی تعطیل ہرگز مناسب نہیں کہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں سے مشابہت ہے، جس کی ممانعت کے لئے آقا ﷺ کا

واضح ارشاد موجود ہے کہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" جب کوئی غیر قوم جیسا عمل اختیار کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔ پس مسلمانوں کو ہر ایسے عمل سے بچنا چاہئے جو کسی دوسری قوم کا شعار اور مخصوص علامت ہو۔

اہتمام جمعہ کے خصوصی احکام میں ایک مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے جس طہارت، صفائی اور پاکیزگی کا خواہاں ہے اس کے لئے ایک نظم قائم ہو جائے جو مسلمانوں کو اس کا عادی بنا دے۔ بمطابق روایت حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ کہ اکثر اعمال کا دارومدار طہارت پر ہے حتیٰ کہ بغیر طہارت کے قرآن کریم بھی چھونا جائز نہیں۔ پس جمعہ کے دن جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی کا خصوصی اہتمام اہل ایمان کو ہر قوت پاک وصاف رہنے کا عادی بنا کر شریعت کے ایک مقصد کو پورا کرتا ہے۔ پس اس دن نماز جمعہ کی نیت سے بال بنوانا، ناخن تراشنا، بغلوں اور ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا، اچھے اور بہتر کپڑے پہننا، تیل اور خوشبو استعمال کرنا اور اس اہتمام کے ساتھ جمعہ کے لئے جانا یہ سب سنتیں اور مستحبات ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی یا سب کام نہ کئے گئے تو کوئی گناہ نہیں جبکہ لاپرواہی اور سستی کی بناء پر نہ چھوڑے گئے ہوں۔ یہ کرم ہے میرے آقا ﷺ کہ ان کاموں کو فرض وواجب قرار نہ دیا کہ دین آسان ہے اور آپ نے تمام احکام میں دین کی آسانی کو ملحوظ رکھا بلکہ لوگوں کو دشواری میں مبتلا کرنے کی سخت ممانعت فرمائی۔ ان کاموں پر اگرچہ ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہئے لیکن بالخصوص آئمہ وخطباء کو ان کی پابندی کرنا چاہئے کہ جب وہ منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو عوام کی نظریں اور پوری توجہ انہی کی طرف ہوتی ہے۔ پس خصوصیت کے ساتھ ان کا لباس، جبہ وعمامہ نہایت ہی پرکشش ہونا چاہئے کہ سامعین ان کی گفتگو غور سے سنیں کہ خوش لباسی زبان میں اثر پیدا کرتی ہے اور وعظ ونصیحت کو قابل عمل بناتی ہے، آئمہ وخطباء کو اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

نماز جمعہ کے تفصیلی احکام ومسائل کے لئے "بہار شریعت" کا مطالعہ کیجئے یا اپنے علماء سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کیجئے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب اس آیہ مبارکہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر گفتگو کرنا مقصود ہے۔

آیتِ جمعہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے پکارا جائے۔

ظاہر ہے اس پکار سے مراد اذان ہے کہ جب تم اذان جمعہ سنو، سننے سے مراد ہر ایک کا کانوں سے سننا ہی نہیں کہ یہ تمام لوگوں کے لئے ممکن نہیں۔ بالخصوص غیر مسلم ممالک میں تو اذان سننے کے لئے کان ترس جاتے ہیں، دل تڑپتا ہی رہتا ہے، ہم ہی صرف ٹیلی ویژن پر سعودیہ کا چینل لگا کر کعبہ شریف کی اذان سن لیتے اور اپنے دل کو تسلی دے لیتے ہیں، لہٰذا سننے سے مراد اذان کا وقت لیا جا سکتا ہے جس کے لئے گھڑی دیکھی جاتی رہے اور ہو سکے تو اتنے پہلے مسجد پہنچ جایئے کہ وہاں اذان سن بھی لیجئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ نماز جمعہ کے لئے دو اذانیں ہوتی ہیں، ایک خطبہ سے کچھ پہلے اور دوسری خطبہ کے وقت جب امام صاحب منبر پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔ یہ دوسری اذان حقیقت میں پہلی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں یہی ایک اذان ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں بھی یہی عمل جاری رہا پھر حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ نے جب ایک دن منبر سے دیکھا کہ خطبہ شروع ہو چکا ہے اور لوگ اب تک دوڑے آ رہے ہیں جو حکم قرآن کے خلاف ہے۔ پس آپ نے مؤذن کو حکم دیا کہ خطبہ سے پہلے ایک اذان کا اضافہ کر دیا جائے تا کہ لوگ بروقت مسجد پہنچ سکیں۔ آپ کا یہ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عین مطابق تھا کہ انہوں نے باجماعت پورے رمضان تراویح پڑھنے کا حکم دیا اور ''نِعْمَةِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ'' فرما کر آپ نے خود ہی اس کے اچھی بدعت ہونے کا اعلان فرمایا۔ اس دن سے آج تک تراویح بھی جاری ہے اور خطبہ کی اذان اول بھی نہ ہی اس وقت موجود اجلہ صحابہ میں سے کسی نے ان دونوں حضرات کی جاری کردہ بدعت حسنہ پر اعتراض کیا اور نہ ہی آج کسی عالم و فاضل کو اعتراض کی ہمت ہوئی کیونکہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ دینی امور میں بدعات حسنہ جاری کرنے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ بدعتیوں اور سنت پر عمل کرنے کے دعویداروں سب ہی کی مساجد میں تراویح بھی پڑھی جاتی ہے اور اذان اول بھی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض نہیں۔ ہاں جو بدعات حسنات آئمہ و اولیاء اور صالحین نے جاری کیں نہ جانے کس دلیل سے وہ انہیں ضلالت و گمراہی کہتے اور ان پر عمل کرنے والوں کو صرف بدعتی نہیں بلکہ مشرک تک کہہ ڈالتے ہیں۔ میلاد النبی ﷺ، فاتحہ، صلوٰۃ و سلام سب ہی ان ظالموں کے نزدیک ضلالت و گمراہی اور شرک ہے۔ مزید یہ کہ مساجد کی زیب و زینت ان میں بہترین قالین، مخملی مصلے، حسین قندیلیں، شاندار منبران کے نزدیک نہ بدعت ہیں اور نہ ان کا استعمال ضلالت و گمراہی ہے کیسا یہ ظلم ہے جو ہم کریں وہ برا اور یہ جو کچھ بھی کریں وہ اچھا ہی اچھا، اللہ ان ظالموں پر رحم فرمائے اور انہیں ہدایت دے۔

بہر حال جس اذان کے بعد جمعہ کے لئے آنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ دورِ نبوی ﷺ کی دوسری اذان خطبہ تو یقیناً ہے لیکن علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حکم اذان اول ہی کیلئے ہے کیونکہ اجماع بھی نص شرعی ہے جسے اللہ و رسول کا حکم سمجھا جائے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر کسی صحابی نے اعتراض نہ کیا سب ہی نے متفقہ طور پر اس کو حسن قرار دیا اور عمل کیا۔

''فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ اس سعی کا حکم نہیں جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے کہ اذان سنتے ہی ایسے دوڑو کہ ہانپتے، کانپتے مسجد میں داخل ہو۔ نہیں یہ دوڑ نا مراد نہیں کیونکہ اس قسم کا دوڑنا ممنوع ہے، خلاف شرع ہے، مؤمن کی شان اور وقار کو مجروح کرتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِذْ ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَلَاتَاْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ'' جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ۔ ''وَلٰكِنْ اِئْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ وَالْوَقَارُ'' لیکن سکون اور وقار کے ساتھ آؤ۔ ''فَصَلُّوْا وَفَاتَكُمْ اَتِمُّوْا'' تو نماز پڑھو اور جو رکعتیں رہ جائیں انہیں پورا کر لو۔ آقا ﷺ کا یہ ارشاد ہر نماز کے لئے عام ہے، جس میں نماز جمعہ و عیدین بھی شامل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب قرآن و شریعت کا کوئی فرمان خلاف قرآن نہیں ہو سکتا بلکہ آپ مراد الٰہی بیان فرماتے ہیں جس کا واحد اور یقینی ذریعہ صرف آپ ہی کی زبان حق ترجمان ہے۔ جس کا اعلان قرآن کریم ہی فرماتا ہے۔ ارشاد ہوا: ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے ان کا ہر ارشاد وحی الٰہی

ہی ہوتا ہے۔ پس فَاسْعَوْا سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں بلکہ جلدی جلدی اپنی مصروفیات ختم کر کے تیزی سے مسجد کی طرف جانا ہے، اس طرح کہ سکون و وقار قائم رہے، سانس نہ پھولے اور اطمینان سے خطبہ و نماز ادا ہو سکے اور ہاں راستہ میں کسی سے کاروباری یا کسی دوسرے قسم کی گفتگو نہ کی جائے۔ اگر کوئی مریض مل جائے تو اس کی مزاج پرسی میں یا کوئی بھٹکا ہوا مسافر مل جائے تو اسے راستہ بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جمعہ کے لئے تاخیر نہ ہونے پائے۔

''اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ'' کا جملہ بھی قابل غور ہے۔''اِلَى الصَّلٰوةِ'' نہیں فرمایا گیا کیونکہ حکم صرف نماز کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لئے ہے جس میں خطبہ و نماز دونوں شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے اور نماز ہی کی طرح فرض ہے۔ لہٰذا مسجد میں خطبہ شروع ہونے سے پہلے داخل ہونا چاہئے تاکہ سنتوں وغیرہ سے فارغ ہو کر اطمینان کے ساتھ خطبہ بھی سنا جا سکے اور اللہ کے حکم پر پوری طرح عمل ہو سکے۔ صرف نماز میں شامل ہو جانا حکم الٰہی کی تکمیل نہیں ہے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل تھا۔ جیسا کہ حضرت سہل بن ساعد رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ'' ہم نہ تو دوپہر کو آرام کرتے تھے اور نہ ہی دوپہر کا کھانا کھاتے تھے مگر نماز جمعہ کے بعد کہ کہیں ان کاموں کے سبب نماز جمعہ میں تاخیر نہ ہو جائے۔ کس قدر احتیاط فرماتے تھے صحابہ کرام، اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کے لئے۔

''وَذَرُوا الْبَيْعَ'' اور بیع چھوڑ دو۔ بیع کے معنی اگرچہ صرف بیچنا ہیں لیکن یہ لفظ خرید و فروخت دونوں ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اس کو مزید وسیع مفہوم میں استعمال فرمایا ہے اور اس سے مراد تمام کاروبار ہے کیونکہ اصل بیع و شراء ہی ہے یعنی تمام کاروبار کا دارومدار تجارت پر ہی ہے چاہے اس کا تعلق زراعت، صنعت و حرفت سے یا ملازمت سے ہو سب کا سرچشمہ تجارت ہی ہے۔ پس ہدایت کی جا رہی ہے کہ جونہی اذان جمعہ سنی جائے یا اس کا وقت ہو جائے تو تمام کاروبار بند کر دیا جائے کہ اذان جمعہ سے قبل کاروبار کرنا حرام ہے اور حرام میں کبھی برکت نہیں ہو سکتی۔ جمعہ کے دن اذان سے پہلے کا وقت تو صرف نماز جمعہ کی تیاری اور اہتمام کے لئے ہے اور جو وقت باقی رہے اس میں اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا چاہئے لیکن افسوس کہ ہم اسی وقت نہ جانے کیا کیا کام نکال لیتے ہیں حتیٰ کہ کھیل کود اور تماشوں کا اہتمام اسی وقت کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً مسجد دیر سے پہنچنا اور اتنی دیر سے کہ خطبہ سننے کا موقع بھی بمشکل ہی مل پاتا ہے عام ہو گیا ہے جبکہ اتنی تاخیر کرنا سخت گناہ ہے۔ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔

''ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ اگر تم جان لو۔ اگر تم اس حقیقت کو جان لو اور مان لو کہ تم سے زیادہ تمہاری بھلائی کا خواہاں تمہارا رب کریم ہے۔ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لئے کیا خیر ہے اور کیا شر، بے وقت کاروبار میں مصروف رہنا ہرگز خیر نہیں ہو سکتا کہ یہ تو اللہ سے بغاوت کے مترادف ہو گا اور بغاوت و سرکشی شر ہے جو ذریعہ خیر نہیں بن سکتی، پس

اے ایمان والو! تمہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ شر سے بچو اور خیر کو اختیار کرو۔ اذان جمعہ سے قبل نماز جمعہ کا اہتمام

کرو۔ ہفتہ وار عید مناؤ اس کے ملنے پر اللہ رب العزت جل مجدہ کا شکر ادا کرو دوگانہ شکرانہ پڑھو، قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اپنے آقا ﷺ کے حضور ہدیہ درود پیش کرو بکثرت درود پڑھو کہ دربار عالی لگا ہوا ہے، فرشتے آئے ہوئے ہیں، غلاموں کی درود خوانی پر وہ رشک بھی کر رہے ہیں اور ان کے درود کو ان کے آقا ﷺ کے دربار میں پیش بھی کر رہے ہیں۔ بڑا ہی مقدر والا ہوگا وہ غلام جس کے درود کی مہک، آقا کو اس کی طرف متوجہ کردے۔ پس خوب درود پڑھو، خوب اس کی برکتیں لوٹو کہ درود وہ دعا ہے جس کے بعد کسی دعا کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی سب کچھ اسی کے وسیلہ سے نصیب ہو جاتا ہے۔

''فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ'' جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ نماز سے فارغ ہو کر جب مسلمانوں کے جتھے مساجد سے نکلتے گلی کوچوں میں پھیلتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان پر بادل کی طرح سایہ فگن ہوتی ہے، ان کے چہروں پر نور جھلکتا ہوتا ہے، چہرے پر ایسی کشش ہوتی ہے اپنے دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں سبحان اللہ و ماشاء اللہ کہتے ہیں اور غیر دیکھتے ہیں تو ان کا دل کانپنے لگتا ہے اللہ کے سپاہیوں اور اللہ کی فوج کا رعب ان کے لئے نا قابل برداشت ہو جاتا ہے وہ ڈرنے لگتے ہیں۔ پس اے ایمان والو اب تم فارغ ہو چکے، خطبہ و نماز کی برکتیں حاصل کر چکے اب تم زمین میں پھیل سکتے ہو لیکن ہاں ابھی ایک سنت اور باقی ہے مسجد میں اللہ کے حضور ہی ذرا ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کا مظاہرہ تو کرو کہ اللہ اپنے محبوب کے غلاموں کو باہم ملتے جلتے دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور انعامات کی برکھا برساتا ہے۔ پس نماز سے فارغ ہوتے ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دو، مصافحہ کرو، معانقہ کرو، اظہار مسرت و شکر کرو اس پر کہ اللہ نے تمہیں ہفتہ وار عید نصیب فرمائی اگر تم شکر ادا کرو گے تو وہ تمہیں بار بار یہ سیدُ الایّام عطا فرمائے گا۔

ہم نے بہت دنیا گھومی لیکن ساؤتھ افریقہ میں جمعہ کے دن جو منظر نظر آیا وہ کہیں نہ پایا۔ نماز فجر کے بعد ہی مساجد میں نمازی آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگتے ہیں، فون پر سلام کے بعد مبارکباد کی آواز آتی ہے۔ اکثر مسلمان جمعہ کی نماز تک اپنی دکانیں بند رکھتے ہیں، اذانِ اول سے پہلے ہی مساجد تقریباً بھر جاتی ہیں، خطیب صاحب نظر آتے ہیں تو کوئی آنکھ ان کی طرف اٹھے بغیر نہیں رہ سکتی کہ بہترین لباس، عباء و عمامہ پہنے پورے مجمع کو مہکاتے محراب کی طرف نہایت ہی باوقار اور بارعب انداز سے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ واقعی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہبی رہنما ایک مؤمن کامل، اللہ و رسول کا پیغام سنانے آرہا ہے۔ ہاتھ میں عصا لے کر منبر رسول پر رونق افروز ہوتے ہیں تو نظر ان کے نورانی چہرے پر جمی کی جمی رہ جاتی ہے۔ ایک سناٹا سا طاری ہوتا ہے، خطیب کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے سکتی۔ خطبہ سے پہلے اردو یا انگریزی میں نہایت ایمان افروز تقریر ہوتی ہے، نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو کر آقا ﷺ کے حضور نذرانہ صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں۔ خوب جھوم جھوم کر، نہایت ہی عقیدت و محبت اور احترام کے ساتھ۔ اسی دوران لوگوں کو عطر پیش کیا جاتا رہتا ہے نہایت ہی روحانی منظر ہوتا ہے لیکن چند منٹ کے لئے، پھر لوگ ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے، گلے ملتے ہیں، امام صاحب تک ہجوم کے سبب پہنچنا خاصا مشکل ہوتا ہے لوگ انتظار کرتے ہیں اور معانقہ کر کے ہی جاتے ہیں۔ اس عمل میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوتا ہے ظاہر ہے جو لوگ ملازمت کرتے ہیں اور وہ بھی غیر مسلموں کی تو وہ اتنی دیر نہیں ٹھہر پاتے۔ اکثر تاجر ہی اس موقع پر موجود

ہوتے ہیں پھر یہی لوگ ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانے کے لئے دعوت دیتے ہیں جہاں عورتیں پہلے ہی سے شاندار کھانے سجا چکی ہوتی ہیں۔ جمعہ کی خصوصی ڈش ایک قسم کی بریانی اور اس کے ساتھ کالی مسور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کھانے ہوتے ہیں غرضیکہ نہایت پرتکلف دعوت رہتی ہے۔ اس پروگرام سے فارغ ہو کر دکانیں کھولی جاتی ہیں، دکانوں پر اور دفاتر وغیرہ میں اس وقت بھی کام کم ہوتا ہے۔ خطیب صاحب کے خطبہ اور تقریر پر گفتگو زیادہ ہوتی ہے گویا خطبہ اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے عنوانِ گفتگو بن جاتا ہے۔ بہرحال یہ لوگ ایک غیر مسلم ملک میں رہنے کے باوجود اپنے مذہبی پروگراموں میں بے حد دلچسپی رکھتے ہیں اور بالخصوص جمعہ کو عید ہی کی طرح مناتے ہیں جیسا کہ منانا چاہئے۔

''وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ'' اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اب تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اپنا کاروبار شروع کردو اور تلاش معاش میں مصروف ہو جاؤ۔ ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تم کامیابی حاصل کرسکو۔ یہ نہ بھولو کہ ابھی تم اللہ کا ذکر کر کے آئے ہو خطبہ و نماز کی برکتیں لوٹ کر آئے ہو۔ رحمت کا بادل اب تک تم پر سایہ فگن ہے، اب تم کاروبار بھی کرو اور ہمارا ذکر بھی کرو، کاروبار میں مصروف ہو کر ہمیں نہ بھول جانا، ذکر کرو گے تو رحمت کا بادل تم پر برکت کی برکھا بن کر برسے گا، یہی تو تمہاری کامیابی و کامرانی ہوگی۔

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے پر رکتے اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے: ''اَللّٰهُمَّ اَجَبْتُ دَعْوَتَكَ'' اے اللہ میں نے تیرے حکم کی اطاعت کی۔ ''وَصَلَّيْتُ فَرِيْضَتَكَ'' اور میں نے تیرا فرض ادا کیا۔ ''وَانْتَشَرْتُ كَمَا اَمَرْتَنِيْ'' اور تیرے حکم کے مطابق اب میں باہر جا رہا ہوں۔ ''فَارْزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ'' تو تو ہی مجھے اپنے فضل و کرم سے رزق عطا فرما۔ ''وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ'' کہ تو ہی سب سے بہتر رزق عطا فرمانے والا ہے۔ (ماخوذ از ابن کثیر)

اسی لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہوئے جب کاروبار کیا جاتا ہے تو اس میں اللہ اپنے فضل سے بے حد برکت فرماتا ہے اور کاموں کو سہل و آسان فرما دیتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اکثر دیکھا اور سنا گیا ہے کہ نماز جمعہ کے بعد عام طور پر وہ الجھنیں اور رکاوٹیں پیش نہیں آتیں جن سے اکثر واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے ویسے تو ہر حال اور ہر وقت ہی ذکر اللہ باعث برکت و رحمت ہی ہے جس سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل ہونا مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔

''وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا'' اور کچھ لوگوں نے کسی نفع بخش تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھا تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اس کس طرف چلے گئے۔ یہاں اشارتاً اس واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً نماز جمعہ سے متعلق مذکورہ بالا ہدایت کے نزول کا باعث بنا تھا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ طیبہ آمد کے ابتدائی دنوں ہی کی بات ہے کہ اب تک صحابہ کرام کو احکام شرع سے پوری طرح واقفیت نہ ہوئی تھی۔ گویا ان کی تعلیم و تربیت کا یہ ابتدائی دور تھا۔ اس لئے بعض اوقات وہ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیا کرتے تھے اور جب اللہ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے انہیں ان کی غلطی سے باخبر کیا جاتا تھا تو وہ اس پر فوراً ہی نادم و شرمندہ ہو جایا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ ان کی معذرت قبول ہو جانے اور غلطی معاف

کر دیئے جانے کا بھی اعلان کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ خیر اب یہ ہوا اللہ کے رسول ﷺ منبر شریف پر جلوہ افروز تھے خطبہ جاری تھا، صحابہ حاضر تھے اور بغور سرکار ﷺ کے ارشادات سننے میں مصروف تھے کہ اچانک باہر سے دف بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس زمانہ میں شام وغیرہ کے تجارتی قافلہ سامان ضرورت فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے۔ ان قافلوں کی بہت اہمیت تھی کہ لوگوں کو اشیاء ضرورت بآسانی مہیا ہو جاتی تھی اور ان کا اپنا بھی کچھ سامان قافلہ والے خرید لیتے تھے۔ ان قافلوں میں دحیہ بن خلف کا قافلہ کافی سامان لے کر آتا اور نسبتاً سستے داموں سامان فروخت کیا کرتا تھا۔ واضح رہے کہ دحیہ بن خلف نے کچھ مدت بعد اسلام قبول کیا تھا۔ بہر حال پتہ چلا کہ دحیہ بن خلف کا قافلہ آیا ہے یہ سال مدینہ منورہ میں قحط کا سال تھا۔ لوگ کھانے پینے کی اشیاء کے لئے مضطرب تھے۔ کم علم تھے، قافلہ کی طرف دوڑے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کے سامنے صرف بارہ افراد رہ گئے باقی سب چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غلاموں کے اس عمل سے خاصی تکلیف ہوئی۔ ہاں یہ بھی خیال رہے کہ اس وقت تک خطبہ جمعہ، عیدین کی طرح نماز جمعہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا جانے والوں نے یہ بھی خیال کیا کہ نماز سے تو اب فراغت ہو چکی ہے کیوں نہ اب کچھ کاروبار کر لیا جائے جو اس وقت بہت ضروری ہے۔ اسی واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے لگے۔

غرضیکہ صحابہ کرام کا یہ عمل اللہ کو بھی پسند نہ آیا اور اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ'' اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تماشہ و تجارت سے بہتر ہے۔ کہ تم جسے خیر سمجھتے ہو ضروری نہیں کہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو کہ حقیقت حال تو جاننے والا اللہ ہی ہے۔ پس خیر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک خیر ہے۔ لہٰذا دنیا اور اس کے ساز و سامان کی کشش میں مبتلا نہ ہو۔ معلم کامل ﷺ کے پر از حکمت ارشادات پر غور اور عمل کرو۔ تمہیں ضرور خیر نصیب ہو گی اور تم ضرور کامیاب و کامران ہو کر رزق تو اللہ ہی دیتا ہے وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ اس کی شان ہے ''وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے خوب دیتا ہے۔ دحیہ کے قافلہ سے خریداری کر کے تم اتنا فائدہ حاصل نہ کر سکو گے جتنا اللہ کے فضل و کرم سے تمہیں نصیب ہو جائے گا۔

اے ایمان والو! پس یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ:

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”سورۃ المنافقون“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
87	9 تا 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۸۷

المنافقون: ۹ تا ۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(المنافقون: ۹ تا ۱۱)

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پہلے کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو وہ یہ کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے کیوں مہلت نہ دی تھوڑی مدت کے لئے تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکو میں شامل ہو جاتا اور اللہ مہلت نہیں

دیا کرتا کسی شخص کو جب آ جائے اس کی موت کا وقت اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔

بحمد اللہ سورۃ المنافقون کی آیت نمبر 9 تا 11 پر گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔ اولاً ضروری ہے کہ نفاق اور منافق کے معنی جان لئے جائیں۔ ''نفاق'' کے معنی ہیں ''سرنگ'' وہ بھی دو منہ والی سرنگ جو لومڑی اپنے رہنے کے لئے بناتی ہے سمجھا یہ جاتا ہے کہ ایک دروازے والا گھر زیادہ محفوظ ہوتا ہے جبکہ لومڑی یہ سکھاتی ہے کہ گھر کے دو دروازے ہونے چاہئے، ایک آگے اور ایک پیچھے کہ دشمن ایک دروازے سے حملہ آور ہو تو گھر والا دوسرے دروازے سے غائب ہو سکے۔ بہر حال لومڑی اپنے گھر کے دو دروازے رکھتی ہے ایک کو نافِقاء اور دوسرے کو قاصِعاء کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس شخص کو منافق کہا جاتا ہے جو اپنے عمل میں دو رُخی اختیار کرتا ہے اور سب سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور سب ہی کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ حقیقتاً وہ دنیا و آخرت دونوں ہی میں ناکام و نامراد رہتا ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں منافقین کا حال بغور پڑھئے اور ساتھ ہی اپنا تجزیہ بھی کرتے چلئے۔

منافقین کا حال

آپ جانتے ہیں کہ سورۃ البقرہ قرآن کریم کی دوسری سورت ہے جس کا آغاز اہل ایمان کے حال سے ہو رہا ہے جس کے بعد صرف دو آیتوں میں کفار کا حال بتایا گیا جبکہ اسی کے بعد تیرہ آیات میں منافقین کا تفصیلی حال بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا قرآن کریم منافقوں کو بدترین اور خطرناک ترین گروہ قرار دے رہا ہے اور اہل ایمان کو تفصیل کے ساتھ ان کا حال بتا رہا ہے تاکہ سادہ لوح مسلمان ان کے مکر و فریب سے بچ سکیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ منافقین کے دور کا آغاز اہل ایمان کی مدنی زندگی سے ہوتا ہے جب یہ دیکھا جانے لگا کہ اسلام تیزی سے ترقی پذیر ہے اور جلد ہی یہ ایک قوت بن کر ابھرنے والا ہے۔ اس کی حقانیت پر غور کے بعد خوش نصیبوں نے اس کی غلامی اختیار کی ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا بدنصیبوں نے اس کا انکار کیا اور کفر میں مبتلا ہوئے جبکہ مکاروں اور چال بازوں نے اس کے فوائد حاصل کرنے کے لئے نفاق کی راہ لی یہ صرف لالچ ہی تھا جس نے منافقین کا بدترین گروہ پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے قبل ہجرت مکی زندگی میں اس گروہ کا نام و نشان تک نہیں ملتا کیونکہ اس وقت تو اسلام کے خلاف سازشوں اور فتنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مسلمان کفار کے سخت نرغے میں تھے اور ان کے ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے اس حال میں کون اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے مصیبت میں ڈالتا۔ لہٰذا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے اور آپ کا نور چمکنا شروع ہوا تو موقع پرست اور خود غرض گروہ نے اپنی ہمدردیاں اسلام اور اہل اسلام سے ظاہر کرنا شروع کیں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو نقصان پہنچانے کا پروگرام بنایا۔ اسی وقت سے آج تک حاسدین اسی راہ پر ہیں اور طرح طرح سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ بہر حال منافقین کے اس گروہ کی ابتداء مدینہ سے ہوئی اور یہ مارِ آستین کے مثل اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین گروہ بنا اسی لئے قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا ذکر کیا اور ان کی گھناؤنی سازشوں سے اہل ایمان کو باخبر کیا۔ آیئے دیگر آیات قرآنیہ سے پہلے سورۃ البقرہ کی آیات کا اختصار کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

اور کچھ لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ مؤمن نہیں۔

چونکہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانا، عقائد حقہ کی بنیاد ہے لہٰذا یہاں ان دونوں ہی کا ذکر کیا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ کچھ لوگوں یعنی منافقین کا یہ دعویٰ صرف زبانی ہے جبکہ ایمان کے لئے اقرار باللسان، زبانی اقرار کے ساتھ دل کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ پس دلوں کا حال جاننے والا اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دلوں کا راز بتارہا ہے کہ یہ کچھ لوگ بہت ہی مکار ہیں، جھوٹے ہیں، صرف زبان سے اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان کے دعویدار ہیں جو قابل قبول نہیں۔ لہٰذا ان شاطروں کے فریب سے مسلمان بچتے رہیں۔ یہ اہل ایمان کے نہ تو ساتھی ہیں اور نہ ہی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں بلکہ صرف انہیں دھوکہ دے کر اپنے فوائد حاصل کرنا چاہتے کہ وقت آنے پر مسلمان انہیں اپنا جانیں اور ان کی عزت و آبرو جان و مال سب کی حفاظت کریں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والون کو جبکہ نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) سمجھتے نہیں۔

اللہ سے دھوکہ کرنا ممکن نہیں۔ پس یہ اس دھوکے کا ذکر ہے جو منافقین اللہ کے رسول ﷺ سے کیا کرتے تھے کہ جس طرح رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دھوکا درحقیقت اللہ سے دھوکا کرنا ہے۔

ہمارے آقا ﷺ کو منافقین کی دھوکہ دہی سے جتنی تکلیف پہنچی اتنی کفار کی جنگوں سے نہ پہنچی کہ کفار سامنے آکر جنگ کیا کرتے تھے جبکہ منافقین چھپ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کو نقصان پہنچاتے تھے اسی لئے طبقہ منافقین کو کفار سے زیادہ خطرناک طبقہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ دھوکہ دہی منافقین کی عادت ہے اہل ایمان کی نہیں۔ اہل ایمان تو پیکر صدق وصفا ہوتے ہیں ان سے تو دھوکہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جبکہ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق منافقین کا حال یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ’’اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ‘‘ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ’’وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ‘‘ اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا دعویدار ہو، روزہ بھی رکھے اور نماز بھی پڑھے (پھر بھی ایسا شخص منافق ہی ہے جس میں یہ تین عیوب ہوں)۔ ’’اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ‘‘ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ ’’وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ‘‘ اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ ’’وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ‘‘ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (مسلم شریف)

اصل بات یہ ہے کہ ایک جرثومہ بہت سے جراثیم کو جنم دیتا ہے اسی طرح ایک برائی یا عیب بہت سی برائیوں یا عیبوں

کو جنم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے منافقین کا وہ عیب بیان کیا جو تمام عیوب کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ بس اس دھوکہ دہی کی کوشش میں انہیں ہر وہ کام کرنا پڑتا ہے جس سے وہ کامیاب ہوسکیں۔ جھوٹ بولتے ہیں، وعدہ خلافی کرتے ہیں، امانت میں خیانت کرتے ہیں، ایذاء رسانی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ نتیجتاً وہ برائیوں کا ایسا پلندہ بن جاتے ہیں جن سے اللہ بھی نفرت کرتا ہے، اللہ کا رسول بھی اور مسلمان بھی۔ غور تو کیجئے ان کی دھوکہ دہی کی عادت نے ان کو کیسا ذلیل وخوار کر دیا۔ اللہ ہمیں ایسے تمام عیوب سے بچائے جو صرف منافقین کی علامت ہیں۔ منافقین کی اس حالت کا سبب یہ ہے کہ:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ

ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

جس طرح انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح اس کی روح کو بھی امراض لاحق ہوتے ہیں۔ روحانی امراض کفر و شرک یا حسد و عناد ہے جس کے باعث بغض و کینہ جیسی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں پھر جس طرح علاج نہ کرنے یا ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کے باعث جسمانی امراض بڑھتے رہتے ہیں اور ایک مرحلہ پر پہنچ کر مریض لاعلاج ہو جاتا ہے اسی طرح اگر روحانی امراض کا علاج نہ کیا جائے اور معالج کی ہدایات پر عمل نہ کیا جائے تو ایک مقررہ وقت کے بعد انسان کی روح میں کسی ہدایت کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: ’’خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ‘‘ مہر لگا دی ہے اللہ نے ان (کفار) کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یعنی بعض کافروں کا کفر و شرک اس انتہاء کو پہنچ چکا ہے کہ اُن میں قبولِ حق کی استعداد و صلاحیت ہی نہیں رہی۔ لہٰذا انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راہ ہدایت سے محروم کر دیا گیا۔ اب صرف یہ جہنم کا ایندھن ہی رہ گئے ہیں۔ یہی حال منافقین کا ہوا کہ ان ظالموں کو دھوکہ دہی اور دیگر امراض سے بچنے کی ہر چند ہدایت کی گئی لیکن یہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر دن بدن زیادہ ہی حسد میں مبتلا ہوتے رہے۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں بڑھتی ہی رہیں۔ پس ان کا روحانی مرض بڑھا، خوب بڑھا اور وہ دردناک عذاب کے مستحق قرار دے دیئے گئے ان کے مرض کی انتہا یہ ہوئی کہ یہ اپنے کرتوتوں، اپنی بدعملیوں ہی کو صالحیت قرار دینے لگے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

اور جب انہیں کہا جائے فساد مت پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں ہوشیار! وہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

یہ منافق مسلمانوں کو آپس میں لڑانے، ان میں انتشار پیدا کرنے میں مصروف رہتے ہیں، برائیاں کرنا اور برائیوں کو پھیلانا ان کا شیوہ ہے اور جب داعی حق انہیں ان بدکاریوں سے روکتا ہے تو یہ اپنے عیوب پر غور کرنے کی بجائے اپنے آپ

کو مصلح اور رہبر قرار دیتے ہیں۔ پس اللہ واضح اعلان فرماتا ہے کہ یہ لوگ مفسد ہیں انہیں ہوش ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں کہ ان کا شعور و احساس ختم ہو چکا۔ یہ اس قدر روحانی امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان کے امراض اتنے بڑھ چکے کہ اب لا علاج ہو گئے ہیں۔ پس اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور ان کی دھوکہ دہی میں مبتلا نہ ہوں اور سنو ان احمقوں کا حال یہ ہے کہ:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ

اور جب انہیں کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے خبردار بیشک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور برائیوں کو نہ صرف یہ کہ وہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان ہی کو اپنا کمال جانتا ہے چور کب اپنے آپ کو چور کہے گا، بہرہ کب تسلیم کرے گا کہ وہ بہرا ہے، اندھا جب بھی کسی سے ٹکراتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ کیا تمہیں نظر نہیں آتا اسی طرح احمق و بیوقوف اپنے سے زیادہ کسی کو عقلمند کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہی حال منافقین کا تھا کہ جب انہیں فتنہ وفساد سے منع کیا گیا تو انہوں نے مصلح اور رہبر ہونے کا دعویٰ کیا اور جب انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گی تو انہوں نے یہ شرف حاصل کرنے والوں کو بیوقوف کہا۔ آج بھی آپ ایسے بہت سے لوگ پائیں گے جو صرف اپنے آپ ہی کو عقلمند کہتے ہیں اور دوسروں کو احمق۔ کیا دولت کے نشہ میں بدکاروں اور بدکرداروں سے آپ نے نہیں سنا کہ دین کی پابندی کرنے والوں پر وہ کیسے تیر برساتے اور انہیں احمق سمجھتے ہیں، بے ایمان تاجر ایک دیانتدار تاجر کو ہمیشہ بیوقوف ہی کہتا ہے رشوت خور، حلال روزی پر گزارہ کرنے والوں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتا ہے کہ بھائی زمانہ کے ساتھ چلو، میری طرح مزے کرو گے ورنہ بیوی بچوں کا پیٹ بھی نہیں پال سکتے۔ یہی حال ہر بے دین کا ہوتا ہے کہ وہ دینداروں کو حقیر و ذلیل اور احمق ہی جانتے ہیں لیکن حقیقت وہی ہے جس کا اللہ اعلان فرماتا ہے: ''اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ' بیوقوف تو یہی ہیں لیکن جانتے نہیں مانتے نہیں۔ پس اہل ایمان اہل تقویٰ کو دیندار اور صالحین کو ان احمقوں کی باتوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا انہیں جتنا بیوقوف کہے انہیں اتنی ہی اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا چاہئے کہ احمق تو وہ ہے جسے خود اس کا خالق احمق کہہ رہا ہے انہیں حال پر شرمندہ ہونا اور رونا چاہئے جبکہ نیکوکاروں کے لئے اس سے بڑی نعمت اور مسرت کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے رب کریم نے ان کی عقل و دانش پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے اللہ سزا

دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ان کی دھوکہ دہی اور حماقت کا مزید حال یہ ہے کہ جب یہ اہل ایمان کے پاس آتے اور مسلمانوں سے ملتے ہیں تو انہیں اپنے ایمان اور مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں تا کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور ان کے حلقوں میں بیٹھ کر ان کے راز معلوم کریں اور ان کے خلاف مزید سازشیں کریں اور جب یہ اپنے شیطان ساتھیوں میں پہنچتے ہیں تو انہیں مطمئن کرنے اور خوش رکھنے کے لئے ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم تو ایک ہیں۔ مسلمانوں کے پاس تو ہم صرف مسخرا پن کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اللہ اہل ایمان کو خبر دیتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کا مذاق بنانے کی سزا مل رہی ہے۔ جلد ہی ایک دن آنے والا ہے کہ یہ خود لوگوں کے لئے مذاق بنا دیئے جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے۔

ان ظالموں نے کفر کو پسند کیا اسے اختیار کیا اور حق کو چھوڑا دورخی پالیسی اختیار کی، رحمٰن و شیطان دونوں کو خوش کرنا چاہا لیکن وہ کہیں کے نہ رہے۔ مسلمانوں سے بھی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور کافروں میں بھی انہیں عزت نہ مل سکی اور آخرت میں ان کا انجام کافروں سے بھی بدتر ہوگا۔ فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝

بیشک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار۔

منافقین کی اس حالت کی واضح وجہ ظاہر ہے کہ ان کا نفاق ہے جس کا سبب دولت وعزت کی حرص اور عیش و آرام پسندی کے سوا کچھ نہیں۔ درحقیقت منافقین کا وجود ہی ہوا و ہوس کی بنیاد پر عمل میں آیا کہ ہجرت سے چند سال قبل مقام بعاث پر اوس وخزرج کے درمیان ایک ہولناک جنگ نے تمام اہل مدینہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ اپنے آپ کو منظم کرنے اور اپنا ایک قائد منتخب کرنے پر مجبور ہو گئے اور بڑی ہی تگ ودو کے بعد بالآخر عبداللہ بن ابی کو انہوں نے منتخب کیا اور طے پایا کہ ایک عظیم الشان تقریب میں عبداللہ کی تاج پوشی ہوگی اور باقاعدہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے گا۔ تقریب کی تیاریاں شروع ہوئیں، عبداللہ کے لئے سنار کے پاس شاہی تاج تیار ہو رہا تھا کہ اسی دوران مدینہ پر اللہ کے نور کی شعاعیں پڑنے لگیں۔ تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا حتیٰ کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد آمد کی خبریں گشت کرنے لگیں اور لوگ رسم تاج پوشی کے اہتمام کی بجائے اپنے آقا ﷺ کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ جب یہ صورت حال عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوئی تو وہ ٹپٹا گیا۔ آقا ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اوس وخزرج کے تقریباً تمام لوگ مشرف باسلام ہو گئے۔ جس کے بعد عبداللہ کے لئے

بھی اسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا یہ مسلمان تو ہو گیا لیکن اس کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اہل ایمان اور اسلام کے خلاف بغض وعناد سے بھرا ہوا تھا۔ یہ ہمہ وقت حسد کی آگ میں تڑپتا رہتا اور اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش تیار کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اس منافق اول کے اردگرد اس کے چیلوں کا ہجوم رہتا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں آ کر اپنے اسلام کا ڈنکا بجاتے تھے اور جب اپنے شیطانوں میں پہنچتے تو کہتے: ''اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مسلمانوں سے تو ہم مسخرہ پن کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن کریم منافق کہتا ہے اور اللہ رب العزت نے ان کا حال اپنے محبوب ﷺ کو بتایا تا کہ آپ ان کی سازشوں پر نظر رکھیں۔

منافقین اسلام اور مسلمانوں کے لئے کس قدر خطرناک ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر ان کا حال بیان فرمایا نیز پوری سورۃ المنافقون ان کی سازشوں کو بیان کرنے کے لئے نازل کی گئی۔ جس کے آخر میں اہل ایمان کو خصوصی خطاب سے نوازا گیا اور تاکید کی گئی کہ تم منافقین کی طرح غافل نہ ہو جانا بلکہ اپنے ایمان کو تازہ رکھنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہنا۔ لیجئے ان آیات کا بغور مطالعہ کیجئے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔

رب کریم جل جلالہ ہرگز پسند نہیں فرماتا کہ اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام نفاق جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار ہوں۔ پس وہ نہایت ہی پیارے انداز میں اہل ایمان کو ہدایت فرما رہا ہے کہ تم منافقین کی طرح اموال کی حرص اور اولاد کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے رب کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا کیونکہ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو بہت جلد راہ ہدایت سے دور کر دیتی اور اسے اپنا گرویدہ بنا کر اللہ ورسول کا باغی ونافرمان بنا دیتی ہیں۔ وہ اتنا خودغرض ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے مفاد کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ اتنا مغرور ومتکبر ہو جاتا ہے کہ اس کی نظروں میں سب حقیر وخوار ہو جاتے ہیں، وہ اتنا گھمنڈی ہو جاتا ہے کہ سب کو احمق اور بیوقوف سمجھنے لگتا ہے کبھی اسے خیال تک نہیں آتا کہ وہ خسارے اور نقصان کی راہ پر چل رہا ہے یا ترقی کی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اموال واولاد

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مال واولاد دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں، دونوں ہی دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، دونوں ہی اللہ ورسول سے قرب کا وسیلہ بھی ہیں۔ دونوں کے حصول کے لئے انبیاء ومرسلین اور اولیاء وصالحین قرآن کریم کے سکھائے ہوئے طریقہ کے مطابق دعائیں کرتے رہے۔ اسی لئے شریعت مطہرہ نے محنت ومشقت کے ساتھ حصول دولت کی کوئی حد مقرر نہیں کی نہ ہی اس کے خرچ کرنے پر کوئی پابندی عائد کی کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو حاصل کرنا

عبادت اور خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے جبکہ اس کی کمی یعنی غربت بے شمار فتنوں کا باعث بنتی ہے۔اسی لئے معاشرے سے غربت کا خاتمہ اہل ثروت کی اہم ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔دولت ہی سے بعض ایسے امور انجام پاتے ہیں جو صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں۔

اسی طرح اولاد کے حصول کے لئے بتاکید نکاح کا حکم دیا گیا اور بعد نکاح جنسی عمل کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا شوہر و بیوی کے حقوق کا تعین کیا گیا اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی گئی۔اہل وعیال پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ صرف دنیاوی عمل نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو تمام اقسام کے دیگر صدقات سے افضل واعلیٰ اور باعتبار اجر و ثواب سب سے زیادہ ہے۔غربت وتنگدستی کی بناء پر قتل اولاد (برتھ کنٹرول) حرام قرار دیا گیا۔صاحب شریعت ﷺ نے بکثرت اولاد پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ روزِ قیامت آپ اپنی امت کی کثرت پر فخر فرمائیں۔اولاد، والدین کی مغفرت وبخشش کا ذریعہ بنتی اور صدقہ جاریہ ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ اس دولت کی بات ہے جو شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے کمائی جائے اور اس اولاد کی بات ہے جس کی اللہ و رسول کے ارشادات کے مطابق پرورش کی جائے اور تربیت دی جائے جسے صرف انسان نہیں بلکہ مسلمان اور مؤمن کامل بنایا جائے۔ایسی دولت واولاد کی کثرت باعث برکت ونجات ہے جسے اللہ کی یہ نعمت حاصل ہوگئی وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ کبھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہو سکتا۔اس میں کبھی منافقوں جیسی عادات واطوار پیدا نہیں ہو سکتے۔ایسا شخص تو معاشرے کا محسن ہے اللہ اس پر دنیا وآخرت میں ضرور کرم فرمائے گا۔

وہ دولت جو خلاف شرع ذرائع سے حاصل کی جائے مثلاً رشوت، جھوٹ، فریب اور مکاری کی کمائی اور اس سے غرور وتکبر پیدا ہو اور وہ اولاد جس کی صحیح تربیت نہ کی جائے، دینی تعلیم نہ دی جائے، دیندار نہ بنایا جائے صرف جانوروں کی طرح پال پوس کر بڑا کر دیا جائے اور اسی پر گھمنڈ ہو یہی اموال واولاد ہے جسے قرآن کریم خسارہ ونقصان قرار دیتا ہے۔ملاحظہ ہو چند آیات مبارکہ:

وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا٘ فَاُولٰٓىٕكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (سبا:۳۷)

(یاد رکھو) نہ تمہارے مال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دوگنا بدلہ ہے ان کے اعمال کا اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے رہیں گے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (حدید:۲۰)

خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا اور (سامانِ) آرائش ہے اور آپس میں (نسل ونسب پر)

اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (الممتحنہ: ۳)

نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روزِ قیامت اللہ تعالیٰ جدائی کر دے گا تمہارے درمیان اور اللہ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

یہی اموال و اولاد ہیں جو حریص انسان کو ذکرِ الٰہی، عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی سے غافل کر دیتے ہیں جو نفاق کا سبب بنتا ہے۔ اللہ اہل ایمان کو ہدایت فرماتا ہے کہ مال و اولاد کی کثرت کے باوجود بھی تم کبھی ہماری یاد سے غافل نہ ہونا ورنہ یہ نعمت تمہارے لئے مصیبت بن جائے گی جو نہایت ہی خسارے اور نقصان کا سودا رہے گا اور نفع والا سودا یہ ہے کہ:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تمہیں دیا اس سے پہلے کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت۔

دولت خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے، زیادہ ہوتی ہے۔ بروایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ'' بغیر گنے خرچ کرو۔ ''فَيُحْصِي اللّٰهُ عَلَيْكِ'' اللہ تمہیں بے حساب دے گا۔ ''وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِي اللّٰهُ عَلَيْكِ'' اور (دولت) مت روکو ورنہ اللہ تم پر روک دے گا۔ ''ارْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ'' جس قدر ہو سکے خیرات کرو۔ اور بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ'' اللہ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا'' کیا میں تمہیں لوگوں میں سے بدترین شخص کا پتہ بتاؤں۔ ''قِيْلَ نَعَمْ'' عرض کیا گیا۔ جی ''قَالَ الَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ'' فرمایا: وہ شخص (بدترین ہے) جس سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا جائے اور وہ سائل کو نہ دے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ''اَلسَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِّنَ النَّارِ'' سخی اللہ سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے، جہنم سے دور ہوتا ہے۔ ''وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِّنَ اللّٰهِ، بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِيْدٌ مِّنَ النَّاسِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ'' اور کنجوس اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ ''وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ'' اور جاہل سخی اللہ کو کنجوس عبادت گزار سے زیادہ محبوب و پیارا ہے۔

پس تمہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو خوب خرچ کرو، جتنی خرچ کرو گے اتنی ہی زیادہ ملے گی، بے حساب خرچ کرو، بے حساب پاؤ گے، اللہ خوش ہوگا، اللہ کا رسول خوش ہوگا۔ لوگ مرتے ہی تمہیں جنتی کہیں گے، لوگ تمہاری عزت کریں گے، جہنم کی آگ سے تم دور رہو گے، بڑا ہی اچھا سودا ہے یہ خوب خرچ کرو پچھتاوے کے وقت سے پہلے

خرچ کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے، نزع کی کیفیت ہو۔ کاش مجھے کچھ موقع مل جائے تو میں خوب خرچ کروں، صدقہ و خیرات کروں، نیکیاں کروں اور صالحین میں شامل ہو جاؤں، اب واویلا بیکار ہے، اب پچھتانا فضول ہے، اب تو توبہ کا دروازہ بھی بند ہو چکا۔ کیا تمہیں قرآن کریم نے نہیں بتایا کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اسے اپنی اوقات کا پتہ چلا اب وہ چلایا: ''اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمان ہوں لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ پس صاف صاف جواب ملا: ''آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ'' کیا اب اور اس سے پہلے تو (ساری زندگی) نافرمانی کرتا اور فساد پھیلاتا رہا۔

دوستو! ہمارا رب بڑا ہی رحیم و کریم ہے کہ ہمیں پہلے ہی سے آگاہ کر رہا ہے کہ اگر تم نے موت کے وقت آرزو کی کہ صدقہ و خیرات اور نیکیوں کے لئے کچھ مہلت مل جائے تو یہ آرزو پوری نہ ہو سکے گی کہ ہمارا قانون پہلے ہی نافذ ہو چکا ہے کہ ''وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا'' کہ اللہ کسی کو مہلت نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آ جائے اور ہم نے تمہیں اپنا یہ اصول بھی بتا دیا ہے کہ ''لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ'' کہ اللہ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔ پس جس کی موت کا وقت آ چکا اسے مہلت کے لئے واویلا کرنا بیکار ہے جو کچھ کرنا ہے اس وقت مقررہ سے پہلے کرلو ضرور اجر ملے گا۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جانتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”سورۃ التغابن“

مقالہ نمبر	آیات نمبر
88	14 تا 18

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

مقالہ ۸۸

التغابن : ۱۴ تا ۱۸

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ (التغابن : ۱۴ تا ۱۸)

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیویاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو ودرگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری

استطاعت ہے اور اللہ (کا حکم) سنو اور اسے مانو اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور جنہیں بچالیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گناہ کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدرداں (اور) بہت حلم والا ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے۔

سورۂ تغابن کی ان آیات مبارکہ میں اہل ایمان کو بیوی اور بچوں کی عداوت سے باخبر کیا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ تسامح اور درگزر کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ نیز بتایا جا رہا ہے کہ اموال و اولاد در حقیقت ایک آزمائش ہیں جس میں کامیابی کے لئے تمہیں حتی الوسع کوشش کرنا چاہئے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اللہ و رسول کی بات سننا اور ماننا چاہئے۔ نیز اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے اور یہی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اللہ کے لئے قرض حسن ہے، جو دولت میں اضافہ اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال کی قدر کرتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے بڑی ہی قوت والا حکمت والا ہے۔

بیوی بچوں کی دشمنی

قرآن کریم بتا رہا ہے کہ ہمارے بیوی بچے بھی ہمارے دشمن ہو سکتے ہیں لہٰذا "فَاحْذَرُوْهُمْ" ان سے ہوشیار رہو۔ حیرت ہے کیا کسی کی بیوی بھی دشمن ہو سکتی ہے، کیا اولاد بھی دشمن ہو سکتی ہے جو اپنا ہی خون ہے کیسے دشمن ہو سکتے ہیں یہ سب حیرت کی بات ہے۔ اللہ خبر دے رہا ہے جو بلاشبہ حق اور سچ ہے۔ آیئے سوچیں یہ دشمنی کس طرح ہوتی ہے لیکن یہ بات عام نہیں یعنی ہر بیوی اور ہر اولاد دشمن نہیں ہوتی۔ اسی لئے "مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ" فرمایا گیا یعنی بعض عورتیں اپنے شوہروں کی اور بعض اولاد اپنے والدین کی دشمن ہوتی ہیں۔

عداوت کی ایک صورت یہ ہے کہ مرد نیک ہو، متقی ہو اور بیوی آزاد خیال، بے دین اور بے نمازی ہو اور اولاد بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتی ہو۔ یہ سب مل کر اپنے سرپرست کی نیکیوں کی مخالفت کرتے ہوں اور اس کا کوئی حکم ماننے کے لئے تیار نہ ہوں۔ مرد، بیوی اور بیٹی سے پردہ کرنے اور برقعہ اوڑھ کر باہر جانے کو کہتا ہے اور یہ عریانی و فحاشی میں مگن رہتے ہیں۔ مرد نماز کی پابندی کرانا چاہتا ہو اور یہ کبھی سجدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال گھر کو میدان کارزار بنائے ہوئے ہوگی، مرد تنہا پریشان ہوگا، سب گھر والے مل کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں گے۔ ایسے شخص کی عزت و آبرو کو ہر وقت خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے۔

عداوت کی دوسری صورت یہ ہے کہ مرد غریب ہو بمشکل تمام بیوی، بچوں کا پیٹ پالتا ہو اور بیوی بچے محلّہ کے خوشحال لوگوں کو دیکھ کر اس غریب سے طرح طرح کے مطالبہ کرتے رہتے ہوں، عیش اور عیاشی چاہتے ہوں اسے رشوت، مکر و فریب اور دیگر حرام ذرائع سے دولت کمانے پر آمادہ کرتے ہوں اور یہ گھر کے ان شیطانوں سے برسرِ پیکار ہو اور اس کا اپنا شیطان بھی

اسے گا ہے بگاہے اہل خانہ کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ کرتا ہو اور سب مل کر اس کے ایمان کو تباہ کر دینا چاہتے ہوں ان سب سے بڑھ کر اور کون دشمن ہوسکتا ہے۔

عداوت کی تیسری صورت یہ ہے کہ مرد دولت مند ہو لیکن نیک ہو، اہل خانہ کی تمام ضروریات نہایت اچھی طرح فراخی سے پوری کرتا ہو صرف انہیں عیاشی اور اللہ ورسول کی نافرمانی سے روکتا ہو وہ ان سے شریعت کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہو لیکن بیوی بچے اس کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہ ہو اور یہ بغاوت اس انتہا کو پہنچ چکی ہو کہ گھر والے بدنصیب اپنے سرپرست اور اپنے محسن کی جان کے دشمن ہو گئے ہوں وہ اس کی موت کے آرزومند ہوں۔

دوستو! اہل وعیال کی دشمنی صرف لفظی نہیں بلکہ حقیقت میں اس کا وجود ہے۔ آپ نے بھی ایسے گھروں کو دیکھا ہے اور ہمارے حلقہ احباب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے اہل خانہ کی جان و ایمان دشمنی سے تنگ ہیں اور وہ اپنے ہی گھر میں، اپنے ہی بیوی بچوں کے ساتھ لرزتے اور کانپتے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری جان چلی جائے لیکن دعا کیجئے کہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

واقعی یہ زندگی بڑی ہی اجیرن ہے۔ غربت و دولت دونوں ہی وبال جان ہیں لیکن اس حال میں ایمان کی حفاظت اور دین کی پابندی بڑا جہاد ہے، ایسا شخص بڑے ہی اجر وثواب کا مستحق ہے۔ مزید برآں اس صورت میں کہ وہ اللہ کے اس ارشاد کی پابندی کرے۔ ''وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا'' کہ یہ واضح ہو جانے کے باوجود کہ تمہارے گھر والے تمہارے دشمن ہیں تم کوئی ایسا اقدام نہ کرنا جس سے گھر ہی ٹوٹ جائے، بیوی بچے بکھر جائیں نہیں ایسا نہ کرنا بلکہ صبر کرو، برداشت کرو، ان کی غلطیوں کو معاف کرو، ان سے درگزر کرتے رہو اور بخشتے رہو کیونکہ ''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' بیشک اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ارشاد قابل غور ہے جن لوگوں نے ایک شخص کی زندگی دوبھر کر دی ہے اسے ہدایت دی جارہی ہے کہ انہیں معاف کر دو ان سے درگزر کرو اس لئے کہ درحقیقت اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر معاملہ کو کسی نہ کسی طرح سدھارنا اور بنانا چاہتا ہے، بگاڑ اور فتنہ وفساد اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ سوچئے اگر گھر کا سربراہ گھر والوں سے تنگ آکر انہیں گھر سے نکال باہر کردے تو موجودہ فساد سے کہیں زیادہ فساد بپا ہوگا۔ بیوی ممکن ہے برائی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائے بچے والدین کی تربیت سے محروم ہو جائیں گے اور ایک اَن جانی راہ پر چل پڑیں گے جو انہیں معاشرے کا ناسور بھی بنا سکتی ہے۔ ادھر مرد اگر اپنا گھر دوبارہ آباد کرے گا تو کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ نئی عورت پہلی بیوی سے بہتر ثابت ہو ممکن ہے وہ اس سے بھی بدتر ہو۔ پس عافیت اسی میں ہے کہ انہی بگڑے ہوئے بیوی بچوں کو سدھارا جائے تدبر اور تدبیر سے کام لیا جائے اللہ سے دعا کی جائے کیا عجب کہ یہی راحت وسکون کا ذریعہ بن جائیں۔

اموال واولاد فتنہ ہیں

''اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ'' بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں۔ یہ بڑا ہی کرم ہے

رب کا کہ اس نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کی حقیقت ہم پر واضح کر دی اور بتا دیا کہ یہ نعمتیں تمہاری آزمائش کے لئے تمہیں دی گئی ہیں کیونکہ یہ بڑی پیاری نعمتیں ہیں، دل کو لبھانے والی، پیار و محبت کا مرکز، عزت، شہرت اور راحت وسکون کا ذریعہ اسی لئے تو ہر کوئی ان نعمتوں کو پسند کرتا ہے ان کے پانے کی آرزو کرتا ہے، ان کے حصول کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔ دنیا کی اس چہل پہل کی بنیاد اموال و اولاد کی محبت ہی تو ہے۔ دولت کی قدر کسی غریب سے پوچھو اور اولاد کی قدر اس سے معلوم کرو جو اس نعمت سے محروم ہو۔ یہ عظیم نعمت جسے بھی دی گئی ہے وہ سن لے کہ ''یہ فتنہ ہے، آزمائش ہے'' اب دیکھنا ہے کہ کون اس آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام۔

میرے آقا ﷺ نے اولاد کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''مَبْخَلَةٌ مَّجْبَنَةٌ'' کنجوسی اور کمزوری کا ذریعہ اولاد ہی ہے۔ نیز آپ نے بتایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لوگ دیکھ کر کہیں گے: ''اَکَلَ عَیَالُهٗ حَسنَاتِهٖ'' اس شخص کی نیکیوں کو اس کے اہل وعیال کھا گئے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے ''اَلْعَیَالُ سُوْسُ الطَّاعَاتِ'' بیوی بچے انسان کی نیکیوں کے لئے گھن ہیں، جس طرح گھن غلہ کو کھا جاتا ہے اسی طرح اہل وعیال انسان کی نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔

بہر حال اموال و اولاد آزمائش ہیں کہ جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے محروم رکھا، ان کی بھی آزمائش ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ ان بے شمار نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں جو انہیں نصیب ہیں یا اس محرومی کی وجہ سے وہ مایوس و ناامید ہو کر اللہ و رسول کی اطاعت سے ہی منہ پھیر لیتے ہیں اور یہ ان لوگوں کے لئے بھی آزمائش ہیں جنہیں اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا، خوب دولت دی، اچھی حسین وجمیل اور صحت منداولاد دی۔ پس جس شخص نے مال و اولاد سے متعلق احکام شرعیہ کی پابندی کی اور ان ذمہ داریوں کو نبھایا جو ایک دولت مند اور صاحب اولاد پر عائد کی گئی ہیں تو وہ یقیناً اس آزمائش میں کامیاب ہو گیا اور جو ایسا نہ کر سکا وہ ناکام و نامراد رہا۔

یہ تجزیہ بڑا ہی طویل ہوگا کہ اموال و اولاد سے متعلق احکام شرع کیا ہیں اور جن لوگوں کو اللہ نے ان نعمتوں سے نوازا ہے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں جنہیں پورا کر کے وہ اس امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم چند باتیں عرض کرتے ہیں جو انشاء المولیٰ نہایت مفید ہوگی۔

مال کے متعلق بنیادی شرعی حکم یہ ہے کہ وہ حلال ہو اور حلال ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو، محنت و مشقت اور دیانت و ایمانداری سے کمائی ہوئی دولت ہو نہ تو اس کے حصول میں کسی کو دھوکا دیا گیا نہ ہی اسے ظلم وستم سے چھینا گیا ہو نہ یہ سود، رشوت کی دولت ہو نہ شراب اور دیگر حرام چیزوں کی تجارت کے ذریعہ اسے کمایا گیا ہو۔ بروایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے آقا ﷺ کا واضح ارشاد ہے: ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ'' وہ جسم جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جسے حرام کھلایا گیا ہو۔ پس حرام کی دولت کسی بھی طرح اس آزمائش میں کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی صرف مال حلال ہی کامیابی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ نیز ضروری ہے کہ مالدار ان ذمہ داریوں کو بھی پورا کرے جو شریعت مطہرہ نے اہل دولت پر عائد کی ہیں یعنی دولت کمائی جائے لیکن اس سے ایسی محبت نہ ہو کہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بنیادی ضروریات کو بھی پورا نہ کیا جا سکے۔ زکوٰۃ و

صدقات، خیرات اور دوسرے حق داروں کے حق ادا نہ کئے جاسکیں تو یہ دولت لعنت ہے، وبال جان ہے اور اس کا مالک آزمائش وامتحان میں ناکام ونامراد ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حلال مال اللہ ورسول کے احکام کے مطابق خوب کمایا جائے اور خوب خرچ کیا جائے تو اس کا مالک امتحان میں کامیاب وکامران قرار پائے گا۔

اسی طرح اولاد بلاشبہ اللہ کی نعمت ہے لیکن صاحب اولاد ہوتے ہی انسان ایک بڑی آزمائش میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری آپڑتی ہے۔ اولاد کی پیدائش پر خوشی اور اللہ کا شکر بڑا ہی اچھا عمل ہے لیکن اگر والدین کو اس نئی ذمہ داری کا احساس ہوجائے تو ان کی خوشی تفکرات میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس آزمائش میں کامیاب وہی عقلمند ہوسکتا ہے جو اولاد کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی زندگی کو بدل دینے اور اپنی اصلاح کرلینے کا فیصلہ کرلے کیونکہ اب تک وہ اپنی مرضی کی زندگی میں مست تھا لیکن اب وہ اپنی اولاد کے لئے ایک ماڈل ایک نمونہ ہے۔ اس کی اولاد اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھے اور والدین ہی کی عادت واطوار کو اپنائے گی۔ پس اگر والدین ہی لاپرواہی کی زندگی بسر کرتے ہیں، والدین ہی غیر مہذب اور غیر متمدن ہیں، والدین ہی بے دین ہیں تو اولاد خود بخود ماں باپ ہی کی طرح ہوگی مثلاً اگر ماں کو گالیاں بکنے کی عادت ہے تو بچوں میں بھی گالیاں بکنے کی عادت ضرور آئے گی، باپ اگر سگریٹ پیتا ہے تو ضرور بچے بھی اس عادت میں مبتلا ہوں گے، لہٰذا ضروری ہے کہ والدین اولاد کے پیدا ہوتے ہی اپنی اصلاح کرلیں کہ جب والدین نمازی ہوں گے، والدین قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوں گے، والدین بڑوں کا احترام کرتے ہوں گے تو یہ تمام خوبیاں بچے خود بخود اپنالیں گے۔ یاد رکھئے بچوں کی تربیت کا ذریعہ صرف تعلیم نہیں بلکہ ان کی تربیت عملی صورت دیکھ کر ہوتی ہے۔ والدین اچھے ہوجائیں تو اولاد خود بخود اچھی ہوجاتی ہے۔ پس جن والدین نے اپنی اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت پر توجہ دی اور انہیں ایک اچھا مسلمان بنادیا۔ وہ اس آزمائش میں بلاشبہ کامیاب ہوگئے۔

غرضیکہ اموال واولاد ''فتنہ'' ہیں آزمائش ہیں۔ اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو احکام شرع کے مطابق ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے اور جو اس آزمائش میں کامیاب رہا اس کے لئے مژدۂ رب ہے۔ ''وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ'' کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں بھی بدلہ ملے گا، بایں صورت کہ اس کی زندگی پرسکون ہوگی، معاشرے میں اسے عزت ملے گی، ہر شخص اسے احترام کی نظروں سے دیکھے گا اور آخرت کے اجر کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ بندہ جتنا مخلص ہوگا رب اس پر اتنا ہی مہربان ہوگا ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ'' بیشک اللہ نیکیوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اے ایمان والو! ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' جتنا ہوسکے اللہ سے ڈرتے رہو۔ رب کا اپنے بندوں پر بڑا ہی کرم ہے کہ وہ استطاعت سے زیادہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' اللہ صرف وسعت ہی کے مطابق اطاعت کا حکم دیتا ہے اور وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی استطاعت کتنی ہے، لہٰذا اس کے تمام احکام استطاعت کے عین مطابق ہیں کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ پانچ وقت کی نمازیں یا ایک ماہ کے روزے میری استطاعت کے

مطابق نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ان احکام کی پابندی کرنا ہی ہے ہاں نفلی عبادات میں تمہیں اپنی استطاعت کے تعین کا اختیار ہے۔حج فرض کے بعد جو جتنے چاہے اپنی استطاعت کے مطابق حج یا عمرے کرے، زکوٰۃ اور صدقات واجبات کے بعد جو جتنی چاہے اپنی استطاعت کے مطابق خیرات کرتا رہے۔ اسی طرح تقویٰ بھی تمہیں استطاعت کے مطابق ہی اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ جتنا اللہ کا قرب چاہتے ہو اتنا ہی تقویٰ اختیار کرتے رہو، حق تقویٰ یہی ہے۔

اے ایمان والو! ''وَاسْمَعُوْا'' اللہ و رسول کے کلام بغور سنو۔ ''وَاَطِيْعُوْا'' اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔ ''وَاَنْفِقُوْا'' اور اللہ کی دی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ واضح رہے کہ ہر نعمت اللہ ہی کی دی ہوئی اور وہ دولت ہی کے مترادف ہے، پیسہ دولت ہے، اولاد دولت ہے، وقت دولت ہے، علم دولت ہے، عقل دولت ہے، وہ تمام چیزیں جو ہمیں حاصل ہیں دولت ہیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق انہیں استعمال کرنا ان سے فائدہ حاصل کرنا ہی انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

''خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ'' اللہ کے احکام کو سننا، ماننا اور اللہ کی راہ میں دولت خرچ کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے، تمہاری بھلائی بغاوت میں ہرگز نہیں، خیر و بھلائی کا ذریعہ اطاعت ہے۔ دنیاوی قانون کے مطابق بھی خیر و بھلائی کا ذریعہ فرمانبرداری ہی ہے۔ وہی لوگ اپنے حکام کی رضا پاتے ہیں جو ان کے احکام کی پابندی کرتے اور ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں لیکن اللہ و رسول کے مطیع و فرمانبردار بندے صرف دنیا ہی میں رفعت و بلندی نہیں پاتے بلکہ اس دارِ فانی سے جانے کے بعد بھی دنیا والے ان کی عزت کرتے ہیں ان کی یاد سے اپنے دلوں کو شاد و آباد رکھتے ہیں۔ نیز ان کی آخرت ان کی اس دنیا سے بہتر اور بہت ہی اعلیٰ ہوتی ہے یہی تو وہ ''حيٰوةِ طَيِّبه'' جس کا اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں سے وعدہ فرمایا ہے،

ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ (النحل:۹۷)

جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیز ارشاد ہوا:

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ (المؤمن:۴۰)

جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب۔

غور تو فرمائیے کیسا کرم ہے رب کریم کا کہ برائی کی سزا برائی کے مطابق دی جائے گی جو عین انصاف ہے اور نیکی

کے اجر و ثواب کا کوئی حساب نہیں۔ ''حیوٰۃِ طَیِّبَہ'' ملے گی، جنت ملے گی بغیر حساب رزق ملے گا۔ پس ''خَیْرَ اَلْاَنْفُسِکُمْ'' تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ نیک بنو، متقی بنو دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی اور ہاں جسے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ''شُحّ'' بخل اور کنجوسی سے بچالیا وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ بخل تباہی و بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ فرمایا مخبر صادق ﷺ نے، روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ''اِیَّاکُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ'' ظلم سے بچو (ظلم نہ کرو) کہ ظلم قیامت کے دن گہری تاریکی اور اندھیرا بنے گا اور شُحّ (بخل) سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلی قوموں کو کنجوسی ہی نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے:

''اِیَّاکُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّہٗ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَمَرَھُمْ بِالظُّلْمِ فَظَلَمُوْا وَاَمَرَھُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا وَاَمَرَھُمْ بِالْقَطِیْعَۃِ فَقَطَعُوْا'' بخل سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا کیونکہ بخل نے ہی انہیں ظلم کرنے پر آمادہ کیا تو وہ ظلم کرنے لگے اور بخل نے ہی انہیں فسق و فجور کی طرف مائل کیا تو وہ برائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اور بخل نے ہی انہیں قطع رحمی پر مجبور کیا تو انہوں نے سب سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے: ''بَرِیْءٌ مِنَ الشُّحِّ مَنْ اَدَّی الزَّکٰوۃَ وَقَرَی الضَّیْفَ وَاَعْطٰی فِی النَّائِبَۃِ'' بخل سے وہ شخص نجات پالیتا ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور مہمان کی میزبانی کرتا ہے اور کسی کی ناگہانی مصیبت میں مدد کرتا ہے۔

پس بخل بڑی ہی لعنت ہے، ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔ ظلم و ستم، فسق و فجور اور اعزاء و اقرباء سے تعلقات منقطع کرا دینے کا باعث ہے۔ ''وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ'' جس کے نفس کو بخل سے بچایا گیا۔ ''فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' تو وہی کامیاب و کامران ہے جس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔ جو مہمانوں کی نہایت فراخدلی سے خاطر و مدارات کرنے کا عادی ہو گیا جو کسی کی مصیبت کو دیکھ کر تڑپنے لگا اور اپنی دولت سے مصیبت زدگان کی مدد کرنے لگا وہ کنجوسی کی لعنت سے بچ گیا، وہ ہلاکت و تباہی سے بچ گیا۔ اللہ اس کے مال کا محافظ و نگراں ہو گیا، دولت میں برکت اور راحت و طمانیت اس کا مقدر بن گئی، لوگوں میں اس کی عزت ہونے لگی، اللہ و رسول کا اسے قرب حاصل ہو گیا۔ ''فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ''۔

اللہ کو قرض دو

''اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا'' اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو ''یُضٰعِفْہُ لَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ'' تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ (البقرہ: ۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ (الحدید: ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے اور اللہ کئی گناہ بڑھا دے گا اس کے مال کو اس کے لئے اور اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ۝ (الحدید:۱۸)

بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ جنہوں نے دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے ان کے لئے (ان کا مال) اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (مزمل:۲۰)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہا کرو۔

ان آیات مبارکہ کا بغور مطالعہ کیجئے۔ آپ سے قرضِ حسنہ مانگا جا رہا ہے قرضِ حسنہ کیا ہے۔ ''مَاقُصِدَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ تعالٰی خَالِصًا مِنَ الْمَالِ الطَّيِّبِ'' پاک مال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنا۔ یہ قرضِ حسن بار بار مختلف انداز سے مانگا جا رہا ہے اور کون مانگنے والا، وہی ہے جو سب کچھ دیتا ہے اور جس کا سب کچھ ہے جسے چاہتا ہے دیتا اور جب چاہتا لے لیتا ہے نہ اسے دینے سے کوئی روک سکتا ہے اور نہ لینے سے روک سکتا ہے۔ ''تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ'' جسے چاہتا ہے بغیر حساب دیتا ہے۔ اس کی شان ہے اور جب چاہتا ہے لے لیتا ہے کیونکہ وہ ''عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' ہر چیز پر قادر ہے۔ جی، اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے کیوں کیا العیاذ باللہ وہ ہمیں دے کر خود محتاج ہو گیا، جواب ہم سے مانگ رہا ہے نہیں نہیں، توبہ توبہ، ایسا وہم وگمان بھی نہ کرنا یہ کفر ہے۔ ارے یہ تو اس کا کرم ہے کہ مانگ رہا ہے اس لئے کہ ہمارے مال میں مزید برکت وفراخی ہو اور اس لئے کہ قیامت کے دن ہمیں دس سے سات گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے۔ یہ حقیقتاً قرض نہیں بلکہ تمہیں مزید نوازنے کا بہانہ ہے اور تمہاری آزمائش بھی ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اس کے عطا کردہ مال کی محبت میں ایسے مست تو نہیں ہو گئے کہ دینے والے ہی کو فراموش کر بیٹھے اس کے مطالبہ پر سب کچھ پیش کر دینا ہی تمہاری کامیابی وکامرانی کی علامت ہوگی۔ پس دو خوب دو اور اس سے زیادہ لو دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔

ویسے تو قرآن کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تاکید وتلقین متعدد مقامات پر کرتا ہے لیکن یہاں ایک نئے اور نہایت پرکشش انداز سے ترغیب دی جا رہی ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ کوئی غریب اگر اس سے سوال کرے تو وہ اتنا خوش ہو کر نہیں دیتا لیکن جب اس کا کوئی بڑا یا کوئی دولت منداس سے مانگے تو وہ دیتا بھی ہے، خوش بھی ہوتا ہے اور اسے اپنے لئے بڑا اعزاز جانتا ہے، وہ فخر کرتا ہے کہ میں اس قابل ہوں کہ مجھ سے ایک دولت مند نے سوال کیا۔ اللہ اکبر، محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے لئے اس سے زیادہ مسرت اور فخر کا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ان کا رب ان سے قرضِ حسن مانگ رہا ہے۔ جب صحابہ کرام نے اپنے رب کریم کے اس مطالبہ کو سنا تو وہ جھوم اٹھے اور پہلے سے زیادہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ و خیرات کرنے لگے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو بڑا ہی ایمان افروز ہے۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے یارسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ہاں عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ، اپنا ہاتھ عنایت فرمایئے۔ انہوں نے آقا ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور گزارش کی میں آپ کو گواہ بنا کر اپنا باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں (اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، بڑا ہی پر بہار اور قیمتی باغ تھا، وہ خود اپنے اہل خانہ کے ساتھ اسی میں قیام پذیر تھے) حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ یہ کرنے کے بعد باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر (اندر نہیں گئے کہ یہ تو اب اللہ کو قرض دیا چکا تھا) اپنی بیوی کو آواز دی اور فرمایا: ''اَخْرِجِیْ قَدْ اَقْرَضْتُهٗ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ'' باہر آجاؤ میں نے یہ باغ اللہ عزوجل کو قرض دے دیا (ذرا سنئے، نیک بخت بیوی کیا جواب دیتی ہے کہنے لگی) ''رَبِحَ بَيْعُكَ يَا اَبَا الدَّحْدَاحَ'' اے ابوالدحداح تم نے بڑے ہی نفع والا سودا کر لیا اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا بچوں اور دیگر ضروری سامان کے ساتھ باہر آگئیں (آج کی بیوی نہ جانے شوہر کو کیا کیا کہہ ڈالتی۔)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ قرض حسن کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ حلال ہو، اعلیٰ اور عمدہ چیز اللہ کی راہ میں دی جائے ایسی چیز ہو جس کی خود بھی ضرورت ہو پوشیدہ طور پر دیا جائے، دے کر احسان نہ جتایا جائے اور تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ مقصد صرف اللہ کی رضا ہو کوئی دوسرا فائدہ مقصود نہ ہو جتنا بھی خرچ کرے کم جانے۔

اے ایمان والو!

اپنے دل میں دولت کی محبت پیدا نہ ہونے دو۔ ان آیات مقدسہ پر غور کرنے کے بعد اللہ کی رضا کے لئے مزید خرچ کرو، خوب خرچ کرو، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرو کہ یہ بڑے ہی نفع والا سودا ہے۔ یاد رکھو اس کا نفع صرف آخرت میں ہی نہ ملے گا بلکہ دنیا میں بھی تمہارے مال میں برکت ہوگی اللہ تم پر مال کے دروازے ایسے کھول دے گا کہ تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔ بس تم اللہ کو ایسے قرض دیتے رہو کہ کسی اور کو تو کیا خود تمہارے دوسرے ہاتھ تک کو پتہ نہ چلے کہ تم نے کیا دیا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سن لو: ''وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ'' اللہ اپنے بندوں کے نیک اعمال کی بڑی قدر فرماتا ہے، دنیا و آخرت میں اس کا خوب صلہ اور اجر دیتا ہے اور اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو وہ بہت حلیم بھی ہے درگزر فرما دیتا ہے اور ہاں یہ یاد رکھو کہ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش ہرگز ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس کی شان ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ہر باطن اور ظاہر کو جاننے والا سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''سورۃ التحریم''

مقالہ نمبر	آیات نمبر
89	6
90	8

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ٨٩

التحریم:٦

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝

(التحریم:٦)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اسلام، اپنے ماننے والوں کو ایک باوقار پُرسکون اور پُرامن معاشرہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔ پس وہ غربت کے خاتمہ کے لئے زکوٰۃ، صدقہ وخیرات کا حکم دیتا ہے۔ جہالت ختم کرنے کے لئے علم حاصل کرنے اور علم کو عام کرنے کی تاکید کرتا ہے اور افراد کی اصلاح کے لئے ہر فرد کو اپنے اہل وعیال کی صحیح تربیت کی ہدایت کرتا ہے۔ جس سے معاشرے سے غربت،

جہالت ختم ہوگی اور افراد کی اصلاح ہوگی وہ ایک خوبصورت اور حسین معاشرہ ہوگا جس میں بسنے والا ہر شخص سکون کا سانس لے سکے گا اور بے خوف و مطمئن ہو کر زندگی کے دن بسر کر سکے گا۔ یہ معاشرہ ایک گھر کی طرح ہو جاتا ہے جس کے ہر فرد کی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے اور جان و مال کو کسی قسم کا خطر لاحق نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے میں بسنے والا ہر شخص دوسروں کی نظروں میں باوقار اور باعزت ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں تہذیب و تمدن ہوتا ہے، خوشحالی ہوتی ہے۔ آیت زیر گفتگو میں معاشرے کے لئے اچھے افراد فراہم کرنے کی ہدایت کی جارہی ہے جس کی وضاحت کے لئے ہم اپنی ہی ایک کتاب ''اچھا برتاؤ'' کا ایک مضمون یہاں نقل کر رہے ہیں جو نہایت ہی مفصل اور مفید ہے۔ عنوان ہے:

''اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ''

اسلام، اولاد کو والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدمت کا تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہے تو والدین کو بھی ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ ان کی ضروریات کا حسب استطاعت خیال رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ والدین کو اپنی اولاد سے عموماً یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ ان کی بات نہیں مانتی، ان کے حقوق ادا نہیں کرتی، کیا اس کی وجہ صرف اولاد کی بے راہ روی ہے یا اس میں والدین کا بھی کچھ قصور ہے۔ ہمارے خیال سے والدین کو صرف شکوہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ انہیں یہ جائزہ بھی لینا چاہئے کہ انہوں نے اولاد کے حقوق پوری طرح ادا کئے یا نہیں۔ تو آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں اولاد کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کا مطالعہ کریں اور فیصلہ کریں کہ قصور کس کا ہے، مجرم کون ہے؟

اچھے برتاؤ کی ابتداء

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۞

(التحریم:۶)

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہوں گے جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس کام میں جس کا اس نے حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا رہے کہ جہنم کی آگ بڑی ہی سخت ہے۔ دنیا کی آگ سے بہت زیادہ کہ دنیا کی آگ تو لکڑیوں سے ہی جلتی ہے لیکن جہنم کی آگ کافروں اور پتھروں سے جلائی جائے گی اور اس پر ایسے فرشتے مقرر کئے جائیں گے جو نہ کسی پر رحم کریں گے نہ ہی کسی کی رعایت کریں گے بلکہ صرف اللہ کے حکم کے پابند ہوں گے۔

ہر مسلمان جہنم کی آگ سے ڈرتا بھی ہے، پناہ بھی مانگتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے حتی الوسع نیکیاں بھی کرتا ہے

لیکن مسلمان کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں بلکہ اس پر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے لیکن کیسے؟ یہی سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلم کامل ﷺ سے کیا اور ہمیں اس کا جواب فراہم کر دیا۔ آپ نے عرض کیا: ''يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَقِيْ اَنْفُسَنَا فَكَيْفَ لَنَا بِاَهْلِيْنَا'' اے اللہ کے رسول ﷺ ہم خود کو تو جہنم کی آگ سے بچاتے ہیں لیکن اپنے اہل وعیال کو کس طرح بچائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تَنْهَوْنَهُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ وَتَاْمُرُوْنَهُمْ بِمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'' جن باتوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل وعیال کو ان سے روکو اور جن کاموں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تم اپنے اہل وعیال کو ان کا حکم دو۔ (روح المعانی)

یعنی جس طرح تم خود دین وشریعت کی پابندی کرتے ہو اسی طرح اپنے بیوی بچوں سے بھی کراؤ۔ تم نے جو دین کا علم حاصل کیا ہے ہو سکے تو اس سے زیادہ بیوی، بچوں کو سکھاؤ ورنہ کم از کم وہی سکھا دو جو تم جانتے ہو۔ جب تم نماز پڑھو تو اپنے بیوی بچوں کو بھی نماز پڑھنے کا حکم دو جب تم قرآن کریم کی تلاوت کرو تو اہل وعیال کو بھی تلاوت کا حکم دیا کرو، جب تم مسجد جاؤ تو اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ لو، گویا بچوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ابتداء یہ ہے کہ انہیں دین سکھایا جائے اور شریعت کی پابندی کا عادی بنایا جائے۔

والدین نمونہ بنیں

اولاد کی تربیت کی ابتداء والدین ہی سے ہوتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ مرد وعورت شادی کے بعد اپنی ان تمام خامیوں اور کمزوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں جو شادی سے پہلے ان میں تھیں کیونکہ اب وہ تنہا نہیں بلکہ اب ان سے نسل جاری ہوگی جس کے لئے انہیں مثال اور نمونہ بننا ہوگا کہ بچہ آنکھ کھولتا ہے تو اس کی نظر ماں کی ایک ایک حرکت پر ہوتی ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو وہ باپ کے کردار کو دیکھتا ہے اور جو کچھ اسے اپنے ماں باپ میں نظر آتا ہے غیر شعوری طور پر اسے اختیار کرتا جاتا ہے۔ والدین کی زبان بولتا ہے، انہی کے اٹھنے بیٹھنے کا انداز اختیار کرتا ہے، والدین ہی کی طرح وہ کھاتا پیتا ہے، گویا ماں کا باپ کا ہر عمل اس کی ابتدائی تربیت ہوتی ہے جو اس قدر مؤثر اور گہری ہوتی ہے کہ بچے کو بڑے ہونے کے بعد اس انداز زندگی سے ہٹانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے جو وہ اپنے والدین سے سیکھ چکا ہے حتیٰ کہ بچہ دین بھی وہی اختیار کر لیتا ہے جو اس کے والدین کا ہوتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں:

''مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ'' ہر بچہ اپنی فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ ''فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ'' پس اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ''كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ'' جیسے ایک چوپایہ پورا بچہ جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی کمی دیکھتے ہو۔ ''ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ'' پھر آپ نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے پیدا فرمایا اور اللہ کی فطرت قابل تبدیل نہیں یہ دین درست ہے۔ (بخاری شریف)

یعنی بچے میں فطری استعداد وصلاحیت اسلام ہی قبول کرنے کی ہوتی ہے لیکن والدین کا عمل اس پر اس طرح طاری

ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقی استعداد کو چھپالیتا ہے جس طرح بادل سورج کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ گویا جہاں حدیث مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ بچہ والدین کا دین اختیار کرتا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ والدین کا عمل بچہ کی فطرت پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ فطرت باقی رہنے کے باوجود وہ فطری عمل اختیار نہیں کر پاتا بلکہ ماں باپ کا غیر فطری عمل اس سے صادر ہوتا رہتا ہے اور اسے اس کا شعور تک نہیں ہوتا یعنی غلط طریقہ اختیار کرنے کا احساس تک نہیں ہو پاتا پھر جب اس کو حق کی دعوت دی جاتی ہے اور اسے فطرت کی طرف بلایا جاتا ہے تو کبھی اس کا یہ بادل چھٹ جاتا ہے اور اصل فطرت چمک اٹھتی ہے یعنی وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور کبھی یہ سیاہ بادل اتنا موٹا ہوتا ہے کہ فطرت کی شعاع کو باہر نہیں آنے دیتا۔ حتیٰ کہ انسان اپنے ماں باپ کے دیئے ہوئے کفر پر ہی مر جاتا ہے۔ یہی حال بچہ کا ہر معاملہ میں ہوتا ہے کہ اگر اس کے والدین غلط راہ پر ہوتے ہیں تو وہ اسی راہ پر چل پڑتا ہے اور بڑے ہونے کے بعد بہت ہی دشواری سے وہ اس راہ کو چھوڑتا ہے۔ بہر حال جس فطرت پر بچہ پیدا ہوتا ہے ''لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ'' کے مطابق اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہاں اسے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور یہ جرم بچے کے ماں باپ کرتے ہیں۔

اسی طرح ماں باپ مسلمان ہوں لیکن نام کے، ان کے طور طریقے، کھانا پینا، زبان، لباس سب کچھ یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں جیسا ہو تو ظاہر ہے بچہ بھی وہی اطوار اختیار کرے گا اور مسلمان ہونے کے باوجود دین پر عمل کی صلاحیتوں پر والدین کی بدعملی کے بادل چھا جائیں گے۔ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں جن گھروں پر مغربی تہذیب کے بادل چھائے ہوتے ہیں ان میں پروان چڑھنے والے بچے دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں لیکن جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اپنی جوانی کی بدتہذیبی کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب اختیار کرتے ہیں تو انہیں بچوں کی تربیت کا خیال آتا ہے اور بچوں کی وہی حرکتیں بری معلوم ہونے لگتی ہیں جو بچوں نے انہی سے سیکھی تھیں اب وہ بچے سے کہتے ہیں نماز پڑھو، روزہ رکھو، قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو، لباس پورا پہنو لیکن اب جوان بچوں کو بوڑھے ماں باپ کی یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہیں اور وہ ان پر عمل کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے۔ بس والدین اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کا شکوہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ بچوں کا قصور بالکل نہیں انہوں نے تو جب آنکھ کھولی تو اپنے باپ اپنی ماں دونوں ہی کو بدتہذیبی کے دلدل میں ڈوبا پایا تھا، ناچتا، گاتا، کھڑے ہو کر پیشاب کرتا، کلبوں اور ہوٹلوں کی سوسائٹی میں ہی بیٹھا دیکھا تھا کبھی وضو کرتے نہ دیکھا، کبھی اللہ کے دربار میں سر جھکاتے یا مصلے پر بیٹھا نہ دیکھا، کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے نہ دیکھا، کبھی کسی عالم دین سے ملتے جلتے نہ دیکھا۔ پس جو دیکھا وہی ذہن میں رچ بس گیا وہ حقیقت معلوم ہونے لگی، وہی اصلیت نظر آئی اب یہ ماں، یہ باپ بڑھاپے سے مجبور ہو کر اپنی موت اپنے سامنے کھڑی دیکھ کر بدل گئے تو بچے کیا کریں۔ جب ان کا بڑھاپا آئے گا جب انہیں اپنی موت نظر آنے لگے گی تو یہ بھی بدل جائیں گے اور ماں باپ اسی آرزو میں مر جائیں گے کہ کاش ہماری اولاد ہمارے سامنے سدھر جائے لیکن یہ تو جب ہوتا جب ماں باپ شادی کے بعد ہی پہلا بچہ پیدا ہونے سے پہلے اپنے آپ کو بدل چکے ہوتے اور بچوں کے لئے ان کی زندگی ایک اچھا ماڈل، اچھا نمونہ ہوتی اب تو دیر ہو گئی، بہت دیر شکوہ اور واویلا بیکار ہے۔

جو مسلمان ایک عرصہ سے یورپ، امریکہ اور افریقہ میں آباد ہیں۔ آج ان کی یہی کیفیت ہے ان کے بچے مادری

زبان بھول چکے ہیں اس لئے کہ ماں باپ خود انگلش یا کوئی دوسری مقامی زبان بولتے رہے۔ نوجوان نہایت بیہودہ عریاں لباس پہنتے ہیں، والدین یا بڑوں کے ادب و احترام کا کوئی تصور تک نہ رہا دین سے نہ صرف دور بلکہ متنفر ہیں، آوارگی ان کی تہذیب ہے والدین اب شکوہ کرتے ہیں کہ نئی نسل بگڑ گئی، برباد ہوگئی لیکن ایسا کیوں ہوا صرف اس لئے کہ والدین کو اپنی جوانی کے دور میں اولاد کی تربیت اور خود کو ان کے لئے بطور اچھا نمونہ پیش کرنے کا کبھی خیال نہ آیا۔ اب جو برے عادات و اطوار اولاد کے ذہنوں میں نقش ہو چکے ہیں ان کو کوئی مبلغ، کوئی عالم یا کوئی لٹریچر بآسانی نہیں مٹا سکتا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں: ''اِنَّ الصَّبِیَّ بِجَوْهَرِهٖ خُلِقَ قَابِلًا لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ وَاِنَّمَا اَبَوَاهُ يَمِيْلَانِ بِهٖ اِلٰى اَحَدِ الْجَانِبَيْنِ'' بیشک بچے میں فطرتاً اچھائی اور برائی قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اس کے والدین اسے جس طرف چاہتے ہیں مائل کر دیتے ہیں۔

غرضیکہ ماں باپ ہی اولاد کے لئے نمونہ ہیں، بچوں کا کردار والدین کے کردار پر موقوف ہے۔ اگر والدین نے اپنی بدکرداری سے اولاد کو بدکردار بنا دیا تو نہ تو وہ دنیا میں اس سے وہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں جن کی توقع ہر ماں اور ہر باپ کو اولاد سے بجا طور پر ہوتی ہے اور نہ ہی آخرت میں وہ اپنے اس جرم سے بریُ الذمہ ہو سکتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا فرمان ہے: ''كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ'' تم میں سے ہر ایک راعی ہے (حاکم) اور قیامت کے دن رعیت کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا یعنی جس طرح قیامت کے دن ایک حاکم بادشاہ سے رعایا کی تکالیف یا اس کے برائیوں میں مبتلا ہونے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر شخص سے اس کے اہل و عیال کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کی اچھی تربیت کر کے انہیں اچھا مسلمان اور معاشرے کا بہترین فرد کیوں نہ بنایا۔ پس دنیا کے سکون اور آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ والدین اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں یعنی ان کی تربیت دینی تعلیم کے مطابق کریں جس کے لئے انہیں خود دین پر عمل کر کے اپنے آپ کو اچھا نمونہ بنانا ہوگا۔

اولاد کے لئے بہترین تحفہ

اللہ نے والدین کے دل میں اولاد کی محبت ودیعت کی ہے۔ والدین اولاد کو ہر اعتبار سے آسودہ اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں اپنی زندگی میں بھی ان کے لئے دنیا کی ہر نعمت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اتنا کچھ جمع کر کے چھوڑ جائیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی اولاد بہتر سے بہتر زندگی بسر کر سکے لیکن میرے آقا ﷺ اولاد کے لئے بہترین تحفہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں۔ بروایت حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا: ''مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلُ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ'' کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھا ادب سکھانے سے بہتر کوئی تحفہ نہ دیا اور یہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَاَنْ يُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ'' آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے یعنی بہترین تربیت ہی اولاد کے لئے سب سے اچھا تحفہ ہے اتنا اچھا کہ اللہ و رسول کے نزدیک صدقہ و خیرات سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان دونوں ارشادات پر غور کیجئے۔ آج ہم اولاد کو مکان، دوکان، دولت کیا کچھ دینا نہیں چاہتے۔ اچھا کھلاتے ہیں، اچھا پہناتے ہیں دنیا کی اعلیٰ ترین تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بچوں کی اچھی تربیت اور دین کی تعلیم دلانے پر ہماری کتنی توجہ ہے۔ اس کا اندازہ بچوں کے طرز زندگی سے ہی کیا جا سکتا ہے ان کا حال یہ ہے کہ نہ کھانے کا ڈھنگ، نہ پینے کا، نہ سلام وکلام کا طریقہ، نہ والدین اور بڑوں کا احترام، نہ حیاء وشرم، نہ لباس پہننے کی تمیز، کالج اور یونیورسٹیاں تو ہمارے بچوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ دنیا کی تعلیم پر ہم بڑی بڑی رقمیں خوشی سے خرچ کر دیتے ہیں لیکن تعلیم قرآن کے مدرسے ویران ہیں، دینی تعلیم پر چند پیسے خرچ کرنا بھی بار ہوتا ہے۔ جب ہماری اپنی حالت یہ ہے تو پھر اولاد کی بربادی کا شکوہ کس سے؟ ہم نے خود اپنی ذمہ داری پوری نہ کی خود اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ان کی پرورش نہ کی، ہماری یہ لاپرواہی درحقیقت ایک ایسا جرم ہے جس کا خمیازہ ہمیں دنیا میں بھی بھگتنا ہوگا اور جس کا جواب اللہ کے دربار میں بھی دینا ہوگا۔ پس جو چاہتا ہے کہ دنیا میں اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور آخرت کے لئے بہترین ذخیرہ ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو وہ تحفہ دے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بہترین تحفہ ہے یعنی اچھی تربیت جس کا ذریعہ دینی تعلیم اور شرعی احکام کی پابندی ہے جس نے اولاد کو یہ تحفہ دے دیا۔ اس نے درحقیقت اپنے بڑھاپے کے آرام اور قبر میں سکون کی نیند کا انتظام کر لیا کہ اچھی اولاد ہی بوڑھے والدین کی خدمت کرتی ہے انہیں اپنے لئے اللہ کی رحمت کا وسیلہ یقین کرتی ہے اور اچھی اولاد ہی والدین کے مر جانے کے بعد ان کے لئے ایصال ثواب، صدقہ وخیرات اور تلاوتِ قرآن وغیرہ کرتی رہتی ہے جو مرحوم ماں باپ کے لئے قبر میں سکون وراحت کا ذریعہ بنتا ہے جس سے تاریک قبر روشن ومنور ہوتی ہے، یہی اولاد ہے جسے والدین کے لئے صدقۂ جاریہ کہا گیا ہے۔

بچے پر دودھ کا اثر

بچہ کو دودھ پلانا، ماں کی اولین ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ (البقرہ: ۲۳۳)

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ مناسب طور پر ماں کا کھانا اور لباس ہے۔

دودھ پلانے کے متعلق شرعی احکام میں یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کا بچہ انسان ہی کے دودھ سے پرورش پائے جو اس کے لئے خالق کی پیدا کی ہوئی فطری غذا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

اول:۔ یہ کہ ماں بچے کو دودھ پلائے۔

دوم:۔ یہ کہ ماں کو دودھ پلانے کے دوران طلاق ہو جائے تو اس تفریق کا اثر بچے پر نہ ہونا چاہئے، لہٰذا ماں ہی دودھ پلائے اور بچے کا باپ مطلقہ کے تمام اخراجات کا ذمہ دار رہے۔

سوم:۔ یہ کہ ماں یا مطلقہ ماں کسی وجہ سے دودھ نہ پلائے تو کسی عورت کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس کی اجرت ادا کی جائے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت نہیں کہیں یہ ذکر نہیں کہ بچے کو کسی بھی صورت میں جانور کے دودھ سے پالا جائے نہ ہی اس کی کوئی نظیر ماضی میں ملتی ہے۔ عرب میں عام رواج تھا کہ شہری عورتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہاتی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتی تھیں تا کہ بچے کی صحت پر دیہات کی کھلی فضا کا اچھا اثر ہو۔ نیز دیہات کی زبان، شہری زبان سے زیادہ خالص اور صاف ستھری ہوتی ہے، بچہ ابتداء ہی سے اس خالص فصیح زبان کا عادی بنے۔ اسی رواج کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

آئیے، اس سے بھی پہلے اور بہت پہلے کے زمانہ پر نظر ڈالئے تو غور کیجئے۔ قرآن کریم کے بیان کردہ واقعہ پر کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا میں بہتے ہوئے فرعون کے گھر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش کی گئی حتیٰ کہ قدرت نے اپنی حکمت کے مطابق ان کی ماں ہی کو وہاں پہنچا دیا اور آپ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دور میں یہ طریقہ متصور اور متعارف ہی نہ تھا کہ بچے کو جانور کے دودھ سے بھی پالا جا سکتا ہے۔ دوسری بہت سی ایجادوں کی طرح یہ ہمارے ہی دور کی ایجاد ہے۔ جس نے فیشن یا بیماری کی صورت اختیار کر لی اور اکثر عورتیں اس میں مبتلا ہو گئیں اور بچوں کی نافرمانی کی صورت میں اس کا درد بھی سہہ رہی ہیں۔

اس غیر فطری عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف تو بچوں کو دودھ نہ پلانے والی مائیں طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوتی ہیں مثلاً جدید طبی تحقیق کے مطابق پستان کا کینسر اکثر ایسی ہی عورتوں کو ہوتا ہے جو بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں۔ علاوہ ازیں ماں کی عام صحت اور پستان کی خوبصورتی پر بھی اس کا اثر برا ہوتا ہے۔ دوسری طرف بچوں کو بھی وہ قوت و طاقت حاصل نہیں ہو پاتی جو عورت کے دودھ سے ملتی ہے جو بچے جانور کے دودھ سے پالے جاتے ہیں۔ ان کی عقلی صلاحیتیں کم ہوتی ہیں، حافظہ کمزور رہتا ہے، جسمانی بالخصوص جنسی طاقت میں بھی کمزوری رہتی ہے اور عادات و اطوار پر بھی اثر ہوتا ہے کہ ایسے بچے بالعموم بے حسی اور خود غرضی کا شکار ہوتے ہیں۔ محبت و شفقت کا جذبہ ان میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ الغرض ان تمام خوبیوں سے محروم رہتے ہیں جو قدرت کی طرف سے ان کے لئے تیار کردہ غذا میں پائی جاتی ہیں کہ کون ہے جو خالق سے بہتر غذا مخلوق کے لئے فراہم کر سکے۔

بہر حال سب سے بہتر یہی ہے کہ ماں ہی خود اپنے بچے کو دودھ پلائے تا کہ جو محبت و شفقت بچے کے لئے ماں کے دل میں ہے۔ وہ اس کے خون جگر کے ذریعہ بچے کے دل میں منتقل ہو اور بڑا ہو کر یہ بچہ ماں کو وہ محبت و عزت دے جس کی وہ واقعی حق دار ہے اور ایک نیک ماں کی تمام خوبیوں کا وہ امین بنے۔

اولاد کی خدمت

والدین کی سب سے بڑی ذمہ داری اولاد کی خدمت کرنا ہے صرف دولت سے ہی نہیں بلکہ وقت سے بھی اور ہاتھ پیر سے بھی، باپ سے زیادہ ماں پر یہ حق ہے کہ وہ بچوں کو پورا پورا وقت دے اور پوری پوری توجہ دے۔ اسی لئے اسلام نے

ماں پر گھر کے کاموں کے علاوہ کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی کہ بچوں کی صحت وتندرستی کا خیال اور ان کی اچھی تربیت اتنا بڑا کام ہے جس کے بعد ماں کو فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ کوئی دوسرا کام کرے۔ پس جو ماں خود کو اولاد کے لئے وقف کر دیتی ہے اور اس کی پوری طرح خدمت کرتی ہے۔ آقائے کائنات ﷺ اس کو مژدہ دیتے ہیں۔ راوی ہیں حضرت عوف ابن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَنَا وَامْرَاَۃٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّیْنِ کَھَاتَیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' میں اور سیاہ رخسار والی عورت قیامت کے دن ایسے ہوں گے (اپنی دونوں انگلیاں ملاتے ہوئے بتایا کہ وہ عورت قیامت کے دن مجھ سے قریب تر ہوگی)۔ ''اِمْرَاَۃٌ اٰمَتْ مِنْ زَوْجِھَا ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّ جَمَالٍ'' وہ جاہ و جمال والی عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا۔ ''وَحَبَسَتْ نَفْسَھَا عَلٰی یَتَامَاھَا حَتّٰی بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا'' اس نے اپنے نفس کو یتیم بچوں کے لئے روکے رکھا (دوسرا نکاح نہیں کیا) حتیٰ کہ وہ بچے (بڑے ہو کر) جدا ہو گئے یا مر گئے۔

بلاشبہ اولاد کے لئے والدین کا مرتبہ ومقام بہت ہی عظیم اور بلند ہے۔ اللہ نے اپنی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسن سلوک کو قرار دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کی رضا کو اللہ کی رضا کا وسیلہ قرار دیا۔ ماں کے قدموں تلے جنت کی خبر دی۔ بڑا مرتبہ ہے والدین کا اسی لئے والدین اولاد کے لئے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں وہ کوئی کسی کے لئے نہیں کر سکتا، لہٰذا اولاد پر سب سے بڑا حق والدین ہی کا قرار پاتا ہے اور والدین اولاد سے اپنی حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ بھی کرتے ہیں اور نیک اولاد یہ حق ادا بھی کرتی ہے لیکن والدین پر بھی اولاد کا حق ہے کہ وہ اللہ ورسول کے ارشادات کے مطابق اولاد کی پرورش کریں اور اس کی پوری خدمت کریں جو والدین یہ حق ادا کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ان کے بھی حق کی حفاظت کی جاتی ہے کہ اللہ ان کی اولاد کو نیک اور مطیع وفرمانبردار بنا دیتا ہے لیکن جو والدین اولاد کی حق تلفی کرتے ہیں، اولاد بھی ان کی حق تلفی کرتی ہے کہ وہ ان سے باغی ہو جاتی ہے نافرمان ہو جاتی ہے۔

وہ باپ کس طرح اپنی اولاد سے اپنے حق کی ادائیگی کی توقع کرتا ہے جس نے کبھی اپنے بچہ کو گود میں نہ اٹھایا، کبھی اس کو پیار نہ کیا، کبھی اس کے لئے اپنی نیند قربان نہ کی، کبھی اس کی وجہ سے اپنے عیش میں خلل نہ آنے دیا، کبھی باپ کو وقت نہ ملا کہ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا، ان کی دلجوئی کے لئے، ان کے ساتھ کھیلتا۔ بس اس نے بچوں کے لئے نوکر فراہم کر دیئے تھے جو ان کی خدمت کرتے اور ساری ضروریات پوری کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے بچے بڑے ہو کر باپ سے زیادہ نوکر ہی کی عزت کریں گے باپ کے لئے نہ ان کی نظروں میں عزت ہوگی نہ دل میں محبت اور نہ وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے۔

ماں جسے فخر ہوتا ہے اپنی اس عظمت پر کہ اس کے قدموں تلے جنت ہے اور اسی حوالے سے وہ اولاد سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور جب اولاد اس کا حق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو وہ اولاد کو نافرمان، جہنمی اور نہ جانے کیا کیا کہتی ہے لیکن کاش اس مقدس ماں نے یہ بھی غور کیا ہوتا کہ اس نے خود اپنے حق کی حفاظت کی ہے یا نہیں یعنی اس نے اولاد کے لئے کتنی تکالیف برداشت کیں اور اس کا کتنا حق ادا کیا۔ جس ماں نے بچے کو اپنا دودھ نہ پلایا، کبھی اپنے ہاتھوں سے اسے

غسل نہ دیا، کبھی اس کے کپڑے نہ دھوئے، کبھی وقت پر کھانا نہ دیا۔ بس بچہ پیدا کیا جو ایک فطری عمل تھا۔ اس کے بعد اس نے کبھی بچہ کی طرف توجہ تک نہ کی بس ملازمہ کے سپرد کر دیا۔ بچہ نے ملازمہ کی گود میں ہوش سنبھالا اس سے دودھ مانگا، اسی سے کھانا مانگا، اسی کو ہمہ وقت اپنی خدمت کرتے دیکھا، بچے نے جب ماں کو تلاش کیا تو دوکان پر سودا بیچتے دیکھا یا دفتر میں ملازمت کرتے پایا، گھر میں دیکھا تو میک اپ کرتے یا ٹی وی کے سامنے دیکھا۔ غرضیکہ ماں کے کسی عمل نے بچے کے شعور میں ماں کی عظمت و محبت پیدا نہ کی اب ماں کیسے چاہتی ہے کہ اولاد اس کی خدمت کرے اور اس کے قدموں تلے جنت تلاش کرے۔ ہاں یہ بچہ ضرور ایسا کرتا اگر ماں نے اس کا حق ادا کیا ہوتا اگر اس نے ماں کو اپنی خدمت کرتے دیکھا ہوتا یا اس نے ماں کو نماز پڑھتے دیکھا ہوتا، قرآن کریم کی تلاوت کرتے دیکھا ہوتا اگر ماں نے اس کو نماز سکھائی ہوتی، قرآن کریم کی تعلیم دی ہوتی، دین کی تعلیم دی ہوتی۔

یاد رکھئے جو والدین اولاد پر خوب دولت خرچ کرتے اور بچوں کو دولت ہی کے سہارے پالتے ہیں ذاتی طور پر نہ بچوں کے لئے محنت کرتے ہیں نہ انہیں وقت دیتے ہیں۔ ان کی اولاد کو بھی صرف ان کی دولت ہی سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی ذات سے نہیں وہ ماں باپ کی دولت تو خوب اڑاتے ہیں لیکن اطاعت و فرمانبرداری یا ان کی خدمت کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ پس والدین اگر چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو انہیں اولاد کی خدمت کرنا چاہئے۔

اولاد کے تین حقوق

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصوصیت کے ساتھ والدین پر اولاد کے تین حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے جو اولاد کی اچھی تربیت اور اسے نیک بنانے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اگر والدین ان تینوں حقوق کا لحاظ رکھیں تو انشاء اللہ اولاد کبھی باغی اور نافرمان نہ ہوگی۔ یہ روایت ہے حضرت ابوسعید اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنۡ وُّلِدَ لَهٗ فَلۡيُحۡسِنۡ اِسۡمَهٗ وَاَدَبَهٗ'' جس کے یہاں اولاد ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھا ادب سکھائے۔ ''فَاِذَا بَلَغَ فَلۡيُزَوِّجۡهُ'' اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ ''فَاِنۡ بَلَغَ وَلَمۡ يُزَوِّجۡهُ فَاَصَابَ اِثۡمًا'' اگر بالغ ہونے کے بعد اس کا نکاح نہ کیا۔ پس اگر اس نے گناہ کر لیا ''فَاِنَّمَا اِثۡمُهٗ عَلٰى اَبِيۡهِ'' تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔

میرے آقا ﷺ نے والدین پر اولاد کی تین ذمہ داریاں یہ بتائیں: اچھا نام رکھنا، ادب سکھانا، بالغ ہونے کے بعد نکاح کر دینا۔ ان تینوں باتوں کا ذمہ دار باپ کو ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ گھر کا نگران اعلیٰ اصل میں تو باپ ہی ہے کہ گھر میں جو کام بھی شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کا جواب دہ باپ ہی ہوگا جبکہ بدعملی کرنے والا بھی گناہ گار ہوگا حتیٰ کہ باپ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی نگرانی کرے کہ وہ بحیثیت ماں اپنی اولاد کا حق ادا کر رہی ہے یا نہیں، آئیے اب ان تینوں ذمہ داریوں پر قدرے تفصیلی نظر ڈالیں۔

اچھا نام، اچھا نام رکھنے کا حکم درحقیقت انسان کی نفسیات سے متعلق ہے کہ نفسیاتی طور پر ہر شخص کی عادات و اطوار اور اس کے کردار پر نام کا اثر پڑتا ہے۔ نیز برے ناموں سے گھر میں بے برکتی اور اچھے ناموں سے برکت ہوتی ہے۔ نبی مکرم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ مبارکہ تھا کہ ''کَانَ یُغَیِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِیْحَ'' آپ برے نام کو بدل دیتے تھے کوئی اچھا نام رکھ دیتے۔ مسلمانوں کو اپنے بچوں کے نام ایسے رکھنا چاہئیں جن سے ان کے مسلمان ہونے کا پتہ چلے، اللہ کی بندگی کا اظہار ہو یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی غلام اور عاشق ہونے کا پتہ چلے یا بزرگوں، ولیوں اور اللہ کے نیک بندوں سے نسبت اور تعلق ظاہر ہو۔ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآئِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُاللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ'' تمہارے ناموں میں سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ (مسلم شریف)

عبداللہ، عبدالرحمٰن یا اسی قسم کے دوسرے نام ہیں مثلاً عبدالرحیم، عبدالمنان، عبدالتواب، عبدالباسط، عبدالرزاق وغیرہ کہ ان ناموں سے بچوں کو شروع سے ہی احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور صرف اللہ ہی اس کا معبود ہے۔ نیز میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''تَسَمُّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَآءِ'' انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھا کرو (ابوداؤد) جیسے محمد ابراہیم، محمد ایوب، محمد یعقوب، محمد زکریا وغیرہ کہ ان ناموں سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان رکھتا اور ان کا احترام کرتا ہے۔ ''محمد'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسمِ گرامی نام کے ساتھ ملانا بڑا ہی باعث برکت ہے کہ خود آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی اور فرمایا: ''سَمُّوْا بِاِسْمِیْ'' میرے نام پر نام رکھو۔ نیز بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ آپ کا ارشاد ہے: ''مَنْ وُلِدَ لَهٗ مَوْلُوْدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا حُبًّا لِّیْ وَتَبَرُّکًا بِاِسْمِیْ کَانَ هُوَ وَمَوْلُوْدُهٗ فِی الْجَنَّةِ'' جس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس نے اس کا نام محمد رکھا مجھ سے محبت کی وجہ سے اور برکت حاصل کرنے کے لئے تو وہ اور اس کا بیٹا دونوں جنت میں ہوں گے۔

غلام محمد، غلام نبی، غلام مصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ، محمد مصطفیٰ، احمد رضا وغیرہ کیسے پیارے نام ہیں جن سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے اور بچے کے شعور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے نیز آپ ﷺ سے محبت اور قلبی تعلق پیدا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان کردہ ایک واقعہ روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن دو آدمی اللہ کے دربار میں حاضر کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا وہ خوش ہو کر عرض کریں گے الٰہی! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت میں جانے کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ''فَاِنِّیْ اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنْ کَانَ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ وَلَا مُحَمَّدٌ'' کیونکہ میں اپنی قسم فرما چکا ہوں کہ جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کا نام احمد ہو اور نہ ہی وہ جس کا نام محمد ہو۔ نبیط ابن شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ''لَا اُعَذِّبُ اَحَدًا تَسَمّٰی بِاِسْمِکَ فِی النَّارِ'' جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا اسے میں جہنم کے عذاب میں مبتلا نہ کروں گا۔''

غور فرمایئے بچے کا نام احمد یا محمد رکھنا یا نام کے ساتھ احمد یا محمد ملانا جہنم سے آزادی کی سند ہے اور یقیناً دنیا میں بھی

اس کی برکتیں نصیب ہوں گی۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَا کَانَ فِیْ اَھْلِ بَیْتٍ اِسْمُ مُحَمَّدٌ اِلَّا کَثُرَتْ فِیْہِ بَرْکَتُہٗ'' جن گھر والوں میں کوئی محمد نام والا ہوتا ہے اس گھر کی برکت بڑھ جاتی ہے۔اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَکُوْنَ حَمَلَ زَوْجَتِہٖ ذَکَرًا'' جو چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل میں لڑکا ہو۔''فَلْیَضَعْ یَدَہٗ عَلٰی بَطْنِھَا'' تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھے۔''وَیَقُلْ اِنْ کَانَ ذَکَرًا فَقَدْ سَمَّیْتُہٗ مُحَمَّدًا'' اور کہے کہ اگر لڑکا ہوگا تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔''فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ ذَکَرًا'' پس لڑکا ہی پیدا ہوگا۔(زرقانی) اسی طرح لڑکیوں کے نام بھی متقی عورتوں کے ناموں پر رکھنے چاہئیں جیسے خدیجہ، فاطمہ، عائشہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم، طیبہ، طاہرہ، نفیسہ، جمیلہ، ریحانہ، ماریہ، مریم وغیرہ۔

ادب سکھانا، ماں باپ کی دوسری ذمہ داری بچوں کو ادب سکھانا ہے یعنی بچے کو شریعت کے مطابق رہنے، سہنے اور زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھانا کہ بچہ بڑا ہو کر مسلم معاشرے کا ایک اچھا فرد نظر آئے یہی ادب تہذیب کہلاتا ہے۔ ہر مذہب اور قوم کی اپنی اپنی تہذیب ہوتی ہے اور اسی سے افراد کی پہچان ہوتی ہے۔ اسلامی تہذیب سے بہتر کوئی تہذیب نہیں جس سے مزین مسلمان ایک چمکدار ہیرا نظر آتا ہے۔ نیز اس تہذیب کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے ہر عمل کو اس سے آراستہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ادب یا تہذیب میں بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ظلم و جبر، غصب، مکر، فریب، جھوٹ، نفرت، بغض، عناد، کینہ، ایذاء رسانی، وعدہ خلافی، وقت ضائع کرنا، لہو و لعب، کام میں سستی کرنا، زبان پر قابو نہ رکھنا یہ سب بیماریاں ہیں، ایسی بیماریاں جن میں مبتلا افراد ہی گھروں کی بربادی، معاشرے کی بدحالی اور قوم کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ اسلامی ادب ایسی تمام بیماریوں سے نجات کی ضمانت دیتا ہے کہ اگر والدین اولاد کو اسلامی ادب کی تعلیم دیں تو ان میں کبھی ان بیماریوں کے جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔

مغرب کی جس تہذیب کو آج ہم نے ترقی یافتہ دور کی ضرورت یا ترقی یافتہ ہونے کی علامت یا فیشن سمجھ رکھا ہے وہ اسلامی تہذیب کے بالکل برعکس ہے اس میں نہ عزت و شفقت ہے، نہ محبت و الفت، نہ اپنوں غیروں کا فرق، نہ ایثار و قربانی کا تصور، نہ کسی کے دکھ درد کا احساس، وہاں نہ دیانت و امانت نظر آتی ہے نہ ظاہری و باطنی پاکیزگی، حلال و حرام کے امتیاز کے بغیر دولت کمانا، نفس کی خواہش پوری کرنا، کھانا پینا اور کلبوں میں ناچنا ان کی زندگی کے اہم مقاصد ہیں۔ مسلمان اس تہذیب کو اپنا کر کبھی پرسکون زندگی بسر نہیں کر پاتا کہ اس کے لئے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کو جانوروں کے گلہ میں چھوڑ دیا جائے کون ہے جو جانوروں کے ساتھ رہ کر چند لمحہ بھی خوش رہے گا۔

اسلامی ادب یا اسلامی تہذیب کا زیور دین کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، دینی معلومات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی ذمہ داری ماں کی ہے کہ ماں کی گود درحقیقت بچے کا پہلا بہترین اسکول ہے۔ جس کی تعلیم کے اثرات بچہ پر ساری زندگی رہتے ہیں۔ جن اسلاف کو ہم احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں اگر آپ ان کے حالات پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی عظمت اور رفعت کا بنیادی سبب ماں کی تعلیم ہی ہے۔ پس ہر ماں کو چاہئے کہ وہ ابتداء ہی سے بچے کے لئے

دینی ماحول فراہم کرے نیز بچے کے ہوش سنبھالنے سے پہلے اس کو دین سکھانے کا آغاز کر دے مثلاً جب بچہ بولنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کے سامنے اللہ، اللہ کہا جائے تا کہ اس کی زبان پر پہلا لفظ یہی آئے پھر بچہ کو کلمہ سکھایا جائے، بچے کو سلانے کے لئے درود شریف یا حمد و نعت کے بول سنائے جائیں، سونے کے لئے ماں بچے کو لٹائے تو اسے روزانہ تھوڑی تھوڑی نماز یاد کرائے، جوں جوں بچہ بڑھتا جائے ماں اس کی تعلیم میں اضافہ کرتی جائے۔ بچہ کو کھانا کھانے، پانی پینے کے آداب سکھانا، سونے سے پہلے گھر میں سب کو سلام کرنے، سو کر اٹھے تو سب کو سلام کرنے کی تاکید کرنا، صاف ستھرا رہنے، وضو کرنے کا طریقہ سکھانا یہ سب ماں ہی کی ذمہ داریاں ہیں۔ جب بچہ سکول جانے لگے تو ساتھ ہی بچے کو قرآن کریم کی تعلیم دینا یا کم از کم سکول ہی کی طرح بچہ کو پابندی سے مدرسہ بھیجنا ماں ہی کا کام ہے اور یہ سب کام سات سال کی عمر میں بچے کو ختم کرا دینے چاہئیں کہ اس عمر کے بعد باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔ بروایت حضرت عمر بن شعیب رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مُرُوْا اَبْنَآءَ كُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ'' اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ ''وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشَرَ سِنِيْنَ'' اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں (نماز نہ پڑھنے پر) مارو۔ ''وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ'' اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ اس ارشاد پر آپ جتنا غور کریں گے اتنے ہی اس کے فوائد آپ کو معلوم ہوں گے۔

سات سال کی عمر بچوں کے ہوش و حواس پورے ہونے کی ابتدائی عمر ہے۔ اس عمر سے نماز کی پابندی کرانے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ شروع سے ہی بچہ کے ذہن میں یہ بات سما جائے کہ اسے شریعت کی پابندی کرنا ہے۔ دس سال کی عمر سے بچہ میں سرکشی، بغاوت اور نافرمانی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ دین کی پابندی سے گریز کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا اس عمر میں مارنے کی اجازت دی گئی تا کہ اسے نماز اور دین کی پابندی کا احساس ہو کہ یہ اس قدر اہم ہے کہ جو باپ آج تک مجھ سے صرف محبت ہی کرتا تھا آج میں اسی سے پٹ رہا ہوں۔ نیز احکام دین کی پابندی کا ذریعہ نماز کو قرار دیا گیا کیونکہ بچے کو نماز کا عادی بنا دینا ہی درحقیقت دین کے اکثر احکام پر عمل کا ذریعہ بنتا ہے کہ جب بچہ نماز پڑھے گا تو اسے پاک و صاف رہنے کے طریقوں، وضو اور غسل کے طریقوں کی بھی تعلیم دی جائے گی۔ قرآن کریم پڑھنا سکھایا جائے گا، جب وہ نماز کے لئے مسجد جائے گا تو لوگوں سے بات کرنے، ملنے جلنے کا بھی ڈھنگ سیکھے گا۔ نیز اسے ساری زندگی احساس رہے گا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا قدم کلبوں کی طرف نہیں بلکہ مسجد کی طرف بڑھتا ہے۔ الغرض نماز دین کا بنیادی اہم رکن ہے جس کی پابندی دین کے بیشتر احکام کی پابندی اور تعلیم کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسی لئے نماز کی پابندی کرانے کی غرض سے اگر بچے کو مارنا بھی پڑے تو میرے آقا ﷺ ایسا کرنے کی بھی اجازت دے رہے ہیں کہ باپ کا بچہ کو مارنا اس پر ظلم نہیں بلکہ رحمت ہے کہ باپ کی مار اولاد کی زندگی کو سدھارنے اور سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت لقمان علیہ السلام کا ایک مقولہ لکھا ہے: ''ضَرْبُ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ كَمَطَرِ السَّمَآءِ لِلزَّرْعِ'' بچہ کے لئے باپ کی مار ایسی ہے جیسے کھیتی کے لئے آسمان کی بارش، جس طرح بارش سے مرجھائی ہوئی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح بچوں

کو باپ کی مار ہمیشہ کے لئے سرسبز وشاداب کر دیتی ہے اور ان کی زندگی کی کھیتی کو ہرا بھرا بنا دیتی ہے۔

غرضیکہ باپ کی ذمہ داریوں کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ وہ اولاد کو نماز کا پابند بنائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری وہی باپ پوری کر سکتا ہے جو خود نماز کا پابند ہو اور جس کے ذہن میں دنیا سے زیادہ دین کی اہمیت ہو۔ آج کل ہم مسجدوں میں عمر رسیدہ افراد کی اکثریت دیکھتے ہیں اور جب کسی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھی نماز کے لئے لایا کریں تو جواب ملتا ہے کہ بچوں کو سکول کا کام بہت ہوتا ہے۔ گویا باپ ہی کے ذہن میں نماز سے زیادہ سکول کی اہمیت ہے تو ایسا باپ درحقیقت خود ہی اولاد کے دین سے دوری کا سبب ہے اور وہ کبھی اولاد سے سکھ نہیں پا سکتا، اولاد سے چین اور سکھ وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو اسے اسلامی ادب، اسلامی تہذیب سے آشنا کرتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنْ اَدَّبَ ابْنَهٗ صَغِيْراً قُرَّتْ عَيْنُهٗ كَبِيْراً'' جس نے بچہ کو بچپن ہی میں ادب سکھایا اس کی آنکھ ٹھنڈی کر دی گئی بڑے ہونے پر یعنی وہی اولاد دل کا قرار اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہے، جسے والدین بچپن ہی میں ادب سکھا دیتے ہیں اور جو والدین خود ہی اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے انہیں اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کے شکوے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

باپ کو چاہئے کہ وہ جس طرح بچوں کی دنیاوی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کرنا چاہتا ہے اسی طرح وہ ان کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرے اور اتنی مذہبی تعلیم دلا دے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی میں شریعت کے جن مسئلوں کی ضرورت پیش آتی ہے اس کا بچہ بڑے ہونے کے بعد ان میں غلطی نہ کرے۔ نیز وہ بڑوں، چھوٹوں، اپنوں اور غیروں کے حقوق پوری طرح جانے اور پہچانے لیکن جس باپ کی یہ حالت ہو کہ وہ بچے کو ڈاکٹر، انجینئر، وکیل وغیرہ بنانے اور دنیا کی اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن دین کی تعلیم دلانے کے لئے وہ چند پیسے بھی خرچ کرنا گوارا نہ کرتا ہو اچھا سکول ہو چاہے فیس کتنی ہی ہو کسی طرح فیس کی ادائیگی کا انتظام کر ہی لیا جائے گا لیکن مدرسہ کے لئے دس بیس روپیہ بھی خرچ کرنا بار ہوں بلکہ اگر مفت تعلیم کا انتظام ہو تب بھی بچہ کو پابندی سے مدرسے نہ بھیجا جا سکے تو ایسے والدین کو یقین کر لینا چاہئے کہ ان کا بچہ ان کی آرزو کے مطابق شاید دنیا کی اعلیٰ تعلیم تو حاصل کر لے گا لیکن وہ انہیں بڑھاپے میں برداشت نہ کر سکے گا وہ دنیا کے علم سے دنیا کمانے میں لگے گا اس کے پاس والدین کی خدمت کے لئے نہ وقت ہوگا نہ اسے اس کا احساس ہوگا کہ ان بوڑھے ماں باپ کی خدمت بھی میری ذمہ داری ہے حتیٰ کہ ماں باپ کا جنازہ بھی دوسرے ہی پڑھیں گے صاحبزادے دور کھڑے دیکھ رہے ہوں گے یہ فرضی باتیں نہیں یہ ہوتا ہے آنکھوں نے دیکھا ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ماں کا یا باپ کا جنازہ بیٹا خود پڑھاتا کہ یہی شرعی حکم ہے لیکن افسوس کہ آج اکثر والدین اس خوش نصیبی سے محروم ہیں اور یہ قصور ان کا اپنا ہی ہے۔ آج تو گھر میں فاتحہ تک نہیں ہو پاتی جب تک مسجد کے امام صاحب ہاتھ نہ لگیں اس کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ یہ ترقی اور علم کا دور ہے نہیں حقیقتاً یہ جہالت کا بدترین دور ہے اسی جہالت سے بچانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تاکید فرمایا کرتے تھے: ''اَدِّبُوْا اَوْلَادَكُمْ وَعَلِّمُوْهُمْ'' لوگوں اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرو اور انہیں علم سکھاؤ۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے والدین اپنی ذمہ داری پوری کرتے تو علماء سے یہ کہنے

کی ضرورت نہ پڑتی کہ لوگوں کو وضو کے، تیمم کے اور غسل کے مسائل بتائیے، نماز کے فرائض اور سنتیں بیان کیجئے۔ ہم سوچتے ہیں کہ یہ لوگ نومسلم تو نہیں جنہیں علماء نہایت ہی ابتدائی مسائل بتائیں وہ مسائل جو ہمارے والدین نے ہمیں دس برس کی عمر ہونے سے پہلے ہی سکھا دیئے تھے۔ آج والدین اولاد کو کیا دیتے ہیں، اولاد کے لئے تو ان کا سب سے بڑا تحفہ دین کی تعلیم ہے جس سے اولاد محروم رہی اور بڑے ہونے کے بعد وہ والدین کی نافرمان، سرکش اور آوارہ ہوگئی، یہ گلی کوچوں میں پھرنے والے بچے، یہ بدکاریوں میں مبتلا نوجوان چلتا پھرتا ثبوت ہیں اپنے والدین کی لاپرواہی کا کاش انہیں والدین نے شریعت کے مطابق پالا پوسا ہوتا۔

نکاح کرنا، والدین کی تیسری اور آخری ذمہ داری یہ ہے کہ لڑکی یا لڑکا جونہی بالغ ہو تو ان کے نکاح کی فکر کریں اور جس قدر جلد ممکن ہو اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو جائیں تاکہ نوجوان بچوں کو کسی قسم کی برائی میں مبتلا ہونے کا موقع ہاتھ نہ آنے پائے، اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو یہ بھی والدین کی لاپرواہی کا نتیجہ قرار پائے گا اور وہ گناہ گار بھی ہوں گے۔ اسی لئے اسلام نے عمل نکاح کو بہت آسان رکھا کہ نہ عمر کی قید رکھی اور نہ ہی جہیز اور لین دین کو لازمی قرار دیا حتیٰ کہ مہر بھی شوہر کی استطاعت کے مطابق مقرر کرنے کا حکم دیا گیا۔ موجودہ رسم و رواج جنہوں نے اس آسان عمل کو دشوار اور ایک بڑا بار بنا دیا ہے ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں۔ شریعت مطہرہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ان رسوم کا جو اثر معاشرے اور والدین پر ہو رہا ہے وہ سب ہی جانتے اور مانتے ہیں اور ان سے پریشان بھی ہیں لیکن کوئی چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔

بچہ جب بالغ ہو جائے تو اس کے لئے جوڑا تلاش کرنا اور شادی کے ضروری انتظامات کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ مغربی تہذیب اور اس پر فریفتہ افراد قابل نفرت ہیں جو اپنی لڑکیوں کو بنا سنوار کر کلبوں میں بھیجتے اور بازاروں اور گلیوں میں پھراتے ہیں کہ وہ خود اپنے لئے لڑکا تلاش کریں اور اپنے لڑکوں سے کہتے ہیں کہ لڑکیوں سے دوستی کرو اور جو پسند ہو اس کو بیوی بنالو۔ یہ تہذیب نہ صرف کسی ایک خاندان کی بربادی کا ذریعہ ہے بلکہ مسلمانوں کے پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے۔ اسلام بچوں کی شادی کرنا والدین کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ بچوں کے لئے اپنے خاندانی معیار اور اپنی تہذیب کے مطابق جوڑا تلاش کریں۔ نیز اسلام تاکید کرتا ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شادی کو نام و نمود یا دولت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ مذہب کی حفاظت اور بچوں سے جاری ہونے والی نسل میں اسلام کی بقاء کا خیال رکھا جائے۔

والدین جب لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کریں تو خاندان، حسن و جمال اور دولت سے زیادہ وہ لڑکی کی دینداری دیکھیں کہ اس لڑکی کو کچھ عرصہ بعد ماں بننا ہے اگر وہ بے دین ہوگی تو اس کی اولاد بھی بے دین ہی رہے گی اور اس طرح یہ نسل تباہ ہو جائے گی۔ اسی طرح جب لڑکی کے لئے لڑکا تلاش کیا جائے تو اس کی دینی تعلیم، مذہب سے لگاؤ اور اس سے پابندی کا اندازہ لگایا جائے۔ نیز اس کے اچھے اخلاق و عادات پر بھی نظر رکھی جائے چاہے وہ لڑکی سے تعلیم دولت وغیرہ میں کم ہی کیوں نہ ہو کہ ایسا ہی لڑکا کامیاب شوہر بن سکتا ہے، لڑکی کو سکون و آرام کی زندگی مہیا کر سکتا ہے اور شریعت کے مطابق بیوی کے حقوق ادا کر سکتا ہے۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ والدین بچوں کی شادی میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ وہ اپنی جنسی تسکین کے لئے بدکاریوں اور برائیوں میں مبتلا ہو جائیں یا جو کام والدین کا ہے اس کو مجبوراً وہ خود کرلیں اور پھر ماں باپ روئیں کہ بیٹی یا بیٹے نے ان کی مرضی کے خلاف اپنا گھر بسا لیا جیسا کہ اکثر غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکا کسی غیر مسلم لڑکی کو اور لڑکی کسی غیر مسلم لڑکے کو پسند کر لیتے ہیں اور والدین کی عزت وآبرو کو پامال کردیتے ہیں۔ نیز ایسا رشتہ اکثر ناکام ہی رہتا ہے اور بے شمار خرابیوں کا سبب بنتا ہے۔ پس غیر مسلم تہذیب سے اولاد کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان جلد از جلد اپنے بچوں کے لئے جوڑے تلاش کریں۔ شادی میں تاخیر کی وجہ لڑکی کی تعلیم مکمل ہو جانے کا انتظار یا لڑکے کے خود کفیل ہو جانے کا انتظار کرنا لایعنی ہے اور خود اپنے ہی لئے الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کرنا ہیں۔ رزق دینے والا اللہ ہے، جو جوڑا بننے کے بعد حسب ضرورت رزق کا دروازہ کھول دیتا ہے اور اس کے حصول کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ''اولاد مرد کے مقدر سے اور دولت عورت کے مقدر سے وابستہ ہے'' پس جب دونوں کا جوڑا بنے گا تو جس کے مقدر میں جو ہے وہ ضرور حاصل ہوگا۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ شادی کی ذمہ داری نہایت سادگی سے پوری کی جائے کہ شادی نام ونمود کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک بڑی ذمہ داری پوری کرنا ہے۔ قرض، ادھار کرکے لڑکی کے جہیز کا انتظام کرنا یا لڑکے کے ولیمہ پر صرف دکھانے کے لئے ہزاروں لوگوں کو مدعو کرنا خلاف شرع بھی ہے اور حماقت بھی۔ اسی طرح لڑکی والوں سے جہیز طلب کرنا یا اس کی امید بھی کرنا نہایت ہی رکیک حرکت ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل حرکت یہ کہ جو لڑکی جہیز نہ لائے اس پر ہر وقت طعنہ زنی کی جاتی رہے اپنی حسب حیثیت اس خوشی کے موقع پر والدین اپنی مرضی سے جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں شریعت مطہرہ نے شادی کو نہایت سادہ مذہبی عمل قرار دیا ہے لیکن جاہلانہ رسم ورواج نے اس کو پورے معاشرے پر ایسا بوجھ بنا دیا ہے کہ کثیر اخراجات کی سکت نہ رکھنے والے یا تو اپنے بچوں کی یہ ذمہ داری پوری ہی نہیں کر پاتے اور یا ایک ہی بچے کی شادی کرکے تباہ حال ہو جاتے ہیں۔

غرضیکہ جو والدین شریعت کے مطابق اپنی اولاد کی شادی کرکے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور اچھی بہو یا اچھا داماد حاصل کر لیتے ہیں وہ بڑے ہی خوش نصیب ہیں ان کی اولاد، ان کے لئے ہمیشہ سکون کا ذریعہ ہوتی ہے اور ان کے کام آتی ہے، بڑھاپے میں ان کی خدمت کی ذمہ داری پوری کرتی ہے۔

بیٹا یا بیٹی

اولاد کی اگر صحیح تربیت کی جائے تو وہ بیٹا ہو یا بیٹی اللہ کی نعمت ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ہے اور اگر تربیت میں کمی رہ جائے تو اللہ کا عذاب ہے، باعث ننگ وعار ہے، عزت وآبرو کے لئے خطرہ ہے نہ جانے کیوں انسان بیٹوں کی آرزو کرتا ہے لیکن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ بیٹوں کی پیدائش پر تو خوش ہو اور بیٹی کی پیدائش اس کے لئے رنج وغم کا باعث بنے۔ یہ تو کافروں کا طریقہ ہے جسے بیان کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ

مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (النحل:۵۸،۵۹)

''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان (کافروں) میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج والم سے) چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو اسے دی گئی (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا وہ اس بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا اسے مٹی میں گاڑ دے، آہ وہ فیصلہ کتنا برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

یہ کفار کی عادت تھی کہ جب بیٹی کی پیدائش کی خبر انہیں ملتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی اور باپ کا چہرہ غم واندوہ سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ وہ بیٹی کی پیدائش کو باعثِ ننگ و عار سمجھتا تھا اور شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا اور سوچنے لگتا تھا کہ اس لڑکی کی پرورش کروں یا اسے زندہ درگور کر دوں۔ عرب کے مشہور قبائل مضر، خزاعہ اور بنوتمیم تو لڑکیوں کو زندہ دفن ہی کر دیتے تھے ان کا یہ دستور تھا کہ جب بچی چھ سال کی ہو جاتی تو اس کے لئے جنگل میں ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا تھا بچی کو بنا سنوار کر وہاں لے جاتے اور دھوکے سے اس کو گڑھے میں دھکا دے کر دفن کر دیتے تھے۔

اسلام دین رحمت ہے جو ہر مخلوق سے محبت اور اس پر رحم کی تعلیم دیتا ہے۔ صف نازک جو نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی رحمت سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے۔ دنیا نے عورت کو یا تو عیش و عشرت کا ذریعہ بنایا یا اسے زندہ درگور کیا لیکن اسلام نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا اور مردوں کی طرح اس کے وجود کو بھی معزز و محترم قرار دیا۔ داعی اسلام نبی رحمت ﷺ جو خود چار بیٹیوں کے باپ ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں، روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ''مَنْ كَانَ لَهٗ بِنْتٌ'' جس کی ایک بچی ہوئی، ''فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ اَدَبَهَا'' اس نے اس کی خوب اچھی تربیت کی، ''وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا'' اور خوب اچھی تعلیم دلائی، ''وَاَسْبَغَ عَلَيْهَا مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ الَّتِيْ اَسْبَغَ عَلَيْهِ'' اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس پر خوب خرچ کیا، ''كَانَتْ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ'' تو وہ بچی اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائے گی (ترمذی شریف) یہ ہے اللہ کی نعمت جو ذخیرۂ آخرت بنتی ہے، ماں باپ کے لئے جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ بنتی ہے کیا اس کی پیدائش پر غم کرنا چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ بیٹے کی پیدائش سے زیادہ بیٹی کی پیدائش پر خوش ہونا چاہئے کہ صرف اولاد ہی نہیں آئی بلکہ وہ نعمت ہاتھ لگی جو جہنم کی آگ سے آزادی کا مژدہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ''میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، اس نے مجھ سے کچھ کھانے کے لئے مانگا اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس میں نے وہی اس کو دے دی۔ اس نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں کو کھلا دی اور خود نہ کھائی، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو اس عورت کی بیٹیوں سے محبت بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ'' جو ان لڑکوں کی وجہ سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ بھلائی کی تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی (بخاری شریف) حق فرمایا، میرے آقا ﷺ نے

واقعی بیٹیاں ایک آزمائش ہوتی ہیں کہ والدین کو بیٹوں سے بڑا سہارا ہوتا ہے اور وہ ان سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوتے ہیں، ان کو وہ اپنے ہی لئے پالتے ہیں لیکن بیٹیاں تو ماں باپ کے پاس کسی دوسرے کی امانت ہوتی ہیں۔ ان کو وہ کسی کو سپرد کر دینے کے لئے پالتے ہیں گویا بیٹوں کی پرورش میں غرض ہے، لالچ ہے اور بیٹیوں کی پرورش بے غرض ہے، بے طمع ہے۔ پس جو کام بغیر غرض اور لالچ کے کیا جائے وہی زیادہ باعث برکت اور باعث ثواب ہوتا ہے، لہٰذا بیٹیوں کی پرورش کا صلہ جہنم سے آزادی مقرر کیا گیا مزید ملاحظہ ہوں میرے آقا ﷺ کے چند ارشادات:

بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ عَالَی جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا'' جو دو بیٹیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں ''جَآءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا'' وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ وہ اور میں اس طرح ہوں گے (یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے) ''وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ'' اپنی دو انگلیوں کو ملایا یعنی اس اشارے سے بتا دیا کہ دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والا جنت میں میرے بہت ہی قریب ہوگا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْهَا یَعْنِی الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ'' جس کی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے اور نہ اسے حقیر جانے اور نہ اپنے بیٹے پر اس کو ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یَكُوْنُ لِاَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ فَیُحْسِنُ اِلَیْهِنَّ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ'' جس نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کو پالا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔ (ترمذی شریف)

ان ارشادات پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا کوئی وجہ ہے کہ بیٹی کی پیدائش پر افسوس کیا جائے اولاد چاہے نرینہ ہو یا مؤنث سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کی امانت ہے۔ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی اس امانت کی نگہداشت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق کریں تاکہ اگر بیٹا ہے تو ان کے کام آئے اور اگر بیٹی ہے تو وقت آنے پر وہ ایک کامیاب بیوی بنے، اپنے شوہر کا حق پہچانے اور اسے ادا کرے اور ایک اچھی ماں بنے، اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے اور اس کو بہترین انسان بنائے کیا بیٹی سے یہ کم فائدہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان میں پہنچ کر اپنی خوبیوں سے اپنے ماں باپ کا نام روشن کرے اور ان کی عزت کا سبب بنے۔ بیٹی اگر کسی گھر میں محبت و الفت کے چراغ روشن کرتی ہے تو یہ والدین ہی کی نیک نامی کا باعث ہوتا ہے کہ انہی کی حسن تربیت نے اسے اس قابل بنایا۔ پس بیٹی کی پیدائش پر افسردہ ہونے کے بجائے اس کی تعلیم و تربیت پر والدین کو زیادہ توجہ دینا چاہئے۔

محبت وشفقت

محبت وشفقت، اولاد کے ساتھ اچھے برتاؤ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کی فطرت میں ودیعت کیا ہے کہ ہم جانوروں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں سے کس قدر محبت کرتے ہیں اور ان

سے کتنا پیار رکھتے ہیں، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ وہ رحیم، اللہ کا بندہ اور ہر ہر قدم پر رحم کا محتاج ہے، اس کا دل رحم ومحبت سے کس طرح عاری ہوسکتا ہے اللہ اس پر رحم کی بارش کرتا ہے جس کا دل دوسروں کے لئے رحم ومحبت سے بھرا ہوا ہو۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جنہیں رحیم رب نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔ فرماتے ہیں، راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ''لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ'' اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ'' رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ ''اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ'' لہٰذا تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ (ترمذی شریف) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا'' وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ ''وَلَمْ یَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَمْ یَنْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ'' اور نیک کاموں کا حکم نہ دے اور برے کاموں سے نہ روکے۔ (ترمذی شریف)

رحم کے اظہار کی ابتداء محبت وشفقت سے ہوتی ہے کہ جب آپ کسی پر رحم کرتے ہیں تو اس کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں جس کا باعث یا تو آپ کے محبوب کا حسن وجمال ہوتا ہے یا اس کی کمزوری بچہ چاہے کیسا ہی ہو، حسین بھی ہوتا ہے اور کمزور بھی وہ سب سے سہارے کا محتاج اور متلاشی ہوتا ہے۔ اسی لئے جب اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے یا اسے کوئی ڈراتا دھمکاتا ہے تو وہ کسی بڑے کی طرف روتا ہوا دوڑتا ہے اور پناہ لیتا ہے۔ پس وہ سب سے زیادہ مستحق ہے رحم کا، محبت کا اور شفقت کا اسی لئے ہر وہ دل جس میں محبت وشفقت کا مادہ ہوتا ہے بچوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچوں کو پیار کر رہے تھے اسی دوران ایک دیہاتی آ گیا اور حیرت سے کہنے لگا: ''اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ وَمَا نُقَبِّلُھُمْ'' کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو انہیں کبھی بوسہ نہیں دیتے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: ''اَوَ اَمْلِکُ لَکَ اِنْ نَزَعَ اللّٰہُ مِنْ قَلْبِکَ الرَّحْمَۃَ'' میں کیا کروں کہ اللہ نے تمہارے دل سے شفقت نکال دی ہے۔ (بخاری شریف) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے (حصول برکت کے لئے) آپ ﷺ اس پر دعا فرماتے تھے اور اس وقت جو بچے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان میں سب سے چھوٹے کو پہلے کھلاتے تھے یعنی بچوں کو کوئی چیز کھلانا یا دینا برکت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کی گردن پر آ بیٹھے، آپ ﷺ نے سجدہ لمبا کر دیا یہاں تک کہ وہ اتر گئے۔ لوگ متحیر ہوئے کہ اتنا لمبا سجدہ کیوں کیا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی خاص بات نہیں، میرا بیٹا حسین میری گردن پر سوار ہو گیا تھا۔ پس میں نے سجدہ طویل کر دیا تا کہ اس کی خوشی پوری ہو جائے (نماز میں بچے کے

سامنے آجانے سے یا گردن پر بیٹھ جانے سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کررہے تھے۔ اس وقت اقرع بن حابس آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر حیرت سے دیکھا اور فرمایا: "مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ" جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک (تابعی) کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے اپنے بچے کی شکایت کی اور اس کی طرف سے سخت رنج و ملال کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے بچے کے لئے بددعا کر دی۔ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا تم نے خود ہی اپنے بچے کو برباد کر دیا (کہ باپ کی بددعا ضرور قبول ہو جاتی ہے) پھر فرمایا: بچوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

شاید ہی کوئی ماں باپ ایسے ہوں جن کے دل میں اولاد کی محبت اور اس پر مہربانی کا جذبہ نہ ہو لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ یا تو والدین محبت کا تقاضا پورا نہیں کرتے اور یا محبت کا طریقہ غلط اختیار کرتے ہیں۔ محبت کا تقاضا پورا نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو بچوں سے محبت کی وجہ سے جو طرز عمل اختیار کرنا چاہئے وہ اس میں لاپرواہی کرتے ہیں مثلاً بچوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دینا، خود ان کی خدمت کرنا اور محبت کا غلط طریقہ اختیار کرنا یہ ہے کہ بچوں کی ہر ضد پور کرنا مثلاً جو چیز بھی وہ مانگیں انہیں دی جائے، چاہے اس سے انہیں نقصان ہی کیوں نہ ہو، جو حرکت وہ کریں کرنے دی جائے چاہے وہ اس کے اخلاق و عادات کو بگاڑ ہی کیوں نہ دے۔ پس محبت وشفقت بچوں کا حق ہے لیکن اس میں اعتدال ہونا چاہئے کہ نہ تو بچوں کی حق تلفی ہو اور نہ وہ ان کے لئے مضر ہو اور نقصان دہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں پر بے حد محبت و شفقت کے باوجود انہیں مارنے کا بھی حکم دیا۔ جبکہ وہ دس سال کے ہونے کے بعد بھی نماز کی پابندی نہ کریں گویا میرے آقا ﷺ نے تعلیم دی کہ بچوں پر ضرور مہربانی کی جائے لیکن اس طرح کہ ان کی تربیت میں کمی نہ آئے حتیٰ کہ اگر تربیت کے لئے مارنا بھی پڑے تو مارنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ماں کو محتاط ہونا چاہئے کہ ماں کا دل اولاد کی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر بچوں کی غلط ضد پوری کرتی ہے، ان کی بری عادتوں کی پردہ پوشی کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ماں بچوں کی غلط روی کا باپ کو پتہ تک نہیں ہونے دیتی تاکہ وہ باپ کی سختی اور سزا سے بچے رہیں۔ ماں کی محبت کا یہ انداز ہ اولاد کے لئے زہر قاتل ہے ایسی ماں اولاد کی محبت کا حق ادا نہیں کرتی بلکہ اسے تباہی کے گڑھے میں ڈھکیلتی ہے کہ غلطیوں پر بچوں کو فوری تنبیہ اور سزا ہی درحقیقت ان کے ساتھ "اچھا برتاؤ" ہے اور ان کی محبت کا حق ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

اولاد پر خرچ کرنا

اولاد پر دولت خرچ کرنا یعنی ان کی ضروریات پوری کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے اس طرح کہ ماں باپ اپنی استطاعت کے مطابق بچوں پر فراخی کریں، ان کی رہائش کے لئے اچھا مکان فراہم کریں، اچھے لباس اور کھانے کے لئے اچھی غذا کا انتظام کریں، تعلیم کے اخراجات پورے کریں کہ اس عمل سے بھی اولاد کے دل میں والدین کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے،

ان کی نظروں میں والدین کے لئے احترام پیدا ہوتا ہے جس سے وہ اخلاقاً والدین کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جو والدین استطاعت کے باوجود بچوں پر تنگی کرتے ہیں ان کے بچے جوان ہوتے ہی ان کی موت کا انتظار کرنے لگتے ہیں تاکہ دولت ہاتھ آئے اور اس کو وہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکیں۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِذَا نَفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ'' جب مسلمان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا اور اجر کی امید کرتا ہے تو یہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے یعنی جو کچھ بھی اہل وعیال پر خرچ کیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے اس پر اجر اور برکت کا ملنا اسی طرح یقینی ہو جاتا ہے جس طرح دیگر صدقات وخیرات کا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: ''اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ'' کونسا صدقہ افضل ہے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: ''جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَا بِمَنْ تَعُوْلُ'' غریب کا محنت کی کمائی سے صدقہ کرنا اور صدقہ اس سے شروع کرو جس کی تمہارے ذمہ کفالت ہو یعنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات پہلے پوری کرو پھر دوسروں پر صدقہ کرو۔ (بخاری شریف)

میرے آقا ﷺ اہل وعیال پر اخراجات کو افضل و بہترین صدقہ قرار دے رہے ہیں یعنی اس مد میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس پر اجر وثواب بھی محفوظ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی وہ برکات نصیب ہوتی ہیں جن کا صدقہ کرنے والوں سے وعدہ کیا گیا ہے مثلاً رزق میں برکت ہونا، آفات وبلیات کا دور ہونا، زندگی کے نشیب وفراز میں سہولت اور آسانی میسر آنا۔ لہٰذا اولاد پر خوب خرچ کرنا چاہئے اور خوش ہو کر خرچ کرنا چاہئے لیکن دو باتوں کا خیال ضروری ہے ایک یہ کہ بچہ کے ایسے مطالبہ کو ہرگز پورا نہ کیا جائے جو وہ کسی کی حرص میں کر رہا ہو اور باپ کی استطاعت سے باہر ہو کیونکہ اکثر بچے خاندان یا پڑوسیوں کے یہاں کوئی چیز دیکھ کر اس کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں اور والدین قرض وادھار سے ان کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ اس طرح آپ نے بچے کو وقتی طور پر خوش کر دیا لیکن خود زیر بار ہو گئے اور بچہ کو بھی حرص کی مہلک عادت میں مبتلا کر دیا جو ساری زندگی اس پر اثر انداز رہے گی۔ بہتر یہ ہے کہ بچے کو بتایا جائے کہ تمہارے جس دوست یا عزیز کے پاس یہ چیز ہے وہ اس لئے ہے کہ اس کے باپ کی آمدنی تمہارے باپ سے زیادہ ہے۔ لہٰذا ہم تمہاری اس خواہش کو بالکل پورا نہیں کر سکتے اس طرح آپ بچے کو قناعت اور آمدنی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا سبق دیں گے جو اس کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ دوسرے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ بچوں کے اخراجات کے لئے حرام کی دولت مثلاً سود، رشوت وغیرہ حاصل نہ کی جائے کہ جس بچے کے خون میں حرام کی آمیزش ہوگی اس کے عادات واطوار کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ امانت، دیانت، صداقت، جذبہ اطاعت وخدمت اور ان جیسی خوبیوں سے وہ محروم ہی رہے گا اور حرام سے پرورش پانے والا ہمیشہ حرام ہی کی دولت حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہے گا۔ اللہ حرام کی دولت سے محفوظ رکھے کہ یہ پوری نسل کو تباہ کر دیتی ہے۔ نیز حرام کی دولت کما کر اولاد کو عیش کرانے والے اولاد ہی کی نظروں میں حقیر وخوار ہو جاتے اور اولاد کی بغاوت ونافرمانی کا شکار بنتے ہیں۔

خلاصہ

بلاشبہ والدین کا اولاد پر بہت حق ہے جس کا ادا کرنا اولاد کی دنیاوی واُخروی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہے لیکن والدین

پر بھی اولاد کے کچھ حقوق ہیں جن کو ادا کر کے ہی والدین اولاد سے اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کا نام روشن کرے، ان کی عزت وشہرت کا ذریعہ بنے تو ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش کے روزِ اول ہی سے ماں باپ اس کی صحیح تربیت کریں جو خود اپنی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں کہ بچہ ماں کے اور باپ کے عمل سے بہ نسبت ان کے قول کے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور وہی طرزِ زندگی اختیار کرتا ہے جو والدین کا ہوتا ہے۔ والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد معاشرے کا اچھا حصہ بنے تو ضروری ہے کہ وہ اولاد کو دینی تعلیم دیں، مذہب سے لگاؤ پیدا کریں کہ کوئی خوبی اور اچھائی مذہبی تعلیم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ والدین چاہتے ہیں کہ اولاد ان کی خدمت کرے تو ضروری ہے کہ والدین اولاد کو ملازمین کے سپرد کر دینے کی بجائے خود ان کی ساری ذمہ داری سنبھالیں، خود اپنے ہاتھ پیر سے ان کی خدمت کریں اور ان پر وقت صرف کریں۔ دنیا کے دوسرے کاموں کی طرح اولاد کی خدمت کو بھی ایک اہم کام جانیں۔ والدین چاہتے ہیں کہ بچوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا ہو تو ضروری ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ شفقت اور محبت کا برتاؤ کریں تا کہ ان کے دلوں میں والدین کی محبت پیدا ہو سکے۔ والدین اولاد کے لئے نمونہ ہیں اگر وہ اپنی گھریلو اور معاشرتی زندگی میں اچھائیوں اور خوبیوں سے آراستہ ہیں تو ان کی اولاد بھی انہی اقدار کو اپنائے گی اور اگر والدین ہی بدخلق اور بداطوار ہیں تو اولاد ان سے زیادہ بری راہ اختیار کرے گی۔ پس والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عمل اور اپنی ہر عادت میں محتاط رہیں اور ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ کوئی انہیں دیکھ رہا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کا اثر قبول کر رہا ہے اور وہ ان کی اولاد ہے۔

اولاد کے ساتھ والدین کا سب سے اچھا برتاؤ یہ ہے کہ وہ اسے حلال رزق مہیا کریں کہ حرام رزق خون میں سرایت کر کے بدکرداری کے جراثیم پیدا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انسان کو بدکردار بنا دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے گناہ کرنا، جھوٹ بولنا، دوسروں کو ستانا، فریب اور دھوکا کرنا، ہوا و ہوس اور حرص میں مبتلا ہو جانا قابلِ ملامت عمل نہیں رہتے جبکہ حلال رزق سے پرورش پانے والا شخص اگر کسی برائی میں مبتلا ہو بھی جاتا ہے تو وہ بہت جلد پشیمان اور شرمندہ بھی ہو جاتا ہے اور برائیوں کے دلدل سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ اے اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ تیری عطا کردہ نعمت اولاد کی ہم پوری طرح پرورش کر سکیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو، سخت مزاج ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا اس نے انہیں حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مقالہ ۹۰

التحریم:۸

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (التحریم:۸)

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کے حضور سچے دل سے امید ہے تمہارا رب دور کردے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہ کرے گا اللہ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

سورۂ تحریم کی یہ آیت نمبر ۸ ہماری کتاب کے عنوان کی آخری آیت ہے یعنی اس کے بعد قرآن کریم میں کوئی آیت نہیں جس میں اہل ایمان کو ''یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے دلنواز خطاب سے نوازا گیا ہو۔ گویا یہ مقالہ اس کتاب کا آخری مقالہ ہے۔ اختتام کتاب پر ہمیں ''تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا'' کا پیغام ربانی نصیب ہوا ہے۔ ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا'' پس ہم نے سنا اور قبول کیا اور ہم اے اللہ! اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور لاپرواہیوں پر نادم ہیں تو دلوں کا حال جاننے والا ہے، ہم صدق دل سے توبہ کرتے ہیں ''اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ'' تو ہی توبہ قبول فرمانے رحم کرنے والا ہے۔ پس تو ہماری توبہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ قبول فرما اور ہم پر رحم فرما کہ ہم اپنے عزم کے مطابق آئندہ گناہوں اور برائیوں سے بچتے رہیں۔ اے اللہ! ہم نے توبہ کی تو اپنا وعدہ پورا فرما کہ ہمارے نامۂ اعمال سے ہمارے گناہوں کو مٹا دے اور اے اللہ! تیرے دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے جو کچھ ہم نے کہا لکھا اور کیا اسے قبول فرما۔ آمین بجاہ رحمۃ للعلمین۔

آیت زیر گفتگو میں اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ توبہ کرتے رہا کریں اور توبہ وہ جو نصوح ہو۔ نیز توبہ کرنے والوں سے وعدہ کیا جارہا ہے ان کی برائیوں کو مٹا دینے کا، انہیں جنت میں بھیجنے کا اور انہیں خوشخبری دی جارہی ہے قیامت کے دن نورِ کامل کی۔ ان امور پر ہی گفتگو کرنا ہے ممکن ہے ان میں کچھ باتیں گزشتہ اوراق پر لکھی جاچکی ہوں اور یہاں مضمون کی مناسبت سے ان کا اعادہ ہو جائے لیکن یہ اعادہ مفید ہوگا۔

توبہ

توبہ کے معنی ہیں: رجوع الی اللہ، اللہ کی طرف لوٹنا، بغاوت ونافرمانی کی زندگی، بدکاریوں اور بدعملی سے نادم و شرمندہ ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا، اظہارِ ندامت کرنا اور آئندہ گناہوں کی زندگی سے بچے رہنے کا وعدہ کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ اللہ توّاب ہے وہ پسند فرماتا ہے کہ اہل ایمان اس سے توبہ کرتے رہیں۔ ''وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' اے ایمان والوں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ پس توبہ رب کو مطلوب و پسند ہے جس کا فائدہ توبہ کرنے والے ہی کے لئے ہے یعنی کامیابی وکامرانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جو توبہ کرتے ہیں وہ اللہ کے محبوب ومقرب ہو جاتے ہیں۔ ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ'' بیشک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ گویا توبہ صرف گناہگاروں کے لئے نہیں بلکہ ہر مؤمن کے لئے ہے، عوام کے لئے بھی، خواص کے لئے بھی، اولیاء وصالحین کے لئے بھی اور انبیاء ومرسلین کے لئے بھی، ہر ایک کو اس کے مقام کے مطابق توبہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ہم توبہ کریں تو گناہ دُھلتے ہیں، اولیاء وصلحاء توبہ کریں تو مراتب قرب میں اضافہ ہوتا ہے، انبیاء ومرسلین توبہ کریں تو امت کے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے بہر حال توبہ اللہ کو پسند ہے اور وہ توبہ کرنے والوں کو ان کے حیثیت اور ان کے مرتبہ کے مطابق توبہ کا اجر عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ جن کے صدقہ میں سب کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ تائب اول حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی انہی کے صدقہ میں قبول ہوئی تھی انہیں بھی حکم ملا۔ ''وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ'' اور استغفار کرتے رہیے۔ یہ حکم اس پیارے کے لئے ہے جو معصوم ہے جس سے گناہ کے ارتکاب کا امکان تک نہیں۔ پس یہ حکم ان کے منصب کے مطابق اس حکمت پر مبنی ہے کہ محبوب کا استغفار ان کے

رب کو بے حد پسند ہے۔ نیز آقا کا استغفار غلاموں کی توبہ قبول ہونے کا وسیلہ ہوگا اور ہر غلام کے لئے استغفار آقا کی سنت بن جائے گا۔ پس معصوم نبی نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور خوب تعمیل کی۔ جیسا کہ خود آقا ﷺ نے بتایا۔ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی "اِنِّی لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" بیشک میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ۔ (بخاری شریف)

پس جب ہمارے آقا ﷺ اس کثرت سے توبہ واستغفار کرتے رہے تو ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی بکثرت توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے اور یہ یقین کرنا چاہئے کہ اللہ رحیم وکریم ہم گناہگاروں کی توبہ ہمارے آقا ﷺ کے صدقہ قبول فرمالے گا۔ نیز آقا ﷺ قیامت کے دن خود ہماری شفاعت فرما کر ہمیں بخشوالیں گے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ راوی ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ "شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ" میری شفاعت میری امت میں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توبہ کا فائدہ صرف گناہوں کی بخشش ہی نہیں بلکہ بکثرت توبہ واستغفار کرنے والوں سے "مَتَاعًا حَسَنًا" کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى" اور یہ کہ مغفرت طلب کرتے رہو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تمہیں بھرپور زندگی کی راحتیں عطا فرمائے گا، مقررہ وقت (مرنے) تک۔ یہ سورۂ ہود کی تیسری آیت ہے پھر سورۂ ہود ہی کی آیت نمبر ۵۲ ہے۔ فرمایا گیا: "يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ" اے میری قوم اپنے رب سے طلب مغفرت کرتے رہو پھر اسی کی طرف رجوع کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت پہلی قوت سے زیادہ کردے گا اور منہ نہ موڑو جرم کرتے ہوئے۔ سورۂ نوح کی آیات نمبر ۱۰ تا ۱۳ ہیں۔ فرمایا گیا: "فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا" پس میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بیشک وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا مال واولاد سے اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا۔

ان آیات مبارکہ پر غور فرمائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ توبہ واستغفار صرف گناہوں کی بخشش ہی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے فوائد کا دنیا میں بھی وعدہ کیا جارہا ہے کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور توبہ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے "مَتَاعًا حَسَنًا" کا وعدہ فرمایا گیا۔ "مَتَاعًا حَسَنًا" اچھی پونجی اس لفظ میں دنیا کی ساری نعمتیں، راحت وسکون سب ہی شامل ہے۔ اسی کی تفصیل دیگر آیات میں کی گئی ہے کہ توبہ واستغفار کرنے والوں کے لئے آسمان سے بوقت ضرورت پانی برستا رہتا ہے جس سے ان کی کھیتیاں ہری بھری، ان کے جانور فربہ ہوتے ہیں اور دیگر بے شمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان کی معاشی حالت بہتر سے بہتر ہوجاتی ہے، ان کی قوت وطاقت پہلے سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر مزید کرم فرماتا

ہے کہ انہیں دولت سے نوازتا ہے، اولاد عطا فرماتا ہے، ان کے باغات ہرے بھرے سودمند ہو جاتے ہیں اور ان کی نہریں پانی سے بھری ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جن کی کمی معاشرے کو غربت میں مبتلا کر دیتی ہے اور لوگ طرح طرح کی بیماریوں، پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان میں جہالت بڑھ جاتی ہے، جرائم عام ہو جاتے ہیں غرضیکہ وہ ذلیل وخوار، کمزور اور بے وقار ہو جاتے ہیں جبکہ توبہ کرنے والوں پر اللہ کا خصوصی فضل ہوتا ہے اور وہ تباہ حال زندگی سے محفوظ رہتے ہیں۔

اسی لئے میرے آقا ﷺ بکثرت استغفار کرتے رہے تاکہ ہم بھی آپ کی اتباع و پیروی کرتے ہوئے استغفار کیا کریں اور اپنی زندگی کو اجیرن بننے سے بچا سکیں۔ گویا آج جن مصائب و آلام میں ہم گرفتار ہیں، تنگی و پریشانی کے شب و روز بسر کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ دن رات ہم گناہوں میں تو مبتلا رہتے ہیں لیکن کسی لمحہ بھی ہمیں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور تواب و رحیم رب کے دربار میں حاضر ہو کر نادم وشرمندہ ہونے کا خیال تک نہیں آتا۔ پریشانیوں سے نجات کے لئے نہ جانے ہم کیا کیا کرتے رہتے ہیں لیکن زندگی کی گتھی کو جتنا سلجھانا چاہتے ہیں وہ اتنی ہی الجھتی جاتی ہے کیونکہ ہم اسے سلجھانے کا طریقہ ہی غلط اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ قرآن ہمیں نہایت آسان اور سادہ سا طریقہ بتاتا ہے کہ ''تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ'' اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ، توبہ کرو سب کچھ مل جائے گا ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اسی لئے ان کی زندگی بے خوف وخطر اور رنج والم سے محفوظ تھی۔ دنیا و آخرت کی ساری راحتیں انہیں میسر تھیں۔ رب کریم کا وعدہ ہے: ''اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا'' اگر تم نیک بن جاؤ گے تو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے لئے بہت بخشنے والا ہے کبھی نہ سوچنا کہ نہ جانے ہماری توبہ قبول ہوگی یا نہیں۔ بس ہمارا کام تو صدق دل سے توبہ کرنا رب کے دربار میں رونا ہے اپنے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہونا ہے، قبول کرنا اس کا فضل وکرم ہے ہم اپنا کام کریں وہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ نیز کبھی مایوس نہ ہونا کہ اتنے گناہ کیسے بخشے جا سکتے ہیں نہیں ہرگز ایسا نہ سوچنا رب نے ہمیں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے مژدہ دیا ہے، خوشخبری دی ہے۔ ''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ فرما دیجئے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ ''اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے بلاشبہ وہ بہت ہی بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وہ آیہ مبارکہ ہے جسے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے حد پسند فرمایا اور اس کے متعلق ارشاد ہوا: ''مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ'' اس آیہ مبارکہ کے عوض مجھے دنیا اور مافیہا کی دولت بھی دے دی جائے۔ تب بھی میں اس سودے کو پسند نہ کروں گا۔

اور اگر آپ اس آیہ مبارکہ کے شان نزول پر غور کریں تو آپ کو اس کی اہمیت کا مزید اندازہ ہوگا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں چند مشرک حاضر ہوئے جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کئے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ لوگ عرض گزار ہوئے کہ آپ جو فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ ہمیں بہت پسند ہے اور ہم اسے قبول کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم تو اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی ہمیں کوئی

امید نظر نہیں آتی کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ ان گناہوں کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے یعنی اگر ہمارے گناہ معاف ہونے کی صورت ہو تب تو ہم اسلام قبول کریں اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ہمیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں جانا پڑے تو اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ پس آیۂ مبارکہ نازل ہوئی اور قیامت تک کے لئے گناہوں میں ملوث اور اپنی جانوں پر ظلم وستم کرنے والوں کو مژدۂ بخشش سنا دیا گیا۔ غور فرمایئے جب مشرکین کے لئے اسلام قبول کر لینے کے بعد مژدۂ مغفرت ہے تو ہم جو آقا ﷺ کے غلام ہیں اس خوشخبری کے تو زیادہ حقدار ہیں۔ پس گناہ کتنے ہی ہوں مایوس نہ ہونا چاہئے کہ مایوسی کفر ہے۔ اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ دیکھئے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے بیٹیوں کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سراغ لگانے کی ہدایت کرتے ہوئے یہی بتایا تھا کہ ''لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ'' مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے ناامیدی تمہیں زیب نہیں دیتی تم مؤمن ہو نبی کی اولاد ہو۔ ''اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ'' رحمتِ الٰہی سے مایوس صرف کافر ہی ہوا کرتے ہیں۔ پس اہل ایمان کا کام صرف توبہ کرتے رہنا ہے اور جو توبہ کرتے ہیں ان کے لئے آقائے رحمت ﷺ کا مژدہ ہے۔ راوی ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ'' گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ اسی لئے تو شرعی حکم ہے کہ جو اپنے گناہوں سے علی الاعلان توبہ کر چکا اب اسے گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں یعنی شرابی یا چور کو توبہ کے بعد شرابی یا چور کہنا جائز نہیں۔

گناہوں کی سیاہی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فِيْ قَلْبِهٖ'' مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ ''فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ'' پھر جب وہ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے۔ ''وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ'' اور اگر وہ گناہ کرتا ہی رہتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے (یعنی اس کا پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، فرمایا) ''فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى'' پس یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ ''كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ'' ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کا زنگ لگ گیا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) جیسے زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اور اس کی ساری سختی وقوت کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی گناہ مؤمن کے دل کی قوت وطاقت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور وہ بے حس، بے غیرت اور ذلیل وخوار ہو کر زندگی کے دن گزارتا رہتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے لیکن بات وہی ہے کہ اگر اس حال میں بھی بندہ مایوس وناامید نہ ہو اور اسے توفیق توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بڑا ہی مقدر والا ہے کہ رب بڑا ہی مہربان ہے اس کے لئے گناہوں کی سیاہی دور کر دینا اور نیکیوں کے نور سے دلوں کو روشن ومنور کر دینا ہرگز دشوار نہیں۔ اس کا ارشاد ہے: ''اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط'' وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

میرے آقا ﷺ نے مجھ جیسے روسیاہ گناہ گار کے لئے ایک نہایت ہی ہمت افزاء خبر سنائی۔ راوی ہیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ "یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ" قیامت کے دن اللہ کے دربار میں ایک شخص کو پیش کیا جائے گا۔ "فَیُقَالُ اَعْرِضُوْا صَغَائِرَ ذُنُوْبِهٖ" تو کہا جائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہ پیش کرو۔ "فَتُعْرَضُ عَلَیْهِ صَغَائِرُهَا" تو اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں گے۔ "وَتُخْبَاءُ کَبَآئِرَهَا" اور کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا۔ "فَیُقَالُ اَعَمِلْتَ کَذَا وَکَذَا" پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ "وَهُوَ یُقِرُّ وَلَیْسَ یُنْکِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِّنَ الْکَبَآئِرِ" وہ اقرار کرتا رہے گا اور کسی گناہ کا انکار نہ کرے گا جبکہ وہ تو خوفزدہ ہوگا اپنے بڑے گناہوں سے۔ "فَیُقَالُ اَعْطُوْهُ مَکَانَ کُلِّ سَیِّئَةٍ حَسَنَةً" تو حکم دیا جائے گا کہ اس کی ہر برائی کے بدلے نیکی کا اجر دے دو۔ "فَیَقُوْلُ اِنَّ لِیْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاهَا هٰهُنَا" تو وہ کہے گا میرے تو اور بھی بہت گناہ تھے جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں (تا کہ مجھے ان کے بدلے بھی نیکیاں ملتیں) راوی نے بتایا کہ اس ارشاد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ یہ ہے "یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" کی تفسیر کہ توبہ کرنے والوں کی برائیوں کو قیامت کے دن اس طرح نیکیوں میں بدل دیا جائے گا۔

تَوْبَةً نَّصُوْحًا

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا" اے ایمان والو اللہ کے حضور توبہ کرو سچے دل سے۔ اس خصوصی خطاب کے ساتھ اہل ایمان سے صرف توبہ کا مطالبہ نہیں بلکہ توبہ نصوح کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ پس ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ توبہ نصوح کیا ہے۔ نصوح کے معنی ہیں خالص کرنا یا پھٹے کپڑے کو سینا اور جوڑ لگانا۔ ان دنوں معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے "توبہ نصوح" ایسی توبہ کو کہا جائے گا جس میں ریاء و نمود نہ ہو صرف اللہ و رسول کی رضاء و خوشنودی مقصود ہو۔ نیز اس توبہ کے ساتھ آئندہ اعمال صالحہ اور احکام شرع کی پابندی کا عزم مصمم ہو تا کہ گناہوں نے تقویٰ و پرہیز گاری کے جس لباس کو تارتار کر ڈالا تھا اب وہ سی لیا جائے اور اس میں جوڑ لگا دیئے جائیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ اپنے گزشتہ عمل پر نادم و شرمندہ ہو اور اس کی طرف دوبارہ نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ حضرت حلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ بندہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم ہو اور اپنے اعضاء کو آئندہ گناہ سے روکے رہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توبہ نصوح وہ ہے جس میں تین باتیں موجود ہوں: (۱) بندہ گناہ کو ترک کر دے، (۲) جو گناہ کر چکا ہے اس پر دل میں نادم اور شرمندہ ہو، (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر کبھی گناہ نہ کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی دیہاتی کو کہتے سنا: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ" یا اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے اعرابی، یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے اس نے عرض کی تو مجھے بتائیے کہ سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے بتایا جس توبہ میں چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہے: (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے

ہیں ان پر ندامت و شرمندگی، (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا، (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹاؤ، (۴) جس سے لڑائی جھگڑا کیا ہے تو اس سے معافی مانگو، (۵) پختہ عزم کرو کہ آئندہ گناہ نہ کروں گا، (۶) جس طرح تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے موٹا کیا اسی طرح اب اللہ کی اطاعت میں اسے محنت و مشقت میں ڈالو (یعنی زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی کرو، خوب محنت کرو، کم سوؤ، زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی عبادت میں گزارو) روزے رکھو، اللہ توفیق دے تو حج فرض کے بعد بار بار حج کرو، عمرے کرو۔

اور اب سنئے آقائے شریعت ﷺ کا ارشاد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا التَّوْبَةُ النَّصُوْحُ" اللہ کے رسول ﷺ "توبہ نصوح" کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَنْ يَّنْدِمَ الْعَبْدُ عَلَى الَّذِىْ اَصَابَ" کہ بندہ کئے ہوئے گناہ پر نادم ہو۔ "فَيَعْتَذِرُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى" پھر اللہ کے حضور عذر کرے (توبہ کرے)۔ "ثُمَّ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ كَمَا لَا يَعُوْدُ اللَّبَنُ اِلَى الضَّرْعِ" پھر (عزم کرے کہ) کہ وہ دوبارہ گناہ کی طرف نہ لوٹے گا جیسے دودھ دوبارہ کھیری میں نہیں لوٹ سکتا۔ یعنی بندہ کا یہ عزم اتنا پختہ ہو کہ گناہ کی طرف لوٹنے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ یہ ہے توبہ نصوح۔

ان ارشادات کی روشنی میں "توبہ نصوح" کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اللہ رب العزت جل مجدہ ہم سے ایسی توبہ کا مطالبہ فرما رہا ہے جس میں ماضی کے گناہوں پر ندامت ہو، افسوس ہو صرف اس لئے کہ یہ گناہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنا اور توبہ کے دوران رب سے وعدہ ہو پورے عزم کے ساتھ، پختہ ارادے کے ساتھ کہ اب مجھ سے کوئی گناہ ہرگز سرزد نہ ہونے پائے گا پھر احکام شرع کی پابندی اور اعمال حسنہ کی ادائیگی میں اتنی محنت ہو مشقت ہو کہ گناہوں کی عیاشی کا کفارہ ہو جائے۔ محض اس لئے کہ گناہوں کے سبب جو نفس امارہ فربہ اور موٹا ہو چکا ہے اسے اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ ساری زندگی کبھی گناہ پر نہ اکسا پائے۔ جب بندہ یہ توبہ نصوح کر لیتا ہے تو تواب و رحیم رب کی رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ سیات، حسنات میں تبدیل ہو جاتی ہیں، دل پر لگا ہوا گناہوں کا دھبہ مٹ جاتا ہے، قلب تجلیات باری کا مرکز بننے لگتا ہے جس کا اثر مؤمن کے چہرے پر صاف نظر آتا ہے کہ وہ پرکشش ہو جاتا ہے، ایمان کے نور سے چمکنے لگتا ہے جو اسے دیکھتا ہے دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اس توبہ نصوح کا اثر مؤمن کی زندگی کو بھی بدل دیتا ہے اب اس کی زندگی نہایت پرسکون ہو جاتی ہے وہ باعزت و باوقار ہو جاتا ہے۔ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے مصداق اب اسے نہ تو مستقبل کے خطرات کا خوف رہتا ہے اور نہ ماضی کے صدمات کا غم رہتا ہے۔ توبہ نصوح کے بعد مؤمن کی صرف اپنی ہی زندگی نہیں سدھرتی بلکہ اُسے رب کے دربار میں وہ مقام نصیب ہو جاتا ہے کہ اسے "مستجابُ الدَّعوات" بنا دیا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے لئے کم دوسروں کے لئے زیادہ مانگتا ہے اور جو مانگتا ہے پاتا ہے۔ اس کی زندگی یا موت کے بعد جو بھی اس سے وابستہ ہوتا، رشتہ عقیدت و محبت قائم کر لیتا ہے وہ اس کا فیض پاتا ہے۔

اے ایمان والو! ذرا غور کرو، اللہ سوچو آج ہماری حالت کیا ہے۔ کردار کے اعتبار سے ہماری اکثریت بدترین اعمال میں مبتلا ہے، ہمارا مقدس معاشرہ گناہوں اور بدکاریوں کی دلدل بن چکا ہے۔ معاشی اعتبار سے سود، رشوت اور مکر و فریب کی

دولت نے ہمیں ایسا غیر معتدل بنا دیا ہے کہ کوئی خوب گلچھڑے اڑا رہا ہے۔ حرام کی دولت میں مست ہے تو کوئی نان شبینہ کو بھی محتاج ہے جب کہ اجتماعی طور پر پوری قوم ہی غربت و افلاس میں مبتلا ہیں۔ اس غربت نے ہمیں اپنے ہی دشمنوں کے در کا بھکاری بنا دیا ہے۔ نتیجتاً نہ صرف ہمارا قومی وقار مجروح ہو رہا ہے بلکہ ایمان کو بھی خطرہ لاحق ہے اور سیاسی اعتبار سے ہم کہاں ہیں۔ اس کا اندازہ ان حالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جو ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے شروع ہوئے کہ دین و مذہب کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی مساعی کو دہشت گردی کا نام دے کر دشمن نے بڑی ہی مکاری سے پوری امت مسلمہ کو اپنا حامی بنا لیا ہے۔ دہشت گردی کوئی کرتا ہے، الزام مسلمانوں پر لگا دیا جاتا ہے، مسلمانوں کو مسلمانوں ہی کی زمین سے ان ہی کے تعاون سے خوب مروایا جا رہا ہے۔ غرضیکہ دہشت گردی کا ایسا پروپیگنڈا کیا گیا کہ ہر مسلمان دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے اور امت مسلمہ کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اتنا ذلیل و خوار کر دیا گیا ہے کہ وہ منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔

دوستو! یقین جانو یہ صرف اور صرف ہماری بدعملی اور بدکرداری کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج نہ معاشی ہے نہ سیاسی صرف اور صرف شرعی ہے کہ اللہ کی دعوت کو ہم قبول کر لیں اور توبہ نصوحا کا عمل اختیار کریں پھر دیکھئے کیسے ہمارا مقدر چمکتا ہے، کیسے ہمارے حالات بدلتے ہیں خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ دہشت گرد کون ہے؟ ہم یا دہشت گردی کا پروپیگنڈا کرنے اور ڈھونگ رچانے والے یا اللہ وا سطہ تیرے رسول معظم ﷺ کا ہمیں توبہ کی توفیق نصیب فرما، آمین۔

قیامت کا تعارف

قیامت کا دن کیسا ہوگا، قیامت کے دن کیا ہوگا۔ ان سوالات کے جوابات ہی قیامت کا تعارف ہیں جن کو قرآن کریم میں متعدد بار بیان کیا گیا ہے اور نہایت ہی وضاحت سے قیامت کا تعارف کرا دیا گیا ہے۔ جس پر غور و فکر کے بعد اہل ایمان کو قیامت کا دن ہر وقت اپنے سامنے نظر آتا ہے۔ آیت زیر گفتگو میں ایک نہایت ایمان افروز انداز سے قیامت کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ'' (قیامت کا دن وہ ہے) جس دن اللہ اپنے نبی ﷺ اور ان کے اہل ایمان غلاموں کو رسوا نہ کرے گا۔ ''نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ'' ان کا نور ایمان ان کے آگے اور دائیں جانب دوڑتا ہوگا۔ ''یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا'' وہ دعا کر رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ ''اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہاں جس نور کا ذکر ہے وہ تو عام مؤمنین کے لئے ہے جبکہ میرے آقا ﷺ کا مقام و مرتبہ تو اس دن اتنا رفیع اور بلند و بالا ہوگا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس پر رشک کرتے نظر آئیں گے یہ آپ کے لئے ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی'' اور آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا دن ہوگا کہ آپ ایک طویل ترین سجدے میں اپنے رب کریم سے مژدہ سنیں گے۔ ''سَلْ تُعْطٰی'' پیارے جو چاہو مانگو دیا جائے گا پھر محبوب لواء حمد لئے اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے اور ''عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا'' تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر رونق افروز

فرمائے گا اس وعدے کے پورا ہونے کا یہی دن تو ہوگا کہ اہل محشر سید الانبیاء المرسلین ﷺ کو مقام محمود پر رونق افروز دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائیں گے اور غلاموں کی تو خوشی کی انتہا نہ رہے گی کہ مجھ جیسا گناہ گار بھی ان کی شفاعت کے توسط سے مغفرت وبخشش کی سند حاصل کرے گا:

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ چشم بددور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

....

اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی ذرا چین لے میرے گھبرانے والے

میدانِ حشر میں اہل ایمان کی بھی شان نرالی ہوگی اور کیوں نہ ہو کہ وہ نرالی شان والے آقا کے غلام جو ہیں۔ ان کے آگے اور ان کے دائیں ان کا نورِ ایمان چمک رہا ہوگا جو جانِ ایمان ﷺ کے نور کی ایک ضیاء ہوگی جب کہ وہ جنہوں نے صاحبِ نور ﷺ کے نور کو اس دنیا میں نہ پہچانا تھا، حشر میں بھی تاریکی میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے اور جنہوں نے یہاں اس نورِ تمام ﷺ کو دھوکا دینے کی کوششیں کیں وہاں اس دھوکے کا بدلہ پا رہے ہوں گے کہ منافقین کو بھی نور دیا جائے گا اور وہ جونہی اس نور میں پلِ صراط کی طرف بڑھیں گے ان کا یہ نور چھین لیا جائے گا۔ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ'' بیشک منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اللہ (ایک دن) انہیں دھوکے کا بدلہ دے گا۔ یہی دن ہے ان کے دھوکے کے بدلہ کا کہ نور ملے گا اور بوقتِ ضرورت چھین لیا جائے گا اور یہ پلِ صراط سے کٹ کٹ کر جہنم کے نچلے طبقہ میں جا پہنچیں گے۔ ''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ'' بیشک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ ''وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا'' اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جبکہ نور والے آقا ﷺ کے غلاموں کا نور ان کے آگے اور دائیں چمک رہا ہوگا اور وہ اس کی روشنی میں پلِ صراط عبور کرتے ہوئے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور دعا کر رہے ہوں گے۔ ''رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا'' اے ہمارے رب ہمارے نور کو مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے کہ جس طرح منافقین کا نور بجھ گیا۔ مولا ہمارے ساتھ ایسا نہ ہو اور ہم تیری بخشش سے جنت میں داخل ہو جائیں۔ ''اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' مولیٰ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۲ ہے۔ اسی نور کا ذکر کیا جا رہا ہے: ''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' جس دن آپ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا۔ ''بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا'' (مؤمنو) تمہیں آج ان باغوں کی خوشخبری ہو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ ''ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'' یہی وہ عظیم کامیابی ہے دنیا میں نہ جانے کس کس چیز کے حصول کو کامیابی قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی دولت کے ڈھیر جمع کر لینے والے کو کامیاب کہتا ہے کوئی صاحب اولاد کو تو کوئی عزت وشہرت کے کمال کو کامیابی قرار دیتا ہے۔ دوستو! یہ عارضی اور فانی کامیابیاں ہیں، دائمی کامیابی تو قیامت کی کامیابی ہے کہ اس دن نور نصیب ہو جائے اور اس کی روشنی میں منزل مل جائے۔

آگے اور دائیں نور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف ان سمتوں ہی میں نور ہوگا۔ میرے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ نور ہر شخص کے ایمان کی قوت اور اعمال حسنہ کی کثرت کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں مؤمن جتنی قوتِ ایمان کا مظاہرہ کرے گا اور جتنے اعمال حسنہ کرے گا قیامت کے دن اتنا ہی اس کا نور پھیلا ہوگا لیکن اس نور سے فیض صرف اور صرف اہل ایمان ہی پا رہے ہوں گے کہ کفار و منافقین کو اس نور کی ضیاء پاشیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور اس ہی میں وہ ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے بالکل اندھے کی طرح جسے سورج کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ منکرین دنیا میں اندھے رہے تو قیامت میں بھی اندھے ہی ہوں گے۔ ''وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا'' اور جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور بڑا گم کردہ راہ ہوگا۔ دنیا میں جو اندھا بنتا ہے نور اسلام سے آنکھیں پھیر لیتا ہے قیامت میں وہ واقعی اندھا کر دیا جائے گا کہ اہل ایمان کے نور سے قیامت کی تاریکیاں ختم ہو جانے کے باوجود ان اندھوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اور اس دن جب اہل ایمان ربِّ سلِّم کی صداؤں اور اپنے نور کی ضیاؤں میں جھومتے جنت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے تو منافقین کا کیا حال ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الحدید کی یہ آیت مبارکہ ''يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ'' اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں۔ ''قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا'' انہیں جواب دیا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں نور تلاش کرو۔ ''فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ'' پس ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ ''بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ'' اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا اس دیوار کا اندرونی حصہ جنت کی طرف ہوگا جس پر اللہ کی رحمت کے آثار نمایاں ہوں گے جبکہ اس کا ظاہری حصہ جہنم کی طرف ہوگا جو جہنم کی گرمی سے تپ رہا ہوگا۔ اب ان کی حالت یہ ہوگی کہ ''يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ'' کہ یہ اہل ایمان کو پکاریں گے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ ''قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ'' اہل ایمان جواب دیں گے اور لیکن تم نے تو خود ہی اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال دیا۔ ''وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ'' اور تم (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور تمہیں جھوٹی امیدوں نے دھوکے میں ڈال دیا۔ ''حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ'' یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آ گیا اور تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان نے دھوکہ دیا۔ ''فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ ''مَاْوٰىكُمُ النَّارُ'' تم (سب کا) ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ ''هِيَ مَوْلٰىكُمْ'' وہی تمہاری رفیق ہے۔ ''وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ'' اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

دیکھا آپ نے ان منافقین و کفار کا حال وقت گزر گیا تو اب واویلا کرنے اور چلانے کا کیا فائدہ۔ آج اگر انہیں اہل ایمان اپنا نور دکھا بھی دیں تب بھی یہ اندھے راستہ نہ پا سکیں گے کہ اندھا راستہ دکھانے سے منزل نہیں پاتا۔ اس کے لئے

تو ہاتھ تھامنا ضروری ہے اور یہ ایسے ہٹ دھرم، ضدی اندھے ہیں کہ رہبران کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا رہا اور یہ ظالم انکار کرتے رہے۔ آج انہوں نے رہبر کی رہبری کو تسلیم کرلیا ہوتا تو قیامت کے دن پچھتاوا نہ ہوتا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں　در بدریوں ہی خوار پھرتے ہیں
آہ کل عیش تو کئے ہم نے　آج وہ بے قرار پھرتے ہیں

اے ایمان والو! وعدۂ الٰہی حق ہے کہ قیامت کے دن وہ ہمیں رسوا نہ کرے گا لیکن اسی کے ساتھ قرآن کریم نے ہمیں قیامت کے دن منافقین کی ذلت و خواری کا حال بھی بتا دیا ہے اور مخبر صادق ﷺ نے منافقین کی علامات اور عادات و اطوار کو بھی بیان کر دیا ہے۔ پس ہم صرف وعدۂ الٰہی پر ہی خوش نہ ہوں وہ تو بلا شبہ حق ہے لیکن ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اپنے اخلاق و کردار، عادات و اطوار کا بھی جائزہ لیتے رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اندر ظاہری یا باطنی طور پر منافقین کی عادات سرایت کر چکی ہوں اور ہم اسی خوش فہمی میں رہیں کہ قیامت کے دن ہمیں اللہ رسوا نہ کرے گا۔ ہمیں ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھنا ہوگی اور اپنی خرابیوں کو دور کرتے رہنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ نیز اللہ کی ہدایت کے مطابق ہم گناہوں سے توبہ کرتے رہیں پھر دعا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ اپنے محبوب صاحبِ نور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہمیں وہ نور عطا فرمائے جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

یاد رکھئے اعمال صالحہ ہی وہ پونجی ہیں جو دنیا کی زندگی کو بھی پرسکون بنا دیتے ہیں اور ان کا اثر آنکھ بند ہوتے ہی اور زیادہ قوی اور طاقتور ہو جاتا ہے۔ جب تاریک قبر میں مؤمن کو اپنے ایمان کی، نماز کی، تلاوت قرآن وغیرہ کی روشنی نصیب ہوتی ہے کہ اس تاریکی کو دور کرنے کی قوت کسی اور روشنی میں نہیں سوائے اعمال صالحہ کے اور پھر یہی اعمال صالحہ ہیں جو قیامت کے دن وعدۂ الٰہی کے ایفاء کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن اعمال صالحہ کی قبولیت اور ذریعہ نور بننے کے لئے ضروری ہے کہ مؤمن کا صاحب نور ﷺ سے مضبوط رشتہ عقیدت و محبت ہو جو اہل محبت و عقیدت اولیاء کرام سے نسبت و تعلق قائم کرنے سے ہی نصیب ہوتا ہے:

یاالٰہی جب چلوں تاریک راہ پل صراط پر　آفتاب ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے　ربِّ سلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کہ

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا'' کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں پیش ہو چکی امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کوشش پسند آئی ہو گی اور آپ نے ہمارے علم وعمر میں اضافہ کی دعا کی ہو گی۔ اس جلد میں آپ کو کہیں کہیں ہماری کم علمی کا بھی احساس ہوا ہو گا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ نے اس کو درگزر کر دیا ہو گا۔ لیجئے اب دوسری جلد پیش خدمت ہے۔ اس سے لطف اندوز ہو جایئے اور ہمیں اپنی رائے سے مطلع کیجئے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے کسی مخلص نے جلد اول کے ص ۱۱۹ پر موجود ایک عبارت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی۔ یہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں پر ساری رات عبادت کرنے کے باعث ورم دیکھتے ہوئے بعض صحابہ نے عرض کیا۔ ''لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' یارسول اللہ ﷺ! آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں فرماتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ یہی ترجمہ عام مترجمین نے کیا ہے ہم نے بھی اسی طرح کر دیا۔ بس اس وقت خیال نہ آیا کہ یہاں ہم وہ اشارہ کر دیتے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم، سورۃ الفتح کی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ ''لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ'' تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ جبکہ اسی آیت کریمہ کا ترجمہ میرے استاد محترم حضرت علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کرتے ہیں'' تاکہ اللہ آپ کے لئے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام'' اور حضرت پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: '' تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔'' حضرت پیر صاحب نے وہ دیگر تراجم بھی لکھے جو مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے کئے ہیں۔

ان تمام ترجموں سے بہر حال یہ واضح ہے کہ الفاظ میں اختلاف کے باوجود عقیدہ سب کا ایک ہی ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص میرے آقا ﷺ ہر قسم کے گناہ سے پاک، معصوم ہیں کسی نبی سے گناہ کا تصور بھی ناممکن ہے۔ اس قسم کا خیال بھی گمراہی اور ضلالت ہے، اللہ محفوظ رکھے۔ بحمد اللہ یہی ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے جو ہماری نجات کا وسیلہ

اور بخشش کا واحد ذریعہ ہے۔ اللہ اسی پر زندہ رہے اور اسی پر موت آئے کہ یہی حق ہے قرآن وحدیث سے ثابت وواضح ہے۔

ہم شکرگزار ہیں ان جملہ احباب کے جنہوں نے جلد اول کی اشاعت میں ہمارا تعاون کیا۔ ان میں بطور خصوصی قابل ذکر ہیں حضرت علامہ مولانا محمد حسن صاحب حقانی، حضرت علامہ مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی، جناب شاہد شمیم الحق اور عزیزم جناب عاقل شیخ صاحب نیز برادر عزیز سید طارق علی قادری ساعد الباری، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی اس خدمت و اشاعت دین کو بوسیلہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرمائے اور خدمت دین کی مزید توفیق وافر فرمائے، آمین۔

خادم العلم والدین حامد

فقیر سید سعادت علی القادری

۱۴ رشعبان المعظم ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۲۰۰۱ء

[illegible]